مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق
جدید
گلدستۂ تفاسیر
مرتب
حضرت مولانا عبد القیوم
اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر ابن کثیر
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
معارف القرآن
معارف القرآن
تفسیر میرٹھی
پسند فرمودہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ

دورِ حاضر کی مُستند تفاسیر کا جامع خلاصہ

گلدستہ تفاسیر

جلد-۴

اوّل مُکمل تفسیرِ عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزمان شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مُرتّب

حضرۃ مولانا عبد القیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی

مسترشد خاص

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبد الغفور العباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسندفرمودہ

حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب مدظلہ العالی
حضرۃ مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان 061 4540513 4519240

Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

فہرست عنوانات

(سورۃ الحجر تا سورۃ الحج)

بقیہ فہرست آخر میں ملاحظہ فرمائیں

سورۃ الحجر

جس نے خواب میں اس سورۃ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان میں محفوظ رہے گا اور مسکین رہے گا۔ اور اگر اس کا پڑھنے والا بادشاہ ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی مدت قریب ہوگی اور اگر قاضی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی سیر اچھی ہوگی اور اگر تاجر ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ خاندان والوں پر فضیلت حاصل کرے گا اور اگر عالم ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا عزت کی حالت میں انتقال ہوگا۔ (حضرت علامہ ابن سیرینؒ)

سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ننانوے آیات اور چھ رکوع ہیں۔

سُوۡرَۃُ الۡحِجۡرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسۡعٌ وَّ تِسۡعُوۡنَ اٰیَۃً وَّ سِتُّ رُکُوۡعَاتٍ
سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ
یہ آیتیں ہیں کتاب کی

یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔

وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱﴾
اور واضح قرآن کی

واضح قرآن:

اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں۔ لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہئے۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۲﴾
کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان

کفار کی حسرت:

یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الٰہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے وہ وقت کب آئیگا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے۔ ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو "جنگ بدر" کا تھا جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقرائے مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہیدستی و حرمان پر پچھتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتہ جان نکالنے کیلئے سامنے کھڑا ہوگا اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آ رہے ہوں گے۔ اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کرینگے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کرلیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہوگا جو طبرانی کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے بعدہ مشرکین ان پر طعن کرینگے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ "رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ" گویا یہ آخری موقع ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ میں حسرت:

ابن جریر، ابن مبارک اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے متعلق بیان کیا کہ ان دو بزرگوں نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا اللہ جب دوزخ کے اندر مشرکوں اور گناہگار مسلمانوں کو جمع کر دے گا تو مشرک مسلمانوں سے کہیں گے تم کو بھی تمہارے اعمال کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اس پر اللہ ناراض ہو کر مسلمانوں کو دوزخ سے باہر نکال دے گا (رہا کر دے گا بخش دے گا) ہناد، سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ شفاعت قبول فرما کر مسلسل جنت میں داخل فرمائے گا اور شفاعت کے بعد رحم فرمائے گا بالآخر فرمائے گا جو بھی مسلمان ہو جنت میں چلا جائے (اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے) آیت رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ کا یہی مطلب ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جتنی مدت تک اللہ چاہے گا وہاں رہیں گے پھر (دوزخ کے اندر) مشرک ان کو طعنہ دیں گے کہ تم نے جو تصدیق کی تھی (اور ایمان لائے تھے) اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس پر اللہ ہر موحد کو دوزخ سے نکال لے گا کسی موحد کو آگ کے اندر نہیں چھوڑے گا۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ تلاوت فرمائی۔

طبرانی، ابن عاصم اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخی دوزخ میں جمع ہو جائیں گے اور حسب مشیت خدا ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کافر مسلمانوں سے کہیں گے کیا تم مسلمان نہ تھے؟ مسلمان کہیں گے ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہم کو پکڑ لیا۔ یہ گفتگو اللہ سنے گا تو حکم دے گا اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہوں اس کو نکال لیا جائے۔ چنانچہ سب مسلمان نکال لئے جائیں گے۔ دوزخی کافر جب یہ بات دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان (مسلمانوں) کی طرح نکال لیا جاتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ تلاوت فرمائی۔

طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے کیا اس آیت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے سنا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے انتقام لینے کے بعد اللہ دوزخ سے اپنی مشیت کے موافق مؤمنوں کو نکال لے گا، (لیکن شروع میں) جب مشرکوں کے ساتھ ان مسلمانوں کو دوزخ کے اندر اللہ داخل فرمادے گا تو مشرک کہیں گے تم تو دنیا میں دعوی کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں پھر آج ہمارے ساتھ دوزخ میں کیوں ہو، یہ بات سماعت فرمانے کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دیدیگا فوراً فرشتے اور انبیاء اور مؤمن شفاعت کریں گے یہاں تک کہ ان گناہگار مسلمانوں کو دوزخ سے بحکم خدا نکال لیا جائے گا۔ مشرک یہ بات دیکھ کر کہیں گے کاش ہم بھی تمہاری طرح ہوتے اور تمہاری طرح ہماری بھی شفاعت ہو جاتی۔ ان (رہا شدہ) مسلمانوں کے چہرے چونکہ سیاہ ہوں گے اس لئے (مسلمان) ان کو جہنمی کہیں گے ان کا نام جہنمی ہو جائے گا لیکن وہ اللہ سے دعا کریں گے اے ہمارے رب ہم سے یہ نام الگ کر دے "حکم ہوگا نہر حیات میں غسل کریں غسل کے بعد ان کے چہرے گورے چمکدار ہو جائیں گے اور یہ نام (یا یہ خطاب) ان کا نہیں رہے گا۔

ابن جریر نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ (کافروں کی تمنا) اس وقت ہوگی جب گناہگار مسلمانوں کو دوزخ سے نکالا جارہا ہوگا ہناد نے اس آیت کے ذیل میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس وقت لا الٰہ الا اللہ کا ہر قائل (یعنی ہر مسلمان) دوزخ سے نکل آئے گا۔

اس کلام سے پرزور طور پر کافروں کے انکار اور استہزاء کی تردید کر دی گئی۔ حفاظت کرنے سے مراد ہے ہر قسم کے الفاظ کی تغیر و تبدیل اور کمی بیشی سے حفاظت اب کسی طور پر بگاڑ اور تغیر اس میں ممکن نہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں تحریف و تغیر کا امکان ہوتا اور دین کے دشمن نکتہ چینی کر سکتے۔ افسوس کہ رافضی گروہ اس آیت کے باوجود قرآن کو بگڑا ہوا اور ناقص قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (چالیس پارے تھے) حضرت عثمان نے دس پارے جلوا دیئے۔ (تفسیر مظہری)

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ
چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت (فائدہ اٹھائیں) لیں اور امید
الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝
میں (پر بھولے) لگے رہیں سو آئندہ معلوم کر لیں گے

چھوڑیئے! انہیں معلوم ہو جائے گا:

یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیں بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائیگی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائیگا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہو جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

بدبختی کی علامت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہونا (یعنی اپنے گناہوں، غفلتوں پر نادم ہو کر نہ رونا) اور سخت دلی، طول امل اور دنیا کی حرص۔ (قرطبی عن مسند البزار عن انسؓ)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے پہلے طبقہ کی نجات ایمان کامل اور دنیا سے اعراض کی وجہ سے ہوگی۔ اور آخری امت کے لوگ بخل اور طول امل کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جامع مسجد دمشق کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے اہل دمشق! کیا تم اپنے ایک ہمدرد خیر خواہ بھائی کی بات سنو گے سن لو! کہ تم سے پہلے بہت بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے مال و متاع بہت جمع کیا اور بڑے بڑے شاندار عمارات تعمیر کئے اور دور دراز کے طویل منصوبے بنائے آج وہ سب ہلاک ہو چکے ہیں ان کے مکانات، ان کی قبریں ہیں اور ان کی طویل امیدیں سب دھوکہ اور فریب

ثابت ہوئیں قوم عاد تمہارے قریب تھی جس نے اپنے آدمیوں سے اور ہر طرح کے مال ومتاع سے اور اسلحہ اور گھوڑوں سے ملک کو بھر دیا تھا، آج کوئی ہے جو ان کی وراثت مجھ سے دو درہم میں خرید نے کو تیار ہو جائے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں طویل امیدیں باندھتا ہے اس کا عمل ضرور خراب ہو جاتا ہے۔ (قرطبی)

معارف ومسائل

مامون کے دربار کا ایک واقعہ:

امام قرطبیؒ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت وشکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا۔ پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے (امتحان لینے کے لئے) کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا، بات ختم ہو گئی یہ شخص چلا گیا پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گزشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے اس لئے مسلمان ہو گیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا انہوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

یحییٰ بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کونسی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات وانجیل کا ذکر کیا ہے، اس میں تو فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ، یعنی یہود ونصاریٰ کو کتاب اللہ تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود ونصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ ومحرف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس لئے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر وزبر میں فرق نہ آ سکا۔ آج عہد رسالت کو بھی تقریباً چودہ سو برس ہو چکے ہیں تمام دینی اور اسلامی امور میں مسلمانوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود قرآن کریم کے حفظ کرنے کا سلسلہ تمام دنیا کے مشرق ومغرب میں اسی طرح قائم ہے ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھوں، لڑکے اور لڑکیاں ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم کی بھی مجال نہیں کہ ایک حرف غلط پڑھ دے اسی وقت بہت سے بڑے اور بچے اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔

حفاظت قرآن کے وعدے میں حفاظت حدیث بھی داخل ہے:

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآنی کا نام ہے نہ صرف معانی قرآن کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ معانی اور مضامین قرآنیہ تو دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں اور اسلامی تصانیف میں تو عموماً مضامین قرآنیہ ہی ہوتے ہیں مگر ان کو قرآن نہیں کہا جاتا کیونکہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کے متفرق الفاظ اور جملے لے کر ایک مقالہ یا رسالہ لکھ دے تو اس کو بھی کوئی قرآن نہیں کہے گا اگرچہ اس میں ایک لفظ بھی قرآن سے باہر کا نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف اس مصحف ربانی کا نام ہے جس کے الفاظ اور معانی ساتھ ساتھ محفوظ ہیں۔

فقط ترجمہ قرآن نہیں ہے:

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی زبان اردو یا انگریزی وغیرہ میں جو صرف ترجمہ قرآن کا شائع کر کے لوگ اس کو اردو یا انگریزی قرآن کا نام دیتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ قرآن نہیں، اور جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن صرف الفاظ قرآن کا نام نہیں بلکہ معانی بھی اس کا ایک جزو ہیں

تو حفاظت قرآن کی ذمہ داری اس آیت میں حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمے قرار دی ہے اس میں جس طرح الفاظ قرآنی کی حفاظت کا وعدہ اور ذمہ داری ہے اسی طرح معانی اور مضامین قرآن کی حفاظت اور معنوی تحریف سے اس کے محفوظ رہنے کی بھی ذمہ داری اللہ تعالیٰ ہی نے لے لی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ معانی قرآن وہی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ،یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ بتلادیں لوگوں کو مفہوم اس کلام کا جوان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ،اوراسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما بعثت معلماً ، یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معانی قرآن کے بیان اور تعلیم کے لئے بھیجا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جن اقوال وافعال کے ذریعہ تعلیم دی، انہی اقوال وافعال کا نام حدیث ہے۔

مطلقاً احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محفوظ کہنے والا درحقیقت قرآن کو غیر محفوظ کہتا ہے:

جو لوگ آجکل دنیا کو اس مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ جو مستند کتب میں موجود ہیں وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں کہ وہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت بعد میں مدون کیا گیا ہے، اوّل تو ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ حدیثؐ کی حفاظت وکتابت خود عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شروع ہو چکی تھی، بعد میں اس کی تکمیل ہوئی اس کے علاوہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت تفسیر قرآن اور معانی قرآن ہیں، ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ محفوظ رہ جائیں معانی (یعنی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ضائع ہو جائیں؟ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ
اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا
مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾
مقرر

مہلت پر مغرور نہ ہوں:

یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا جس میں نہ بھول چوک ہوسکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا۔ جب کسی قوم کی میعاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آپہنچا ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال وتاخیر پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا خدائی سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ جو تاخیر کی جاتی ہے اس میں خدا کی بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا
نہ سبقت کرتا ہے کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے
يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾
اور نہ پیچھے رہتا ہے

معین وقت نہیں ٹلے گا:

یعنی امم مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج وزوال یا موت وحیات کی جو میعاد مقرر ہے وہ اس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ
اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن (نصیحت)
اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾
تو بے شک دیوانہ ہے

مشرکین کا استہزاء:

مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء واستخفاف کہتے تھے یعنی آپ سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے دوسروں کو احمق وجاہل بتلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور ایک وقت آئے گا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہو جاتے، یہ کونسی عقل وہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو پڑھ کر سناتے ہو مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ (العیاذ باللہ)

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾
اگر تو سچا ہے

فرشتوں کی فوج کیوں نہ آئی:

اگر بارگاہ احدیت میں آپ کو ایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کھلم کھلا آپ کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپ کی بات منواتی، نہ مانتے تو فوراً سزا دیتی۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا

ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام (ٹھیک) پورا کر کے اور اس

كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

وقت نہ ملے گی ان کو مہلت (ڈھیل)

ماننے والوں کیلئے کافی نشانیاں موجود ہیں:

یعنی ماننے والوں کے لئے اب بھی کافی زائد نشان موجود ہیں باقی جن کا ارادہ ہی ماننے کا نہیں وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے پھر ان کے اتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی غرض صحیح کے لئے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھلانا مقصود نہیں ہوتا۔ عموماً عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تفہیم و ہدایت کے طے ہو جاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اس کے ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے پھر اس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اتارے جائیں تو اس سے صرف یہی ایک مقصد ہو سکتا ہے کہ تم کو بلا تاخیر ہلاک کر دیا جائے جو فی الحال حکمت الٰہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہو چکنے اور سب کام ختم کئے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

ہم نے اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں

حفاظت قرآن کا وعدہ:

یعنی تمہارا استہزاء و تعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن و حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ جس شان اور ہیبت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر و زیر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ و مضمون رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ بدلیں گے۔ زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں پر قرآن کی صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و انحطاط محسوس نہ ہوگا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا کم کر دینے میں ساعی ہونگی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کر سکیں گی۔

وعدہ کی تکمیل:

حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔

غیر مسلموں کا اقرار:

''میور'' کہتا ہے جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں''۔

حفاظت کے اسباب:

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر و زبر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے پھر کسی مجلس میں ایک بڑے با وجاہت عالم و حافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگزاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہی اہتمام و اعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔ (تفسیر عثمانی)

موجودہ قرآن ہی اصل ہے:

تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف وتحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے غزاوت میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاروں ہزرا قرآن کے حافظ ہوتے چلے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی وبیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ مشرق اور مغرب نے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملالو ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

روئے زمین کے مختلف زبانوں کی تـ وں کو دیکھ لیا جائے سب کے سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں۔

اس دلیل عقلی ونقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہل بیت (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص وعام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال پیش کیا کرتے تھے اور (۴) اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور (۵) اپنے اہل وعیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۶) اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۷) اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۸) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور (۹) اسی قرآن کے اوامر ونواہی کے پابند تھے اور (۱۰) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیب عثمان تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکری اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکری کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علماء کی ایک جماعت مثلاً ابوعلی، طبرسی، اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر صراط مستقیم جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے۔ اس میں اس طرح ہے ای انالہٗ لحفظون من التحریف والتیدیل والزیادۃ والنقصان اور سورۃ حم سجدہ میں ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ یعنی اس پر یعنی قرآن پر باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہ ہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپ نے صحابہ کو تعلیم دی۔

سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہ سے روایت ہے، قال علی بن ابی طالب لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ مافعل الذی فی المصاحق الا علی ملا منا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمہ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمان نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنی نے جس قدر نسخے قرآن کریم کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔

ان علماء شیعہ کی اصل عبارتیں اگر دیکھنا مقصود ہو تو ازالۃ الشکوک جلد دوم از صفحہ ۴ تا ۱۴ مصنفہ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی قدس سرہٗ مراجعت کریں۔

فرقہ امامیہ کا عقیدہ:

مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہٖ صحیفہ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقد تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلینی میں ہے عن ہشام بن سالم عن ابی عبداللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ. شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خرد برد ہو گیا۔

یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کما قال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ نے اس کو یہ ہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین نے یہ ہی قرآن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آ رہا ہے اور جو قرآن شیخینؓ اور عثمان غنیؓ نے جمع کیا اور اس کی جمع وترتیب میں از اول تا آخر حضرت علیؓ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علیؓ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانہ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں وانزلت علیک کتابا لا

یغسله الماء۔ یعنی اے نبی میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھوسکتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمدللہ یہ دولت اہل سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ کماقال الله تعالىٰ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ تلاوت قرآن اہل سنت کا شعار ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ

اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اگلے فرقوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾

مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی

منکروں کا کام ہی یہی ہے:

آپ کو تسلی دی گئی کہ ان کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آیا اس کی ہنسی اڑائی، کبھی مجنون کہا۔ کبھی محض دق کرنے کیلئے لغو اور دوراز کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا۔ "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ" (شعراء رکوع ۲) اور وہ ہی فرشتوں کی فوج لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ سے کر رہے تھے۔ "فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ" ۔ (زخرف رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

اسی طرح بٹھا دیتے ہیں ہم اس کو دل میں گنہگاروں کے

انکار واستہزاء کی سزا:

یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء وتکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں جب ان کے دل میں کانوں کے راستہ سے وحی الٰہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

المجرمین سے مراد ہیں مشرکین مکہ یعنی جس طرح گزشتہ کافر امتوں کے دلوں میں ہم نے کفر واستہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح مکہ کے ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر واستہزاء کو داخل کرتے ہیں سلک (پرونا) ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا جیسے سوئی میں ذورے کو اور زخمی میں نیزے کی نوک کو داخل کر دینا۔ اس آیت میں فرقہ قدریہ کے قول کا رد ہے (فرقہ قدریہ قائل ہے کہ وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) آیت بتا رہی ہے کہ کافروں کے دلوں میں کفر واستہزاء کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی

یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ متمردین ہلاک ورسوا کیے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا

اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے

فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے

یہ ماننے والے نہیں ہیں:

یعنی فرشتوں کا اتارنا تو اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اوپر چڑھا دیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں تب بھی ضدی اور معاند لوگ حق کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس وقت کہہ دینگے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے۔ شاید ابتداء میں نظر بندی سمجھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج

آسمان کے بُرج:

"برجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس وقمر کا ارادہ کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان کے بارہ برج ہیں یعنی آسمان کے بارہ ٹکڑے مثل خربوزہ کے

پھانک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہو گئے ہیں ہر بروج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ برج اسی نام سے عرب میں مشہور ہو گیا۔ حمل، ثور، جوزہ، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت، یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾
اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں

آسمان کے ستارے قدرت کے نشان ہیں:

یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ رات کے وقت جب بادل اور گرد وغبار نہ ہو بیشمار ستاروں کے قمقموں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان وزمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھ دار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بُرج کی تحقیق:

برج بڑا ستارہ، تبرج سے یہ لفظ ماخوذ ہے تبرج کا معنی ہے ظاہر ہونا تبرجت المرء ۃ عورت نمودار ہوگئی۔ عطیہ نے کہا بروج آسمان کے اندر بڑے بڑے محلات ہیں، اس آیت میں بروج سے مراد وہ معنی نہیں جو اہل ہیئت کی اصطلاح میں آتا ہے۔ اہل ہیئت کے اصطلاحی معنی کا وجود مندرجہ ذیل امور پر موقوف ہے تمام آسمان باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے پر حاوی ہیں کہ نویں آسمان کے گھومنے سے سب اسی طرف گھومنے پر مجبور ہیں جس طرف نویں آسمان کی حرکت ہو پھر نویں آسمان کی حرکت کے لئے ایک منطقہ اور دو قطب ہوں، پھر آٹھویں آسمان جس کو فلک ثوابت کہا جاتا ہے، کے لئے بھی ایک منطقہ اور دوسرے دو قطب ہوں اور سورج آٹھویں آسمان کے منطقہ پر قائم ہو اور دونوں منطقوں کا باہم ایک تقاطع بھی ہو اور چاروں قطبوں کے درمیان ایک خط کھینچا جائے جس سے چار قوس پیدا ہو جائیں اور ہر قوس میں تین برج ہوں۔ اس تمام خرافات کا شریعت انکار کرتی ہے شریعت سے آسمانوں کی حرکت ثابت نہیں بلکہ ستاروں کی حرکت ثابت ہوتی ہے اور ہر آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کے بقدر بتایا گیا ہے (ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے چسپاں ہونے کا انکار اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے) اور شریعت کے نزدیک آسمانوں کی تعداد سات ہے اس سے زائد نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا
اور محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے
مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ
جو چوری سے سن بھاگا سو اس کے پیچھے پڑا
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾
انگارہ چمکتا ہوا

شیطانوں کی چوری کا انسداد:

آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔ اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتشباری کی جائے۔ نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عنان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلیفون جا رہا ہوا ہے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب، ثاقب) پھٹتا ہے۔ اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوا دوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کاہنوں کا کاروبار:

کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ ناوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سیکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض وتغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سی چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہ ہی عالم ملکوت ہے۔

شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافتراء کوئی چیز نہیں، نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کرلے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کا فرشتوں سے سن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کردی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغواء واضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی۔ اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔

(تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے۔ اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کیلئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں۔ اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آسمانوں پر شیطانوں کیلئے پابندی:

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول لکھا ہے کہ پہلے آسمانوں تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دلوں میں القاء کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمانوں پر جانے سے شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک ہوئی باقی چار آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کردی گئی اب جو کوئی شیطان چوری چھپے (اوپر جا کر) کوئی خبر سن پاتا تھا فوراً اس پر (ٹوٹنے والا ستارہ بشکل) انگارہ مارا جاتا تھا ان شیطانوں کی جب کامل بندش ہوگئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی نیا حادثہ ہوا ہے۔ جا کر دیکھو شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تلاوت کرتے پایا کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

شیطانوں پر شعلے پڑنا:

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ہاں جو چوری سے سن پاتا ہے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ آتشیں آپڑتا ہے۔ شہاب آتشیں شعلہ جو ستاروں سے نکلتا ہے۔ بغوی نے چوری سے سننے اور پیچھے سے شعلہ آتشیں پڑنے کی یہ تفصیل بتائی ہے کہ شیاطین نیچے سے آسمان دنیا تک ایک کے اوپر ایک سوار ہو کر (گویا) سیڑھیاں بنالیتے ہیں اور چوری چھپے فرشتوں کی کچھ باتیں وہ سن لیتے ہیں فرشتے (مطلع ہو کر) ان پر آتشیں شعلے مارتے ہیں، کوئی انگارہ خطا نہیں جاتا۔ انگارہ پڑنے سے کوئی تو مر جاتا ہے کسی کا چہرہ یا پہلو یا ہاتھ یا کوئی اور حصہ حسب مشیت الٰہی جل جاتا ہے، کوئی بدحواس اور پاگل ہو جاتا ہے اور بھوت بن جاتا ہے جو زمین پر آ کر جنگلوں میں مسافروں کو سیدھے راستہ سے بھٹکاتا ہے۔

خدائی فیصلہ پر فرشتوں کی اطاعت اور شیطانوں کی چوری:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آسمان میں اللہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اطاعت اور احترام کے زیر اثر فرشتے اپنے بازو پھڑپھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے سے ہوتی ہے جب دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو (آپس میں) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا بلاشبہ حق ہے، وہی (سب سے) بزرگ، و بالا ہے۔ چوری سے سننے والے ایک کے اوپر ایک لگے ہوتے ہیں چنانچہ (سب سے اوپر) چوری سے سننے والا کوئی بات سن پاتا ہے اور اپنے نیچے والے کو بتادیتا ہے اور نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو بتادیتا ہے اس طرح سب سے نیچے والا جادوگر یا کاہن کی زبان پر وہ بات لے آتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نیچے والے تک پہنچانے سے پہلے اوپر والے پر شعلہ آتشیں آپڑتا ہے اور کبھی آتشیں شعلہ پہنچنے سے پہلے وہ نیچے والے کو بتا چکتا ہے ساحر یا کاہن (اس ایک بات میں) سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے (جب وہ ایک بات جو کاہن کی زبان سے لوگ سنتے ہیں اور وہ واقع ہو جاتی ہے تو) کہا جاتا ہے کیا کاہن نے ہم سے ایسی ایسی بات پہلے ہی نہ کہہ دی تھی۔ چنانچہ اس ایک آسمانی بات کی وجہ سے کاہن کی دوسری خرافات کی بھی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور وہاں اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہوتا ہے کوئی شیطان اس کو چوری سے سن پاتا ہے اور جا کر کاہن کے دل میں ڈال دیتا ہے، کاہن اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کردیتے ہیں یہ روایت بخاری کی بھی ہے اور بغوی کی بھی۔ سند میں فرق ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہاب ثاقب:

ان آیات سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں تک نہیں ہوسکتی ابلیس لعین کا تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت آسمانوں میں ہونا اور آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ میں مبتلا کرنا وغیرہ یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں، اس وقت تک جنات وشیاطین

کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد سے یہ داخلہ ممنوع ہوا۔ سورۂ جن کی آیات میں جو یہ مذکور ہے۔

اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک شیاطین آسمانوں کی خبریں فرشتوں کی باہمی گفتگو سے سن لیا کرتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں داخل ہوکر سنتے تھے، نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ کے الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چوروں کی طرح آسمانی فضا میں جہاں بادل ہوتے ہیں چھپ کر بیٹھ جاتے اور سن لیا کرتے تھے ان الفاظ سے خود بھی مترشح ہوتا ہے کہ قبل بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع ہی تھا مگر فضاء آسمانی تک پہنچ کر چوری سے کچھ سن لیا کرتے تھے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حفاظت وحی کا یہ مزید سامان ہوا کہ شیاطین کو اس چوری سے بھی بذریعہ شہاب ثاقب روک دیا گیا۔

مسئلہ: رہا یہ سوال کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں کی گفتگو کو آسمانوں سے باہر شیاطین کس طرح سن سکتے تھے، سو یہ کوئی ناممکن چیز نہیں بہت ممکن ہے کہ اجرام سماویہ سماعت اصوات سے مانع نہ ہوں اور یہ بھی بعید نہیں کہ فرشتے کسی وقت آسمانوں سے نیچے اتر کر باہم ایسی گفتگو کرتے ہوں جس کو شیاطین سن بھاگتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے آسمان سے نیچے جہاں بادل ہوتے ہیں کبھی کسی وقت یہاں تک اترتے ہیں اور آسمانی خبروں کا باہمی تذکرہ کرتے ہیں شیاطین اسی فضاء آسمانی میں چھپ کر یہ خبریں سنتے تھے جن کو شہاب ثاقب کے ذریعہ بند کیا گیا، اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۂ جن میں اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ کی تفسیر میں آئے گی۔

دوسرا مسئلہ: ان آیات میں شہاب ثاقب کا ہے قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لئے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعہ شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں اوپر جاکر جب ان کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سلگ اٹھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹا ہے اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے عربی زبان میں بھی اس کے لئے انقضاض کوکب کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں، زمین سے اٹھنے والے بخارات مشتعل ہوجائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو مگر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لے لیا گیا، کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہریؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں، اس پر اس نے سورۂ جن کی مذکورہ آیت معارضہ کے لئے پیش کی تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے مگر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباسؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونے والا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ (پہاڑ)

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

اور بنادیئے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جن کو

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

تم روزی نہیں دیتے

توحید والوہیت کے دلائل:

یعنی نوکر چاکر حیوانات وغیرہ جن سے کام اور خدمت ہم لیتے ہیں اور روزی ان کی خدا کے ذمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے اس طرح ترجمہ کیا ہے ہم نے تمہارے اور ان کے لئے جن کے تم رازق نہیں ہو اسباب زندگانی پیدا کیے ہیں اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں اپنی ہستی کمال قدرت ہمہ گیر حکمت استحقاق الوہیت اور توحید ذاتی وصفاتی کے لئے مذکورہ اشیاء کی تخلیق کو پیش کیا ہے اور بندوں کو اپنے انعامات کی یاددہانی کی ہے تاکہ لوگ دوسروں کو اس کا شریک نہ بنائیں اور تنہا اسی کو معبود سمجھیں اس کی نعمتوں کا شکرادا کریں کفران نعمت نہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا

اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور

نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اتارتے ہیں ہم اندازۂ معین (ٹھہرے ہوئے اندازہ) پر

لامحدود خزانے:

یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کرے نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکان ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز موجود ہوئی، گویا تمام چیزوں کا خزانہ اس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلا کم وکاست نکلی چلی آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم مثال: بغوی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا، خشکی اور سمندر میں اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے سب کی تمثال عرش میں ہے اور آیت وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ کی یہی تفسیر ہے۔ میں کہتا ہوں شاید امام کی مراد عرش سے عالم مثال ہے جس طرح انسان کا محل خیال دماغ ہے، (اور وجود خارجی وجود خیالی کے ظہور خارجی کا نام ہے) اسی طرح عالم کبیر (کے ظہور خارجی) کا محل عالم مثال ہے اور محل تمثال عرش ہے۔

بارش: بعض علماء کا قول ہے کہ خزائن سے مراد بارش ہے بارش ہر چیز کا خزانہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ روایت میں آیا ہے کہ آسمان سے جو قطرہ اترتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ ضرور ہوتا ہے یہ فرشتہ اس بوند کو اس جگہ تک ضرور پہنچاتا ہے جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور چلائیں ہم نے ہوائیں اوس (بوجھل کرنیوالی ابر کی) پھر

مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج

اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا

میٹھے پانی کی بارش:

یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں ان سے پانی برستا ہے جو نہروں چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے خدا چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا لیکن اس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے بارہ مہینہ پینے کیلئے زمین کے مسام میں جمع کردیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ ہوا کو بھیجتا ہے ہوا پانی کو اٹھا کر لاتی ہے۔ بادل پانی کو لے کر ہوا کی وجہ سے چلتا ہے اور اونٹنی کے دودھ دینے کی طرح پانی برستا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لواقح جنوبی ہوائیں ہیں۔ بعض آثار صحابہ میں آتا ہے جب بھی جنوبی ہوا چلتی ہے انگور کے خوشے (ساتھ) اٹھا کر لاتی ہے اور ریح عقیم عذاب کو لاتی ہے پھل نہیں پیدا کرتی۔

آندھی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

بغوی نے امام شافعیؒ وطبرانی کی سند سے حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے کہ جب کبھی کوئی تیز ہوا چلتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً دوزانو بیٹھ کر دعا کرتے تھے، اے اللہ اس کو رحمت بنادے عذاب نہ بنا، اے اللہ اسکو رحمت کی ہوائیں کردے، عذاب کی آندھی نہ کردینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں رحمت کی ہواؤں کے لئے لفظ ریاح بصیغہ جمع اور عذاب کی آندھی کے لئے لفظ ریح استعمال فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

جنوبی ہوا: ابن جریر میں بسند ضعیف ایک حدیث مروی ہے کہ جنوبی ہوا جنتی ہے، اس میں لوگوں کے منافع ہیں اور اسی کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، مسند حمیدی کی حدیث میں ہے کہ ہواؤں کے سات سال بعد خدا تعالیٰ نے جنت میں ایک ہوا پیدا کی ہے، جو ایک دروازے سے رکی ہوتی ہے۔ اسی بند دروازے سے تمہیں ہوا پہنچتی رہتی ہے، اگر وہ کھل جائے تو زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہوا سے الٹ پلٹ ہوجائیں۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا نام اذیب ہے، تم اسے جنوبی ہوا کہتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سمندری پانی کھارا کیوں ہے:

سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انتہائی کھارا

اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا، اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہوجاتی، اس لئے قدرت نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنادیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں پہنچ کر بھسم ہوجاتی ہیں غرض اس حکمت کی بناء پر سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا گیا جو نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، نظام قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کئے ان کو صرف سمندری پانی کا خزانہ ہی نہیں بنایا، بلکہ مان سون اٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک اس میں ایسے انقلابات بغیر کسی ظاہری مشین کے پیدا کردیئے کہ اس پانی کا نمک علیحدہ ہو کر میٹھا پانی بن گیا۔

اندازہ لگایئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینہ کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے، اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بلکہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا۔ اس لئے قدرت الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقت ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا، کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں اور انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہوجاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصہ کو برف کی شکل میں بحر منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی۔ جہاں سے تھوڑا تھوڑا رس کر وہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہوجاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور جہاں یہ چشمے بھی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطہ پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾
اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ

یعنی نہ اوپر بارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں، خدا جب چاہے بارش برسائے نہ تم روک سکتے ہو نہ اپنے حسب خواہش لاسکتے ہو اور اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کردے یا زیادہ نیچے اتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہوجائے تو کیسے قابو حاصل کرسکتے ہو۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾
اور ہم ہی ہیں جلانے والا اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے

یعنی دنیا فنا ہوجائیگی، ایک خدا اپنی کامل صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ''ہر کوئی مرجاتا ہے اور سب کی مائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔''

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو

یعنی اگلا پچھلا کوئی شخص یا اس کے اعمال ہمارے احاطۂ علمی سے باہر نہیں حق تعالیٰ کو ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اسی کے موافق آخرت میں تمام مخلوق کا انصاف کیا جائیگا۔

(تنبیہ) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے، ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صفوف صلوٰۃ میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آگیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک خوبصورت عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی۔ کچھ لوگ اگلی صف میں بڑھ گئے تاکہ نماز میں (رکوع میں بھی) عورت پر نظر نہ پڑے اور کچھ لوگ اتنے پیچھے ہوگئے کہ آخری صف میں پہنچ گئے ان میں سے بعض لوگ رکوع میں گئے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے عورت کو دیکھنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان، حاکم، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

صف اوّل کی فضیلت:

قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اسی آیت سے نماز میں صف اول اور شروع وقت میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ اذان کہنے اور نماز کی صف اول میں کھڑے ہونے کی کتنی بڑی فضیلت ہے تو تمام آدمی اس کی کوشش میں لگ جاتے کہ پہلی ہی صف میں کھڑے ہوں اور سب کے لئے جگہ نہ ہوتی تو قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

قرطبی نے اس کے ساتھ حضرت کعبؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وہ سجدے میں جاتے ہیں تو جتنے آدمی اس کے پیچھے ہیں سب کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ اس لئے حضرت کعبؓ آخری صف میں رہنا پسند کرتے تھے کہ شاید اگلی صفوف میں اللہ کا کوئی بندہ اس شان کا ہو تو اس کی برکت سے میری مغفرت ہوجائے، انتہی کلامہ۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اصل فضیلت تو صف اول ہی میں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا ان کو بے شک وہی ہے حکمتوں والا خبردار

سب زندہ کئے جائیں گے:

یعنی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اس کی حکمت مقتضی ہوگی کہ سب کو بیک وقت انصاف کیلئے اکٹھا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہوگی، قبر کی مٹی جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، ہوائی فضا میں یا جہاں کہیں کسی چیز کا کوئی جز ہوگا وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دیگا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس چیز پر مریگا اللہ اسی چیز پر اس کو اٹھائے گا (رواہ احمد والحاکم والبیہقی) ضمیر ہو کا اضافہ بتارہا ہے کہ اللہ ہی قادر اور سب لوگوں کو اٹھانے کا تنہا ذمہ دار ہے اس فعل میں اس کا کوئی شریک نہیں، حکیم ہے یعنی اس کی حکمت نمایاں اور اس کی ہر صفت محکم ہے۔ علیم ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے (بجنے والی مٹی سے) سنے ہوئے

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

(جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) گارے سے

آیات انفسیہ:

آیات آفاقیہ کے بعد بعض آیات انفسیہ کو بیان فرماتے ہیں جس کے ضمن میں شاید یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جس ذات منبع الکمالات نے تم کو ایسے انوکھے طریقہ سے اول پیدا کیا دوبارہ پیدا کر کے ایک میدان میں جمع کر دینا کیا مشکل ہے۔

کھنکھناتی مٹی اور گارے سے پیدا کرنا:

(تنبیہ) آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے ''صلصال'' (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ ''کالفخار'' فرمایا) اور ''حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ'' (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا۔ پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا۔ تب مختلف تطورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''کانہ سبحانہ افرغ الحما فصور من ذلک تمثال انسان اجوف فیبس حتی اذا نقر صوت ثم غیرہٗ طورا بعد طور حتی نفخ فیہ من روحہ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مٹی پانی میں تر کی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی۔ وہی بدن ہوا انسان کا۔ اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ ''حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ'' اور ''طین لازب'' وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور ''فخار'' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ'' راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے افسوس ہے ہم اس کا خلاصہ بھی یہاں درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صلصال وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اس کو (اس کی جگہ سے) ہلایا جاتا ہے تو کھڑ کھڑ کی آواز دیتی ہے۔ مجاہد نے کہا بدبو دار کیچڑ کو صلصال کہتے ہیں۔ صل اللحم اور اصل اللحم گوشت بدبودار ہو گیا۔ صلصال اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ حما دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی کے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ مسنون پتلا جس میں صورت بنا دی گئی ہو۔ یہ لفظ سننت الوجہ سے ماخوذ ہے۔ شروع میں مٹی، تراب، خاک پھر پانی میں گوندھے جانے کے بعد طین (کیچڑ) پھر ایک مدت تک یونہی رہنے کے بعد حما (لیسدار کیچڑ یا دلدل) پھر اس کا خلاصہ اور جوہر نکال لیا جائے تو اس کو سلالہ (خلاصہ) کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں نقوش صورت بنا دیئے جائیں (پتلا بنا دیا جائے) تو اس کو مسنون کہتے ہیں اور مسنون خشک ہو جائے تو اس کو صلصال کہتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا، مسنون خراب بدبودار یہ لفظ سننت الحجر علی الحجر سے ماخوذ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جان (جنوں کو) کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لو کی آگ سے

جنات کا خمیر:

یعنی لطیف آگ ہوا ملی ہوئی کما قال وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن رکوع ۱) یا یوں کہو تیز ہوا جو آگ کی طرح جلانے والی ہو، جسے ہمارے یہاں ''لو'' کہتے ہیں۔ بہرحال آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ اس مادہ سے پیدا

ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا، ابلیس بھی اسی قسم میں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

الجان (میں لام جنسی ہے) الانسان کی طرح جنس ہے۔ جب ایک شخص سے نکلے ہوئے مختلف افراد اسی جنس کے ہوں اور اس شخص کو کسی خاص مادہ سے بنایا گیا ہو تو تمام افراد کا قوام اسی اصلی مادہ سے مانا جائے گا (پس ابوالجن کو جب آگ کے مادہ سے بنایا گیا تو اس کی ساری نسل کو بھی اسی اصلی مادہ سے بنا ہوا کہا جائے گا اگرچہ اولاد کا سلسلہ تناسلی ہوگا براہ راست آگ سے ان کو نہیں بنایا گیا ہوگا)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، الجان سے مراد ہے تمام جنات کا باپ جیسے حضرت آدم تمام انسانوں کے باپ تھے، قتادہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ الجان جنات کا باپ ہے اور شیاطین کا باپ ابلیس ہے۔ جنات میں کچھ مسلمان ہیں کچھ کافر، مرتے بھی ہیں پیدا بھی ہوتے ہیں اور شیاطین میں سے کوئی بھی مسلم نہیں نہ کسی کو موت آتی ہے جب ابلیس مرے گا تو اسی کے ساتھ سب مریں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا

(بجنے والی مٹی سے جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) سنے ہوئے

سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا

گارے سے پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں

لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾

اپنی جان سے تو گر پڑیو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے

آدم کیلئے سجدہ کا حکم:

یعنی آدم کا پتلا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ روح انسانی فائض کی جاسکے پھر اس میں جان ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ سب سجدہ میں گر پڑو۔

روح کی نسبت اللہ کی طرف:

(تنبیہ): ''روح'' (جان) کی اضافت جو اپنی طرف کی یہ محض تشریف و تکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ یعنی وہ خاص ''جان'' جس میں نمونہ ہے میری صفات (علم و تدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل فطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبۃً قریبی علاقہ رکھنے والی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا، تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الوراء خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی حلول واتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ ''روح'' کے متعلق مناسب کلام ان شاء اللہ آئندہ۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ '' میں کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آدمؑ جہت سجدہ تھے:

اللہ نے آدم کو ملائکہ کا قبلہ سجود بنایا جیسے کعبہ کو قبلہ عبادت انسانوں کے لئے قرار دیا۔ کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا بلکہ کعبہ کو تجلیات و انوار سے چونکہ ایک خصوصیت ہے اس لئے اس کو جہت سجدہ بنایا پس اسی طرح فرشتوں کے لئے سجدہ کی جہت بنا دیا مسجود لہ نہیں بنایا۔ (تفسیر مظہری)

روح کیا ہے:

امام غزالیؒ، امام رازیؒ، اور عموماً صوفیہ اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ وہ جسم نہیں بلکہ جوہر مجرد ہے امام رازی نے اس کے بارہ دلائل پیش کئے ہیں۔ مگر جمہور علماء امت روح کو ایک جسم لطیف قرار دیتے ہیں۔ نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔ اگر بقول جمہور روح کو جسم لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے اور جوہر مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنی اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہوگا۔ (بیان القرآن)

روح اور نفس کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

یہاں اس طویل الذیل بحث کو چھوڑ کر ایک خاص تحقیق پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تحریر فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں، علوی اور سفلی، روح علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے۔ اہل کشف کو اس کا اصل مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں، قلب، روح، سر، خفی، اخفی اور یہ سب عالم امر۔ کے لطائف میں سے ہیں، جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی، ہوا، سے پیدا ہوتا ہے، اور اسی

روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے، ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنادیا ہے، جس طرح آئینہ جب آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے، اور روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آجاتی ہے۔ جو کپڑے کو جلاسکتی ہے، اسی طرح ارواح علویہ اگرچہ اپنے تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ وارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آکر ارواح علویہ کی کیفیات وآثار اس میں منتقل کردیتا ہے۔ اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہوجاتے ہیں ہر ہر فرد کے لئے ارواح جزئیہ کہلاتے ہیں۔

پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے ہیں اپنی ان کیفیات وآثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے، اس کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ روح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام بدن انسانی کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روح سفلی کے بدن انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفخ روح سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ کسی چیز میں پھونک بھرنے سے بہت مشابہ ہے۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کرکے مِنْ رُّوْحِیْ اسی لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روح انسانی کا اشرف واعلیٰ ہونا واضح ہوجائے کیونکہ وہ بغیر مادہ کے محض امر الٰہی سے پیدا ہوئی ہے نیز اس میں تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

اور انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غالب مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت وہ دس چیزوں کا جامع ہے جن میں پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی، عالم خلق کے چار عنصر، آگ، پانی، مٹی، ہوا اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے۔ اور عالم امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔

اسی جامعیت کے سبب انسان خلافت الٰہیہ کا مستحق بنا، اور نور معرفت اور نار عشق ومحبت کا متحمل ہوا، جس کا نتیجہ بے کیف معیت الٰہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرء مع من احب "یعنی ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے"۔

اور انسان میں تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور معیت الٰہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی کی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے، ارشاد ہوا فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔

حکم سجدہ فرشتوں کو ہوا تھا ابلیس اس میں تبعاً شامل قرار دیا گیا

سورۂ اعراف میں ابلیس کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا ہے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، اسی لئے اس سورت کی جو آیات ابھی آپ نے پڑھی ہیں جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اصالۃً یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا، مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں کے اندر موجود تھا، اس لئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا، کیونکہ آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کے لئے جب اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین مخلوق فرشتوں کو حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق کا تبعاً اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر تھا، اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد نہیں ہوتا، اور شاید قرآن کریم کے الفاظ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہو کہ ابی ان یسجد کے بجائے اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ذکر فرمایا جس سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل ساجدین تو فرشتے ہی تھے، مگر عقلاً لازم تھا کہ ابلیس بھی جب ان میں موجود تھا تو وہ بھی ملائکہ ساجدین کے ساتھ شامل ہوجاتا، اس کے عدم شمول پر عتاب فرمایا گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ

تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سب نے مل کر مگر

اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا

السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

سجدہ کرنے والوں کے بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس

خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

کو تو نے بنایا کھنکھناتے (بجنے والی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

گارے سے) سنے ہوئے گارے سے فرمایا تو تو نکل یہاں سے

شیطان کا انکار:

یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ مگر ابلیس نے سجدہ کرنیوالوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ابلیس معیت کو نہ سمجھ سکا اور نہ اس نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حکیم کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

ابلیس چونکہ ملائکہ میں سے نہ تھا جنات میں سے تھا، اللہ نے فرمایا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ (تفسیر مظہری)

راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مؤمن ہو اس کو شیطان نہیں کہا جا سکتا ہے۔ جنات میں سے جو کافر ہے صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

نکتہ: خمیر کا اثر:

آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لئے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع وخضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت وعبودیت ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہو اس لئے کہ ہر شے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لئے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار وآثار کو نہ سمجھ سکا جس کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا۔ (معارف کاندھلوی)

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

تجھ پر مار ہے

شیطان کی مردودیت:

یعنی مردود ومطرود ہے یا "رجیم" سے اشارہ اسی طرف ہو جو پہلے گزرا کہ شہب سے شیاطین کا رجم کیا جاتا ہے۔ گویا اس لفظ میں اس کے شبہ کا جواب دیا گیا کہ تیرا جود سے انکار کرنا شرف عنصری کی بناء پر نہیں۔ فضل وشرف تو اسی کیلئے ہے جسے خدا تعالیٰ سرفراز فرمائے۔ ہاں تیرے اباء واستکبار کا منشاء وہ شقاوت، بدبختی ہے جو تیری سوء استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (اللہ نے) فرمایا (جب تو نے میرا فرمان نہیں مانا) تو (جنت یا آسمان یا ملائکہ کے گروہ سے) نکل جا بلاشبہ تو مردود ہے یعنی بھلائی اور اعزاز سے نکالا اور دھتکارا ہوا ہے۔ رجیم سنگسار کیا ہوا پتھروں سے مارا ہوا جو (اللہ کی بارگاہ سے) مطرود ہو جائے وہ سنگسار کیا جائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ اگر تو آسمان سے قریب آیا تو تجھ پر انگارے برسائے جائینگے ٹوٹے ہوئے تارے تجھ پر (پتھروں کی طرح) پڑیں گے۔

اعتراض کا جواب:

شیطان کے لئے اس آیت میں وعید بھی اور اس کے اعتراض کا در پردہ جواب بھی ہے ابلیس کا اعتراض یہ تھا کہ میں تخلیقاً افضل ہوں آدم مجھ سے ادنیٰ ہے۔ اور ادنیٰ کے سامنے افضل کو سربسجود ہو جانے کا حکم مناسب نہیں۔ جواب یہ ہے کہ فضیلت اور برتری کا مدار اللہ کے حکم کی تعمیل پر ہے (اجزاء تخلیقی پر نہیں) جو نافرمان ہوگا وہ بھلائی سے محروم ہو جائے گا اور نکالا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

اور تجھ پر پھٹکار ہے اس دن تک کہ انصاف ہو

شیطان پر دائمی لعنت:

یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آناً فاناً خیر سے بعید تر ہوتا رہے گا۔ جب قیامت تک توفیق خیر کی نہ ہوگی تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہی کاٹے گا جو یہاں بویا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی۔ اس کے بعد جو بیشمار قسم کے عذاب ہونگے، وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں یا "اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ" کالفظ دوام سے کنایہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور روز جزا تک تجھ پر لعنت یقینی ہے۔ روز جزاء پر پھٹکار اور لعنت کی انتہاء ہے اس کے بعد اعمال کی (اخروی) سزا وجزا ہوگی اور لعنت اخروی کے عذاب کا وقت آجائے گا یا یہ مطلب ہے کہ روز جزا تک تو لعنت ہوگی اور اس کے بعد ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس کی موجودگی میں دنیوی لعنت بھول جائے گی۔

بعض نے کہا (لعنت کو یوم الدین تک جاری رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے) طویل ترین مدت کے لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت تک یہ بات ہوتی رہے گی یا نہ ہوگی۔ (اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قیامت کے بعد اس کے خلاف ہوگا بلکہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے کی ایک طویل ترین مدت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے زندہ ہوں

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اسی مقرر وقت

الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

کے دن تک

شیطان کو مہلت ملنا:

یعنی اس وقت تک تجھے ڈھیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے اس واقعہ کی تفصیل ''بقرہ'' اور ''اعراف'' میں گزر چکی ہے۔ ہم نے ''اعراف'' کے دوسرے رکوع میں اسکے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ تو مہلت یافتہ گروہ میں سے تو بیشک ہوگا (لیکن یہ مہلت زندگی) معلوم وقت کے دن تک (ہوگی) یعنی اس وقت تک مہلت زندگی ہوگی جو اللہ کو معلوم ہے۔ مراد یہ ہے کہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک جس سے سب مخلوق مرجائے گی تجھے مہلت ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت تک جس سے لوگ اٹھائے جائیں گے مہلت نہیں دی جاسکتی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں مرتبہ صور پھونکے جانے کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی اسی مدت میں ابلیس کی موت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی

بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا میں بھی ان سب کو

الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا

بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھو دوں گا ان سب کو مگر

عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾

جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں

شیطان کے جذبات:

یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشات نفسانی کے جال میں پھنساؤنگا اور تیرے مخصوص و منتخب بندوں کے سوا سب کو راہ حق سے ہٹا کر رہونگا۔ یہ کلمات لعین نے جوش انتقام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور پھینکا گیا ہوں۔ اپنی قدرت اور بساط کے موافق اس کی نسلوں تک سے بدلہ لیکر چھوڑوں گا۔ سورۂ ''اعراف'' میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾

فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی

شیطان سے محفوظ بندے:

یعنی بیشک بندگی اور اخلاص کی راہ سیدھی میرے تک پہنچتی ہے اور یہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت واخلاص کی راہ اختیار کرینگے وہی شیطان لعین کے تسلط سے مامون رہیں گے۔ اور جو ملعون کی پیروی کرینگے اس کے ہمراہ دوزخ میں جائینگے۔ بعض مفسرین نے ''هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ'' کو تہدید پر حمل کیا ہے۔ یعنی او ملعون! لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کر کے کہاں بھاگے گا وہ کونسا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ جاتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کدھر جاسکتا ہے اس وقت کلام ایسا ہوگا جیسے کہتے ہیں ''افعل ماشئت فطریقک علی'' اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا ''اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ'' واللہ اعلم۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ

جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾

مگر جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں

یعنی بیشک چنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تیرا کچھ زور نہ چلے گا۔ یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں چل سکتی۔ ہاں جو خود ہی بہک کر اپنی جہالت وحماقت سے تیرے پیچھے ہولیا وہ اپنے اختیار سے خراب وبرباد ہوا۔ جیسے پہلے خود شیطان کا مقولہ گزر چکا۔ ''وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ'' (ابراہیم رکوع ۴)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا

شیطان اور اس کے پیروکاروں کا انجام:

یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کیلئے دوزخ کا جیل خانہ تیار ہے تم سب اسی گھاٹ میں اتارے جاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کے دروازے اوران سے بچاؤ:

ترمذی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں سب سے زیادہ غم آگیں کرب آفریں اورحزن آلود اور متعفن ترین دروازہ ان زنا کاروں کے لئے ہوگا جنھوں نے جانتے ہوئے زنا کا ارتکاب کیا ہوگا۔ بیہقی نے خلیل بن مرہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تبارک الذی اور حم السجدہ پڑھے نہیں سوتے تھے اور فرماتے تھے، حم والی سورتیں سات ہیں اور دوزخ کے بھی سات طبقات ہیں۔ جہنم، حطمہ، لظی، سقر، سعیر، ہاویہ، جحیم۔ قیامت کے دن ان (حم والی سورتوں) میں سے حم السجدہ آ کر ان طبقات کے دروازہ پر کھڑی ہوجائیگی اور عرض کرے گی اے اللہ جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھے پڑھتا تھا وہ اس میں داخل نہ ہو۔

حضرت سلمان فارسیؓ پر خوف کا غلبہ:

ثعلبی کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ سنی تو بدحواس ہو کر بھاگے اور اسی حالت میں تین روز بھاگتے رہے آخر (پکڑ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرار کا سبب) دریافت فرمایا حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ نازل ہوئی تو قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچ کا حامل بنا کر بھیجا ہے میرا دل اس سے پارہ پارہ ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ

اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے واسطے ان میں سے

جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا

جہنم کے سات طبقات:

بعض سلف نے ''سبعۃ ابواب'' سے دوزخ کے سات طبقے اوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ ان کے نام ابن عباسؓ نے یہ بتلائے ہیں۔ جہنم، سعیر، لظی، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم ایک خاص طبقہ اور مجموعہ طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں، جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہونگے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے، ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بدعمل والوں پر بانٹے ہوئے۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لئے ہے کہ بعضے موحدین نرے فضل سے جنت میں جائینگے بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں''۔ (تفسیر عثمانی)

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ۔ اس (جہنم) کے سات دروازے ہیں۔ ہناد، ابن مبارک اور امام احمد نے الزہد میں اور ابن جریر وابن ابی الدنیا نے صفت النار (دوزخ کی حالت کا بیان) میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر اور انگلیوں کو الگ الگ کر کے فرمایا، دوزخ کے دروازے اسی طرح ہوں گے یعنی ہر دروازہ کے اوپر دروازہ ہوگا (اس طرح دوزخ کی سات منزلیں اور درجات ہوں گے) اول پہلی منزل بھر دی جائے گی پھر دوسری پھر تیسری پھر چوتھی پھر پانچویں پھر چھٹی ساتویں۔

بغوی نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ نے جنت کو پھیلاؤ میں رکھا ہے (یعنی جنت کے اوپر جنت نہیں ہے) اور دوزخ کو ایک کو دوسرے کے اوپر بنایا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہنم کے سات دروازے (یعنی درجے) ہیں ان میں سے ایک ان لوگوں کے لئے جنھوں نے میری امت پر تلوار سونتی یا فرمایا محمد کی امت پر تلوار کھینچی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ ؕ

پرہیز گار	ہیں	باغوں	میں	اور	چشموں میں

پرہیز گاروں کا انجام:

جولوگ کفر وشرک اور معاصی وذنوب سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشمے اور نہریں بہتی ہونگی شیطان کے متبعین کے بعد یہ عباد مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

کہیں گے ان کو جاؤ ان میں سلامتی سے خاطر (بے کھٹکے) جمع سے

یعنی فی الحال تمام آفات وعیوب سے صحیح وسالم اور آئندہ ہمیشہ کیلئے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف وہراس سے بے کھٹکے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا

اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی بھائی ہو گئے

جنت میں کینہ وحسد نہ ہوگا:

یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گزشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک وصاف کر کے داخل کئے جائیں گے نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہوگا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبت والفت سے رہیں گے۔ ہر ایک

دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محظوظ ہوگا۔ اس کا کچھ بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر ربع میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ:

ابونعیم نے الفتن میں اور سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی میں سے ہوں گے (یعنی جنت میں داخلہ سے پہلے اللہ ہماری آپس کی کشیدگیوں کو دور کردے گا۔ میں کہتا ہوں، یہ کشیدگی اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا گیا یہاں تک کہ آپ شہید کردیئے گئے اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں عبدالکریم بن رشید کی روایت نقل کی ہے کہ اہل جنت جنت کے دروازے تک پہنچیں گے تو ایک دوسرے کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھتا ہوگا لیکن اندر داخل ہوتے ہی اللہ ان کے سینوں سے کینہ نکال دے گا اور وہ بھائی بھائی ہوجائیں گے۔

حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم:

ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ بن حسینؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کا نزول ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں ہوا۔ سوال کیا گیا ان دونوں میں کونسا کینہ تھا، فرمایا دور جاہلیت کا کینہ، بنی تمیم اور بنی عدی اور بنی ہاشم کے درمیان جاہلیت کے زمانہ میں کینہ تھا۔ جب یہ قبائل مسلمان ہوگئے تو باہم محبت کرنے لگے (ایک بار) حضرت ابوبکرؓ کو کمر کی کچھ تکلیف ہوگئی تو حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے گدی گرم کرکے حضرت ابوبکرؓ کی کمر کو سینکا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے، پہلے چشمہ سے وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخر تک موجود رہا وہ سب دھل جائے گی اور سب کے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا ہوجائیگی۔ کیونکہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف و عذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

کینہ اور بغض کی مذمّت:

اور حدیث صحیح میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کینہ کسی مسلمان سے ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اس سے مراد وہ کینہ اور بغض ہے جو دنیوی غرض سے اور اپنے قصد و اختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع پائے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے طبعی انقباض جو خاصہ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں، اسی طرح جو کسی شرعی بنیاد پر مبنی ہو ایسے ہی بغض و انقباض کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اہل جنت کے دلوں سے ہر طرح کا انقباض اور رنجش دور کردی جائے گی۔

اسی کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ”مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دلوں کا غبار جنت میں داخلہ کے وقت دور کردیا جائے گا“۔ اشارہ ان اختلاف و مشاجرات کی طرف ہے جو ان حضرات اور حضرت علیؓ کے درمیان پیش آئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾
تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے

عزت کے تخت:

یعنی عزت و کرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کرینگے ملاقات وغیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہوگی جس میں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو۔

لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف اور نہ ان کو وہاں سے
بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾
کوئی نکالے

ہمیشہ کی تندرستی:

حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائیگا اے اہل جنت اب تمہارے لئے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے، ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت:

حضرت علیؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم بدریوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ کثیر النوا کہتے ہیں ابوجعفر محمد بن علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میرے دوست آپ کے دوست ہیں اور مجھ سے مصالحت رکھنے والے آپ سے مصالحت رکھنے والے ہیں میرے دشمن آپ کے دشمن ہیں اور مجھ سے لڑائی رکھنے والے آپ سے لڑائی رکھنے والے ہیں، واللہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بری ہوں۔ اس وقت حضرت ابوجعفرؒ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو یقیناً مجھ سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں ناممکن کہ میں اس وقت ہدایت پر قائم رہ سکوں۔ ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے تو اے کثیر محبت رکھ اگر اس میں تجھے گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر آپ نے اسی آیت کے آخری حصہ کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ ان دس شخصوں کے بارے میں ہے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہ آمنے سامنے ہوں گے

تا کہ کسی کی طرف کسی کی پیٹھ نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں آ کر اسے تلاوت فرما کر فرمایا کہ یہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ وہاں انہیں کوئی مشقت تکلیف اور ایذا نہ ہوگی۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے خوشخبری:

صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ میں حضرت خدیجہؓ کو جنت کے سونے کے محل کی خوشخبری سنادوں جس میں نہ شور وغل ہے نہ تکلیف ومصیبت یہ جنتی جنت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ حدیث میں ہے ان سے فرمایا جائے گا کہ اے جنتیو! تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور ہمیشہ یہیں رہو گے کبھی نکالے نہ جاؤ گے۔

نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾
خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان
وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۰﴾
اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب درد ناک ہے

اللہ کی دو صفتیں:

''مجرمین'' اور ''متقین'' کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت وشان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اسی کی ہے۔ تمام دنیا کی مہربانیاں اس کی مہربانی کا پرتو ہیں لیکن جو شخص خود شرارت وبدکاری سے مہربانی کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا۔

؎ بتہدید گر بر کشد تیغ حکم بمانند کروبیاں صم وبکم
وگر در دہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے، وہ ہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سناتے اور دوسری جگہ پتھر برساتے تھے، تا معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفتیں (رحمت وغضب) پوری ہیں۔ بندوں کو چاہئے نہ دلیر ہوں نہ آس توڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: طبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چند صحابی باہم ہنس رہے تھے، رسول اللہ کا ادھر سے گزر ہوا، صحابہ کو ہنستے دیکھ کر فرمایا، دوزخ تم لوگوں کے سامنے ہے پھر بھی ہنس رہے ہو۔ فوراً جبرئیل علیہ السلام نازل ہو گئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب فرماتا ہے تم کیوں میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید [illegible] آیت ذیل نازل ہوئی نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (اے نبی) [illegible] بندوں کو اطلاع دے دو کہ بلاشبہ میں ہی بہت بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ بھی خبر دو کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

ابن مردویہ نے دوسری سند سے کسی صحابی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا میں تم کو ہنسی میں مشغول نہیں پارہا ہوں (یعنی تم اللہ کے عذاب کی طرف سے غافل ہو اور ہنس رہے ہو) پھر پشت پھیر کر چل دیئے، پھر پچھلے قدموں لوٹے اور فرمایا، میں یہاں سے نکل کر حجر (سنگ اسود) تک ہی پہنچا تھا کہ جبرئیل امین آ گئے اور انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ فرماتا ہے، میرے بندوں کو تم کیوں ناامید کرتے ہو نَبِّئْ عِبَادِيٓ الخ آیت کی رفتار ترتیب میں وعدہ مغفرت ورحمت بھی ہے اور وعید عذاب بھی گویا گزشتہ مضمون کا خلاصہ اس آیت میں مذکور ہے اور لفظ غفور رحیم بتا رہا ہے کہ آیت سابقہ میں المتقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے پرہیز کرنے والے ہیں صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے مراد نہیں ہیں ورنہ مغفرت کا مفہوم ہی کیا ہوگا کس چیز کی مغفرت ہوگی۔

مقدارِ عفو اور مقدارِ عذاب:

بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے، قتادہ نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر بندہ اللہ کی مقدار عفو کو جان لیتا تو حرام سے پرہیز نہ کرتا اور اگر اللہ کی مقدار عذاب کو جان لیتا تو خوف کے مارے (گویا) اس کی جان ہی تو نکل جاتی۔ ترمذی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مومن بندہ کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جاتا تو پھر جنت کی امید ہی کسی کو نہ رہتی اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کی مقدار معلوم ہو جاتی تو جنت سے مایوس نہ ہوتا۔

سو رحمتیں: صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے تخلیق رحمت کے دن اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ننانوے رحمتیں اپنے پاس روک لیں اور ایک رحمت ساری مخلوق میں پھیلا دی جو رحمتیں اللہ کے پاس ہیں اگر ان سب سے کافر واقف ہو جائے تو جنت سے ناامید نہ ہو اور جو عذاب اللہ کے پاس ہے اگر مومن کو اس کا علم ہو جائے تو دوزخ سے بے خوف نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

ناامید نہ کرو: یہ مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو شیبہ کے دروازے سے صحابہؓ کے پاس آ کر کہتے ہیں میں تو تمہیں ہنستے ہوئے

دیکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر واپس مڑ گئے اور حطیم کے پاس سے ہی الٹے پاؤں پھر ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ ابھی میں جا ہی رہا تھا جو حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے بندوں کو ناامید کر رہا ہے؟ انہیں میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے المناک ہونے کی خبر دیدے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بندے خدا تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾
اور حال سنا دے ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان:

''مہمان'' اس لئے کہا کہ ابراہیم ابتداء میں انہیں مہمان ہی سمجھے بعد میں کھلا کہ فرشتے ہیں۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ
جب چلے آئے اس کے گھر میں اور بولے (کہا انہوں نے) سلام
وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾
وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے

حضرت ابراہیمؑ کا خوف:

دوسری جگہ آیا ہے ''وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً'' یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائیگا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکے۔ زبان سے ظاہر کر دیا۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ پر اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈر کس بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزاء پر بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لی جائے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾
بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی

بیٹے کی بشارت:

یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے۔ اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دیکر منصب نبوت پر فائز کیا جائیگا، وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات رکوع۳)

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ
بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کا ہے
فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾
پر خوشخبری سناتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا تعجب:

چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی تو اپنی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنے تو باوجود یقین آجانے کے اسے خوب کھود کرید کر دریافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تاخبر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہرائے جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل والتباس کا۔ گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور پختہ کرانا اور تکرار سماع سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ قال متعجباً من کبرہ و کبر زوجۃ ومتحققا للوعد فاجابوہ موکدین لمابشر وہ بہ تحقیقاً وبشارۃ بعد بشارۃ۔ چونکہ سطح کلام سے ناامیدی کا توہم ہوسکتا تھا۔ جو اکابر خصوصاً اولوالعزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ملائکہ نے ''فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ'' کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ کاملین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ
بولے ہم نے تجھ کو خوشخبری سنائی ٹھیک (پکی)
الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ
سو مت ہو تو ناامیدوں میں بولا اور کون آس توڑے
رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾
اپنے رب کی رحمت سے مگر (وہی) جو گمراہ ہیں

فرشتوں کا جواب:

یعنی رحمت الٰہیہ سے ناامید تو عام مسلمان بھی نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم

السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے۔ محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے۔ ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے کہ یوں نہیں ہوسکتا یہ ہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑ نہیں جب منہ سے دعویٰ کرے تب گناہ ہوتا ہے''۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ

فرشتوں کی آمد کا مقصد:

یعنی کیا محض یہ بشارت سنانے کیلئے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالباً قرائن سے ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گزرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کیسا ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ

بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر مگر

اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا

لوط کے گھر والے ہم ان کو بچا لیں گے سب کو مگر ایک

امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

اس کی عورت ہم نے ٹھہرا لیا وہ ہے رہ جانے والوں میں

یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ (تنبیہ) ظاہر یہ ہے کہ ''قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ'' مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لیکر آئے تھے۔ چونکہ اس وقت وہ قضا و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لئے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لئے تقدیر (ٹھہرانے) کی نسبت نیابۃً اپنی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے ''قدرنا الخ'' حق تعالیٰ کا کلام ہو تب کوئی اشکال نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے بولا

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم لوگ ہو اوپرے (جن سے کھٹکا ہوتا ہے۔ اور طرح کے)

لوط علیہ السلام کا اندیشہ:

یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھٹکتا ہے۔ یہ شاید ویسا ہی کھٹکا ہوگا جو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو، تم کو یہاں کے لوگوں کی خوئے بد معلوم نہیں، دیکھئے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں، یا یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر لوط کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوط علیہ السلام انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا ''لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ'' اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری آبرو بچانے کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کیلئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

بولے نہیں پر ہم لیکر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں وہ جھگڑتے تھے

یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں۔ ہم تو آسمان سے وہ چیز لیکر آئے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم لائے ہیں تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں

یعنی آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل پکی اور اٹل بات ہے۔ جس میں قطعاً جھوٹ کا احتمال نہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ

سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو چل

اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی

حضرت لوطؑ کو ہجرت کا حکم:

یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنے گھر والوں کو بستی سے لیکر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہئے تاکہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا یا راستہ سے واپس تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور دل جمعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاء کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب

مانع ہوگا کہ پیچھے مڑکر دیکھیں۔ اس طرح وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ کا پورا امتثال ہوسکے گا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیبان سمجھیں گے۔

وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے

یعنی ملک شام میں یا اور کہیں امن کی جگہ جو خدا نے ان کیلئے مقرر کی ہوگی۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

اور مقرر کردی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

جڑ کٹے گی صبح ہوتے

صبح کو عذاب آئے گا:

یعنی لوط علیہ السلام کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سنادیا کہ عذاب کچھ دور نہیں۔ ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکلیہ استیصال کردیا جائیگا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہوجائیگا اور اشراق تک سب معاملہ ختم کردیا جائیگا کیونکہ دوسری جگہ "مصبحین" کے بجائے "مشرقین" کا لفظ آیا ہے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے

یعنی جب سنا کہ لوط کے یہاں بڑے حسین وجمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور دوڑتے ہوئے ان کے مکان پر آئے اور لوط سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کردو۔

(تنبیہ): وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ الخ میں "واؤ" مطلق جمع کے لئے ہے۔ یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔ سورۂ ہود اور اعراف میں یہ قصہ گزر چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو

حضرت لوطؑ کی پریشانی: کیونکہ مہمان کی فضیحت میزبان کی رسوائی ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ

یعنی خدا سے ڈرکر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اجنبی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہئے میں مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہونگا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی ان کی عزت نہیں کرتا نہ ان کا کہنا مانتا ہے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے

قوم والوں کی بے حیائی:

یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں جب ہم منع کرچکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیحت ہوئے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ اجنبی مسافروں کو اپنے افعال شنیعہ کا تختہ مشق بناتے ہونگے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت اور ان اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم لوطؑ والے (علاوہ امرد پرست ہونے کے) رہزن بھی تھے راگیروں کو لوٹا کرتے تھے حضرت لوطؑ بقدر امکان اس فعل سے ان کو منع کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾

بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت:

یعنی بیشک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا لیکن میں پوچھتا ہوں آخر اس روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہی نہ کہ میں تمہاری خلاف فطرت شہوت رانی کے راستہ میں حائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قضائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بے ہودہ حرامکاری کے مرتکب ہوتے ہو؟ یہ تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور قضائے شہوت کے مشروع و معقول طریقہ پر چلو، تو حاجت برآری کیلئے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور ستھری چیز کو چھوڑ کر حرام کی گندگی میں ملوث ہوتے ہو۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی (نشے) میں مدہوش ہیں

قوم والوں کی مستی:

ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ یعنی تیری جان کی قسم لوطؑ کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی وہ بدی اور بے حیائی سے حضرت لوطؑ کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے۔ ان کو اپنی قوت کا نشہ تھا، شہوت پرستی نے ان کے دل و دماغ مسخ کر دیئے تھے۔ وہ بڑے امن واطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے۔ تباہی اور ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر منڈلا رہی تھی، وہ لوطؑ کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

جان کی قسم:

(تنبیہ): ابن عباسؓ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اکرم واشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے متعلق ہم ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

(اللہ نے فرمایا اے محمد) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ درحقیقت اپنے نشہ میں سرمست ہیں عَمر اور عُمر ہم معنی ہیں۔ عَمر کا لفظ خفیف بھی ہے اور قسم کے موقع پر یہی لفظ بولا جاتا ہے (عُمر کا لفظ قسم کے موقع پر نہیں آتا) بغوی نے ابوالجوزاء کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز اللہ نے کسی اور کی جان نہیں پیدا کی اور آپ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی (عزیز ترین چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔ تمام جانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اللہ کے نزدیک عزیز تھی اس کی قسم کھائی)۔ یعمھون کا معنی ہے سرگرداں ہیں، متحیر ہیں یعنی جب یہ کافر اپنے نشے میں سرمست ہیں تو آپ کی نصیحت کیسے سن سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابونعیم وابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات وکائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت ومرتبہ عطا نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر وحیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا:

کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائے کیونکہ قسم اس کی کھائی جاتی ہے جس کو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جائے اور ظاہر ہے سب سے زیادہ بڑا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماؤں اور باپوں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ، اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی قسم بھی صرف اس وقت کھاؤ جب تم اپنے قول میں سچے ہو (رواہ ابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ)

اور صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا کہ "خبردار رہو اللہ تعالیٰ باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، جس کو حلف کرنا ہو اللہ کے نام کا حلف کرے ورنہ خاموش رہے (قرطبی، معارف)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾
پھر آ پکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت (ہی)

اس کے متعلق ہم قریب ہی "دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین" کے فائدہ میں کلام کر چکے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے "صیحہ" اور "صاعقہ" کہلاتا ہے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾
اور برسائے ان پر پتھر کھنگر (کنکر) کے

اس کی تفصیل سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾
بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو

اصحاب فراست:

"متوسم" اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات وقرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگا لے۔ حدیث میں ہے "اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله" بعض روایات میں "وبتوفيق الله" کی زیادت ہے۔ یعنی مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔ شاید "کشف" اور "فراست" میں بقول امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے، بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے "قوم لوط" کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں "اس کی لاٹھی میں آواز

نہیں"۔ اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت باندھے ورنہ ایسا ہی حشر ہوگا۔ وغیر ذلک۔

یہ بستیاں عذاب الٰہی کے ذریعہ ویران ہونے کے بعد پھر دوبارہ آباد نہیں ہوئیں بجز چند بستیوں کے اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان بستیوں اوران کے مکانات کو آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان مقامات سے گزرے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیبت حق کا ایک خاص حال ہوتا تھا جس سے سر مبارک جھک جاتا تھا اور آپ نے اپنی سواری کو ان مقامات میں تیز کر کے جلد عبور کرنے کی سعی فرماتے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل نے یہ سنت قائم کردی کہ جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہے ان کو تماشا گاہ بنانا بڑی قساوت ہے بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا استحضار اور اس کے عذاب کا خوف طاری ہو۔

قوم لوط کی بستیاں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جن کا تختہ الٹا گیا ہے، قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر اردن کے علاقہ میں آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ایک عظیم صحراء کی صورت میں موجود ہے، اس کے ایک بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس پانی میں کوئی مچھلی، مینڈک وغیرہ جانور زندہ نہیں رہ سکتا، اسی لئے اس دریا کو بحر میت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس میں پانی کے اجزاء بہت کم اور تیل کی قسم کے اجزاء زیادہ ہیں اس لئے اس میں کوئی دریائی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔

آجکل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنا دیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آجکل اس کو ایک سیر گاہ بنایا ہوا ہے، لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کیلئے آخر میں فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، یعنی درحقیقت تو یہ واقعات و مقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کیلئے عبرت آموز ہیں لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مومنین ہی ہوتے ہیں دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾

اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر

مکہ سے شام کو جاتے ہوئے اس الٹی ہوئی بستی کے کھنڈر نظر آتے تھے۔ "وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ۙ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (صافات رکوع ۴)۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

البتہ اس میں نشانی ہے ایمان (یقین کرنے) والوں کو

مومن کیلئے عبرت:

یعنی ان کھنڈرات کو دیکھ کر بالخصوص مومنین کو عبرت ہوتی ہے کیونکہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ اس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں گئیں، مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر محض بخت و اتفاق یا اسباب طبعیہ کا نتیجہ قرار دیں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی فراست:

ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کی عقلمندی اور دور بینی کا لحاظ رکھو، وہ خدا تعالیٰ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی، اور حدیث میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دیکھتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ خدا کے بندے لوگوں کو ان کے نشانات سے پہچان لیتے ہیں، یہ بستی شارع عام پر موجود ہے۔ جس پر ظاہری اور باطنی عذاب آیا، الٹ گئی پتھر کھائے عذاب کا نشانہ بنی۔

اب ایک گندگی اور بدمزہ کھائی کی جھیل سی بنی ہوئی ہے۔ تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو۔ تعجب ہے کہ پھر بھی عقلمندی سے کام نہیں لیتے۔ غرض صاف واضح اور آمد و رفت کے راستے پر یہ الٹی ہوئی بستی موجود ہے۔ یہ بھی معنی کیے ہیں کہ وہ کتاب مبین میں ہے لیکن یہ معنے کچھ زیادہ بند نہیں بیٹھتے، واللہ اعلم۔

خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے یہ ایک کھلی دلیل اور جاری نشانی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو نجات دیتا ہے اور اپنے دشمنوں کو غارت کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار

بن کے رہنے والے:

بن کے رہنے والے یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہونگے بعض کہتے ہیں "اصحاب ایکہ" اور "اصحاب مدین" دو جداگانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیبؑ دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں کا گناہ شرک و بت پرستی، ذاکہ زنی اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا، پہلے سورۂ ہود و اعراف میں ان کا مفصل قصہ گزر چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾

سو ہم نے بدلہ لیا ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر

یعنی حجاز وشام کے جس راستہ پر قوم لوط کی بستیاں تھیں وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور بے شک جھٹلایا حجر والوں (حجر کے رہنے والوں نے) نے رسولوں کو

قوم ثمود:

''حجر والے'' فرمایا ''ثمود'' کو۔ ان کے ملک کا نام ''حجر'' تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور دیں ہم نے ان کو اپنی نشانیاں سو رہے ان (ان کو ٹالتے) سے منہ پھیرتے

یعنی اونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے گھر اطمینان کے ساتھ

تمدن پر غرور:

یعنی دنیوی زندگی پر مغرور رہو کر تکبر وتجبر کی نمائش کیلئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالیشان مکان بناتے تھے۔ گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہونگے کہ ایسی مضبوط و مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے صبح ہونے (ہوتے) کے وقت

اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

پھر کام نہ آیا ان کے جو کچھ کمایا تھا

تمدن عذاب سے نہ بچا سکا:

یعنی مال ودولت، مستحکم عمارات جسمانی قوت اور دوسرے اسباب ووسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گزر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ''وادی حجر'' پر سے گزرے۔ آپ نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنالو۔ خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کے پہنچی تھی۔ یہ آپ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں وترساں ہو، محض سیر وتماشہ نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی حجر پر گذر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو جاتے ہوئے حجر میں سے گزر رہے تھے اور صحابہ سے فرمایا تھا، جن لوگوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا تم ان کے گھروں میں اور بستی میں داخل ہو تو روتے ہوئے جانا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اونٹنی پر سوار تھے چادر سے منہ چھپا کر تیزی کے ساتھ اونٹنی کو دوڑاتے ہوئے وادی سے گزر گئے۔ (تفسیر مظہری)

ایکہ اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السلام پہنچ گئے تھے اصل میں شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لئے اس کو ایکہ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور حجر اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی، ان ہی کو صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصراً ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے

بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

بغیر حکمت (تدبیر) اور قیامت بے شک آنے والی ہے

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

سو کنارہ کر اچھی طرح کنارہ

واقعات سنانے کا مقصد:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''پہلی امتوں کا حال سنا کر فرمایا کہ یہ جہان یوں ہی خالی نہیں پڑا۔ سر پر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنیوالا مکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے'' اور کفار سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا چکے تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کا فرضد پر اڑے رہے، تب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور ان کی تکلیف وایذا پر صبر کرو، حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ، یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنے والا خبردار

جس کو تیرے صبر اور ان کی ایذاء کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیگا۔

آخرت کی زندگی:

اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرمادی، یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزاء منتشر ہوگئے ہوں اس کو ہر جز کی خبر ہے، جہاں کہیں ہوگا سب کو جمع کر دے گا۔ دوسری جگہ فرمایا "اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ" الی آخر الآیۃ (یس ر کوع ۵)

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ
اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ
وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾
اور قرآن بڑے درجہ کا

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ اتنی بڑی نعمت دیکھ کر جو تجھ کو عطا ہوئی اور کافروں کی ضد سے خفا نہ ہو"۔

سورۃ فاتحہ:

(تنبیہ): "سبع مثانی" کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو فرمایا کہ یہ ہی "سبع مثانی" اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سی سورت کو "قرآن عظیم" (بڑا قرآن) فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل وشرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہئے قرآن کے تمام علوم ومطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے یوں مثانی کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ الخ (زمر رکوع ۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے "مثانی" کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ "سبع مثانی" اور "قرآن عظیم" کا مصداق یہ ہی سورت (فاتحہ) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے میں نے (سورۃ) صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے لئے آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے۔ الی آخر الحدیث سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

محمد بن نصر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال عطا فرمائی ہیں اور انجیل کی جگہ الرٰ والی سورتیں طٰسٓ والی سورتوں تک عطا فرمائی ہیں اور زبور کی جگہ طٰسٓ سے حٰمٓ والی سورتوں تک عنایت کی ہیں اور حٰمٓ والی سورتیں مزید عطا فرمائی ہیں اور مفصلات کو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھا (یعنی مجھے خاص طور پر مفصلات عطا فرمائی ہیں) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع طوال عطا کی گئیں (سات طویل سورتیں عطا کی گئیں) اور حضرت موسیٰ کو چھ عطا کی گئیں پھر جب حضرت موسیٰ نے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں تو دو سورتیں اٹھالی گئیں چار باقی رہ گئیں۔

حٰمٓ والی سورتیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبع مثانی سے حٰمٓ والی سات سورتیں مراد ہیں، بغوی نے اپنی سند سے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال عطا فرمائیں اور انجیل کی جگہ مئین عطا فرمائیں اور زبور کی جگہ مثانی اور میرے رب نے مفصلات مزید عنایت کیں۔ (تفسیر مظہری)

آیت میں ایک خصوصی انعام شمار کرایا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام یہ ہے کہ آپ کو سات ان میں سے عطا کی گئیں جو دھرائی گئی ہیں اور قرآن عظیم دیا گیا۔ (افادات مدنی)

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ
مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ
میں سے کئی طرح کے لوگوں کو

سامانِ دنیا پر نظر نہ کیجئے:

یعنی مشرکین، یہود ونصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا ورسول کو دنیا کی چندروزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دیدیا گیا جس سے ان کی شقاوت وشرارت زیادہ بڑھتی ہے۔ یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو، تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جسکے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مرتبہ مہمان

آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے رجب کے وعدے پر آٹا ادھار منگوایا لیکن اس نے کہا بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں بھی، اگر یہ مجھے ادھار دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو میں اسے ضرور ادا کرتا۔ پس آیت لا تمدن الخ نازل ہوئی اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی گئی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انسان کو ممنوع ہے کہ کسی کے مال ومتاع کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکے یہ جو فرمایا کہ ان کی جماعتوں کو جو فائدہ ہم نے دے رکھا ہے اس سے مراد کفار کے مالدار لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

اور نہ غم کھا ان پر اور جھکا اپنے بازو

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

ایمان والوں کے واسطے

غم نہ کھایئے تبلیغ کرتے رہیے:

غم نہ کھاؤ کہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں، معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر وغم میں مبتلا نہ کیجئے۔ آپ کی شفقت وہمدردی کے مستحق مومنین ہیں ان کے ساتھ ملاطفت، نرم خوئی اور شفقت وتواضع کا برتاؤ رکھئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾

اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر

میں تو پیغام پہنچانے والا ہوں:

یعنی کوئی مانے یا نہ مانے، میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب وشرارت کے عواقب خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہوسکتا ہے۔ جو کوئی ایمان نہ لائے تو غم نہ کھاؤ''۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾ الَّذِينَ

جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے

جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۹۱﴾

کیا ہے قرآن کو بوٹیاں

یہود ونصاریٰ اور مشرکین نے قرآن کو تقسیم کر رکھا ہے:

اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ''مقتسمین'' (بانٹنے والوں) سے مراد آپ کے زمانہ کے یہود ونصاریٰ وغیرہ ہیں جنہوں نے قرآن کی تقسیم وتحلیل کر رکھی تھی۔ یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء واہواء کے موافق پڑ جائے مان لو۔ جو خلاف ہو نہ مانو۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تجھے ''سبع مثانی'' اور ''قرآن عظیم'' دیکر بھیجا جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔ آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے بعض نے مقتسمین سے یہود ونصاریٰ مراد لیکر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔ یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء وتمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔ بقرہ یا مائدہ میں لونگا۔ عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے۔ ان ٹھٹھا کرنے والوں پر، اس وقت ''انزلنا'' کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ متیقن الوقوع مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا، ابن کثیرؒ نے مقتسمین کے معنی قسم کھانے والوں کے لئے ہیں۔ یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء علیہ السلام کی تکذیب ومخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں اور جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا، اسی طرح کے عذاب سے یہ ''نذیر مبین'' تم کو ڈراتا ہے۔ ''مقتسمین'' کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیرؒ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔

تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ (نمل رکوع ۴)۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ (نحل رکوع ۵)

أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ (ابراہیم رکوع ۷)

أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ (اعراف رکوع ۶)۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن سب سے بڑی نعمت ہے:

اسحاق بن راہویہ نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو قرآن عطا فرما دیا ہو اور کسی دوسرے شخص کو دنیا عطا کی ہو اور حامل قرآن مال دار کی دنیا کو اس نعمت سے بہتر خیال کرے جو اسے دی گئی ہے تو اس نے بڑی (نعمت) کو چھوٹی اور چھوٹی کو بڑی قرار دے دیا (یعنی نعمت قرآن اعلیٰ ہے اور نعمت دنیا ادنیٰ۔ جو شخص نعمت دنیا کو نعمت قرآن پر ترجیح دے اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ بنا دیا)۔

بغوی نے لکھا کہ حدیث لیس منا من لم یتغن بالقران کا مطلب سفیان بن عینیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن کی نعمت پا کر (ساری دنیا کی دولت سے) بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد و ابوداؤد، وابن حبان وحاکم نے حضرت سعدؓ کی روایت سے اور ابوداؤد وابولبابہ کی وساطت سے عبدالمنذر کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ وحضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کرو اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ بغوی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کسی فاجر پر (اس کی) نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کو کیا پیش آئے گا۔ اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے۔ جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ وہب بن منبہ کو جب اس حدیث کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابوداؤد اعور کو بھیج کر دریافت کرایا کہ نہ مرنے والے قاتل کا کیا مطلب ہے۔ عبداللہ بن مریم نے کہا، اس سے مراد ہے دوزخ۔

امام احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اوپر والے کو نہ دیکھو اللہ کی جو نعمت تم کو حاصل ہے اس کو حقیر نہ سمجھنے کے لئے یہی (تدبیر) زیادہ مناسب ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے لعن اللہ العاضھۃ والمستعضھۃ جادو کرنے والی اور جادو کرانیوالے پر اللہ کی لعنت (النہایۃ)۔ (تفسیر مظہری)

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس سرداران قریش جمع ہوئے حج کا موسم قریب تھا اور یہ شخص ان میں بڑا شریف اور ذی رائے سمجھا جاتا تھا، اس نے ان سب سے کہا کہ دیکھو حج کے موقع پر دور دراز سے تمام عرب یہاں جمع ہوں گے، تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے اس ساتھی نے ادھم مچا رکھا ہے پس اس کی نسبت ان بیرونی لوگوں سے کہا کیا جائے یہ بتاؤ اور کسی ایک بات پر اجماع کرلو کہ سب وہی کہیں، ایسا نہ ہو کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے اس سے تو تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا اور وہ پردیسی تمہیں جھوٹا خیال کریں گے انہوں نے کہا اے ابوعبد شمس آپ ہی کوئی ایسی بات تجویز کر دیجئے۔ اس نے کہا پہلے تم اپنی تو کہو تا کہ مجھے بھی غور و خوض کا موقعہ ملے۔ انہوں نے کہا پھر ہماری رائے میں تو ہر شخص اسے کاہن بتلائے۔ اس نے کہا یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا پھر مجنون کہنا بالکل درست ہے۔ اس نے کہا یہ بھی غلط ہے۔ کہا اچھا تو شاعر کہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شعر جانتا ہی نہیں۔ کہا اچھا پھر جادوگر کہیں؟ کہا اسے جادوگر سے مس بھی نہیں۔ اس نے کہا سنو واللہ اس کے قول میں عجب مٹھاس ہے ان باتوں میں سے تم جو کہو گے دنیا سمجھ لے گی کہ محض غلط اور سفید جھوٹ ہے، گو کوئی بات نہیں بنتی لیکن کچھ کہنا ضرور ہے۔ اچھا بھئی سب اسے جادوگر بتلائیں۔ اس امر پر یہ مجمع برخاست ہوا اور اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا	
سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ	
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾	
کرتے تھے	

کفار سے سوال ہوگا:

کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لا الہ الا اللہ کو کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

پس قسم ہے آپ کے رب کی (یعنی ہم کو اپنی ذات کی) کہ ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے۔ اعمال میں گناہ بھی داخل ہیں اور کفر بھی اور قرآن کی تکذیب بھی اور اس کو جادو قرار دینا بھی۔ سوال کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم ان سے باز پرس کریں گے اور ان کو ان کے کیے کی سزا بھی دیں گے۔

بغوی نے محمد بن اسماعیل بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ متعدد علماء کے نزدیک عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے مراد ہے لا الہ الا اللہ (یعنی لا الہ الا اللہ کی ہم ان سے باز پرس کریں گے)

ہر آدمی سے چار سوال:

مسلم نے حضرت ابو برزہ اسلمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پل) صراط سے کسی بندہ کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے (یعنی کوئی شخص بھی اس وقت تک پل صراط سے پار نہیں ہوگا) جب تک اس سے چار باتیں نہ پوچھ لی جائیں گی۔ اس وقت سوال کیا جائے گا عمر کے متعلق کہ کس کام میں ختم کی اور (سوال ہوگا) جسم کے متعلق کہ کس کام میں اس کو پرانا کیا (یعنی جسمانی طاقتیں کس کس کام میں صرف کیں) اور (سوال ہوگا) علم کے متعلق کہ علم کے بعد کیا عمل کیا اور (سوال ہوگا) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ترمذی اور ابن مردویہ نے یہ حدیث اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔

علمی خیانت: اصبہانی نے ترغیب میں اور طبرانی نے (الاوسط میں) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم (سکھانے) میں باہم خیرخواہی سے کام لو، کوئی کسی سے علم کو پوشیدہ نہ رکھے، علم میں خیانت کرنی مال میں خیانت کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ اس کی بھی تم سے ضرور باز پرس کرے گا۔

ہر قدم کا سوال:

ابونعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ جو قدم بھی (کسی مقصد کے لئے) اٹھاتا ہے اللہ اس مقصد کی اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔

امامت کی باز پرس:

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے کہ وہ (مقتدیوں کا) ذمہ دار ہے۔ اور اس ذمہ داری کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے امامت اچھی (طرح صحیح) کی ہوگی تو اس کو پیچھے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا اور اگر کچھ کمی ہوگی (یعنی نماز میں کچھ نقص ہوا ہوگا) تو اس کا گناہ بھی امام پر پڑے گا۔ ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، معاذ مؤمن سے قیامت کے دن اس کے تمام کاموں کی باز پرس ہوگی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ (لگانے) کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لا الہ الا اللہ کا سوال:

آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ان سب اگلوں پچھلوں سے ضرور سوال اور باز پرس ہوگی۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ سوال کس معاملہ کے متعلق ہوگا، تو آپ نے فرمایا قول لا الہ الا اللہ کے متعلق۔ تفسیر قرطبی میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک اس سے مراد اس عہد کو عملی طور پر پورا کرنا ہے، جس کی علامت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے، محض زبانی قول مقصود نہیں کیونکہ زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایمان کسی خاص وضع و ہیئت بنانے سے اور دین محض تمنائیں کرنے سے نہیں بنتا، بلکہ ایمان اس یقین کا نام ہے جو قلب میں ڈال دیا گیا ہو اور اعمال نے اس کی تصدیق کی ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے گا وہ ضرور جنت میں جائے گا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلمہ میں اخلاص کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ کلمہ انسان کو اللہ کے محارم اور ناجائز کاموں سے روک لے تو وہ اخلاص کے ساتھ ہے۔ (قرطبی)

ماننے اور نہ ماننے والوں کی مثال:

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اور اس ہدایت کی مثال جسے دے کر خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر کہے کہ لوگو! میں نے دشمن کا لشکر اپنی آنکھوں دیکھا ہے دیکھو ہوشیار ہو جاؤ بچنے اور ہلاک نہ ہونے کے سامان کرلو۔ اب کچھ لوگ اس کی بات مان لیتے ہیں اور اسی مہلت میں چل پڑتے ہیں اور دشمن کے پنجے سے بچ جاتے ہیں لیکن بعض لوگ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں اور وہیں بے فکری سے پڑے رہتے ہیں کہ ناگاہ دشمن کا لشکر آ پہنچتا ہے اور گھیر کر انہیں قتل کر دیتا ہے۔ پس یہ ہے مثال میرے ماننے والوں کی اور نہ ماننے والوں کی۔

ہر شخص کی پیشی:

ان کے اعمال کا سوال ان سے ان کا رب ضرور کرے گا یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ سے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے ہر ہر شخص قیامت کے دن تنہا تنہا خدا کے سامنے پیش ہوگا جیسے ہر ہر شخص چودھویں رات کے چاند کو اکیلا اکیلا دیکھتا ہے، اللہ فرمائے گا اے انسان تو مجھ سے مغرور کیوں ہو گیا تو نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا۔ تو نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں دو چیز کا سوال ہر ایک سے ہوگا، معبود کسے بنا رکھا تھا؟ اور رسول کی مانی یا نہیں؟ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں عمل اور مال کا سوال ہوگا۔ حضرت معاذؓ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے معاذؓ! انسان سے قیامت کے دن ہر ہر عمل کا سوال ہوگا یہاں تک کہ اس کے آنکھ کے سرمے اور اس کے ہاتھ کی گندھی ہوئی مٹی کے بارے میں بھی اس سے سوال ہوگا، دیکھ معاذؓ! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن خدا کی نعمتوں کے بارے میں تو کمی والا رہ جائے۔

دو آیتوں میں تطبیق:

اس آیت میں تو ہے کہ ہر ایک سے اس کے عمل کی بابت سوال ہوگا اور سورۂ رحمٰن کی آیت میں ہے کہ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ کہ اس دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہوں کا سوال نہ ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تطبیق یہ ہے کہ یہ سوال نہ ہوگا کہ تو نے یہ عمل کیا؟ بلکہ یہ سوال ہوگا کہ کیوں کیا؟ (تفسیر ابن کثیر)

پل پر حساب:

ابن ابی حاتم نے انفع بن عبداللہ کلاعی کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں اور صراط ان کے اوپر ہے۔ تمام مخلوق کو پہلے پل پر روک لیا جائے گا، حکم ہوگا ان کو ٹھہرالو، ان سے باز پرس کی جائے گی، یہاں نماز کی حساب فہمی اور باز پرس ہوگی ہلاک ہونے والا ہلاک ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا۔ دوسرے پل پر پہنچیں گے تو امانت کی بابت سوال ہوگا کہ کیسے ادا کی اور کیسے اس میں خیانت کی یہاں بھی تباہ ہونے والا تباہ ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو رشتہ داری کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ سلسلہ قرابت کو جوڑا یا توڑا یہاں بھی مرنے والا مرے گا اور بچنے والا بچ جائے گا۔ رحم اس روز نیچے کی طرف آویختہ ہوگا اور عرض کرے گا اے اللہ جس نے مجھے ملائے رکھا ہو تو بھی اس کو (اپنے سے) ملالے اور جس نے مجھے توڑا ہو تو بھی اس سے قطع تعلق کرلے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، قیامت کے دن اللہ

بندہ سے سوالات کرے گا۔ یہاں تک کہ فرمائے گا جب تو نے بری بات دیکھی تو اس کا رد کیوں نہیں کیا۔ اس وقت اللہ خود اس کے دل میں صحیح جواب ڈال دے گا۔ بندہ عرض کرے گا، میرے رب میں تجھ سے امید لگائے ہوئے تھا اور لوگوں سے مجھے ڈر تھا (اس لئے خاموش رہا اور اس کام کو دل سے برا جانتا رہا)۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک (ذمہ دار) نگراں ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق بازپرس اس سے کی جائے گی۔ حاکم سب لوگوں کا (ذمہ دار اور) نگراں ہے اس سے اس کی رعیت کی بازپرس کی جائے گی۔ مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ اس سے گھر والوں کے متعلق بازپرس ہوگی ۔عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کے بچوں کی ذمہ دار ہے اس سے (اس کے حلقہ اثر میں رہنے والی) اس کی رعیت کے متعلق بازپرس ہوگی۔ غلام (یعنی خادم) اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے آقا کے مال کے متعلق بازپرس ہوگی۔ غرض تم میں سے ہر ایک نگراں (یعنی ذمہ دار) ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق اس سے بازپرس ہوگی اس موضوع کی احادیث حضرت انسؓ کی روایت سے ابن حبان، ابونعیم اور طبرانی نے بھی بیان کی ہیں۔

پیشواء سے بازپرس:

طبرانی نے الکبیر میں حضرت مقدامؓ کی روایت سے نقل کیا ہے، حضرت مقدامؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص بھی کسی قوم پر (مسلط پیشوا، حاکم، لیڈر وغیرہ) ہوگا قیامت کے دن وہ اس قوم کے آگے آگے جھنڈا اٹھائے ہوگا اور وہ (لوگ اس کے پیچھے ہوں گے۔ قوم کے متعلق اس سے بازپرس کی جائے گی اور قوم والوں سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ
سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پروا نہ کر
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾
مشرکوں کی

حق کا واضح اعلان کیجئے:

یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچایئے۔ یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کو علی الاعلان بیان کر دیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اصدع کا ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر کر دو۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار دعوت کا حکم دیا ہے عبداللہ بن عبیدہ کی روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام وایمان کی دعوت پوشیدہ طور پر دیا کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

تبلیغ وارشاد میں تدریج بقدر استطاعت

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ، اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ چھپ چھپ کر عبادت اور تلاوت کرتے تھے، اور تبلیغ وارشاد کا سلسلہ بھی خفیہ ہی ایک ایک دو دو فرد کے ساتھ جاری تھا، کیونکہ اظہار واعلان میں کفار کی ایذاء رسانی کا خطرہ تھا، اس آیت میں حق تعالیٰ نے استہزاء کرنے والے اور ایذاء دینے والے کفار کی ایذاء سے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لے لی۔ اس لئے اس وقت بے فکری کے ساتھ اعلان واظہار کے ذریعہ تلاوت وعبادت اور تبلیغ ودعوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾
ہم بس (کافی) ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنیوالوں کو

استہزاء کرنے والوں کو ہم کافی ہیں:

یعنی دنیا وآخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے آپ بے خوف وخطر تبلیغ کرتے رہئے آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یہ لوگ (جو آپ پر) استہزاء کرتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے ہم کافی ہیں۔ یعنی ان کی جڑ اکھاڑ دیں گے ان کو تباہ کر دیں گے۔ بغوی نے لکھا ہے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ تم اللہ کا حکم پکار کر سناؤ۔ اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔ مذاق اڑانے والوں اور تم سے ٹھٹھوں کرنے والوں کے مقابلے میں بھی اللہ نے تمہاری مدد کی۔

استہزاء کرنے والے ہلاک ہوگئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانے والے قریش کے پانچ سردار تھے۔ (۱) ولید بن مغیرہ مخزومی۔ یہ سب کا سرگروہ تھا (۲) عاص بن وائل سہمی۔ (۳) اسود بن المطلب بن حارث بن اسد بن عبدالعزی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعاء دی تھی اور فرمایا تھا، اے اللہ اس کو اندھا کر دے، اس کو لاولد کر دے۔ (۴) اسود بن عبد یغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ۔ (۵) حارث بن قیس بن الطلالہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنیوالے کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ ولید بن مغیرہ آپ کی طرف سے گزرا۔ اتنے میں جبرئیل آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوگئے اور کہا محمد تمہارے نزدیک یہ کیسا ہے۔ رسول اللہ نے جواب دیا برا بندہ ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ کا کام (اللہ کی طرف سے) پورا کر دیا گیا، پھر جبرئیل نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا چنانچہ ایک روز ولید کسی خزاعی آدمی کی طرف سے ہوکر نکلا وہ شخص اپنے تیروں کے

پر ٹھیک کر رہا تھا ولید اس وقت یمنی چادر اوڑھے (غرور سے) تہبند زمین میں کھینچتا ہوا چل رہا تھا۔ خزاعی شخص کے تیر کی بوری ولید کے تہبند سے الجھ گئی۔ انتہائی غرور کی وجہ سے نیچے جھک کر بوری کو تہبند سے نکالنا گوارا نہ کیا اور زور سے اپنی پنڈلی کو دے پٹکا۔ بوری سے پنڈلی میں خراش لگ گئی اور اسی خراش سے یہ مر گیا۔ عاص بن وائل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا اور جبرئیل نے دریافت کیا تھا یہ کیسا آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا برا بندہ ہے جبرئیل نے عاص کے پاؤں کی تلووں کی طرف اشارہ کر کے کہا آپ کا کام ہو گیا (اب آپ کو اس کے مقابلے میں کچھ کرنا نہیں پڑے گا) چنانچہ ایک روز عاص تفریح کرنے کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر مکہ سے باہر نکلا! اور کسی گھاٹی پر جا کر اترا وہاں کپڑے کا کوئی ٹکڑا تھا عاص نے اس پر قدم رکھا کپڑے میں کوئی کانٹا تھا کانٹا اس کے تلوے میں چبھ گیا عاص فوراً چلایا مجھے کسی کیڑے نے ڈس لیا، لوگوں نے تلوے کو دیکھا لیکن ڈھونڈھنے کے بعد بھی کوئی چیز نظر نہ آئی، ٹانگ سوج کر اونٹ کی گردن کی طرح ہو گئی آخر وہیں اسی وقت مر گیا۔

اسود بن مطلب بھی (جبرئیل کی موجودگی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا، اور جبرئیل کے سوال و جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ برا بندہ ہے اور جبرئیل نے حسب سابق کہا آپ کا کام کر دیا گیا۔ اور اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ اسود نابینا ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جبرئیل نے ایک سبز پتہ اسود پر مارا تھا جس سے اس کی نگاہ جاتی رہی اور آنکھوں میں اتنا درد ہوا کہ دیوار سے سر پٹکنے لگا آخر اسی میں مر گیا۔ کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود اپنے غلام کے ساتھ کسی درخت کی جڑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جبرئیل وہاں پہنچ گئے اور اس کا سر پکڑ کر درخت سے ٹکرانے اور منہ پر کانٹے مارنے لگے۔ اسود نے واویلا مچادی اور غلام سے مدد کا خواستگار ہوا، غلام نے کہا مجھے تو اور کوئی نظر نہیں آتا آپ خود ہی یہ حرکت کر رہے ہیں، کہنے لگا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے قتل کر دیا یہ لفظ کہتے کہتے مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث بھی گزرا تھا اور جبرئیل کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا یہ برا بندہ ہے باوجودیکہ میرے ماموں کا بیٹا ہے جبرئیل نے کہا اب آپ کو (اس کے دفاع کی) کوئی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے اسود کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اس کو استسقاء بطن ہو گیا اور مر گیا۔ کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود (ایک روز) گھر سے نکلا باہر لو لگ گئی، لو لگنے سے اس کا رنگ (جل کر) کالے حبشی کی طرح ہو گیا گھر کو لوٹا تو گھر والوں نے اسے پہچانا بھی نہیں اور باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا اسی حالت میں وہ مر گیا، اور مرتے مرتے کہتا رہا، مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے قتل کیا ہے۔ حارث بن قیس کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے کہا تھا یہ برا بندہ ہے۔ جبرئیل نے حارث کے سر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا آپ کا کام کر دیا گیا۔ اب آپ کو ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کی ناک سے پیپ اور ریزش ہونے لگی اسی سے مر گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، حارث بن قیس نے نمکین مچھلی کھائی تھی جس سے پیاس کی شدت ہوگئی اور برابر پانی پیتا رہا آخر پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ کا مطلب یہی ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ استہزاء کرتے تھے ہم نے (ان کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا اور) آپ کی طرف سے ان کا کام تمام کر دیا۔

شانِ نزول: بزار اور طبرانی نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف طعن آمیز اشارہ کر کے کہا، یہی وہ شخص ہے جو اپنے کو نبی کہتا ہے۔ اس وقت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبرئیل نے ان کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے ناخن کے نشان کی طرح ان کے جسموں پر نشان ہو گیا، آخر وہ نشان پھوڑا بن گیا اور سڑ گیا اور ایسا سڑ گیا کہ کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا انہیں لوگوں کے متعلق آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ نازل فرمائی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے لیڈر پانچ آدمی تھے، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطلہ، یہ پانچوں معجزانہ طور پر ایک ہی وقت میں حضرت جبرئیل کے اشارے سے ہلاک کر دیئے گئے، اس واقعہ سے تبلیغ و دعوت کے معاملہ میں یہ حاصل ہوا کہ اگر انسان کسی ایسے مقام یا ایسے حال میں مبتلا ہو جائے کہ وہاں حق بات کو علی الاعلان کہنے سے ان لوگوں کو تو کوئی فائدہ پہنچنے کی توقع نہ ہو اور اپنے آپ کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں یہ کام خفیہ طور پر کرنا بھی درست اور جائز ہے۔ البتہ جب اظہار و اعلان کی قدرت ہو جائے تو پھر اعلان میں کوتاہی نہ کی جائے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ

جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب

يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

معلوم کر لیں گے

یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لئے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا انجام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا

اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے

يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ
ان کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی
مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾
اور ہو سجدہ کرنیوالوں سے

تنگدلی کا علاج:

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن خدا کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہئے۔ خدا کا ذکر، نماز سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن ومنشرح رہتا ہے اور فکر وغم دور ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔ (تفسیر عثانی)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔ یعنی ہر چیز سے دل کو خالی کر کے اللہ کی حمد وتسبیح (اللہ کی پاکی کے) اعتراف واظہار) میں مشغول ہو جایئے۔ اللہ آپ کی کارسازی کرے گا۔ حمد وتسبیح میں مشغول ہونے سے دل کی کوفت اور سینہ کی بندش دور ہو جائے گی اور شدت غضب جاتی رہے گی۔

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں۔ ساجدین سے مراد ہیں تواضع اور اظہار فروتنی کرنے والے۔ ضحاک کے نزدیک نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی حضرت عبدالعزیزؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر ثقیل پیش آتا تھا تو آپ (گھبرا کر) نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

دشمنوں کی ایذاء سے تنگدلی کا علاج:

ولقد نعلم الی فسبح سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو دشمنوں کی باتوں سے رنج پہنچے اور دل تنگی پیش آئے تو اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وعبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ خود اس کی تکلیف کو دور فرمادیں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے، ہم آپ ان سے نمٹ لیں گے۔ تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر، یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تیرا حافظ وناصر ہے وہ تجھے ان کے شر سے بچالے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تیری جانب اتارا گیا ہے تو اسے پہنچادے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے رب کی رسالت نہیں پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا۔

چنانچہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے جا رہے تھے جو بعض مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑا اسی وقت حضرت جبرئیل آئے اور انہیں چوکا مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے۔ اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے، بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلے میں سے تو اسود بن عبدالمطلب ابوزمعہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی دشمن تھا۔ ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آ کر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ خدایا اسے اندھا کر دے۔ بے اولاد کر دے۔ بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا۔ یہ لوگ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے۔ جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فاصدع سے یعلمون تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے جو حضرت جبرئیل آئے بیت اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود، ابن عبد یغوث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا۔ اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا۔ اس کی ایڑھی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے۔ حضرت جبرئیل نے اسی کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی پکی اور اسی میں وہ مرا۔ پھر عاص بن وائل گزرا۔ اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا۔ راستے میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اس کے خون آنے لگا اور اسی میں مرا۔ ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا۔ پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو منڈھ تھے اور ان کے اشاروں سے اور ذلیل لوگ بھی کمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات

یعنی موت، یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ''(مدثر رکوع ۲) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ نے فرمایا،''اماھو فقد جآء ہ الیقین وانی لا رجولہ الخیر ''جمہور سلف نے اس آیت میں ''یقین'' کو بمعنی موت لیا ہے یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہئے۔

اندریں رہ میراش ومیخراش تادم آخر دمے فارغ مباش

جن بعض عارفین نے اس جگہ یقین کو کیفیت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔ تم سورۃ الحجر وللہ الحمد والمنۃ وھوالمسئول ان یتوفانا علیٰ اکمل الاحوال واحسنہا فانہ جواد کریم۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ اس لغوحرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے، انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آجائے گا۔ اور بھی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس کا یہی حال ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکواس سے اے نبی! تمہیں تکلیف ہوتی ہے دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو۔ اس کی عبادت جی بھر کر کرو۔ نماز کا خیال رکھو۔ سجدہ کرنیوالوں کا ساتھ دو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آپڑتا تو آپ نماز شروع کردیتے۔ یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے اس کی دلیل سورۂ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، مسکینوں کو کھلاتے تھے یہاں تک کہ موت آگئی۔ یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاءؓ نے کہا اے ابوالسائب! اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمتیں ہوں بیشک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم وعزت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا تجھے کیسے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں پھر کون ہوگا جس کا اکرام ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! اسے موت آچکی اور مجھے اس کے لئے بھلائی کی امید ہے۔ اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادت انسان پر فرض ہے۔ جب تک کہ اس کی عقل باقی رہے اور ہوش وحواس ثابت ہوں جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کرلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر، نہ ہوسکے تو بیٹھ کر، نہ ہوسکے تو کروٹ پر لیٹ کر، بدمذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے اس پر عبادات فرض رہتی ہیں لیکن جب معرفت کی منزلیں طے کرچکا تو عبادت کی تکلیف ساقط ہوجاتی ہے۔ یہ سراسر کفر ضلالت اور جہالت ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیاء اور خصوصاً سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ معرفت کے تمام درجے طے کرچکے تھے اور خدائی علم وعرفان میں سب دنیا سے کامل تھے رب تعالیٰ کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے باوجود اس کے سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور رب تعالیٰ کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے۔ تمام مفسرین صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔ فالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے (تفسیر ابن کثیر)

مال جمع کرنے کا حکم:

بغوی وغیرہ نے حضرت جبیر بن نضیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مال جمع کرنے اور تاجر بن جانے کا حکم بذریعہ وحی نہیں دیا گیا بلکہ میرے پاس تو وحی بھیجی گئی کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

حضرت عمر راوی ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر کو مینڈھے کی کھال اوڑھے اور اسی کا نطاق باندھے سامنے سے آتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا اس کو دیکھو اللہ نے اس کے دل کو نورانی کردیا۔ میں نے وہ وقت بھی اس کا دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ قسم کی غذا کھلاتے پلاتے تھے۔ ایک جوڑا اس کے بدن پر دوسو درہم کا تھا، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نے اس کی یہ حالت کردی جو تمہارے سامنے ہے۔ (تفسیر مظہری)

دنیا ہیچ است دکار دنیا ہمہ ہیچ

پیش دریائے قدر حرمت تو نہ محیط فلک حبابے نیست

داری آں سلطنت کہ درنظرت ملک کونین درحسا بے نیست

(معارف القرآن کاندھلوی)

سورۃ النحل

اگر کسی نے خواب میں اس کی تلاوت کی تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ رزق اچھا پائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں میں سے ہوگا اگر چہ ان کی صحبت میں نہ رہا ہو۔ (حضرت علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا
سورۂ نحل مکہ میں اتری اور ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ
آ پہنچا حکم اللہ کا سو اس کی جلدی مت کرو

کفر کی مغلوبیت کا وقت آ پہنچا:

یعنی خدا کا یہ حکم کہ "پیغمبر علیہ السلام کی جماعت غالب ومنصور اور حق کے مخالف مغلوب وذلیل ہونگے جنھیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک وکفر کی سزا ملے گی۔ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آ پہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہو اسے آئی ہوئی سمجھنا چاہئے۔ پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ کفار ازراہ تکذیب واستہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو، وہ جلد کیوں نہیں آ جاتا۔ انہیں متنبہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں، بلکہ حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا چاہتا ہے۔ جس قدر دیر لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے ممکن ہے بعض کو اصلاح وتوبہ کی توفیق مل جائے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ (عنکبوت رکوع ۵) يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (شوری رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ نازل ہوئی تو بعض کافروں نے کہا یہ شخص کہتا ہے کہ پچھلی گھڑی قریب آ گئی اچھا تم (کچھ دنوں کے لئے) اپنے موجودہ مشاغل واعمال کو ترک کر دو ہم بھی تو دیکھیں کہ آخر کیا ہونے والا ہے لیکن جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا (اور قیامت نہ آئی) تو کہنے لگے تم جس چیز سے ہم کو ڈرا رہے ہو اس کا تو نام ونشان بھی نہیں پیدا ہوا۔ اس پر آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ نازل ہوئی۔ یہ آیت سن کر کافر خوف زدہ ہو گئے اور کچھ مدت تک مزید انتظار کیا لیکن طویل انتظار کے بعد بھی جب کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ہم کو ڈراتے ہو اور ہوا کچھ بھی نہیں اس وقت اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا۔ اس جملہ کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور لوگوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی اس پر (آخری فقرہ) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا۔ اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا (اور گھبراہٹ رفع ہوئی)۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا تو صحابہ خوف زدہ ہو گئے اس پر فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا۔ استعجال کا معنی ہے وقت سے پہلے کسی چیز کا طلب۔

قیامت قریب ہے:

بغوی نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں (سبابہ اور وسطیٰ) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، میں اور قیامت ان دونوں کی طرح (متصل) بھیجے گئے ہیں۔

ترمذی نے حضرت مستورد بن شداد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے عین قیامت (کے وقت) میں ہی بھیجا گیا مگر میں قیامت سے آگے آ گیا جیسے یہ (انگلی) اس (انگلی) سے پہلے ہے (اگر چہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ سے اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامات میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب (پیام بعثت لے کر) حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا گیا اور اثناء راہ میں آپ آسمان والوں کی طرف سے گزرے تو اہل سماوات نے کہا، اللہ اکبر قیامت برپا ہو گئی۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①
وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے

شرک چھوڑ دو: یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر وشرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور وطریق سے علیحدہ ہو جاؤ، جنہیں تم خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ عذاب الٰہی کو روک سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی نداء:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال کی طرح کا سیاہ ابر نمودار ہوگا اور وہ بہت جلد آسمان پر چڑھے گا پھر اس میں سے ایک منادی ندا کرے گا، لوگ تعجب سے ایک دوسرے سے کہیں گے میاں کچھ سنا بھی؟ بعض ہاں کہیں گے اور بعض بات کو اڑا دیں گے۔ وہ پھر دوبارہ ندا کرے گا اور کہے گا ''اے لوگو! اب تو سب کہیں گے کہ ہاں صاحب آواز تو آئی، پھر وہ تیسری دفعہ منادی کرے گا اور کہے گا اے لوگو! امر خداوندی آ پہنچا اب جلدی نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی قسم دو شخص جو کسی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہوں گے سمیٹنے بھی نہ پائیں گے جو قیامت قائم ہو جائے گی۔ کوئی اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا ابھی پانی بھی پلانے نہیں پایا ہوگا جو قیامت آئے گی۔ دودھ دوہنے والے بھی پی بھی نہ سکیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریم کی شرک اور عبادت غیر سے پاکیزگی بیان فرماتا ہے۔ فی الواقع وہ ان تمام باتوں سے پاک بہت دور اور بہت بلند ہے یہی مشرک ہیں جو منکر قیامت بھی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ کا آغاز:

اس سورۃ کو بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا جس کی وجہ مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قیامت سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب کرنے اور مخالفوں کو سزا دینے کا وعدہ کیا ہے، ہمیں تو یہ کچھ بھی ہوتا نظر نہیں آتا، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''آ پہنچا حکم اللہ کا تم جلد بازی نہ کرو۔''

حکم اللہ سے اس جگہ مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے کہ ان کے دشمنوں کو زیر و مغلوب کیا جائے گا، اور مسلمانوں کو فتح و نصرت اور عزت و شوکت حاصل ہوگی، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ہیبت ناک لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ حکم اللہ کا آ پہنچا، یعنی پہنچنے ہی والا ہے جس کو تم عنقریب دیکھ لوگے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں حکم اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آ پہنچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع قریب ہے اور پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قیامت کا قریب ہونا یا آ پہنچنا بھی کچھ بعید نہیں رہتا۔ (بحر محیط)

اس کے بعد کے جملے میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو حق تعالیٰ کے وعدہ کو غلط قرار دے رہے ہیں یہ کفر و شرک ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں (بحر)۔ (معارف القرآن)

خلاصۂ آیات: اس آیت کا خلاصہ ایک وعید شدید کے ذریعہ توحید کی دعوت دینا ہے دوسری آیات میں دلیل نقلی سے توحید کا اثبات ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آیا ہے اس نے یہی عقیدہ توحید پیش کیا ہے، حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کی بظاہر اسباب کوئی اطلاع بھی نہ تھی، غور کرو کہ کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار حضرات عقلاء جو مختلف اوقات میں مختلف ملکوں، مختلف خطوں میں پیدا ہوں، اور وہ سب ایک ہی بات کے قائل ہوں تو فطرۃ انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بات غلط نہیں ہو سکتی ایمان لانے کے لئے تنہا یہ دلیل بھی کافی ہے۔ (معارف القرآن)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
اتارتا ہے فرشتوں کو

نزول وحی: یعنی فرشتوں کی جنس میں سے بعض کو جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام یا حفظۃ الوحی، جن کی طرف ''فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا'' (جن رکوع ۲) میں اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بِالرُّوْحِ
بھید دے کر

یہاں ''روح'' سے مراد وحی الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ''يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المؤمن رکوع ۲) ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا، وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا'' (شوریٰ رکوع ۵) قرآن یا وحی الٰہی کو روح سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفخ روح سے ظاہری حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح جو قلوب جہل و ضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الٰہی کی روح پا کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ
اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں

منتخب بندے: وہ بندے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کو خدا تعالیٰ ساری مخلوق میں سے اپنی حکمت کے موافق اپنے کامل اختیار سے چن لیتا ہے۔

''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام رکوع ۵)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ'' (الحج رکوع ۱۰)

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲
کہ خبردار کر دو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو

پیغمبروں کا نصب العین:

یعنی توحید کی تعلیم، شرک کا رد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ ومتفقہ نصب العین (مشن) رہا ہے۔ گویا اثبات توحید کی یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلائل بیان کی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مرا بندگی کن کہ دار امنم تو از بندگانی مولی منم

سعادت دارین:

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا۔ ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
بنائے آسمان اور زمین ٹھیک وہ برتر ہے
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳
ان کے شریک بتلانے سے

اللہ تعالیٰ شرک سے بالا ہے:

یعنی زمین وآسمان کا نظام ایسا درست واستوار بنایا ہے جسے دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اگر کئی بااختیار خداؤں کے ہاتھوں میں باگ ہوتی تو یہ محکم انتظام وانضباط اتنی مدت تک ہرگز قائم نہ رہتا ضرور آپس میں ٹکر ہو جاتی۔ بلکہ کئی آزاد خداؤں کی کشمکش باہمی سرے سے اس نظام عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی ''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء رکوع ۲) اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' (المؤمنون رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ یعنی خاص مقدار، خاص شکل ووضع اور مختلف صفات کے ساتھ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو نیست سے ہست کیا۔ اس کی ایجاد بتا رہی ہے کہ اس کو بنانے والا واحد، بے مثال، قادر مطلق اور حکیم کامل ہے۔

تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ بالا ہے ان کے شرک سے۔ یعنی زمین وآسمان میں سے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا جائے اس سے اللہ بزرگ وبرتر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین وآسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو زمین وآسمان کو تو خود اپنی تخلیق پر بھی قدرت

نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ کے غیر جسمانی ہونے پر تنبیہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ
بنایا آدمی کو ایک بوند سے پھر جبھی ہو گیا جھگڑا کرنے والا
خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴
بولنے والا

اپنی پیدائش میں غور کرو:

یعنی علویات وسفلیات کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟ ایک قطرۂ بے جان، جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا، نہ اس لائق تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوا دے یا دوسروں پر غالب آ جائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب صورت عطا کی۔ اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی۔ ''اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ'' (یٰس رکوع ۵)۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ یعنی ایسی سیال بے جان بوند سے انسان کو پیدا کیا جس میں نہ حس ہے نہ حرکت نہ وہ اپنی ہیئت ووضع کو محفوظ رکھ سکتی ہے نہ شکل کو (رفتہ رفتہ انسان) جب خوب طاقتور ہو گیا تو۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ پھر یکدم وہ کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔ خَصِيْمٌ یعنی زبان جھگڑالو۔ مبین یعنی نفی قیامت کی دلیل بیان کرنے والا جو بطور دلیل کہتا ہے مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا یا خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ سے مراد ہے خالق سے کھل کر جھگڑا کرنے والا۔

ابی بن خلف کا انکار:

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابی بن خلف جمحی کے متعلق ہوا۔ ابن خلف منکر قیامت تھا، ایک روز وہ ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا کیا تم کہتے ہو کہ خدا اس کو زندہ کرے گا یہ تو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو گئی (یہ کیسے زندہ

ہوگی) اسی کی بابت آیت وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ بھی نازل ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ یسین میں فرمایا کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تو بڑا ہی جھگڑالو نکلا۔ ہم پر بھی باتیں بنانے لگا، اور اپنی پیدائش بھول گیا کہنے لگا کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے نبی! تم ان سے کہہ دو کہ انہیں وہ خالق اکبر پیدا کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا وہ تو ہر طرح کی مخلوق کی ہر طرح کی پیدائش کا پورا عالم ہے۔

انسان کی ناشکری:

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے جب تو پورا ہوگیا ٹھیک ٹھاک ہوگیا لباس مکان مل گیا تو تو لگا سمیٹنے اور میری راہ سے روکنے؟ اور جب دم گلے میں اٹکا تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں، راہ للہ دیتا ہوں بس اب صدقے خیرات کا وقت نکل گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ
اور چوپائے بنا دیئے تمہارے واسطے ان میں جڑا ول ہے
وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤
اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو

چوپایوں میں غور کرو:

یعنی اونٹ گائے بھیڑ بکری تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمبل رسے، ڈیرے، خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی کو ہل میں چلایا جاتا ہے۔ گھی مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتد بہ بدنی یا اخلاقی مضرت نہیں ہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ کتنے غریبوں کی شکم پروری اس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ اور اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت فائدے ہیں۔ الانعام سے مراد ہیں اونٹ گائے، بھینس، بکری، بھیڑ وغیرہ۔ لکم تمہارے فائدے کے لئے جس کی تفصیل فیھا دف ء الخ میں بیان کی ہے۔ گویا لکم میں اجمال منفعت ہے اور اس کے بعد تفصیل کی گئی ہے۔ دفاً سردی کی شدت کا دور ہو جانا (قاموس) یعنی جانوروں کے بالوں اور اون سے تم سردی کی سختی دور کرتے ہو اونی لباس اور کمبل وغیرہ استعمال کرتے ہو۔ منافع سے دوسرے فائدے مراد ہیں۔ افزائش نسل، دودھ، سواری، بار برداری، کھیتی باڑی، خرید و فروخت وغیرہ۔

غذا کا حصول:

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور انہی سے تم کھاتے بھی ہو۔ گوشت، چربی، گھی، دودھ، پنیر، مکھن وغیرہ کھاتے ہو، عموماً غذاء حیوانی انہی جانوروں سے حاصل کی جاتی ہے اس لئے منھا کو تاکلون سے پہلے ذکر کیا دوسرے جانوروں کا گوشت تو محض لذت یا دوا کی خاطر کھایا جاتا ہے۔

وسائل نقل و حمل:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ ان کے فوائد میں سواری لینے اور ان سے اپنی زینت حاصل کرنے کا تو ذکر کیا مگر گوشت کھانے کا یہاں ذکر نہیں کیا، اس میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ گھوڑے، خچر، گدھے کا گوشت حلال نہیں، خچر اور گدھے کا گوشت حرام ہونے پر تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے اور ایک مستقل حدیث میں ان کی حرمت کا صراحۃً بھی ذکر آیا ہے، مگر گھوڑے کے معاملہ میں حدیث کی دو روایتیں متعارض آئی ہیں، ایک سے حلال اور دوسری سے حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، اسی لئے فقہائے امت کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہوگئے بعض نے حلال قرار دیا بعض نے حرام، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی تعارض دلائل کی وجہ سے گھوڑے کے گوشت کو گدھے اور خچر کی طرح حرام تو نہیں کہا مگر مکروہ قرار دیا۔ (احکام القرآن جصاص)

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ
اور تم کو ان سے عزت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب
تَسْرَحُوْنَ ⑥
چرانے لے جاتے ہو

انعام الٰہی کا مظاہرہ:

جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے کیلئے گھر سے نکلتے یا شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ

بھی کہتے ہیں کہ خداء نے فلاں زمیندار کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اس آیت سے جمال اور زینت کا جواز معلوم ہوتا ہے اگرچہ تفاخر و تکبر حرام ہیں، فرق یہ ہے کہ جمال اور زینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے نہ دل میں اپنے کو اس نعمت کا مستحق سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے بلکہ حق تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہونا اس کے پیش نظر ہوتا ہے اور تکبر و تفاخر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق سمجھنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا پایا جاتا ہے وہ حرام ہے۔ (بیان القرآن)

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم

بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ

نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بے شک تمہارا رب بڑا شفقت

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

کرنے والا مہربان ہے

حیوانوں کی تسخیر: یعنی جہاں تم جریدہ بدون سامان واسباب کے بڑی مشکل سے پہنچ سکتے تھے یہ جانور تم کو اور تمہارے بھاری بھاری سامانوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی کتنی بڑی شفقت اور مہربانی ہے کہ ان حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور ان سے کام لینے کی اجازت دی اور بڑی سخت اور مشکل مہمات ان جانوروں کے ذریعہ سے آسان کر دیں۔

"اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ" (یٰس رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ

اور (بجائے اس کے کہ سفر میں تم اپنے سامان کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلو) یہ جانور تمہارے سامان کے بوجھ اپنے اوپر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں کہ بغیر سخت تکلیف اٹھانے کے تم وہاں تک خود پہنچ بھی نہیں سکتے۔ (تفسیر مظہری)

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

اور گھوڑے پیدا کئے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو

وَزِيْنَةً ۭ

اور زینت کے لئے

یعنی سواری کرتے ہو اور عزت وشان ظاہر ہوتی ہے۔

(تنبیہ): عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑوں کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں "گدھا" نہیں "حمار" ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گدھے اور گھوڑے کا گوشت:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ اور اس نے تمہاری سواری اور شان بنانے کیلئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کیے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کے حرام یا مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، غذائیت تو بھیڑ بکری، مرغی وغیرہ کے گوشت سے بہترین حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا حصول آسان بھی ہے۔ گھوڑے گدھے وغیرہ کا گوشت نہ اچھا ہوتا ہے نہ اس کا حصول زیادہ سہل ہے، ہاں سواری بار برداری اور شان بان کے جو فوائد ان سے وابستہ ہیں وہ دوسرے چھوٹے جانوروں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر مظہری)

بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہاء کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوا چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت حدیثوں میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب یہی ہے۔ ابن عباسؓ سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کر کے خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تم کھاتے ہو۔ پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کر کے فرمایا ہے کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے۔ لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح بن یحییٰ بن مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔ مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدیکرب سے منقول ہے کہ ہم خالد بن ولیدؓ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔ انہوں نے اس میں اسے باندھا۔ میں نے کہا ٹھہرو میں (حضرت) خالدؓ سے دریافت کر آؤں۔ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کر دوں کہ نماز کے لئے آجائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی

جلدی مچائی۔ سنو معاہد کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔

گھوڑے گدھے پر سواری:

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشیت اور جنگلیت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کیلئے اسے مطیع کردیا۔ وہبؒ نے اسرائیلی روایتوں میں بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری کرتے تھے۔

خچر کی پیدائش:

ہاں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھوں سے ملایا جائے یہ ممانعت اس لیے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧
اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے

ان دیکھی مخلوق:

یعنی جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ حق تعالیٰ تمہارے انتفاع کیلئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی تمہیں فی الحال خبر بھی نہیں، اس میں وہ سب سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جنت میں مؤمنوں کے لئے اور دوزخ میں کافروں کے لئے ایسی ایسی راحتیں اور تکلیفیں پیدا کی ہیں جن کا تمہیں پتہ بھی نہیں۔ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی شخص کے دل میں ان کا تصور آیا۔ (تفسیر مظہری)

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ
اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے

روحانی منزل کا راستہ:

پہلے ذکر فرمایا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو مع سامان واسباب کے سخت اور کٹھن منزلیں طے کرا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بدنی اور حسی سیر و سفر کا حال ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اب روحانی اور معنوی سیر و سیاحت کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ یعنی جس طرح زمینی راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتے ہو ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی سمجھ سیدھی ہوگی وہ مذکورہ بالا دلائل و بصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت و جبروت پر ایمان لائے گا اور توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ چل کر بے کھٹکے خدا تک پہنچ جائیگا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہوسکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اھواء اوہام کی پیچ دار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام رکوع ۱۹)
(تفسیر عثمانی)

یاقصدا لسبیل سے مراد ہے اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ۔ کہ جو شخص اس راہ پر چلے گا اللہ تک پہنچ جائے گا۔ سبیل قصدا یا قاصد سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔

جائر کا معنی ہے ٹیڑھا یعنی راہ مستقیم سے یا اللہ کے رخ سے کٹا ہوا۔ اس کلام کا مقصود صرف راہ خدا کا بیان ہے۔ منها جائر کا جملہ بالعرض ذکر کیا گیا ہے۔ قصد السبیل صرف راہ سنت ہے اور ٹیڑھا راستہ تمام مذاہب کفر اور بدعات و خواہشات نفس کا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨
اور اگر وہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو

جبر حکمت کے خلاف ہے:

یعنی خدا کچھ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کردے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ
وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے تمہارے لئے پانی اس سے
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩
پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو

یعنی پانی پینے کے قابل بنایا اور اسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اگائے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ

اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون

وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ‌ؕ اِنَّ فِىۡ

اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

البتہ نشانی ہے ان لوگوں کو جو غور کرتے ہیں

مختلف پھل: یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اگا تا رہتا ہے جن کی شکل وصورت رنگ وبو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔اس میں غور کرنے والوں کیلئے خدا کی قدرت کاملہ اور صنعت وغریبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین، ایک آفتاب، ایک ہوا، اور ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھل پھول پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ

اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج

وَالۡقَمَرَ‌ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ‌ ؕ

اور چاند کو اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے

رات، دن، چاند اور سورج کا نظام:

رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ سکون وآرام حاصل کرسکیں۔اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں۔رات دن کی آمد وشد اور شمس وقمر کے طلوع وغروب کے ساتھ انسانوں کے بیشمار فوائد وابستہ ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند اور سورج اور کل ستاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کرسکیں۔لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے ستاروں سے ہمارے فوائد ومصالح کی وابستگی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لئے ان کو جدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے:

وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ بامرہٖ میں امر سے مراد ہے ایجاد اور اندازہ مقرر کرنا یا حکم مراد ہے۔آیت بتارہی ہے کہ جو لوگ تخلیق نبات کو صرف تاثیر کواکب سے وابستہ قرار دیتے ہیں اور ستاروں کی حرکات واوضاع کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں ان کا خیال غلط ہے۔

تمام ممکنات کی ہستی کے لئے ذات واجب الوجود کا ہونا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات سماوی کی تاثیرات ہوں یا عناصر کی ان کی حیثیت ایک ضابطہ اور دستور کی ہے اللہ کا ضابطہ اور عادت یہی ہے کہ اس نے بعض نتائج کو بعض اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور اسباب کی علت نتائج بنا دیا ہے خود یہ اسباب نتائج کے موجد نہیں ہیں اسباب کا اپنا وجود ہی اپنا نہیں، خدا داد ہے، جو چیز معدوم الذات ہو وہ دوسرے کو وجود کیسے دے سکتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۙ﴿۱۲﴾

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سمجھ رکھتے ہیں اور جو

وَمَا ذَرَاَ لَـكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ‌ ؕ

چیزیں پھیلائیں تمہارے واسطے زمین میں رنگ برنگ کی

مخلوقات کا مقصد:

یعنی جس بلند وبرتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اسی نے تمہارے فائدہ کیلئے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو ماہیت شکل وصورت رنگ وبو اور منافع وخواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات، بسائط ومرکبات شامل ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں

وَهُوَ الَّذِىۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ

اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو

لَحۡمًا طَرِيًّا وَّتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً

کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس میں سے گہنا جو پہنتے

تَلۡبَسُوۡنَهَا‌ ۚ وَتَرَى الۡـفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِيۡهِ

ہو اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اس میں (دریا میں)

سمندری منافع:

یعنی ایسے ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو بھی جس کے سامنے

انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط نہیں۔ تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کے قیمتی زیور تیار کئے جاتے ہیں۔ بھلا سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک تنکہ کی برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سمجھائی جن کے ذریعہ سے گویا سمندر کو پایاب کر لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔ طری تر و تازہ یعنی مچھلیاں۔

مچھلی کا گوشت:

مچھلی میں ہر گوشت سے زیادہ رطوبت ہے اسی لئے مچھلی کا گوشت بہت جلد خراب ہو جاتا ہے چونکہ (لعابیت کی وجہ سے) مچھلی کا گوشت آنتوں سے چسپاں ہو جاتا ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد پیاس زیادہ لگتی ہے گوشت کی گرمی یا خشکی موجب تشنگی نہیں ہوتی۔ اللہ کی عجیب حکمت ہے تلخ، نمکین اور غلیظ پانی سے ایسی تر و تازہ شیریں لطیف چیز اس نے پیدا کی۔

مسخر کرنے کا معنیٰ:

سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، رات اور دن کو مسخر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو انسان کے کام میں لگانے کے لئے اپنی قدرت کا مسخر بنا دیا، کہ رات انسان کو آرام کے سامان مہیا کرتی ہے اور دن اس کے کام کے راستے ہموار کرتا ہے ان کے مسخر کرنے کے یہ معنیٰ نہیں کہ رات اور دن انسان کے حکم کے تابع چلیں۔

هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا آسمان و زمین کی مخلوقات اور ان میں انسان کے منافع اور فوائد بیان کرنے کے بعد بحر محیط (سمندر) کے اندر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے انسان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں ان کا بیان ہے کہ دریا میں انسان کی خوراک کا کیسا انتظام کیا گیا ہے کہ مچھلی کا تازہ گوشت اس کو ملتا ہے۔

مچھلی میں ذبح کی شرط نہیں:

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا کے الفاظ میں مچھلی کو تازہ گوشت قرار دینے سے اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں وہ گویا بنا بنایا گوشت ہے۔

جواہرات:

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا یہ دریا کا دوسرا فائدہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں غوطہ لگا کر انسان اپنے لئے حلیہ نکال لیتا ہے حلیہ کے لفظی معنی زینت کے ہیں مراد وہ موتی، مونگا اور جواہرات ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور عورتیں ان کے ہار بنا کر گلے میں یا دوسرے طریقوں سے کانوں میں پہنتی ہیں یہ زیور اگرچہ عورتیں پہنتی ہیں لیکن قرآن نے لفظ مذکر استعمال فرمایا تلبسو نھا یعنی تم لوگ پہنتے ہو۔

عورتوں کی زینت کا مقصد:

اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عورتوں کا زیور پہننا درحقیقت مردوں ہی کے مفاد کے لئے ہیں عورت کی زینت درحقیقت مرد کا حق ہے۔ وہ اپنی بیوی کو زینت کا لباس اور زیور پہننے پر مجبور بھی کر سکتا ہے اس کے علاوہ جواہرات کا استعمال مرد بھی انگوٹھی وغیرہ میں کر سکتے ہیں۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تا کہ احسان مانو

اس تسخیر کا مقصد:

یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی، مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ، اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گزار رہو۔ (تفسیر عثمانی)

خدا تعالیٰ اپنی اور مہربانی جتاتا ہے کہ سمندر پر دریا پر بھی اس نے تمہیں قابض کر دیا باوجود اپنی گہرائی کے اور اپنی موجوں کے وہ تمہارا تابع ہے تمہاری کشتیاں اس میں چلتی ہیں اسی طرح اس میں سے مچھلیاں نکال کر ان کے تر و تازہ گوشت تم کھاتے ہو۔ مچھلی حلت کی حالت میں، احرام کی حالت میں زندہ ہو یا مردہ ہو خدا کی طرف سے حلال ہے۔ لؤلؤ اور جوہر اس نے تمہارے لئے اس میں پیدا کئے ہیں جنہیں تم سہولت سے نکال لیتے ہو اور بطور زیور کے اپنے کام میں لیتے ہو۔ پھر اس میں کشتیاں ہواؤں کو ہٹاتی پانی کو چیرتی اپنے سینوں کے بل تیرتی چلی جاتی ہیں۔

سب سے پہلی کشتی:

سب سے پہلے حضرت نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے، انہی کو کشتی بنانا خدائے عالم نے سکھایا پھر لوگ برابر بناتے چلے آئے اور ان پر تری کے لمبے لمبے سفر طے ہونے لگے۔ اس پار کی چیزیں اُس پار اور اُس پار کی اس پار آنے جانے لگیں۔

دریاء کی محرومی، سمندر کی خوش قسمتی:

بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی دریا سے کہا کہ میں اپنے بندوں کو تجھ میں سوار کرنے والا ہوں تو ان کے ساتھ

کیا کرے گا؟ اس نے کہا ڈبودوں گا۔ فرمایا تیری تیزی تیرے کناروں پر ہے اور انہیں میں اپنے ہاتھ میں لے چلوں گا۔ تجھے میں نے زیور اور شکار سے محروم کیا۔ پھر مشرقی سمندر سے یہی بات کہی اس نے کہا میں اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھاؤں گا اور جس طرح ماں اپنے بچے کی خبر گیری کرتی ہے میں ان کی کرتا رہوں گا۔ پس اسے اللہ تعالیٰ نے زیور بھی دیئے اور شکار بھی۔ اس حدیث کا راوی صرف عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ سے بھی یہ روایت مرفوعاً مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ۔ یہ تیسرا فائدہ دریا کا بتلایا گیا ہے فلک کے معنی کشتی اور مواخر، ماخرہ کی جمع ہے، مخر کے معنی پانی کو چیرنے کے ہیں، مراد وہ کشتیاں اور بحری جہاز ہیں جو پانی کی موجوں کو چیرتے ہوئے مسافت طے کرتے ہیں۔

تجارت کا اہم ذریعہ:

مطلب آیت کا یہ ہے کہ دریا کو اللہ تعالیٰ نے بلاد بعیدہ کے سفر کا راستہ بنایا ہے دور دراز کے ملکوں میں دریا ہی کے ذریعہ سفر کرنا اور تجارتی مال کی درآمد و برآمد کرنا آسان فرمادیا ہے اور اس کو حصول رزق کا عمدہ ذریعہ قرار دیا، کیونکہ دریا کے راستہ سے تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ
اور رکھ دیئے زمین پر بوجھ (پہاڑ) کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر

پہاڑوں کی حکمت:

یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے۔ تا زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لیکر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ بہر حال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سخت چیزیں:

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بوساطت قتادہ بروایت حسین قیس بن عباد کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ (گول ہونے کی وجہ سے) لرزاں تھی فرشتے کہنے لگے، یہ تو اپنی پشت پر کسی کو قرار نہیں پکڑنے دے گی لیکن جونہی صبح ہوئی تو (رات بیچ میں) زمین کے اندر پہاڑ قائم ہو گئے اور فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کہاں سے پیدا ہو گئے، کہنے لگے اے ہمارے رب کیا تیری مخلوق میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو ان سے زیادہ سخت ہو، اللہ نے فرمایا، ہاں لوہا ہے فرشتوں نے عرض کیا، لوہے سے بھی سخت تیری کوئی اور مخلوق ہے، فرمایا، ہاں، آگ ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز ہے، فرمایا، ہاں، پانی ہے، فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا تو نے پانی سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز پیدا کی ہے۔ فرمایا، ہاں، ہوا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا، ہوا سے بھی سخت کوئی چیز تو نے بنائی ہے، فرمایا، ہاں، مرد (ہوا سے زیادہ سخت ہے) عرض کیا۔ کیا تیری کوئی مخلوق مرد سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا، ہاں، عورت ہے۔ انتہیٰ

اگر دریافت کیا جائے کہ یہ سوال کہیں جا کر ختم بھی ہو سکتا ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ قوی اور بڑی طاقت والا ہے اور تمام ممکنات اس کے مقابلہ میں عاجز بلکہ ہیچ ہیں۔ اللہ کی قوت کا جس پر پرتو پڑ جاتا ہے وہ چیز دوسروں کے مقابلہ میں قوی ہو جاتی ہے۔ ہاتھی پر قوت کا پرتو پڑ گیا تو وہ چیونٹی سے قوی ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو وہ ہل رہی تھی یہاں تک کہ فرشتوں نے کہا اس پر کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ صبح دیکھتے ہیں کہ پہاڑ اس پر گاڑ دیئے گئے ہیں اور اس کا ہلنا موقوف ہو گیا ہے۔ پس فرشتوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پہاڑ کس چیز سے پیدا کئے گئے۔ قیس بن عبادہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ زمین نے کہا کہ تو مجھ پر بنی آدم کو بساتا ہے جو میری پیٹھ پر گناہ کریں گے اور خباثت پھیلائیں گے وہ کانپنے لگی، پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو اس پر جما دیا جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ، رواسی، راسیہ کی جمع ہے، بھاری پہاڑ کو کہا جاتا ہے، تمید، مید مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈگمگانا یا مضطربانہ قسم کی حرکت کرنا ہے۔

زمین کی ساخت:

معنی آیت کے یہ ہیں کہ زمین کے کرہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں کے ماتحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا، اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا کچھ قدیم و جدید فلاسفروں کی طرح حرکت متدیرہ کے ساتھ متحرک قرار دیا جائے۔ دونوں حال میں زمین کے اندر ایک اضطرابی حرکت ہوتی ہے جس کو اردو میں کانپنے یا ڈگمگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس اضطرابی حرکت کو روکنے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت

نہ کر سکے، باقی رہا مسئلہ حرکت متدیرہ کا، جیسے تمام سیارات کرتے ہیں اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثا غورث کی یہی تحقیق تھی، اور جدید فلاسفر سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا ہے تو قرآن کریم میں نہ کہیں اس کا اثبات ہے نہ اس کی نفی، بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس حرکت متدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاَنْهٰرًا
اور بنائیں ندیاں

نہروں کا عجیب نظام:

یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ کہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾
اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ

یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکو۔

وَعَلٰمٰتٍ
اور بنائیں (رکھیں) علامتیں

زمینی علامات:

یعنی پہاڑ، چشمے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی سونگھ کر راستہ کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں

آسمانی علامات:

یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے رستہ کا پتہ لگا لیا جاتا ہے۔ "قطب نما" سے جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ ستارہ سے تعلق رکھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں یعنی رات کی تاریکی میں جنگلوں اور سمندروں میں ستاروں سے راستوں کی شناخت کرتے ہیں۔ النجم سے مراد ہے عام ستارے۔ محمد بن کعب نے کہا علامات سے مراد پہاڑ ہیں۔ دن کے وقت پہاڑوں سے راستہ معلوم ہوتا ہے اور رات کے وقت ستاروں سے (کلبی نے کہا، سب (علامات) سے مراد ستارے ہیں، کچھ ستارے علامات (اور نشانات) ہیں اور کچھ ستاروں سے لوگ راستے معلوم کرتے ہیں۔ سدی نے کہا النجم سے مراد ہے ثریا اور بنات النعش اور دونوں فرقد اور جدی، ان سے لوگ راہ بھی معلوم کر لیتے ہیں اور جہت قبلہ بھی۔ میں کہتا ہوں، (اس مرادی) تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ ستارے قطب شمالی کے قریب ہیں ان کے دائرے چھوٹے ہیں اس لئے اپنی اپنی جگہ سے بہت ہی کم حرکت کرتے ہیں۔

قریشیوں کے سفر:

يهتدون کی فاعلی ضمیر قریش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ قریش عام طور پر تجارت کے لئے رات کو سفر کرتے تھے اور رات میں چلتے تھے اور ستاروں سے جہت سفر کو معلوم کرنے میں بہت مشہور تھے۔ علامات کے لفظ کے بعد النجم کا ذکر خصوصیت کو ظاہر کر رہا ہے گویا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نجم سے خاص طور پر راستہ کی شناخت کرتے اور راہ پر چلتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا شکر لازم ہے کہ اس نے ستاروں کو ان کے لئے دلیل راہ بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ، یعنی سفر کرنے والے جیسے زمینی علامات سے راستہ پہچانتے ہیں اسی طرح ستاروں کے ذریعے بھی سمت معلوم کر کے راستہ پہچان لیتے ہیں۔

نکتہ: اس عنوان میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی تخلیق کا اصل مقصد تو کچھ اور ہے اس کے ساتھ ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان سے راستے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن)

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا
بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾
سوچتے نہیں

شرک کی تردید:

یعنی سوچنا چاہیے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کی برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا

عجیب وغریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے اس گستاخی کو دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے:

یعنی جب روشن وکثیر دلائل سے اللہ کا علمی کمال اور قدرت کا احاطہ اور حکمت کی ہمہ گیری ثابت ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تنہا اللہ ہی خالق کائنات ہے کوئی دوسرا خالق نہیں ہے یہاں تک کہ کوئی بھی نہ مکھی کو اڑا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اگر مکھی ان بتوں سے کچھ چھین کرلے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ تو پھر ایسا خلاق کل اس چیز کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو خالقیت سے بالکل بے بہرہ ہے۔

اب تو غور کرو:

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو کیا (ان مشاہدات برہانی کے بعد بھی) نصیحت پذیر نہیں ہوگے۔ یعنی جب ایسی چیزیں تمہارے سامنے ہیں جو نصیحت اندوزی کی مقتضی ہیں تو پھر عبرت اندوز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ
اور اگر شمار (گنو) کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کرسکو گے ان کو

خدائی نعمتیں بے شمار ہیں:

یعنی جو نعمتیں اوپر بیان ہوئیں "مشتے نمونہ خروارے" تھیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کرسکتے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اللہ کی نعمتوں کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ گن سکو لہٰذا اس کے معبود ہونے کا حق بھی محدود نہیں ہے (ہر نعمت اس کو مستحق عبادت بنا رہی ہے) پس تم پورا حق عبادت تو ادا ہی نہیں کرسکتے یہی کافی ہے کہ تم اپنی عاجزی کا اقرار کرو۔ اور ظاہر باطن ہر طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

شکر کرو تو کوتاہی معاف ہوگی:

یعنی ان بے شمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہوسکتا ہے لہٰذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگذر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ یا یہ کہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توبہ کرکے شکر گذار بن جائے حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشتا اور آئندہ کیلئے رحمت مبذول فرماتا ہے۔ بلکہ ناشکری کی حالت میں بھی اپنی رحمت واسعہ سے اس کو بالکلیہ محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائض کرتا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾
اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

اللہ کو تمام ظاہر و پوشیدہ معلوم ہے:

یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکرگزار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے۔ یا مذکورہ بالا دلائل ونعم کو سن کر کون ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہوکر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو حال ہوگا اسی کے موافق معاملہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ
اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کچھ پیدا نہیں کرتے اور
شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ
وہ خود پیدا کیئے ہوئے ہیں

مشرکوں کی حماقت:

خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم الکل اور خالق الکل خدا کا شریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا جو ایک گھاس کا تنکا پیدا نہیں کرسکتیں بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان وزمین تو بڑی چیزیں ہیں ان کے معبود تو ادنیٰ اور حقیر ترین چیز کے بھی خالق نہیں۔ کوئی چیز پیدا کرنے کی انہیں قدرت ہی نہیں بلکہ خود اپنی ہستی بھی ان کی اپنی نہیں۔ نہ ذات اپنی ہے نہ وجود اپنا بلکہ ان کی ہستی دوسرے کی ممنون کرم اور عطا کردہ ہے۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ وہ شریک خدا ہوسکیں اور کیسے جائز ہے کہ ان کو الٰہیہ قرار دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ
مردے ہیں جن میں جان نہیں

ان کے معبود مُردے ہیں:

یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ دواماً مثلاً بت، یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مرچکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے

یا انجام ومآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے بلکہ جن وشیطان بھی جن کو بعض ممسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے پس جس چیز کو وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے

یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئیگی اور وہ خود یا ان کے پرستار کب حساب وکتاب کے لئے اٹھائے جائینگے ایسی ہیجان اور بے خبر ہستیوں کو خدا بتلانا انتہائی درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰـهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ

معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جن کو یقین نہیں

بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ

آخرت کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے

مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ مغرور ہیں

غور نہ کرنے والے:

یعنی جو دلائل وشواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کرسکتا ہے لیکن غور وطلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں۔ نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان وکفر کے نیک وبد انجام کی طرف التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبروں کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا

ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر

يُعۡلِنُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

(جتلاتے ہیں) کرتے ہیں بے شک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنیوالوں کو

غرور وبے پرواہی سب کی سزا ملے گی:

یعنی خوب سمجھ لو کبر وغرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔ توحید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور وتکبر جس کا اظہار تمہاری چال ڈھال اور طور وطریق سے ہو رہا ہے سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کھلے چھپے جرم کی سزا تم کو دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کا مفہوم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر غرور (والا) جنت میں نہیں جائے گا۔ اور چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر ایمان (والا) دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا لباس خوبصورت ہو (اور یہ غرور کی علامت ہے پھر ان کا نتیجہ کیا ہوگا) فرمایا، اللہ جمال والا ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔ (غرور کپڑوں کی پسندیدگی کا نام نہیں، خوش لباسی کی خواہش تکبر نہیں بلکہ) تکبر حق سے تکبر کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے سے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں الکبر من بطر الحق آیا ہے۔ جس کا مطلب علماء نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ نہایہ میں ہے کہ اللہ کی توحید اور عبادت کو باطل سمجھے باوجود یہ کہ اللہ نے اس کو حق قرار دیا ہے بعض نے کہا کہ بطر الحق کا معنی ہے حق کے ابطراق کا یہ معنی ہے حق کا مقابلہ میں مغرور ہو جاتا حق کو حق نہ ماننا۔ بعض نے کہا، حق کو قبول نہ کرنے کا نام ہے بطر الحق۔ ان تمام اقوال کا حاصل (ایک ہی ہے وہ) یہ کہ اللہ کی عبادت کو لازم نہ سمجھے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کا احسان اور مہربانی نہ قرار دے بلکہ خدا پر اپنا حق سمجھے۔

نکتہ: میں کہتا ہوں، حدیث مذکور میں جو تکبر کے مقابلہ میں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن اپنے وجود اور تمام کمالات کو خدا داد سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی اللہ کی امانت اور عاریت جانتا ہے اس لئے اپنے کمالات پر غرور نہیں کرتا اور کافر اپنی ہستی اور اپنے کمالات کو خود آوردہ جانتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے۔ تصوف میں جو لفظ فنا آتا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے وجود کو بجائے خود معدوم سمجھے خود اپنی ہستی کو اپنی نہ سمجھے۔ بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عاریت جانے۔ (تفسیر مظہری)

متکبرین کا حشر:

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید ومدید کے مورد اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لئے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔ (معارف القرآن)

وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ
اور جب کہے ان سے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے
قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾
تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی

قرآن کے ساتھ متکبرین کا سلوک:

یعنی ناواقف اشخاص بغرض تحقیق یا واقف لوگ از راہ امتحان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے از راہ تمسخر واستہزاء سوال کرتے ہیں کہ ''کہو تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟'' مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر علیہ السلام خدا کا اتارا ہوا بتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے میں کہاں تک سچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے بجز اس کے کہ کتب سابقہ اور ملل سابقہ کی کچھ پرانی بے سند باتیں (توحید، نبوت، جنت دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کر دی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین مکہ کے کرتوت:

قبائل عرب کو جب پتہ چلا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ایام حج میں تحقیق احوال کے لئے کچھ آدمیوں کو مکہ بھیجا۔ یہ نمائندے آئے اور مکہ کی گھاٹیوں میں جو مشرک بیرونی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکنے کے لئے معمور تھے ان سے مل کر دریافت کیا کہ اللہ نے کیا کلام اتارا ہے ان لوگوں نے جواب دیا یہ اللہ کا بھیجا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہی حکایتیں ہیں جو پچھلوں نے لکھ دی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ
تا کہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے
وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ
اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق سنتا ہے!
عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾
برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں

انجامِ بد:

یعنی اس کہنے سے غرض یہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کریں اور اس طرح اپنے کفر وضلال کی پوری پوٹ کے ساتھ کچھ بوجھ ان لوگوں کے اضلال واغواء کا بھی سر پر رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ خیال کرو کیسی بدی کی پوٹ سر پر رکھ رہے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثام من اتبعہ لا ینقص ذلک من اثامھم شیئا**۔ قال اللہ تعالیٰ ''وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ'' (عنکبوت رکوع۱) (تفسیر عثمانی)

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ نتیجہ اس کہنے کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بھی پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ یعنی یہ مشرک ایسا جواب اس لئے دیتے ہیں کہ لوگوں کو گمراہ کر دیں اور قیامت کے دن اپنی گمراہی کے گناہوں کا بار پورا پورا اپنے اوپر اٹھائیں۔ کیونکہ گمراہ کنی علامت ہے کامل گمراہی کی، دوسروں کو گمراہ بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے والوں میں گمراہی جم گئی ہے (اسی وجہ سے تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں)۔

داعی کا بدلہ:

امام احمد، مسلم اور اصحاب السنن نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہدایت کی طرف بلائے گا۔ اس کو بھی نیکی کرنے والے کی نیکی کے برابر اجر ملے گا اور نیکی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے گا اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ کرنے والے پر اور گناہ کرنے والے کے (بار) گناہ میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث شریف میں ہے کہ ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے متبع لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہو کر نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ الخ یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے افتراء کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے پس ماننے والوں کے بوجھ گو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہونے کے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ
البتہ دغا بازی کر چکے ہیں جو تھے ان (ان سے اگلے) سے

بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
پہلے پھر پہنچا حکم اللہ کا ان کی عمارت پر
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ
بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر چھت اوپر سے اور آیا
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾
ان پر عذاب جہاں سے ان کو خبر نہ تھی

گذشتہ اقوام بھی ناکام ہو چکی ہیں:

یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جارہی ہے ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں، انہوں نے مکر و تلبیس کے بڑے اونچے محل کھڑے کر دیے، پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اس نے پکڑ کر بنیادیں ہلا دیں۔ آخر عذاب الٰہی کے ایک جھٹکہ میں ان کے تیار کئے ہوئے محل ان ہی پر آپڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تدبیریں خود ان ہی پر الٹ دی گئیں۔ اور جو سامان غلبہ و حفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ہلاکت کا سبب بن گیا۔ بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسی طور پر بھی تہ و بالا کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

نمرود کی ہلاکت:

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نیز بغوی نے وہب (بن منبہ) کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کے متعلق مناظرہ کیا تھا، اور آسمان کی طرف چڑھنے کے لئے بابل میں ایک اونچی عمارت بنوائی تھی، اس عمارت کی بلندی پندرہ ہزار ہاتھ تھی۔ کعب اور مقاتل کا قول ہے کہ اس کی بلندی دو فرسخ تھی لیکن تیز آندھی کی وجہ سے وہ عمارت گر کر سمندر میں جا پڑی اور اس کا کچھ حصہ ان لوگوں پر گر پڑا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ
پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ
کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو بڑی ضد تھی

قیامت میں ان کی حالت:

یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے "هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ" (شعراء رکوع ۵) "فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ" (طارق رکوع ۱) یہ کہنا ہی ان کو رسوا کرنا ہے۔ یا رسوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور ان کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ "اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ" (آل عمران ۲۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ
بولیں گے جن کو دی گئی تھی بے شک رسوائی
وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾
آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے

یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے باخبر لوگ اس وقت ان مکار دغابازوں کو سنا کر کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے۔ آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلا اور سب سے بڑا سرکش:

بعض تو کہتے ہیں کہ اس مکار سے مراد نمرود ہے جس نے بالاخانہ تیار کیا تھا۔ سب سے پہلے سب سے بڑی سرکشی اسی نے زمین میں کی۔ خدا تعالیٰ نے اسے ہلاک کرنے کو ایک مچھر بھیجا جو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا بھیجا چاٹتا رہا۔ اس مدت میں اسے اس وقت قدرے سکون معلوم ہوتا تھا جب اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جائیں۔ خوب دونوں ہاتھوں کے زور سے اس کے سر پر ہتھوڑے پڑتے رہتے تھے۔ اس نے چار سو سال تک سلطنت بھی کی تھی اور خوب فساد پھیلایا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں

متکبرین کی موت:

یعنی شرک و کفر اختیار کر کے اپنے حق میں برا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آگئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خاتمہ حالت کفر و شرک پر ہوا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ
تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی

یعنی اس وقت ساری فوں فاں نکل جائیگی۔ جو شرارت و بغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کر کے اطاعت و وفاداری کا اظہار کرینگے کہ ہم نے کبھی کوئی بری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ "یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ" (مجادلہ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے

یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدائی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھو۔

فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

سو داخل ہو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ قِیْلَ

سدا اسی میں سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ

اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ

جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں ان کو بھلائی ہے

متقین کی حالت:

یہ متکبرین کے مقابلہ میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری تو نہایت عقیدت و ادب سے کہتے ہیں کہ "نیک بات جو سراپا خیر و برکت ہے"۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر رہے گا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک حسنۃ سے مراد ہے ثواب کو دس گنا تک بڑھا دینا۔ ضحاک نے کہا، اس سے فتح و نصرت مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾

اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا

یعنی آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دنیا و مافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں ان کے

الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ

نیچے نہریں ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں

یعنی جنتی جس قسم کی جسمانی اور روحانی مسرت چاہیں گے وہاں حاصل ہوگی۔ وَ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (زخرف رکوع ۷)

كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾

ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو

یعنی ان تمام لوگوں کو جو کفر شرک اور فسوق و عصیان سے پرہیز کرتے ہیں ایسا اچھا بدلہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ

جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں

متقین کی موت:

یعنی ان کی جانیں موت کے وقت کفر و شرک کی نجاست سے پاک اور فسق و فجور کے میل کچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت و محبت کی وجہ سے نہایت خوشدلی اور انشراح بلکہ اشتیاق کے ساتھ اپنی جان جاں آفریں کے حوالہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

طیبین یعنی کفر اور بداعمال سے پاک ہونیکی حالت میں۔ پہلی آیت میں بیان کیا تھا کہ کافر جب کفر کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوں گے ایسی حالت میں فرشتے انکی روح قبض کریں گے ان کے مقابلے میں متقیوں کا ذکر اس آیت میں کیا۔ اور فرمایا۔ متقی پاک زندگی والے ہونگے اسی پاکیزگی کی حالت میں فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے۔ مجاہد نے طیبین کا معنی بیان کیا پاک قول و عمل والے بعض نے طیبین کا ترجمہ کیا ہے، خوش یعنی فرشتوں کی بشارت جنت سے خوش ہونے والے یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ان کی کامل توجہ بارگاہ قدس کی طرف ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی روحیں قبض ہونے کی حالت میں خوش ہوتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ

کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں

متقیوں کو سلام:

ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد ہی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول حشر کے بعد ہوگا۔ ممکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

سلام علیکم، فرشتوں کا قول ہے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ فرشتے ان کو اللہ کا سلام پہنچاتے ہیں۔ ادخلوا الجنۃ الخ یعنی جنت تمہارے اعمال کے سبب تمہارے لئے تیار ہے۔ جب تم اٹھائے جاؤ گے تو فرشتے کہیں گے ''سلام علیکم'' جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ مرنے کے وقت فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہیں اور جب قیامت کے دن ان کو اٹھایا جائے گا تو حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾
بدلہ ہے اس کا جو تم کرتے تھے

نیک عمل:

یعنی تمہارا عمل سبب عادی ہے دخول جنت کا۔ باقی سب حقیقی رحمت الٰہیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ''الا ان یتغمد نی اللہ برحمتہ''۔ (تفسیر عثمانی)

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ
کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ آئیں ان پر فرشتے
اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ
یا پہنچے حکم تیرے رب کا

غافلوں کو تنبیہ:

جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق وامتیاز بیان فرمانے کے بعد ان غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ جو محض دنیوی سامانوں پر مست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا انجام سدھارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آجائینگے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائیگی، یا مجرموں کی سزا ہی کا حکم پہنچ جائیگا اور جوتہ سر پر پڑنے لگے گا، تب ایمان لا کر اپنی حالت درست کرینگے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ ورجوع کچھ نافع نہ ہوگا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کرلیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَمَا
اسی طرح کیا تھا ان سے اگلوں نے
ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ
اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ خود اپنا
يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا
برا کرتے رہے پھر پڑے ان کے سر ان کے برے
عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ
کام اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا
يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۴﴾
کرتے تھے

گذشتہ اقوام کے غافل بھی ہلاک ہو چکے:

یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور وغفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔ باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی۔ اخیر تک انبیاء کی تکذیب ومخالفت پر تلے رہے اور انکی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الٰہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء وتمسخر انہی پر الٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم وتعدی کا امکان ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری کسی کا کیا بگڑا انہی کا نقصان ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا
اور بولے شرک کرنے والے اگر چاہتا اللہ
عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ
نہ پوجتے ہم اس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ
اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ
حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اس کے حکم کے کسی چیز کو

مشرکوں کے باطل عذر:

یہاں سے ان باطل اعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں

جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز و استحسان ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بحیرہ سائبہ وغیرہ) کو حرام ٹھہرالینا برے اور بے سند کام ہوتے جنہیں خدا پسند نہ کرتا، تو ہم کو کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ رکیں تو فوراً سزا دے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے ربع آیۃ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ الخ کی جو تقریر ہم نے کی ہے۔ اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے
فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾
سو رسولوں کے ذمہ نہیں مگر پہنچادینا صاف صاف

بہانوں کا جواب:

یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا ابتدائے آفرینش سے آج تک حسب ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاءؑ کو بھیجتا رہا۔ جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں۔ اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہیں کیا ناپسند اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ رہی یہ چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں انہیں فوراً سزا دی جاتی۔ تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرتناک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں عقلاً و نقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے نہ اس کے لئے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کا یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔ آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں، پھر وہ کیوں ہونے دیتا ہے" (کیا ان کے روکنے سے خدا عاجز تھا؟) یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، جس کی قسمت میں ہدایت تھی اس نے پائی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے (کہ انسان کوفی الجملہ کسب واختیار کی قوت دیکر آزاد رکھے۔ اینٹ پتھر کی طرح مجبور یا حیوانات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دے)۔ (تفسیر عثمانی)

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ سو پیغمبروں کا فریضہ تو واضح طور پر اللہ کا پیام پہنچا دینا ہے اس کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں، ہدایت یاب کرنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے، البتہ اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتا دینا پیغمبروں کا فریضہ ہے۔ اس سے آگے آیات ذیل میں بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر کی بعثت کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے دستور خداوندی یہی رہا ہے کہ ہر زمانہ میں مختلف اقوام کے لئے اس نے پیغمبر بھیجے ہیں اور بعثت انبیاء کو ذریعہ ہدایت اور سبب خلافت قرار دیا ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایات یاب بنانا چاہا پیغمبر کی بعثت اس کے لئے سبب ہدایت بن گئی اور جس کو اللہ نے گمراہ بنا دینا چاہا۔ پیغمبر کی بعثت سے اس کی گمراہی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پیغمبر کی بعثت تو اعلیٰ نفیس غذا کی طرح ہے۔ مناسب مزاج والے کو نفیس غذا طاقت پہنچاتی ہے اور بگڑے ہوئے مزاج والے کے مزاج میں مزید بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا
اور ہم نے اٹھائے (بھیجے ہیں) ہیں ہر امت میں رسول

یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا۔

(تنبیہ): اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلاواسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں "ہادی" و "نذیر" کہا جاسکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔ واللہ اعلم۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہڑدنگے (جھوٹے معبودوں سے) سے

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سند نہ رکھے ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ
پھر کسی کو ان میں سے ہدایت (راہ سجھائی) کی اللہ نے
حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو (چلو پھرو زمین میں) ملکوں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾
میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا
اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ
اگر تو طمع کرے ان کو راہ پر لانے کی تو اللہ راہ
لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نہیں دیتا جس کو بچلاتا ہے اور کوئی نہیں
نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾
ان کا مددگار

پیغمبر کا ذمہ:

یعنی جس کو قصور استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کرسکتا نہ اسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ کا ان کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں کھلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بدبخت لوگ:

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ، اور ان میں سے بعض لوگوں کے لئے (بقضاء ازلی حسب مشیت الٰہی) گمراہی محقق ہوگئی (مضبوط ہوگئی) اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور ان کو ہدایت یاب کرنا نہ چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کی ہی حالت میں ان کو ہلاک کردیا ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا۔ ان کے محل ویران ہوگئے اور ان کے (جاگیری) کنویں بغیر مالکوں کے خالی پڑے رہ گئے۔

چل پھر کے دیکھو:

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

(اے گروہ قریش) ذرا ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ عاد، ثمود، قوم لوط اور بن والوں (یعنی قوم شعیب) کی بستیاں دیکھو۔ کافروں نے اللہ کی مشیت اور مرضی کو ایک سمجھ رکھا تھا۔ اس خیال کا ازالہ اس آیت میں کردیا کیوں کہ ان اقوام کی طرف سے تکذیب کا ارتکاب تو بمشیت خدا تھا۔ اب اگر تکذیب ہی میں اس کی مرضی ہوتی تو ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ حاصل کلام یہ ہے کہ محمد اگر آپ ان کو ہدایت یاب بنانے کی کتنی ہی حرص کریں اور ان کو ہدایت کرنے میں کتنی ہی تکلیف اٹھائیں جب ان کو خدا نے ہی گمراہ کردیا ہے تو آپ کی اس حرص سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور ان کو ہدایت یافتہ بنانے کی آپ کو قدرت نہ ہوگی، اللہ سب پر غالب اور قوی ہے جس کو وہ گمراہ کردے اس کو نہ کوئی ہدایت کرنے والا ہے نہ مددگار کہ عذاب کو دفع کرسکے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ
اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائے گا
اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ
اللہ جو کوئی مرجائے

یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اپنے قرض کے متعلق کچھ گفتگو کی۔ اثناء کلام میں یہ بات بھی مسلمان نے کہہ دی کہ مرنے کے بعد مجھے اللہ سے یہ یہ امیدیں ہیں۔ مشرک بولا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مرنے کے بعد (دوبارہ جی اٹھنے کا یقین ہے اللہ کی پختہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اللہ اس کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ (تفسیر مظہری)

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
کیوں (بیشک اُٹھائے گا) نہیں وعدہ ہو چکا ہے اس پر پکا لیکن اکثر
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾
لوگ نہیں جانتے

دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ پکا ہے:

یعنی تمہارے انکار اور انکل پچو قسمیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ ٹل نہیں سکتا وہ تو ہو کر رہے گا البتہ تم ایسی حقائق ثابتہ کا انکار کرکے اپنے جہل کا ثبوت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شئون قدرت وحکمت تکوین کے راز اور اس کی غرض وغایت سے آگاہ ہوگا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کرسکتا۔ سچ ہے ''الناس اعداء ماجھلوا''۔ (تفسیر عثمانی)

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ کیوں نہیں (اٹھائے گا) اس نے اس کا پختہ وعدہ کرلیا ہے اس پر (وعدہ کو پورا کرنا) ضروری ہے (کیونکہ دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور تقاضائے حکمت کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور اس کے وعدہ کی خلاف ورزی محال

ہے) اس نے (قیامت برپا کرنے کا) وعدہ بہت پختہ کیا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (کہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے) یا یہ مطلب ہے کہ اکثر لوگ قیامت کا یقین نہیں رکھتے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ قیامت کا برپا ہونا اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نظریں کوتاہ ہیں۔ محسوسات کی عادی ہیں غیر معمولی حادثہ کے واقع ہونے کو محال جانتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن آدم خدا کو جھٹلاتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے اسے ایسا نہیں چاہیے تھا وہ مجھے جھٹلا رہا ہے حالانکہ یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ تاکیدی قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ خدا مردوں کو پھر زندہ نہ کرے گا میں کہتا ہوں یقیناً زندہ ہوں گے یہ برحق وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ میں احد ہوں، میں اللہ ہوں، میں صمد ہوں جس کا ہم جنس کوئی اور نہیں۔ ابن ابی حاتم میں تو یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ صحیحین میں دوسرے لفظوں کے ساتھ مرفوعاً روایت بھی آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ
اٹھائے گا تاکہ ظاہر کر دے ان پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾
اور تاکہ معلوم کرلیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے

دوسری زندگی ضروری ہے:

یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) عین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال واحوال پائے جاتے ہیں ان کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہونگے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ تو وہیں ہوگا اور اس وقت منکرین معلوم کرلیں گے کہ قسمیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں۔ اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شبہ رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ
ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو کہ

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾
ہو جا تو وہ ہو جائے

بس اللہ کے ارادے کی دیر ہے:

پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

(تنبیہ): '' كُنْ فَيَكُونُ '' کی بحث پارۂ الم رکوع وَقَالَتِ الْيَهُودُ الخ میں ملاحظہ کرلی جائے غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مراد کا تخلف نہیں ہوسکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت وسرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع وعائق کا مزاحمت نہ کرسکنا یہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت:

خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ کسی اور چیز پر کسی مخلوق کی ہستی موقوف نہیں ورنہ نتائج واسباب کا تسلسل کہیں ختم نہ ہوگا اور کسی چیز کا وجود ہی نہ ہوسکے گا پھر کسی چیز کی تخلیق وتکوین سے اللہ کو کوئی تھکان یا تکلیف نہیں ہوتی ورنہ خدا کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ اور عجز تقاضائے الوہیت کے خلاف ہے۔ پس جب کہ کوئی مادہ نہ تھا نہ سابق میں کوئی نظیر اور مثال تھی بلکہ اللہ نے تمام چیزوں (یہاں تک کہ خود مادہ) کو بغیر مادہ اور مثال کے پہلی مرتبہ پیدا کر دیا تو (اب جبکہ ایک مثال موجود ہو چکی ہے) دوبارہ پیدا کرنا ناممکن نہیں ہوسکتا۔

بندے کا جھٹلانا اور گالی دینا:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندہ نے میری تکذیب کی اور اس کے لئے یہ زیبا نہ تھا اور میرے بندے نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا اللہ نے جیسا شروع میں مجھے پیدا کر دیا ایسا دوبارہ ہرگز مجھے پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ ابتدائی تخلیق میرے لئے دوبارہ تخلیق سے آسان نہ تھی اور گالی یہ دی کہ اس نے کہا اللہ نے اپنے لئے اولاد اختیار کرلی ہے، حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں۔ نہ میں کسی کا باپ ہوں نہ کسی کا بیٹا۔ میری مثل کوئی بھی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں اس کا گالی دینا تو یہ ہے کہ اس نے کہا میری اولاد ہے، حالانکہ میں پاک ہوں بی بی یا اولاد اختیار کرنے سے۔ رواہ البخاری۔

شانِ نزول:

عبدالرزاق اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور داؤ

دبن ہند کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوجندلؓ بن سہیل کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے مکہ میں آپ کو قید کر رکھا تھا اور دکھ پہنچائے تھے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہؓ کے متعلق ہوا جن پر مکہ والوں نے مظالم کیے تھے اور گھروں سے نکال باہر کر دیا تھا۔ انہی مظلوموں میں سے ایک گروہ ملک حبش کو چلا گیا تھا پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دے دیا مدینہ کو ان کے لئے دارالہجرت بنا دیا اور کچھ مؤمنوں (یعنی مدینہ والوں) کو ان کا مددگار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ

اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد

مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ انکو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ثواب اور آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا

مہاجرین ومجاہدین کی قربانیاں:

یعنی سلسلہ مجازات (طاعت ومعصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لئے بعث بعد الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب وشدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، کیا ان کی قربانیاں ضائع کی جا سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کیلئے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع واقسام کے ظلم وستم اٹھائے حتی کہ مجبور ہو کر گھربار، خویش واقارب اور عزت وراحت سب چیزوں کو خدا کے راستہ میں تج دیا، ان کی محنت ووفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اول تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانا دیا جائیگا۔ گھر سے اچھا گھر، وطنی بھائیوں سے بڑھ کر دردمند بھائی، روزی سے بہتر روزی، عزت سے زیادہ عزت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب دنیا کے حاکم اور پرہیزگاروں کے امام بن جائیں گے، پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے ان کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہاں کے اجر وثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھربار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل کھڑے ہوں۔

(تنبیہ): آیت کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (وهو منقول فی روح المعانی عن بعضهم) عامۂ مفسرین نے اس کو ان اسی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں رکھا ہے جو کفار مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ابتداء حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنے والوں کو آخر کار خدا تعالیٰ نے اچھا ٹھکانہ مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

اچھا ٹھکانہ:

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ہم ضرور دنیا میں ان کو ٹھکانہ دیں گے اچھی طرح اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ اچھے ٹھکانے سے مراد ہے مدینہ۔

فاروق اعظمؓ کا مہاجرین سے سلوک:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب کسی مہاجر کو کچھ عطا فرماتے تھے تو کہتے تھے یہ لے لو اللہ تم کو مبارک کرے یہ چیز تو وہ ہے جس کے دینے کا اللہ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا تھا اور آخرت میں جو تمہارے لئے رکھ چھوڑا ہے وہ بہت بہتر ہے پھر آپ یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

ہجرت:

اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا، ہجرت سے مشتق ہے ہجرت کے لغوی معنی ترک وطن کے ہیں، ترک وطن جو اللہ کے لئے کیا جائے وہ اسلام میں بڑی طاعت وعبادت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الهجرة تهدم ما كان قبلها، "یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں"۔

یہ ہجرت بعض صورتوں میں فرض وواجب اور بعض صورتوں میں مستحب وافضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام تو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے ہیں۔

تفسیر بحر محیط میں ابوحیان کہتے ہیں:

والذين هاجروا عام في المهاجرين كائنا ما كانوا فيشمل اولهم واخرهم (ص۴۹۲، ج۵)۔

"الذين هاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے، کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت۔

ہجرت کی اقسام:

اول یعنی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا یہ قسم سفر

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فرض تھی، اور قیامت تک بشرط استطاعت وقدرت فرض ہے (جبکہ دارالکفر میں اپنے جان و مال اور آبرو کا امن نہ ہو، یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو) اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہگار ہوگا۔

دوسرا دارالبدعت سے نکل جانا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں، جس میں سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو۔

تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے سفر، یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے تا کہ اس خطرہ سے نجات ہو، یہ چوتھی قسم کا سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جبکہ قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ، ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا، فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ۔

پانچواں سفر آب و ہوا کی خرابی اور امراض کے خطرہ سے بچنے کیلئے ہو، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چرواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا ارشاد فرمایا کیونکہ شہری آب و ہوا ان کو موافق نہ تھی، اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ نے ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں جہاں آب و ہوا خراب نہ ہو۔

جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو سفر شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابہ کرامؓ سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها واذا وقع بارض ولستم بها فلا تهبطوا عليها (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

''جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو''۔

اس وقت فاروق اعظمؓ نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے، جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو۔

طلب وجستجو کے اسفار:

اور جو سفر کسی چیز کی طلب وجستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:

۱۔ سفر عبرت: یعنی دنیا کی سیاحت و سفر اس کام کے لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرے قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ حضرت ذی القرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے تھا۔

۲۔ سفر حج: اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

۳۔ سفر جہاد: اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

۴۔ سفر معاش: جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاش روزگار کرے۔

۵۔ سفر تجارت: یعنی قدر ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا یہ بھی شرعاً جائز ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ابتغاء فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دیدی ہے تو تجارت کے لئے ہی سفر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

۶۔ طلب علم کے لیے سفر: اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم ومعروف ہے۔

۷۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا: یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں، مسجد حرام (مکہ مکرمہ)، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(مدینہ طیبہ)، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) (یہ قرطبی اور ابن عربی کی رائے ہے، دوسرے اکابر علماء سلف خلف نے عام مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، محمد شفیع)

۸۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر: جس کو رباط کہا جاتا ہے احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

۹۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر: حدیث میں اس کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اقرباء واحباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعاء کا ذکر فرمایا گیا ہے (یہ جب ہے کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ اعلم۔

الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا

یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبرائے۔ وطن محبوب اور خویش واقارب کے چھوٹنے کی پروا نہ کی۔ رضائے الٰہی کے راستہ سے ذرا قدم نہیں ڈگمگایا۔ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے ہو رہے۔ خالص اسی کی امداد اور اہل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہو رہتا ہے کس طرح خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین حبشہ:

حضرت عثمان بن عفانؓ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت رقیہؓ بھی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوسلمہ ابن عبدالاسدؓ وغیرہ قریب قریب اسی آدمی تھے مرد بھی عورتیں بھی جو سب صدیق اور صدیقہ تھے اللہ ان سب سے خوش ہو اور انہیں بھی خوش رکھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد ہم تواند کہ بعد ازاں بخشد
چوں درآورد از عدم بوجود چہ عجب باز گرکند موجود

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ

اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے

اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کی طرف۔ سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

معلوم نہیں

اہل علم سے پچھلی اقوام کے حالات پوچھ کر غور کرو:

یعنی پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر وتوکل کی راہ میں ثابت قدم ہوں، دارین میں غالب منصور کرنا ہماری کوئی نئی عادت نہیں، پہلے بھی ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی وبدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اب اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو امم سابقہ اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بینات وزبر (معجزے اور کتابیں) دیکر بھیجے گئے یا نہیں، اور یہ کہ ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق وصبر وتوکل کی بدولت کس طرح منصور وکامیاب ہوئے۔ اور ظالم معاندین اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ کئے گئے۔

کَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ '' (اعراف رکوع ۱۶)

ہم نے اھل الذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی ہے جس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں، روح المعانی میں ہے قال **الرمانی والزجاج والازھر ی المراد باھل الذکر علماء اخبار الامم السالفة کائنا من کان فالذکر بمعنی الحفظ**'' مترجم محقق رحمۃ اللہ نے بھی ''اہل الذکر'' کا ترجمہ ''یاد رکھنے والوں'' سے کر کے شاید اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل الذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہیے بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنا رسول بنائے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے، فرماتا ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب معلوم ہوا کہ ہم نے کسی انسان کی طرف اپنی وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے اور فرمایا ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ہی انسان تھے جن پر ہماری وحی آتی تھی۔ تم پہلی آسمانی کتاب والوں سے پوچھ لو کہ وہ انسان تھے یا فرشتے؟ اگر وہ بھی انسان ہوں تو پھر

اپنے اس قول سے باز آؤ، ہاں اگر ثابت ہو کہ سلسلہ نبوت فرشتوں میں ہی رہا تو بیشک اس نبی کا انکار کرتے ہوئے تم اچھے لگو گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ائمہ مجتہدین کی تقلید غیر مجتہد پر واجب ہے:

آیت مذکورہ کا یہ جملہ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے نقلی بھی کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید ہے، یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں، اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں البتہ وہ علماء جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن وحدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں اور علماء صحابہ وتابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں، ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن وحدیث اور اجماع پر عمل کریں، ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کر لیتے تھے مگر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں، یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی:

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی جو تقسیم امت میں قائم ہوئی اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی۔ اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال وشقاق کی گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے نہ کبھی اہل بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا ہے۔ بعض علماء کے کلام میں علمی بحث وتحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا اور بعد میں طعن وطنز تک نوبت آ گئی۔ پھر جاہلانہ جنگ وجدال نے وہ نوبت پہنچا دی جو آج عموماً دینداری اور مذہب پسندی کا نشان بن گیا، فالی اللّٰہ المشتکی ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل یا اوزاعی، فقیہ ابواللیث وغیرہ، جن میں حق تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت اور صحبت صحابہ وتابعین کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء محدثین وفقہاء امام غزالی، رازی، ترمذی، طحاوی، مزنی، ابن ہمام، ابن قدامہ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت وعلوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کے پابند رہے ہیں، سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔

تنبیہ: مسئلہ تقلید واجتہاد پر جو کچھ یہاں لکھا گیا وہ اس مسئلہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے جو عام مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہے، عالمانہ تحقیقات وتفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں، خصوصاً کتاب الموافقات علامہ شاطبی جلد رابع باب الاجتہاد، اور علامہ سیف الدین آمدی کی کتاب احکام الاحکام جلد ثالث القاعدۃ الثالثۃ فی المجتہدین، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں حجۃ اللہ البالغہ اور رسالہ عقد الجید اور آخر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، اس مسئلے میں خاص طور سے قابل دید ہیں اہل علم ان کی طرف مراجعت فرمائیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ
بھیجا تھا ان کو نشانیاں دے کر اور ورقے (اوراق)

یعنی معجزات اور وہ علوم جو اوراق میں لکھے جاتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے

نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے

قرآن کی جامعیت اور پیغمبر کی ذمہ داری:

''یادداشت'' سے مراد ہے قرآن کریم جو اگلی امتوں کے ضروری احوال وشرائع کا محافظ، انبیائے سابقین کے علوم کا جامع، اور ہمیشہ کے لئے خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے، کتابیں اتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہ ہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ کے موافق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مانزل سے مراد ہے ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین۔ بیان (جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے) قولی بھی تھا عملی بھی اور تقریری بھی اس کو تو بیان صریح کہا جاتا ہے بیان کی دوسری قسم غیر صریحی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کرنے کا حکم دیا ہے۔ (پس مقیس علیہ میں تو صریحی بیان ہوتا ہے اور مقیس میں غیر صریحی)۔ (تفسیر مظہری)

سنت وحدیث:

علامہ شاطبی نے موافقات میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کی پوری کتاب اللہ کا بیان ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے، اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. اور حضرت صدیقہ عائشہؓ نے اس خلق عظیم کی تفسیر یہ فرمائی کان خلقه القران، اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی کوئی قول وفعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر وتوضیح ہوتے ہیں، جن کو عام اہل علم جانتے ہیں اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بطور وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ حسب تصریح قرآنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عبادات، معاملات، اخلاق، عادات سب کی سب بوحی خداوندی اور بحکم قرآن ہیں، اور جہاں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالآخر وحی الٰہی سے یا اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھر تائید کر دی جاتی ہے اس لئے وہ بھی بحکم وحی ہو جاتا ہے۔

بعثت کا مقصد:

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت قرآن کریم کی تفسیر و بیان کو قرار دیا ہے جیسا کہ سورۂ جمعہ وغیرہ کی متعدد آیات میں تعلیم کتاب کے الفاظ سے اس مقصد بعثت کو ذکر کیا گیا ہے اب وہ ذخیرہ حدیث جس کو صحابہ و تابعین سے لے کر متاخرین محدثین تک، امت کے باکمال افراد نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کر کے امت تک پہنچایا ہے اور اس کی چھان بین میں عمریں صرف کر کے روایات حدیث کے درجے قائم کر دیئے ہیں اور جس روایت کو بحیثیت سند اس درجہ کا نہیں پایا کہ اس پر احکام شرعیہ کی بنیاد رکھی جائے اس کو ذخیرہ حدیث سے الگ کر کے صرف ان روایات پر مستقل کتابیں لکھ دی ہیں، جو عمر بھر کی تنقیدوں اور تحقیقات کے بعد صحیح اور قابل اعتماد ثابت ہوئی ہیں۔

انکارِ حدیث کا مطلب:

اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا، یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم و محفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیت معنے کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اس کا یہ دعوی اس نص قرآن کے خلاف ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے، وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے، نعوذ باللہ۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تا کہ وہ غور (دھیان) کریں

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام مضامین قرآن کو کھول کر بیان کرنا اور لوگوں کا کام اس میں غور وفکر کرنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غور وفکر:

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اور تا کہ وہ غور کریں۔ غور کرنے سے مراد ہے رفتار عبارت اور اقسام دلالت پر غور کرنا اس طرح کہ شارع کی طرف سے کسی بیان کی ضرورت نہ ہو مثلاً آیت فاتوا حرثکم میں لفظ حرث بتا رہا ہے کہ

اس سے مراد زنانہ شرمگاہ ہے مبرز مراد نہیں کیونکہ مبرز کھیتی (تخم آفرینی) کا مقام نہیں ہے۔ (مبرز میں تخم ریزی ضیاع تخم ہے) یا آیت ثلٰثۃ قروء میں قرؤ سے مراد حیض ہے۔ طہر مراد نہیں ہے کیونکہ طلاق مسنون طہر کے زمانہ میں ہی ہوتی ہے اب اگر جس طہر کے زمانہ میں طلاق دی ہو اس کو پورا طہر محسوب کرلیا جائے تو تین طہر سے مدت کم ہو جائے گی اور محسوب نہ کیا جائے تو مدت تین سے بڑھ جائے گی۔ بہرحال پورے تین طہر نہ ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ قرؤ سے مراد طہر نہیں ہے بلکہ حیض مراد ہے (تفسیر مظہری)

مسئلہ تقلید:

ا۔ اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لئے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے، جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کئے کسی حدیث کو امام بخاریؒ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقاہت اور روایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا یہ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلوم وجہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن وحدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راسخین فی العلم اور مستنبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش　　باراراں گریہ وآشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر غرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے۔ معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع وشراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں۔ اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ اور احمدؒ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم، علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے۔ اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم وعقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ
سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب (داؤ) کرتے ہیں
يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ
اس سے کہ دھنسا دیوے اللہ ان کو زمین میں یا آپہنچے
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾
ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں

کفار مطمئن نہ ہوں:

یعنی اگلے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن جیسی مکمل یادداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے، کیا یہ امکان نہیں کہ خدا انہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیج دے جدھر سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ "بدر" میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت وجمعیت اور مسلمانوں کے ضعف وقلت کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اور فاتعقیب کے لئے ہے یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے آدمیوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغلوب کرنے کی تدبیریں اور ان بری تدبیروں کے برے نتیجہ سے نڈر ہو جانا بالکل نازیبا اور ناروا ہے۔ یہ رسول بھی گزشتہ رسولوں کی طرح ہیں جن کی مخالفت گزشتہ امتوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾
یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنے والے

خدا تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے:

یعنی یہ بھی ضرورت نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کیلئے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑ لے، اور بالکل

عاجز و بے بس کر دے اس کو سب قدرت ہے وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے تم اسے نہیں تھکا سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ
یا پکڑ لے ان کو ڈرانے (ڈرا کر/ڈرانے کو) کے بعد

عذاب کی ایک اور صورت:

یعنی اچانک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑے جب کہ لوگ اطلاع پا کر اور آثار عذاب دیکھ کر طبعاً خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو ندامت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دافع عذاب ہو سکتا ہے۔ بعض نے "تخوف" کے معنی "تنقص" (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعۃً ہلاک نہ کرے آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عذاب ایک ساتھ ہو جائیں ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک مرے دوسرا ڈرے پھر مرے۔ لیکن رب العلیٰ رب کائنات بڑا ہی رؤف و رحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔ صحیحین میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولادیں ٹھہرائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرمائے۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے پھر اچانک تباہ ہو جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ پڑھی۔ اور آیت قرآن میں ہے وکاین من قریۃ الخ بہت سی بستیاں ہیں جنہیں میں نے کچھ مہلت دی لیکن آخر ان کے ظلم کی بناء پر انہیں گرفتار کر لیا۔ لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

میں کہتا ہوں اس صورت میں آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب دوسرے ہلاک کر دیئے جائیں تو ان کی ہلاکت کو دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جائیں اور اس خوف کی حالت میں ان پر بھی ہلاکت آ جائے یا یہ مطلب ہے کہ پہلے ہلاکت کی نشانیاں ظاہر کر دی جائیں جن سے وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں پھر ان کو ہلاک کر دیا جائے جیسے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا تھا، پہلے روز ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ ہو گئے اس کے بعد ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

تخوف کا معنیٰ:

حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی اس لفظ کے معنی میں تردد پیش آیا تو آپ نے برسر منبر صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ لفظ تخوف کے آپ کیا معنی سمجھتے ہیں؟ عام مجمع خاموش رہا مگر قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! یہ ہمارے قبیلہ کا خاص لغت ہے ہمارے یہاں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بتدریج گھٹانا، فاروق اعظمؓ نے سوال کیا کہ کیا عرب اپنے اشعار میں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں اور اپنے قبیلہ کے شاعر ابوکبیر ہذلی کا ایک شعر پیش کیا جس میں یہ لفظ بتدریج گھٹانے کے معنی میں لیا گیا تھا اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ لوگو! تم اشعار جاہلیت کا علم حاصل کرو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

دورِ جہالت کے اشعار:

عربی ادب سیکھنے کے لئے شعراء جاہلیت کا کلام پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ خرافات پر مشتمل ہو:

عربی زبان اور اس کا لغت و محاورات سمجھنے کے لئے شعراء جاہلیت کا کلام پڑھنا پڑھانا جائز ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ شعراء جاہلیت کا کلام جاہلانہ رسموں اور خلاف اسلام جاہلانہ افعال و اعمال پر مشتمل ہوگا مگر قرآن فہمی کی ضرورت سے اس کا پڑھنا پڑھانا جائز قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن)

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾
سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان

اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت:

یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا۔ اس کی نرمی اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فوراً عذاب نازل کر دے۔ اس کی رافت و رحمت مقتضی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ سے متعلق ہے بحالیکہ "تخوف" کو بمعنی "تنقص" لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعۃً ہلاک نہ کرنا اس کی رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز
يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ
کہ ڈھلتے ہیں سائے ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے
سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اور وہ عاجزی (کرتے ہیں) میں ہیں

ہر چیز تابع ہے انسان کیوں تابع نہیں ہوتا:

یعنی جب تکوینی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز مطیع ومنقاد ہے حتی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق گھٹتا بڑھتا اور ادھر یا ادھر ڈھلتا رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کونسی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ باختیار خود اس کے احکام تشریعیہ کے سامنے گردن جھکا دے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''ہر چیز ٹھیک دو پہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا، سایہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف''۔ (تفسیر عثانی)

سجدا میں سجدہ سے مراد ہے اطاعت اختیاری ہو یا فطری، سجدت النخلۃ کھجور کا درخت سجدہ کرنے لگا۔ یعنی پھلوں کا زیادہ بار پڑنے سے جھک گیا۔ سجد البعیر اونٹ نے اپنے اوپر سوار کرنے کے لئے گردن جھکا دی۔ مطلب یہ ہے کہ سائے اللہ کے ضابطہ فطرت کے تابع ہیں یا یہ مطلب ہے کہ سجدہ کی ہیئت کی طرح زمین پر گرتے اور چسپاں رہتے ہیں اور سایہ والی چیزیں بھی عاجز، بے بس اور اللہ کے حکم کی تابع ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو
الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا
زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾
تکبر نہیں کرتے

ہر جاندار سجدہ کرتا ہے:

پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنبہ فرمایا کہ ایسی مقرب ومعظم ہستیاں بھی اس کے آگے سربسجود ہیں کوئی شیخی یا غرور ان میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ''مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی اسی میں ہے'' من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ (تفسیر عثانی)

وَّالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے بھی۔ والملائکۃ کا عطف مافی السموات پر ہے کیونکہ مافی السموات سے آسمانی چیزیں مراد ہیں چاند سورج، ستارے اور مافی الارض سے مراد زمین کی حرکت کرنے والی چیزیں ہیں اور ملائکہ کچھ زمین کے ہیں اور کچھ آسمان کے اور کچھ حاملین عرش ہیں جو نہ آسمانی ہیں نہ زمینی اس لئے ملائکہ نہ سماوی جنس سے ہیں نہ ارضی مخلوقات میں سے ہیں بلکہ سب سے الگ مخلوق ہیں۔

چیزوں کا سجدہ:

میرے نزدیک سجود اشیاء سے مراد اطاعت شعوری ہے جاندار ہو یا بے جان نامی ہو یا جامد، ہر چیز ایک خاص زندگی رکھتی ہے اور کوئی چیز بھی شعور سے خالی نہیں خواہ ہم بعض چیزوں کو بے جان اور بے شعور جانتے ہوں ہم کو ان کے باشعور اور زندہ ہونے کا علم نہ ہو مگر اللہ کے نزدیک وہ باشعور اور زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اطت السماء وحق لها ان تاط۔ آسمان (خوف سے) چر چرایا اور چر چرانا (یعنی اللہ سے ڈرنا) ہی اس کے لئے مناسب تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ
ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں
مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾
جو حکم پاتے ہیں

فرشتوں کا خوف واطاعت:

یعنی فرشتے باوجود اس قدر قرب ووجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے کہ ''ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے اوپر اللہ ہے آپ کو نیچے سمجھتا ہے یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور سب کا''۔ (تفسیر عثانی)

اگر سجود سے عمومی تکوینی اطاعت اور اللہ کی صنعت کا ظہور مراد لیا جائے تو پھر ہم لایستکبرون اور یخافون ربھم اور یفعلون مایؤمرون ملائکہ کی صفات خصوصی ہونگی (عام مخلوق کی صفات نہ ہوں گی)۔

اگر تم دیکھتے تو چیختے چلاتے:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان خوب چر چرایا اور اس کو خوب چر چرانا چاہیے ہی تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگل کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ خدا کی قسم

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے چیختے چلاتے (یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ بولے کاش میں درخت ہوتا کہ اس کو کاٹ دیا جاتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والبغوی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ
اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دو
اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾
وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو

فقط اللہ کی تم بھی عبادت کرو:

یعنی جب تمام آسمانی وزمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سربسجود اور عاجز ومقہور ہے پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آ گیا۔ جو سارے جہان کا مالک ومطاع ہے تنہا اسی کی عبادت ہونی چاہیے اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ
اور اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی (اسی کا
الدِّيْنُ وَاصِبًا
انصاف) کی عبادت ہے ہمیشہ

ہر چیز میں اطاعت رکھ دی گئی:

یعنی تکوینی طور پر ہر چیز خالص اسی کی عبادت واطاعت پر مجبول ہے " اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ "۔ (آل عمران رکوع ۹) یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اسی کی عبادت کرنا لازم ہے " اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ " (زمر رکوع ۱) اور بعض نے "دین" کو جزاء کے معنی میں لیا۔ یعنی نیک وبد کا دائمی بدلہ اسی ایک خدا کی طرف سے ملے گا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں:

صحیحین اور نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت علیؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت (کا حکم) تو نیکی میں ہے (امر ممنوع کا ارتکاب کسی کے حکم سے درست نہیں) له الدین ذا کلفة کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مالک نہیں، مالک اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے غیر مالک، مالک کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔

واصب کا معنی:

یعنی کافروں کو دوامی عذاب دینے کا اسی کو حق ہے۔ اصل میں واصب بیماری کو کہتے ہیں۔ وصب زید زید دکھی ہو گیا۔ اللہ نے عذاب کی صفت واصب فرمائی ہے۔ ایک آیت میں فرمایا ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: انا وصبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ
سو کیا سوائے اللہ کے کسی (کا خطر رکھتے ہو) سے ڈرتے ہو اور جو کچھ تمہارے
نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اسی (اسی سے
تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾
فریاد کرتے ہو) کی طرف چلاتے ہو

سب نعمتیں اللہ کی ہیں عبادت بھی اسی کی ہے:

یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک برائی یا سختی کا دفع کرنا بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے۔ تو کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت وقسمت اور ہر قسم کا نفع وضرر ہے، دوسرا کون ہے جو اس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے۔ یا جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔ (تفسیر عثمانی)

مصیبت بھی تو اللہ ہی دور کرتا ہے:

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ۔ پھر جب تم پر (بیماری نادانی، قحط وغیرہ کی کوئی) مصیبت آتی ہے تو عاجزی اور زاری کے ساتھ اللہ ہی کی طرف تم رجوع کرتے ہو۔ یعنی سوائے اس کے کسی سے دفع مصیبت کے لیے زاری نہیں کرتے۔ جوار۔ اونچی آواز سے دعاء کرنا اور فریاد کرنا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے تاکہ منکر ہو جائیں اس چیز سے جو

اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

کہ ہم نے ان کو دی ہے سومزے اڑا لو آخر معلوم کرلو گے

پھر تم ناشکرے ہو جاتے ہو:

یعنی جہاں سختی دور ہوئی، منعم حقیقی کو بھلا بیٹھے اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ نہ محسن حقیقی کا احساس مانا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائینگے، یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائیگا۔ گویا خدائے وحدہ لاشریک لہٗ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اس کے انکار پر تل گئے۔ بہتر ہے چندروز کی انہیں مہلت دی جاتی ہے خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائیگا کہ اس مشرکانہ کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا

اور ٹھہراتے ہیں انکے لئے جن (جن کو خبر نہیں) کی خبر نہیں رکھتے

رَزَقْنٰهُمْ ؕ

ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے

یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں مواشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا "مالا یعلمون" سے مراد وہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع وضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کئے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم وشعور سے کورے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (تفسیر عثمانی)

حصہ مقرر کرنے کا مطلب:

یعنی جن معبودوں کا حصہ لگایا جا رہا ہے وہ عبادت کے مستحق ہیں اور نفع یا ضرر پہنچانے والے ہیں یہ کافر ان کو ایسا نہیں خیال کرتے فقط اپنی نادانی کی وجہ سے ان کو معبود اور نفع ونقصان پہنچانے والے کہہ دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ کافر ان معبودوں کا حق نہیں سمجھتے یونہی حصہ لگا دیتے ہیں۔ یا مالا یعلمون سے مراد بت ہیں اور یعلمون کا فاعل بت ہیں۔ یعنی بت بے علم ہیں، جماد ہیں، اور کافر ایسے پتھروں کا حصہ لگا دیتے ہیں۔ مارزقنھم سے مراد ہے کھیتی، مویشی، پھل مشرک کہا کرتے تھے هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (تفسیر مظہری)

تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو تم بہتان باندھتے ہو

ان سب کا حساب ضرور ہوگا:

یعنی قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیئے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک وسہیم بناؤ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

اور ٹھہراتے ہو اللہ کی بیٹیاں وہ اس سے (لائق نہیں) پاک ہے

اللہ کیلئے بیٹیاں بتاتے ہیں: یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے۔ خاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے یہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرات کس طرح کرتے ہیں اس آیت میں ''بنوخزاعہ'' کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے

یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دیئے جانے پر رضا مند نہیں جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

اور جب خوش خبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ۚ

اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا ہے

حالانکہ اپنے لئے بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں:

یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت وغم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا ہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا

چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس

بُشِّرَ بِهٖ ؕ

خوشخبری کے جو سنی

بیٹی کو عار سمجھتے ہیں:

یعنی رسمی ننگ و عار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔

اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى

اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں

التُّرَابِ ؕ

بیٹیوں کو مار دینے کے منصوبے سوچتے ہیں:

یعنی شب و روز ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے یعنی ہلاک کر ڈالے ۔جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آ کر اس رسم قبیح کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ بعض نے اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ کے معنی یوں کئے ہیں "روکے رکھے لڑکی کو ذلیل و خوار کر کے" یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے قبائل:

یدس چھپا دے دفن کر دے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قبیلہ مضر اور بنی خزاعہ اور بنی تمیم لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ایک تو ان کو ناداری کا اندیشہ ہوتا تھا (کہ لڑکیاں تو صرف کھانے پہننے کی ہیں لوٹ مار کر کے کہیں سے کچھ لا نہیں سکتیں) دوسرے یہ کہ (ناداری کو دیکھ کر) غیر کفو کہیں ان سے نکاح کرنے کا لالچ نہ کرنے لگیں عرب کے بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اس کو اون کا یا بالوں کا کرتہ پہنا کر جانور چرانے کی خدمت پر لگا دیتا تھا اور اگر اس کو قتل کر دینا چاہتا تو چھ سال کی عمر تک اس کو چھوڑے رکھتا جب وہ چھ سال کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا اس کو بنا سنوار کر تیار کر دے پھر اس کو کہیں جنگل میں لے جاتا وہاں پہلے سے ایک گہرا گڑھا کھود کر تیار رکھتا۔ جب لڑکی کو لے کر وہاں پہنچتا تو لڑکی سے کہتا دیکھ تو اس گڑھے میں کیا ہے لڑکی دیکھنے کو جونہی جھکتی یہ سنگدل باپ پیچھے سے اس کو دھکا دیدیتا اور اوپر سے مٹی ڈال کر زندہ دفن کر دیتا اور گڑھے کو ہموار کر دیتا۔

فرزدق کا دادا:

فرزدق کے دادا صعصعہ کو اگر کہیں اس کی سن گن مل جاتی تو لڑکی کے باپ کے پاس لڑکی کے عوض کچھ اونٹ بھیج دیتا اور اس طرح لڑکی کی گلوخلاصی ہو جاتی۔ فرزدق نے بطور فخر اسی واقعہ کی طرف ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

میرا دادا وہ تھا جس نے زندہ دفن کرنے والوں کو زندہ دفن کرنے سے روکا اور زندہ درگور ہونے والی کو زندگی عطا کی۔ (تفسیر مظہری)

اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ۝۵۹

سنتا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں

ان کے فیصلے کتنے ظالمانہ ہیں:

لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ ان کا تھا اس سے زیادہ برا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کریں پھر اولاد بھی "اناث" جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔ گویا اچھی چیز ان کے لئے اور ناقص خدا کے لئے ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ

جو نہیں مانتے آخرت کو ان کی بری مثال ہے

السَّوۡءِ ۚ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى ؕ

اور اللہ کی مثال (شان) سب سے اوپر

حقیقت یہ ہے یہ خود اولاد کے محتاج ہیں:

یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام پر یقین نہیں بری مثال یا بری صفت و حالت ان ہی کی ہے۔ وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے ان کو لڑکوں کا سہارا چاہئے۔ دفع عار یا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ہلاک کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم و شرک وغیرہ کا جو برا انجام ہونا چاہیے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ غرض ہر نہج سے بری مثال اور نقص و عیب کی نسبت ان ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ حق تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دینا اس کی شان عظیم و رفیع کے منافی ہے اس کے لئے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جاسکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۔ جو لوگ آخرت

کو نہیں مانتے ان کی بری حالت ہے۔ مرنے کے بعد بقاء نسل کے محتاج ہیں اپنی قوت بازو بنانے کے لئے لڑکوں کے ضرور تمند ہیں۔ لڑکیاں ہونے کو برا جانتے ہیں۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ یہ سب ان کی بری حالت ہے۔

اللہ تو بے نیاز ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور اللہ کی شان سب سے اونچی ہے وہ واجب الوجود ہے ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علم، قدرت، بقاء اور تمام جلالی و جمالی صفات سے متصف ہے مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، مثل السوء دوزخ ہے اور مثل الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾
اور وہی ہے زبردست حکمت والا

غالب و حکیم ہے:

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہٰذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آ جائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔ (تفسیر عثمانی)

عرب کفار کی دو بری خصلتیں:

ان آیتوں میں کفار عرب کی دو خصلتوں پر مذمت کی گئی ہے کہ اول تو وہ اپنے گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو اتنا برا سمجھتے ہیں کہ شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتے پھریں، اور اس سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑکی پیدا ہونے سے جو میری ذلت ہو چکی ہے اس پر صبر کروں یا اس کو زندہ درگور کر کے پیچھا چھڑاؤں، اور اس پر مزید جہالت یہ ہے کہ جس اولاد کو اپنے لئے پسند نہ کریں اللہ جل شانہٗ کی طرف اسی کو منسوب کریں کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیں۔

لڑکی کی پیدائش کو بُرا سمجھنا کافروں کا کام ہے:

ان آیتوں میں واضح اشارہ پایا گیا کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت و ذلت سمجھنا جائز نہیں یہ کفار کا فعل ہے۔ تفسیر روح البیان میں بحوالہ شرعہ لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے سے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے اور ایک حدیث میں ہے وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو، قرآن کریم کی آیت یھب لمن یشآء اناثا ویھب لمن یشآء الذکور میں بھی اناث کو مقدم کرنے سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہونا افضل ہے۔

بیٹی کی فضیلت:

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کو ان لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ سابقہ پڑے اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی۔ (روح البیان)

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی کے پیدا ہونے کو برا سمجھنا جاہلیت کی بری رسم ہے مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس کے بالمقابل جو اللہ کا وعدہ ہے اس پر مطمئن اور مسرور ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ
اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر
عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
ایک وقت موعود تک پھر جب آپہنچے گا ان کا وعدہ نہ
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾
پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے

ہر گناہ پر فوراً گرفتاری حکمت کے خلاف ہے:

یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطا و قصور سے تو کوئی خالی ہوگا؟ (کلکم خطاؤن) جب خاطی و بدکار فوراً اہلاک کر دیئے گئے تو صرف معصوم انبیاءؑ کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ ان کو ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ وہ سب بنی آدم کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مرینگے۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انہیں ڈھیلا چھوڑتا ہے جب وقت آپہنچا، پھر ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔

(تنبیہ): بعض مفسرین نے "مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ" سے خاص دابہ ظالمہ مراد لیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔

واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ اگر اللہ لوگوں کی بے جا حرکتوں کے سبب ان کی (فوری) گرفت کرتا تو زمین پر کسی (حس و) حرکت کرنیوالے کو نہ چھوڑتا۔

مواخذہ کرنے سے مراد ہے فوری سزا دینا۔ الناس سے مراد کفار ہیں۔ لفظ مواخذہ اور ظلم اسی کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ ظلم سے مراد ہے کفر اور معصیت۔

دَابَّة کا مطلب:

دابۃ سے مراد ہے گناہگار دابہ مفسر مدارک نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تشریح کی نسبت کی ہے۔ یا دابہ سے مراد ہے جاندار رینگنے والا جانور۔ اس صورت میں مؤمنین صالحین مستثنیٰ ہوں گے۔ یعنی نیکوکار مؤمنوں کے علاوہ ہر جاندار کو ہلاک کر دیتا کسی کو نہ چھوڑتا۔ کیونکہ کافروں اور گناہگاروں کی بیجا حرکتوں پر نیکوں کی پکڑ نہیں ہوسکتی ہاں اگر نیک لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیں تو گناہ پر راضی ہونے یا فرض کو ادا نہ کرنے کے سبب ان کو بھی عذاب میں شریک کیا جاسکتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کا عذاب:

ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ جب کسی بری بات کو دیکھیں اور اس کو نہ بدلیں (یعنی بدلنے کی کوشش نہ کریں) تو ہوسکتا ہے کہ اللہ سب کو عموماً اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جریر بن عبداللہ کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ایسا حضرت نوحؑ کے زمانہ میں ہوچکا ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی میں جو جاندار چڑھ گئے وہ بچ گئے باقی ہلاک کر دیئے گئے۔

ظلم کی نحوست:

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے ظالم صرف اپنے نفس کو ہی ضرر پہنچاتا ہے (اس کے ظلم کی سزا کسی دوسرے پر نہیں پڑتی) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ خدا کی قسم (ضرور ایسا ہوتا ہے) یہاں تک کہ ظالم کے ظلم کی پاداش میں چڑیاں اپنے آشیانوں میں بھوکی مرجاتی ہیں۔

ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابن آدم کے گناہ کی وجہ سے جعل (ایک خاص کیڑا) اپنے سوراخ میں عذاب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔

آیت کی ایک اور تفسیر:

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کافروں کے آباؤ اجداد کو ان کے ظلم کی پاداش میں فوراً پکڑ لیتا تو نسل ہی منقطع ہوجاتی۔ ان کی اولاد بھی زندہ نہ بچتی اور زمین پر کوئی باقی نہ رہتا۔ اسی لئے حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے اس وقت تک بددعاء نہیں کی جب تک وحی کے ذریعہ سے ان کو معلوم نہ ہوگیا کہ موجودہ کافروں کی نسل بھی کافر ہی پیدا ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ
اور کرتے (ٹھہراتے) ہیں اللہ کے واسطے جس کو اپنا جی نہ چاہے

مشرکین کی گستاخیاں:

یعنی جو چیزیں بری سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنی ملک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء واستخفاف کا معاملہ۔ وہ خداوند قدوس کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى
اور بیان کرتی ہیں زبانیں ان کی جھوٹ کہ ان کے واسطے خوبی ہے

جھوٹے دعوے:

یعنی باوجود ایسی گستاخیوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں اور اگر آخرت وغیرہ کے قصے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب چین اڑائینگے۔ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (حم السجدۃ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾
آپ ثابت (محقق ہوگیا) ہے کہ ان کے واسطے آگ ہے اور وہ بڑھائے جارہے ہیں

ان کیلئے تو آگ ہے:

یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لئے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی۔ البتہ دوزخ تیار ہے جس کی طرف وہ بڑھائے جارہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیئے جائیں گے۔ یعنی ابدالآباد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ان کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملے گی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کے لئے وہ باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود اپنے لئے

ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے) لئے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بلاشبہ وہ لوگ سب سے پہلے (دوزخ میں) بھیجے جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے دوزخ میں ڈال کر بھلا دیئے گئے۔ مقاتل نے کہا دوزخ میں چھوڑ دیئے گئے۔ قتادہ نے کہا، دوزخ میں جلد بھیج دیئے گئے۔ فراء نے کہا دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انا فرطکم میں تمہارا پیش رو ہوں گا اور حوض پر سب سے پہلے پہنچوں گا۔ سعید بن جبیر نے ترجمہ کیا وہ (نجات ورحمت سے) دور کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کعبہ کے پتھر کی عبارت:

کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کی عمارت کو نئے سرے سے بنانے کے لئے ڈھایا تو نیو میں سے ایک پتھر نکلا جس پر ایک کتبہ لکھا ہوا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کانٹے بو کر انگور کی امید رکھنا۔ پس ان کی امیدیں تھیں کہ دنیا میں بھی انہیں جاہ وحشمت اور لونڈی غلام ملیں گے اور آخرت میں بھی۔

یہ مشرک بھلا دیئے جائیں گے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل ان کے لئے آتش دوزخ تیار ہے وہاں یہ رحمت رب تعالیٰ سے بھلا دیئے جائیں گے اور ضائع اور برباد ہو جائیں گے آج یہ ہمارے احکام بھلائے بیٹھے ہیں کل انہیں ہم اپنی نعمتوں سے بھلا دیں گے یہ جلد ہی جہنم نشین ہونے والے ہیں۔

لم یلد لم یولد اور الائق است والد ومولود رااو خالق است

فائدہ: حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ عذاب ان سب کو پہنچ جاتا ہے جو اس قوم میں موجود ہوں لیکن قیامت کے دن گنہگار اور بے گناہ اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

جب ظلم و معصیت عام ہو جائے تو اللہ کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ عام ہوتا ہے ظالم اور غیر ظالم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ظالم اپنے ظلم کے سبب ہلاک ہوتا ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ظالم کی ہلاکت بطور انتقام ہوتی ہے اور غیر ظالم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۔ پھر قیامت کے دن اپنی نیتوں کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ (معارف کاندھلویؒ)

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ

پھر اچھے کر کے دکھلائے ان کو شیطان نے ان کے کام سو وہی رفیق

الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

ان کا ہے آج اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے

پہلے بھی کافر ہلاک ہو چکے ہیں:

کفار مکہ کی گستاخیوں اور لغو بے ہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہ ہی ہوا کہ شیطان لعین مکذبین کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھاتا رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں۔ اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ نہ ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہی انجام آپ کے مکذبین کا ہوگا۔ بعض نے "فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے اگلوں کو بہکایا تھا۔ وہ ہی آج ان کفار مکہ کا رفیق بنا ہوا ہے لہٰذا جو حشر ان کا ہوا ان کا بھی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کفار اور شیطان کی رفاقت:

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پس وہی شیطان آج (اس دنیا میں) ان (کفار قریش) کا (بھی) رفیق ہے اور قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ولیھم کی ضمیر کفار قریش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلام کی رفتار کا یہی تقاضا ہے۔ کفار قریش کے متعلق کلام کیا جا رہا ہے۔ ولی کا معنی ہے مددگار رفیق ساتھی، جو قریش کے برے اعمال کو اچھی شکل میں بنا کر دکھا رہا ہے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں ان کا ساتھی اور مددگار ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ولیھم کی ضمیر امم سابقہ کی طرف لوٹائی جائے اور گزشتہ حال کی حکایت قرار دی جائے۔ یعنی شیطان امم سابقہ کا اس دنیا میں رفیق تھا۔ اعمال کفر یہ کو پسندیدہ بنا کر دکھاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ

اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے تو ان کو

الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ

وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں

نزول قرآن کا مقصد:

یعنی قرآن صرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید ومعاد اور احکام

حلال وحرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت وتحقیق کے ساتھ بیان کردے۔ کوئی اشکال وخفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دوٹوک فیصلہ سنادیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کردیں آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور سیدھی راہ سجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان (رحمت
اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے) لانے والوں کے

فائدہ کون اُٹھائے گا:

یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لئے ہیں لیکن اس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الٰہیہ کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع ورغبت ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط

زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے

یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کردیا گویا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز وشاداب ہونا حیات ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ع

اس میں نشانی ہے لوگوں کو جو سنتے ہیں

یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کردیگا۔ اگر توجہ قلبی اور انصاف سے سنیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيْكُمْ

اور تمہارے واسطے چوپاؤں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ (درمیان

لَّبَنًا خَالِصًا

سے) میں سے دودھ ستھرا

جانوروں سے عبرت پکڑو:

یعنی اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہوجاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگادی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کرکے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات وبقا کا سبب بنتا ہے اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے۔ ان دوگندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک طیب اور خوشگوار چیز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گوبر اور خون سے بچ کر خالص دودھ:

فرث وہ گوبر جو اوجھ کے اندر ہو۔ جب باہر آجاتا ہے تو اس کو فرث نہیں کہا جاتا۔ خالصاً سے یہ مراد ہے کہ خون اور گوبر کے اثرات سے خالص ہوتا ہے نہ اس میں خون کا رنگ ہوتا ہے نہ گوبر کی بو۔ باوجودیکہ دودھ کی پیداوار انہی دونوں چیزوں سے ہوتی ہے۔ سائغ حلق میں آسانی سے اتر جانے والا۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جانور چارہ گھاس کھاتا ہے تو کھایا ہوا چارہ انتڑیوں میں جاکر ٹھہرتا ہے پھر وہاں اس کی پسائی ہوتی ہے پسنے کے بعد اس کا نچلا حصہ تو گوبر ہوجاتا ہے اور بالائی حصہ خون اور درمیانی حصہ دودھ (دونوں کے درمیان سے دودھ پیدا ہونے کا یہی مطلب ہے) اور یہ سب کام جگر کے زیر تسلط ہوتا ہے۔ جگر خون کو رگوں میں بہاتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں اور گوبر کو وہیں باقی رکھتا ہے جہاں وہ ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید حضرت ابن عباسؓ کے کلام کی مراد یہ ہے کہ درمیانی حصہ دودھ کا مادہ ہوجاتا ہے اور بالائی حصہ خون کا مادہ جو بدن کی غذا بنتا ہے۔ اور جگر اس غذا کو جو انتڑیوں میں ہوتی ہے اس کا ہضم شدہ خلاصہ (کیلوس) اپنی طرف کھینچ لیتا اور فضلہ وہیں رہتا ہے جہاں ہوتا ہے (یعنی انتڑیوں میں) پھر کیلوس کو روک کر دوبارہ اس کو ہضم کرتا ہے (جس کے جوہر کو کیموس کہتے ہیں) پھر چار اخلاط تیار کرتا ہے جن کے اندر مائیت ہوتی ہے پھر جگر کی قوت ممیزہ (مائیت کو چھانٹ کر الگ کرنے والی قوت) قدر ضرورت سے زیادہ پانی کو اخلاط سے الگ کرکے گردوں اور پتے اور طحال کی طرف روانہ کردیتی ہے پھر باقی اخلاط کو تمام اعضاء کی طرف حسب ضرورت تقسیم کردیتی ہے اس طرح ہر عضو کو قادر، حکیم، علیم کے زیر انتظام اس کا حق مل جاتا ہے۔ پھر اگر حیوان مادہ ہے تو چونکہ اس کے مزاج میں برودت ورطوبت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے اخلاط غذائی ضرورت سے زائد ہوتے ہیں اور زائد حصہ جنین کی پرورش کے لئے رحم کی طرف چلا جاتا ہے اور بچہ پیدا ہوجاتا ہے تو ماں کے بدن کی غذائی ضرورت سے تمام زائد حصہ یا اس کا کچھ حصہ تھنوں کی طرف چلا جاتا ہے

اور سفید شیریں گوشت کے قرب کی وجہ سے سفید ہو کر دودھ بن جاتا ہے۔ اخلاط اور دودھ کی پیدائش کیسے ہوتی ہے کن راستوں سے کس طرح کہاں جا کر یہ ٹھہرتے ہیں ان کو پیدا کرنے والے اسباب کیا کیا ہیں مناسب طور پر ہر وقت ان کی حالت کی تبدیلی کونسی قوتوں کی ممنون ہے جو شخص ان امور پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے گا اس کو صانع حکیم کی حکمت کاملہ اور قدرت تامہ کا اعتراف کرنا پڑے گا اور رحمت شاملہ کو ماننا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
خوشگوار پینے والوں کے لئے

چار قسم کے مشروبات:

پہلے کتاب اتارنے کی مناسبت سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا ان آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے یعنی دودھ، شراب ونبیذ اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار قسمیں مذکور ہوئی ہیں۔

''فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى'' (محمد رکوع ۲)

نعمتوں کے ذکر کا مقصد:

یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے خیال میں جو بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا ہے۔ گویا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لئے خدا نے طرح طرح کے انتظامات اور مناسب سامان کئے ہیں ضرور ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل وذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کئے ہونگے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تحقیق:

گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ نکالنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جانور جو گھاس کھاتا ہے جب وہ اس کے معدہ میں جمع ہو جاتی ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے معدہ کے اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے اوپر دودھ ہو جاتا ہے، اور اس کے اوپر خون پھر قدرت نے یہ کام جگر کے سپرد کیا ہے کہ ان تینوں قسموں کو الگ الگ ان کے مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے خون کو الگ کر کے رگوں میں منتقل کر دیتا ہے اور دودھ کو الگ کر کے جانور کے تھنوں میں پہنچا دیتا ہے اور اب معدہ میں صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے جو گوبر کی صورت میں نکلتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لذیذ اور شیریں کھانے کا استعمال زہد کے خلاف نہیں ہے جبکہ اس کو حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو، حضرت حسن بصری نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ (قرطبی)

کھانا کھانے کی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو اللھم بارک لنافیہ واطعمنا خیراً منہ (یعنی یا اللہ اس میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور آئندہ اس سے اچھا کھانا نصیب فرما) اور فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ، (یعنی یا اللہ ہمارے لئے اس میں برکت دیجئے اور زیادہ عطا فرمایئے)

نکتہ: اس سے بہتر کا سوال اس لئے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے اسی لئے قدرت نے ہر انسان وحیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی ہے جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے (قرطبی) (معارف القرآن)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ
اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ
اس سے نشہ اور روزی خاصی

کھجور اور انگور کے مشروب:

یعنی ان میووں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نبیذ، سرکہ اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ ان سے حاصل کرتے ہو۔

(تنبیہ): یہ آیت مکی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی، پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے، ہجرت کے بعد حرام ہوئی پھر کسی مسلمان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس مکی آیت میں بھی ''سکرًا'' کے بعد ''ورزقاً حسناً'' فرما کر متنبہ فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر ''رزق حسن'' کا اطلاق کرنا موزوں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سُکر اور اچھا رزق:

بغوی نے لکھا ہے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ سکر شراب ہے اور رزق حسن سرکہ، رُب چھوارے اور کشمش اور یہ حکم تحریم خمر سے پہلے کا ہے (یعنی اس آیت کا نزول حرمت شراب سے پہلے ہوا تھا) یہ قول حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن اور مجاہد کا ہے۔ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سکر وہ پھل ہیں جو حرام کر دیئے گئے اور رزق حسن سے مراد حلال پھل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے (سوچتے ہیں) ہیں

عقل کا استعمال:

یہاں "یعقلون" کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سکرا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ چونکہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ اس لئے اشارہ فرمادیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں شراب بناتے ہو جو حرام ہے اور اور طرح کھاتے پیتے ہو جو حلال ہے مثلاً خشک کھجوریں کشمش وغیرہ اور نبیذ، شربت بنا کر، سرکہ بنا کر، اور اور طرح۔ پس جن لوگوں کو عقل کا حصہ دیا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی قدرت وعظمت کو ان چیزوں اور ان نعمتوں سے بھی پہچان سکتے ہیں۔ دراصل جوہر انسانیت عقل ہی ہے اسی کی نگہبانی کے لئے شریعت مطہرہ نے نشے والی شرابیں اس امت پر حرام کر دیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ

اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا لے

مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں

یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

باندھتے ہیں

انگور کی بیل اور شہد کی مکھی:

یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے، ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت وانضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں کا رکھنا آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے، حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بیکار نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

شہد کی مکھی کو الہام:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ
بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو بعض پہاڑوں میں گھر بنالے اور بعض درختوں میں بھی اور لوگ جو چھتیں بناتے ہیں ان میں بھی۔ وحی کرنے سے مراد ہے الہام کرنا اور دل میں ڈالنا۔ یعرشون سایہ کے گھروں کی چھتیں بناتے ہیں یا عرش سے مراد ہے انگوروں کی ٹٹیاں۔ عرش کا لغوی معنی ہے چھت۔ من الجبال اور من الشجر اور مما یعرشون میں من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ سب پہاڑوں میں اور سب درختوں میں اور سب چھتوں اور انگوروں کی ٹٹیوں میں شہد کی مکھیوں کے چھتے نہیں لگتے ہیں نہ ہر جگہ چھتا ہوتا ہے۔ بعض پہاڑوں اور بعض درختوں وغیرہ میں بعض جگہ چھتے لگتے ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے کو مکان کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی مکان کی طرح مکھیوں کے چھتوں میں بھی تمام ضروری حصے ہوتے ہیں ان میں بھی متعدد کمرے، چھتیں اور دروازے ہوتے ہیں اور وہ بھی حسن صنعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں کہ سوائے کسی ماہر انجنیئر کے اور کوئی انسان بھی نہ ایسا نقشہ بنا سکتا ہے نہ ایسی تعمیر کر سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وحی سے مراد یہاں پر الہام ہدایت اور ارشاد ہے شہد کی مکھیوں کو خدا تعالیٰ کی جانب سے یہ بات سمجھائی گئی کہ وہ پہاڑوں میں درختوں میں اور چھتوں میں شہد کے چھتے بنائے۔ اس ضعیف مخلوق کے اس گھر کو دیکھئے کتنا مضبوط، کیسا خوبصورت اور کیسی کچھ کاریگری کا ہوتا ہے۔ پھر اسے ہدایت کی اور اس کیلئے مقدر کر دیا گیا کہ یہ پھلوں کے، پھولوں کے اور گھانس پات کے رس چوستی پھرے اور جہاں چاہے جائے آئے لیکن واپس لوٹتے وقت سیدھی اپنے چھتے کو پہنچ جائے۔ چاہے بلند پہاڑ کی چوٹی ہو چاہے بیابان کے درخت ہوں چاہے آبادی کے بلند مکانات اور ویرانے کے سنسان کھنڈر ہوں یہ نہ راستے بھولے نہ بھٹکتی پھرے۔ خواہ کتنی ہی دور نکل جائے، لوٹ کر اپنے چھتے میں اپنے بچوں، انڈوں اور شہد میں پہنچ جائے۔ اپنے پروں سے موم بنائے اپنے منہ سے شہد جمع کرے اور دوسری جگہ سے بچے۔ ذللا کی تفسیر اطاعت گزار مسخر سے بھی کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

پھر کھا ہر طرح کے میووں سے

شہد کی مکھی کی غذا:

"کلی" اور "فاسلکی" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتہ سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا
پھر چل راہوں (راستوں میں) میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں

فطرت کی راہنمائی:

یعنی غذا حاصل کرنے اور کھاپی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتہ میں واپس آجاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے "فاسلکی سبل ربک ذللا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل وتصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیئے ہیں ان پر مطیع ومنقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قویٰ وتصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔ (تفسیر عثمانی)

الثمرات میں الف لام جنسی ہے اور لفظ کل استغراقی نہیں ہے بلکہ ہر مرغوب اور مناسب پھل مراد ہے یعنی ہر قسم کے مناسب پسندیدہ اور میسر آجانے والے پھلوں کا عرق چوس لے خواہ میٹھے ہوں یا کڑوے۔ (تفسیر عثمانی)

سبل ربک یعنی ان راستوں پر چل کر شہد تیار کر جو تیرے رب نے تجھے بتادیئے ہیں اور فطری طور پر تجھے سکھا دیئے ہیں اور جب دور دور کے پھولوں کا رس چوس کر اپنے گھر کو لوٹے تو اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر لوٹنا راستہ نہ بھول جانا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے ایسے راستوں پر چلنا کہ تیرے پیٹ کے اندر پھلوں، اور پھولوں سے چوسا ہوا عرق شہد بن جائے۔

ذللاً یعنی وہ راستے اللہ نے تیرے لئے آسان کر دیئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں لگی رہنا اور حکم کے زیر اثر راستوں پر چلنا کہنے والے کہتے ہیں کہ مکھیوں کے سردار تمام مکھیوں کو ساتھ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوجاتے ہیں اور سب مکھیوں کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کو یعسوب کہا جاتا ہے جب وہ کہیں سے چل دیتا ہے تو سب مکھیاں چل دیتی ہے اور جہاں کہیں وہ رک جاتا ہے تو سب ٹھہر جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ
نکلتی ہے انکے پیٹ میں سے پینے کی چیز جسکے مختلف رنگ ہیں

مختلف انگوں کا شہد:

یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے سفید، سرخ، زرد۔ کہتے ہیں کہ رنگتوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے

شہد شفاء کا سبب ہے:

یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اس کا بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہوگئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے فرمایا۔ "صدق الله و كذب بطن اخيك" (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے) پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہ ہی کیفیت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہوگئے اور طبیعت صاف ہوگئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس" فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ مسہلات دی جائیں تا وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہ ہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء اور شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بیحد مفید بتلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دو شفائیں:

ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو شفاؤں کو اختیار کرو، شہد اور قرآن (اول میں شفاء جسمانی ہے اور دوسرے میں شفاء اخلاقی وروحانی (رواہ ابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح۔ یہ حدیث بتارہی ہے کہ شہد میں شفاء غالب ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ شہد ہر مرض کی شفاء ہے اور دلوں کو بیماریوں کی قرآن شفاء ہے۔ غالباً حضرت ابن مسعودؓ نے حدیث مرفوع (مذکورہ بالا) سے ہر مرض کی شفاء ہونے کا مفہوم سمجھ لیا اسی لئے شہد کو ہر مرض کی شفاء قرار دیا۔

استعمال کے مختلف طریقے:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض امراض کے لئے تو شہد تنہا شفاء ہے اکثر بلغمی امراض میں مفید ہے اور بعض امراض کے علاج میں دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر شہد مفید صحت ہے ہر معجون کا جزء اعظم شہد ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ۔ حسب الحکم اس شخص نے شہد پلایا (کچھ فائدہ نہ ہوا) وہ پھر خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور میں نے شہد پلایا تھا، شہد سے اور اسہال میں اضافہ ہوگیا۔ فرمایا، اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا۔ اس نے جا کر پھر شہد پلایا اور مریض اچھا ہوگیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ (پیٹ کے) بعض امراض کے لئے تنہا شہد شفاء ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خلوص اور حسن نیت سے جو شخص تنہا شہد کا استعمال کرے گا۔ اللہ اس کو شفا دے گا خواہ کوئی مرض ہو۔ کذا قال السیوطی۔

صحیح بات یہ ہے کہ ہر قسم کے شہد کا ہر مرض کے لئے شفاء ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں۔ ہر فصل کے شہد کی خاصیت جدا ہوتی ہے۔ کس قسم کے پھلوں اور پھولوں کے عرق سے شہد تیار ہوا ہے اس کا لحاظ بھی موسم کے مطابق ضروری ہے۔ شہد کے علاوہ کوئی شفا بخش دوا ایسی نہیں کہ ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کا خلاصہ کھنچ کر اس میں آگیا ہو ہر دوا کا ایک خاص مزاج اور خاصیت ہے۔ شہد ہی ایک ایسی چیز ہے جو فصل کے اختلاف اور پھلوں پھولوں کے تنوع کے لحاظ سے اپنے اندر مختلف خاصیات رکھتا ہے پس شہد کا ہر مرض کے لئے شفاء ہونا بجائے خود صحیح ہے لیکن مرض کی نوعیت کے لحاظ سے شہد کی نوعیت اور جن پھلوں اور پھولوں سے شہد بنا ہوا ان کی دریافت لازم ہے پھر شہد کے طریق استعمال اور مقدار استعمال کا بھی بڑا فرق ہے۔ اگر طریق استعمال اور مقدار ضروری کا علم نہ ہو تو اس سے شہد کے شفاء بخش ہونے کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ ہر شہد ایک کیفیت کا بھی حامل نہیں ہوتا کسی میں گرمی زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم۔ بعض شہد فالج، لقوہ اور بڑے بڑے اعصابی امراض میں بہت مفید ہوتا ہے اور جاری کرنے کے لئے بھی۔ فاسد مادہ کو باہر نکال کر پھینک دیتا ہے اور فاسد غذائی مادہ کو نکال پھینکنے کے بعد قبض بھی کر دیتا ہے۔ غرض شہد مقوی بھی ہے مفرح بھی، اچھی غذا بھی ہے اور عمدہ دوا بھی۔ جو اور جتنے فوائد شہد کے اندر ہیں وہ دنیا کی کسی چیز کے اندر نہیں ہیں۔ حقیقت میں شہد مجمع الاضداد ہے۔ (تفسیر مظہری)

تین چیزوں میں شفاء ہے:

بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ سرور رسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹھاس اور شہد سے بہت الفت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور داغ لگوانے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے روکتا ہوں۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ تمہاری دواؤں میں سے کسی میں اگر شفا ہے تو پچھنے لگانے میں شہد کے پینے میں اور آگ سے دغوانے میں جو بیماری کے مناسب ہو لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ مسلم کی حدیث میں ہے میں اسے پسند نہیں کرتا بلکہ ناپسند رکھتا ہوں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ تم ان دونوں شفاؤں کی قدر کرتے رہو شہد اور قرآن۔

ایک کیمیا اثر نسخہ:

ابن جریر میں حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شفا چاہے تو قرآن کریم کی کسی آیت کو کسی صحیفے پر لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھو لے اور اپنی بیوی کے مال سے اس کی اپنی رضامندی سے پیسے لے کر شہد خرید لے اور اسے پی لے پس اس میں کئی وجہ سے شفا آجائے گی۔ خدا تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی ہم نے قرآن میں وہ نازل فرمایا ہے جو شفا ہے اور رحمت ہے مؤمنین کے لئے۔ اور آیت میں ہے وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ہم آسمان سے بابرکت پانی برساتے ہیں اور فرمان ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا یعنی اگر عورتیں اپنے مال مہر میں سے اپنی خوشی سے تمہیں دیدیں تو بیشک تم اسے کھاؤ پیو سہتا پچتا۔ شہد کے بارے میں فرمان خدا تعالیٰ ہے فیه شفآء للناس شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔

بڑی بلا سے حفاظت:

ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے میں تین دن صبح کو شہد چاٹ لے اسے کوئی بڑی بلا نہیں پہنچے گی۔ اس کا ایک روای زبیر بن سعید متروک ہے۔ ابن ماجہ کی اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم سنا اور سنوت کا استعمال کیا کرو ان میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے سام کے۔ لوگوں نے پوچھا سام کیا؟ فرمایا موت۔ سنوت کے معنی شبت کے ہیں اور لوگوں نے کہا ہے سنوت شہد ہے جو گھی کی مشک میں رکھا ہو۔ شاعر کے شعر میں بھی یہ لفظ اس معنی میں آیا ہے پھر فرماتا ہے مکھی جیسی بے طاقت چیز کا تمہارے لئے شہد اور موم بنانا اس کا اس طرح آزادی سے پھرنا اور اپنے گھر کو نہ بھولنا وغیرہ یہ سب چیزیں غور و فکر کرنیوالوں کے لئے میری عظمت و خالقیت مالکیت کی بڑی نشانیاں ہیں اسی سے لوگ اپنے خدا تعالیٰ کے قادر حکیم علیم کریم رحیم ہونے پر دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) شہد کی مکھی سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کسی حقیر و ذلیل مکھی سے کیسی عمدہ اور لذیذ اور صحت بخش چیز خدا نے نکالی۔

(۲)۔ اس کے چھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے ہر ایک خانہ مسدس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

(۳)۔ نیز شہد کی مکھیوں پر ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں۔ اور یہ ملکہ۔ جثہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرماں بردار ہوتی ہیں چھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو اور مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

(۴) قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لئے دور دور جاتی ہیں اور اپنے مکان اور راستے کو نہیں بھولتیں اور ایک چھتے کی مکھیاں دوسرے چھتے پر نہیں جاتیں۔

حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اپنے اوپر دو شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی شہد اور قرآن۔ شیخین نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلا اس نے شہد پلایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پلا، تین مرتبہ اس نے شہد پلایا اور ہر مرتبہ یہی آکر کہا کہ میں نے اسے شہد پلایا تھا اس کے دست اور بڑھ گئے آپ نے اس کو ہر مرتبہ یہی جواب دیا جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ اس کو پھر شہد پلا اس نے کہا کہ میں نے اس کو پلایا مگر اس کے دست بڑھتے جاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے اس کو پھر شہد پلایا اور خدا نے اس کو شفاء دی اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلائے جا ان شاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا۔

خصوصاً اصحاب بلغم اور شیوخ مردوزن کے لئے تو مجرب تریاق ہے۔ اور معجونوں کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدر و منزلت ثابت کرتا ہے کہ اس میں شفاء عظیم ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

مقامِ فکر:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں برے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گوبر کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور کھجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کریگا۔ حضرت کے وقت میں یہ ہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

توحید والوہیت کی دلیل:

اس میں ان لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت والوہیت کی) بڑی دلیل ہے جو غور کرتے ہیں۔ جو شخص مکھیوں کی اس صنعتی مہارت اور عجیب پرحکمت نظم پر غور کرے گا اس کو صاف نظر آجائے گا کہ یہ سب کارفرمائی اور اعجوبہ زائی درپردہ کسی قادر حکیم کی ہے، وہی مکھیوں کے دل میں یہ تدبیریں ڈالتا اور ترکیبیں بتاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہد کی مکھی کی فراست:

النحل، شہد کی مکھی اپنی عقل وفراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو خطاب بھی امتیازی شان کا کیا ہے، باقی حیوانات کے بارے میں تو قانون کلی کے طریقہ پر اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى فرمایا، لیکن اس ننھی سی مخلوق کے بارے میں خاص کر کے او حی ربک فرمایا جس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ دوسرے حیوانات سے بہ نسبت عقل وشعور اور سوجھ بوجھ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کی فہم وفراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست وحکمرانی کے اصول پر چلتا ہے تمام نظم ونسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے اس کے عجیب وغریب نظام اور مستحکم قوانین وضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ خود یہ ملکہ تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے، یہ اپنی قدروقامت اور وضع قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں اور کسی نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں، بعض معماری اور انجیرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے ان میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں پر بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ شہد ان کی

اوران کے بچوں کی غذا ہے اور یہی ہم سب کے لئے بھی لذت وغذا کا جوہر اور دواء وشفا کا نسخہ ہے۔ یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اوراپنی ملکہ کے حکم کو دل وجان سے قبول کرتی ہیں ان میں سے اگر کوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کردیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔(از الجواہر) (معارف القرآن)

شہد کا چھتہ:

بیوتا. اَوْحٰی رَبُّکَ سے جو ہدایت دی گئی ہے ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہر جانور اپنے رہنے سہنے کے لئے گھر تو بناتا ہی ہے پھر اس اہتمام سے "گھروں" کی تعمیر کا حکم مکھیوں کو دینے میں کیا خصوصیت ہے پھر یہاں لفظ بھی "بیوت" کا استعمال فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کردیا کہ مکھیوں کو چونکہ شہد تیار کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں دوسرا اس طرف اشارہ کردیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی، وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی ساخت وبناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی، چنانچہ ان کے گھر عام جانوروں کے گھروں سے ممتاز ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے ان کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں رہتا، مسدس شکل کے علاوہ وہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع اور مخمس وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کے بعض کونے بیکار رہ جاتے ہیں۔

یہ مکھی ایسے ایسے لطیف اور قیمتی اجزاء چوستی ہے کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہر نہیں نکالا جاسکتا۔

فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا . یہ مکھی کو تیسری ہدایت دی جارہی ہے کہ اپنے رب کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چل پڑ، یہ جب گھر سے دور دراز مقامات پر پھل پھول کا رس چوسنے کے لئے کہیں جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے گھر میں واپس آنا مشکل ہونا چاہیے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے راہوں کو آسان بنادیا ہے چنانچہ وہ میلوں دور جاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اس کے لئے راستے بنادیئے ہیں، کیونکہ زمین کے پیچ دار راستوں میں بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فضاء کو اس حقیر وناتواں مکھی کے لئے مسخر کردیا تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھر آسانی سے آجاسکے۔

شہد کی مکھی کی فراست کا نتیجہ:

اسکے بعد وحی کے اس حکم کو جو حقیقی ثمرہ تھا، اس کو بیان فرمایا،

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ، کہ اسکے پیٹ میں سے مختلف رنگ کا مشروب نکلتا ہے جس میں تمہارے لئے شفاء ہے ،رنگ کا اختلاف غذا اور موسم کے اختلاف کی بناء پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی خاص علاقے میں کسی خاص پھل پھول کی کثرت ہوتو اس علاقہ کے شہد میں اس کا اثر وذائقہ ضرور ہوتا ہے شہد عموماً چونکہ سیال مادہ کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے اس کو شراب (پینے کی چیز) فرمایا، اس جملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی قاطع دلیل موجود ہے کہ ایک چھوٹے سے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے حالانکہ وہ جانور خود زہریلا ہے زہر میں سے یہ تریاق واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے پھر قدرت کی یہ بھی عجیب صنعت گری ہے کہ دودھ دینے والے حیوانات کا دودھ موسم اور غذا کے اختلاف سے سرخ وزرد نہیں ہوتا اور مکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہوجاتا ہے۔(معارف القرآن)

جسمانی فوائد:

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ،شہد جہاں قوت بخش غذاء اور لذت وطعم کا ذریعہ ہے وہاں امراض کے لئے نسخہ شفا بھی ہے اور کیوں نہ ہو، خالق کائنات کی یہ لطیف گشتی مشین جو ہر قسم کے پھل پھول سے مقوی عرق اور پاکیزہ جوہر کشید کرکے اپنے محفوظ گھروں میں ذخیرہ کرتی ہے اگر جڑی بوٹیوں میں شفا ودوا کا سامان ہے تو ان کے جوہر میں کیوں نہ ہوگا ، بلغمی امراض میں بلاواسطہ اور دوسرے امراض میں دوسرے اجزاء کے ساتھ مل کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے اطباء معجونوں میں بطور خاص اس کو شامل کرتے ہیں۔

پھوڑے کا علاج:

حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ ان کے بدن پر اگر پھوڑا بھی نکل آتا تو اس پر شہد کا لیپ کرکے علاج کرتے ،بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسکے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (قرطبی)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا ان بندوں کا اپنے رب کے متعلق اعتقاد ہوتا ہے حدیث قدسی میں فرمایا: انا عند ظن عبدی یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ جو کچھ مجھ سے گمان رکھتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں (یعنی اس کے مطابق کردیتا ہوں)۔

جانوروں میں عقل:

آیت سے معلوم ہوا کہ عقل وشعور انسانوں کے علاوہ دوسرے جانداروں میں بھی ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ، البتہ عقل کے درجات مختلف

ہیں انسانوں کی عقل ذی حیات اشیاء کی عقول سے زیادہ کامل ہے، اسی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے یہی وجہ ہے کہ اگر جنون کی وجہ سے انسان کی عقل میں فتور آ جائے تو دوسری مخلوقات کی طرح وہ بھی مکلف نہیں رہتا۔

شہد کی مکھی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی فضیلت میں حدیث وارد ہوئی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذبان کلها فی النار یجعلها عذاباً لاهل النار الاالنحل،

(نوادر الاصول بحوالہ قرطبی)

''یعنی دوسرے ایذاء رساں جانداروں کی طرح مکھیوں کی بھی تمام قسمیں جہنم میں جائیں گی، جو وہاں جہنمیوں پر بطور عذاب مسلط کر دی جائیں گی، مگر شہد کی مکھی جہنم میں نہیں جائے گی''۔

نیز ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

شہد مکھی کا لعاب ہے یا فضلہ:

اطباء کا اس میں کلام ہے کہ شہد مکھی کا فضلہ ہی یا اس کا لعاب ہی ارسطا طالیس نے شیشے کا ایک نفیس چھتہ بنا کر مکھیوں کو اس میں بند کر دیا تھا، وہ ان کے نظام کو جاننا چاہتا تھا لیکن ان مکھیوں نے سب سے پہلے برتن کے اندرونی حصہ پر موم اور کیچڑ کا پردہ چڑھا دیا اور جب تک پوری طرح پردہ پوش نہیں ہوگئیں اس وقت تک اپنا کام شروع نہیں کیا۔

دنیا کی حقارت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کی حقارت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

اشرف لباس بنی ادم فیه لعاب دودة واشرف شرابه رجیع نحلة۔

''انسان کا بہترین ریشمی لباس اس کائنات کے ایک چھوٹے سے کیڑے کا لعاب ہے اور اس کا نفیس لذت بخش مشروب مکھی کا فضلہ ہے''۔

دواء سے علاج بھی جائز ہے:

فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ، سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوا سے مرض کا علاج کرنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور انعام ذکر کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

حدیث میں دوا استعمال کرنے اور علاج کرنے کی ترغیب آئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض حضرات نے سوال کیا کہ کیا ہم دوا استعمال کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، علاج کرلیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض پیدا کیا ہے اس کے لئے دوا بھی پیدا فرمائی ہے مگر ایک مرض کا علاج نہیں، انہوں نے سوال کیا وہ مرض کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھاپا۔ (ابوداؤد والترمذی بحوالہ قرطبی)

حضرت خذیمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو ہم جھاڑ پھونک کا عمل کرتے ہیں یا دوا سے اپنا علاج کرتے ہیں اسی طرح بچاؤ اور حفاظت کے جو انتظامات کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو تقدیر الٰہی ہی کی صورتیں ہیں۔

غرض یہ کہ علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں اور اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کی اولاد میں اگر کسی کو بچھو کاٹ لیتا تھا تو اسے تریاق پلاتے تھے اور جھاڑ پھونک سے اس کا علاج فرماتے آپ نے لقوہ کے مریض پر داغ لگا کر اس کا علاج کیا۔ (قرطبی)

بعض صوفیاء کے متعلق منقول ہے کہ وہ علاج کو پسند نہیں کرتے تھے اور حضرات صحابہ میں سے بھی بعض کے عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے مثلاً روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان سے پوچھا، آپ کو کیا شکایت ہے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے اپنے گناہوں کی فکر ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا پھر کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا میں اپنے رب کی رحمت کا طلب گار ہوں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ پسند کریں تو میں طبیب کو بلوا لیتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا، طبیب ہی نے تو مجھے لٹایا ہے (یہاں مجازی طور پر طبیب سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ ہیں)

حضرت عثمانؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے درخواست کرنا کہ میں آپ کیلئے طبیب لے آتا ہوں خود اس بات کی دلیل ہے کہ علاج جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے

مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ

اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے نکمی عمر کو کہ سمجھنے کے

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰

پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبردار ہے قدرت والا

انسان اپنے اندر غور کرے:

قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں

کہ خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی بالکل نکما ہو گیا، نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ارذلِ عمر:

اَرْذَلِ الْعُمُرِ، بدترین عمر ناکارہ عمر، انتہائی بڑھاپا، قتادہ نے کہا، ارذل عمر نوے سال ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پچھتر برس ارذل عمر ہے، بعض نے اسی برس کی عمر کو ارذل عمر کہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! میں بڑی عمر سے تیری پناہ لیتا ہوں، دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اے اللہ میں تیری پناہ کا طالب ہوں کہ مجھے ارذل عمر تک پہنچایا جائے، صحیحین وغیرہ میں بھی ایسی روایت آئی ہے۔ باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ تمام معلومات کو بھول جائے اور بچوں کی طرح نادان اور ضعیف الفہم ہو جائے۔ عکرمہ نے کہا جو قرآن (ہمیشہ) پڑھتا ہے وہ اس حالت پر نہیں پہنچتا۔ ان اللہ علیم یعنی اللہ لوگوں کی عمروں کی مقداروں سے خوب واقف ہے اور ہر چیز پر قادر ہے پیر فرتوت کو بھی چھوڑتا اور جوان قوی کی جان قبض کر لیتا ہے۔

احوال کا اختلاف اللہ کی حکمت کے تابع ہے:

اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے احوال کا اختلاف وتفاوت اللہ حکیم علیم کے اندازے کے مطابق اور اس کی مشیت کے موافق ہے طبعی اور خود بخود نہیں ہے اگر طبعی اقتضا ہوتا تو اس حد تک نہ ہوتا کہ عالم صغیر ہونے کے بعد آدمی قطعاً بے خبر ہو جائے کہ باوجود بیماری نہ ہونے کے محض ترقی عمر کی وجہ سے بچہ کی طرح ہو جائے اور علم و عمل سے بے خبر ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

تمام بندوں پر قبضہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہی انہیں عدم سے وجود میں لایا ہے وہی انہیں پھر فوت کریگا۔ بعض لوگوں کو بہت بڑی عمر تک پہنچاتا ہے کہ وہ پھر سے بچوں جیسے ناتواں بن جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پچھتر سال کی عمر میں عموماً انسان ایسا ہی ہو جاتا ہے، طاقت طاق ہو جاتی ہے، حافظہ جاتا رہتا ہے، علم کی کمی ہو جاتی ہے، عالم ہونے کے بعد بے علم ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے اعوذبک من البخل والکسل والھرم وارذل العمر وعذاب القبر وفتنہ الدجال وفتنہ المحیا والممات۔ یعنی خدایا میں بخیلی سے عاجزی سے بڑھاپے سے ذلیل عمر سے قبر کے عذاب سے دجال کے فتنے سے زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ زہیر بن ابوسلمٰی نے بھی اپنے مشہور معلقہ میں اس عمر کو رنج و غم کا مخزن و منبع بتایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عمر سے پناہ مانگتے تھے ارشاد ہے:

اللھم انی اعوذبک من سوء العمر وفی روایۃ من ان ارد الی ارذل العمر۔ "یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بری عمر سے اور ایک روایت میں ہے کہ پناہ مانگتا ہوں ارذل عمر سے"۔

ارذل العمر کی تعریف میں کوئی تعیین نہیں ہے البتہ مذکورہ تعریف راجح معلوم ہوتی ہے جس کی طرف قرآن نے بھی لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا سے اشارہ کیا ہے کہ وہ ایسی عمر ہے جس میں ہوش و حواس باقی نہیں رہتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام معلومات بھول جاتا ہے۔ (صحیحین بحوالہ مظہری)

قرآن پڑھنے والا:

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ پیرانہ سالی کے انتہائی درجہ میں پہنچنے کے بعد آدمی میں نہ قوت جسمانیہ رہتی ہے اور نہ ہی عقلیہ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے وہ تمام معلومات بھول کر بالکل کل کے بچے کی مانند ہو جاتا ہے جس کو نہ علم و خبر ہے اور نہ ہی فہم و فراست، حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوگی۔

اللہ چاہے تو سو سالہ آدمی بھی نوجوان رہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی قدرت والے ہیں، علم سے ہر شخص کی عمر کو جانتے ہیں اور قدرت سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اگر چاہیں تو طاقت اور نوجوان پر ارذل العمر کے آثار طاری کر دیں، اور چاہیں تو سو سال کا معمر انسان بھی طاقت ور جوان رہے یہ سب کچھ اسی ذات کے دست قدرت میں ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ (معارف القرآن)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر

الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ

روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی

عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾

اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں

بعض کو بعض پر فضیلت:

یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوت استعداد واحوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو مالدار اور بااقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذات خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔

آقا اور غلام برابر نہیں ہو سکتے:

پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کریگا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہرحال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اسکی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنائے تو مساوات بیشک ہو جائیگی۔ لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہرکیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔

تو پھر خالق و مخلوق کیسے برابر ہو سکتے ہیں:

جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی۔ پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے (**الاشریکا هولک تملکه وماملک**)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری:

مالک حقیقی کا شریک وسہیم ٹھہرا دیا جائے کیا منعم حقیقی کی نعمتوں کا یہی شکریہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خودناک بھوں چڑھاتے ہو اس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اس کے لئے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا، اگر علم وعرفان اور کمالات نبوت میں کسی ہستی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدا کی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہٹ دھرمی کے کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہی مضمون آیت ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ الخ میں بیان ہوا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے مال میں اپنی بیویوں میں اپنا شریک بنانے سے نفرت کرتے ہو تو پھر میرے غلاموں کو میری خدائی میں کیسے شریک سمجھ رہے ہو؟ یہی خدا کی نعمتوں سے انکار ہے کہ خدا تعالیٰ کیلئے وہ پسند کرنا جو اپنے لئے بھی پسند نہ ہو۔ یہ ہے مثال معبودان باطل کی۔ جب تم آپ اس سے الگ ہو پھر خدا تعالیٰ تو اس سے بہت زیادہ بیزار ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر اور کیا ہوگا؟ کہ کھیتیاں اور چوپائے خدا تعالیٰ ایک کے پیدا کئے ہوئے اور تم انہیں اس کے سوا اوروں کے نام کا کرو۔

امیری اور غریبی آزمائش ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا کہ اپنی روزی پر قناعت اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک سے زیادہ امیر کر رکھا ہے یہ بھی اس کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ وہ دیکھے کہ امیر امراء کس طرح شکر خدا تعالیٰ ادا کرتے ہیں اور جو حقوق دوسروں کے ان پر جناب باری تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں کہاں تک انہیں ادا کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فاروق اعظمؓ کا خط:

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو آپؓ کی طرف کوفہ بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا: **اقنع بوزقک من الدنيا فان الرحمان فضل بعض عباده علىٰ بعض فى الرزق بلاء مبتلى به كلافيتبلى من بسطه كيف شكره لله واداء الحق الذى افترض عليه فيما رزقه وخوله۔** (رواہ ابن ابی حاتم)

اے ابوموسیٰ! تو اپنے اس رزق پر قناعت کر جو تجھ کو دنیا میں ملا ہے کیونکہ رحمٰن نے اپنے بعض بندوں کے اعتبار سے رزق زیادہ دیا ہے اور یہ رزق من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان ہے جس کے ذریعہ ہر ایک کا امتحان کرتا ہے پس جس کو رزق زیادہ دیا اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی دی ہوئی دولت کا شکر بجالاتا ہے اور جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیوں کر ادا کرتا ہے (ابن ابی حاتم نے اس روایت کو روایت کیا۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا

اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں

نوع انسانیت کی بقاء:

یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تا الفت و موانست قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ "وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً" (الروم رکوع۳) (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ

اور دیئے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے

وَحَفَدَةً

اور پوتے

جو تمہاری بقاء نوعی کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر عثانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور نخعی نے فرمایا، (آیت میں) حفدہ سے مراد ہیں داماد دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود کا قول آیا ہے کہ حفدۃ سے مراد ہیں خسر۔ اس قول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ نے تمہاری بیبیوں سے تم کو نر مادہ اولاد عطا کی اور ان کے نکاح کر دینے سے خسر اور داماد تمہارے لئے مقرر کیے۔ عکرمہ، حسن اور ضحاک نے کہا آیت میں خادم مراد ہیں۔ مجاہد نے کہا کارگزار کارندے مراد ہیں۔ عطاء نے کہا وہ اولاد مراد ہے جو مددگار اور خادم ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں

شخصی بقاء: جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

نہیں مانتے

نعمتیں خدا کی اور عبادت بتوں کی؟

یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا، یا بیٹا دیا، یا روزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں۔ کذافی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی وزائل زندگانی کی بقاء نوعی و شخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدا کی سب سے بڑی نعمت (پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات) کو جو بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے۔ تسلیم نہیں کرتے الا کل شیء ماخلا اللہ باطل۔ (تفسیر عثانی)

اللہ اور بندے کا عجیب معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا، میرا اور (کافر) جن وانس کا ایک عظیم واقعہ (یعنی عجیب معاملہ) ہے پیدا میں کرتا ہوں پوجا دوسروں کی کی جاتی ہے رزق میں دیتا ہوں شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت:

آجکل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دارنظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود وقمار کے راستہ سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہو کر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کر دیتی ہیں ان کے لئے بجز غلامی اور مزدوری کے کوئی راستہ اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے نہیں رہ جاتا وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود صنعت وتجارت کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم وجور کے ردعمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے جس کا نعرہ غریب وامیر کے تفاوت کو ختم کرنا اور سب میں مساوات پیدا کرنا ہے ظالمانہ سرمایہ داری کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے عوام اس نعرہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں، مگر چند ہی روز میں وہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ نعرہ محض فریب تھا معاشی مساوات کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ اور غریب اپنی غربت اور فقر وفاقہ کے ساتھ بھی جو ایک انسانی احترام رکھتا تھا اپنی مرضی کا مالک تھا یہ احترام انسانیت بھی ہاتھ سے جاتا رہا نظام اشتراکیت میں انسان کی کوئی قدر وقیمت مشین کے ایک پرزے سے زائد نہیں، کسی جائداد کی ملکیت کا تو وہاں تصور ہی نہیں ہو سکتا اور جو معاملہ وہاں ایک مزدور کے ساتھ کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو وہ کسی چیز کا مالک نہیں اس کی اولاد اور بیوی بھی اس کی نہیں بلکہ سب ریاست کی مشین کے کل پرزے ہیں جن کو مشین اسٹاٹ ہوتے ہی اپنے کام پر لگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

خوشیف نے ۵ مئی ۱۹۶۰ء کو سپریم سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سختی سے مخالف ہیں ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں یہ لینن کی تعلیم ہے اس کی تعلیم یہ تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا" (سویٹ ورلڈ ص ۳۴۶)

معاشی مساوات کے خواب کی یہ تعبیر عدم مساوات تو ابتداء ہی سے سامنے آگئی تھی مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عدم مساوات اور امیر وغریب کا تفاوت اشتراکی مملکت روس میں عام سرمایہ دار ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

لیون شیڈ ولکھتا ہے:

"شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے"۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ
اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے ایسوں کو جو مختار نہیں
لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا
ان کی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی

جھوٹے معبود نہ رزق دے سکتے ہیں نہ کچھ اور:

یعنی نہ آسمان سے مینہ برسانے کا خدائی اختیار رکھتے ہیں نہ زمین سے غلہ اگانے کا۔ پھر قادر مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ (کسی قسم کی) قدرت رکھتی ہیں۔ آسمان سے رزق یعنی بارش اور زمین سے رزق یعنی سبزی (غلہ پھل ترکاری وغیرہ) اخفش کے نزدیک شیئًا بدل ہے اور رزقًا مبدل منہ اور رزق سے مراد ہے۔ مرزوق (کھانے پینے پہننے کی چیز) یعنی وہ کسی چیز کے مالک نہیں نہ قلیل کے نہ کثیر کے، ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، فراء نے رزقًا کو مفعول مطلق کہا ہے اور شیئًا کو مفعول بہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾
اور نہ قدرت رکھتے ہیں

یعنی نہ فی الحال اختیار حاصل ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ
سومت چسپاں (بٹھلاؤ) کرو اللہ پر مثالیں

اللہ کے لئے مشرکین کی غلط مثالیں:

مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہوسکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چسپاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کر رکھا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ واختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت وارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں قطعاً دخل ہے۔ یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلاواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت وارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اسی لئے لازم ہے کہ آدمی ہر کلی جزئی کا فاعل اور مؤثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اسی کو معبود و مستعان سمجھے۔

(تنبیہ): ابن عباسؓ وغیرہ سلف سے "فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ" کا یہ مطلب منقول ہے کہ خدا کا مماثل کسی کو مت ٹھہراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

مثال بیان کرنے کی ممانعت کی وجہ:

اللہ کی مثال بیان کرنے کی ممانعت اس وجہ سے کی کہ ضرب المثل نام ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینے کا اور اللہ کی ذات وصفات کا کسی کو (کامل) علم نہیں نہ کوئی جانتا ہے کہ کون کون سی صفات کا اطلاق اللہ پر ہونا درست ہے اور کن صفات کے ساتھ اللہ کا متصف ہونا محال ہے۔ ایسی حالت میں اللہ کو کسی چیز پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ غائب کو حاضر کے سانچے میں ڈھالنا کس طرح زیبا ہے۔ کوئی علت جامع اور وصف مشترک موجود نہیں ہے اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ حقائق اشیاء سے واقف ہے اور تم ناواقف ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو اللہ کی مثالیں بیان کرتے ہو اور قیاس چلاتے ہو اللہ کو اس کی غلطی کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ تمہاری تمثیلات فاسد ہیں اور تم کو اس کا علم نہیں اگر تم کو اپنے قول کی غلطی کا علم ہوتا تو تمثیلات بیان کرنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾
بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ کی حقیقت کی مثال تم نہیں دے سکتے:

یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لئے کس طرح مثال پیش کرنی چاہیے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اس کی عظمت ونزاہت کے خلاف شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ
اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ (غلام) پرایا مال نہیں قدرت
عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا
(اختیار) رکھتا کسی چیز پر اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی

حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ
طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اُس میں سے چھپا کر او
يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا
رسب کے روبرو کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾
بہت لوگ نہیں جانتے

اللہ کی بتلائی ہوئی مثال:

ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں، دوسرے کا مملوک غلام ہے کسی طرح کی قدرت واختیار نہیں رکھتا ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے۔ بدون اجازت اس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں دوسرا آزاد اور بااختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ مقدرت اور روزی عنایت فرمائی جس میں سے دن رات سراً وعلانیۃً بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا مالک حقیقی ہے سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں جس کو جو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر کلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے یہ کس قدر ظلم ہوگا کہ ایک پتھر کے بت کو اس کی برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ خود پرایا مال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو کوئی مملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدائے واحد کا پرستار جسے مالک نے علم وایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب وروز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا، کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا مملوک، اہواء واوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہیدست ہے اس مؤمن موحد کے ساتھ برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کلا واللہ۔ (تفسیر عثمانی)

(مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس نے آقا سے معاہدہ کر لیا ہو کہ اتنا روپیہ کما کر جب میں تم کو دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور آقا نے اس معاہدہ کو تسلیم کر لیا ہو)

وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ اور ایک شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح اور جتنا چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ
اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں

اَبۡكَمُ
ایک گونگا

دوسری مثال:

گونگا ہے تو لازمی طور پر بہرا بھی ہوگا۔ گویا نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَبۡكَمُ، پیدائشی گونگا جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ بول سکتا ہو۔ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ کم فہمی کی وجہ سے وہ نہ کسی صنعت پر قادر ہے نہ کسی کام کی تدبیر پر کل بار ہے وبال ہے۔ مولٰہ، یعنی اپنے سرپرست کے لئے (آقا مراد نہیں ہے) لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ یعنی کسی معمولی کام کو بھی ٹھیک کر کے نہیں لاتا۔ یہ تشبیہ بتوں کی ہے جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کچھ سمجھتے ہیں۔ پوجنے والوں پر خواہ مخواہ کا بار ہیں، پجاری خود ان کو اٹھاتے اور رکھتے ہیں اور سب بے سود۔ بت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ
کچھ کام نہیں کر سکتا

کیونکہ نہ حواس رکھتا ہے نہ عقل اور اپاہج ہے جو چل پھر بھی نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّههُّ
اور وہ بھاری ہے اپنے صاحب (مالک) پر جس طرف اس کو بھیجے نہ
لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ
کر کے لائے کچھ بھلائی

یعنی مالک کے کسی کام کا نہیں، جدھر اسے بھیجنا چاہے یا متوجہ کرے کچھ بھلائی اور فلاح نہ پہنچا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ
کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ جو حکم کرتا ہے انصاف سے
وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾
اور ہے سیدھی راہ پر

مشرک ومؤمن برابر نہیں ہو سکتے:

یعنی خود سیدھی راہ پر قائم رہ کر دوسروں کو بھی اعتدال وانصاف کے راستہ پر لے جا رہا ہے جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر

کی مورتی کو (العیاذ باللہ) خدائی کا درجہ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ یا ایک اندھا بہرا مشرک جو خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کھاتا ہے اور چھدام کا کام کر کے نہیں دیتا اس مومن قانت کی ہمسری کیسے کرسکتا ہے جو خود سیدھی راہ پر ہو اور دوسروں کو اپنے ساتھ ترالے جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی ''خدا کی دو مخلوق ایک بت نکمانہ ہل سکے نہ چل سکے جیسے گونگا غلام، دوسرا رسول جو اللہ کی راہ بتادے ہزاروں کو اور آپ بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر یا اس کے''۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو شخص سلیم الطبع اور سمجھدار ہو، خوب رواں، سلیس گفتگو کرسکتا ہو۔ ہر کام ٹھیک اور پورا پورا کرتا ہو، لوگوں کو تمام اچھی باتیں سکھاتا ہو۔ غرض یہ کہ عدل (جو عفت، شجاعت اور حکمت کا مجموعہ ہے) کی تعلیم دیتا ہو، اس گونگے ناکارہ بیوقوف کی طرح ہوسکتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ صراط مستقیم پر ہونے کا یہ معنی ہے۔ کہ ہر مقصد کو سیدھے چھوٹے راستے پر چل کر حاصل کرلیتا ہو۔ من یامر بالعدل سے اللہ نے اپنی ذات کی تمثیل دی ہے۔ بعض علماء نے کہا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابکم سے کافر اور مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مومن مراد ہے۔ یہ تمثیل کافر و مومن کی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ایک قریشی آدمی اور اس کے غلام کے متعلق نازل ہوئی اور آیت رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ حضرت عثمان اور ان کے کافر غلام اسید بن ابوالعیص کے متعلق نازل ہوئی۔ اسید کو اسلام سے سخت نفرت تھی خود بھی کافر تھا اور دوسروں کو بھی اسلام سے اور ہر بھلائی، حسن سلوک اور خیر خیرات سے روکتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شاہ عبدالقادر اور شاہ ولی اللہؒ کا کلام:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی خدا کے دو بندے ایک بہت نکمانہ ہل سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتادے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے انتہیٰ۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں حاصل ایں دو مثل آنست کہ آں چہ در عالم تصرف ندارد با خدا برابر نیست چنانکہ مملوک ناتواں با مالک توانا برابر نیست و چناں کہ گنگ بے تمیز با صاحب ہدایت برابر نیست انتہیٰ۔

حق تعالیٰ نے ابطال شرک کے لئے یہ دو مثالیں بیان فرمائیں اب مزید دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے

یعنی ساری مخلوق یکساں نہ ہوئی۔ ایک آدمی کا حال دوسرے سے بے انتہا مختلف ہوا۔ سب چیزیں ایک سطح مستوی پر کھڑی نہیں کی گئیں۔ اس کا بھید اور ہر ایک کی پوشیدہ اور استعداد اور مخفی حالت کا علم خدا ہی کے پاس ہے چنانچہ وہ اپنے علم محیط کے موافق قیامت میں ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ کریگا۔ اور مختلف احوال پر مختلف نتائج مرتب فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ
اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ
یا اس سے بھی قریب

قیامت پلک جھپکنے سے بھی پہلے آسکتی ہے:

یعنی قیامت کے آنے کو مستبعد مت سمجھو۔ خدا کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ تمام لوگوں کو جب دوبارہ پیدا کرنا چاہے گا تو پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگے گی، اُدھر سے ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ساری دنیا دوبارہ موجود ہوجائیگی۔

(تنبیہ): ''كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ'' کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے محسوسات کے موافق تو اس کی سرعت کو آنکھ کو جھپکنے سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ لیکن واقع میں اس سے بھی کم میں قیامت قائم ہوجائیگی۔ کیونکہ ''لمح بصر'' بہرحال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مراد کا ترتب آنی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وما امر الساعة الا كلمح البصر او هو اقرب۔ اور قیامت کا معاملہ بس پلک جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یعنی وقوع قیامت کی سرعت اور سہولت پلک جھپکنے کی طرح ہے۔ قاموس میں لمح کا معنی نظر جھپکنا بیان کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت بس ایسی ہے جیسے بجلی نظر کو جھپک لے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، لمح کا معنی ہے نظر کا حدقۂ چشم کے بالائی حصہ سے نچلے حصہ کی طرف لوٹنا۔ پلک جھپکنے سے کم وقت کو ظاہر کرنے کے لئے عرف عام میں کوئی لفظ نہیں اس لئے قیامت کے جلد اور بسہولت آجانے کی تشبیہ پلک جھپکنے سے دی گئی۔

اَوْ هُوَ اَقْرَبُ کا یہ مطلب ہے کہ وقوع قیامت اس سے بھی جلدی ہے اللہ ساری مخلوق کو یکدم زندہ کرکے اٹھا دے گا۔ کن کہتے ہی ہر چیز موجود ہوجائے گی۔ دم کی کوئی مدت نہیں بیان کی جاسکتی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول منکرین کے متعلق ہوا جو قیامت کے منکر تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہوئے جلد سے جلد آجانے کے خواہشمند تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اللہ کا ہمسر ہرگز کوئی نہیں ہوسکتا:

یعنی جس کے علم محیط کا وہ حال ہو کہ آسمان وزمین کے سارے بھید اس کے سامنے حاضر ہیں اور جس کی قدرت کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہو بھلا اس کا ہمسر کون ہوسکتا ہے؟ اور اس کی پوری مثال کہاں سے لاسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے
لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾
اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو

کان، آنکھ اور دل کی نعمتیں اور تقاضا:

یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیئے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے متمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان، عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جوں جوں آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی وعملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکر گزاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو مولیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹے بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں۔ اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا محبوب بندہ:

صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے کہ جو میرے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھے لڑائی کا اعلان دیتا ہے۔ میرے فریضے کی بجا آوری سے جس قدر بندہ میری نزدیکی حاصل کرسکتا ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں کرسکتا۔ نوافل بکثرت پڑھتے پڑھتے بندہ میرے نزدیک اور میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ تھامتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے مانگے میں دیتا ہوں اگر دعاء کرے میں قبول کرتا ہوں اگر پناہ چاہے میں پناہ دیتا ہوں۔ اور مجھے کسی کرنے کے کام میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مؤمن کی روح کے قبض کرنے میں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا اور موت ایسی چیز ہی نہیں جس سے کسی ذی روح کو نجات مل سکے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن اخلاص اور اطاعت میں کامل ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال محض اللہ کے لئے ہو جاتے ہیں وہ سنتا ہے اللہ کیلئے، دیکھتا ہے اللہ کے لئے یعنی شریعت کی باتیں سنتا ہے شرع نے جن چیزوں کا دیکھنا جائز کیا ہے انہی کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کا ہاتھ بڑھانا، پاؤں چلانا بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے اسی سے مدد چاہتا ہے تمام کام اس کے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ہی ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ
کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے
السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ
آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوائے اللہ کے

پرندوں کو فضا میں کون روکتا ہے:

یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قُوے عنایت فرمائے، پرندوں میں ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ میں اڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسمانی فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آپڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کردے کیا خدا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے ان کو بے تکلف فضائے آسمانی میں روک رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُسَخَّرٰتٍ یعنی بازو، پر وغیرہ اڑنے کے آلات اللہ نے ان کو عطا کیے جن کے ذریعہ سے وہ اللہ کے زیر فرمان اڑتے ہیں جَوِّ السَّمَآءِ آسمان وزمین کی درمیانی ہوا۔ بغوی نے کعب الاحبار کا قول نقل کیا ہے کہ پرندے بارہ میل بلندی تک اڑ سکتے ہیں اس سے اوپر نہیں اڑ سکتے۔ (یعنی مسخر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ صرف بارہ میل کی بلندی تک ہی اڑنے کی ان میں طاقت ہے اس سے اونچا اڑنا ان کے لئے ممکن نہیں) (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾
اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

معاشی فکر کی وجہ سے ایمان نہ چھوڑو:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں بعضے اٹکتے ہیں، معاش کی فکر سے، سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کہ آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اڑتے جانور درمیان میں آخر کس کے بھروسہ رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان والوں کو غور و فکر کی دعوت:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. ایمان لانیوالے لوگوں کیلئے اس میں بلاشبہ (اللہ کی قدرت، حکمت اور الوہیت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔ یعنی اللہ نے پرندوں کی پیدائش ہی ایسی کی ہے کہ وہ ہوا میں اڑتے ہیں۔ ان کے جسم بھاری ہوتے ہیں نیچے کچھ سہارا اور ستون نہیں ہوتا اور کسی چیز سے بندھے نہیں ہوتے پھر بھی ہوا میں رکے رہتے ہیں طبعی تقاضا ہے کہ نیچے گر پڑیں بیچ میں کوئی ثقیل مانع بھی نہیں پھر بھی نہیں گرتے بس اللہ ہی ان کو تھامے رہتا ہے اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ ایمان والے اس پر غور کی نگاہ ڈالیں تو انہی کو اس عمل تسخیر میں خدا کی قدرت نظر آئے گی اور وہ فائدہ اندوز بھی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

اور اللہ نے بنا دیے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ

یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کے مکان۔ (تفسیر عثمانی)

گھر: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا. بیوت، بیت کی جمع ہے جس مکان میں رات گزاری جاسکے اس کو بیت کہتے ہیں امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا: "جو چیز تمہارے سر سے بلند ہو اور تم پر سایہ کرے وہ چھت یا سماء کہلاتی ہے اور جو چیز تمہارے وجود کو اپنے اوپر اٹھائے وہ زمین ہے اور جو چیز چاروں طرف سے تمہارا پردہ کرے وہ دیواریں ہیں اور جب یہ سب چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ بیت ہے۔" (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا

اور بنا دیے تم کو چوپاؤں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں

تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ

تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں

چلتے پھرتے گھر:

یعنی اینٹ پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے اس لئے چمڑے اور اون وغیرہ کے ڈیرے خیمے بنانے سکھا دیے جو بسہولت منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ سفر و حضر میں جہاں چاہو نصب کر لو اور جب چاہو لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے "يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ چلنے کے وقت اٹھانے میں اور کسی جگہ اترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا

اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی ببریوں سے

یعنی اونٹ کی پشم سے۔

وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں وقت مقرر تک

یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والا دل و دماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسر آسکتے تھے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا

اور اللہ نے بنا دیئے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے

چھپنے کی جگہیں:

مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا

اور بنا دیں تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں

جہاں سر چھپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ

اور بنا دیئے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی میں

گرمی سردی کا لباس: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جن کرتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ پر اس ملک میں گرمی زیادہ تھی اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ

اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں

سامانِ جنگ: یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم

تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

حکم مانو

مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل:

یعنی دیکھو! کس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی و عملی قوتیں مرحمت فرمائیں۔ جن سے کام لیکر انسان عجیب وغریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت و تکمیل کے سلسلہ میں ہم پر اپنا احسان پورا نہ کریگا۔ بیشک پورا کر چکا۔ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ رکوع ۱)'' ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکا دیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع ومنقاد ہو کر رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا

اب بھی کوئی نہ مانے تو اسے چھوڑ یئے:

یعنی اگر اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھایئے۔ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنا دی گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اتنے دلائل اور نشانات قدرت کے بعد بھی اگر یہ ایمان سے گریز کریں تو آپ ان کی پروا نہ کریں رنجیدہ اور تنگدل نہ ہوں، آپ کا کام صرف پیام پہنچا دینا ہے (ان کے ماننے نہ ماننے سے آپ کا کچھ تعلق نہیں ہے۔)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے سامنے پڑھا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا ۔ اسنے کہا جی ہاں! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۔

اعرابی نے کہا جی ہاں، اس کے بعد اگلی آیات پڑھیں اور اعرابی ہر آیت پر کہتا رہا ٹھیک ہے۔ جی ہاں۔ آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ یہ سنتے ہی اعرابی منہ پھیر کر چل دیا، اس پر اللہ نے نازل فرمایا، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔ (تفسیر مظہری)

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور بہت ان میں ناشکر ہیں

دل سے مانتے ہیں عمل سے بھاگتے ہیں:

یعنی بیشک بعضے بندے شکر گزار بھی ہیں ''وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ'' (سبا رکوع ۲) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں مگر جب شکر گزاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا

ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ

پھر حکم (اجازت) نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

توبہ لی جائے

کفر وناشکری کا انجام:

یہاں سے کفر وناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یعنی یاد رکھو! وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہونگی اور ہر امت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا۔ تا اپنی امت کے نیک وبد اور مطیع وعاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں۔ یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کا ہے میں کرینگے، درانحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہو جائیگا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ یہ ''دار جزاء'' ہے ''دار عمل'' نہیں جواب توبہ کر کے خطائیں معاف کرالیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا:

شہید سے مراد پیغمبر ہے جو اپنی امت کے کفر وایمان کی شہادت دیگا، اجازت

نہ دی جانے سے مراد ہے عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ملنا کیونکہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہی نہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بولنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ بعض نے کہا کہ دنیا میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اپنے رب کو راضی کرلو۔ روز آخرت تو عمل کا دن ہی نہ ہوگا اور دنیا میں واپس جاکر توبہ و عمل کی اجازت نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ان کے لئے اللہ کی رضامندی کا حصول ناممکن ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا
اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہو گا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾
ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے

کوئی مہلت اور تخفیف نہ ہوگی:

یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور نہ درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے ''ولا هم ينظرون'' سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً مجرمین کو اس طرح اچک لے گی جیسے پرند ایک دم دانہ اٹھا کر نگل جاتا ہے۔ گویا سرعت ودخول کی طرف اشارہ ہوا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا
اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں
رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا
اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے
مِنْ دُونِكَ
تیرے سوائے

اپنے معبودوں سے شکایت:

یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید یہ مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں یا یہ کہ انہیں دوہری سزا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾
تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو

معبودوں کا جواب:

یعنی جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرالیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام وخیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی یا جن وشیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائیگا ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ'' (ابراہیم رکوع ۴) غرض جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا، سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کرینگے۔ کوئی سچ کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء وصالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی خالص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رہ گئے شیاطین سو ان کا اظہار نفرت گو جھوٹ ہوگا تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائیگی کہ آج بڑے سے بڑا رفیق بھی کام آنے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ۔ سو وہ (بت) ان (مشرکوں) کی طرف کلام کا رخ کریں گے اور کہیں گے تم قطعاً جھوٹے ہو یعنی اللہ بتوں کو گویا بنادے گا اور کلام کرنے کی قدرت عطا کردے گا اور بت اپنے کلام کا رخ مشرکوں کی طرف کر کے کہیں گے، تم جھوٹے ہو کہ ہم کو اللہ کا شریک، کہتے تھے یا اس دعوے میں جھوٹے ہو کہ حقیقت میں تم ہماری پوجا کرتے تھے، واقع میں تم اپنی خواہشات کے پجاری تھے (تم نے خود ہی اپنی خواہشات کے مطابق ہماری پوجا کی تھی) ہم نے تم کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ
اور آپڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہوکر اور بھول جائیں (جائے
عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾
گی ان سے) جو جھوٹ باندھتے تھے

سب غرور ختم ہوجائے گا:

یعنی ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں اس وقت غائب ہو جائینگی سب عاجز ومقہور ہوکر خدا کے سامنے اپنی اطاعت وانقیاد کا اظہار کرینگے، ''أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا'' (مریم رکوع ۲)

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں

اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ

اللہ کی راہ سیان کو ہم بڑھا دیں گے عذاب پر عذاب بدلہ

بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس کا جو شرارت کرتے تھے

دوسرے کے حق سے روکنے والے پر دوہرا عذاب ہوگا:

یعنی ایک عذاب تو انکار حق پر، دوسرا اس پر کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہر حال آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہونگے جہنمیوں کا عذاب بھی کماً و کیفاً نوعاً متفاوت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کے سانپ اور بچھو:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عذاباً کی تشریح میں فرمایا بچھوہوں گے جن کے ڈنک کھجور کے لمبے درختوں کے برابر ہوں گے۔ ابن مردویہ نے حضرت براء کی روایت سے اسی معنی کی حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا، سانپ ہوں گے، بختی اونٹوں کی طرح، اور بچھوہوں گے خچروں کی مثل جن کے ایک مرتبہ کاٹنے کا اثر چالیس خریف (سال) تک ڈسا ہوا آدمی محسوس کرتا رہیگا۔

تانبے پیتل کے دریاء:

حضرت ابن عباس اور مقاتل کا قول ہے، عرش کے نیچے سے پگھلے ہوئے تانبے پیتل کے پانچ دریا نکلتے ہیں جو آگ کی طرح ہیں، ان دریاؤں (میں ڈالنے اور ڈبونے) کی سزا ان کو دی جائے گی۔ تین دریاؤں میں ایک رات کی مدت کے برابر اور دو دریاؤں میں دن کی مدت کے برابر (ہمیشہ) سزا پاتے رہیں گے۔ بعض نے کہا کہ گرمی کے عذاب سے سردی کے عذاب کی طرف ان کو نکال کر لایا جائے گا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے وہ چیخیں گے۔ فریاد کریں گے اور دوزخ کی گرمی میں جانا چاہیں گے۔ فساد انگیزی سے مراد ہے دنیا میں کفر کرنا اور راہ خدا سے روکنا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا

اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک

عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ

بتلانے والا ان پر انہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے

شَهِيدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

کو ان لوگوں پر

پیغمبر امتوں کے متعلق بیان دیں گے:

یعنی وہ ہولناک دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر ایک پیغمبر اپنی امت کے معاملات کے متعلق بارگاہ احدیت میں بیان دے گا۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کی حالت بتلائیں گے بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ ان تمام شہداء کے لئے شہادت دینگے کہ بیشک انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جو ان ہی میں ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کردیں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی ضروری) باتوں کو بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت، اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔ شہید سے مراد ہے، ہر امت کا پیغمبر۔ ہر امت کی ہدایت کے لئے اللہ نے انہی میں کا پیغمبر مبعوث فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا

قرآن کی جامعیت:

یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آگئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

کتاب کے مطابق مسؤلیت ہوگی:

اندریں صورت جس پیغمبر پر ایسی جامع کتاب اتاری گئی اس کی مسؤلیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہوگی۔ گویا ''شَهِيدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ'' کے بعد ''وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسؤلیت کی طرف لطیف اشارہ فرمادیا۔ ''فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ'' (اعراف رکوع ۱) ابن کثیر نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور ہدایت اور رحمت اور خوش خبری حکم ماننے والوں کے لئے

یعنی یہ کتاب سارے جہان کے لئے سرتا پا ہدایت اور مجسم رحمت ہے

فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ حلقوم عبداللہ بود

اجماع وقیاس کا حکم:

اگر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی اشتباہ پیش آئے تو علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا جس چیز پر اجماع اور اتفاق ہو جائے اس کا اتباع کرو جیسا کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ یتبع غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ۔ میں سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ سے اہل علم کا اجماع اور اتفاق مراد ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے ان امور میں جن کا حکم صراحۃ کتاب وسنت میں نہ پایا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ، اسی طرح اجماع اور قیاس بھی علوم قرآنیہ سے ہوگا جس طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر ہے اس کا غیر نہیں اسی طرح اجماع صحابہؓ اور قیاس صحابہؓ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح اور اس کی توضیح ہے اور تلویح ہی اس کا غیر نہیں۔ اس طرح سے تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے اور یہ جامع کتاب یعنی قرآن خدا کے فرمانبردار بندوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے اور بشارت ہے یعنی یہ کتاب مستطاب سارے عالم کے لئے مشعل ہدایت ہے راہ حق دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لئے باران رحمت ہے اور جنت کی بشارت ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا
وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ
اور قرابت والوں کے دینے کا

ایک جامع آیت:

قرآن کو "تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، نیت، خلق، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امر اً ونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت "تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ" کا ثبوت دینے کیلئے کافی تھی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

عدل، احسان اور ایتاء:

تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے۔ عدل، احسان، ایتاء ذی القربی "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ "احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقام عدل وانصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل وعفو اور تلطف وترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع وتبرع کی طرف قدم بڑھائے اور انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کریگا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ "الاحسان ان تعبدالله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" (صحیح بخاری)

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" (رحمٰن رکوع۳) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل واحسان یا بالفاظ دیگر انصاف ومروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش وبیگانہ اور دوست ودشمن سے متعلق تھیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے۔ جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان جانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب وذوی الارحام کیلئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہیے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربی کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرما دیا کہ عدل وانصاف تو سب کے لئے یکساں ہے لیکن مروت واحسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت واہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کیے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ فللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

عدل واحسان کے متعدد معانی:

اگر عدل کا معنی بدلہ دینے میں مساوات لیا جائے گا تو احسان کا یہ مطلب ہوگا کہ خیر کا بدلہ زیادہ اور بہتر بھلائی کی شکل میں دے اور شر کا بدلہ کم شر سے دے خیر کے مقابلہ میں زیادہ بھلائی کرے اور برائی کے مقابلے میں کم برائی۔

(اور اگر عدل سے مراد مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان مساوات ہو تو احسان

کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے) میں کہتا ہوں، عدل سے مراد استقامت علی الحق بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی کج روی اور جور کا مخالف مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے، عدل، جور (کج روی) کی ضد ہے اور طبیعت کے اندر کسی چیز کے مستقیم ہونے کے خیال کے جماؤ کو بھی کہتے ہیں۔ بعض علماء نے عدل کو بمعنی اعتدال کہا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، عدل (سے مراد) توحید ہے اور احسان (سے مراد) اداء فرائض دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے، خالص توحید کا نام احسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے (یعنی عبادت میں مشاہدہ رب کا درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا تو سمجھتے رہنا ہی چاہیے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (رواہ عمر بن الخطاب۔ کذا فی الصحیحین) (تفسیر مظہری)

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ
اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نا معقول کام سے اور سرکشی سے

فحشاء منکر اور بغی:

منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشاء منکر بغی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت بہیمیہ شہوانیہ، قوت وہمیہ شیطانیہ، قوت غضبیہ سبعیہ۔ غالباً فحشاء سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بہیمیت کی افراط ہو "منکر" "معروف کی ضد ہے۔ یعنی نا معقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کر کے حد سے نکل جانا۔ ظلم وتعدی پر کمربستہ ہو کر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا، اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ ملکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

فحشاء حد سے بڑھی ہوئی برائی (کھلی برائی) قولی ہو یا فعلی (سخت بری بات سخت برا کام) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: الفحشاء یعنی زنا۔ **المنکر** ہر برا کام جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو اور عقل سلیم بھی اس کو برا جانتی ہو۔ البغی تکبر اور ظلم۔ بیضاوی نے لکھا ہے فحشاء سے مراد ہے قوت شہوانیہ کے استعمال میں حد (اعتدال) سے آگے بڑھ جانا جیسے زنا انسانی احوال میں حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت یعنی زنا بہت ہی بری حالت ہے۔ منکر قوت غضبیہ کے ہیجان سے مغلوب ہو کر ایسا کام کرنا جو (عقلاً ونقلاً) برا ہے۔ البغی۔ غرور تکبر لوگوں پر جبر اور زبردستی، سب سے اونچا ہو جانا یہ شیطنت قوت وہمیہ کا کرشمہ ہے۔ انسان کی ہر برائی اور شرانہی تینوں اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کے ذیل میں داخل ہے اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، قرآن مجید میں سب سے زیادہ جامع آیت یہی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول سعید بن منصور نے الادب میں بخاری نے، محمد بن منصور اور ابن جریر نے، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾
تم سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو

اس آیت کی نصیحت:

اکثم بن صفی نے اس آیت کریمہ کو سن کر اپنی قوم سے کہا" میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ اور کمینہ اخلاق واعمال سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کے ماننے میں جلدی کرو۔ **فکونوا فی ھذا الامر رء وسا ولا تکونوا فیہ اذناباً** (یعنی تم اس سلسلہ میں سر بنو، دم نہ بنو) حضرت عثمانؓ بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان راسخ ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

عدل احسان وغیرہ:

پس عدل تو فرض اور احسان نفل۔ کلمہ توحید کی شہادت بھی عدل ہے ظاہر باطن کی یک رنگی بھی عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ باطن کی صفائی ظاہر سے بھی زیادہ ہو۔ اور فحشاء اور منکر یہ ہے کہ باطن میں کھوٹ ہو اور ظاہر میں بناوٹ ہو۔ وہ صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا ہے جیسے صاف لفظوں میں ارشاد ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ الخ۔ رشتے داروں کو مسکینوں کو مسافروں کو ان کا حق دو اور اسراف و بے جا نہ اڑاؤ۔ محرمات سے وہ تمہیں روکتا ہے، برائیوں سے وہ منع کرتا ہے۔ ظاہری و باطنی تمام برائیاں حرام ہیں، لوگوں پر ظلم وزیادتی حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی گناہ ظلم وزیادتی و قطع رحمی سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ دنیا میں بھی جلد ہی اس کا بدلہ ملے اور آخرت میں سخت پکڑ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام اور یہ روکیں تمہاری نصیحت کے لئے ہیں۔

اکثم بن صفی کے قاصد:

اکثم بن صفی کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اطلاع ہوئی

تو اس نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے کی ٹھان لی لیکن اس کی قوم اس کے سر ہوگئی اور اسے روک لیا۔ اس نے کہا اچھا مجھے نہیں جانے دیتے۔ تو قاصد لاؤ جنہیں میں وہاں بھیجوں۔ دو شخص اس خدمت کی انجام دہی کے لئے تیار ہوئے یہاں آ کر انہوں نے کہا کہ ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت انہیں پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے کہا دوبارہ پڑھئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پڑھی یہاں تک کہ انہوں نے یاد کر لی۔ پھر واپس جا کر اکثم کو سب خبر کر دی اور کہا اپنے نسب پر اس نے کوئی فخر نہیں کیا صرف اپنا اور اپنے والد کا نام بتا دیا لیکن ہیں وہ بڑے نسب والے۔ مضر میں اعلیٰ خاندان کے ہیں اور پھر یہ کلمات ہمیں تعلیم فرمائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہم نے سنے۔ یہ سن کر اکثم نے کہا کہ وہ تو بڑی اچھی اور اعلیٰ باتیں سکھاتے ہیں اور بری اور سفلی باتوں سے روکتے ہیں۔ میرے قبیلے کے لوگو تم اسلام کی طرف سبقت کرو تاکہ تم دوسروں پر سرداری کرو اور دوسروں کے ہاتھوں میں دم بن کر نہ رہ جاؤ۔

اس آیت کا نزول کا عجیب واقعہ:

اس آیت کے شان نزول میں ایک حسن حدیث مسند امام احمد میں وارد ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعۃً اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں کچھ دیر اوپر ہی کو دیکھتے رہے پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ بھی کر لیا اور اس طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں یہاں تک کہ آسمان تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں پہنچیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور اسی پہلی بیٹھک پر عثمان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے وہ یہ سب دیکھ رہا تھا اس سے صبر نہ ہو سکا۔ پوچھا کہ حضرت! آپ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ کہا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر نیچی کر لی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے مجھے چھوڑ دیا پھر اسی طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہو اور آپ اچھی طرح اسے سن سمجھ رہے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم نے یہ سب کچھ دیکھا! اس نے کہا برابر دیکھتا ہی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ وحی لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا۔ پوچھا پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ اور روایت میں حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہیں اوپر کو اٹھائیں اور فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورۃ کی اس جگہ رکھوں۔ یہ روایت بھی صحیح ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت اکثم بن صیفیؓ تو اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے امام ابن کثیر نے حافظ حدیث ابویعلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں، آپ کا خود جانا مناسب نہیں، اکثمؓ نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اکثم کے دو سوال یہ ہیں؟ من انت و ما انت۔ ''آپ کون ہیں اور کیا ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی، اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہو گئی۔ قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف باپ کا نام بیان کر دینے پر اکتفاء کیا۔ مگر جب

ہم نے دوسروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں، اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی۔ آیت سنتے ہی اکثمؓ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ تا کہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو، پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

عثمان بن مظعون کے دل میں ایمان کا راسخ ہونا:

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرماشرمی اسلام قبول کرلیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا، یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا، اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی، حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط و مستحکم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی، (ابن کثیر نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے)

ولید بن مغیرہ کا تاثر:

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا:

واللہ ان لہ لحلا وۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اصلہ لمورق واعلاہ لمثمر وماھوبقول بشر۔ ''خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے، یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' (معارف مفتی اعظم)

عدل کی کچھ اور صورتیں:

اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے، ابوعبداللہ رازیؒ نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ (بحرمحیط)

حدیثِ جبریل میں احسان کی وضاحت:

حضرت جبریلؑ کی مشہور حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ احسان عبادت کے لئے ہے۔ اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی عبادت کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہیے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم و بصر سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا حکم اس آیت میں احسان کا آیا ہے اس میں عبادت کا احسان حدیث کی تشریح کے مطابق بھی داخل ہے اور تمام اعمال، اخلاق، عادات کا احسان یعنی ان کو مطلوبہ صورت کے مطابق بالکل صحیح و درست کرنا بھی داخل ہے اور تمام مخلوقات کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی داخل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، انسان ہوں یا حیوان۔

جانوروں اور پرندوں کے حقوق:

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

رشتہ داروں کا خیال:

اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی، تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ہے، ایتاء کے معنی اعطاء یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں، اور لفظ قربیٰ کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں ذی القربیٰ کے معنی رشتہ دار، ذی رحم۔

ممنوعہ امور:

وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ، یعنی اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے فحشاء اور منکر اور بغی سے، فحشاء ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے، اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جاسکتا، اور لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں، اور بغی کے اصلی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں، مراد اس سے ظلم و عدوان ہے یہاں اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی۔ لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناعت کی وجہ سے الگ کر کے بیان فرمایا اور مقدم کیا، اور بغی کو اس لئے الگ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ وجدل تک

یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہونا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیتے ہیں اگر چہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل:

اس آیت نے جو چھ حکم ایجابی اور تحریمی دیئے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں، رزقنا اللہ تعالیٰ اتباعا۔

خطبہ میں اس آیت کا شمول:

امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو امیہ اپنے خطبوں کے اخیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غیر مناسب الفاظ سے ذکر کرتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، رجب ۹۹ ہجری میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ خطبے کے اخیر میں یہ آیت پڑھی جائے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ اور سب سے پہلے خود عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ میں پڑھا۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی یہ سنت حسنہ جاری ہے۔ اور سب سے پہلے خطبہ میں اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الخ۔ خلیفہ مہدی عباسی نے پڑھا۔ بحمد اللہ آج تک اس سنت پر بھی عمل جاری ہے۔ (روح البیان اور روح المعانی) (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا

اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ

تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ

توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم (کر کے اللہ کو) نے

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن اللہ

يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

جانتا ہے جو تم کرتے ہو

وعدہ پورا کرنے کی تاکید:

اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو بالتخصیص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدر وبدعہدی سے ممانعت کہ یہ چیز علاوہ فی نفسہ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی جس کا مسلم قوم کے عروج وترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہا اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لئے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لیکر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ''قول مرداں جان دارد''۔ خصوصاً جب خدا کا نام لیکر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو، اگر تم نے خیانت اور بدعہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دیگا۔ کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی چھپی دغابازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثانی)

عہد پختہ اقرار۔ ابن جریر نے حضرت بریدہ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے) کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے عہد اس جگہ بمعنی قسم ہے۔ شعبی نے کہا (اس جگہ) عہد بمعنی قسم ہے اور اس کو توڑنے کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ **الایمان** یعنی بیعت کے عہد یا عام قسمیں۔ **بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا** یعنی اللہ کا نام لے کر قسموں کو پختہ کرنے کے بعد۔ **کفیلا** یعنی بیعت کا گواہ۔ کفیل جس چیز کی کفالت کرتا ہے اس کی نگرانی رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عہد شکنی حرام ہے:

لفظ عہد ان تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے کے۔

اور یہ آیات درحقیقت آیت سابقہ کی تشریح وتکمیل ہیں، آیت سابقہ میں عدل واحسان کا حکم تھا لفظ عدل کے مفہوم میں ایفاء عہد بھی داخل ہے۔ (قرطبی)

کسی سے عہد معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ مقرر نہیں بلکہ آخرت کا عذاب ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

اسی طرح جس کام کی قسم کھائی اس کے خلاف کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں بھی اس کی خاص صورتوں میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔ (قرطبی)

رشوت کی جامع تعریف:

"یعنی جس کام کا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر معاوضہ لینا یا جس کام کو چھوڑنا اس کے ذمہ لازم ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا رشوت ہے۔ (تفسیر بحرمحیط)

دوران بقاء چو باد صحرا بگذشت تلخی وخوشی وزشت وزیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفابر ماکرد برگردن وے بماند وبرما بگذشت

(معارف القرآن مفتی اعظم)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ
اور مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کاتا ہوا محنت
قُوَّةٍ اَنْكَاثًا
(مضبوط کرنے کے) کے بعد ٹکڑے ٹکڑے

عہد توڑنے کی مثال:

یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول وقرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل وانصاف سے ہٹ کر محض اغراض وخواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں۔ ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہد قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

تَتَّخِذُونَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ
کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک (آپس میں) دوسرے
تَكُونَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ
میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے

معاہدوں کو دغابازی کا ذریعہ نہ بناؤ:

یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب ودغا مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی۔ پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد وپیمان گانٹھ لئے۔ پھر چند روز بعد ان حلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیئے۔ جیسے جس طرح آج کل یورپین اقوام کا معمول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا دخل اور دغل یہ ہے کہ ظاہر میں تو وفا عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ اربیٰ تعداد افرادی اور مال میں زیادہ۔

دور جاہلیت کا ایک طریقہ:

مجاہد نے کہا (دور جاہلیت میں) عرب کا دستور تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا بقسم معاہدہ کر لیتی تھی (یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کی حلیف ہو جاتی تھی۔ دونوں کا معاہدہ بحلف ہو جاتا تھا لیکن جب ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمن جماعت زیادہ طاقتور یا مالدار نظر آتی تھی تو اپنے حلیفوں سے غداری کر کے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے محالفہ کر لیتے تھے۔ مجاہد کی تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کمزوروں سے عہد شکنی کر کے طاقتوروں سے تم معاہدے کر لیتے ہو۔ محض اس لئے کہ تم کو غلبہ اور طاقت حاصل ہو جائے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ
یہ تو اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے

طاقت میں توازن کا اختلاف اور معاہدات امتحان ہیں:

یعنی قوت وضعف میں اقوام کا اختلاف ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کسی کو نیچے گرانا۔ خداتعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں حلفاء کی قوت وضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال وادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بدعہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے بڑا اور برتر کر کے اللہ تعالیٰ جانچ کرتا ہے کہ یہ جماعتیں اللہ سے کئے ہوئے عہد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتی ہیں یا مؤمنوں کی قلت اور قریش کی کثرت وشوکت دیکھ کر توڑ دیتی ہیں۔ اور دنیا میں کیے ہوئے اختلافی امور کا فیصلہ جب قیامت کے دن اللہ کرے گا اور ہر ایک کو اعمال

کا بدلہ دے گا تو جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے وعدہ شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ

اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے

امتحان کا نتیجہ:

یعنی یہاں امتحان ہے نتیجہ امتحان قیامت کے دن کھل جائیگا۔ جس وقت ضعف و طاقت کے سب جھگڑے چکا دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قسموں کی قسمیں:

صحیحین کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واللہ میں جس چیز پر قسم کھالوں اور پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اس نیک کام کو کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دیدوں گا۔ تو مندرجہ بالا آیتوں اور حدیثوں میں کچھ فرق نہ سمجھا جائے۔ وہ قسمیں اور عہد و پیمان جو آپس کے معاہدے اور وعدے کے طور پر ہوں ان کا پورا کرنا تو بیشک بے حد ضروری ہے اور جو قسمیں رغبت دلانے روکنے کے لئے زبان سے نکل جائیں وہ بیشک کفارہ دے کر ٹوٹ سکتی ہیں۔ پس اس آیت میں مراد جاہلیت کے زمانے جیسی قسمیں ہیں۔

غلبہ اسلام کے بعد معاہدات:

چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسلام میں دو جماعتوں کی آپس میں ایک رہنے کی قسم کوئی چیز نہیں ہاں جاہلیت میں ایسی امداد و اعانت کی جو قسمیں آپس میں ہو چکی ہیں اسلام ان کو اور مضبوط کرتا ہے۔ اس حدیث کے پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں کہ ایک برادری والے دوسری برادری والوں سے عہد و پیمان کریں کہ ہم تم ایک ہیں راحت رنج میں شریک ہیں وغیرہ۔ کیونکہ رشتہ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک برادری کر دیتا ہے مشرق مغرب کے مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد و غمخوار ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انسؓ کے گھر میں رسول کریم علیہ افضل التسلیم نے انصار و مہاجرین میں قسما قسمی کرائی، اس سے یہ ممنوع بھائی بندی مراد نہیں، یہ تو بھائی چارہ تھا جس کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے آخر میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ورثہ قریبی رشتہ داروں سے مخصوص ہو گیا۔

یزید کی بیعت:

مسند احمد میں ہے کہ جب یزید بن معاویہ کی بیعت لوگ توڑنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے تمام گھرانے کے لوگوں کو جمع کیا اور خدا کی تعریف کر کے امابعد کہہ کر فرمایا کہ ہم نے یزید کی بیعت اللہ و رسول کی بیعت پر کی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑا جائیگا اور اعلان کیا جائے گا یہ غدار ہے فلاں بن فلاں کا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کے بعد سب سے بڑا اور سب سے بڑا غدر یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کسی کے ہاتھ پر کر کے پھر توڑ دینا۔ یاد رکھو تم میں سے کوئی یہ برا کام نہ کرے اور اس بارے میں حد سے نہ بڑھے ورنہ مجھ میں اور اس میں جدائی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی مسلمان بھائی سے کوئی شرط کرے اور اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ مثل اس شخص کے ہے جو اپنے پڑوسی کو امن دینے کے بعد بے پناہ چھوڑ دے۔ پھر انہیں دھمکاتا ہے جو عہد و پیمان کی حفاظت نہ کریں کہ ان کے اس فعل سے خدا تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ مکہ میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں فتور تھا سوت کاتنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور مضبوط ہو جانے کے بعد بے وجہ توڑ تاڑ کر پھر ٹکڑے کر دیتی۔ تو یہ مثال ہے اس کی جو عہد کو مضبوط کر کے پھر توڑ دے۔

حضرت معاویہ اور شاہ روم کا معاہدہ:

حضرت معاویہؓ کا قصہ لکھ آئے ہیں کہ ان میں اور شاہ روم میں ایک مدت تک کے لئے صلح نامہ ہو گیا تھا اس مدت کے خاتمے کے قریبا آپ نے مجاہدین سرحد روم کی طرف روانہ کئے کہ وہ سرحد پر پڑاؤ ڈالیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی دھاوا کریں تا کہ رومیوں کو تیاری کا موقعہ نہ ملے۔ جب حضرت عمرو بن عنبسہؓ کو یہ خبر ہوئی تو آپ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اللہ اکبر! اے معاویہؓ! عہد پورا کرو غدر اور بدعہدی سے بچو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس قوم سے عہد معاہدہ ہو جائے تو جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے کوئی گرہ کھولنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں کو واپس بلوالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا

وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سجھاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ

جس کو چاہے

قدرت اور حکمت کے تقاضے:

یعنی اسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا مگر حکمت اس کو مقتضی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک ہی طریقہ کا بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ سب کو اسلام پر متفق کر دیتا اور سب وفا عہد کرنیوالے ہو جاتے آپس میں اختلاف نہ رہتا۔ بے راہ کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کو بے مدد چھوڑ دیتا۔ مدد نہ کرتا اور راہ پر ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایمان وخیر کی توفیق دے دیتا۔ ہر شخص سے باز پرس لاجواب بنانے اور سزا و جزا دینے کے لئے ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور تم سے پوچھ ہو گی جو کام تم کرتے تھے

کافروں سے بھی بدعہدی نہ کرو:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی غدر اور بدعہدی نہ کرے۔ کفران باتوں سے ہٹتا نہیں۔ اور اپنے او پر وبال آتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ

اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دھوکا (فریب) آپس میں

فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا

کہ ڈگ (ہل) نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم کو بڑا عذاب ہو

عہد شکنی کر کے اسلام کو بدنام نہ کرو:

یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بدعہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کرو کہ تمہارے خراب اور پست کیرکٹر کو دیکھ کر یقین لانے والے شک میں پڑ جائیں۔ اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے روکنے کا گناہ چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

دخل فساد دھوکہ، یعنی قسموں کو فریب دہی اور فساد انگیزی کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگ تمہارے معاہدات پر اعتماد کر لیں اور تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائیں اور تم ان کو فریب دے کر قسمیں اور معاہدے توڑ دو۔

قدم جمنے کے بعد پھسل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بے خوف اور مطمئن ہو جانے کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ۔ عرب کا محاورہ ہے کہ عافیت کے بعد اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے یا سلامتی کے بعد کسی گڑھے میں گر پڑتا ہے تو کہتے ہیں اس کا قدم پھسل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت اسلام کی شاہراہ تھی بیعت پر قائم رہنا اور اس کو نہ توڑنا راہ اسلام پر برابر چلتے رہنے اور استقامت رکھنے کا نام تھا اور بیعت توڑ دینا لغزش قدم تھی۔ تکلیف کا مزہ چکھنے سے مراد ہے دنیا میں تکلیف بھگتنا۔ اور عذاب عظیم سے مراد ہے آخرت کا بڑا عذاب۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول (مال) تھوڑا سا

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

بے شک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اگر تم جانتے ہو

مال کے لالچ میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرو:

پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے۔ یعنی مال کی طمع سے خلاف شرع حکم مت کرو۔ انجام کار ایسا مال وبال لائے گا جو موافق شرع ہاتھ لگے۔ تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے (موضح القرآن)۔ یا ایفائے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملے گا وہ اس ثمن قلیل سے کہیں بہتر ہے ثمن کو قلیل اس لئے کہا کہ اگر ساری دنیا تب بھی مل جائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل وحقیر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ

جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم (سو رہنے والا ہے) نہ ہوگا

فانی کے لالچ میں دائمی کو نہ چھوڑو:

پھر باقی و دائم کو چھوڑ کر فانی و زائل کا پسند کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ جو کچھ (دنیوی اور اخروی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ (اس دنیا سے جس کے تم طلبگار ہو) تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہیں اگر تم سمجھو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا یعنی جو کچھ دنیوی مال و متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور اللہ کی رحمت کے خزانے کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ یہ جملہ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ الخ کی علت ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ اپنی دنیا کا ضرر کرتا ہے۔ تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دو (آخرت کو پسند کرو دنیا کی پروا مت کرو۔ رواہ الحاکم بسند صحیح واحمد۔

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

اور ہم بدلہ میں دیں گے صبر کرنے والوں کو

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ان کا حق اچھے (بہتر) کاموں پر جو کرتے تھے

عہد پر استقامت کا ضرور اجر ملے گا:

یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے انکا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ہم ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔ یعنی جن لوگوں نے بیماری افلاس، کفار کی ایذا پابندی احکام کی مشقت اور جہاد میں ڈٹے رہنے کی مصیبتوں پر صبر کیا اللہ ان کے صبر کا ان کو ثواب عطا فرمائے گا اور اتنا ثواب دے گا کہ ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت اچھا ہوگا۔ ہر نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دے گا اور اس سے بھی زیادہ جتنی اللہ کی مشیت ہوگی۔

فرائض و مستحبات:

بعض علماء نے کہا اَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے مراد فرائض اور مستحبات ہیں۔ ممنوعات اور مباحات سے فرائض و مستحبات بہر حال بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے

مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

تو اس کو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی

بہر حال نیکی کے بدلے ستھری زندگی ملے گی:

اوپر کی آیت میں صابرین اور ایفائے عہد کرنیوالوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے بشرطیکہ وہ کام صرف صورۃ نہیں بلکہ حقیقۃً نیک ہوں۔ یعنی ایمان اور معرفت صحیحہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزیدار زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی قناعت وغنائے قلبی، سکون وطمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الٰہی کا مزہ ادائے فرض عبودیت کی خوشی کامیاب مستقبل کا تصور۔

اللہ سے محبت کی لذت:

تعلق مع اللہ کی حلاوت جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا تھا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد	دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب	من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

سچ ہے۔ "اهل الليل في ليلهم الذمن اهل اللهو في لهوهم اسی لئے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیداروں کو رات کے اٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کیلئے اسی طرح لشکر کشی کریں جیسے ملک گیری کے لئے کرتے ہیں۔ بہر حال مؤمن قانت کی پاک اور مزہ دار زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہاء اس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے۔ "حياة بلا موت وغنى بلافقر، وصحة بلاسقم، وملك بلا هلك، وسعادة بلاشقاوة، رزقنا الله تعالىٰ بفضله ومنه اياها۔

(تنبیہ): اس آیت نے بتلا دیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب حال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس نے فلاح حاصل کر لی جو مسلمان ہو گیا اور برابر سرابر روزی دیا گیا اور جو ملا اس پر قناعت نصیب ہوئی۔ اور حدیث میں ہے جسے اسلام کی راہ دکھادی گئی

اور جسے پیٹ پالنے کا ٹکڑا میسر ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے اس کے دل کو قناعت سے بھر دیا اس نے نجات پالی (ترمذی)۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی اسے دیتا ہے ہاں کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے۔ آخرت کیلئے اس کے ہاتھ میں کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور آخرت میں ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجر عطا کریں گے۔

ایمان کی شرط:

وھو مؤمن ، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں، خواہ کیسے ہی اچھے اعمال کریں زیادہ سے زیادہ عذاب کی تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار خلوص اور حسن نیت پر ہے (یعنی محض خوشنودی خدا کے لئے ہونا ضروری ہے) اور کافروں کی نیکیوں میں یہ چیز مفقود ہے۔

حیات طیبہ:

حیات طیبہ سے مراد سعید بن جبیر کے نزدیک رزق حلال ہے اور حسن کے نزدیک قناعت، مقاتل بن حبان نے کہا طاعت میں زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا طاعت کی شیرینی پاکیزہ زندگی ہے۔ بیضاوی نے کہا پاکیزہ زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ کیونکہ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ دل ہے تو ظاہر ہے اس کی دنیوی زندگی پاکیزہ زندگی ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ قناعت کرے گا۔ تقسیم خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجر عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا اس طرح اس کی زندگی خوش عیشی کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور مالدار ہے تب بھی اس کو موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی اطمینان کے ساتھ نہیں گذار سکتا۔ میں کہتا ہوں آیت اِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کا بھی یہی مطلب ہے۔

محبت کے تقاضے:

میں کہتا ہوں بندے کو جب اللہ سے محبت ہوتی ہے تو جو کچھ محبوب کی طرف سے اس کو پہنچتا ہے تلخی ہو یا شیرینی وہ سب سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا ہے، محبوب کی طرف سے جو دکھ پہنچتا ہے وہ محبوب کی طرف سے ملنے والے سکھ سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے دکھ میں تو صرف رضا محبوب ہوتی ہے اور سکھ میں (کچھ) ذاتی مقصد (بھی) ہوتا ہے اور (خالص) رضا محبوب زیادہ لذت آفریں ہوتی ہے اور محب کو محبوب کی مرضی ہی سب سے پیاری ہوتی ہے۔ شیخ عارف رومی قدس سرہ نے فرمایا:

عاشقم برلطف وبرقہرت بجد　　اے عجم من عاشقم بر ہر دوضد

ناخوش از وے خوش بود در جان من　　جاں فدائے یار جاں رنجان من

دنیا میں بشارت:

میں کہتا ہوں، حیات طیبہ کی تشریح میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کے لئے دنیوی زندگی میں بشارت ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ یونس میں گزر چکی ہے۔ جب مومن کو اس زندگی میں اللہ کی خوشنودی کے حصول اور بارگاہ قدس میں مرتبہ قرب پر پہنچنے اور درجات بلند ہونے کی بشارت مل جاتی ہے تو دنیا میں ہی اس کو وہ نعمت وراحت مل جاتی ہے جس کی جنت کے اندر ملنے کی اس کو امید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اہل جنت سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے جنتی عرض کریں گے (اے ہمارے رب) راضی نہ ہونے کی وجہ بھی کیا ہوسکتی ہے۔ تو نے تو ہم کو وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی شخص کو نہیں دیں۔ اللہ فرمائے گا کیا ان نعمتوں سے بھی بڑی نعمت تم کو دوں۔ پھر فرمائے گا۔ (وہ سب سے اعلیٰ نعمت یہ ہے کہ) میں تم کو اپنی خوشنودی عطا کرتا ہوں آئندہ کبھی میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے طبرانی نے الاوسط میں بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اسی حدیث کے مضمون کو پڑھ کر ایک عارف نے کہا ہے:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است　　در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

شیخ محمد عابد مجددی فرماتے تھے جو لذت وراحت دنیا میں اہل فقر کو حاصل ہے اگر بادشاہوں اور امیروں کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ اہل فقر پر رشک کرنے لگتے اور جل جاتے۔

مؤمن کا خوف:

اللہ کی عظمت وکبریائی کو دیکھ کر۔ مؤمن کے دل سے خوف کبھی دور نہیں ہوتا۔ وہ انبیاء جن کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اپنے حسن خاتمہ میں کوئی شک نہیں ہوتا ان کو دوسروں کے مقابلے میں اللہ کی عظمت وبزرگی کا زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے دوسرے مؤمنوں کے مقابلے میں ان کو اللہ کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا اور تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ صحابہ کو قطعی وحی کے ذریعے سے حصول رضا خداوندی اور داخلہ جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اللہ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اس قطعی بشارت کے باوجود کامل طور پر اللہ سے ڈرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی یہ حالت تھی تو صحابہ کے بعد جن مؤمنوں کو کشف ظنی کے طور پر بشارت دے دی جاتی ہے ان کا تاثر بشارت خوف کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حیات طیبہ سے مراد ایسی زندگی ہو جو بہرحال خیر و برکات سے پر ہوتی ہے۔

مؤمن کا عجیب معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے۔ سوائے مؤمن کے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔ مؤمن پر اگر راحت ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر بن جاتا ہے اگر اس پر کوئی بدحالی اور دکھ آتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے خیر ہوجاتا ہے۔ رواہ احمد فی المسند ومسلم فی الصحیح عن صہیبؓ واحمد وابن حبان عن انسؓ والبیہقی بسند صحیح عن سعید۔

مجاہد وقتادہ کے نزدیک حیات طیبہ سے جنت کی زندگی مراد ہے۔

وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر

یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ

جو کرتے تھے سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾

اللہ کی شیطان مردود سے

قرأت قرآن کے آداب:

حدیث میں ہے "خیر کم من تعلم القران وعلمه" (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے) معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے قراءت قرآن بہترین کام ہے۔ اور پچھلی آیات میں دو بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا۔ اس لئے یہاں قراءت کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تاکہ آدمی بے احتیاطی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قراءت قرآن جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ کب ٹھنڈے دل سے گوارا کرسکتا ہے۔ ضرور اس کی کوشش ہوگی کہ مؤمن کو اس سے باز رکھے اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کردے جو قراءت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہ ہی طریقہ ہوسکتا ہے۔ کہ جب مؤمن قرأت قرآن کا ارادہ کرے پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان و دل کو موافق کرنے کیلئے مشروع ہے کہ ابتدائے قرأت میں زبان سے بھی اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

تعوذ کا حکم:

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے پہلے دعا کرتے (یعنی اعوذ باللہ پڑھا کرتے) تھے۔ جمہور سلف وخلف کا اسی پر اجماع ہے لیکن جمہور کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ سنت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری تہائی رات میں اٹھ بیٹھے اور سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

سے پڑھیں پھر کھڑے ہوکر وضو کیا الی آخرہ..... صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اچانک آپ کو غفلت سی ہوگئی پھر کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ.

مسئلہ: کیا نماز کے اندر ہر رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہیے یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد قائل ہیں کہ نماز کی صرف پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھی جائے۔

تعوذ کے الفاظ:

ابن السنی اور ابن ماجہ نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوجاتے تھے تو تین بار اللّٰہ اکبر کبیراً اور تین بار الحمدللّٰہ کثیراً اور تین بار سبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلاً کہنے کے بعد اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم پڑھتے تھے۔

من نفخه ونفثه وهمزه کے الفاظ بھی آئے ہیں (میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے وسوسہ سے) حاکم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد اور حاکم اور اہل السنن نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت

سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کے بعد پڑھتے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک پھر تین بار لاالہ الا اللہ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد پڑھتے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم من نفخہ ونفثہ وھمزہ امام احمد نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم آیا ہے مگر اس کی اسناد میں بعض راویوں کے نام ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔

ابوداؤد میں حسن بصری کا قول (بغیر صحابی کے) آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ تعوذ کرتے تھے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

ثعلبی اور واحدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو، مجھے جبرئیل نے قلم سے یعنی لوح محفوظ سے (نقل کر کے) ایسا ہی پڑھایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ
اسکا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور
اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾
اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں

وہ لوگ جو شیطان سے محفوظ رہتے ہیں:

یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کی پناہ ڈھونڈی اس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہوسکتا اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کیلئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آیا بھی۔ تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اس کی آنکھ کھل جائیگی اور غفلت میں تمادی نہ ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ (الاعراف رکوع ۲۴) (تفسیر عثمانی)

پچھلی آیت سے ربط:

آیت بالا میں تعوذ کا حکم دیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید شیطان کو اہل ایمان پر کوئی تسلط حاصل ہے اس خیال کی نفی اس آیت میں کردی، کذا قال البیضاوی میں کہتا ہوں، یہ آیت گذشتہ آیت کی علت بھی ہوسکتی ہے۔ مؤمن اللہ سے استعاذہ اس لئے کرتے ہیں کہ انکا بھروسہ اپنے رب پر ہی ہوتا ہے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسی کی پناہ میں دیدیتے ہیں اللہ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ رکھنا مؤمن مخلص کا خصوصی وصف ہے جو ہر مؤمن کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے زبان سے تعوذ کرنے کا حکم تو سنت دعا کی تکمیل کے لئے ہے تا کہ ظاہر بھی باطن کے موافق ہوجائے اور شیطان سے پوری پوری امان حاصل ہوجائے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
اس کا زور تو انہی پر ہے جو اسکو رفیق سمجھتے ہیں
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اور جو اس کو شریک مانتے ہیں

شیطان کے دوست:

یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنالیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اس کو خدائی کا شریک ٹھہرالیں یا اس کے اغواء سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے انگلیوں پر نچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ شیطان کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے رفاقت کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کا کسی کو ساجھی قرار دیتے ہیں۔ یعنی جو شیطان کے دوست ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں باوجویکہ شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے لیکن وہ خود شیطان کو اپنے اوپر تسلط کر لیتے ہیں ہماری اس تفسیر کی رو سے اس آیت میں اور آیت مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: تلاوت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کا پڑھنا اس آیت کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر کبھی کبھی اس کا ترک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے جمہور علماء امت نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیا ہے اور ابن جریر طبریؒ نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے اس معاملے میں روایات حدیث قولی اور عملی، تلاوت سے پہلے اکثر حالات میں اعوذ باللہ پڑھنے کی اور بعض حالات میں نہ پڑھنے کی یہ سب ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے شروع میں مبسوط ذکر کی ہیں۔

مسئلہ: نماز میں تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے یا ہر رکعت کے شروع میں۔ اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں پڑھنا چاہئے اور امام شافعیؒ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں دونوں کے دلائل تفسیر مظہری میں مبسوط لکھے گئے ہیں (ص ۴۹ جلد ۵)

مسئلہ: تلاوت قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا درست ہے مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: تلاوت قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کلام یا کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں وہاں صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔ (درمختار، شامی)

غصہ کا علاج:

البتہ مختلف اعمال اور حالات میں تعوذ کی تعلیم حدیث میں منقول ہے۔ مثلاً جب کسی کو غصہ زیادہ آئے تو حدیث میں ہے کہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھنے سے شدت غضب فرو ہو جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

بیت الخلاء سے پہلے:

نیز حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث، پڑھنا مستحب ہے۔ (شامی) (معارف قرآن)

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ

اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ

بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۰۱)

یہ بات نہیں پر اکثروں کو ان میں خبر نہیں

شیطان کی رکاوٹیں:

پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رجیم کے کید سے پناہ ڈھونڈو۔ کہیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔

آیات کے منسوخ ہونے کا مسئلہ:

واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ الخ تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ "الخ کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیدیا تھا؟ پھر یہ خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنا لاتے ہیں۔ ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت ہے۔ تم کو اگر "نسخ" کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے "نسخ" کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طبیب منضج کا نسخہ دس بیس دن پلا کر اگر مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ یا جو ایسا کہے وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی غذا یا دوا تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مفتری، (اللہ پر) دروغ بندی کرنے والا۔ بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا محمد اپنے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہیں آج ایک حکم دیتے ہیں اور کل اس کی ممانعت کر دیتے ہیں، یہ از خود تراش کر اللہ پر دروغ بندی کر دیتے ہیں۔

اکثر کافر بے سمجھ ہیں:

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی اکثر کافر احکام کی مصلحت نہیں جانتے یا یہ مطلب ہے کہ اکثر کافر اہل علم میں تمیز نہیں ہیں اگر ان کو امتیاز ہوتا تو پہچان لیتے کہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ کوئی انسان خود بنا سکے اور محمد ایسے آدمی نہیں ہیں کہ ان کو دروغ باف اور بہتان تراش کہا جا سکے۔

تبارک اللہ ماوحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتھم.

اللہ بزرگ ہے کوئی وحی دماغی تراشیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی نبی ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی کے معاملہ میں اس پر الزام لگایا جا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

جیسے طبیب ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی، اور پھر دوا دوسری دی جائے گی مگر مریض کو ابتداء میں سب تفصیل نہیں بتلاتا یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو قرآن و سنت میں ہوتا ہے جو حقیقت سے واقف نہیں وہ باغواء شیطانی نسخ کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ

تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ
بلاشبہ

قرآن تو اللہ کا نازل کیا ہوا ہے:

یعنی میرا یا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے روح القدس (پاک فرشتہ جبرئیل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت ومصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گویا "مِنْ رَّبِّکَ" کہہ کر متنبہ فرما دیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ واکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور "روح القدس" کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل "روح القدس" بنایا گیا وہ روحانیت، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا پیکر ہونا چاہیے۔ چنانچہ دیکھ لو ان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اس کو جبرئیل میرے رب کی طرف سے حکمت کے مطابق لے کر آئے ہیں تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری (کا ذریعہ) ہو جائے۔ روح القدس سے مراد جبرئیل ہیں۔ قدس کا معنی ہے پاکی یعنی پاکی والی روح۔

تدریجی نزول:

نزلہ تنزیل مصدر، تنزیل کا معنی ہے تدریجاً تھوڑا تھوڑا نازل کرنا۔ یہ لفظ تنبیہ کر رہا ہے کہ قرآن کا مصالح کے مطابق تدریجی نزول تبدیل کا مقتضی ہے (اگر بعض احکام کو بدلنا نہ ہوتا تو یکدم سب قرآن نازل کر دیا جاتا) الحق حکمت کاملہ۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى
تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوش خبری
لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
مسلمانوں کے واسطے،

تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت:

یعنی موقع بموقع اور بتدریج احکام وآیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق رہنمائی کرتا اور ہر کام پر اسکے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی تدریجاً اس لئے نزول ہوا کہ جو لوگ اس کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان میں مزید [illegible] اور ناسخ کو سننے کے بعد جب وہ غور کریں اور سمجھیں کہ حکمت ومصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ پچھلا حکم اس وقت منسوخ کر کے یہ نیا حکم نازل کر دیا جائے تو ان کے عقائد میں مزید پختگی پیدا ہو جائے اور اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ناسخ کو نازل کر کے ایمانداروں کی جانچ کرنی مقصود ہے جب وہ قدیم حکم کی جگہ جدید حکم کو برحق یقین کر لیں اور سمجھ لیں کہ اللہ حکمت والا ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو اس سے ان کو مزید استحکام ایمانی حاصل ہو جائے۔ للمسلمین، مسلمین سے مراد ہیں فرماں بردار۔ مطیع حکم۔ صرف مسلمانوں کے لئے ہدایت وبشارت کا ذریعہ قرار دینے سے درپردہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ غیر مسلموں کیلئے یہ باعث ہدایت وبشارت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ
اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک
بَشَرٌ ط
آدمی

مشرکین کا خیال:

یعنی قرآن شریف نہ خدا کا کلام ہے، ورنہ نسخ اس میں نہ ہوتا۔ اور نہ یہ آپ کا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا امی ہونا سب کو معلوم ومسلم تھا ایک امی جس نے نہ کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو۔ بلکہ باوجود اعلیٰ درجہ کے قریشی ہونے کے چالیس برس تک ایک شعر بھی زبان سے نہ کہا ہو، جس میں عرب کی چھوکریاں تک فطری سلیقہ اور ملکہ رکھتی تھیں، کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ بدون تعلیم وتعلم کے دفعۃً ایسی کتاب بنا لائے جو اس قدر عجیب وغریب علوم وحکم، موثر ہدایات اور کایا پلٹ کر دینے والے قوانین واحکام پر مشتمل ہو۔ ناگزیر کہنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا شخص انہیں یہ باتیں سکھلاتا اور ایسا کلام بنا کر دیدیتا ہے۔ وہ شخص کون تھا جس کی بے اندازہ قابلیت سے قرآن جیسی کتاب تیار ہوئی اس کے نام میں اختلاف تھا۔ جبر، یسار، عائش، یعیش۔ کئی عجمی غلاموں کے نام لئے گئے ہیں جن میں کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی۔ بلکہ بعض کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ نصرانیت چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں حضور گاہ بگاہ آتے جاتے

ان میں سے کسی ایک کے پاس بیٹھتے تھے یا وہ حضور کی خدمت میں کبھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر تعجب ہے اتنے بڑے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن وتعین کے ساتھ یاد نہ رکھا۔ اور جو ان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے۔ دنیا ان کے قدموں پر گر پڑی۔ حتی کہ جنہوں نے ان کو نبی نہ مانا دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا:

بہرحال مشرکین کے اس سفیہانہ اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دعوائے بعثت سے پہلے آپ کا امی ہونا ان کے نزدیک ایسا مسلم تھا کہ قرآن علوم ومعارف کو آپ کی امیت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اسی لئے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے۔ بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے۔ لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا۔ وہ رب قدیر تھا جس نے فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (تفسیر عثمانی)

وہ غلام جن پر الزام تھا:

ابن اسحاق نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پہاڑی کے قریب ایک رومی عیسائی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اس کا نام جبر تھا۔ جبر بنی الحضرم قبیلہ میں سے کسی کا غلام تھا۔ اور کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی کا بیان ہے۔ ہمارے دو غلام تھے جو یمن کے تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیہہ تھی۔ دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور توریت وانجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے گزرتے اور وہ (انجیل یا توریت) پڑھتے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر کر سننے لگتے۔ ابن ابی حاتم نے حصین بن عبداللہ کے طریق سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ضحاک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار دکھ دیتے تو آپ ان دونوں غلاموں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اور ان کے کلام سے کچھ سکھ محسوس کرتے۔ مشرک کہنے لگے محمد انہی دونوں سے سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ

جس کی طرف تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے عجمی

وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف

مشرکین کے بہتان کی تردید:

یعنی اگر قرآن کے علوم خارقہ اور دوسری وجوہ اعجاز کو اپنی غباوت کی وجہ سے تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کی زبان کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو۔ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن وانس مل کر اس کلام کا مثل پیش نہ کر سکیں گے۔ پھر جس کا مثل لانے سے عرب کے تمام فصحائے وبلغائے بلا استثناء احد۔ ے، عاجز ودرماندہ ہوں ایک گمنام عجمی بازاری غلام سے کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ایسا کلام معجز تیار کر کے پیش کر دے۔ اگر تمام عرب میں کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت قرآنی کے ہمسری نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

عجمی: اعجمی، صاف عربی نہ بولنے والا۔ قاموس میں ہے لفظ اعجم قوم اور شخص دونوں کی صفت میں آتا ہے اعجم اور اعجمی گونگا اور وہ شخص جو صاف (عربی) نہ بول سکے۔ عجمی عجم کا رہنے والا جو جنس عجم سے ہو خواہ فصیح البیان ہو۔ غیر عرب کو عجم کہتے ہیں۔ بعض محققین لغت کا قول ہے کہ عُجمہ کا معنی ابانت کے معنی کے مقابل ہے۔ یعنی صاف زبان میں بات نہ کرنا۔ اعجام کا معنی ہے ابہام۔ استعجمت الدار گھر گونگا ہو گیا۔ یعنی سب گھر والے مر گئے کوئی جواب دینے والا بھی باقی نہیں رہا۔ (تفسیر مظہری)

عبیداللہ بن مسلمؒ کہتے ہیں ہمارے دو کامی آدمی روم کے رہنے والے تھے جو اپنی زبان میں اپنی کتاب پڑھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاتے آتے کبھی ان کے پاس کھڑے ہو کر سن لیا کرتے، اس پر مشرکین نے اڑایا، کہ انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سیکھتے ہیں اس پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا

وہ لوگ جن کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں ان کو اللہ راہ نہیں دیتا

یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

منکرین کی سزا:

یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہی دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھایئے کبھی نہ سمجھے گا۔ بداعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخر سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور وہی لوگ جھوٹے ہیں

یہی مشرک خود جھوٹے ہیں:

یعنی آپ کو کہتے ہیں "اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ" حالانکہ آپ کی امانت وراستبازی پہلے سے مسلم اور ہر ایک چال ڈھال سے ظاہر تھی۔ کیا جھوٹ بنانے والوں کا چہرہ اور طور وطریق ایسا ہوتا ہے؟ جھوٹ بنانا تو ان اشقیاء کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اس کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہ کریں۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ آدمی خدا کی باتوں کو جھوٹا کہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ کامل جھوٹے اور پورے پورے کاذب یہی لوگ ہیں کیونکہ ظہور معجزات کے بعد اللہ کے معصوم نبی اور اللہ کی آیات کا انکار اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت تراشی سب سے بڑا جھوٹ ہے یا هُمُ الْكٰذِبُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ ان کو جھوٹ سے کوئی چیز نہیں روک سکتی نہ شرافت، نہ دین۔

مؤمن جھوٹ نہیں بول سکتا:

بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حراد نے فرمایا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مؤمن زنا کرسکتا ہے؟ فرمایا کبھی ایسا ہوسکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا مؤمن چوری کرسکتا ہے۔ فرمایا کبھی ایسا ہوسکتا ہے میں نے عرض کیا کیا مؤمن جھوٹ بول سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ اللہ نے فرمادیا ہے اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا

جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں

مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر

مرتد ہونے والا:

ایک تو وہ مجرم ہیں جو سیکڑوں دلائل وآیات سن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات ووساوس سے متاثر ہوکر صداقت سے منکر ہو جائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی سرح نے کیا تھا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے بیان فرمائی ہے۔

مجبور آدمی:

درمیان میں "الا من اکرہ" الخ سے ایک ضروری استثناء کردیا گیا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ کیلئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی مگر کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہوکر شدید ترین خوف کے وقت گلوخلاصی کیلئے محض زبان سے منکر ہو جائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو، بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت ونفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائیگا۔

عظیم لوگ:

ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے۔ جیسا کہ حضرت بلالؓ حضرت یاسرؓ حضرت سمیہؓ حضرت خبیب بن زید انصاری اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں بنظر اختصار ہم یہاں درج نہیں کرسکتے۔ ابن کثیر میں دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ ایمان لانے کے بعد (لوٹ کر) اللہ کے (یعنی اس کی ذات صفات یا قیامت ونبوت کے) ساتھ کفر کرنے لگیں اور جی کھول کر (دل کی خوشی کے ساتھ) کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑے دکھ کی سزا ہوگی ہاں جو لوگ کفر کرنے پر مجبور کیے گئے ہوں اور ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اور زبان سے کلمات کفر بمجبوری کہہ گزریں) وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول عمار بن یاسر کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمار کو ان کے باپ یاسر کو، ان کی ماں سمیہؓ کو اور صہیبؓ و بلالؓ وخبیبؓ و سالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مشرکوں نے بلال خبیب اور عمار کو پکڑ لیا۔ عمار نے تقیہ کر کے وہ بات کہدی جو مشرکوں کو پسند تھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ بیان کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کلمات کفر) کہنے کے وقت تمہارے دل کی کیا حالت تھی۔ عرض کیا دل تو آپ کے قول پر مطمئن

تھا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ کے چند مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔ بعض صحابہ نے (مدینہ سے) ان کو لکھا تھا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چل دیئے۔ راستہ میں ان کو قریش نے پکڑ لیا اور سخت دکھ دیئے۔ مجبوراً انفرت خاطر نا گواری کے ساتھ کلمات کفر کہہ دیئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا کہ عامر بن حضرمی کے غلام جبر کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ان کے آقا نے ان پر زبردستی کی تھی مجبوراً جبر نے کلمات کفر کہہ دیئے تھے بغوی نے لکھا ہے پھر جبر کا آقا بھی مسلمان ہو گیا اور اسلام میں پختہ رہا اور جبر کو ساتھ لے کر اس نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔

ایمان پر دل کے مطمئن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عقیدہ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ دل ایمان پر قائم رہا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ دل سے سچا جاننا ایمان کا رکن ضروری ہے (خالی شہادت ایمان بغیر دلی عقیدہ کے اللہ کے نزدیک نا قابل اعتبار ہے)۔

اسلام کے پہلے شہید:

حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا (ایک ٹانگ ایک اونٹ سے دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے) اور شرمگاہ میں نیزہ ڈال کر چیر دیا گیا۔ حضرت یاسر کو بھی قتل کر دیا گیا اسلام میں سب سے اول یہی دونوں شہید ہوئے عمار نے بمجبوری وہ بات زبان سے نکال دی جو مشرک چاہتے تھے۔

حضرت عمارؓ:

قتادہ نے کہا، بنی مغیرہ نے عمار کو پکڑ کر چاہ میمون میں غوطے دیئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر۔ حضرت عمار نے وہی بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے۔ مگر آپ کا دل اس بات سے نفرت کرتا تھا۔ دل کو انکار رسالت گوارا نہ تھا۔ کسی نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ عمار کافر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں عمار کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے اسکے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔ آخر حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات بری ہے، میں نے آپ کو برا کہہ دیا اور (انکار کے طور پر) آپ کا ذکر کیا فرمایا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تم کو محسوس ہو رہی تھی۔ عرض کیا دل تو ایمان پر مطمئن تھا یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا، اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسی حرکت کریں تو تم دوبارہ (بھی یہی کفریہ الفاظ) لوٹا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ثعلبی اور واحدی نے بھی اسی طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیب ہی نے سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کفر کے لیے سینہ کے کشادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل نے کفر کو پسند کر لیا اور بخوشی کفر کو قبول کر لیا۔

اکراہ کی تحقیق:

کسی کو ایسے کام پر آمادہ کرنا جس کو وہ دل سے گوارا نہ کرتا ہو اکراہ ہے اکراہ کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی کو کسی ناگوار کام کے کرنے پر اس طرح آمادہ کرنا کہ اگر وہ انکار کر لے تو اس کو اذیت اور دکھ اٹھانا پڑ جائے لیکن یہ ایذاء اور دکھ اس کو بے اختیار نہ بنا دے مثلاً انکار کی صورت میں مارنا قید کر دینا۔ ظاہر ہے کہ پٹنے اور قید ہو جانے کے بعد بھی مضروب اور قیدی بے اختیار نہیں ہو جاتا۔ صرف جسمانی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۲) انکار کی صورت میں مجبور آدمی اپنے اختیار کا مالک ہی نہ رہے مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا یا قتل کر دینا۔ ان دونوں صورتوں میں اکراہ کا حکم اس وقت جاری ہوگا کہ مجبور کرنے والا۔ اس اذیت دینے پر قدرت رکھتا ہو جس کی دھمکی دے رہا ہے اور جس کو مجبور کیا جا رہا ہو اس کا بھی غالب خیال ہو کہ اگر میں انکار کر دوں گا تو اس شخص کی طرف سے مجھے یہ دکھ پہنچ جائے گا۔ آیت میں اکراہ کی اول صورت مراد نہیں ہے ایسے اکراہ کا اثر تو صرف خرید و فروخت، اقرار قرض، کسی جائیداد کے ٹھیکہ کے لین دین وغیرہ پر ہی پڑتا ہے اس صورت میں جب خوف اذیت نہ رہے اور ایذا رساں طاقت سے آزادی مل جائے۔ تو مجبوری کی حالت میں جو عقد، اقرار، ٹھیکہ وغیرہ کا لین دین کیا ہو اس کو فسخ کر دینا جائز ہے چاہے قائم رکھے چاہے منسوخ کر دے۔ تجارت، لین دین وغیرہ ایسے عقود ہیں جن کے لئے فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

حضرت خبیب کا واقعہ:

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیب ہی نے سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کا طریقہ قائم کیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ کو ایک تختہ سے باندھ دیا پھر مدینہ کی طرف منہ کر دیا اور بندش مضبوط کر دی پھر کہنے لگے اسلام سے لوٹ جاؤ ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ حضرت خبیب نے فرمایا خدا کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ اسلام سے مرتد ہونے کی شرط پر مجھے ساری دنیا کی دولت مل جائے۔ کافر کہنے لگے اب تو چاہتے ہو گے کہ محمد میری جگہ ہوتے اور میں اپنے گھر بیٹھا چین کرتا۔ حضرت خبیب نے فرمایا نہیں خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ کافر برابر کہتے رہے۔ خبیب اسلام سے لوٹ جاؤ۔ حضرت خبیب نے فرمایا نہیں، میں کبھی اسلام سے نہیں پھرنے کا۔ کہنے لگے اگر اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے بولے اللہ کی راہ میں مارا جانا ایک حقیر چیز ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت خبیب نے شہادت سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے جن میں سے دو شعر یہ تھے:

''اگر مسلمان ہونے کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے پروا نہیں کہ کس بل سے اللہ کی راہ میں زمین پر گرتا ہوں، میرا یہ قتل ہونا اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے اگر اللہ چاہے گا تو پارہ پارہ میں جسم کے جوڑ جوڑ میں برکت عطا فرمادے گا۔''

ابن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت خبیب اور حضرت زید دونوں ایک ہی دن شہید کئے گئے اور جس روز ان کی شہادت ہوئی اسی روز لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے وعلیکما السلام۔

مسیلمہ کے ہاتھوں شہید ہونے والے:

ابن ابی شیبہ نے حسن بصری کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کرلیا اور ایک سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیرا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مسیلمہ نے کہا میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔ اس نے جواب دیا آپ بھی۔ مسیلمہ نے دوسرے سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مسیلمہ نے پوچھا میرے متعلق تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا میں بہرا ہوں۔ مسیلمہ نے یہی بات تین بار دہرائی اور اس شخص نے بھی یہی جواب دہرا دیا۔ آخر مسیلمہ نے اس کو قتل کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو اول شخص کے متعلق فرمایا، اس نے اللہ کی دی ہوئی اجازت کو اختیار کرلیا اور دوسرے نے بلند آواز سے اعلان حق کیا اس کو مبارک ہو۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے تو اس کا مال تلف کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ ضرورت کے وقت غیر کا مال مباح ہوجاتا ہے جیسے سخت بھوک کے وقت کسی کا مال کھا لینا جائز ہے۔ لیکن صاحب مال مجبور کرنے والے سے اپنے مال کا تاوان وصول کرے گا کیونکہ مجبور شخص تو اس جابر کا آلہ کار ہے اور جس صورت میں آلہ کار بننا درست ہو اس میں تاوان آلہ کار بنانے والے سے لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر شراب پینے یا مردار کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کرلینا باتفاق علماء جائز ہے۔ لیکن کیا نہ کھانا اور جان دے دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام کو کھا پی لینا واجب ہے۔ انکار کرکے جان دیدینا جائز نہیں۔ جیسے حلال چیز (یعنی پرائی حلال چیز کو) جان بچانے کے لئے کھا پی لینا واجب ہے ویسے ہی شراب اور مردار کا حکم ہے۔ اگر کھانے پینے سے انکار کرکے جان دیدے گا تو گنہگار ہوگا اور بلاضرورت اپنی جان کھو دینے میں اس جابر کا مددگار مانا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا یہ رخصت نہیں اباحت ہے۔ اضطرار کی حالت میں مردار بھی ذبیحہ کی طرح حلال ہوجاتا ہے۔ آیت میں حالت اضطرار مستثنیٰ ہے۔ فرمایا اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ استثناء کرکے حالت اضطرار کو عدم اضطرار کی حالت سے حکم میں علیحدہ کرلیا گیا ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ عدم اضطرار کی حالت میں حرمت کا حکم ہے تو اضطرار کی حالت میں اباحت ہوگی۔ رخصت نہ ہوگی) ہاں اگر غیر کا مال کھانے پر مجبور کیا گیا اور انکار کرنے کی صورت میں مارا گیا تو باتفاق علماء ماجور ہوگا۔ کیونکہ غیر کے مال کی حرمت ہر حال میں قائم ہے (کھا لینے کی صرف رخصت ہے) یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ اکراہ سے خطاب نہیں بدلا کرتا کہ ایک ہی چیز ایک مرتبہ مباح اور فرض ہوجائے اور پھر کبھی وہی چیز حرام ہوجائے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ نے ایک عام ضابطہ قائم کردیا ہے کہ جس تصرف کا حکم الفاظ پر جاری ہوتا ہو دل کی رضا پر موقوف نہ ہو وہ حکم اس وقت بھی مرتب ہوگا جب وہ تصرف جبری حالت میں کیا جائے۔ اس قسم کے تصرفات (جو الفاظ پر مبنی ہوں اور ان میں دل کی رضامندی ضروری نہیں) دس ہیں۔ نکاح، طلاق، طلاق سے رجوع، ایلاء فیء، ظہار، غلام کی آزادی، قصاص کی معافی، قسم، نذر ان سب کے احکام صرف زبان سے کہنے سے نافذ ہوجائیں گے۔ زبانی ایجاب وقبول سے نکاح ہوجائے گا۔ زبان سے لفظ طلاق کہہ دینے سے طلاق ہوجائے گی۔ صرف زبان سے آزاد کرنے سے غلام آزاد ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کے مرتب ہونے کے لئے دل کی رضامندی ضروری نہیں پس کسی نے جبراً اگر طلاق یا نکاح میں ایجاب وقبول یا معافی یا قسم وغیرہ کے الفاظ کہلوالیے تو احکام مرتب ہوجائیں گے) شعبی نخعی اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بھی اپنے مسلک کی تائید میں چند احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی (کا حکم رکھتی) ہے نکاح، طلاق، رجعت۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واحمد والحاکم والدارقطنی۔ ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

ہم کہتے ہیں جس شخص پر جبر کیا گیا ہو وہ بھی تو بااختیار ہوتا ہے اس کا کلام بھی اختیار ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور کامل اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور ہزل کے طور پر طلاق دینے والے کی طرح وہ بھی حکم کلام (یعنی طلاق) کو پسند نہیں کرتا وہ خوب واقف ہوتا ہے کہ جبر کرنے والے کی مخالفت بھی تکلیف دہ ہے۔ اور وقوع طلاق بھی دکھ دینے والا ہے مگر دونوں میں آسان مصیبت کو وہ جان کر اختیار کرتا ہے لہٰذا مکرہ (مجبور) کی طلاق کا واقع ہونا ضروری ہے۔

ابن ہمام نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ چار مسئلے مبہم ناقابل حل ہیں جن کی کوئی واپسی نہیں۔ نکاح، طلاق، غلاموں کی آزادی اور صدقہ (یعنی ان چاروں میں اکراہ، اور جبر سے بھی حکم مرتب ہوجاتا ہے)

میں کہتا ہوں، بظاہر امام ابوحنیفہ کا استدلال قوی ہے اور اگر احادیث میں تعارض تسلیم بھی کرلیا جائے تو قیاس کی طرف رجوع لازم ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ (مکرہ کی) طلاق عتاق وغیرہ کا وقوع ہوجائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کردیا گیا کہ اگر یہ کلمہ نہ کہے تو اس کو قتل کردیا جائے اور یہ بھی بظن غالب معلوم ہو کہ دھمکی دینے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے تو ایسے اکراہ کی حالت میں اگر وہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دے مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو اور اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (قرطبی ومظہری)

یہ آیت ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی جن کو مشرکین نے گرفتار کرلیا تھا اور کہا تھا کہ یا وہ کفر اختیار کریں ورنہ قتل کردیئے جائیں گے۔

یہ گرفتار ہونے والے حضرات حضرت عمار اور ان کے والدین یاسر اور سمیہؓ اور صہیب اور بلال اور خباب رضی اللہ عنہم تھے، جن میں سے حضرت یاسر اور ان کی زوجہ سمیہؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کیا۔ حضرت یاسرؓ کو قتل کردیا گیا اور حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کو دوڑایا گیا، جس سے ان کے دو ٹکڑے الگ الگ ہوکر شہید ہوئیں۔ اور یہی دو بزرگ ہیں جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئی۔ اسی طرح حضرت خبابؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کر کے بڑے اطمینان کے ساتھ قتل کیے جانے کو قبول کیا، ان میں سے حضرت عمارؓ نے جان کے خوف سے زبانی اقرار کفر کا کرلیا، مگر دل ان کا ایمان سے مضبوط اور جما ہوا تھا۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: معاملات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں دل سے رضامندی ہونا ضروری ہے جیسے خرید وفروخت وہبہ وغیرہ کہ ان میں دل سے رضامندی ہونا معاملہ کیلئے شرط ہے بنص قرآن إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ "یعنی کسی دوسرے شخص کا مال حلال نہیں ہوتا جب تک تجارت وغیرہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی سے نہ ہو" اور حدیث میں ہے:

لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه.

"یعنی کسی مسلمان کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے اس کے دینے پر راضی نہ ہو"

ایسے معاملات اگر اکراہ کے ساتھ کرالئے جائیں تو شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں، اکراہ کی حالت سے نکلنے کے بعد اس کو اختیار ہوگا کہ بحالت اکراہ جو بیع یا ہبہ وغیرہ کیا تھا اس کو اپنی رضا سے باقی رکھے یا فسخ کردے۔

اور کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن میں صرف زبان سے الفاظ کہہ دینے پر مدار ہے، دل کا قصد وارادہ یا رضا وخوشی شرط معاملہ نہیں۔ مثلاً نکاح، طلاق، رجعت عتاق وغیرہ، ایسے معاملات کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے: **ثلث جدهن جد وهزلهم جدالنكاح والطلاق والرجعة**، رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ (یعنی اگر دو شخص زبان سے نکاح کا ایجاب وقبول شرائط کے مطابق کرلیں یا کوئی شوہر اپنی بیوی کو زبان سے طلاق دیدے۔ یا طلاق کے بعد زبان سے رجعت کرے، خواہ وہ بطور ہنسی مذاق کے ہو دل میں ارادہ نکاح یا طلاق یا رجعت کا نہ ہو پھر بھی محض الفاظ کے کہنے سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور طلاق پڑ جائے گی، نیز رجعت صحیح ہوجائے گی۔ (مظہری)

مجبور کی طلاق:

امام اعظم ابوحنیفہ، شعبی، زہری نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے نزدیک طلاق مکرہ کا بھی یہی حکم ہے کہ حالت اکراہ میں اگر چہ وہ طلاق دینے پر دل سے آمادہ نہیں تھا مجبور ہوکر الفاظ طلاق کہہ دیئے، اور وقوع طلاق کا تعلق صرف الفاظ طلاق ادا کردینے سے ہے۔ دل کا قصد وارادہ شرط نہیں جیسا کہ حدیث مذکور سے ثابت ہے اس لئے یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔

مگر امام شافعی اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک حالت اکراہ کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے۔

رفع عن امتی الخطاء والنسيان و مااستكرهوا عليه، رواه الطبرانی عن ثوبانؓ.

"یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اور جس چیز پر ان کو مضطر و مجبور کردیا جائے سب اٹھا دیئے گئے"۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث احکام آخرت کے متعلق ہے کہ خطاء یا نسیان سے یا اکراہ کی حالت میں جو کوئی قول وفعل شریعت کے خلاف کرلیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ باقی رہے احکام دنیا اور وہ نتائج جو اس فعل پر مرتب ہوسکتے ہیں ان کا وقوع تو محسوس ومشاہد ہے اور دنیا میں اس وقوع پر جو آثار واحکام مرتب ہوتے ہیں وہ ہوکر رہیں گے۔

مثلاً کسی نے کسی کو خطاء قتل کردیا تو اس کو قتل کا گناہ اور آخرت کی سزا تو بے شک نہ ہوگی، مگر جس طرح قتل کا محسوس اثر مقتول کی جان کا چلا جانا واقع ہے اسی طرح اس کا یہ شرعی اثر بھی ثابت ہوگا کہ اس کی بیوی عدت کے بعد نکاح ثانی کرسکے گی، اس کا مال وراثت میں تقسیم ہوجائے گا اسی طرح جب الفاظ طلاق یا نکاح یا رجعت زبان سے ادا کردیئے تو ان کا شرعی اثر بھی ثابت ہوجائے گا (مظہری وقرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (معارف القرآن)

حضرت عمار کے واقعہ کی اور تفصیل:

ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے

یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، جما ہوا ہے آپ نے فرمایا اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔ بیہقی میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنا یہ دُکھ بیان کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عذابوں سے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن۔ فرمایا اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔ اسی پر آیت اتری۔ پس علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جس پر جبر و اکراہ کیا جائے اسے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ان کی موافقت کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی ان کی نہ مانے جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھایا کہ مشرکوں کی ایک نہ مانی حالانکہ وہ انہیں بدترین تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ سخت گرمیوں میں پوری تیز دھوپ میں آپؓ کو لٹا کر آپؓ کے سینے پر پتھر رکھ دیا کہ اب بھی شرک کرو تو نجات پاؤ۔ لیکن آپؓ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور خدا تعالیٰ کی توحید احد احد کے لفظ سے بیان فرماتے رہے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ واللہ اگر اس سے بھی زیادہ تمہیں چبھنے والا کوئی لفظ میرے علم میں ہوتا تو میں وہی کہتا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور انہیں بھی ہمیشہ راضی رکھے۔

حضرت حبیب بن زید کا واقعہ:

اسی طرح حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے مسیلمہ کذاب نے کہا کیا تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا میں نہیں سنتا۔ اس پر اس جھوٹے مدعی نبوت نے ان کے جسم کے ایک عضو کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر یہی سوال و جواب ہوا دوسرا عضو جسم کا کٹ گیا۔ یونہی ہوتا رہا لیکن آپؓ آخر دم تک اسی پر قائم رہے۔ خدا تعالیٰ آپؓ سے خوش ہوا اور آپ کو بھی خوش رکھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے انہیں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو، ہاں بیشک میں انہیں قتل کرا دیتا اس لئے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا ابن عباس کی ماں پر افسوس۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وارد کیا ہے۔

مرتد کو قتل کرنا:

مسند میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا کہ یہ ایک یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا اب پھر یہودی ہو گیا ہے ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو یہی فیصلہ ہے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے۔ اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔ یہ واقعہ صحیحین میں بھی ہے لیکن الفاظ اور ہیں پس افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہے گو اسے قتل بھی کر دیا جائے۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی:

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابیؓ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ۔ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا؟ اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دیدے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے۔ چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیر اندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا۔ بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کر لو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتار لو۔ پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کر لائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہوئے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا، وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کر لو ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال

کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لے کر فرمایا کہ ناممکن! کہ میں خدا تعالیٰ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جائیں۔ انہیں اپنے پاس بلالیا اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میری دامادی میں آ کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے سود نکلا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ خدا میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ للہ اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں۔ آپ نے اسے قبول فرما لیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتھا چومے اور میں ابتداء کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ
ولیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى
یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو

الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
آخرت سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
منکر لوگوں کو

کفر کے دو سبب:

یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیا ہی کو کعبہ مقصود ٹھہرالیں کامیابی کا رستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جو کوئی ایمان سے پھرا ہے تو دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے جس نے دنیا عزیز رکھی اس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو چاہئے جب ڈر کا وقت جاچکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔" (تفسیر عثمانی)

اللہ نے اس آیت میں کافروں کے کفر کے دو سبب بیان فرمائے۔ ایک ظاہری دوسرا حقیقی۔ ظاہری سبب تو یہ تھا کہ انہوں نے خود کفر کو پسند کر رکھا تھا اور آیات الٰہی میں غور نہیں کرتے تھے اور حقیقی سبب یہ تھا کہ اللہ ان کو ہدایت یاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال جبر اور قدر کے درمیان ہیں (نہ انسان بالکل قادر ہے نہ محض مجبور اور بے اختیار)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
یہ وہی ہیں کہ مہر کردی اللہ نے اُن کے دل پر
وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی ہیں
الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
بے ہوش

دنیا پرستی کے دائمی مریض:

یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بے ہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں خدا کی دی ہوئی تو تیں انہوں نے سب بیکار کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب پہلے سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دلوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو حق نہیں جانتے اور کانوں پر مہر لگنے کی

وجہ سے حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے اور آنکھوں پر مہر لگنے کی وجہ سے چشم عبرت اندوز سے آیات خداوندی کو نہیں دیکھتے پس یہ بالکل غافل ہیں کہ صانع عالم کی طرف سے غافل ہیں باوجودیکہ جانور اور بے عقل پتھر بھی اپنے بنانیوالے سے بے خبر نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

خود ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں

یعنی جولوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے خدا کی بخشی ہوئی قوتیں تباہ کرڈالیں اور دنیا ہی کو قبلہ مقصود بنالیں ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

برخلاف گنہگار مسلمانوں کے کہ یہ بھی اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ نفسانی خواہشات اور گناہوں میں برباد کرتے ہیں لیکن انہوں نے چونکہ توحید کا دامن پکڑلیا ہے اس لئے کبھی نہ کبھی عذاب الٰہی سے ان کو نجات مل جائے گی۔ اور توحید کا عقیدہ ان کو جنت میں لے جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ہے ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ

ہے بعد اسکے کہ مصیبت (پچھلائے گئے) اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

اور قائم رہے بے شک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

مکہ میں بعضے لوگ کافروں سے ظلم سے بچل گئے تھے۔ یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا اس کے بعد جب ہجرت کی جہاد کیا اور بڑے استقلال و پامردی سے اسلام پر قائم رہے اتنے کام ایمان کے کئے، وہ تقصیر بخشی گئی اور خدا کی مہربانی مبذول ہوئی ایک بزرگ تھے "عمار" ان کے باپ تھے "یاسر" اور ماں "سمیہ" دونوں ظلم اٹھاتے مرگئے، پر لفظ کفر نہ کہا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا۔ بیٹے (عمار) نے خوف جان سے لفظ کہہ دیا، پھر روتے ہوئے حضرت کے پاس آئے تب یہ آیتیں اتریں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر عثمانی)

عبداللہ بن سعد ابی سرح:

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اس آیت کا نزول عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق ہوا۔ عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا پھر مرتد ہو کر عیسائی ہوگیا اور کافروں سے جاملا تھا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کردینے کا حکم دے دیا تھا، عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفان کا اخیافی بھائی تھا اس لئے اس نے حضرت عثمان سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی اور قتل کا حکم واپس لے لیا اس کے بعد عبداللہ پکا مسلمان ہوگیا اور اس کی اسلامی حالت بہت اچھی رہی۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عامر حضرمی کا غلام:

ابن عامر کی قرأت میں فتنوا آیا ہے یعنی کافر ہونے اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کے بعد ایمان لاکر انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا (اس صورت میں) اس آیت کا نزول عامر حضرمی اور ان کے غلام جبر کے متعلق قرار دیا جائے گا جبر مسلمان ہوگئے تھے۔ عامر ان کو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ جبر (بظاہر) مرتد ہوگئے تھے کچھ مدت کے بعد عامر خود مسلمان اور پختہ مسلمان ہوگئے اور جبر کو جن کو زبردستی مرتد بنایا گیا تھا ساتھ لے کر ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہ کر کافروں سے جہاد کیا اور مصائب پر صبر کیا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا

جس دن آئے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے

نفسا نفسی کا دن:

یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و اقارب کوئی کام نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوگا کہ کس طرح خدا کے عذاب سے مخلصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر برأت کیلئے تراشے گا اور جواب و سوال کر کے چاہے گا کہ رستگاری حاصل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی ہر شخص کو اپنے ہی بچاؤ کی فکر اور کوشش ہوگی دوسرے کا خیال بھی نہ ہوگا کافر کہے گا اے ہمارے مالک! انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، اے ہمارے مالک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا، ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں جو معبود برحق ہے کہ ہم (خود) مشرک نہیں تھے۔ ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹادے ہم نیک عمل کریں گے۔ مؤمن کہے گا اے رب میں تجھ سے اپنی جان کی امان مانگتا ہوں مجھے کافر لوگوں کے ساتھ شامل نہ کردینا۔

جہنم کی دہشت:

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ فرمایا: ساتویں زمین سے لایا جائے گا، اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی، اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچتے ہوں گے۔ جب دوزخ انسانوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر عرض کرے گا اے میرے مالک! میری جان (بچادے)''۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمر بن خطابؓ نے کعب احبار سے فرمایا (کچھ آخرت کا تذکرہ کر کے) ہمارے اندر (اللہ کا) خوف پیدا کر دو۔ کعب احبار نے عرض کیا: امیرالمؤمنین! اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پائیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا۔ جہنم ایک ایسا دم کھینچے گی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ بھی کہہ اٹھیں گے میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں۔ اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے ارشاد فرمایا ہے يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔

روح اور بدن میں جھگڑا:

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا، روح کہے گی اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی، نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی (جو کچھ بداعمالی ہے وہ اس کی بدن کی ہے) بدن کہے گا تو نے مجھے لکڑی کی طرح (بے حس، بے شعور، بے جان) پیدا کیا تھا میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا، میرے پاؤں نہ تھے کہ میں ان سے چلتا نہ میری آنکھیں تھیں کہ میں ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آگئی تو میری زبان بولنے لگی میری آنکھ بینا ہوگئی اور میرے پاؤں رواں ہوگئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک اپاہج کسی کے باغ میں پہنچ گئے باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے، اندھا، تو پھلوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا اور اپاہج (دیکھتا تو تھا) پھلوں تک پہنچ نہ سکتا تھا، آخر اندھے کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح دونوں نے پھل حاصل کر لیے (اور دونوں چوری کے مجرم قرار پائے) روح اور بدن بھی دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا
اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
ظلم نہ ہوگا

یعنی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دی جائیگی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً
اور بتلائی اللہ نے ایک مثال (مثال) ایک بستی تھی
مُّطْمَئِنَّةً
چین امن سے

یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا نہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش۔ خوب امن چین سے زندگی گزرتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

سلیم بن عمر کا بیان ہے، میں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ساتھ تھا۔ آپ مکہ سے نکل کر مدینہ کو جا رہی تھیں راستہ میں اطلاع ملی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے آپ فوراً لوٹ پڑیں اور فرمایا: تم بھی میرے ساتھ لوٹ آؤ۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ وہی بستی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے آیت قریۃ كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً میں کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء۔ (تفسیر مظہری)

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
چلی آتی تھی اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے

یعنی کھانے کے لئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ
پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ ان کے
الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
تن کے کپڑے ہوگئے بھوک اور ڈر بدلہ اسکا جو وہ کرتے تھے

شہر والوں کی ناشکری:

اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے غافل اور بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا۔ بلکہ اس

کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا۔ یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا جیسے کپڑا پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے۔ ایک دم کو بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

کون سی بستی مراد ہے:

میں کہتا ہوں یہ سورت تو مکی ہے اور مکہ والوں پر جو ہفت سالہ قحط پڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی دستوں کے حملہ کرنے کا خوف ہوا وہ ہجرت کے بعد ہوا، لامحالہ ان آیات کو یا تو مدنی تسلیم کیا جائیگا یا قریہ سے مراد مکہ نہ ہوگا کوئی اور بستی ہوگی جس کا ذکر اللہ نے بطور تمثیل کیا ہے تاکہ اس کی بدانجامی کو سن کر اہل مکہ کو بھی خوف پیدا ہو اور چونکہ اہل مکہ اس ذکر کے بعد بھی عبرت اندوز نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کا بھی وہی نتیجہ ہوا جو مذکورہ بستی والوں کا ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اکثر حضرات نے اس کو مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیا کہ وہ سات سال تک شدید قحط میں مبتلا رہے، کہ مردار جانور اور کتے اور غلاظتیں کھانے پر مجبور ہو گئے، اور مسلمانوں کا خوف ان پر مسلط ہو گیا پھر مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کفر و نافرمانی کے قصوروار تو مرد ہیں عورتیں، بچے تو بے قصور ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مدینہ طیبہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوا دیا۔ (مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے قحط کا خاتمہ:

اور ابوسفیان نے بحالت کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صلہ رحمی اور عفو و درگزر کی تعلیم دیتے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ یہ قحط ہم سے دور ہو جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء فرمائی اور قحط ختم ہوا۔ (قرطبی)

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ

اور ان کے پاس پہنچ چکا رسول انہی میں کا پھر اس کو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پھر آ پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہ گار تھے

ایک عظیم نعمت کی ناشکری:

ظاہری نعمتوں کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئیں ایک بڑی بھاری باطنی نعمت بھی ان کو دی گئی تھی، یعنی انہی کی قوم ونسب میں سے ایک رسول بھیجا گیا۔ جس کا اتباع کر کے وہ خدا کی خوشنودی کے بڑے اونچے مقامات حاصل کر سکتے تھے انہوں نے اتباع وتصدیق کی جگہ اس کی تکذیب ومخالفت پر کمر باندھ لی اور اس طرح پستی میں گرتے چلے گئے۔ آخر قدیم سنت اللہ کے موافق ظالموں اور گنہگاروں کو عذاب نے آ پکڑا پھر کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں۔ محض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا لاعلی التعیین حوالہ دیکر یا ایک ایسی بستی کا وجود فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔ کفران نعمت اور تکذیب وعداوت رسول کی سزا سے بے فکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس مثال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ ''اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ (القصص رکوع ۶)۔ اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی۔ شرک وعصیان، بے حیائی اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بھیجی۔ اس کے انکار وتکذیب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ''

(ابراہیم رکوع ۵) آخر خدا تعالیٰ نے امن واطمینان کے بجائے مسلمان مجاہدین کا خوف اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کا قحط ان پر مسلط کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ پھر ''بدر'' کے معرکہ میں غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ ادھر تو یہ ہوا دوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جور وستم سے تنگ آ کر گھر بار چھوڑ بھاگے تھے انکو خدا نے بہتر ٹھکانا دیا۔ دشمنوں کے خوف سے مامون ومصئون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیے۔ زبردست دشمنوں پر فتح عنایت کی بلکہ اقلیموں کا بادشاہ اور متقیوں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لئے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت ''فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'' الخ میں مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔ (تفسیر عثمانی)

ام المؤمنین حفصہؓ کا قول:

سلیم بن نمبر کہتے ہیں ہم ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ساتھ حج سے لوٹتے ہوئے آ رہے تھے اس وقت مدینہ منورہ میں خلیفۃ المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھرے ہوئے تھے۔ مائی صاحبہؓ اکثر راہ چلتوں سے ان کی بابت دریافت فرمایا کرتی تھیں، دو سواروں کو جاتے ہوئے دیکھ کر آدمی بھیجا کہ ان سے خلیفہ الرسول کا حال پوچھو، انہوں نے خبر دی کہ افسوس آپ شہید کر دیئے گئے، اسی وقت آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ مدینہ ہی ہے جس کی

بابت خداتعالیٰ نے فرمایا ہے وضرب اللہ الخ۔ عبیداللہ بن مغیرہ کے شیخ کا بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا
سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
پوجتے ہو

خدا کے بندہ کا کام:

یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہو اسے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال وطیب روزی سے تمتع کرے اور اس کا احسان مان کر شکر گزار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے منتفع ہوتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اسی کے احکام وہدایات کی پابندی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

کلوا سے مسلمانوں کو خطاب ہے جن کو اللہ نے کفر سے نکالا اور اسلام کی ہدایت کی۔ نعمت اللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دوسری دنیوی نعمتیں ہیں جو اللہ نے مؤمنوں کو عطا فرمائی ہیں۔ پہلے اللہ نے کفر پر توبیخ کی اور ایک ناشکری قوم کی مثال سے کران کا نتیجہ بد اور ان پر عذاب نازل ہونے کا ذکر کیا تاکہ مشرک اعمال جاہلیت سے کنارہ کش ہوجائیں اور باطل مذاہب چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حلال چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت
الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ
اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
پھر جو کوئی ناچار ہوجائے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
مہربان ہے

اس آیت کی تفسیر ''سورۂ بقرہ'' اور ''انعام'' وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لی جائے یہاں غرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیات میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور اس چیز کو جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نامزد کر دی گئی ہو، اس حکم کے بعد اگر کوئی بہت ہی سخت مجبور ہو بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے آگے بڑھنے والا ہو (اور اس حالت میں ان چیزوں میں سے کچھ کھا لے) تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت باندھو گے بلا شبہ جو لوگ اللہ پر خود تراشیدہ دروغ بندی کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ
اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے
هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ
الْكَذِبَ ؕ
پر بہتان باندھو

بغیر شرعی حکم کے حلال حرام نہ بتاتے پھرو:

یعنی بدون کسی مستند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب وافتراء ہے۔ حلال وحرام تو وہ ہی ہوسکتا ہے جسے خداتعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے۔ جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ انعام میں گذر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس چیز کو خدا نے حلال کیا حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔

بدون ماخذ شرعی کے حلت وحرمت کا حکم نہ لگائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوالنصر کی احتیاط:

حضرت ابوالنضرہ نے فرمایا، میں نے جب سے سورۂ نحل کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ پڑھی ہے اس وقت سے آج تک (کسی چیز کی حرمت وحلت کا) فتویٰ دینے سے ڈرتا ہوں۔

لوگوں کا حال: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، آئندہ لوگ (ازخود) کہیں گے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی ممانعت کی ہے اور اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے یا بعض لوگ کہیں گے، اس کو اللہ نے حلال کر دیا ہے اور اس کو حرام کر دیا ہے اور اللہ اس سے فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا۔ ازالۃ الخفاء (ازمفسرؒ) (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
بے شک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا
لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
نہ ہوگا تھوڑا (کچھ) سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے واسطے عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾
دردناک ہے

مشرکین خود جھوٹ گھڑتے ہیں:

یعنی مشرکین مکہ جو حضور کو معاذ اللہ مفتری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود مفتری ہیں۔ ازراہ کذب وافتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ان کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ یہ روش اختیار کر کے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑالیں پھر دائمی جیل خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا
اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا
قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
جو تجھ کو پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا
وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے

سورۂ "انعام" آیت "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا الخ" کے فوائد میں اس کا بیان گزر چکا ملاحظہ کر لیا جائے۔

اللہ کے سوا کسی کو حلال وحرام کرنے کا حق نہیں ہے:

یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے معین وقت تک حرام کی ہے عین حکمت ہے، کسی بشر کو حق نہیں کہ اس میں تصرف کر کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ
پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے

مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا "نادانی سے" اس لئے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بدنتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کر سکتا سورۂ "نساء" آیۃ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ "الخ کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ
پھر توبہ کی اس کے پیچھے اور سنوارا اپنے کام کو سو
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾
تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے معاف ہو جاتا ہے: یعنی کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جانے اور آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کر لینے پر حق تعالیٰ تمام گزشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

بازآ بازآ ہرآنچہ کردی بازآ گر کافر وگبر وبت پرستی بازآ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

بعض سلف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جو کرتا ہے وہ جاہل ہی ہوتا ہے توبہ کہتے ہیں گناہ سے ہٹ جانے کو اور اصلاح کہتے ہیں اطاعت پر کمر کس لینے کو۔ پس جو ایسا کرے اس کے گناہ اور اس کی لغزش کے بعد بھی اللہ اسے بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ
اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا

حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ‏﴿۱۲۰﴾

سب سے ایک طرف ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں

حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ:

مشرکین عرب کی شرکیات کا رد کر کے امام الموحدین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ان کی نسل سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انہیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام موحدین کے امام، نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا ایک امت عظیم کے برابر تھے جن کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

ابراہیم خدا کا کامل مطیع وفرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الٰہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دے وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کر سکتا۔ مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو ''حنیف'' کہتے ہیں اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں۔ انہیں شرم کرنی چاہیے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا کیا ایک ''حنیف'' اور ابراہیمی کی شان ہو سکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال وحرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی ملت کی اقامت واشاعت اور بسط وتفصیل کے لئے تشریف لائے ہیں اگر اصلی دین ابراہیم پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اُمَّۃً کا معنی: امت کے معانی صاحب قاموس نے حسب ذیل بیان کئے ہیں وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ وہ شخص جو حق پر ہو اور تمام مذاہب (باطلہ) کا مخالف ہو۔ چستی، طاعت، عالم وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے جو متعدد اشخاص میں بھی پائے جائے دشوار ہیں آپ سب لوگوں کے مقتدا تھے حق پر قائم تھے۔ تمام باطل مذاہب کے مخالف تھے (اللہ کی فرماں برداری میں) مجسم نشاط وطاعت تھے اللہ اور اس کے احکام کو جانتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ معلم خیر تھے تمام دنیا کے لوگ آپ کی اقتداء (کا دعویٰ) کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بے شک ابراہیم ایک کامل امت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تنہا ذات میں وہ تمام صفات وکمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تنہا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللہ مستنکر ان یجمع العالم فی واحد
جانا تو یگانہ ولے ذات تو ہست مجموعہ آثار کمالات ہمہ!!!

ملت ابراہیمی اور شریعت محمدیہ:

ملت ابراہیمی کے تمام فروع واصول ملت محمدیہ میں بتمام وکمال محفوظ ہیں۔ اگرچہ صدہا بلکہ ہزارہا اصول وفروع شریعت محمدیہ میں زیادہ ہیں مگر مخالف نہیں بلکہ اسی کی شرح اور بسط اور تتمیم وتکمیل ہے۔ پس ملت ابراہیمی بمنزلہ متن کے ہے اور شریعت محمدیہ بمنزلہ شرح کے ہے اور ہزارہا زوائد وفوائد پر مشتمل ہے اور مجمع الزواہد اور منبع الفوائد ہے اور اسی معنی کی شرح کو متن کے تابع کہا جاتا ہے کہ متن شرح کے لئے بمنزل اساس کے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ کو صاحب مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے اس لئے کہ مشکوٰۃ اگرچہ صدہا زوائد پر مشتمل ہے مگر اس کی تاسیس اور بناء مصابیح السنہ پر ہے اس بناء پر مشکوٰۃ کو مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

توبہ سے گناہ کی معافی عام ہے خواہ
بے سمجھی سے کرے یا جان بوجھ کر

حضرت ابراہیم کے دو وصف:

مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تنہا ایک فرد ایک امت اور قوم کے کمالات وفضائل کے جامع ہیں اور ایک معنی لفظ امت کے مقتدائے قوم اور جامع کمالات کے بھی آتے ہیں بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور قانت کے معنی تابع فرمان کے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں وصفوں میں خاص امتیاز رکھتے ہیں مقتدا ہونے کا تو یہ عالم ہے کہ پوری دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے لوگ سب آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کی ملت کے اتباع کو عزت وفخر جانتے ہیں اور قانت ومطیع ہونے کا خاص امتیاز ان امتحانات سے واضح ہو جاتا ہے جن سے اللہ کے یہ خلیل گزرے ہیں آتش نمرود، اہل وعیال کو لق ودق جنگل میں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم پھر آرزوؤں سے حاصل ہونے والے بیٹے کی قربانی پر آمادگی یہ سب امتیازات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان القاب سے معزز فرمایا ہے۔ (معارف القرآن)

شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ

حق ماننے والا اس کے احسانوں کا

شکر گذاری:

یعنی ابراہیمؑ خدا کا شکر گزار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے

والے ہو جیسا کہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر اس کی راہ پر کیونکر ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر

یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ

اور دی ہم نے دنیا میں اس کو خوبی

دنیا کی بھلائی:

یعنی نبوت، فراخ روزی، اولاد، اور وجاہت و مقبولیت عامہ کہ تمام اہل ادیان بالاتفاق ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام سے ملائے۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبری اور خالص دوستی:

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں۔ حسنہ سے مراد ہے پیغمبری اور خالص دوستی۔ حضرت مجدد نے فرمایا، حسنہ سے مراد خلت (خالص دوستی) ہے ہر شخص اپنے خلیل کو ان اسرار سے واقف کرتا ہے جو محب یا محبوب سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی آل کے لئے اسی طرح کی رحمت نازل ہونے کی درخواست کی تھی جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل کی گئی تھی۔ آپ نے دعاء کی تھی اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کماصلیت علیٰ ابرٰھیم وعلیٰ ال ابرٰھیم۔

علامہ مفسر کی زبان قلم سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالص محبوبیت کے مرتبہ پر فائز تھے خلت کا درجہ خالص محبوبیت کے درجہ سے نیچا ہے مقام خلت محبوبیت خالصہ کے راستہ میں واقع ہے اس لئے حضور مقام خلت پر نہیں ٹھہرے نہ ٹھہرنے کی اجازت تھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ مقام خلت میں بھی کچھ استقرار کریں اور استقرار کی اجازت مل نہیں سکی اس لئے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ایک ہزار سال کے بعد ایک شخص کو مقام خلت میں استقرار عطا فرما دیا۔ تابع کا کمال متبوع کے کمال کا جز ہوتا ہے اور جز کل میں داخل ہوتا ہے پس حضرت مجدد کا کمال یعنی مقام خلت میں استقرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال محبوبیت کا ہی ایک حصہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے حضرت مجدد کو یہ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔ کسی گورنر، کمانڈر یا شاہی ملازم کا کسی قلعہ کو سر کرنا یا کسی شہر پر قبضہ کر لینا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس فاتح کا تعلق مرکز سلطانی سے ہوتا ہے اور ملازم کی فتحیابی اور قبضہ سلطان معظم کی کامیابی اور فتح ہوتی ہے پس حضرت مجدد کو مقام خلت پر فائز کرنا اور استقرار عطا کرنا حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مقام خلت پر فائز کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ؕ

اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے

آخرت کا مقام:

یعنی اس نے اپنے حق میں جو دعاء کی تھی۔ وَاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ قبول ہوئی۔ بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونگے۔ جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ:

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت معاذؓ امت قانت اور حنیف تھے اس پر کسی نے اپنے دل میں سوچا کہ عبداللہ غلطی کر گئے ایسے تو بشہادت قرآن حضرت خلیل الرحمٰنؑ تھے۔ پھر زبانی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امت فرمایا ہے، تو آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو امت کے کیا معنی؟ اور قانت کے کیا معنی؟ امت کہتے ہیں اسے جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور قانت کہتے ہیں اسے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگا رہے بیشک (حضرت) معاذؓ ایسے ہی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شرک والوں میں

اس کا بیان سورۂ ''انعام'' آیت

''دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ''

کے تحت میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

ملت ابراہیمی کا احیاء:

مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔ درمیان میں یہود و نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیئے گئے ہیں۔ آخر آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا تا اصل ملت ابراہیمی

کو جو غفلت اور تحریف و تصرف بیجا کی دستبرد سے ضائع ہو چکی تھی۔ از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے اور شرک کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں حدیث میں ہے ۔"بعثت با لسمحة الحنيفية البيضاء" اس کی پوری شرح و تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں کی ہے جو قابل دید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی توحید میں نرمی کے ساتھ اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں، پے در پے دلیلیں پیش کرنے میں ہر شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق مناظرہ کرنے میں، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں، دین ابراہیمی کے اصول و شرائع اختیار کرنے میں، ابراہیم کے طریقے پر چلو، یہ تمام چیزیں وہ نعمتیں تھیں جو اللہ نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ طریق ابراہیمؑ کی پیروی میں یہ تمام امور داخل ہیں۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمؑ پر چلنے کا حکم دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ خلت پر پہنچنے کے بڑے مشتاق تھے اور آپ کو حضرت ابراہیمؑ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ اس محبت پر دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
ہفتہ کا دن جو مقرر (لازم) کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف

فِيهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
کرتے تھے اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں

الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾
قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے

اہل کتاب کی جعلسازیاں:

یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اس امت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں "یہود" نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لئے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور مچھلی کا شکار اس روز مت کرو! یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے۔ اور آخرت میں جو فیصلہ ہوگا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیئے جائینگے۔ مثلاً حضرت ابراہیم کی نسبت کوئی "یہودی" بتلاتا تھا کوئی "نصرانی" حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ "حنیف مسلم" تھے۔ بہر حال آخرت میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائیگا اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر کی مخالفت:

اخْتَلَفُوا فِيهِ ۔ یعنی سنیچر کے معاملہ میں انہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی۔ کلبی کا بیان ہے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہر سات دن میں ایک روز یعنی جمعہ کے دن کوئی کام اور پیشہ نہ کریں صرف عبادت کیا کریں چھ دن اپنے پیشے کیا کریں۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم تو (عبادت کے لئے مخصوص) وہ دن چاہتے ہیں جس روز اللہ سارے عالم کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا یعنی سنیچر کا دن۔ اللہ نے سنیچر کا دن مقرر کر دیا اور سختی کر دی (کہ اس کے پابند رہیں) پھر حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے جمعہ کے دن کو پیش کیا (یعنی جمعہ کا دن عیسائیوں کے لئے مقرر کیا) کہنے لگے ہم کو تو یہ بات پسند نہیں کہ ہماری عید کے بعد ہی ان (یہودیوں) کی عید ہو جائے۔ غرض عیسائیوں نے (عبادت کے لئے) اتوار کا دن پسند کر لیا آخر اللہ نے جمعہ کا دن اس امت کو دے دیا اور اس امت نے عطاء الٰہی کو قبول کر لیا اور اللہ نے امت اسلامیہ کو اس دن کی برکات بھی عطا فرما دیں۔

امت محمدیہ کی فضیلت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (دنیا میں) پیچھے ہیں۔ قیامت کے دن آگے ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے پیچھے۔ پھر یہ ان کا دن تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا۔ یعنی جمعہ کا دن پر انہوں نے اس کی مخالفت کی، لیکن اللہ نے ہم کو اس کی ہدایت کر دی۔ سب لوگ اس (روز عبادت) میں ہمارے پیچھے ہیں، یہودیوں کے لئے کل کا دن ہے (یعنی سنیچر) اور عیسائیوں کے لئے کل کے بعد کا دن (یعنی اتوار)

بغوی کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ہم دنیا والوں سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن اول ہوں گے ہمارا فیصلہ اور لوگوں سے پہلے کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے والے ہیں۔ ہاں انہیں کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ یہ دن بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا لیکن ان کے اختلاف نے انہیں کھو دیا اور اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی ہدایت دی، پس یہ سب لوگ ہمارے پیچھے ہی پیچھے ہیں۔ یہود ایک دن پیچھے نصاریٰ دو دن۔ آپ فرماتے ہیں ہم سے پہلے کی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے

اس دن سے محروم کر دیا۔ یہود نے ہفتے کا دن رکھا نصاری نے اتوار کا اور جمعہ ہمارا ہوا۔ پس جس طرح دنوں کے اس اعتبار سے وہ ہمارے پیچھے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہی رہیں گے ہم دنیا کے اعتبار سے پچھلے ہیں اور قیامت کے اعتبار سے پہلے ہیں یعنی تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلے ہمارے ہوں گے۔ (مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ
اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس
هِیَ اَحْسَنُ
طرح بہتر ہو

دعوت کے آداب:

اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لیکر آئے ہیں، اگر کامیابی چاہتے ہو اور ''حنیف'' ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظمت حسنہ، جدال بالتی ہی احسن ''حکمت'' سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ ''موعظمت حسنہ'' موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت وحسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس و پژمردہ قوم جھرجھری لیکر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں۔ ان میں موثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں، ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلے میں بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہو۔

بحث کے آداب:

بعض اوقات اہل فہم وانصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو، خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے کچھ نتیجہ نہیں۔ اور معاملہ طول کھینچے۔ مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیے، خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ الحکمۃ سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن ایک محکم مضبوط اٹل کلام ہے۔ جس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی (گویا حکمۃ بمعنی محکم کے ہے اور اس سے مراد قرآن ہے) اور الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سے مراد معارضہ ہے۔ معارضہ ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جائے اور شبہات دور ہو جائیں۔ اس کا حسن یہ ہے کہ دلیل کے ساتھ ترہیب اور ترغیب بھی ہو (یعنی نہ ماننے پر سخت عذاب کا ڈراوا اور ماننے کے بعد بہترین نتیجہ کی بشارت) بعض علماء نے کہا موعظت حسنہ سے مراد ایسا نرم کلام ہے جس میں درشتی اور چڑ چڑاپن نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

دعوت وتبلیغ کے اصول اور مکمل نصاب:

اس آیت میں دعوت وتبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت ہرم ابن حیانؒ کی موت کا وقت آیا تو عزیزوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے تو فرمایا کہ وصیت تو لوگ اموال کی کیا کرتے ہیں وہ میرے پاس ہے نہیں، لیکن میں تم کو اللہ کی آیات خصوصاً سورۂ نحل کی آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ ان پر مضبوطی سے قائم رہو وہ آیات یہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

الْمَوْعِظَةِ، موعظۃ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو ایسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے مثلاً اس کے ساتھ قبول کرنے کے ثواب وفوائد اور نہ کرنے کے عذاب ومفاسد ذکر کئے جائیں۔ (قاموس ومفردات راغب)

الْحَسَنَةِ کے معنی یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو، اس کے شکوک وشبہات دور ہوں اور مخاطب یہ محسوس کرلے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔

روح المعانی میں ہے کہ اچھے طریقے سے یہ مراد ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور ومعروف ہوں تا کہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور ہٹ دھرمی کے راستہ پر نہ پڑ جائے۔

دعوت کے یہ آداب سب کیلئے ہیں:

سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ ان تین چیزوں کے مخاطب الگ الگ تین قسم کی جماعتیں ہونا سیاق آیت کے لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے۔انتہیٰ

ظاہر یہ ہے کہ یہ آداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے پھر اس کلام میں خیر خواہی وہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لاتا ہے جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے، اور طرز بیان وکلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھتا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

لطیف نکتہ: البتہ صاحب روح المعانی نے اس جگہ ایک نہایت لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا کہ آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت تیسری چیز مجادلہ، اصول دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریق دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دعوت دو چیزیں ہیں حکمت اور موعظت، جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہیے خواہ علماء وخواص کو ہو یا عوام الناس کو، البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث مباحثہ پر آمادہ ہیں تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی مگر اس کے ساتھ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب:

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں۔ جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔

لوگوں کی رعایت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے صحابہ کرامؓ جیسے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے ان کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ وعظ ونصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے تا کہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تا کہ ہم اکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا.

''لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ، مایوس یا متنفر نہ کرو''۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

ربانی علماء:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تمہیں چاہیے کہ ربانی، حکماء علماء اور فقہاء بنو۔ صحیح بخاری میں یہ قول نقل کر کے لفظ ربانی کی یہ تفسیر فرمائی کہ جو شخص دعوت وتبلیغ اور تعلیم میں ترتیب کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان آسان باتیں بتلائے جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں تو اس وقت دوسرے احکام بتلائے جو ابتدائی مرحلے میں مشکل ہوتے ہوں تو وہ عالم ربانی ہے، آجکل جو وعظ وتبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً اس کام کے کرنے والے ان اصول وآداب کی رعایت نہیں کرتے لمبی تقریریں وقت بے وقت نصیحت، مخاطب کے حالات کو معلوم کئے بغیر اس کو کسی کام پر مجبور کرنا ان کی عادت بن گئی ہے۔

مخاطب انداز خطاب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت واصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سبکی یا رسوائی نہ ہو، اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور برے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع عام کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔ ما بال اقوام یفعلون کذا۔

''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ فلاں کام کرتے ہیں''

اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وہ بھی سن لیتا اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔ (معارف القرآن)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو بھول (بچھلا) گیا اس کی راہ اور

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

وہی بہتر جانتا ہے ان کو جو راہ پر ہیں

احکام کے مطابق دعوت دیتے رہو:

یعنی طریق دعوت و تبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہیے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے جیسا مناسب ہوگا ان سے معاملہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آپ کا فریضہ تو صرف تبلیغ اور دعوت ہے۔ حصول ہدایت اور سزا و جزا کا علم اللہ کو ہے اس کی ذمہ داری آپ کی نہیں جو کوئی گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ سب سے واقف اللہ ہے اور وہی ہر ایک کو جزا و سزا دینے والا ہے۔

بحث کے مہلکات: امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جس طرح شراب ام الخبائث ہے کہ خود بھی بڑا گناہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ بھی ہے اسی طرح بحث و مباحثہ میں جب مقصود مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہو جائے تو وہ بھی باطن کیلئے ام الخبائث ہے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں، مثلاً حسد، بغض، تکبر غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اس کی برائی سے خوش اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا قبول حق سے استکبار، دوسرے کے قول پر انصاف و اعتدال کے ساتھ غور کرنے کے بجائے جواب دہی کی فکر خواہ اس میں قرآن و سنت میں کیسی ہی تاویلات کرنا پڑیں۔

یہ تو وہ مہلکات ہیں جن میں باوقار علماء ہی مبتلا ہوتے ہیں اور معاملہ جب ان کے متبعین میں پہنچتا ہے تو دست و گریبان اور جنگ وجدال کے معرکے گرم ہو جاتے ہیں، اناللہ۔

اہل علم کی برادری:

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: ''علم تو اہل علم وفضل کے مابین ایک رحم متصل (رشتہ اخوت و برادری) ہے، تو وہ لوگ جنہوں نے علم ہی کو عداوت بنالیا ہے وہ دوسروں کو اپنے مذہب کی اقتداء کی دعوت کس طرح دیتے ہیں، ان کے پیش نظر دوسرے پر غلبہ پانا ہی ہے تو پھر ان سے باہمی انس و مودت اور مروت کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے اور ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر شر اور برائی اور کیا ہوگی کہ وہ اس کو منافقین کے اخلاق میں مبتلا کردے، اور مؤمنین و متقین کے اخلاق سے محروم کردے''۔

غیر نافع علم:

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کر لیتا ہے یا پھر، اس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے کیونکہ جو علم نافع نہ ہو وہ عذاب ہی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اشدالناس عذاباً یوم القیمة عالم لم ینفعه الله بعلمه

''سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہ بخشا ہو''۔

ایک دوسری حدیث صحیح میں ہے:

لا تتعلموا العلم لتبا هوابه العلمآء ولتماروابه السفهاء ولتصر فوابه وجوه الناس الیکم فمن فعل ذلک فهو فی النار.

''علم دین کو اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ دوسرے علماء کے مقابلہ میں فخر و عزت حاصل کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو یا اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرلو اور جو ایسا کریگا وہ آگ میں ہے''۔ (ابن ماجہ من حدیث جابر باسناد صحیح کذا فی تخریج العراقی علی الاحیاء)

اہل حق کا مسلک:

اسی لئے ائمہ فقہاء اور اہل حق کا مسلک اس معاملے میں یہ تھا کہ علمی مسائل میں جھگڑا اور جدال ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے۔ دعوت حق کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس کو خطاء پر سمجھے، اس کو نرمی اور خیر خواہی کے عنوان سے دلائل کے ساتھ اس کی خطا پر متنبہ کردے پھر وہ قبول کرلے تو وہ بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے جھگڑے اور بدگوئی سے کلی احتراز کرے، حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

کان مالک یقول المراء والجدال فی العلم یذهب بنور العلم عن قلب العبد وقیل له رجل له علم بالسنة فهل یجادل عنها قال لا ولکن یخبر بالسنة فان قبل منه والا سکت. (اوجز المسالک شرح مؤطا ص۱۵ جلد۱)

''امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو کیا وہ حفاظت سنت کیلئے جدال کرسکتا ہے فرمایا نہیں، بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کردے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے''۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: ''جس شخص کو کسی غلطی پر متنبہ کرنا ہے اگر تم نے اس کو تنہائی میں نرمی کے ساتھ سمجھایا تو یہ نصیحت ہے، اور اگر علانیہ لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کیا تو یہ فضیحت ہے''

آجکل تو ایک دوسرے کے عیوب کو اخباروں، اشتہاروں کے ذریعے منظر عام پر لانے کو دین کی خدمت سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین اور اس کی

دعوت کی صحیح بصیرت اور آداب کے مطابق اس کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ

اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف

بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

پہنچائی (پہنچے) جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو

بدلہ لینے کا اصول:

یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائیں جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے۔ اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات مذکورہ کا شان نزول اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تعمیل کا حکم

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے۔ غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے مثلہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی، صحیح بخاری کی روایت اسی کے مطابق ہے دارقطنی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ: ''غزوۂ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرام میں سے ستر اکابر کی لاشیں سامنے آئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت حمزہؓ بھی تھے، چونکہ مشرکین کو ان پر بڑا غیظ تھا، اس لئے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے، پیٹ چاک کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حمزہؓ کے بدلے میں مشرکین کے ستر آدمیوں کا اسی طرح مثلہ کروں گا، جیسا انہوں نے حمزہؓ کو کیا ہے، اس واقعہ میں یہ تین آیات نازل ہوئیں: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ الخ۔ (تفسیر قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام کے ساتھ بھی ان ظالموں نے اسی طرح کا معاملہ مثلہ کرنے کا کیا تھا۔

(کما رواہ الترمذی واحمد وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہا عن ابی بن کعبؓ)

اس میں چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط غم سے بلالحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلے میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم کیا تھا جو اللہ کے نزدیک اس اصول عدل ومساوات کے مطابق نہ تھا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا میں قائم کرنا منظور تھا، اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے مگر اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے بلالحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں، دوسرے آپ کو مکارم اخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا اس لئے یہ نصیحت کی گئی کہ برابر سرابر بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (مظہری عن البغوی) فتح مکہ کے موقع پر جب یہ تمام مشرکین مغلوب ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے قبضہ میں تھے، یہ موقع تھا کہ اپنا وہ عزم وارادہ پورا کر لیتے جو غزوۂ احد کے وقت کیا تھا مگر آیات مذکورہ کے نزول کے وقت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارادے کو چھوڑ کر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے فتح مکہ کے وقت ان آیات کے مطابق صبر کا عمل اختیار کیا گیا، شاید اسی بناء پر بعض روایات میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی تھیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو، اول غزوۂ احد میں نازل ہوئیں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئیں (کما حکاہ المظہری عن ابن الحصار)

مسئلہ: اس آیت نے بدلہ لینے میں مساوات کا قانون بتایا ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جائے گا جو زخمی کر دے تو اتنا ہی زخم اس کرنے والے کو لگایا جائے گا جو کسی کا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر قتل کر ڈالے تو ولی مقتول کو حق دیا جائے گا کہ وہ بھی پہلے قاتل کا ہاتھ یا پاؤں کاٹے پھر قتل کر دے۔

البتہ اگر کسی نے پتھر مار کر کسی کو قتل کیا یا تیروں سے زخمی کر کے قتل کیا تو اس میں نوعیت قتل کی صحیح مقدار متعین نہیں کی جاسکتی کہ کتنی ضربوں سے یہ قتل واقع ہوا ہے اور مقتول کو کتنی تکلیف پہنچی ہے اس معاملہ میں حقیقی مساوات کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اس لئے اس کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا (جصاص)

مسئلہ: آیت کا نزول اگرچہ جسمانی تکالیف اور جسمانی نقصان پہنچانے کے متعلق ہوا ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں مالی نقصان پہنچانا بھی داخل ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی سے اس کا مال غصب کرے تو اس کو بھی حق حاصل ہے کہ اپنے حق کے مطابق اس سے مال چھین لے یا چوری کر کے لے لے بشرطیکہ جو مال لیا ہے وہ اپنی حق کی جنس سے ہو مثلاً نقد روپیہ لیا ہے تو اس کے بدلے میں اتنا ہی نقد روپیہ اس سے غصب یا چوری کے ذریعے لے سکتا ہے غلہ، کپڑا وغیرہ لیا ہے تو اسی طرح کا غلہ کپڑا لے سکتا ہے مگر ایک جنس کے بدلے میں دوسری جنس نہیں لے سکتا۔ مثلاً روپے کے بدلے میں کپڑا یا کوئی دوسری استعمالی چیز زبردستی نہیں لے سکتا، اور بعض فقہاء نے مطلقاً اجازت دی ہے خواہ جنس حق سے ہو یا کسی دوسری جنس سے، اس مسئلہ کی کچھ تفصیل قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ میں عام قانون مذکور تھا جس میں سب مسلمانوں کے لئے برابر کا بدلہ لینا جائز مگر صبر کرنا افضل و بہتر بتلایا گیا ہے اس کے بعد کی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی خطاب فرما کر صبر کرنے کی تلقین وترغیب دی گئی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم اور منصب بلند کے لئے دوسروں کی نسبت سے وہی زیادہ موزوں ومناسب ہے اس لئے فرمایا و اصبر وماصبر ک الاباللہ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انتقام کا ارادہ ہی نہ کریں صبر ہی کو اختیار کریں اور ساتھ ہی، یہ بھی بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہوگا یعنی صبر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسان کر دیا جائے گا۔

آخری آیت میں پھر ایک عام قاعدہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد حاصل ہونے کا یہ بتلا دیا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ.

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو دو صفتوں کے حامل ہوں ایک تقویٰ دوسرے احسان، تقویٰ کا حاصل نیک عمل کرنا اور احسان کا مفہوم اس جگہ خلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے، یعنی جو لوگ شریعت کے تابع اعمال صالحہ کے پابند ہوں اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوں، حق تعالیٰ انکے ساتھ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت (نصرت) حاصل ہو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہی بہتر ہے۔

کسی برائی کے بدلے کو عقوبت اور عقاب کہا جاتا ہے اس کو عقوبت (برابدلہ) کہنا محض لفظی مناسبت کی وجہ سے ہے جیسے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں بدی کے بدلہ کو بھی برائی کہا گیا ہے حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ برائی کی سزا حد جرم کے برابر دے سکتے ہو اس سے تجاوز نہ کرو۔ صبر کرنے سے مراد ہے انتقام نہ لینا اور بدلہ لینے سے رک جانا۔

لھو خیر یعنی انتقام سے صبر بہتر ہے ان عاقبتم فعاقبوا میں تو در پردہ عفو کی ترغیب ہے اور لئن صبرتم میں تاکید کے ساتھ صبر کرنے کی صراحت ہے۔ لِلصّٰبِرِيْنَ میں لفظ صابرین کو ذکر کرنے سے اللہ کی طرف سے فی الجملہ ان لوگوں کی تعریف ہے جو مصائب اور شدائد پر صبر کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ
اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ (خفا) مت ہو ان کے فریب سے

صبر کی اہمیت:

یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اف نہ کرے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ وہ تدبیر کرتے ہیں ان سے دل تنگ نہ ہو۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور اللہ پر اعتماد سب سے زیادہ تھا اس لئے خصوصیت کے ساتھ آپ کو اس آیت میں خطاب فرمایا۔

وَاصْبِرْ یعنی کفار کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس پر صبر کر۔

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہی آپ کا صبر ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور ان پر یعنی کافروں پر یا مؤمنوں پر اور مؤمنوں کو پہنچی ہوئی اذیت پر رنج نہ کرو۔

وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۔ یعنی کافر جو مؤمنوں کے خلاف مکاریاں کرتے ہیں آپ ان کی پروا نہ کریں ان کو کوئی اہمیت نہ دیں آپ کو ان پر فتح دینا اور ان کو سزا دینا ہمارا ذمہ ہے۔

ضیق اور ضیق (سینہ کی تنگی، گھٹن، غم) دونوں ہم معنی ہیں۔ ابوعمرو نے کہا ضیق غم، ضیق شدت ابوعبیدہ نے کہا ضیق کھانے پینے اور مسکن کی کمی، ضیق دل کی گھٹن، کبیدگی غم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ
اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیز گار ہیں اور جو
مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
نیکی کرتے ہیں

اللہ کی مدد تقویٰ کے ساتھ ہے:

یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیز گاری اور نیکی اختیار کریگا اسی قدر خدا کی امداد واعانت اس کے ساتھ ہوگی، سو ایسے لوگوں کو کفار کے مکروفریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز ضعیف کو بھی متقین ومحسنین کے ساتھ اپنے فضل ورحمت سے محشور فرمائے۔ تم سورۃ النحل بعونہ وتوفیقہ وللہ الحمد۔ (تفسیر عثمانی)

یا اتقوا سے مراد ہیں وہ لوگ جو بدلہ لینے میں زیادتی کرنے سے بچتے ہیں اور محسنون سے مراد ہیں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف کرتے ہیں۔

اللہ کی مدد کا مطلب:

اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی رفاقت، دوستی، مہربانی اور مدد ونصرت کا ساتھ ہونا یا معیت ذاتیہ مراد ہے جو بے کیف ہے اس کی کوئی کیفیت نہ سمجھی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے۔

ابن سعد وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے اسی حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیدیا اور جو ارادہ کیا تھا اس سے باز رہے اور صبر کیا۔

ابن المنذر، طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی طرح حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور بیان کی ہے اور شان نزول کے سلسلے میں ایسی ہی حدیث سورت کے آغاز میں ہم نے ابن اسحاق، ابن جریر اور عطاء کے حوالہ سے ذکر کر دی ہے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

عبداللہ بن امام احمد نے زوائد المسند میں اور نسائی اور ابن المنذر اور ابن حبان اور ضیاء اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا، احد کی جنگ میں ۶۴ انصار اور چھ مہاجر کام آئے۔ مہاجرین شہداء میں حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے ان سب کو کافروں نے مثلہ کیا تھا (یعنی سب شہیدوں کے ناک کان بھی کاٹ لئے تھے) انصار نے کہا اگر ہم کو کسی روز ایسا موقع ہاتھ لگا تو ہم بھی ان کی حالت قابل رحم بنا دیں گے (یعنی ہم بھی مثلہ کر دیں گے کہ جو لاشوں کو دیکھے گا اس کو ان کی ذلیل خستہ حالت دیکھ کر رحم آئے گا) کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو اللہ نے آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ نازل فرمادی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بدلہ نہ لیں گے صبر کریں گے چار آدمیوں کے علاوہ باقی سب سے ہاتھ روک لو، (کسی کو قتل نہ کرو)۔

ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نے آپ کے جگر کے ایک ٹکڑا چبا ڈالا تھا اور اس کو نگل گئی مگر وہ پیٹ میں رک نہ سکا اور اس نے اگل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو! اگر وہ کھالیتی تو آگ میں کبھی داخل نہ ہوتی۔ حمزہ کو اللہ نے یہ عزت عطا فرمادی ہے کہ ان کا کوئی حصہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی جو یہ حالت دیکھی تو ایسا منظر آنکھوں کے سامنے آیا کہ اس سے زیادہ دل خراش منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ فرمایا: ابوالسائب! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑے نیک کردار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے، اگر آپ کے بعد رہنے والوں کے رنجیدہ ہونے کا خیال نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی کہ آپ کو یونہی (بے گور و کفن) چھوڑ دوں تا کہ (قیامت کے دن) آپ کا حشر متعدد (درندوں اور پرندوں کی) گروہوں کے اندر سے ہو۔ خدا کی قسم! اگر اللہ نے مجھے ان پر فتح عنایت کی تو آپ کی جگہ میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور ضرور مثلہ کروں گا، اس پر اللہ نے آیات مذکورہ نازل فرمائیں، اور نزول آیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم (انتقام نہیں لیں گے بلکہ) صبر کریں گے۔ چنانچہ آپ اپنے ارادہ سے باز آگئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

نخعی، ثوری، سدی، مجاہد اور ابن سیرین کے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں ہوئی۔ جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے ظلم کے مطابق انتقام لینے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ یہی اس کی شان نزول ہے، ظالم نے جتنا ظلم کیا ہو اس سے زیادہ انتقام لینا جائز نہیں، بقدر ظلم بدلہ لیا جاسکتا ہے اور معاف کر دینا بہتر ہے۔

مسئلہ: باتفاق علماء مثلہ کرنا ناجائز ہے ابن اسحاق نے حضرت سمرہ بن جندب کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تقریر فرمانے کے لئے) جس مقام پر بھی کھڑے ہوئے جب تک اسی جگہ صدقہ (خیر خیرات زکوٰۃ) دینے کا حکم نہیں دے دیا اور مثلہ کرنے کی ممانعت نہ کر دی وہاں سے نہ ہٹے۔ مثلہ کرنے کی ممانعت بکثرت احادیث میں آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آخری تین آیات:

حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں سورۂ نحل پوری مکہ مکرمہ میں اتری ہے مگر اس کی یہ تین آخری آیتیں مدینہ منورہ میں اتری ہیں جب کہ جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور آپ کے اعضاء بدن بھی شہادت کے بعد کاٹ لئے گئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ اب جب مجھے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں پر غلبہ دے گا تو میں ان میں سے تیس شخصوں کے ہاتھ پاؤں اسی طرح کاٹوں گا۔ مسلمانوں کے کام میں جب اپنے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ پڑے تو ان کے جوش بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ واللہ! ہم ان پر غالب آکر ان کی لاشوں کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کریں گے کہ عربوں نے کبھی ایسا دیکھا ہی نہ ہو، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ (سیرت ابن اسحاق)۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اس میں ایک راوی ایسا ہے جن کا نام ہی نہیں لیا گیا مبہم چھوڑا گیا ہے۔ ہاں دوسری سند سے یہ متصل بھی مروی ہے۔ بزار میں ہے کہ جب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاس آن کر کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ آہ! اس سے زیادہ دل دکھانے والا منظر اور کیا ہوگا کہ محترم چچا کی لاش کے ٹکڑے آنکھوں کے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ

کی رحمت ہو۔ جہاں تک میرا علم ہے میں جانتا ہوں کہ آپ رشتے ناتے کے جوڑنے والے نیکیوں کو لپک کر کرنے والے تھے۔ واللہ دوسرے لوگوں کے دردوغم کا خیال نہ ہوتا تو میں تو آپ کے اس جسم کو یونہی چھوڑ دیتا یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ درندوں کے پیٹوں میں سے نکالتا یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ فرمایا۔ جب ان مشرکوں نے یہ حرکت کی ہے تو واللہ میں بھی ان میں کے ستر شخصوں کی یہی درگت بناؤں گا۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور یہ آیتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قسم کے پورا کرنے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ لیکن سند اس کی بھی کمزور ہے اس کے راوی صالح بن بشیر مری ہیں جو ائمہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے جذبات کی اصلاح:

شعبیؒ اور ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان سے نکلا تھا کہ ان لوگوں نے جو ہمارے شہیدوں کی بے حرمتی کی ہے اور ان کے اعضاء بدن کاٹ دیئے ہیں واللہ ہم بھی ان سے اس کا بدلہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیتیں اتاریں۔ مسند احمد میں ہے کہ جنگ احد میں ساٹھ انصاری شہید ہوئے اور چھ مہاجر، رضی اللہ عنہم۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا کہ جب ہم ان مشرکوں پر غلبہ پائیں گے تو ہم بھی ان کے ٹکڑے کئے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ والے دن ایک شخص نے کہا کہ آج کے دن قریش پہچانے بھی نہ جائیں گے۔ اسی وقت ندا ہوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو پناہ دیتے ہیں۔ بجز فلاں فلاں کے، جن کے نام لے دیئے گئے ہیں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت محمد ابن حاطبؒ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو باایمان پرہیزگار اور نیک کار ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

سورة بني اسرائيل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس پر بادشاہ ظلم کرے گا اور یہ تعبیر بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ایک قوم کے مکر سے محفوظ رہے گا اور وہ ایک فتنہ سے ڈرتا رہے گا حالانکہ وہ اس سے بری ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سورہ بنی اسرائیل مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
سُبۡحٰنَ
پاک ذات ہے

پاک ذات:

یعنی اس کی ذات نقص وقصور اور ہر قسم کے ضعف وعجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اسے بے حد مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت ومشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورة کی فضیلت:

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف اور سورہ مریم سب سے پہلی سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے کبھی تو اس طرح پے در پے لگاتار رکھتے چلے جاتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ پورا مہینہ روزوں ہی میں گزار دیں گے اور کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتے کہ شاید آپ اس مہینے میں روزے رکھیں گے ہی نہیں، اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة کے مضامین:

اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء اور معراج کا بیان ہے اس لئے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی

اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ سن کر ہوشیار ہوجائیں اور اپنا انجام سوچ لیں اہل مکہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور محلات کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

واقعۂ معراج کا فلسفہ:

اس سورت کا آغاز واقعہ معراج کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سالہ ہوشربا مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا۔ گویا مسلسل دس سال کے صبر کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت وکرامت ورفعت و بلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ پست افتد بر دستش کنند   خوشہ چوں بر کشد پستش کنند

حق جل شانہٗ نے آپ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آیت کبریٰ کا مشاہدہ کرایا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اور صبر جمیل پر جس معیت سراپا خیر و برکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کردیا اور اپنے قرب خاص سے آپ کو نوازا کما قال تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اور اس خارق عادت واقعہ کو آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنایا اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں اہل مکہ کو متنبہ کردیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب واحباب کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی القبلتین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اس وعدہ معیت کا اظہار ہے جس کا ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

عجیب کرشمہ:

اور چونکہ ایک رات میں عروج ونزول اور یہ سیر سمٰوات خداوند کریم کی قدرت ومرحمت کا عجیب کرشمہ تھا اس لئے اس کو تسبیح اور تنزیہ سے شروع کیا گیا تاکہ کوئی ملحد اور زندیق اس سیر سمٰوت کو قدرت خداوندی سے خارج نہ سمجھے۔

اسراء ومعراج:

علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتھیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ پر لفظ اسراء یا لفظ معراج کا بھی اطلاق کردیا جاتا ہے۔

مقصودِ معراج:

اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو اپنے عجائب قدرت دکھلائے۔ اگرچہ یہ عالم بھی عجیب ہے مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم وگمان سے بالا اور برتر ہیں۔ سدرۃ المنتھی کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورہ نجم کی آیات سے ظاہر ہے لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔

واقعۂ معراج کا انکار کفر ہے:

صحابہ اور تابعین اور علماء ربانیین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پرنور کو یہ معراج بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث کثیرہ وصحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے کہ جن کا نہ انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے اس درجہ کثیر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچی ہیں جن کا انکار نا ممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نہیں۔ متواترات کا انکار کفر ہے اور نصوص محکمات میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل اسلام کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ بیداری کی حالت میں بجسدہٖ العنصری آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ سلف اور خلف اور جمہور فقہاء ومحدثین ومتکلمین اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سب کا یہی قول ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا۔ نیز سورہ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیات کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیات کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔ نیز اگر واقعہ اسراء ومعراج کوئی خواب ہوتا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جاکر واپس آسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق:

نیز مستدرک حاکم میں اسناد صحیح اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جاکر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہوگئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے جاکر کہا کہ تمہیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے۔ آپ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ابوبکرؓ نے کہا۔ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے۔

ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دور ہیں اور بعید از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے انکا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر وتفسیر درمنثور وخصائص کبریٰ)

لہٰذا اب جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے۔

حدیثِ اُمّ ہانیؓ:

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء و معراج کے لئے لینے آئے تو آپ اس وقت ام ہانیؓ کے گھر میں تھے فرشتے آپ کو ام ہانی کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے معجم طبرانی میں امِ ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قالت بات رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة اسریٰ بی فی بیتی ففقد من اللیل فامتنع مبنی النوم مخافة ان یکون عرض لهٗ بعض قریش. فقال رسول اللّٰه علیه وسلم ان جبریل اتانی فاخذ بیدی فاخرجنی الیٰ آخرِ الحدیث۔

شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے درمیان شب کے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ گھر میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہیں مبادا قریش میں سے آپ کا کوئی دشمن آپ کے پیچھے نہ لگ گیا ہو۔ جب صبح ہوئی اور آپ گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی تو آپ نے مجھ سے اسراء اور معراج کا واقعہ بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔ (دیکھو خصائص کبریٰ وتفسیر درمنثور)

ام ہانیؓ کی اسی حدیث میں ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کر دوں۔ ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ حملہ نہ کر بیٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔ پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن عساکر نے حدیث معراج کو عبداللہ بن عمر اور ام سلمہ اور عائشہ صدیقہ اور ام ہانی اور عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اور اس طویل حدیث میں اور مفصل حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔

ففقد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تلک اللیلة فتفرقت بنو عبدالمطلب یطلبونهٗ و یلتمسونهٗ و خرج العباسؓ حتیٰ بلغ ذا طویٰ فجعل یصرخ یا محمد یا محمد فاجابهٗ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لبیک لبیک فقال ابن اخی اعییت قومک منذ اللیلة فاین کنت قال اتیت من بیت المقدس. قال فی لیلتک قال نعم قال اصابک خیر قال ما اصابنی اِلّا خیر. (تفسیر درمنثور)

یعنی اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے گم اور غائب ہوئے اور یہ معلوم ہو سکا کہ رات کے وقت آپ کہاں چلے گئے اس لئے بنی المطلب آپ کی تلاش میں نکلے اور حضرت عباسؓ بھی آپ کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ جب وادی طویٰ میں پہنچے تو حضرت عباس زور زور سے یا محمد یا محمد کہہ کر آواز دینے لگے اسی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب میں آواز آئی لبیک لبیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ حضرت عباس نے کہا اے بھتیجے تم نے اس رات گھر والوں کو پریشان کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھکا دیا۔ آپ نے فرمایا میں بیت المقدس سے واپس آیا ہوں۔ کہا اسی رات میں۔ آپ نے کہا۔ ہاں، پوچھا خیر تو ہے آپ نے فرمایا ہاں خیر ہے۔ (تفسیر درمنثور)

شب رخ تافتہ زین دار فانی	بخلوت درسرائے ام ہانی
رسیدش جبریل از بیت معمور	براق برق سیر آورد از دور
قوی پشت وگراں سیر وسبک خیز	براندن دور بین وقت شدن تیز

صدیق اکبرؓ کا بیان:

اور بیہقی اور طبرانی اور بزار کی روایت میں ہے کہ صبح کے وقت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا طلبتک یا رسول اللّٰه البارحته فی مکانک. یا رسول اللہ میں نے گزشتہ شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مکان میں نہ پایا۔ (کذا فی شرح الشفا للعلامۃ القاری)

معراج جسمانی احادیث متواترہ سے ثابت ہے:

بے شمار روایتوں میں بتواتر یہ امر منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر جسم ہی سوار ہوتا ہے نہ کہ روح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح آیات قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ تابعین کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے لہٰذا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

یہ کہ معراج جسمانی بحالت بیداری، دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا انکار بھی کفر ہے۔

مرزائے قادیان کی خرافات:

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اتارا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور علیٰ ھٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماعِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانیین کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے۔

مرزائے قادیان کو ڈر یہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جائے گا اور پھر جب انکا رفع الی السماء ثابت ہو جائے گا تو ان کا نزول من السماء یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہو جائے گا کیوں کہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اسلئے مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً و نقلاً محال ہے کوئی زندہ شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مکہ سے باہر نہیں گئے۔ بستر پر ہی لیٹے لیٹے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا چنانچہ مرزا ازالۃ الاوہام ص ۴۷ میں لکھتا ہے کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے انتہیٰ۔ ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بنایا اور ثالثاً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا تو قادیان کے اس دہقان کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہو چکا ہے۔

مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے بیت المقدس اور آسمانوں اور سدرۃ المنتھیٰ کشف سے دیکھ رہے تھے یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی ہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں مرزا ازالۃ الاوہام کے صفحہ نمبر ۴۸ میں لکھتا ہے کہ:

''سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے'' سبحان اللہ مسیلمہ قادیان کی اس جسارت اور وقاحت کو تو دیکھئے کہ اپنے لئے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے۔

تسلی: حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے جیسے رات اور دن کسی کے گھبرانے سے اور دعا سے رات کم نہیں ہو جاتی اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں۔ انتہی کلامہ۔

رات دن گردش میں ہیں ہفتِ آسمان — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
مسجد اقصیٰ تک ☆

سفر کی غرض:

یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی۔ آگے لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا ''بیت المقدس'' سے آگے کہیں اور لیجا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورہ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ''سدرۃ المنتھی'' تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا'' وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی '' (النجم۔ رکوع ۱) علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو ''اسراء'' اور وہاں سے اوپر ''سدرۃ المنتھی'' تک کی سیاحت کو ''معراج'' کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ ''اسراء'' یا ''معراج'' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

واقعۂ معراج کی اہمیت:

معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پر نور کو حالت بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ

میں آگے چل کر جو لفظ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ الخ آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض حکماء وصوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاِسْرَاءِ بِالرُّوْحِ الذَّهَابَ يَقْظَةً كَالْانْسِلَاخِ الَّذِىْ ذَهَبَ اِلَيْهِ الصُّوْفِيَةُ وَالْحُكَمَاءُ فَاِنَّهُ وَاِنْ كَانَ خَارِقاً لِّلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِّلتَّعَجُّبِ اَيْضًا اِلَّا اَنَّهُ اَمْرٌ لَا تَعرِفُهُ العربُ وَلَمْ يَذْهَبْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ" اھ

بیشک ابن قیم نے زادالمعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی محض ظن وتخمین سے کام لیا ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کئے ہیں ان میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

یہ واقعہ محض کوئی روحانی سیر نہ تھی:

بہرحال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز ودرخشاں عنوان سے واقعہ اسرا کو ذکر فرمایا اور جس قدر جدّ ومستعدی سے مخالفین اس کے انکار وتکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے یہ اسکی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب وغریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر وانکشافات کے رنگ میں آپ کے جو عادی ابتدائے بعثت سے رہے ہیں۔ دعوائے اسراء کفار کے لئے کچھ ان سے بڑھ کر تعجب خیز وحیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب وتردید اور استہزاو تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آو، آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپکو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر ومشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں "ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ يا ثُمَّ اَتَيْتُ مَكَّةَ" (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے۔ اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا حضور کہاں تشریف لے گئے تھے"؟ ہمارے نزدیک "اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا"۔ اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص۔ "فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لیکر مصر سے نکل جاؤ" یا سورہ "کہف" میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جانا اور انکے ہمراہ سفر کرنا جس کیلئے کئی جگہ فَانْطَلَقَا کا لفظ آیا ہے۔

اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رویا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں۔ "رُءْ يَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم" مفسرین نے کلام عرب سے اسکے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رویا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رویت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا اگر اس سے مراد یہ ہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا۔ تا کہ ظواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔ ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا۔ اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہوسکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اواخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح وبسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج واسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

بعض شبہات اور اُن کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین وآسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرۂ نار وزمہریر میں سے کیسے گذرے ہونگے۔ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اسکی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگونی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہوسکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی۔ یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کرسکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کہربائیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنیٰ ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت

برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں؟ ڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلاواسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعت سیر وسفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلعم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت وآسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی راحت وتکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہوسکیں۔

نکتہ: شاید اسی لئے واقعۂ "اسرا" کا بیان لفظ "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ" سے شروع فرمایا، تاکہ جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم وتخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

(تفسیر عثمانی)

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حرمت والی مسجد (یعنی کعبہ) سے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی وساطت سے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں مسجد حرام کے اندر نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا (نہ سو رہا تھا نہ جاگ رہا تھا) کہ جبرائیلؑ میرے پاس براق لے کر آئے۔ دوسری روایت میں ہے میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ (یعنی نیند کی حالت میں تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا سورۃ النجم کی تفسیر میں ہم نے اس کی تفصیل کردی ہے۔

سفر کا آغاز کہاں سے ہوا:

بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے وہیں سے معراج ہوئی تھی اس روایت پر مسجد حرام سے مراد (کعبہ یا حطیم نہ ہوگا بلکہ) حرم ہوگا۔ حرم کو مسجد حرام اس لیے فرمایا کہ سارا حرم مسجد ہے یا یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام حرم میں واقع ہے حرم مسجد حرام کو محیط ہے۔ معراج کو جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں ہونا حضرت انسؓ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ جو صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابوذرؓ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ میں تھا کہ (کعبہ کی چھت میں) میرے لیے شگاف کردیا گیا یہ حدیث بھی ہم نے سورۂ والنجم کی تفسیر میں ذکر کردی ہے۔

ابو یعلی نے مسند اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اس رات کو آپ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے اور اسی رات میں (فوراً) آپ واپس آگئے تھے اور امّ ہانی سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی تھی، اور فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو مُشَکّل (یعنی مجسم) کر کے میرے سامنے لایا گیا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی پھر (صبح کو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور قریش کو اطلاع دی۔ لوگوں نے ناممکن سمجھ کر تعجب کیا اور بعض مسلمان بھی مرتد ہوگئے۔ کچھ لوگ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، اگر انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا اس کی ایسی باتوں کو بھی آپ سچ جانتے ہیں۔ فرمایا میں تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتوں کی ان کے متعلق تصدیق کرتا ہوں (جبرئیلؑ کا آنا اور اللہ کی طرف سے قرآن لانا اور وقتاً فوقتاً نازل ہو کر وحی لانا تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتیں ہیں اور میں ان تمام باتوں میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ایمان لایا ہوں) حضرت ابوبکرؓ کو اسی تصدیق کی وجہ سے صدیق کا لقب مل گیا کچھ لوگ بیت المقدس جاچکے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے متعلق دریافت کیا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے پردے ہٹادیئے گئے اور آپ بیت المقدس کو سامنے دیکھ کر حالات بیان کرنے لگے، لوگوں نے کہا، کیفیت تو آپ نے ٹھیک بیان کی اب آپ ہمارے قافلہ کے متعلق بتایئے (کہ وہ کہاں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کی تعداد اور اونٹوں پر جو مال تھا اس کی کیفیت بتادی اور فرمایا فلاں دن طلوع آفتاب کے وقت قافلہ آپہنچے گا اور آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا، لوگ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے درّے میں پہنچے قافلہ آتا ہوا مل گیا اور ویسا ہی ملا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پھر بھی ایمان نہ لائے اور بولے "یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے"۔

میں کہتا ہوں معراج کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ایک بار حطیم سے اور دوسری بار حضرت ام ہانی کے مکان سے۔ دونوں حدیثیں اپنی جگہ صحیح ہیں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے کہا شب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی لوگ کہتے ہیں ایک بار رجب کے مہینے میں شب معراج ہوئی اور دوسری بار ماہ رمضان میں۔

مسجد اقصیٰ:

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک اقصیٰ (انتہائی، آخری۔ پرے کے کنارے کی) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کوئی اور مسجد نہ تھی اور اس زمانے میں بیت المقدس سے پرے بھی کوئی مسجد نہ

تھی۔ رات میں مسجدِ اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا، مسجد اقصیٰ بہت دور تھی ان کی نظر میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے رات ہی میں واپس آ جانا ناممکن تھا۔

ایک آن میں یہ سفر ناممکن نہیں:

بیضاوی نے لکھا ہے بیت المقدس تک آن کی آن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچ جانا ناممکن تھا۔ آفتاب کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت زمین کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت سے کچھ اوپر ایک سو ساٹھ گنا زائد ہے اور ایک سیکنڈ میں آفتاب کا نچلا کنارہ بالائی کنارے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور یہ امر علم کلام میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام اجسام میں اعراض کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک جیسی ہے پھر کیا محال ہے کہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن یا بدنی قوتوں میں آفتاب جیسی یا اس سے بھی زیادہ تیز حرکت پیدا کر دی ہو، جب سرعت حرکت ممکن بلکہ بعض اجسام میں واقع ہے تو اللہ کے لیے ناممکن نہیں کہ جو کچھ اور جیسا کچھ چاہے پیدا کر دے۔ رہا تعجب تو وہ معجزات پر ہوا ہی کرتا ہے وہ معجزہ ہی کیا جس پر تعجب نہ ہو۔

واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ ہانیؓ کو بتلایا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر اس کا اظہار کیا تو کفار مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اڑایا یہاں تک کہ بعض نومسلم اس خبر کو سنکر مرتد ہو گئے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ آپ کو اس سے پہلے اور بعد میں کوئی معراج روحانی بصورتِ خواب بھی ہوئی۔

واقعۂ معراج کے راوی:

اور امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایات کو پوری جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کیا ہے پھر پچیس صحابہ کرام کے اسماء ذکر کئے ہیں جن سے یہ روایات منقول ہیں ان کے اسماء یہ ہیں۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب، علی مرتضیٰؓ، ابن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہؓ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوسؓ، ابی بن کعبؓ، عبدالرحمٰن بن قرظ، ابحیہ، ابو لیلےٰ، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، حذیفہ بن یمان، بریدہ، ابوایوب انصاریؓ، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابی الحمراء، صہیب الرومیؓ، ام ہانی، عائشہ ام المومنین، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے بعد ابن کثیر نے فرمایا۔

فحديث الاسراء اجمع عليه المسلمون واعرض عنه الزنادقة والملحدون. (ابن کثیر)

واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے صرف ملحد و زندیق لوگوں نے اس کو نہیں مانا۔

مختصر واقعہ معراج ابن کثیر کی روایت سے:

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیث متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا۔ جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو براق کو دروازہ کے قریب باندھ دیا اور آپ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس میں نیچے سے اوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے اس زینہ کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا آجکل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دنیا میں رائج ہیں ایسے زینے بھی ہیں جو خود حرکت میں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں اس معجزانہ زینہ کے متعلق کسی شک و شبہ میں پڑنے کا کوئی مقام نہیں) ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے۔ مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں قلم تقدیر کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ جل شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جس کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا۔

جبریلؑ کی اصل شکل اور رفرف:

اسی جگہ حضرت جبرئیل امین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے افق کو گھیرا ہوا تھا۔ رفرف مسند سبز، ہرے رنگ کی پالکی اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جسکے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنکی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی امت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی امامت:

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ کے ساتھ اترے (گویا) آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہوجانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء سے جبرئیل امین نے آپکا تعارف کرایا۔ اگر واقعہ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے پھر جب اس اصل کام سے فراغت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ مشایعت رخصت، کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبرئیل امین کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

واقعہ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمرو واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامۂ مبارک دیکر حضرت دحیہ ابن خلیفہ کو بھیجا اس کے بعد حضرت وحیہؓ کے خط پہنچانے اور شاہ روم تک پہنچنے اور اس کے صاحب عقل و فراست ہونے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا۔ (جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے جس کے آخر میں ہے کہ شاہِ روم ہرقل نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق کرنے کیلئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جنکی تفصیل صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے، ابو سفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور میں بادشاہ کی نظر سے گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں۔ البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا۔ تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کرلیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ مدعی نبوت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں صبح سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں۔ اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کردیئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے عملہ کے لوگوں کو بلایا انہوں نے ملکر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہوسکا دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہو کر کاریگروں اور نجاروں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں کے اوپر دروازہ کی عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا جائے۔ میں مجبور ہو کر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھ دیا گیا ہے اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں۔ (ابن کثیر ص۲۴ ج۳)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائل عرب میں پھیل چکا تھا ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ:

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''مسجد حرام'' پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسی تو آپ نے فرمایا ''مسجد اقصےٰ'' میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ چالیس سال پھر فرمایا کہ مسجدوں کی ترتیب تو یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زمین کو مسجد بنادیا ہے جس جگہ نماز کا وقت آجائے وہیں نماز ادا کرلیا کرو۔ (رواہ مسلم)

امام تفسیر مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا ہے اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہنچی ہوئی ہیں اور مسجد اقصےٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے۔

(رواہ النسائی باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرؓ تفسیر قرطبی ص ۱۳۷ ج ۴)

مسجد اقصےٰ اور ملک شام کی برکات:

آیت میں بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ میں حول سے مراد پوری زمین شام ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں سے فلسطین کی زمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے۔ (روح المعانی)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا (قرطبی) اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھریگا مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی۔

پہلا واقعہ: حضرت سلیمان علیہ السلام بانی مسجد اقصیٰ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد پیش آیا کہ بیت المقدس کے حاکم نے بے دینی اور بدعملی اختیار کرلی تو مصر کا ایک بادشاہ اس پر چڑھ آیا اور بیت المقدس کا سامان سونے چاندی کا لوٹ کرلے گیا مگر شہر اور مسجد کو منہدم نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ: اس سے تقریباً چار سو سال بعد کا ہے کہ بیت المقدس میں بسنے والے بعض یہودیوں نے بت پرستی شروع کردی اور باقیوں میں نااتفاقی اور باہمی جھگڑے ہونے لگے اس کی نحوست سے پھر مصر کے کسی بادشاہ نے ان پر چڑھائی کردی اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا پھر انکی حالت کچھ سنبھل گئی۔

تیسرا واقعہ: اس کے چند سال بعد جب بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس پر چڑھائی کردی اور شہر کو فتح کرکے بہت سا مال لوٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کرلے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنے قائمقام کی حیثیت سے اس شہر کا حاکم بنادیا۔

چوتھا واقعہ: اس نئے بادشاہ نے جو بت پرست اور بدعمل تھا بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ چڑھ آیا اور کشت وخون اور قتل وغارت کی کوئی حد نہ رہی شہر میں آگ لگا کر میدان کردیا یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چار سو پندرہ سال کے بعد پیش آیا اس کے بعد یہودی یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے جہاں نہایت ذلت وخواری سے رہتے ہوئے ستر سال گذر گئے اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کرکے بابل فتح کرلیا۔ پھر شاہ ایران کو ان جلاوطن یہودیوں پر رحم آیا اور ان کو واپس ملک شام میں پہنچادیا اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کردیا۔ اب یہود اپنے اعمال بد اور معاصی سے تائب ہوچکے تھے۔ یہاں نئے سرے سے آباد ہوئے تو شاہ ایران کے تعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنادیا۔

پانچواں واقعہ:

یہ پیش آیا کہ جب یہود کو یہاں اطمینان اور آسودگی دوبارہ حاصل ہوگئی تو اپنے ماضی کو بھول گئے اور پھر بدکاری اور بداعمالی میں منہمک ہوگئے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جس بادشاہ نے انطاکیہ آباد کیا تھا اس نے چڑھائی کردی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بہت بے حرمتی کی مگر عمارت مسجد کی بچ گئی مگر پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کردیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہوگئی انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چھٹا واقعہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور رفع جسمانی کے چالیس برس بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے اپنے حکمران سلاطین روم سے بغاوت اختیار کرلی رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کو تباہ کرکے وہی حالت بنادی جو پہلے تھی اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطش تھا جو نہ یہودی تھا نہ نصرانی کیونکہ اس کے بہت روز کے بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا ہے اور اس کے بعد سے حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ یہ چھ واقعات تفسیر بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر حقانی لکھے گئے ہیں۔

ممتاز عظمت والا گھر:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لئے سونے چاندی اور جواہرات یاقوت وزمرد سے بنایا تھا اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کردیا۔ جنات نے یہ تمام جواہرات اور سونے چاندی جمع کرکے ان سے مسجد بنائی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

مسجد اقصیٰ کا وہ منبر جو ۱۰۶۹ء میں تباہ کردیا گیا

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے خوبصورت مناظر

تذکرہ بنی اسرائیل

دودھ کو پسند کرنا:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس براق لایا گیا جو گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچے۔ میں اس پر سوار ہوا وہ مجھے لے چلا میں بیت المقدس پہنچا اور اسی کنڈے میں اُسے باندھ دیا جہاں انبیاء باندھا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جب وہاں سے نکلا تو حضرت جبرئیل میرے پاس ایک برتن میں شراب لائے اور ایک میں دودھ لائے۔ میں نے دودھ کو پسند کرلیا۔ جبرئیل نے فرمایا تم فطرت تک پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰؑ کی نماز:

ابوداؤد میں ہے کہ معراج والی رات جب میں حضرت موسیٰؑ کی قبر سے گزرا تو میں نے انھیں وہاں نماز میں کھڑا پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے نشانات پوچھے۔ جو آپ نے بتانے شروع کئے ہی تھے کہ حضرت صدیقؓ کہنے لگے آپ بجا ارشاد فرمارہے ہیں اور سچے ہیں۔ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے دیکھ رکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مجھے میرے رب عزوجل کی طرف چڑھایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں نوچ اور چھیل رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت آبرو کے درپے رہتے تھے۔

اہم مقامات میں نماز:

اور روایت میں ہے کہ جب میں براق پر حضرت جبرئیلؑ کی معیت میں چلا تو ایک جگہ انہوں نے مجھ سے فرمایا یہیں اتر کر نماز ادا کیجیے جب میں نماز پڑھ چکا تو فرمایا جانتے ہو یہ کونسی جگہ ہے؟ یہ طیبہ یعنی مدینہ ہے یہی ہجرت گاہ ہے۔ پھر ایک اور جگہ مجھ سے نماز پڑھوائی اور فرمایا یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا پھر ایک اور جگہ نماز پڑھوا کر فرمایا یہ بیت لحم ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا وہاں تمام انبیاءؑ جمع ہوئے جبرئیلؑ نے مجھے امام بنایا۔ میں نے ان کی امامت کی۔ پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھالے گئے۔ پھر آپ کا ایک ایک آسمان پر پہنچنا وہاں پیغمبروں سے ملنا مذکور ہے۔

حوروں سے ملاقات:

ابن ابی حاتم میں بھی معراج کے واقعہ کی مطول حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی مسجد کے پاس اس دروازے پر پہنچے جسے باب محمد کہا جاتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں ایک پتھر تھا جسے حضرت جبرئیلؑ نے اپنی انگلی لگائی تو اس میں سوراخ ہوگیا۔ وہیں آپ نے براق کو باندھا اور مسجد پر چڑھ گئے۔ بیچوں بیچ پہنچ جانے کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے کہا آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی ہے کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا آیئے وہ یہ ہیں سلام کیجئے وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئیں تھیں میں نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا۔ سب نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم سب کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیک سیرت خوبصورت حوریں، ہم بیویاں ہیں خدا کے ان پرہیزگار بندوں کی جو نیک کار ہیں، جو گناہوں کے میل کچیل سے دور ہیں جو پاک کر کے ہمارے پاس لائے جائیں گے پھر نہ نکالے جائیں گے ہمارے پاس ہی رہیں گے کبھی جُدا نہ ہوں گے ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔

انبیاء کی امامت:

میں ان کے پاس سے چلا آیا وہیں لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے اور ذرا ہی دیر میں بہت سے آدمی جمع ہوگئے۔ مؤذن نے اذان کہی تکبیر ہوئی اور ہم سب کھڑے ہوگئے۔ منتظر تھے کہ امامت کون کرے گا کہ جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی جب فارغ ہوا تو جبرئیلؑ نے کہا جانتے بھی ہو کن کو آپ نے نماز پڑھائی؟ میں نے کہا نہیں۔

آسمان پر استقبال:

فرمایا آپ کے پیچھے آپ کے یہ سب مقتدی خدا کے پیغمبر تھے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ مبعوث فرما چکا ہے۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر آسمان کی طرف چلے۔ آپ فرماتے ہیں پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر نیچے اترے میں نے ان سے پوچھا کہ جس آسمان پر میں پہنچا وہاں کے فرشتوں نے خوشی ظاہر کی ہنس ہنس کر مسکراتے ہوئے مجھ سے ملے بجز ایک فرشتہ کے کہ اس نے مرے سلام کا جواب تو دیا مجھے مرحبا بھی کہا لیکن مسکرائے نہیں، یہ کون ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا وہ مالک ہیں، جہنم کے داروغہ ہیں اپنے پیدا ہونے سے لے کر آج تک وہ ہنسے ہی نہیں اور قیامت تک ہنسیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کی خوشی کا یہی ایک بڑا موقعہ تھا۔

قریشیوں کا ایک قافلہ:

واپسی میں قریشیوں کے ایک قافلہ کو دیکھا جو غلہ لادے جارہا تھا۔ اس میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک سفید اور ایک سیاہ بورا تھا جب آپ اس کے قریب سے گزرے تو وہ چمک گیا اور مُڑ گیا گر پڑا اور لنگڑا ہوگیا آپ اسی طرح اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا:

مسند احمد میں ہے عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ اگر میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو کم از کم ایک بات تو ضرور پوچھ لیتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ کہا یہی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذرؓ نے فرمایا یہ تو میں نے آپ سے پوچھا تھا آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ وہ نور ہے میں اسے کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا۔

بیت المقدس کی نشانیاں:

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب میں نے معراج کے واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا میں اس وقت حطیم میں کھڑا ہوا تھا اللہ نے بیت المقدس میری نگاہوں کے سامنے لا دیا اور اسے بالکل ظاہر کر دیا۔ اب جو نشانیاں وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں دیکھتا جاتا تھا اور بتلاتا جاتا تھا۔ بیہقی میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ اپنے معراج کی کیفیت تو بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں نے اپنے اصحاب کو مکہ میں عشاء کی نماز دیر سے پڑھائی، پھر جبرئیلؑ میرے پاس سفید رنگ کا ایک جانور لائے گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا اور مجھ سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جائیے۔ اس نے کچھ سختی کی تو آپ نے اس کا کان مروڑا اور مجھے اس پر سوار کرادیا۔ اس میں مدینہ میں نماز پڑھنے کا پھر مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت موسیٰ ٹھہرے تھے۔ پھر بیت لحم میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ تولد ہوئے تھے۔ پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا۔ وہاں سخت پیاس لگنے کا اور دودھ اور شہد کے برتن آنے کا اور پیٹ بھر کر دودھ پینے کا ذکر ہے فرماتے ہیں وہیں ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے تھے جنہوں نے کہا یہ فطرت تک پہنچ گئے اور راہ یافتہ ہوئے۔ پھر ہم ایک وادی پر آئے جہاں جہنم کو میں نے دیکھا جو سخت دہکتے ہوئے انگارے کی طرح تھی پھر لوٹتے ہوئے فلاں جگہ قریش کا قافلہ ہمیں ملا جو اپنے کسی گم شدہ اونٹ کی تلاش میں تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا بعض لوگوں نے میری آواز بھی پہچان لی اور آپس میں کہنے لگے یہ آواز تو بالکل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر صبح سے پہلے میں اپنے اصحاب کے پاس مکہ شریف پہنچ گیا۔ میرے پاس ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رات میں کہاں تھے؟ جہاں جہاں خیال پہنچا میں نے سب جگہ تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے۔ میں نے کہا میں تو رات بیت المقدس ہو آیا کہا وہ تو یہاں سے مہینہ بھر کے فاصلہ پر ہے۔ اچھا وہاں کے کچھ نشانات بیان فرمائیے۔ اسی وقت وہ میرے سامنے کر دیا گیا گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں، اب جو بھی مجھ سے سوال ہوتا میں دیکھ کر جواب دیدیتا۔ پس ابوبکرؓ نے کہا کہ میری گواہی ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں لیکن کفار قریش باتیں بنانے لگے کہ ابن ابی کبشہ کو دیکھو کہتا پھرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس ہو آیا۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں ایک نشان بتلاؤں۔ تمہارے قافلے کو میں نے فلاں مقام پر دیکھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے فلاں شخص لے آیا۔ اب وہ اتنے فاصلے پر ہیں ایک منزل ان کی فلاں جگہ ہوگی دوسری فلاں جگہ اور وہ فلاں دن یہاں پہنچیں گے ان کے قافلے میں سب سے پہلے گندمی رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ جھول پڑی ہوئی ہے اور دو سیاہ بوریاں اسباب کی دونوں طرف لدی ہوئی ہیں۔ جب وہ دن آیا جو دن اس قافلے کی واپس پہنچنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، دوپہر کو لوگ دوڑے بھاگے شہر کے باہر گئے کہ دیکھیں یہ سب باتیں سچ ہیں؟ تو دیکھا کہ قافلہ آ رہا ہے اور واقعی وہی اونٹ آگے ہے۔

جنت میں حضرت بلال کی آہٹ:

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب آپ معراج والی رات جنت میں تشریف لے گئے تو ایک طرف سے پیروں کی چاپ کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا جبرئیل! یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت بلال مؤذن ہیں۔ آپ نے واپس آ کر فرمایا بلال تو نجات پا چکے، میں نے اس اس طرح دیکھا۔

حضرت موسیٰؑ کا حلیہ:

اس میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بوقت ملاقات فرمایا نبی امی کو مرحبا ہو۔ حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے لانبے قد کے کانوں تک یا کانوں سے قدرے اونچے بال والے تھے۔

بخاری ومسلم کی ایک روایت میں آپ کا حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کے حلیے وغیرہ بھی بیان کرنا مروی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں حطیم میں آپ سے بیت المقدس کے سوالات کئے جانے اور پھر اس کے ظاہر ہو جانے کا واقعہ بھی ہے اس میں بھی ان تینوں نبیوں سے ملاقات کرنے کا اور ان کے حلیے کا بیان ہے اور یہ بھی کہ آپ نے انہیں نماز میں کھڑا پایا۔ آپ نے مالک خازنِ جہنم کو بھی دیکھا اور انہوں نے ہی ابتداءً آپ سے سلام کیا بیہقی وغیرہ میں کئی ایک صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے مکان پر سوئے ہوئے تھے۔ آپ عشا کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے وہیں سے آپ کو معراج ہوئی۔

بعض لوگوں کا مرتد ہونا:

اب حضرت عائشہؓ کی روایت سنیے۔ بیہقی میں ہے کہ جب صبح کے وقت

لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ذکر کیا تو بہت سے لوگ مرتد ہوگئے جو اس سے پہلے باایمان اور تصدیق کرنے والے تھے۔ پھر حضرت صدیقؓ کے پاس ان کا جانا اور آپ کا سچا ماننا اور صدیق لقب پانا مروی ہے۔

حضرت ام ہانیؓ کا بیان:

طبرانی میں حضرت ام ہانیؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میرے ہاں سوئے ہوئے تھے۔ میں نے رات کو آپ کی ہر چند تلاش کی لیکن نہ پایا۔ ڈر تھا کہ کہیں قریشیوں نے کوئی دھوکا نہ کیا ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے لے چلے دروازے پر ایک جانور تھا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا مجھے اس پر سوار کیا۔ پھر مجھے بیت المقدس پہنچایا۔ حضرت ابراہیمؑ کو دکھایا وہ اخلاق میں اور صورت شکل میں بالکل میرے مشابہ تھے۔ حضرت موسیٰ کو دکھلایا لانبے قد کے سیدھے بالوں کے ایسے تھے جیسے ازدشنو کے قبیلے کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دکھایا، درمیانہ قد سفید سرخی مائل رنگ بالکل ایسے جیسے عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔ دجال کو دکھایا۔ ایک آنکھ اس کی بالکل مٹی ہوئی تھی۔ ایسا تھا جیسے قطن ابن عبدالعزیٰ۔ اتنے ارشاد کے بعد فرمایا کہ اچھا میں جاتا ہوں اور جو دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا پلہ تھام لیا اور عرض کیا کہ للہ آپ اپنی قوم میں اس کو بیان نہ کریں وہ آپ کو جھٹلائیں گے آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر بس چلا تو آپ کی بے ادبی کریں گے۔ لیکن آپ نے جھٹکا مار کر اپنا دامن میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور سیدھے قریش کے مجمع میں پہنچ کر ساری باتیں بیان فرمادیں۔ جبیر بن مطعم کہنے لگا بس حضرت! آج ہمیں معلوم ہوگیا اگر آپ سچے ہوتے تو ایسی بات ہم میں بیٹھ کر نہ کہتے۔ ایک شخص نے کہا کیوں حضرت! راستے میں ہمارا قافلہ بھی ملا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا جس کی تلاش کر رہے تھے۔ کسی نے کہا اور فلاں قبیلے والوں کے اونٹ بھی راستے میں ملے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی ملے تھے فلاں مقام پر تھے اس میں ایک سرخ رنگ اونٹنی تھی جس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ ان کے پاس ایک بڑے پیالہ میں پانی تھا جسے میں نے پیا بھی۔ انہوں نے کہا اچھا ان کے اونٹوں کی گنتی بتلاؤ۔ ان میں چرواہے کون کون تھے۔ یہ بھی بتلاؤ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے قافلہ آپ کے سامنے کردیا۔ آپ نے ساری گنتی بھی بتلادی اور چرواہوں کے نام بھی بتلادیئے ایک چرواہا ان میں ابن ابی قحافہ تھا اور یہ بھی فرمادیا کہ کل صبح کو وہ ثنیہ پہنچ جائیں گے چنانچہ اس وقت اکثر لوگ بہ طور آزمائش ثنیہ جا پہنچے۔ دیکھا کہ واقعی قافلہ آگیا ان سے پوچھا کہ تمہارا اونٹ کھویا گیا تھا؟ انہوں نے کہا درست ہے کھو گیا تھا دوسرے قافلے والوں سے پوچھا کیا کسی سرخ رنگ اونٹنی کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ پوچھا کیا تمہارے پاس بڑا پیالہ پانی کا بھی تھا؟ ابوبکرؓ نے کہا ہاں خدا کی قسم اسے تو میں نے آپ رکھا تھا اور ان میں سے نہ کسی نے اسے پیا نہ وہ پانی گرایا گیا۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ یہ آپ پر ایمان لائے اور اس دن سے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔

واقعہ معراج کے راوی:

حضرت ابوالخطاب عمر بن وحیہؒ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں حضرت انسؓ کی روایت سے معراج کی حدیث وارد کر کے اس کے متعلق نہایت عمدہ کلام کر کے پھر فرماتے ہیں معراج کی حدیث متواتر ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت مالک ابن صعصعہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت شداد بن اوسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ، حضرت ابوحبہؓ، حضرت ابولیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت بریدہ، حضرت ابوایوب، حضرت ابوامامہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابوالحمراء، حضرت صہیب رومی، حضرت ام ہانی، حضرت عائشہ، حضرت اسماء وغیرہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض نے تو اسے مطول بیان کیا ہے اور بعض نے مختصر۔ گو ان میں سے بعض روایتیں سنداً صحیح نہیں، لیکن بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجماعی طور پر اس کے قائل ہیں ہاں بیشک زندیق اور ملحد لوگ اس کے منکر ہیں وہ خدا کے نورانی چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ پوری روشنی کی ساتھ چمکتا ہوا ہی رہے گا گو کافروں کو برا لگے۔

قیامت کی علامات:

مسند احمد میں ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ شب معراج میں ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملا وہاں قیامت کے قائم ہونے کے خاص وقت کی بابت مذاکرہ ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا حضرت موسیٰ سے پوچھو، انہوں نے بھی بے خبری ظاہر کی، پھر طے ہوا کہ حضرت عیسیٰ پر رکھو، آپ نے فرمایا اس کے صحیح وقت کا علم تو بجز خدا کے کسی کو نہیں، ہاں یہ تو مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح گھلنے لگے گا۔ آخر میری وجہ سے اللہ اسے ہلاک کرے گا۔ پھر تو درخت پتھر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان دیکھ یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے۔ آ اور اسے قتل کر۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرے گا۔ لوگ ٹھنڈے دلوں اپنے شہروں اپنے وطنوں میں

لوٹ جائیں گے۔ اسی زمانہ میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے کودتے پھاندتے آئیں گے جو چیز پائیں گے غارت کر دیں گے جو پانی دیکھیں گے پی جائیں گے آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ ہی ہلاک کر دے گا لیکن زمین پر ان لاشوں کے تعفن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ اس کے بعد ہی فوراً قیامت آ جائے گی جیسے پورے دن کی حمل والی عورت ہو کہ نہ جانے صبح فارغ ہو جائے یا رات ہی کو۔

کشتی نوح پر سواری:

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک پہنچایا گیا اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان تھے کہ جبرئیل دائیں اور میکائیل بائیں سے آپ کو اڑا لے گئے۔ اور اپنے پیارے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر چڑھا لیا تھا۔ تمہیں اپنے بڑوں کی طرح ہماری شکر گزاری کرنی چاہیے۔ دیکھوں میں نے تمھاری طرف اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ چونکہ کھا کر، پی کر، پہن کر غرض ہر وقت خدا کی حمد و ثنا بیان فرماتے رہتے تھے اس لئے آپ کو شکر گزار بندہ کہا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا
جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے

ملک شام کی مادی و روحانی برکات:

یعنی جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور انکے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت:

شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہو گا کہ جو کمالات انبیاء بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیئے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسمٰعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ ''کعبہ'' اور ''بیت المقدس'' دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ احادیث معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سیادت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ
وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ☆

یعنی اصلی سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سنا اور احوال رفیعہ کو دیکھا۔ آخر ''معراج شریف'' میں بی یبصر والی آنکھ سے وہ آیات عظام دکھلائیں، جو آپ کی استعداد کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو بکرؓ کی سچائی:

بغوی نے لکھا ہے جب معراج سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذی طوی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیلؑ! میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے حضرت جبرئیل نے فرمایا ابو بکر آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

واقعہ معراج قریش کے سامنے:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے ایک گوشہ میں الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس طرف سے ابوجہل کا گذر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا (کیسے بیٹھے ہو) کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا تھا ابوجہل نے کہا، کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیت المقدس کو۔ ابوجہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ ابوجہل انکار نہ کر سکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ پڑے۔ کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کر دو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، ابوجہل نے (پکار کر) کہاں اے گروہ کعب بن لوی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے اور رسول اللہ اور ابوجہل کے پاس آ پہنچے، ابوجہل بولا اب تم نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو۔ فرمایا ہاں، یہ سنتے ہی کچھ لوگ (مذاق سے) تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا، اور کچھ لوگ جو ایمان لا چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے، اسلام سے پھر گئے اور ایک مشرک دوڑا دوڑا حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا

اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے، وہ تو کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لے جایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ لوگوں نے کہا، کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے بھی گئے اور صبح سے پہلے آ بھی گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں ان کے پاس جو صبح شام آسمان سے خبریں آتی ہیں میں تو ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر کو صدیق اسی لیے کہا جانے لگا (کہ آپ نے بے تامل معراج کی تصدیق کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی آپ نے بے تامل مان لیا تھا) راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس جا چکے تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کر سکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنی شروع کی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہو گیا تو فوراً (نظروں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور) بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی ورے لا کر اس کو رکھ دیا گیا اور میں مسجد کو اپنی نظر سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بیشک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔ پھر بولے: محمد! ہمارے قافلے کی کچھ خبر بھی بیان کرو۔ ہمارے لیے وہ بہت ہی اہم ہے، تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا۔ فرمایا، ہاں فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔ اس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے، ان کے پڑاؤ (فرودگاہ) پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا۔ مجھے پیاس لگی تھی، میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالہ کو اس کی اس کی سابق جگہ پر رکھ دیا، تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالہ میں پانی ملا تھا؟ لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے (جو فیصلہ کن ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا میں فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کی طرف سے گزرا تھا، فلاں فلاں دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے۔ یہ واقعہ مقام ذی مر کا ہے، مجھے دیکھ کر اونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا تھا ان دونوں شخصوں سے دریافت کر لینا لوگوں نے کہا یہ بھی (صداقت کو جانچے گی) ایک نشانی ہے۔ لوگوں نے پوچھا، اچھا ہمارے اونٹوں کی تفصیل اور ان کی حالت کے متعلق کچھ بتاؤ۔ فرمایا مقام تنعیم میں میں اونٹوں کی طرف سے گذرا تھا لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان جو ان پر لدا ہوا تھا وہ کیا تھا ان کی ہئیت کیا تھی؟ فرمایا (اس وقت تو) مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی پھر مقام حزورہ میں وہ مکمل شکل کے ساتھ اپنے سامان اور ہئیت اور سواروں کے ساتھ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ان کی ہئیت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریاں سلی ہوئی لدی ہوئی تھی۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آ جائے گا۔ لوگوں نے کہا یہ بھی (سچائی جانچنے کی) ایک نشانی ہے) اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے گھاٹی پر پہنچے اور کہنے لگے خدا کی قسم محمد نے واقعہ تو واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے بعد کداء (مکہ کے باہر ایک پتھریلی زمین یا پہاڑی تھی) پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا اور یہ اونٹ بھی سامنے آ گئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور فلاں فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

بیت المقدس سامنے کر دیا گیا:

مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر (اسود) کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریافت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہ تھا اور اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لے آیا (یعنی درمیانی پردے ہٹ گئے اور بیت المقدس مجھے سامنے نظر آنے لگا) اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے، میں دیکھ کر اس کو بتا دیتا تھا میں نے انبیاء کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چھریرے بدن کے گھونگھریالے بالوں والے شخص تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنورہ کا کوئی آدمی ہو ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفیؓ میں سب سے زیادہ ہے، میں نے ابراہیمؑ کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساتھی ہے (یعنی میں)۔ پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا محمد! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

متعدد انبیاء کے حلیے:

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ سے ہوئی وہ چھریرے بدن کے گھونگرالے بالوں والے آدمی تھے، معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ

سنورہ کے کوئی آدمی ہیں۔ عیسیٰؑ سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ درمیانی قد کے گٹھے بدن کے سرخ رنگ والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ میں نے ابراہیمؑ کو بھی دیکھا ابراہیم کی نسل میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب۔ پھر مجھ سے کہا گیا ان دونوں میں سے جونسا چاہو لے لو۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا، اس شخص نے (یعنی جس شخص نے انتخاب کا اختیار دیا تھا) کہا تم کو فطرت کی راہ پر ڈال دیا گیا یا یہ کہا کہ تم نے فطرت کو پالیا اگر شراب کو لے لیتے تو تمہاری امت گمراہ ہو جاتی۔

ہم نے سورۂ والنجم میں ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کا واقعہ مفصل لکھدیا ہے (تفصیل وہاں دیکھی جائے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو

هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے ☆

مسلمانوں کیلئے عبرت اور بنی اسرائیل کو نصیحت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل وشرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰؑ کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ ''اسراء'' کے ذیل میں ''مسجد اقصیٰ'' (بیت المقدس) تک جانا مذکور ہوا تھا۔ آگے ''مسجد اقصیٰ'' اور اسکے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گذرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے ان کا بیان کیا جاتا ہے، یہ آیت اسی کی تمہید ہے۔ واقعہ ''اسراء'' میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الٰہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، حق تعالیٰ انکے حال پر مہربانی فرمائے گا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کردیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؀

کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز ☆

توراۃ کی تعلیم:

یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ

تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو چڑھا لیا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا

كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ؀

بندہ حق ماننے والا ☆

احسان خداوندی:

یعنی تم ان کی اولاد ہو جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عذاب الٰہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا سے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور شکر گذار بندے تھے۔ تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

شکر گزاری:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا نوحؑ بلا شبہ بڑا شکر گذار بندہ تھا۔ ابن مردویہ نے ابو فاطمہ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوح جو بھی چھوٹا بڑا کام کرتے تھے بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ نے ان کو عبد شکور فرمایا جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے یا کوئی کپڑا پہنتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے یہ مؤخر الذکر اثر حضرت سعد بن مسعود ثقفی کا ہے جو ابن جریر اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں اداء شکر کی ترغیب دی ہے کہ تم نوح کے ساتھیوں کی نسل سے ہو اور نوح بڑا شکر گذار بندہ تھا کہ اللہ نے اس کے ساتھ والوں کو بھی اس کی معیت میں محفوظ رکھا تھا۔ (اگر وہ محفوظ نہ رکھے جاتے تو تم کہاں سے آتے ان کو محفوظ رکھنا درحقیقت تم پر اللہ کا احسان ہے جس کا شکر کرنا تم پر لازم ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو

فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ

کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ؀

دوبار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی ☆

بنی اسرائیل کا دوہرا افساد:

تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دومرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم وتکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الکتاب سے مراد توریت اور الارض سے مراد ملکِ شام ہے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا، الیٰ بمعنی علیٰ ہے اور الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ بات لوحِ محفوظ میں لکھدی تھی، قطعی فیصلہ کردیا تھا کہ تم دومرتبہ فساد برپا کروگے پہلا بگاڑ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل نے توریت کے احکام چھوڑ دیئے ممنوعات کو اختیار کیا اور حضرت شعیا بن مضیا کو شہید کردیا اور دوسرا افساد اس وقت کیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی کو شہید کردیا اور حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىهُمَا بَعَثۡنَا
پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے
عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ
تم پر اپنے بندے ☆

یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لئے تم پر مسلط کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کردیا جو مجوسی تھا اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی اور قرآن کریم میں آیت

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ

سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد قدس میں داخل ہوا مردوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ لیا۔ اور سو برس تک ان بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح کی بامشقت خدمت ذلت کے ساتھ ان سے لیتا رہا۔

تسلط سے آزادی:

پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کردیا جس نے بابل کو فتح کیا اور بقیہ ماندہ بنی اسرائیل کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرایا اور جتنے اموال وہ بیت المقدس سے لایا تھا وہ سب واپس بیت المقدس میں پہنچادیئے اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ جاؤ گے تو ہم بھی پھر قتل وقید کا عذاب تم پر لوٹادیں گے آیت قرآن عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ عُدْتُّمۡ عُدۡنَا‌ سے یہی مراد ہے۔

شاہ روم کا تسلط:

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس میں لوٹ آئے اور سب اموال و سامان بھی قبضہ میں آ گیا تو پھر معاصی اور بداعمالیوں کی طرف لوٹ گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کردیا۔ آیت:

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓـٴُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ سے یہی مراد ہے شاہ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں پر جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا اور پھر تمام ان اموال بیت المقدس کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر لاد کر لے گیا اور اپنے کنیسۃ الذہب میں رکھدیا یہ سب اموال ابھی تک وہیں ہیں اور وہیں رہیں گے یہاں تک کہ حضرت مہدی پھر ان کو بیت المقدس میں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو جمع کردیں گے۔ (الحدیث بطولہ رواہ القرطبی فی تفسیر)

بیان القرآن میں ہے کہ دو واقعے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اس سے مراد دو شریعتوں کی مخالفت ہے پہلے شریعت موسوی کی مخالفت اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد شریعت عیسویہ کی مخالفت ہے۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ‌ؕ
سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ
وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا‏ ۝
اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا ☆

یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت وخون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دہی کا جو وعدہ کیا تھا پورا ہو کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ
پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ☆

دوبارہ بنی اسرائیل کا غلبہ:

یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ وانابت کا طریقہ اختیار کیا ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

الکرۃ یعنی سلطنت اور طاقت۔ علیھم یعنی ان لوگوں پر جن کو تم پر مسلط کیا تھا۔ بیضاوی نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ بہمن بن اسفندیار جب اپنے دادا گشتاسپ بن لہراسپ کی جگہ شاہ ایران ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں بنی اسرائیل کے لئے کچھ رحم پیدا کردیا، اس نے تمام اسرائیلوں کو قید سے رہا کر کے ملک شام کو بھیجدیا اور حضرت دانیال کو سب کا سردار بنا دیا یہ لوگ شام کو چلے گئے اور بخت نصر کی فوج پر انہوں نے تسلط پالیا، حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کردیا۔ (تفسیر مظہری)

عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ
ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے
وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا‏ ۝ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ
اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر اگر بھلائی کی تم نے

اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ

تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے ☆

یعنی بھلائی برائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچنا تھا تم ہی کو پہنچنا تھا۔ سو پہنچا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا

پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ

وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ

اداس کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی ☆

یعنی مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیئے۔ اور ''مسجد اقصیٰ'' (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی ہیکل وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ''بنی اسرائیل'' کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

صدیقہ بادشاہ کا واقعہ:

بغوی نے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل برابر نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگذر فرماتا تھا اور اپنے احسانات سے نوازتا رہتا تھا گناہوں کی پاداش میں سب سے پہلے جو مصیبت ان پر آئی وہ تھی جس کا اظہار اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ کی زبان سے کرا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام صدیقہ تھا۔

حضرت شعیا علیہ السلام:

اس زمانہ میں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر بھی مبعوث فرما دیا کرتا تھا، ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ توریت کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لیے اللہ نے شعیا بن امضیا کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا، شعیا کی بعثت حضرت زکریا و یحیٰی سے پہلے تھی شعیا نے ہی حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی اور کہا تھا، اے یروشلم تجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا اشتر سوار آئے گا۔

شاہ بابل کا حملہ:

غرض مدت تک صدیقہ بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کا وقت آ گیا تو اللہ نے سنحاریب شاہ بابل کو (عراق سے) بھیج دیا سنحاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے، سنحاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا، شعیا نبی نے صدیقہ سے کہا، اے شاہ اسرائیل سنحاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اڑاتا آ پہنچا لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہو جا، صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سنحاریب کا فیصلہ کیا ہوگا۔ حضرت شعیا نے فرمایا، وحی تو کوئی نہیں آئی، یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیا کے پاس وحی آ گئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دیدو کہ تیرا وقت آ گیا اب تو اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کر دے اور اپنا جانشین بنا دے، حضرت شعیا نے صدیقہ سے جا کر کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آ گیا ہے اب تو جو کچھ وصیت کرنا ہو کر دے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنا دے۔

بادشاہ صدیقہ کی دُعاء:

صدیقہ یہ پیام سن کر قبلہ رو ہو کر نماز کو کھڑا ہو گیا دعا کی اور اللہ کے سامنے رویا اور زاری کی اور خلوصِ قلب کے ساتھ گڑگڑا کر عرض کیا۔

اے اللہ! رب الارباب اے تمام معبودوں کے معبود اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے اے رحمان اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اے اللہ میں نے جو کام کیے جو عمل مجھ سے ہوئے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ میں نے جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے میرا ظاہر و باطن تیرے سامنے ہے (مجھ پر رحم فرما)۔

دُعاء کی قبولیت:

صدیقہ اللہ کا نیک بندہ تھا اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دعا قبول کر لی تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سنحاریب سے نجات دیدی اور تیری میعادِ زندگی پندرہ سال بڑھا دی، شعیا نے آ کر صدیقہ کو یہ پیام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل سے دشمن کا خوف جاتا رہا، رنج و فکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دعا کی اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں تیری تعظیم کرتا ہوں، تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر باطن کو جانتا ہے تو ہی اول تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کرتا اور بے قراروں کی دعا قبول کرتا ہے تو نے ہی میری دعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا جب سر اٹھایا تو اللہ نے

شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی بادشاہ صدیقہ سے کہدو کہ اپنے خادموں میں سے کسی کو حکم دے کر انجیر کا پانی منگوا کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفا دیدے گا۔ صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے اس کو تندرست کر دیا۔

دشمن کی تباہی:

بادشاہ نے حضرت شعیا سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتادے ہمارے اس دشمن کا کیا ہوگا اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

اللہ نے شعیا سے فرمایا بادشاہ سے کہدو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچالیا، صبح تک سب مرجائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہل کار بچیں گے تم ان کو پکڑ لینا، صبح ہوئی تو کسی پکارنے والے نے چیخ کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا تیرے دشمن کو تباہ کر دیا، باہر نکل کر دیکھ لے، سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا۔

شاہ بابل کی گرفتاری:

بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کرایا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی بادشاہ نے اس کی طلب میں آدمی دوڑائے آخر اس دوش نے ایک غار میں سخاریب کو اور اس کے پانچ اہلکاروں کو جا پکڑا ان میں بخت نصر بھی تھا سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے فوراً بادشاہ سجدہ میں گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد سے عصر تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سخاریب سے کہا تم نے دیکھا ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم بے خبر تھے اور اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کر دیا، سخاریب نے کہا مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔ اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر میں نے صحیح رہنما کا کہنا نہیں مانا میری کم عقلی نے مجھے اس بدبختی میں مبتلا کر دیا اگر میں راہنما کی بات سن لیتا یا سمجھ سے کام لے لیتا تو تم سے جنگ ہی نہیں کرتا۔ (تم پر چڑھائی نہ کرتا) صدیقہ نے کہا اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تم کو تباہ کرادیا (اب جو تم اور تمہارے پانچ ساتھی بچ گئے ہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی عزت ہے کہ اس نے تم کو باقی رکھا) اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو صرف اس لیے باقی رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری بدنصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دے دو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی (ہمارے رب کے عذاب سے) ڈرادو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا تیرا اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چچڑی کے خون سے بھی حقیر ہے اگر میں قتل کر دیتا (تو میرے رب کو پروا بھی نہ ہوتی) پھر کوتوال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گرداگرد پھرایا۔ ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جاتی تھی، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے قتل ہو جانا ہی بہتر ہے شاہ اسرائیل نے ان کو قتل خانہ کو بھجوادیا۔

سخاریب کی رہائی:

اس کے بعد اللہ نے حضرت شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہدو کہ سخاریب کو اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دے تا کہ وہ ان لوگوں کو جو ان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں بادشاہ کو چاہیے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک کو بھیجدے۔ شعیا نے بادشاہ کو اللہ کا یہ حکم پہنچا دیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت بابل پہنچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتائی، کاہنوں اور نجومیوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے بنی اسرائیل کے خدا کی خبر اور ان کے نبی کی کیفیت اور نبی کے پاس جو ان کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی، اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا بنی اسرائیل ایسی امت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے لڑ نہیں سکتا۔ سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لیے ہوا تھا، اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی۔

سخاریب کی موت:

اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جانشین اپنے پوتے بخت نصر کو بنادیا بخت نصر اپنے دادا کے راستہ پر چلا اور وہی کام کیے جو اس کے دادا نے کیے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔

بنی اسرائیل کی ابتری:

صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی قوم میں گڑبڑ ہو گئی باہم حکومت کے لیے دوڑ شروع ہو گئی اور آپس میں خوب کشت وخون ہوا شعیا موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانتا تھا جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیا کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر۔ خطبہ دو میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا (جو کچھ میں کہلوانا چاہوں گا وہ تمہاری زبان پر آ جائے گا)

حضرت شعیاء علیہ السلام کا خطاب:

شعیا قوم کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے ان کی زبان پر یہ الفاظِ وحی جاری کر دیے۔ اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی کان ادھر

لگا اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا اپنے لیے ان کو منتخب کرلیا اپنی طرف سے خصوصی عزت عطا کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی یہ لوگ بھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگراں نگہبان نہ تھا اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا کیا۔ بھٹکی ہوئی بکریوں کو جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا بیمار کو تندرست کردیا لاغر کو فربہی عطا کی اور فربہ کی فربہی کی حفاظت کی اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہوگئے اور آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے سینگ مارنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کردیا یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آجاتا ہلاکت کو اس خطا کار امت کے لیے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے مقدر کردیا (یعنی یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی قومی موت کے اسباب کیا ہیں) اونٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے گدھے کو اپنی خوید یاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھرا کرتا تھا تو وہ خوید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو جب سبزہ زار یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا تو وہ سبزہ زار کی طرف آجاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں گدھے نہیں ہیں اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آرہی ہے میں ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں تم ان سے کہہ دو کہ ایک ویران زمین تھی جو مدت تک ویران پڑی رہی۔ بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحبِ قدرت اور حکمت والا شخص تھا مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے پھر بھی اس نے زمین کو ویران رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش رکھتا ہے اس کے باوجود زمین کو اس نے برباد کردیا ہے یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنائی، اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں زیتون، انار، کھجور اور رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقلمند باہمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گرادی جائیں محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے دہانے بند کردیئے جائیں درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے پہلے زمین بنجر و ویران تھی ویسی ہی کردی جائے، تم ان سے کہہ دو کہ (ہر چہار سمت کی) دیوار میرا دین ہے محل میری شریعت ہے، نہر میری کتاب ہے نگرانِ زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لیے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لیے جاری کردیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان (کے حالات کو سمجھانے) کے لیے بیان کی ہے۔ یہ گائے بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں، ان کو اس بات کی دعوت دی جارہی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کردیا ہے اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا القرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ خونِ ناحق سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خون ریزی سے آلودہ ہیں۔ یہ لوگ میرے لیے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں ان کے اندرونی حصوں کو پاک بھی رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندہ اور میلا رکھتے ہیں مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو ویران اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے میں تو ان میں رہتا نہیں اور میں پردے لٹکانے کی مجھے کیا ضرورت ہے، میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے اور میری پاکی بیان کی جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے اوپر نہیں اٹھائے جاتے ہم نمازیں پڑھتے ہیں پر ہماری نمازیں نور نہیں پیدا کرتیں ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح (چیخ چیخ کر) دعا کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی آوازوں کی طرح (دہاڑیں مار کر) روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔ تم ان سے دریافت کرو۔ دعا قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے۔ کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور ارحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح اوپر اٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں۔ میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بار آور ہوں وہ تو پرایا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہلِ خیر ہوں۔ میں ان کی دعائیں کیسے قبول کرسکتا ہوں۔ ان کی دعا تو صرف قول بے عمل ہوتی ہے (کہتے ہیں عمل کچھ نہیں کرتے) ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دعا اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحبِ اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے۔

جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیام تم ان کو پہنچاتے ہو تو کہتے ہیں یہ بنائی ہوئی باتیں اور وہی پارینہ قصے ہیں جو باپ دادا سے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جادوگر و کاہن جیسے (الفاظ کا) جوڑ لگاتے ہیں ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش

کر سکتے ہیں۔ شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔ سنو۔

میں نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ (قیامت ہونے کا) کر دیا تھا اور اپنے اوپر اس فیصلہ کو لازمی اور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے (دنیوی زندگی کی) ایک مقرر میعاد بنا دی تھی، وہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعوے میں سچے ہیں تو تم کو بتا دیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانہ میں (ظاہر) ہوگا۔ اور اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر سکتے ہیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں، جس سے میں اس فیصلے (قیامت) کو نافذ کروں گا، میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں۔ تو ایسی حکمت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء (کو نافذ کرنے) کی تدبیر کرتا ہوں۔ اور میں نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نچلے طبقہ کے عوام کو دوں گا۔ اور بے عزتوں کو عزت کمزوروں کو قوت محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر وہ جانتے ہوں۔ تو بتائیں ایسا کب ہوگا اور کون یہ کام کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کارگذار اور مددگار ہوں گے، یہ یقینی امر ہے کہ میں ان کاموں کے لیے ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو اکھڑ نہ ہوگا، درشت مزاج نہ ہوگا، بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا، فحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔ میں اس کو سیدھا چلاؤں گا تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا وقار کو اس کا لباس بناؤں گا۔ نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار (اندرونی لباس) تقویٰ کو اس کا ضمیر حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عہد کو اس کا خمیر، عفو و خیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہوگا میں اس کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گمناموں کو بلندیٔ ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زردار بناؤں گا۔ پراگندہ لوگوں کو جمعیت، منتشر دلوں میں ملاپ متفرق خواہشات رکھنے والوں میں باہم الفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی امت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کے لیے پیدا کی جائے گی بھلائی کا حکم دے گی برائی سے روکے گی، وہ مجھے واحد مانے گی مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لیے (اپنے افکار و اعمال کو) خالص کرے گی، وہ نمازیں پڑھے گی (نماز میں) قیام کرے گی، قعود و رکوع اور سجود کرے گی وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہو کر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی اور اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضامندی کی طلب میں نکلے گی۔ میں ان کے دلوں میں ڈال دوں گا تکبیر توحید تسبیح تحمید مدح تمجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی، پاکی، حمد ثناء اور بزرگی) کا اعتراف و اقرار اور اظہار، سفر میں بھی ان کی مجلسوں میں بھی، خوابگاہوں میں بھی آمد و رفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی۔ وہ تکبیریں کہیں گے، تنہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے ٹیلوں کی بلندیوں پر (چڑھ کر) چہروں اور ہاتھوں پاؤں کو میرے لیے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے ان کے سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہونگے وہ راتوں میں راہب (اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دار) اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور میں بڑے فضل والا ہوں۔

بنی اسرائیل نے حضرت شعیاء کو آرے سے چیر دیا:

جب حضرت شعیا اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لیے بنی اسرائیل نے آپ کے اوپر حملہ کر دیا آپ بھاگ پڑے راستہ میں ایک درخت ملا (درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی میرے اندر آجائیے) اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیا اس کے اندر داخل ہو گئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا (آپ کے اندر داخل ہو جانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہو گیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا) شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھا دیا (اور کہا شعیا اس کے اندر ہیں ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے) لوگوں نے آرے سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیا کو بھی چیر ڈالا۔

حضرت ارمیا کی بعثت:

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس کی رفاقت و ہدایت کے لیے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ارمیا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہی خضر تھے جن کا نام ارمیا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ (ایک بار) خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اٹھے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ارمیا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لیے مامور فرمایا۔

بنی اسرائیل کی بدعتیں:

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہو گئیں، معاصی کی کثرت ہو گئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ارمیا کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہیں، وہ بتاؤ ارمیا نے عرض کیا اے میرے رب اگر تیری

طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں (بجائے خود) کمزور ہوں اگر تو مجھے (مقصد تک) نہ پہنچائے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے تو، (میری مدد کہیں سے نہ ہوگی) میں بے یارومددگار ہوں اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ارمیاء کا خطاب:

الغرض ارمیا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کردیا، آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان (بنی اسرائیل) پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہو جائے گا (کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا) اور ایک ظالم سنگدل کو ان پر غالب کردوں گا جس کو میں ہیبت کا لباس پہنادوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہوگا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا اس کے ساتھ ایک لشکر ہوگا۔ تاریک رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف ہر چیز پر چھا جانیوالا)

بنی اسرائیل کی تباہی:

اس کے بعد اللہ نے ارمیا کو وحی بھیجی کہ میں یافث سے بنی اسرائیل کو تباہ کراؤں گا۔ یافث باشندگان بابل تھے۔ (شاید اہل بابل یافث بن نوح کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر (بابلی) کو مسلط کردیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ شام کو روند ڈالا بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کردیا، بیت المقدس کو تباہ کردیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈالدے، اس طرح بیت المقدس کو سپاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کرلیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کر لے گئے۔ بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کردیئے گئے بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لیے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لیے منتخب کر لیے) اور مال غنیمت فوج کو تقسیم کردینے کا حکم دے دیا سواروں نے کہا مال غنیمت تو کل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کرادیجئے بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کیے ہیں یہ فوج کو تقسیم کردیجئے، بخت نصر نے یہ بات مان لی، اور بچوں کو بطور غلام سرداران فوج کو تقسیم کردیا ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کردیں بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا۔ ایک تہائی کو قیدی بنالیا گیا اور تہائی کو قتل کردیا گیا۔ ناشیہ کو اور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔

آیت فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ میں یہی تباہی مراد ہے اور عباد سے مراد بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

بخت نصر کا خواب:

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا دیکھا تھا۔ دانیال، حنانیا، عزاریا اور میثائیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلوایا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا، تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو اگر ایسا نہ کرو گے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑ والوں گا۔ یہ بے چارے (یہ ظالمانہ حکم سن کر) دربار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ وزاری کی، اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتادیا جواب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک مورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانوں اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر وگردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اتارا پتھر نے مورتی کو ریزہ ریزہ کردیا یہ ہی وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔

خواب کی تعبیر:

انھوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم (کمزور) ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی کی بہت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا غیبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آکر اس ساری مورتی کو چکنا چور کردے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیلیوں کا قتل:

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہو گئی تو ایک

روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کیے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہو گئے ہیں، آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کرا دیجئے۔ بخت نصر نے کہا، تم کو اختیار ہے، چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ وزاری کی اور عرض کیا بار الٰہا ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ رہ گئے انہی میں دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل بھی تھا۔

بخت نصر کی شاہی:

بالآخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور غارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا۔ جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا؟ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے، یہ لوگ نسلِ انبیاء سے تھے۔ لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نہ ان کی خطا کاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کئے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا، لیکن غالب آنیوالا مغرور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔ بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لوں زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہو گیا ہوں، بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہنے لگا تم کو ایسا کرنا تو ہوگا (آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہوگی، ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا، یہ بات سن کو سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑگڑائے اور عاجزی کے ساتھ دعا کی اللہ نے ان کی مدد کی اور) اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں گھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بیتاب ہو گیا اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا۔ جب تک سر پر ضربیں نہ لگتی تھی۔ آخر اسی حالت میں مر گیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی جھلی پر ڈنک مارتا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں ان کی تعداد بھی بہت ہو گئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بہتر حالت ہو گئی لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آ کر شامل ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی آزادی:

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی، توریت جلا دی گئی تھی، حضرت عزیر بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے آپ تمام لوگوں سے الگ (کہیں جنگل میں جا کر) دن رات (توریت کے غم میں) روتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلا دیا گیا) نہ رہا، اس کے بغیر نہ ہماری دنیا درست ہو سکتی ہے نہ آخرت۔ اس شخص نے کہا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ توریت آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھیے (نفس کو) پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھیے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا حضرت عزیر نے روزہ بھی رکھا جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے۔ حسبِ وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا یہ شخص فرشتہ تھا۔ اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیر کو اس نے کچھ پانی پلایا۔ پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینے میں منقش ہو گئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور توریت پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہو گئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی آپ محبوبِ قوم بن گئے پھر کچھ مدت کے بعد اللہ آپ کو بلا لیا۔

بنی اسرائیل کی گمراہیاں اور پیغمبروں کی جدوجہد:

اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجتا رہا۔ بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو (صرف) تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کر دیتے تھے (تصدیق نہیں کرتے تھے)۔ سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کو بھیجا یہ تینوں حضرت داؤد کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریا اپنی موت سے مر گئے۔ بعض نے کہا آپ کو شہید کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل کی دوسری غلامی اور قتل عام:

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ کو اٹھا لیا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی ملک میں داخل ہو کر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہو گیا۔ جب کامل تسلط پا لیا تو اپنے ایک فوجی سردار

سے جس کا نام یبورزاذان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہوگی تو ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آ جائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لئے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے۔ تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ یبورزاذان اس حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا اور بیت المقدس میں داخل ہو کر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے ابل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا ابل رہا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون ابل رہا ہے۔ ویسے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہی ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں ہوئی یبورزاذان نے کہا تم نے مجھے سچ سچ نہیں بتایا کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلہ وحی و نبوت۔ اسی لیے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اسی مقام پر یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے سات سو ستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھما۔ یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سات سو لڑکے اور قتل کرا دیئے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا۔ یبورزاذان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کم بختو مجھے سچ سچ بتا دو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ سچ بتا دو۔ جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور ناقابلِ برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہدی، کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لیے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں نے ہم کو تمہارے متعلق بھی اطلاع دی تھی مگر ہم نے ان کو سچا نہ جانا اور بجائے تصدیق کے ان کو قتل کر دیا یہ خون انہی کا ہے، یبورزاذان نے پوچھا ان کا نام کیا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا یحییٰ بن زکریا۔

یبورزاذان کا مسلمان ہوا:

یبورزاذان نے کہا اب تم نے سچی بات بتا دی تم سے تمہارا رب اسی کا انتقام لے رہا ہے اس کے بعد یبورزاذان سجدے میں گر پڑا اور جو لوگ اس کے گرداگرد تھے ان کو حکم دیا کہ خردوش کے لشکر کے جو آدمی یہاں ہیں ان کو باہر کر دو اور شہر کے دروازے بند کر دو۔ جب بنی اسرائیل کے ساتھ تنہا رہ گیا تو کہا اے یحییٰ بن زکریا آپ کے قتل کی وجہ سے جس مصیبت میں آپ کی قوم گرفتار ہوئی اور جتنے مارے گئے۔ اس کو میرا اور آپ کا رب جانتا ہے۔ اب آپ اپنے رب کے حکم سے ٹھہر جائیں قبل اس کے کہ آپ کی قوم کے کسی شخص کو میں زندہ نہ چھوڑوں فوراً اللہ کے حکم سے خون تھم گیا اور یبورزاذان نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور بولا بنی اسرائیل جس پر ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں پھر بنی اسرائیل سے کہا خردوش نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو اتنا قتل کروں کہ تمہارا خون بہہ کر اس کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچ جائے اور میں اس کے حکم عدولی کی طاقت نہیں رکھتا بنی اسرائیل نے کہا خردوش نے جو تم کو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ یبورزاذان نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق تیار ہو گئی تو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، گائیں بھینسیں اور بکریاں اور بھیڑیں ہیں سب کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا جائے۔ اس کی تعمیل بھی کر دی گئی۔ یہاں تک کہ ان جانوروں کا خون لشکر گاہ کے وسط تک بہہ کر پہنچ گیا اور ان جانوروں کے اوپر ان مقتولوں کی لاشوں کو ڈلوا دیا جن کو پہلے قتل کرا چکا تھا، خردوش سمجھا کہ خندق کے اندر صرف لاشیں ہی بھری پڑی ہیں خون تو لشکر گاہ تک پہنچ ہی چکا تھا اس لیے خردوش نے یبورزاذان کو قتل بند کر دینے کا حکم دے دیا، پھر بابل واپس چلا گیا۔ اس حادثہ میں سارے بنی اسرائیل فنا ہو گئے یا فنا ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہی وہ دوسرا واقعہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ پہلا واقعہ تو بخت نصر اور کے لشکر کا ہوا اور دوسرا واقعہ خردوش اور اس کی فوج کا۔ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ سے زیادہ سنگین تھا اس کے بعد بنی اسرائیل کو استقلال نصیب نہیں ہوا شام اور علاقۂ شام کی حکومت رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ ہاں جو بنی اسرائیل بچ گئے تھے ان کی نسل بکثرت ہو گئی اور بیت المقدس اور اس کے علاقہ میں ان کی ریاست قائم ہو گئی۔ مستقل حکومت نہ بن سکی۔

ٹیٹس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی تباہی:

پھر بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ان کو حاصل ہیں اور آسائش و آرام سے صبر کرنے لگے پھر انہوں نے طرح طرح کے جرائم کیے اور نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر ٹیٹس بن اسیانش رومی کو مسلط کر دیا ٹیٹس نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور بیت المقدس سے ان کو نکال باہر کیا۔ ریاست ان سے چھین لی اور ایسی ذلت کی مار دی کہ آئندہ جس قوم میں یہ رہے ذلت کے ساتھ اور جزیہ ادا کر کے رہے اور بیت المقدس اجڑا پڑا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔

یہودیوں کی بار بار تباہی:

قتادہ نے کہا پہلی مرتبہ اللہ نے جالوت کو مسلط کیا جالوت نے ان کو قید

کیا اور آبادیوں کو تباہ کر دیا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ یعنی پھر حضرت داؤد کے زمانہ میں اللہ نے ان کی باری پھیر دی فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جب دوسری تباہی کا وقت آیا تو بخت نصر کو اللہ نے ان پر مسلط کیا بخت نصر نے ان کو قیدی بنایا اور بستیوں کو اجاڑا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ یعنی امید رکھو کہ آئندہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا، چنانچہ اللہ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے پھر مختلف زمانوں میں شرارتیں کیں اور اللہ نے بھی سزا اور عقوبت ان کو دی، آخر کار عرب کو ان پر مسلط فرمایا، اللہ نے خود فرمایا وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اور جب آپ کے رب نے آگاہی دیدی تھی کہ قیامت کے دن تک ان (یہودیوں) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیتے رہیں گے۔لہذا یہودی ہمیشہ عربوں کے ہاتھوں سے عذاب میں رہیں گے۔

ایک بنی اسرائیلی کا خواب:

سدی نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی ویرانی ایک یتیم لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی جو بابل کی ایک بیوہ کا لڑکا ہوگا اور اس کا نام بخت نصر ہوگا (اس زمانہ میں) بنی اسرائیل چونکہ سچ بولتے تھے اس لیے ان کا خواب بھی سچا ہوتا تھا یہ شخص خواب دیکھنے کے بعد بخت نصر کی جستجو میں نکلا یہاں تک کہ اس کی ماں کے پاس پہنچ گیا بخت نصر لکڑ ہارا تھا اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آیا گٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں پھر اس کو تین درہم دیے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آ۔ بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت ایک درہم روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا سب نے مل کر کھانا کھایا اور شرب پی اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا۔ روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھایا۔ پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے۔لیے پروانہ امان ابھی سے لکھدو (تاکہ تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے) بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ امان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا، اس شخص نے کہا جب تمہارے گرد اگرد لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت پہنچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہوگی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل:

قتادہ نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی بڑی عزت کرتا تھا آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا (اتفاقاً) بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباس اپنی بھانجی سے گہری محبت ہوگئی، حضرت یحییٰ سے اس نے مسئلہ پوچھا آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی (بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعتِ یہود میں بھی حرام تھا) اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰ کے فتوے کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہوگیا، ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہدیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب وہ تیری طرف کو مائل ہو تو اول تو اس سے شرط کرالینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہوگا۔ جب وہ زبان دیدے تو اس سے کہنا مجھے یحییٰ بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہوا درکار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت یحییٰ کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔ میں تیرا سوال پورا کردوں گا۔ یحییٰ کے سر کی طلبگار نہ ہو، لڑکی نے اصرار کیا۔ آخر یحییٰ کا سر بادشاہ نے منگوا دیا، سر لا کر رکھدیا گیا تو سر سے آواز آرہی تھی یہ عورت تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون ابلتا رہا، بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھما، اور مٹی ڈلوائی تب بھی خون ابلتا ہی رہا، یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لے جایا گیا اور خون جوش مارتا رہا،

بابل کے بادشاہ کا حملہ:

اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر بھیج دیا جب یہ فوج حدودِ بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہوگئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لیے، بخت نصر محاصرہ کیے پڑا رہا، آخر طول محاصرہ سے تنگ آ کر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کرلیا۔

بوڑھیا کا مشورہ:

بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کیے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہوگیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتاتی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہوگی، جس کو قتل کرنے کا

میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رک جائیں۔ بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا، صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہیں یحییٰ بن زکریا کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلبگار ہیں، امید ہے کہ دعا مانگتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی۔ بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہو گئی۔

حضرت یحییٰ کے بدلے ستر ہزار قتل:

بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر یحییٰ بن زکریا کے خون کے پاس پہنچی اور کہا (لوگوں کو گرفتار کرا کے) اس خون پر قتل عام اس وقت تک کرو کہ اس کا ابلنا بند ہو جائے، بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون تھم گیا۔ خون رک گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو اور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے،

حضرت دانیالؑ کا واقعہ:

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مر چکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اسی کو بادشاہ بنا دیا، بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے۔ بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی انہوں نے جواب دیا، ہاں، ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی اس میں ڈلوا دیا، اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے، لیکن دن گذرنے کے بعد شام کو جا کر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا، شیر بھی پاؤں پھیلائے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا، حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ برابر ہر سال، صورت مسخ کرتا رہا، وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے (ایک سال) بشکل گدھ رکھا، پھر (ایک برس تک) بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔ اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کا رہا۔ آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرما دی اور وہ مومن ہو گیا۔

کیا بُخت نصر مؤمن تھا:

وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مومن تھا؟ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہلِ کتاب کے اقوال مختلف پائے کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانہ خدا تھا۔ اللہ کی کتابوں کو سوختہ کیا اور انبیاء کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ
بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر پھر وہی کرو گے
عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾
تو ہم پھر وہی کرینگے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ ☆

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ ورنہ پھر ہلاکت ہے

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دو بار شرارت کرینگے۔ اسکی جزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہونگے۔ اسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی۔ حضرت سلیمان کی سلطنت میں دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا۔ تب سے ان کی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کر دے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم وہی کریں گے۔ یعنی مسلمانوں کو ان پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ تیار ہے'' بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیح سے ۵۸۷ سال پہلے اور دوسرے وعدہ سے ''طیطوس رومی'' کا حملہ جو رفع مسیح سے ستر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر پوری تباہی آئی اور مقدس ہیکل کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ (اے بنی اسرائیل) قریب ہے کہ تمہارا رب تم رحم فرمائے۔ یعنی اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اور اگر تم (اللہ کی نافرمانی اور رسول کی مخالفت کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا اور انتقام کی طرف) لوٹیں گے۔

پس عبداللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار اور ان جیسے دوسرے اہلِ کتاب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو اللہ نے ان پر رحمت نازل

فرمادی، ان کی ثنا کی اور فرمایا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا، وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ اور بنی قریظہ بنی نضیر اور ان کی طرح دوسرے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور آپ کو شہید کر دینا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا، آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تو اللہ بھی ان کو سزا دینے کی طرف لوٹا، ان سے انتقام لیا، بنی قریظہ کو قتل کرایا، بنی نضیر کو جلاوطن کرایا، ان پر جزیہ مقرر کیا اور ان کو ذلیل کیا۔ (تفسیر مظہری)

اب تیسرا دور شریعت محمدیہ کا ہے جو قیامت تک چلیگا اس کی مخالفت کرنے کا بھی وہی انجام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان لوگوں نے شریعت محمدیہ اور اسلام کی مخالفت کی تو مسلمانوں کے ہاتھوں جلاوطن اور ذلیل وخوار ہوئے اور بالآخر انکے قبلہ بیت المقدس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ فرق یہ رہا کہ پچھلے بادشاہوں نے ان کو بھی ذلیل وخوار کیا تھا اور ان کے قبلہ بیت المقدس کی بے حرمتی بھی کی تھی اب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو مسجد بیت المقدس جو صدیوں سے منہدم اور غیر آباد پڑی تھی اس کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس قبلہ انبیاء کے احترام کو بحال کیا۔

مسلمانوں کو سرکشی کی سزا:

آجکل جو حادثہ فاجعہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضہ کا اور پھر اس کو آگ لگانے کا سارے عالم اسلام کو پریشان کئے ہوئے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی قرآنی ارشاد کی تصدیق ہو رہی ہے۔

اور ایک ایسی قوم غالب آگئی جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی رہی ہے یعنی یہود۔ اس پر مزید یہ مشاہدہ ہے کہ وہ قوم نہ تعداد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے اور نہ مسلمانوں کے مجموعی موجودہ سامان حرب کے مقابلہ میں اسکی کوئی حیثیت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا البتہ مسلمانوں کے لئے ان کی سرکشی کی سزا ضرور ہے۔

غلبہ حاصل کرنے کا سامان:

وہ اسلحہ اور سامان جس سے بیت المقدس اور فلسطین پھر مسلمانوں کو واپس مل سکتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف انابت ورجوع، آخرت پر یقین، احکام شرعیہ کا اتباع، اپنی معاشرت اور سیاست میں غیروں پر اعتماد اور ان کی نقالی سے اجتناب اور پھر اللہ پر بھروسہ کر کے خالص اسلامی اور شرعی جہاد ہے اللہ تعالیٰ ہمارے عرب حکمرانوں اور دوسرے مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمادیں۔

ایک عجیب معاملہ:

اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں اپنی عبادت کے لئے دو جگہوں کو عبادت کرنے والوں کا قبلہ بنایا ہے ایک بیت المقدس دوسرا بیت اللہ مگر قانون قدرت دونوں کے متعلق الگ الگ ہے بیت اللہ کی حفاظت اور کفار کا اس پر غالب نہ آنا یہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذمہ لے لیا ہے اسی کا نتیجہ وہ واقعہ فیل ہے جو قرآن کریم کی سورہ فیل میں ذکر کیا گیا ہے کہ یمن کے نصرانی بادشاہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے معہ اس کے ہاتھیوں کی فوج کے بیت اللہ کے قریب تک جانے سے پہلے ہی پرندے جانوروں کے ذریعہ ہلاک وبرباد کر دیا۔

لیکن بیت المقدس کے متعلق یہ قانون نہیں بلکہ آیات مذکورہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب مسلمان گمراہی اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو ان کی سزا کے طور پر ان سے یہ قبلہ بھی چھین لیا جائے گا اور کفار اس پر غالب آجائیں گے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ
یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ
اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا ☆

کامیابی کا راستہ:

یعنی یوں تو تورات بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا "هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ" لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام "قویم راہیں" اس "اقوم" کے تحت میں مندرج ہوگئی ہیں۔ لہذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب وجوارح یعنی ایمان وعمل صالح سے اس صاف وکشادہ راہ پر چلیں گے قرآن ان کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم الشان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کا کچھ خیال نہیں۔ اندھا دھند دنیا کی لذات وشہوات میں غرق ہیں۔ آخرت کی اصلاً فکر نہیں رکھتے، ان کا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طریق قوام:

قرآن جس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے اس کو اقوم کہا گیا ہے اقوم کی تفسیر یہ ہے کہ وہ راستہ جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب بھی ہو۔ آسان بھی ہو، خطرات سے خالی بھی ہو (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا
اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کے لئے تیار کیا ہے

لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝ وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ

ہم نے عذاب درد ناک اور مانگتا ہے آدمی

بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ‌ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ۝

برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز ☆

انسان کی جلد بازی:

یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا، اجر کبیر کی بشارتیں سناتا اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے لیکن حضرت انسان کا حال یہ کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لئے برائی کو اسی اشتیاق والحاح سے طلب کرتا ہے جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہئے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بدبخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَـقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ" (خداوند صلی اللہ علیہ وسلم اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بیوقوف غصہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں، و بعض دنیا کے نفع عاجل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال وحرام طریقہ سے اسکی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دوررس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ پس جو بات کسی وقت سانح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گذرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

خیر کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لیے اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کے لیے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طلبگار رہتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بددعا قبول فرمالے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی یہ بددعا قبول نہیں فرماتا (اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا)

وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا جائے تو ایسا نتیجہ سامنے آجائے گا جو اس کو پسند نہ ہوگا، ناگوار ہوگا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگدل ہو کر دعا کرتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی عجلت:

بعض علماء نے کہا الانسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جب روح آپ کے بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے، مگر گر پڑے اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

واقدی نے مغازی میں حضرت عائشہؓ کے کسی آزاد کردہ غلام کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی کو ساتھ لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کی بڑی نگرانی رکھنا (کہیں بھاگ نہ جائے) حضرت عائشہؓ کسی عورت سے باتیں کرنے میں قیدی کی طرف سے غافل ہو گئیں، قیدی بھاگ گیا، رسول اللہ تشریف لائے اور قیدی کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں (وہ کہاں گیا) میں ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی کہ وہ نکل گیا، حضور والا نے (ناراض اور غضبناک ہو کر (فرمایا اللہ تیرا ہاتھ کاٹ دے، یہ فرما کر باہر تشریف لے گئے اور ملزم کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا لوگ اس کو پکڑ لائے پھر آپ اندر تشریف لائے حضرت عائشہؓ بستر پر (بیٹھی) اپنے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں۔ فرمایا، کیوں کیا بات ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں آپ کی بددعا (کا اثر ظاہر ہونے) کا انتظار کر رہی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ میں ایک انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور غصہ آتا ہے، میں جس مومن مرد یا مومن عورت کے لیے کوئی بددعا کروں تو میری بددعا کو اس کے لیے (گناہوں سے) پاکی اور طہارت (کا سبب) بنادے۔ واللہ اعلم۔

کافر انسان:

کلام کی رفتار بتا رہی ہے کہ الانسان سے مراد کافر انسان ہے اور دعاء شر سے مراد عذاب کے فوراً آجانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نضر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو فریق بہتر ہو اس کو فتحیاب کر۔ اے اللہ اگر تیری طرف سے یہ (اسلام وقرآن) ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، چنانچہ بدر کے دن نضر بن حارث کی گردن ماری گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيۡنِ

اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے

رات اور دن قدرت کے نمونے ہیں:

رات کا اندھیرا دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اسکا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا، پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں۔ جن سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط ومحکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کی تاریکی نیند اور آرام کے لئے مناسب ہے اور قدرت نے ایسا نظام بنادیا ہے کہ ہر انسان اور جانور کو اسی رات کی تاریکی میں نیند آتی ہے پورا عالم بیک وقت محو خواب ہوتا ہے اگر مختلف لوگوں کی نیند کے مختلف اوقات ہوتے تو جاگنے والوں کے شور وشغب اور کام کاج کی وجہ سے سونے والوں کی نیند بھی حرام ہوجاتی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَحَوۡنَآ اٰيَةَ الَّيۡلِ
پھر مٹا دیا رات کا نمونہ ☆

رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے بلکہ خود جرم قمر بھی دیکھنے والے کو داغدار نظر آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلۡنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبۡصِرَةً
اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو
لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ
تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا ☆

یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہوکر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ الغرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ سورج کی شعاعیں سب کو بے حجاب کردیتی ہیں۔ اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر گشت لگانے لگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورج اور چاند کی روشنی:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سورج کی چمک کے ستر حصے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کیے پھر چاند کی روشنی کے ٦٩ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کردیئے یہاں تک کہ جبرئیل نے بحکم خدا اپنا پر چاند کے چہرہ پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، فرمایا یہ (روشنی کو) مٹانے کا نشان ہے۔

چاند کی سیاہی:

بیہقی نے دلائل میں سعید مقبری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سیاہی کے متعلق دریافت کیا جو چاند میں موجود ہے۔ فرمایا، دونوں چمکدار تھے۔ پھر بقول باری تعالیٰ فَمَحَوۡنَآ اٰيَةَ الَّيۡلِ (ایک کی چمک مٹادی گئی) پس یہ سیاہی جو تم کو نظر آرہی ہے۔ محو کی نشانی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے پوچھا کہ چاند میں یہ جھائی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ ہم نے رات کے نشان یعنی چاند میں محویت ودھندلکا ڈال دیا اور دن کا نشان خوب روشن ہے یہ چاند سے زیادہ منور اور چاند سے بہت بڑا ہے۔ دن رات کو دو نشانیاں مقرر کردی ہیں۔ پیدائش ہی ان کی اسی طرح کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ
اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب ☆

یعنی لیل ونہار کی آمد وشد اور شمس وقمر کے طلوع وغروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور دن کو روشن کرنے کی اس جگہ دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ دن کی روشنی میں آدمی اپنی روزی تلاش کرسکتا ہے محنت مزدوری، صنعت وحرفت سب کے لئے روشنی کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ رات دن کی آمد ورفت سے سالوں اور برسوں کی تعداد معلوم کی جاسکے کہ تین سو ساٹھ دن پورے ہونے پر مثلاً ایک سال پورا ہوگیا۔

اسی طرح دوسرے سب حسابات بھی رات دن کی آمد ورفت سے متعلق ہیں اگر رات دن کا یہ اختلاف نہ ہوتو مزدور کی مزدوری ملازم کی ملازمت معاملات کی میعادیں متعین کرنا سب مشکل ہوجائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكُلَّ شَيۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِيۡلًا ﴿١٢﴾
اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر ☆

غفلت کا اندھیرا قیامت کی صبح کو ختم ہوگا:

تم سمجھ لو کہ گھبرانے اور جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور انداز مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن، کسی کی جلد بازی اور شتاب کاری سے رات کم نہیں ہوجاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر آپ صبح وشام ہوتی ہے، شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی سمجھو جیسے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر وشر کا سلسلہ ایک معین ضابطہ اور نظام کے ماتحت

ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان میں نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منغص زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے درجہ کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اسکے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے۔ اس وقت ہوگا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اسکے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، پر غفلت و جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق)۔ اس وقت اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اٹھے گا۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (کہف)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ

اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور نکال دکھائینگے اس کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی ☆

اعمال گلے کا ہار ہیں:

یعنی شومئی قسمت اور زشتی اعمال اسکے گلے کا ہار ہے۔ بری قسمت کیساتھ برے عمل ہیں کہ چھوٹ نہیں سکتے۔ وہ ہی نظر آئیں گے قیامت میں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے گلے میں ایک قلادہ لٹکا دیا گیا ہے جس کے اندر اس کے اعمال لکھدیے جاتے ہیں پھر لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن جب اس کو اٹھالیا جائے گا تو اس اعمالنامہ کو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اصبہانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے سامنے اس کا اعمالنامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا، میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس میں وہ درج نہیں ہیں اللہ فرمائے گا چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لیے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔ (تفسیر مظہری)

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں طائر سے مراد عمل ہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں صحیفے کھلے رکھے ہیں داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں طرف والا بدیاں لکھ رہا ہے اب تجھے اختیار ہے زیادہ نیکی کر یا زیادہ بدی۔ تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دیئے جائیں گے اور تیری قبر میں تیری گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے، قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا لے اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ خدا کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نامہ اعمال گلے کا ہار ہونے کا مطلب:

یہ ہے کہ انسان کسی جگہ کسی حال میں رہے اس کا صحیفہ عمل اس کے ساتھ رہتا ہے اس کا عمل لکھا جاتا رہتا ہے جب وہ مرتا ہے تو بند کر کے رکھدیا جاتا ہے پھر قیامت کے روز یہ صحیفہ عمل ہر ایک کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا کہ خود پڑھ کر خود ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب حضرت قتادہؒ سے منقول ہے کہ اس روز بے پڑھا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا۔ اس موقع پر اصبہانی نے بروایت حضرت ابوامامہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کا نامہ اعمال جب ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دیکھے گا کہ اس کے بعض اعمال صالحہ اس میں لکھے ہوئے نہیں ہیں تو عرض کرے گا کہ میرے پروردگار اس میں میرے فلاں فلاں عمل درج نہیں ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ ہم نے ان اعمال کو اس لئے مٹا دیا کہ تم لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ

پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے

الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾

آج کے دن اپنا حساب لینے والا ☆

پورے اعمال مندرج ہوں گے:

یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے، جو کام عمر بھر میں کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلاکم و کاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی پہلے حساب و کتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا آج تیرا نفس خود ہی تجھ سے حساب فہمی کے لیے کافی ہے۔ حسیب حساب کرنے والا۔ یا حسیب کا معنی ہے

کافی۔ یعنی تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمالنامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا (یعنی قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک میدان میں حساب فہمی کے لیے کھڑا کیا جائے گا) تو اللہ ایک ہوا بھیجے گا اور ہوا اڑا کر اعمالناموں کو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچادے گی۔ (تفسیر مظہری)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ

اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ

اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا ☆

اپنا برا بھلا سوچ لو:

یعنی سیدھی راہ خدا نے سب کو بتلا دی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا بھلا برا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ایک گناہوں کی گٹھڑی دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول ☆

اتمامِ حجت کے بعد عذاب آتا ہے:

یعنی بلاشبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالیٰ بغیر سمجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں۔ نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیں۔ جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً وجود باری یا توحید) انکی مزید تشریح و توثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جائے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو انہیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے اسی لئے ابتداء آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار و فیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ کوئی معذب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذاب الٰہی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں "اصحاب فترت" اور اطفالِ صغاء کی تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے۔ ہم تطویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

توحید و نبوت پر ایمان عقل کا فریضہ ہے:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا حاکم اللہ ہی ہے لیکن انسانی عقل بجائے خود اللہ کو ایک سمجھنے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک جاننے اور معجزات کی روشنی میں نبوت کا اقرار کرنے کی مکلّف ہے۔ اقرار توحید و رسالت کا مدار عقل پر ہے، حکم خداوندی اور ہدایتِ رسول پر نہیں جس کو بعثتِ نبی کی اطلاع نہ پہنچی ہو، یا انبیاء کو اللہ مبعوث ہی نہ کرے تب بھی توحید و تنزیہ کا اعتراف عقل کا فریضہ ہے۔ تمام شرائع اور احکام کا مدار توحید و نبوت کے اقرار پر ہے۔ اب اگر توحید و نبوت کے اقرار کا مدار بھی حکمِ شریعت پر ہوگا تو دور پیدا ہو جائے گا اور اس چکر کے نتیجے میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یوں سمجھو احکامِ شرعیہ نبوت و توحید کے اقرار پر مبنی ہیں، اور نبوت و توحید کا اقرار حکم شرع پر مبنی ہے۔ تو احکامِ شرعیہ خود ہی اپنی ذات پر موقوف ہوں گے پس انبیاء کے مبعوث نہ ہونے یا بعثت کی اطلاع نہ پانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص شرک کرے گا تو مجرم اور مستحق عذاب ہوگا۔ اس قول کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ (حضرت آدم سے) فرمائے گا۔ آدم! حضرت آدم جواب دیں گے لبیک۔ حاضر۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا (اپنی اولاد میں سے) دوزخ کا حصہ نکالو۔ آدم عرض کریں گے دوزخ کا حصہ کیا۔ اللہ فرمائے گا۔ نوسو ننانوے فی ہزار۔ یہ فرمان ایسا ہوگا کہ (جس ہیبت سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے، اور ہر حاملہ کو اسقاط ہو جائے گا اور لوگ نشہ والوں کی طرح (بے قابو اور) مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ آور چیز پیئے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ایک (نجات یافتہ) ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے ایک (جہنمی) ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار۔ الی اخر الحدیث۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عقل پانے کے بعد ہر شخص توحید کے اقرار کا مکلّف ہے، دیکھو یاجوج ماجوج کی قومیں سد کے پار ہوں گی ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا پھر بھی ان پر عذاب ہوگا۔

دورِ جاہلیت کے لوگ:

دو پیغمبروں کی درمیانی مدت میں جب کہ سلسلہ رسالت (عارضی طور پر) منقطع ہو گیا ہو جو لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی جانچ کی جائے گی۔ بزار نے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، قیامت کے دن اہلِ جاہلیت (دورِ اسلامی سے پہلے کے لوگ جو حضرت عیسیٰ کے صحیح دین پر نہ تھے) اپنے بار اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ اللہ ان سے باز پرس کرے گا، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا تھا نہ ہم کو تیرا حکم پہنچا اگر تو

کوئی رسول ہمارے پاس بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرمانبردار بندے ہوتے اللہ فرمائے گا اچھا اگر میں تم کو اب کوئی حکم دوں تو مانو گے (اہل جاہلیت جواب دیں گے، بیشک ہم مانیں گے) اللہ ان سے پختہ عہد و پیمان لے کر حکم دے گا، جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، حسب الحکم وہ لوگ دوزخ کی طرف چلیں گے، جب (قریب پہنچ کر) اس کو دیکھیں گے تو ڈر کر واپس لوٹ پڑیں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم کو تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ فرمائے گا، ذلیل ہو کر اس میں داخل ہو (یعنی اس وقت تم نے نافرمانی کی اب ذلت کے ساتھ تم کو دوزخ میں جانا پڑے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ پہلی ہی مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔

چار آدمی اپنی گمراہی کا عذر کریں گے:

امام احمد اور ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت اسود بن سریع کی روایت سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن چار آدمی ایسے ہوں گے جو (اپنے گمراہ ہونے کی) حجت پیش کریں گے، بہرا پٹ، احمق، پیر فرتوت جو وسواس کی حد تک پہنچ چکا ہوگا، اور وہ شخص جو دورِ جاہلیت میں مرا ہوگا۔ بہرا کہے گا، میرے رب اسلام آیا تو میں نے دعوتِ اسلامی نہیں سنی مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا۔ احمق کہے گا جب اسلام آیا تو (میری یہ حالت تھی کہ) بچے میرے مینگنیاں مارتے تھے (میں تو پاگل تھا) پیر فرتوت کہے گا اسلام جس وقت آیا تو میں سمجھ سے قاصر تھا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا اور دورِ جاہلیت میں جو شخص مر گیا ہوگا وہ کہے گا اے میرے رب میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا (اللہ فرمائے گا کیا اب اگر تم کو کوئی حکم دیا جائے تو تعمیل کرو گے وہ لوگ تعمیل کا وعدہ کریں گے) اللہ ان سے تعمیل حکم کا مضبوط وعدہ لے کر حکم دے گا کہ دوزخ میں چلے جاؤ (وہ داخل نہ ہوں گے اور ڈر کر لوٹ آئیں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر وہ دوزخ میں (حکم ملتے ہی) داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لیے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔ تینوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے جو کوئی (تعمیل حکم میں) دوزخ کے اندر گھس جائے گا آگ اس کے لئے خنکی بخش اور سلامتی کا باعث ہو جائے گی اور جو (اپنی خوشی سے) داخل نہ ہوگا، اس کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

بہر حال مشرک کو شرک کا عذاب ہوگا:

میں حنفیہ کے قول کے موافق کہتا ہوں کہ مشرک اگر باہوش ہے تو اس کو خواہ پیغمبر کی دعوت نہ پہنچی ہو، پھر بھی شرک کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس حکم میں بطور عموم وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو دورِ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں شرک پر مر گئے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ سامنے اپنی ناواقفیت کا عذر پیش کریں اور اللہ قیامت کے دن ان کا امتحان لے کر آخر جہنم میں بھیجدے۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرک کا انکار کریں گے اور ثبوت و شہادت طلب کریں گے تو ان کے اعضاء خود ان کے خلاف شہادت دیں گے اور اللہ کی طرف سے ثبوت مکمل ہو جائے گا اور شرک کا عذاب اللہ جس کو چاہے گا دے گا اور یہ تقاضاءِ عدل کے خلاف بھی نہ ہوگا (کیونکہ شرک سے روکنے والی اور توحید کی طرف راہنمائی کرنے والی عقل اللہ نے ان کو عطا کر دی تھی، اس کے لیے کسی مزید پیام بھیجنے کی ضرورت نہ تھی) البتہ دوسرے صحیح ضوابط زندگی سمجھنے کے لیے چونکہ عقل انسانی کافی نہیں ہے اس لیے بغیر رسالت و بعثت کے کوئی شخص ان کا مکلف نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اللہ ایسا تو نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد گمراہ کر دے تاوقتیکہ ان باتوں کو کھول کر نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ رسولاً عقل کو بھی شامل ہے لفظ رسول کے اندر پیغمبر بھی داخل ہیں اور ہر انسان کی تندرست عقل بھی۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول ہے جو خیر و شر کا فرق بتاتی ہے اور اچھائی برائی کی اس کے ذریعہ سے تمیز ہوتی ہے۔ پس عقل انسانی جن فرائض و حقوق کا ادراک کر سکتی ہے ان کے ترک پر انسان کو عذاب دیا جائے گا (خواہ شرک ہو یا بدیہی واضح امور خیر و شر)

مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے:

بخاری نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے ایک طویل حدیث خواب بیان کی ہے جس کے اندر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پیر مرد ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرداگرد کچھ بچے بھی تھے رسول اللہ کا گذر ادھر سے ہوا اور آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں اور یہ بچے مسلمانوں کے اور مشرکوں کے ہیں، صحابہ نے یہ بات سن کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے بچے بھی فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔

ابن جریر نے حضرت سمرہ کا بیان نقل کیا ہے، ہم نے رسول اللہ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ اہلِ جنت کے خادم ہوں گے۔ یہی حدیث حضرت ابنِ مسعود سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری کے بچے کے جنازہ میں شرکت کے لیے رسول اللہ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے لیے تو خوشی ہی خوشی ہے وہ تو جنت کی چڑیا تھی کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ گناہ کرنے کی عمر پائی۔ یا اس کے خلاف کچھ ہوگا فرمایا (سنو) عائشہؓ! اس نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لیے کچھ اشخاص بھی ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے اور دوزخ کو پیدا کیا تو اس کے لیے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کر دیئے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے معاملے میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، توقف ہی رکھنا چاہیے۔ باوجودیکہ ان کے جنتی ہونے پر اجماع سلف ہے امام احمد اور ابن ابی زید اور ابویعلی وغیرہ نے فراء وغیرہ کے حوالے سے اجماع ہونا نقل کیا ہے اس کے علاوہ قرآن واحادیث کی صریح عبارتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کذا قال النوی والسیوطی۔ (لیکن یہ سب لاعلمی کا اظہار مسلمانوں کے بچوں کے سلسلہ میں بھی آیت فتح کے نزول سے پہلے تھا)۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بزاز نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ امت جب تک تقدیر کی بابت (کوئی جھگڑا) اور بچوں کے (جنتی و دوزخی ہونے کے) سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کرے گی اس کا معاملہ ٹھیک رہے گا (کوئی فساد نہ ہوگا) ابن حبان کے نزدیک جن بچوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے ان سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں۔ یہ حدیث بھی آیت فتح سے منسوخ ہے اور یہ ارشاد اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ کو مشرکوں کے بچوں کے نتیجہ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

وہ احادیث جو مشرکوں کے بچوں کے دوزخی ہونے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں ان میں کوئی حدیث بھی اتنی قوی نہیں جتنی وہ احادیث قوی ہیں جن میں اولادِ مشرکین کا جنت میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کی آیات سے بھی ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اس لیے ناقابل قبول ہیں۔ اور چونکہ یہ احادیث خبری شکل میں ہیں۔ یعنی ان میں اولاد مشرکین کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں جاری نہیں ہوتا، اس لیے ہم ان کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ انتہائی ضعیف کہتے ہیں بایں معنی ان کو منسوخ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لیے عذابِ دوزخ تو مقرر کر دیا ہے لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے اس کو دور کر دے گا۔ ابن ابی شیبہ کی حدیث اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اولاد انسانی میں سے جو لوگ لاہی (کھیلنے والے یا غافل) مرگئے ہوں ان کے متعلق میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے، اللہ نے میرا سوال پورا کر دیا۔ ابن عبدالبر نے کہا اس حدیث میں لاہی سے مراد بچے ہیں ان کے اعمال (قابل گرفت نہیں) محض لہولعب ہیں نہ عقل کے ساتھ ہوتے ہیں نہ عزم کے ساتھ۔

امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ اور عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، تین (قسم کے لوگوں) سے قلم اٹھالیا گیا ہے (یعنی وہ شرعی احکام کے مکلّف ہی نہیں ہیں) دیوانہ جب تک اچھا نہ ہو جائے، سوتا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بڑا (یعنی بالغ) نہ ہو جائے۔

سیوطی نے لکھا ہے اطفال مشرکین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ان کو رکھا جائے گا (وہ نہ دوزخی ہوں گے نہ جنتی) بعض نے کہا ان کو خاک کر دیا جائے گا۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اولاد مسلمین کے متعلق اجماع امت ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

حضرت ابراہیم بچوں کے کفیل ہیں:

مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمانوں بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم کے سپرد ہے صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد یک طرفہ خالص بنایا ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی مسلمان کا لفظ بھی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شخص کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ (حضرت) ابراہیمؑ ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں اور مشرکوں کی اولاد ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور مشرکین کی اولاد بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

پیغام رسائی کی مختلف صورتیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا: یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہ احکام خداوندی سے باخبر نہ ہو جائے اور اللہ کی حجت اس پر قائم نہ ہو جائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رسول بھیجے اور وہ بندوں کو احکام خداوندی سے مطلع کرے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول خود ہر ایک کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچائے بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ خود بیان کرے یا اس کی طرف سے کوئی عالم یا مبلغ اللہ کا پیغام پہنچا دے بہر حال اس کی رسالت اور شریعت کا علم ہو جانا کافی ہے۔ خواہ وہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، رسالت عامہ ہے۔ تمام عالَم کے لئے

ہے صحابہ کرام تابعین اور علماء امت کے ذریعے سے مشرق اور مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

وجودِ باری اور توحید میں کوئی معذور نہیں ہے:

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید خداوندی اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو معمول عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کما قال تعالیٰ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ اس لئے انکار خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگر چہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمارت بغیر معمار کے ممکن نہیں اور کتابت بغیر کاتب کے ممکن نہیں اور صنعت بغیر صانع کے ممکن نہیں تو زمین سے لے کر آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہوگئی۔ جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برج والا آسمان اور گرد وغبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی۔

غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی راہنمائی بھی اس کے لئے کافی ہے اور انبیاء کرام نے دلائل اور براہین سے اس کی مزید تشریح اور توثیق کر دی۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا
اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا
مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا
اس کے عیش کرنیوالوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت
الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا
ہوگئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر ☆

یونہی اچانک عذاب نہیں آتا:

یعنی جب بداعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ اول پیغمبر یا اسکے نائبین کی زبانی خدائی احکام انکو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بندوں نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں۔ اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ م شرور انفسنا) (تنبیہ) وقال بعض السلف ان الامر فی قوله تعالیٰ "امرنا مترفیها" امرٌ تکوینی قدری بالنفس و قوله تعالیٰ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ" معناه نفی الامر التشریعی فلا منافاة، فافهم. (تفسیر عثمانی)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

الفاظ آیت اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اور اس کے بعد اَمرنا کے ظاہر سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ان لوگوں کا ہلاک کرنا ہی مقصود خداوندی تھا اس لئے ان کو اول بذریعہ انبیاء ایمان و اطاعت کا حکم دینا پھر ان کے فسق و فجور کو عذاب کا سبب بنانا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا تو اس صورت میں یہ بیچارے معذور و مجبور ہوئے اس کے جواب کی طرف ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کے ضمن میں یہ اشارہ آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و اختیار دیا اور عذاب و ثواب کے راستے متعین کر دیئے جب کوئی اپنے اختیار سے عذاب ہی کے کام کا عزم کرے تو عادت اللہ یہ ہے کہ وہ اسی عذاب کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو اصلی سبب عذاب کا خود ان کا عزم اور قصد ہے کفر و معصیت کا نہ کہ محض ارادہ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

حق تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے حاکم و رئیس ایسے لوگ بنا دیئے جاتے ہیں جو عیش پسند، عیاش ہوں یا حاکم بھی نہ بنیں تو اس قوم کے افراد میں ایسے لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ شہوات ولذات میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانیاں خود بھی کرتے ہیں دوسروں کے لئے بھی اس کی راہ ہموار کرتے ہیں بالآخران پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

امر تکوینی کی ایک نادر مثال

واذا اردنا ان نهلک قریة امرنا مترفیها ففسقو فیها فحق علیها القول فدمرناها تدمیرا (بنی اسرائیل)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ اور جب ہم نے چاہا کہ کھپا دیں کوئی بستی حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے بے حکمی کی اس میں۔ تب ثابت ہوئی ان پر بات۔ تب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔

یعنی انقلاب اور عروج و زوال کی طبعی رفتار جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ یہ ہے کہ خوشحال صاحب دولت و ثروت جن کو عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی ملک وملت کے کاموں میں مصروف ہونا چاہئے تھا وہ ان سے غافل ہو کر تعیش میں مصروف ہو جاتے ہیں اُن کی تمام دلچسپیاں عیش و عشرت اور اسباب وذرائع سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں لامحالہ ایک طرف پوری قوم اور پورے ملک کی اخلاقی حالت تنزل پذیر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اپنے امراء

اور برسر اقتدار طبقہ کی طرح دادعیش دینے لگتے ہیں دوسری جانب ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے اور ایک ایسی ابتری پھیلتی ہے جس کا لازمی تقاضا وہ بحران ہوتا ہے جس کا نام انقلاب ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ صاحب عزت ذلیل اور ارباب اقتدار پست اور غلام ہوجاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر پوری قوم تباہی اور بربادی کے گھاٹ اتار دی جاتی ہے۔

انقلاب اور تباہی و بربادی کے یہ تمام اسباب انسان کے علم سے مہیا ہوتے ہیں مگر کسی چیز کا سبب بننا' پھر سب کا اثر پیدا کرنا دونوں امر الٰہی پر موقوف ہیں' اُسی کا خلق وایجاد اور اسی کا حکم تھا کہ مثلاً کونین یا گلو میں ''بخار'' توڑنے کی خاصیت پیدا ہوئی پھر اُسی کا حکم ہوتا ہے تو کونین بخار توڑتی ہے اس کا حکم نہ ہو تو کونین اور گلو سے بھی زیادہ موثر چیزیں بیکار ہوتی ہیں۔

بہر حال کسی قوم کے تنزل اور اس کی بربادی کے اسباب اگرچہ انسانی اعمال ہیں مگر ان اعمال کا سبب بننا اور پھر ان کا موثر ہونا امر الٰہی پر موقوف ہے یہ امر جو سلسلہ اسباب کے متعلق صادر ہوتے رہتے ہیں ''تکوینی امر'' ہیں۔ (افادات حضرت مدنی رحمہ اللہ)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ
اور بہت غارت کر دیے ہم نے قرن نوح کے پیچھے ☆

ہلاکت اقوام:

آدم ونوح کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کیلئے بھیجے گئے۔ سینکڑوں برس سمجھایا، نہ مانے، آخر سب ہلاک کیے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد وثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کیے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

قرن کا مفہوم: صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں محمد بن قاسم نے عبداللہ بن تستر مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا یہ لڑکا ایک قرن جیے گا۔ محمد بن قاسم کا بیان ہے ہم عبداللہ کی عمر کا حساب برابر لگائے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی عمر کے سو سال پورے ہوگئے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾
اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا ☆

بے قصور سزا نہیں ملتی:

یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑتا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اسکے اوضاع واطوار کو پوری طرح جان کر موزوں ومناسب برتاؤ کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ
جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دیدیں ہم اس کو
فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ
اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے
جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿١٨﴾
اس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سن کر دھکیلا جا کر ☆

مہلت بھی ملتی ہے:

یعنی ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے نہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کیلئے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت ومصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں تا ان کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہوکر نہایت ذلت ورسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دیے جائیں گے۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا
اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ
جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾
دوڑ ٹھکانے لگی ہے ☆

مؤمن صالح کی کوشش بیکار نہیں جاتی:

یعنی جس کے دل میں ایمان ویقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے۔ اس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہ احدیت میں حسنِ قبول سے سرفراز ہوکر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور تفسیر روح المعانی نے سعیھا کی تشریح میں سعی کے مطابق سنت ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو یعنی عمل مفید مطابق سنت بھی ہو اور اس پر استقامت اور مداومت بھی ہو بدنظمی کے ساتھ کبھی کرلیا کبھی نہ کیا اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو،

اسے وہی جمع کرتا رہتا ہے جس کے پاس اپنی عقل نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچہ کو پالا اور کھلایا پلایا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہے اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ اسے جہنم سے آزاد کرے گا اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد ہوگا۔ اس حدیث کی ایک سند میں ہے، جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پالیا پھر بھی دوزخ میں گیا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ تینوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی آزادگی گردن، خدمتِ والدین اور پرورشِ یتیم، ایک روایت میں ماں باپ کی نسبت یہ بھی ہے کہ خدا اسے دُور کرے اور اسے برباد کرے الخ۔ ایک روایت میں تین مرتبہ اس کے لئے یہ بددعا ہے۔ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والے اور ماہِ رمضان میں بخشش خدا سے محروم رہ جانے والے اور ماں باپ کی خدمت اور رضامندی سے جنت میں نہ پہنچنے والے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بددعا کرنا منقول ہے۔

ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ میں کوئی سلوک کرسکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں چار سلوک، ان کے جنازے کی نماز، ان کے لئے دعا واستغفار، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہو۔ یہ ہے وہ سلوک جو ان کی موت کے بعد بھی تو ان کے ساتھ کرسکتا ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ) ایک شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں جہاد کے ارادے سے آپ کی خدمت میں خوش خبری لے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیری ماں ہے؟ اس نے کہاں ہاں۔ فرمایا جا اسی کی خدمت میں لگا رہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے۔ دوبارہ سہ بارہ اس نے مختلف مواقع پر اپنی یہی بات دوہرائی اور یہی جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دہرایا۔ (نسائی۔ ابن ماجہ وغیرہ) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے باپوں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں تمہاری ماؤں کی نسبت وصیت فرماتا ہے۔ پچھلے جملے کو تین بار بیان فرما کر فرمایا اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے قرابتداروں کی بابت وصیت کرتا ہے سب سے زیادہ نزدیک والا پھر اس کے پاس والا (ابن ماجہ، مسند احمد) فرماتے ہیں دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے۔ اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر جو اس کے بعد قریب ہو اسی طرح درجہ بدرجہ (مسند احمد) بزار کی مسند میں ضعیف سند سے مروی ہے کہ ایک صاحب اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرا رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے لگے کہ اب تو میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ آپ نے فرمایا، ایک شمہ بھی نہیں، واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر)

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾

اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی ☆

یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت ومصلحت کے موافق بعض طالبین دنیا کو دنیا اور تمام طالبین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے۔ اسکی عطا میں کوئی مانع ومزاحم نہیں ہوسکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر وعصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کردیے جاتے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے فاقہ پہنچے اور لوگوں سے اسے بند کرانا چاہے اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ سے اس کی بابت دعا کرے اللہ اس کے پاس تونگری بھیجدے گا یا تو جلدی یا دیر سے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ

دیکھ کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے

وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا ﴿۲۱﴾

اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ☆

آخرت کے درجات:

یعنی دنیوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک دوسرے پر کس قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کرلو کہ آخرت میں تفاوت اعمال واحوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہوگا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درکاتِ جہنم بے حد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان کا تفاوت ہوگا۔ نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جاچکا کہ جنت کے یہ درجات انہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لئے اس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔ اگلی آیتوں میں دور تک آخرت کی سعی کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر چلنے سے انسان کو یہ بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے ''تورات'' کی ساری (اخلاقی) تعلیم سورہ ''بنی اسرائیل'' کی پندرہ آیتوں میں درج کردی ہے وہ پندرہ آیتیں اگلے رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ

مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حکم پھر بیٹھ رہے گا

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

تو الزام کھا کر بے کس ہو کر ☆

شرک کی ذلت:

یعنی شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم و ملزم ٹھہرو گے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم تھی وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کیلئے اپنی ترمیم و اصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک عاقل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لئے یہ چیز سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے کہ اپنے سے کمتر یا کسی عاجز مخلوق کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ خصوصاً ان چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں۔ جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدائے بے نیاز حقیقی نصرت و برکت کا دروازہ اس پر بند کر کے کمزوری اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ سخت کٹھن وقت میں جب کہ اسے اعانت و امداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار و مددگار نہ ملے گا۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو

اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو ☆

والدین کے حقوق:

خدا تو حقیقۃً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے۔ والدین اس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کئے گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ''وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی''۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد انکا جنازہ پڑھے، انکے لئے دعاء و استغفار کرے۔ ان کے عہد تا مقدور پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و حسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرہ ذالک۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور تیرے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔ قضاء یعنی قطعی حکم۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن اور ربیع بن انس نے اس جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اس لیے حکم دیا کہ ظاہری اسباب کے تحت ماں باپ ہی اولاد کے وجود اور زندگی کی علت ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اسی پر شاہد ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے'' آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''نماز اپنے وقت (مستحب) میں'' اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا ''والدین کے ساتھ اچھا سلوک''۔ (قرطبی)

والدین کی اطاعت کی احادیث:

(۱) مسند احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم میں بسند صحیح حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کر دو۔ (مظہری) (۲) اور جامع ترمذی و مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی رضاء باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں۔

(۳) بیہقی میں بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خدمتگذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کر لے، آپ نے فرمایا کہ ''ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا) اللہ تعالیٰ بڑا ہے (اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)۔

اطاعت والدین کی حدود:

اس پر علماء و فقہا کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ حدیث میں ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔)

مسئلہ: جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے فرض کفایہ کے درجے میں رہے اس وقت تک کسی لڑکے کے لئے بغیر ان کی اجازت کے جہاد میں شریک ہو جانا جائز نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شریک جہاد ہونے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا ففیهما فجاهد یعنی بس تو اب تم ماں باپ کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو مطلب

یہ ہے کہ ان کی خدمت ہی میں تمہیں جہاد کا ثواب مل جائے گا۔ دوسری روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ "جاؤ ان کو ہنساؤ جیسا کہ ان کو رلایا ہے" یعنی ان سے جا کر کہد و کہ میں آپ کی مرضی کے خلاف جہاد میں نہیں جاؤں گا۔ (قرطبی)

حصولِ علم اور تبلیغ کا سفر:

بقدرِ فرض علم دین جس کو حاصل ہو وہ عالم بننے کے لئے سفر کرے یا لوگوں کو تبلیغ و دعوت کے لیے سفر کرے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔

مسئلہ: والدین کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم قرآن و حدیث میں آیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے خصوصاً ان کی وفات کے بعد۔ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "باپ کے ساتھ بڑا سلوک یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور حضرت ابو اسید بدریؓ نے نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا ایک انصاری شخص آیا اور سوال کیا یارسول اللہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کا کوئی حق میرے ذمہ باقی ہے آپ نے فرمایا ہاں، ان کے لئے دُعاء اور استغفار کرنا اور جو عہد انہوں نے کسی سے کیا تھا اس کو پورا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام واحترام کرنا اور ان کے ایسے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا جن کا رشتہ قرابت صرف انہیں کے واسطے سے ہے والدین کے یہ حقوق ہیں جو ان کے بعد بھی تمہارے ذمہ باقی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حضرت خدیجہؓ ام المومنین کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے جس سے حضرت خدیجہ کا حق ادا کرنا مقصود تھا۔

عجیب واقعہ:

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آ جائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی انکو نہیں سنا جب یہ شخص اپنے والد کو لیکر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِیۡہِ (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔

غذوتک مولودا و منتک یافعا	تعل بما اجنی علیک و تنھل
میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد	بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا
اذا لیلة ضافتک بالقم لم ایت	لسعک الاساھرا اتململ
جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آ گئی تو تم میں نے تمام رات	تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گذار دی
کانی انا المطروق دونک بالذی	طرقت به دونی فعینی تھمل
گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں	جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا
نخاف ابردی نفسی علیک و انھا	لتعلم ان الموت وقت موجل
میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں	میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے
فلما بلغت السن والغایة التی	الیھا مدی ما کنت فیک اؤمل
پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے	جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا
جعلت جزائی غلظةً و فظاظة	کانک انت المنعم المتفضل
تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا	گویا کہ تمہیں مجھ پر احسان وانعام کر رہے ہو
فلیتک اذلم ترع حق ابوتی	فعلت کما الجار المصاقب یفعل
کاش اگر تم سے مرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا	تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے
فاولیتنی حق الجرار و لم تکن	علی بمال دون مالک تبخل
تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے	ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا۔ انت و مالک لابیک یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی، معارف القرآن مفتی اعظم)

اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ
اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے
اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا
یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور
تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ۝
نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی ☆

والدین کا بوڑھاپا:

بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے لگتے ہیں زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادتمند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بڈھے والدین کی خدمت گذاری وفرمانبرداری سے جی نہ ہارے قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا ان کے مقابلہ میں زبان سے "ہوں" بھی مت کرو۔ بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن مسیّب نے فرمایا ایسی طرح

بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بوڑھے والدین:

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم و کرم پر رہ جائے اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑ چڑا بنا دیتے ہیں تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل و فہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں۔

والدین کو اُف بھی نہ کہو:

اول یہ کہ ان کو اف بھی نہ کہے لفظ اف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے ایک حدیث میں روایت حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایذار سانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

مسئلہ: والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے لئے رحمت کی دعاء ظاہر ہے لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی یہ دعا اس نیت سے جائز ہوگی کہ ان کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو مرنے کے بعد ان کے لئے دعاء رحمت جائز نہیں (قرطبی ملخصا)

قَوْلًا كَرِيْمًا: اچھی نرم بات۔ ابن مسیب نے یہی ترجمہ کیا ہے جیسے کوئی قصوروار اپنے بدخو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے (ایسا ہی تم ماں باپ سے کلام کرو) مجاہد نے کہا، جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے اسی طرح ان کا (ایام پیری میں) بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو، اور ان کو اف بھی نہ کہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر نیاز مندی سے

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا ☆

والدین کے لئے دُعاء:

یعنی جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا تو انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت و خوبی کی فکر کی۔ ہزار ہا آفات و حوادث سے بچانیکی کوشش کرتے رہے۔ بار ہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں۔ لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان پر اپنی لازوال رحمت نازل فرما صرف اس (دنیوی) فانی نعمت پر ہی اکتفا نہ کر۔ بغوی نے لکھا ہے والدین کے لیے دعاء رحمت کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمان ہوں۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ سے منسوخ ہے۔ بیضاوی نے کہا دعاء رحمت کرنے کا حکم عام ہے ماں باپ کافر ہوں یا مسلمان سب کے لیے دعا کا حکم ہے کیونکہ کافر ماں باپ کے لیے دعاء رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی توفیق دے اسلام کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔

جنت کا وسطی دروازہ:

حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا وسطی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا (چاہو) کھو دو۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح۔

مرشد کی خوشنودی:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں۔ رواہ الترمذی والحاکم وصححہ۔

جنت سے محروم:

بزار نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، جنت میں داخل نہ ہوگا، احسان جتلانے والا اور نہ (ماں باپ کا) نافرمان اور نہ شراب کا خوگر۔ رواہ النسائی والدارمی۔

اس کی ناک خاک آلود ہو:

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر ماہ رمضان آ گیا اور (رمضان میں بھی) اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس نے روزے نہ رکھے اور سچے دل سے توبہ

نہ کی) اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک (اس کے سامنے) بوڑھے ہو گئے اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے) وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ دوسری روایت میں ہے (بوڑھے) ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جا سکے۔ رواہ البغوی والترمذی والحاکم وصححہ۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے، فرمایا، وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجۃ۔

والدین کی فرمانبرداری و نافرمانی:

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملے میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے تو اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا نافرمان ہو جاتا ہے، اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ اس کے لیے کھل جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ خواہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو، فرمایا خواہ انہوں نے اس کی حق تلفی کی ہو خواہ اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو۔

والدین کی طرف رحم سے دیکھنا:

یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم (وشفقت) کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے لیے ایک حج مقبول (کا ثواب ضرور) لکھدیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا خواہ ہر روز سو بار دیکھے۔ فرمایا، ہاں، اللہ اس سے بھی بڑا اور پاک ہے۔

نافرمانی کی سزا:

حضرت ابوبکرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ جو گناہ چاہے گا معاف فرمادے گا سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیونکہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی (ماں باپ کی نافرمانی کی سزا) اللہ تعالیٰ دیدیتا ہے۔ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں اور اول الذکر حدیث ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے اور حاکم نے حضرت ابوبکرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ چاہتا ہے قیامت پر (اس کے عذاب یا مغفرت کو) ٹالدیتا ہے، سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں فوراً دیدیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ
تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ
اگر تم نیک ہو گے تو وہ
كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵
رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے ☆

والدین کی فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ ہو:

یعنی والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع وفروتنی صمیم قلب سے ہونی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر فی الواقع تم دل سے نیک اور سعادتمند ہو گے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص وحق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فروگذاشت ہوگئی، پھر توبہ ورجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔ (تنبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ روح المعانی میں بھی اس پر مفید ومبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دلوں میں ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہیے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کے معاملے میں تمہاری نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے اگر ثواب کی امید پر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرمانبرداری کرو گے تو اللہ اس کا اجر دے گا اور اگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے فرماں برداری کرو گے تو اس کا نتیجہ نیت کے موافق ہوگا۔

اَوّابین کون ہیں:

عوف عقیلی کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ بغوی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبا والے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برآمد ہو کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا یہ اوابین کی نماز ہے۔ رواہ احمد ومسلم ورواہ عبد بن حمید وسیبویہ عن عبداللہ بن ابی اوفی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں ان کو (رحمت کے) فرشتے گھیر لیتے ہیں، یہ ہی اوابین کی نماز ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن سے بے سوچے بلا ارادہ اچانک ماں باپ سے کوئی بے ادبی بدسلوکی ہوگئی ہو اور نیت ان کی نیک ہی ہو تو اس کی پکڑ نہ ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا حکم عام

ہو۔ جو بھی ماں باپ کا نافرمان اپنے والدین کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر گذرے اور پھر توبہ کرلے وہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔

سعید بن مسیب نے کہا اواب وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلے، پھر گناہ کرے اور توبہ کرلے، پھر گناہ کرے اور گناہ کے پیچھے توبہ کرلے۔ سعید بن جبیر نے کہا خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اواب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اواب وہ شخص ہے جو ہر مصیبت اور حادثہ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول اس طرح آیا ہے کہ اوابین سے مراد ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ نے پہاڑوں سے فرمایا تھا۔ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ قتادہ نے کہا نمازی مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے **ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون** لوٹنے والے توبہ کرنے والے عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی ہی تعریفیں کرنے والے۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلدی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے نزدیک عیب کی اور گناہ کی بات نہیں سمجھتے چونکہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے اس لئے خدا ان پر رحمت کرتا ہے، جو ماں باپ کا فرماں بردار اور نمازی ہو اس کی خطائیں خدا کے ہاں معاف ہیں۔ کہتے ہیں کہ اوابین وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں جو ضحیٰ کی نماز ادا کرتے رہیں، جو ہر گناہ کے بعد توبہ کرلیا کریں، جو جلدی سے بھلائی کی طرف لوٹ آیا کریں، تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خلوص دل سے استغفار کرلیا کریں۔ عبیدؒ کہتے ہیں جو برابر ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھ لیا کریں: **اللھم اغفرلی ما اصبت فی مجلسی ھذا**۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اولیٰ قول یہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کرلیا کریں، معصیت سے طاعت کی طرف آجایا کریں، خدا کی ناپسندی کے کاموں کو ترک کر کے اس کی رضامندی اور پسندیدگی کے کام کرنے لگیں۔ یہی قول بہت ٹھیک ہے کیونکہ اواب مشتق ہے اَوْبٌ سے اور اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ
اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو
وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾
اور مسافر کو اور مت اُڑا بے جا ☆

قرابت والوں کے حقوق:

یعنی قرابت والوں کے مالی و اخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو محتاج و مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ اور اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دو یعنی پوری حسنِ معاشرت، اچھا سلوک اور بھلائی ان کے ساتھ کرو۔ اکثر اہلِ تفسیر نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، مال دار پر لازم ہے اس قرابت دار محرم کا خرچ جو نادار بچہ ہو یا نادار بالغ عورت ہو، یا اپاہج یا نابینا نادار مرد ہو اس سے حفظ جان وابستہ ہے اور حفظ حیات ہی اصل بر اور صلہ رحمی ہے سورہ بقرہ کی آیت وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ کی تنقیح کردی ہے۔

بغوی نے حضرت علیؓ بن حسینؒ (امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ قربیٰ سے مراد رسول اللہ کی قرابت ہے (یعنی رسول اللہ کے قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو) ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

باغِ فدک:

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری کا بیان نقل کیا ہے جب آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرما کر فدک عطا فرما دیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی جانب بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت کو صحیح ماننا مشکل ہے کیونکہ اس روایت پر کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ مشہور اس کے خلاف ہے۔ (یعنی آیت کا مکی ہونا مشہور ہے) میں کہتا ہوں مشہور قابل اعتماد یہ روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود فدک طلب کیا تھا مگر آپ نے نہیں دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے اگر رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو عطا فرما دیا ہوتا تو خلفاء راشدین خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہم پھر ہرگز اس کو نہ روکتے اور اس کے خلاف نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ
بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ﴿۲۷﴾
اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر ☆

فضول خرچی:

یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے۔ اس کو بے جا اڑانا ناشکری

ہے جو شیطان کی تحریک واغوا سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان واضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑایا۔ (تفسیر عثمانی)

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام وناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز ومباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں۔ (معارف القرآن)

مجاہد نے فرمایا، اگر کوئی شخص اپنا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تبذیر (مال کو بکھیر نا برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے تبذیر کی تشریح فرمائی مال کو خرچ کرنا حق (کے راستے) کے علاوہ (باطل راستہ میں)۔

شعبہ کا بیان ہے میں ابو اسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستہ میں جا رہا تھا، سرراہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ملی، ابو اسحاق نے کہا، حضرتِ عبداللہ (ابن مسعود) کے قول پر یہ تبذیر ہے حق کے راستے کے علاوہ (باطل کے راستے میں) مال کا خرچ کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بغوی نے بروایت حضرت جابرؓ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی کرتا اس کے سوا نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا آپ نے لڑکے کو کہا کہ پھر کسی وقت آؤ جبکہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں۔ لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرما دیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے۔ نماز کا وقت آیا حضرت بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ
اور اگر کبھی تغافل کرے تو ان کی طرف سے انتظار میں

رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا
اپنے رب کی مہربانی کے جس کی تجھ کو توقع ہے
فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾
تو کہہ دے ان کو بات نرمی کی ☆

ضرورت مندوں سے نرمی کا برتاؤ کرو:

یعنی جو کوئی ہمیشہ سخاوت کرتا ہے اور ایک وقت اس کے پاس نہیں، تو اللہ کے ہاں امید والے کا محروم جانا خوش نہیں آتا اس محتاج کی قسمت سے اللہ سخیوں کو بھیج دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور میٹھے طریقہ سے معذرت کر دے (مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دے گا انشاءاللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ سختی اور بداخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برباد نہ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى
اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ
عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ
اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا
فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾
پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا ☆

اعتدال اختیار کرو:

یعنی سب الزام دیں کہ کنجوس مکھی چوس ہے، یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں توسط واعتدال مرعی رکھنا چاہیے۔ نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھلائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں **فتعطی فوق طاقتک و تخرج اکثر من دخلک** یعنی طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے "ما عال من اقتصد (جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا)۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ
تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے

امیری، غریبی اللہ کے قبضہ میں ہے:

یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ نہ تمہاری

سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا۔ فقر و غنی کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے ذمہ پر ہے۔ لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام کو فرمائی ہیں جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا۔ حکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم"۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾

وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ☆

اللہ بندوں کی مصلحت کے مطابق معاملہ کرتا ہے:

یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبردار ہے۔ اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جنکی درستی حال فقیر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اسکے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غناء ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عیاذاً باللہ من ہذا وہذا) ہم پہلے کئی جگہ اس کی تقریر کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں ہے کہ آپ نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے فرمایا، ادھر ادھر خدا کی ہر راہ میں خرچ کرتی رہ جمع نہ رکھا کر ورنہ اللہ بھی روک لے گا۔ بند باندھ کر روک نہ لیا کر ورنہ پھر خدا بھی سر بند کر لے گا۔ ایک اور روایت میں ہے شمار کر کے نہ رکھا کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گنتی کر کے روک لے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ تو راہِ خدا میں خرچ کیا کر اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے کہ خدایا سخی کو بدلہ دے اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر۔ مسلم شریف میں ہے صدقے خیرات سے کسی کا مال نہیں گھٹتا اور ہر سخاوت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ذی عزت کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے دوسروں سے عاجزانہ برتاؤ کرے اللہ اسے بلند درجے کر دیتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرو قرابت والوں کا حق ادا کرو:

بنو تمیم کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں اور اہل و عیال کنبے قبیلے والا ہوں، تو مجھے بتلایئے کہ میں کیا روش اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر اس سے تو پاک صاف ہو جائے گا۔ اپنے رشتہ داروں سے سلوک کر سائل کا حق پہچانتا رہ اور پڑوسی اور مسکین کا بھی۔ اس نے کہا حضور! اور تھوڑے الفاظ میں پوری بات سمجھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر اور بے جا خرچ نہ کر۔ اس نے کہا حسبی اللہ۔ اچھا حضور! جب میں آپ کے قاصد کو زکواۃ ادا کر دوں تو اللہ و رسول کے نزدیک میں بری ہو گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں جب تو نے میرے قاصد کو دیدیا تو تو بری ہو گیا اور تیرے لئے اجر ثابت ہو گیا۔

حدیث قدسی میں ہے میرے بعض بندے وہ ہیں کہ فقیری ہی کے قابل ہیں اگر میں انہیں امیر بنا دوں تو ان کا دین تباہ ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے ہیں جو امیری کے لائق ہیں اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو ان کا دین بگڑ جائے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امیری خدا کی طرف سے ڈھیل کے طور پر ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے فقیری بہ طور عذاب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ

اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے

نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ

ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو ☆

بعض کافر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ سورہ انعام میں اسی مضمون کی آیت گذر چکی، تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾

بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے ☆

کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد نہیں۔

ضبط تولید: قرآن کریم کے اس ارشاد سے اس معاملے پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں آج کی دنیا گرفتار ہے کہ کثرت آبادی کے خوف سے ضبط تولید اور منصوبہ بندی کو رواج دے رہی ہے۔ اس کی بنیاد بھی اسی جاہلانہ فلسفہ پر ہے کہ رزق کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ معاملہ قتل اولاد کے برابر گناہ نہ سہی مگر اس کے مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى

اور پاس نہ جاؤ زنا کے ☆

زناء کی ممانعت:

یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا ''لا تقربوا'' میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

تین بڑے گناہ:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے، فرمایا (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ کے مثل دوسروں کو قرار دے باوجود یکہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کون سا گناہ ہے فرمایا اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا (گناہ) ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ متفق علیہ

تین گناہ جو ایمان کو زائل کرتے ہیں:

صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا (یعنی ان افعال میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کے اندر ایمان نہیں رہتا)۔

بوڑھا زانی:

حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور (دوزخ کے اندر) زانیوں کی شرمگاہیں اپنی سڑی ہوئی بو سے دوزخیوں کو (بھی) اذیت پہنچائیں گی۔ رواہ البزار۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا پر قائم رہنے والا بت پرست کی طرح ہے۔ رواہ الخرائطی۔

زناء کے وقت ایمان نکل جاتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی زنا کرتا ہے تو (زنا کرتے وقت) ایمان اس کے اندر سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے اوپر معلق ہو جاتا ہے پھر جب وہ باز آ جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والبیہقی والحاکم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝
وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے ☆

زناء کے نقصانات:

کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اور سب کے لئے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اسکی عورت پر کرے گا''۔

زناء کے خواہشمند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ:

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ حاضرین نے اسے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چپ رہو۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ میں سے کسی کی نسبت پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے ہرگز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں اور خالاؤں کیلئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے''۔ ابوامامہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اللہم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

زناء کی حرمت کے متعلق ہے جس کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ وہ بے حیائی ہے اور انسان میں حیا نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے کسی بھی برے کام کا امتیاز نہیں رہتا اسی معنی کے لئے حدیث میں ارشاد ہے اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت یعنی جب تیری حیا ہی جاتی رہی تو کسی برائی سے رکاوٹ کا کوئی پردہ نہ رہا تو جو چاہو گے کرو گے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کو ایمان کا ایک اہم شعبہ قرار دیا ہے والحیاء شعبۃ من الایمان (بخاری) دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے نتائج بد بعض اوقات پورے قبیلوں اور قوموں کو برباد کر دیتے ہیں۔ فتنے چوری، ڈاکہ قتل کی جتنی کثرت آج دنیا میں بڑھ گئی ہے اس کے حالات کی تحقیق کی جائے تو آدھے سے زیادہ واقعات کا سبب کوئی عورت و مرد نکلتے ہیں جو اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ اس جرم کا تعلق اگرچہ بلاواسطہ حقوق العباد سے نہیں مگر اس جگہ حقوق العباد سے متعلقہ احکام کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا شاید اسی بناء پر ہو کہ یہ جرم بہت سے ایسے جرائم ساتھ لاتا ہے جس سے حقوق العباد متاثر ہوتے ہیں اور قتل و غارت گری کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے اس کی سزا بھی سارے

جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت رکھی ہے کیونکہ یہ ایک جرم دوسرے سینکڑوں جرائم کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں ہے کہ ایک نوجوان نے زنا کاری کی اجازت آپ سے چاہی ۔لوگ اس پر جھک پڑے کہ چپ رہ کیا کہہ رہا ہے کیا کر رہا ہے۔آپ نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا بیٹھ جا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم نہیں یا رسول اللہ مجھے آپ پر اللہ فدا کرے ہرگز نہیں۔آپ نے فرمایا پھر سوچ لے کہ کوئی اور کیسے پسند کرے گا؟ آپ نے فرمایا اچھا تو اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے اسی طرح تاکید سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک اسی طرح کوئی بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتا۔ اچھا اپنی بہن کے لئے اس تو پسند کرے گا؟ اس نے اسی طرح انکار کیا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح دوسرے بھی اپنی بہنوں کے لئے اس مکروہ سمجھتے ہیں۔ بتا کیا تو چاہے گا کہ کوئی تیری پھوپھی سے ایسا کرے؟ اس نے اسی سختی سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح کوئی اور بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے نہ چاہے گا۔ اچھا اپنی خالہ کے لئے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اسی طرح اور سب لوگ بھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی اس کے گناہ بخش، اس کے دل کو پاک کر، اسے عصمت والا بنا۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ یہ نوجوان کسی طرف نظر بھی نہ اٹھاتا تھا۔

وہ گناہ جو واجب القتل بناتے ہیں:

بخاری و مسلم میں ہے جو مسلمان خدا کے واحد ہونے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو، اس کا قتل تین باتوں میں سے ایک کے سوا حلال نہیں، یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا شادی شدہ ہو اور پھر زنا کیا ہو یا دین کو چھوڑ کر جماعت کو چھوڑ دیا ہو۔ سنن میں ہے ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کے قتل سے زیادہ آسان ہے!

شرک کے بعد بڑا گناہ:

ابن ابی الدنیا میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں، کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا ہے اللہ نے مگر حق پر ☆

مسلمان کا خون بہانا حرام ہے مگر تین صورتوں میں:

صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محصن یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو۔ ہاں مگر حق پر۔

نفس سے مراد ہے مسلمان یا ذمی کافر۔ الا بالحق سے مراد ہے قصاص یا زنا یا بغاوت یا صحابہ کو گالیاں دینا وغیرہ (یعنی قصاص یا زنا یا بغاوت وغیرہ میں قتل کر دینا ناحق قتل نہیں ہے۔ مرتد کا قتل نفس محرم کے قتل میں داخل نہیں ہے (یعنی مرتد کو قتل کر دینا مباح الاصل ہے) اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا الخ (باغیوں کے قتل کے متعلق فرمایا) قاتلو االتی تبغی۔ (قصاص کے متعلق فرمایا) اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ

حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجود میں سے کسی ایک وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ (رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی والنسائی)

سب سے پہلے فیصلے:

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے فیصلے کیے جائیں گے۔ متفق علیہ۔

ایک مؤمن کا قتل:

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ کی نظر میں مومن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجۃ بسند حسن، بیہقی نے اتنا زائد نقل کیا ہے اگر (تمام) آسمانوں اور زمینوں والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ یقیناً (سب کو) دوزخ میں داخل کر دے گا۔

نسائی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ نے فرمایا اللہ کے نزدیک (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

مؤمن کے قتل میں معاونت کی سزا:

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اگر کسی نے مومن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی اعانت کی تو اللہ کے سامنے جت وہ جائے گا، اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔ اصبہانی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ ابن عینیہ نے آدھی بات کی تشریح میں کہا کہ اُقتل کا پورا لفظ نہ کہا ہو، بلکہ صرف اُق کہا ہو۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے۔

دو گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی:

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر گناہ کی امید ہوسکتی ہے کہ اللہ معاف فرمادے سوائے اس شخص کے جو کافر مرا ہو یا کسی کو قصداً اس نے قتل کیا ہو۔ رواہ النسائی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابودرداء کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان وحاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

شیطانوں کے کام:

حضرت ابوموسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح ہوتی ہے تو ابلیس اپنے لشکر کو پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے آج جو کسی مسلمان کو بے راہ کردے گا میں اس کو تاج پہنادوں گا پھر (شام کو یا کسی وقت) ایک واپس آ کر کہتا ہے آج میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ابلیس کہتا ہے ہوسکتا ہے وہ (دوسرا) نکاح کر لے۔ دوسرا آ کر کہتا ہے میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی نافرمانی کی ابلیس کہتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر فرماں بردار ہوجائے۔ تیسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ وہ مشرک ہوگیا، ابلیس کہتا ہے تو تو ہی ہے (یعنی یہ تیرا کام بہت اچھا ہے) چوتھا آ کر کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے (مومن کو) قتل کردیا، ابلیس کہتا ہے تو نے تو (ایسا کام کیا) پھر اس کو تاج پہنا دیتا ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ۔ (تفسیر مظہری)

آٹھواں حکم:

یہ آٹھواں حکم قتل ناحق کی حرمت کے بیان میں ہے۔ جس کا جرم عظیم ہونا دنیا کی ساری ہی جماعتوں اور مذہبوں اور فرقوں میں مسلم ہے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ساری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک اس سے اہون (ہلکی) ہے کہ کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے (اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ کے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے باشندے کسی مومن کے قتل ناحق میں شریک ہوجائیں تو ان سب کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کردینگے۔ (ابن ماجہ بسند حسن والبیہقی۔ از مظہری)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں قاتل کی امداد ایک کلمہ سے بھی تو میدان حشر میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ائس من رحمۃ اللہ (یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کردیا گیا ہے) (مظہری از ابن ماجہ واصبہانی)

اور بیہقی نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس وحضرت معاویہؓ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک گناہ گار کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردے مگر وہ آدمی جو حالت کفر میں مرگیا یا جس نے جان بوجھ کر قصداً کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا۔

قصاص لینے کا حق کس کو ہے:

آیت مذکورہ میں بتلایا گیا ہے کہ یہ حق مقتول کے ولی کا ہے۔ اگر نسبی ولی کوئی موجود نہیں تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ایک حیثیت سے سب مسلمانوں کا ولی ہے۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر میں ولی حقیقی یا حکمی لکھا گیا ہے۔

ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے:

مجرم کی سزا میں بھی انصاف کی رعایت ہے فلا یسرف فی القتل اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں بدلہ میں بھی انصاف کی رعایت لازمی ہے جب تک ولی مقتول انصاف کے ساتھ اپنے مقتول کا انتقام شرعی قصاص کے ساتھ لینا چاہے تو قانون شریعت اس کے حق میں ہے یہ منصور حق ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے اور اگر اس نے جوش انتقام میں شرعی قصاص سے تجاوز کیا تو اب یہ مظلوم کے بجائے ظالم ہوگیا اور ظالم اس کا مظلوم بن گیا اب معاملہ برعکس ہوجائے گا اللہ تعالیٰ اور اس کا قانون اب اس کی مدد کرنے کے بجائے دوسرے فریق کی مدد کرے گا کہ اس کو ظلم سے بچائے گا۔

جاہلیت عرب میں یہ بات عام تھی کہ ایک شخص قتل ہوا تو اس کے بدلہ میں قاتل کے خاندان یا ساتھیوں میں جو بھی ہاتھ لگے اس کو قتل کردیتے تھے۔ بعض جگہ یہ صورت ہوتی کہ جس کو قتل کیا گیا وہ قوم کا کوئی بڑا آدمی ہے تو اس کے بدلہ میں صرف ایک قاتل کو قصاصاً قتل کرنا کافی نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک خون کے بدلہ دو تین یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی جان لی جاتی تھی بعض لوگ جوش انتقام میں قاتل کے صرف قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کردیتے تھے یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں اس لئے آیت فَلَا يُسۡرِفۡ فِّي الۡقَتۡلِ میں ان کو روکا گیا ہے۔

یاد رکھنے کے قابل ایک حکایت:

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص ہے جس نے ہزاروں صحابہ وتابعین کو ناحق قتل کیا ہے اس لئے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی جس بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا انہوں نے کہا الزام لگانے والے سے پوچھا کہ

تمہارے الزام کی کوئی سند یا شہادت موجود ہے انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لے گا تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر کوئی ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام سے نہیں چھوڑا جائے گا حجاج کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی لیں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی جنبہ داری نہیں ہے کہ برے اور گناہ گار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ جو چاہیں الزام واتہام لگا دیا کریں۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا
اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے
لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفۡ فِّي الۡقَتۡلِ
اس کے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں ☆

مقتول کے ورثاء کا اختیار:

یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں۔ لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان، وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

ولی یعنی وارث جو مقتول کے امور کا اس کے مرنے کے بعد ذمہ دار ہوتا ہے۔ سلطان قوت اور قصاص لینے کا اختیار۔ لا یسرف فی القتل کا مطلب دو طرح سے بیان کیا ہے۔ (۱) قاتل زیادتی نہ کرنے، یعنی جس کو قتل کرنے کا اس کو حق نہیں ہے اس کو قتل نہ کرے، عقل مند وہ کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہو۔ (۲) حضرت ابن عباس اور اکثر اہلِ تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہ کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے اونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جاسکتا ہے ایک قتل کے عوض (بے قصور اور شریک قتل نہ ہونے والی) جماعت کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ عہد جاہلیت کا طریقہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا تو قصاص میں تنہا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابتداروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا لا یسرف فی القتل کا یہ مطلب ہے کہ قاتل (سے قصاص تو لے لیا جائے اس) کو مثلہ نہ کیا جائے (یعنی اس کے ناک کان اور آلات رجولیت نہ کاٹے جائیں جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا) (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ۝
اس کو مدد ملتی ہے ☆

یعنی خدا نے اس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں۔ بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ نہ یہ کہ الٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے۔ اور وارث کو بھی چاہیے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل ہاتھ نہ لگا تو اس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا۔ (تفسیر عثمانی)

کان منصورا یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو، اللہ کی طرف سے اس کی مدد و نصرت دنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں (حسب قانون شریعت) قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہوگا۔ اللہ اس کے گناہ ساقط کردے گا اور اس کے قاتل کے لیے دوزخ لازم کردے گا۔ (مجاہد)

قتادہ نے کہا کان کی ضمیر مقتول کے ولی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے، قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے۔ جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو بارِ گناہ اس پر پڑے گا اور (قانونِ شریعت میں) قاتل کی حمایت کی جائے (کیونکہ اولیاء مقتول کو صرف قصاص لینے کا حق ہے، قاتل پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے) (تفسیر مظہری)

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِيۡ
اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح
هِيَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ
کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو ☆

یتیم کا مال:

یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں اگر اسکی حفاظت ونگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ جس وقت جوان ہوجائے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے، مال اس کے حوالہ کردو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝
اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہو گی ☆

ایفائے عہد:

اس میں سب عہد داخل ہیں خواہ اللہ سے کئے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول و قرار صلح کا دیکر بدعہدی کرنا، اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عہد کرنے والے سے عہد کا ایفاء مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر

عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے باز پرس کی جائے گی اور وعدہ شکنی پر اس کو سزا دی جائے گی۔ یا عہد پوچھا جائے گا، یعنی عہد توڑنے والے کو (قیامت کے دن) سرزنش کرنے کے لیے عہد یاد دلایا جائے گا، جیسے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ العہد سے پہلے مضاف محذوف ہو یعنی صاحب عہد سے عہد پوچھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا
اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو
بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ
سیدھی ترازو سے ☆

ناپ تول میں کمی نہ کرو:

یعنی جھونک نہ مارو۔ ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا انتظام مختل ہوجاتا ہے۔ قوم شعیب کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آچکا ہے ان کا بڑا عملی گناہ یہی بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: حضرات فقہا نے فرمایا کہ آیت میں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس سے کم دینا حرام ہے اس لئے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

مسئلہ: اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ تفسیر بحر محیط میں ابوحیانؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں ناپ تول پورا کرنے کی ذمہ داری بائع (بیچنے والے) پر ڈالی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ناپنے تولنے اور اس کو پورا کرنے کا ذمہ دار بائع ہے۔ (معارف القرآن)

ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۝
یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام ☆

پورا تولنے میں برکت ہے:

یعنی دغابازی اول چلتی ہے پھر لوگ خبردار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ اسکی تجارت خوب چلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ
اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان اور آنکھ

وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا ۝
اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی ☆

بے تحقیق بات نہ کرو:

یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر۔ آدمی کو چاہئے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لیکر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچ سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عملدرآمد شروع نہ کردے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟ (تفسیر عثمانی)

اخبار احاد:

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ان احادیث آحاد سے جن کے اندر روایت کی تمام شرائط موجود ہوں اور صحیح قیاس سے اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے جو حکم ثابت ہوجائے اس پر عمل کرنا قطعی نصوص اور اجماع کی رو سے واجب ہے۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ مختلف افراد صحابہ کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجتے تھے، پس اخبار آحاد یا قیاس اگرچہ ظنی ہوتے ہیں لیکن ان سے مستفاد احکام یقینی العمل ہوتے ہیں کیونکہ ان سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنا نصوص قطعیہ سے واجب ہے۔

کان، آنکھ اور دل کے متعلق پوچھا جائے گا:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی۔ یعنی مذکورہ تینوں اعضاء میں سے ہر ایک سے اتباع مذکور کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اعضاء مذکورہ سے دریافت کیا جائے گا کہ جس شخص کے یہ اعضاء تھے اس نے کیا کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص سننے دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب کی جائے گی آنکھ سے پوچھا جائے گا، کیا اس نے دیکھا تھا (یا دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کان سے

سوال کیا جائے گا کیا اس نے سنا تھا (یا سننے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) اور دل سے دریافت کیا جائے گا کیا اس نے جانا تھا (یا جاننے کا غلط دعویٰ کیا تھا)

کان، آنکھ، زبان وغیرہ کے شر سے پناہ:

حضرت شکل بن حمید راوی ہیں کہ رسول اللہ نے میری درخواست پر مجھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کہہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے کان کے شر سے اور اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔ میں نے یہ دعا یاد کر لی۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والحاکم والبغوی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے راوی سعید نے کہا منی کے شر سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنا پانی ایسے مقام پر نہ ڈالوں جو حلال نہیں ہے۔

تین اعضاء کی تخصیص کی وجہ:

مذکورہ تین اعضاء کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا کہ یہ ہی آلات علم ہیں، اکثر محسوسات کا علم آنکھ سے ہوتا ہے یا کان سے اور غیر محسوس چیزوں کا ادراک تو صرف دل سے ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں کان، آنکھ اور دل کی تخصیص شاید اس بناء پر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حواس اور دل کا شعور و ادراک اسی لئے بخشا ہے کہ جو خیال یا عقیدہ دل میں آئے ان حواس اور ادراک کے ذریعہ اس کو جانچ سکے کہ یہ صحیح تو اس پر عمل کرے اور غلط ہے تو باز رہے جو شخص ان سے کام لئے بغیر بے تحقیق باتوں کی پیروی میں لگ گیا اس نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی۔

وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ

اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا

تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾

زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر ☆

تکبر سے بچو:

یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کی برابر ہو سکتا ہے۔ پھر اسے ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

متکبروں کا انجام:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص چادر جوڑے میں تبختر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا جو وہیں زمین میں دھنسا دیا گیا جو آج تک دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے۔ قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا۔ ہاں تواضع نرمی فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ اور عالی قدر کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جھکنے والوں کو خدا بلند کرتا ہے۔ وہ اپنے تئیں حقیر سمجھتا ہے اور لوگ اس جلیل القدر سمجھتے ہیں اور تکبر کرنے والا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے کتوں اور سوروں سے بھی زیادہ حقیر جانتے ہیں، امام ابوبکر ابن ابی الدنیا اپنی کتاب الخمول والتواضع میں لائے ہیں کہ ابن الاہیم دربارِ منصور میں جا رہا تھا ریشمی جبہ پہنے ہوا تھا اور پنڈلیوں کے اوپر سے اسے دوہرا سلوایا تھا کہ نیچے سے قبا بھی دکھائی دے اور اکڑتا اینڈتا جا رہا تھا۔ حضرت حسنؓ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر فرمایا، افوہ نک چڑھا بل کھایا رخساروں پھولا اپنے ڈنڑ باز و دیکھتا اپنے تئیں تولتا نعمتوں کے ذکر شکر کو بھولا رب کے احکام کو چھوڑا حق اللہ کو توڑا دیوانوں کی چال چلتا عضو عضو میں کسی کی دی ہوئی نعمت رکھتا شیطان کی لعنت کا مارا وہ دیکھو جا رہا ہے۔ ابن اہیم نے سن لیا اور اسی وقت لوٹ آیا اور عذر معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے معذرت کیا کرتا ہے اللہ سے توبہ کر اور اسے ترک کر کیا تو نے خدائے تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا الخ عابد بختریؒ نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑتا ہوا چلتا دیکھ کر فرمایا، اے شخص جس نے تجھے یہ اکرام دیا ہے اس کی روش ایسی نہ تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کر لی۔ ابن عمرؓ نے ایک ایسے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے یہی بھائی ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عیاض بن حماد مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ باہم تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے نہ کسی پر زیادتی کرے، رواہ مسلم۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ (چھوٹی سرخ چیونٹی یا ریت کا ذرہ) برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرمایا ہے، بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار (تہبند) ہے (یعنی عظمت اور بڑائی میرا لباس ہے) جو شخص ان دونوں میں کسی ایک میں بھی مجھ سے کشاکش کرے گا (یعنی مجھ سے اتار کر خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا آدمی برابر خودسری (غرور) کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جبارین (انتہائی ظالم اور مغرور گروہ) میں لکھدیا جاتا ہے پھر اس پر وہ ہی عذاب آجاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ رواہ الترمذی۔

متکبر ذلیل ہوں گے:

عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن

تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی طرح (حقیر و ذلیل بنا کر) آدمیوں کی صورتوں میں اٹھایا جائے گا کہ ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ ان کو بولس نام کے جہنم میں داخل کیا جائے گا، سب سے بڑی آگ ان پر مسلط ہوگی اور طینۃ الخبال یعنی دوزخیوں کا نچوڑان کو پلایا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا وہ بندہ برا ہے جو اتراتا اور تکبر کرتا ہے اور اللہ برتر و بزرگ کو بھول جاتا ہے، رواہ الترمذی۔ والبیہقی فی شعب الایمان۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا تھا لوگو! میں نے خود رسول اللہ سے یہ فرمان سنا تھا کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری ☆

یعنی جن باتوں کو اوپر منع کیا ان کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا انکے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ

یہ ہے ان باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے ☆

علم و حکمت کی باتیں:

یعنی اوپر جو پر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاواسطہ اور امت امیہ کی طرف بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

۱- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ
۲- خالص اللہ کی عبادت کرو
۳- غیر اللہ کی عبادت نہ کرو
۴- والدین کے ساتھ احسان کرو
۵- والدین کے سامنے اف نہ کرو
۶- ان کو نہ جھڑکو اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو
۷- ان سے ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم و تکریم نکلتی ہو۔
۸- ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ
۹- ان کے لئے دعائے رحمت مغفرت کرو
۱۰- قرابتداروں کے حقوق ادا کرو
۱۱- مسکین کا حق ادا کرو
۱۲- اسراف اور فضول خرچی سے بچو
۱۳- اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب میں قول میسور یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے۔
۱۴- اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بن جاؤ
۱۵- ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جوش میں آ کر سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ
۱۶- تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کر
۱۷- زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔
۱۸- کسی بے گناہ کو نہ قتل کرو۔
۱۹- قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو۔
۲۰- عہد کو پورا کرو۔
۲۱- ناپ تول کو پورا کرو
۲۲- اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں
۲۳- زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ چلو (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوائے کسی اور کی بندگی

فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھا کر دھکیلا جا کر ☆

تمام اعمال کا آغاز و انجام:

مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا" خاتمہ پر بھی توحید یاد دلا دی گئی۔ تا قاری سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید کو ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

توحید ہر حکمت کا سرچشمہ اور مدار ہے علم توحید بالذات اور اصلی مقصد ہے، باقی علوم سے مقصود عمل ہے، خود فی نفسہ وہ مقصود نہیں، شرک کا نتیجہ دنیا میں بھی برا ہے اور آخرت میں بھی۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ (پوری) توریت پندرہ آیات میں ہے پھر آپ نے آیات وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ تلاوت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ

کیا تم کو چن کر دے دیئے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لئے کر لیا

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ

فرشتوں کو بیٹیاں تم کہتے ہو

لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۟

بھاری بات☆

مشرکوں کی بہت بری بات:

یعنی ایک تو خدا کیلئے اولاد تجویز کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بہت بری بات کہتے ہو، اللہ کی طرف صاحبِ اولاد ہونے کی نسبت کر رہے ہو باوجود یہ کہ سلسلہ تناسلی ان اجسام کی خصوصیت ہے جو زوال پذیر اور فانی ہیں، پھر اولاد میں سے بھی اس اولاد کا والد اللہ کو قرار دیتے ہو جو صنف کے لحاظ سے کمزور ہے (اور اپنے لیے قوی صنف کو پسند کرتے ہو) اور اس پر طرفہ یہ کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو ملائکہ تو ساری مخلوق میں لطیف ترین نوع ہیں ان کو بیٹیاں کہنا (یعنی ضعیف ترین صنف انسان قرار دینا) انتہائی حماقت ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابوالعلا کے اشعار:

ابوالعلاء فعرّی کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے وہ شعر یہ ہیں:

وترکت فیھم نعمۃ العلم التی!! سبقت وصلرت عن نعیم العاجل

(روح المعانی)

ولو انھم ولدوا النالوا شدۃ !! ترمی ھم فی موبقات الاجل

(معارف القرآن کاندھلوی)

ایک فلسفی ابوالعلا گذرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

ھذا جناہ ابی علی، وما جنبت علی احد

یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے۔ اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔

یعنی میں نے کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردہ عدم میں رہنے دیا تا کہ میری وجہ سے پردہ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو پردہ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگرچہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہوا تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے تو محفوظ رہا۔

اسکندر کی بات:

اسی طرح اسکندر سے پوچھا گیا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا، اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لئے لذت جماع کی خواہش تھی، اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لا نکالا۔

ماں باپ کی ناشکری نہ کرو:

خلاصہ کلام یہ کہ یہ عالم، عالم اسباب ہے، جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور مشیت سے ایک شئی کو ایک شئی کا سبب بنایا، نسل انسانی اور حیوانی کے بقاء کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ یہ نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذائذ وطبعات اور مرغوبات اور مطعومات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہٗ کی نعمتیں ہیں حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی آمیزش کی وجہ سے ان کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نعمت کی لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آ جاتی ہیں تو وہ شخص اس بات کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اس کو نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اس کو ازراہ شفقت و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اٹھائے پھرے اور راتوں کو اس کے لئے جاگے اور اس کی راحت کیلئے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

سالہا برتو بگذرد کہ گزر نکنی سوئے تربت پدرت

تو بجائے پدر چہ کردی خیر تاہمان چشم داری از پسرت

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں

لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۟

تا کہ وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا ☆

مشرکوں کی بدبختی:

یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل و شواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ

کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں ☆

شرک کی نفی کی دلیل:

یعنی اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر ان کے قول کے مطابق اللہ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش والے خدا سے لڑ پڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے اگر دو خدا ہوں گے تو ان کا باہم ٹکراؤ ممکن ہوگا اور امکان تصادم سے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا یا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری ہے اس طرح ایک غالب ہوگا یا دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز ہونا شانِ الوہیت کے خلاف ہے اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری)

اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

تو نکالتے صاحب عرش کی طرف راہ ☆

یعنی پرایا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے سب مل کر خدا تعالیٰ کی تخت سلطنت کو الٹ ڈالتے، اگر کہا جائے کہ صاحب عرش کے مقابلہ میں ان کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پہلے درجہ کی حماقت ہے یا اگر وہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھتا اور اس کا قرب حاصل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے پوجنے والوں کیلئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرت انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا، پھر تعجب ہے کہ یہ احمق کس راستہ پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ

اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا ☆

ہر مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے:

یعنی ہر ایک مخلوق زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہے لیکن تم اسے سمجھتے نہیں خواہ فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے یا اس قوت کے فقدان کی وجہ سے جس کے ذریعہ بعض مخلوقات کی تسبیح قالی سنی اور سمجھی جا سکتی ہے اور اگر کوئی شخص باوجود سمجھنے کے قبول نہ کرے یا اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرے تو یہ سمجھنا نہ سمجھنے ہی کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ایک سفر میں تھے پانی کی کمی پڑ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہوا پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ صحابہ نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھایا جاتا تھا تو کھانے کے اندر سے ہم سبحان اللہ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سبحان اللہ کہتا تھا) رواہ البخاری

مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی **سبحان اللہ و بحمدہ** کہتی ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا ہر چیز خواہ جاندار ہو یا جماد (بے جان) حمد کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یہاں تک کہ دروازے کی چرچراہٹ اور چھت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی (تسبیح و تحمید کا اظہار کرتی ہے، بعض علماء نے کہا (شَیْ سے مراد ہے، ہر زندہ چیز یعنی) زندہ چیزیں سبحان اللہ پڑھتی ہیں (مقصد یہ ہے کہ جن وانس، ملائکہ اور تمام جانور تسبیح خواں ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) قتادہ نے کہا تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں (یعنی ہر نمو پذیر چیز سبحان اللہ پڑھتی ہے، جمادات مراد نہیں ہیں)

عکرمہ نے کہا درخت تسبیح پڑھتا ہے اور (اسی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا) ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔

میرے نزدیک یہ تخصیص غلط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ کے وقت ستون سے ٹیک لگانی چھوڑ دی (اور منبر پر خطبہ دینے لگے) تو آپ کی جدائی کی وجہ سے اس ستون کا بچوں کی طرح رونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آیت میں آیا ہے کہ (اللہ نے حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا) **يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ**

طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پکار کر دریافت کرتے ہیں کیا تیرے اوپر سے کوئی آدمی اللہ کا ذکر کرتا گزرا ہے، جب وہ پہاڑ ہاں کہہ دیتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ خوش ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز بزبانِ حال تو تسبیح میں مشغول رہتی ہی ہے ہر چیز ممکن ہے حادث ہے اور ہر ممکن و حادث ایک ایسے صانع کا محتاج ہے

جو واجب الوجود ہو، قدیم بالذات ہو ہر نقص عیب، فنا اور زوال سے پاک ہو، صفات کمالیہ اور متصف ہو، لہٰذا تسبیح سے صرف تسبیح حالی مراد لینا غلطی ہے، ہر چیز تسبیح حالی اور تسبیح مقالی میں مشغول ہے۔

تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے:

وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ‌ؕ لیکن (اے لوگو! یعنی اے اکثر انسانو!) تم ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح مقالی کو نہیں سمجھتے (تسبیح حالی کو تو تمام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صانع کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر موثر کے کہہ سکتا ہے۔)

ہاں مشرک چونکہ کوربصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ مارا کرو ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔

تسبیح چھوڑنا موت ہے:

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں ایک کوا پیش کیا گیا جس کے بازو سمٹے ہوئے تھے آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلایا اور فرمایا کسی شکار کو بھی نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھو چکا ہو زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

کنکریوں کی تسبیح:

حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ مذکور ہے کہ آپ کی مٹھی میں کنکروں کا تسبیح کرنا صحابہ کرام نے کانوں سے سنا اس کا معجزہ ہونا تو ظاہر ہے مگر خصائص کبریٰ میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا کہ کنکروں کا تسبیح پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں وہ تو جہاں کہیں بھی ہیں تسبیح پڑھتی ہیں بلکہ معجزہ آپ کا یہ ہے کہ آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد ان کی وہ تسبیح کانوں سے سنی جانے لگی۔ (تفسیر مظہری)

موذن کیلئے گواہی:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جن اور انسان اور درخت اور پتھر اور ڈھیلا ایسا نہیں جو موذن کی آواز سنتا ہے اور قیامت کے روز اس کے ایمان اور نیک ہونے کی شہادت نہ دے (موطا امام مالک و سنن ابن ماجہ بروایت ابی سعید خدریؓ)

کھانے کی تسبیح:

امام بخاریؒ نے بروایت حضرت عبداللہؓ بن مسعود نقل کیا ہے کہ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جا رہا ہوا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

سلام کرنے والا پتھر:

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر بن سمرہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت و نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حجر اسود ہے واللہ اعلم۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ روایات حدیث اس طرح کے معاملات میں بہت ہیں اور اسطوانہ خانہ کی حکایت تو عام، مسلمانوں کی زبان زد ہے، جس کے رونے کی آواز صحابۂ کرام نے سنی جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اس کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔

ان روایات کے بعد اس میں کیا بعد رہ جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز میں شعور و ادراک ہے اور ہر چیز حقیقی طور پر اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور ابراہیم نے فرمایا کہ یہ تسبیح عام ہے ذی روح چیزوں میں بھی اور غیر ذی روح چیزوں میں بھی یہاں تک کہ دروازے کے کواڑوں کی آواز میں بھی تسبیح ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلند آسمانوں میں تسبیح:

طبرانی میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے جبرئیلؑ و میکائیلؑ مسجد اقصیٰ تک شب معراج میں لے گئے جبرئیلؑ آپ کے دائیں تھے اور میکائیلؑ بائیں، آپ کو ساتوں آسمانوں تک اُڑا لے گئے وہاں سے آپ لوٹے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی کہ سَبَّحَتِ السَّمٰوٰتُ الْعُلٰى. مِنْ ذِی الْمُهَابَةِ مُشْفِقَاتٍ الذَّوِی الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا . سُبْحٰنَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى. سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى. مخلوق میں سے ہر ہر چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں، حیوانات، نباتات، جمادات سب آں کے تسبیح خواں ہیں۔

سواریوں کا ذکر:

یہ حدیث صحیح میں اور مسندوں میں مشہور ہے کچھ لوگوں کو حضور نے اپنی اونٹنیوں اور جانوروں پر سوار کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ سواری سلامتی کے ساتھ لو اور پھر اچھائی سے چھوڑ دیا کرو راستوں اور بازاروں میں لوگوں سے باتیں کرنے کی کرسیاں اپنی سواریوں کو نہ بنالیا کرو سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے بھی زیادہ ذکر اللہ کرنے والی اور ان سے بھی بہتر افضل ہوتی ہیں (مسند احمد)

مینڈک کا ذکر:

سنن نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مار ڈالنے کو

منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا تسبیح خدا ہے۔

مختلف اذکار:

اور حدیث میں ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کلمۂ اخلاص کہنے کے بعد ہی کسی کی نیکی قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کلمۂ شکر ہے اس کا نہ کہنے والا خدا کا شکرا ہے اللہ اکبر زمین و آسمان کی فضا بھر دیتا ہے سبحان اللہ کا کلمہ مخلوق کی تسبیح ہے اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا جب کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوا اور مجھے سونپا۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے جس میں ریشمی کف اور ریشمی گھنڈیاں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس شخص کا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چرواہوں کے لڑکوں کو اونچا کرے اور سرداروں کے لڑکوں کو ذلیل کرے، آپ کا غصہ آ گیا اور اس کا دامن گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تجھے میں جانوروں کا لباس پہنے ہوئے تو دیکھتا نہیں ہوں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے آئے اور بیٹھ کر فرمانے لگے کہ (حضرت) نوح نے اپنی وفات کے وقت اپنے بچوں کو بُلا کر فرمایا کہ میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو حکم دیتا ہوں اور دو ممانعت ایک تو میں تمہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کرتا ہوں، دوسرے تکبر سے روکتا ہوں، اور پہلا حکم تو تمہیں یہ کرتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہو آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسرے میں صرف یہی کلمہ ہو تو بھی یہی کلمہ وزنی رہے گا۔ سنو! اگر تمام آسمان و زمین ایک حلقہ بنا دیئے جائیں اور ان پر اس کو رکھ دیا جائے تو وہ انہیں پاش پاش کر دے دوسرا حکم میرا سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا ہے کہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کی وجہ سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا، آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ (حضرت) نوح نے اپنے لڑکے کو کیا حکم دیا فرمایا کہ پیارے بچے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ کہا کرو یہ کل مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی سے مخلوق کو روزی دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر چیز اس کی تسبیح و تحمید بیان کرتی ہے اسکی اسناد بوجہ اودی راوی کے ضعیف ہیں، عکرمہؒ فرماتے ہیں ستون درخت دروازوں کی چولیں ان کو بھڑتے کھلتے آواز پانی کی گھڑ گھڑاہٹ یہ سب تسبیح خدا ہے خدا فرماتا ہے کہ ہر چیز حمد و ثنا کے بیان میں مشغول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نباتات و جمادات کی تسبیح:

تسبیح نباتات و جمادات کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبان قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے:

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند درین معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خواں است کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانست

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے

چوں ندارد جان تو قلندیلہا بہر بنیش کردہ تاویلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور امرزگار ہے گستاخانہ کلمات فوراً نہیں پڑکتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر علم خدا دیر گیرد سخت گیرد مرترا

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

بے شک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ☆

یعنی تمام مخلوقات جس کی پاکی بیان کریں تم اس کیلئے شرکاء اولاد اور بیٹیاں تجویز کرو یہ ایسی گستاخی تھی کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن وہ اپنے حکم سے شتاب نہیں پکڑتا اور توبہ کرلو تو بخش دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ

اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

نہیں مانتے آخرت کو ایک پردہ چھپا ہوا ☆

نبی اور منکر کے درمیان پردہ:

جو شخص آخرت کو نہ مانے اور اپنے بھلے برے انجام کی کچھ فکر نہ رکھے وہ نصیحت کی طرف کیوں دھیان کرنے لگا جب اسے نجات ہی کی فکر نہیں تو نجات دلانے والے پیغمبر کے احوال و اقوال میں غور کرنے اور بارگاہِ رسالت تک پہنچنے کی کیا ضرورت ہوگی، بس یہ ہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بےفکری اور معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہو نبی) کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابولہب کی بیوی کے سامنے پردہ:

بعض نے کہا حجاب سے مراد ہے ایسا پردہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(رسولی شخصیت) کو ظاہری آنکھوں سے چھپا دینے والا تھا، بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کیلئے) آئی آپ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ (بیٹھے ہوئے) تھے لیکن عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آئے۔ حضرت ابوبکر سے کہنے لگی تمہارا ساتھی کہاں ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ تو شعر نہیں پڑھتے، نہ شعر کہتے ہیں (پھر ہجو کس طرح کی) عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی (اگر مل جاتا تو سر پھاڑ دیتی) حضرت ابوبکر نے (عورت کے جانے کے بعد) عرض کیا یا رسول اللہ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ کیے رہا۔

میں کہتا ہوں سعید بن جبیر کی روایت کے بموجب آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے قرار پائے گا ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ قرآن پڑھتے ہوں اور کافر آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ
اور ہم رکھتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں

علوم قرآن سے محرومی:

پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکنے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے۔ یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سبب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا جہان روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آنکھیں بھی بند کر لے تو اس کے اعتبار سے آفتاب کی روشنی کہیں بھی نہیں۔

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ
اور ان کے کانوں میں بوجھ ☆

یعنی جب بہ نیت انتفاع واستفادہ سننا نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں (تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو حجاب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لئے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا۔

"وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ" (حم السجدہ رکوع۱)

آخرت پر ایمان نہ رکھنا اور انجام سے بے فکر رہنا، خدائے واحد کے ذکر سے چڑنا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب، کنان اور وقر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے انکے خلق کی نسبت بھی اس کی طرف کی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ
اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾
اکیلا کر کر بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ☆

خدا کے ذکر سے چڑتے ہیں:

یعنی خدائے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، ہاں ان کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ (زمر رکوع۵) (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ
ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں ☆

یعنی سننے سے استفادہ مقصود نہیں ہوتا محض استخفاف واستہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ
جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ
نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بےانصاف جس کے کہے
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾
پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک مرد جادو کا مارا ☆

مشرکوں کا تبصرہ:

یعنی قرآن اور آپ کی باتیں سن کر گئے، پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہنا چاہیے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہو گیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العیاذ باللہ العظیم) بعض نے "مسحور" کو یہاں "ساحر" کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ (تنبیہ) لفظ "مسحور" سے جو مطلب وہ لیتے تھے اس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کے سحر کا کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے یہ آیت مکی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیوی کاموں میں کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ وغیرہ:

یا یہ مطلب ہے کہ جب وہ باہم کانا پھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں) الظّٰلِمُوْنَ سے مراد ہیں ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر زدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اس ظلم کے مرتکب تھے مسحور سحر زدہ کہ جادو کی وجہ سے اس کی عقل ٹھکانے سے نہ رہی ہو۔ مجاہد نے مسحور کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ بعض علماء نے کہا یہ لفظ مَا سَحَرَکَ سے ماخوذ ہے مَا سَحَرَکَ کا معنی ہے تجھے کس چیز نے پھیر دیا، اس وقت مسحور کا ترجمہ ہوگا حق سے برگشتہ۔ ابوعبید نے مسحور کا ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھیپھڑہ مراد یہ ہے کہ یہ شخص تو تم جیسا پھیپڑوں والا آدمی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سانس لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے بخار اور درد ہو سکتا ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبیعہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا آخری آیت میں جو کفار نے آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی کہ اس کا حاصل وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی مراد درحقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اس کی تردید قرآن نے فرمائی اس لئے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں۔

دُشمنوں کی نظر سے اوجھل رہنے کا ایک عمل:

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین کی آنکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے اس کے اثر سے کفار آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں ایک آیت سورۂ کہف میں ہے یعنی اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا دوسری آیت سورۂ نحل میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اور تیسری آیت سورۂ جاثیہ میں ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً۔

ایک شامی کا واقعہ:

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا اس کو کسی ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک وہاں مقیم رہا پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اس شخص کو وہ روایت یاد آ گئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر یہ چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

رَے کے ایک آدمی کا واقعہ:

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت کعب سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں نے رَے کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار کر لیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا، یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ آیتیں پڑھ لیں اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑوں سے چھو جاتے تھے۔

سورۂ یٰسین کی آیات:

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ان تینوں کے ساتھ وہ آیات سورۂ یٰسین کی بھی ملالی جائیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت پڑھا تھا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا آپ نے یہ آیات پڑھیں اور ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے چلے گئے بلکہ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ان میں سے کسی کو خبر نہیں ہوئی وہ آیات سورۂ یٰسین کی یہ ہیں يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔

امام قرطبی کا واقعہ:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منثور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا دشمن نے دو گھوڑے سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا کوئی چیز پردہ کرنے والی نہ تھی مگر میں سورۂ یٰسین کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا یہ دونوں سوار میری برابر سے گذرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھ سے اندھا کر دیا تھا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا
دیکھ لے کیسے جماتے ہیں تجھ پر مثلیں اور بہکتے پھرتے ہیں
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾
سو راہ نہیں پا سکتے ☆

مخالف ناکام رہیں گے:

یعنی کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی مسحور یا مجنون، غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جماؤ نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن و تشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں نہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اغواء و اضلال میں کامیاب ہوسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل، اخنس اور ابوسفیان کا تبصرہ:

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سننے کیلئے نکلے آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ آکر چپ چپاتے چھپتے لگتے ادھر اُدھر بیٹھ گئے ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی رات کو سنتے رہے فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے اتفاقاً راستے میں سب کی ملاقات ہوگئی، ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگ اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہوجائیں گے لیکن رات کو پھر یہ تینوں آگئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزاری، صبح واپس چلے، راستے میں مل گئے پھر سے کل کی باتیں دہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا آؤ عہد کرلیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول و قرار کر کے جدا ہوئے صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا ابوحنظلہ مجھے بتلاؤ تمہاری اپنی رائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ جو آیتیں قرآن کی میں نے سنی ہیں ان میں سے بہت سی آیتوں کا تو مطلب معنی میں بیان کیا لیکن بہت سی آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں ہوئی اخنس نے کہا واللہ میرا بھی یہی حال ہے یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سنئے شرافت و سرداری کے بارے میں ہمارا بنوعبد مناف سے مدت کا جھگڑا چلا آتا ہے انہوں نے کھلایا ہم نے بھی کھلانا شروع کردیا، انہوں نے سواریاں دیں، ہم نے بھی انہیں سواریوں کے جانور دیئے انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کئے اور انہیں انعامات دیئے ہم نے بھی ان سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا اب جب کہ ان تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جانہ سکے تو جھٹ سے انہوں نے کہا کہ ہم میں نبوت ہے ہم میں ایک شخص ہے جس کے پاس آسمانی وحی آئی ہے اب بتاؤ اس کو ہم کیسے مان لیں؟ واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اُسے سچا کہیں گے اس وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

پھر اٹھیں گے نئے بن کر ☆

مشرکین کی قابل تعجب دلیل:

یعنی آپ پر مسحور و مجنون یا شاعر و کاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی، اس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) مسحور و مجنون ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر سفید ہڈیاں رہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اٹھیں گے؟ اور انسانی حیات ان منتشر ذرات میں عود کر آئے گی؟ اگر پیغمبر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) ان کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ

یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں ☆

ہر حال میں دوبارہ زندہ ہونا ہے:

یعنی یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہوجانا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں۔ بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجربہ کرلو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہو حتیٰ کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اس قادر مطلق کو تمہارا زندہ کردینا کس قدر آسان ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ

پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو

قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ

کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار ☆

جس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کرے گا:

جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا نطفہ سے پیدا کیا اور جماد لا یعقل پر روح انسانی فائض کر دی۔ کیا اب اس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مردہ لاش کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کردے۔ (تفسیر عثمانی)

(یہ بات سن کر) وہ کہیں گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کریگا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر عرض کے توارد کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا ہے تو نہیں ہے جب تک کوئی مؤثر نہ ہو محض صلاحیت و استعداد تو اس کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست مؤثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تم کو اوّل بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ بھی تخلیق کر دے گا (پہلے تو تم مٹی تھے زندگی کو قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے میں فقط پہلی حالت کا لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض سے وجود میں لانا معدوم کر کے موجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے) (تفسیر مظہری)

فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ
پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر
وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ
اور کہیں گے کب ہو گا یہ ☆

مشرکین کا استہزاء:

یعنی استہزاء و تمسخر سے سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی، اور کب مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ﴿۵۱﴾
تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا ☆

عنقریب قیامت آرہی ہے:

یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم امید ظاہر کر سکتے ہو۔ گویا دنیا کی بقیہ عمر اس سے کم ہے جتنی گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ
جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے اس کی تعریف کرتے ہوئے ☆

جب پکارا جائے گا:

یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آواز دی جائیگی ایک ڈانٹ میں سب مردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوا حاضر ہوگا۔ گو کافر کو اس وقت کی اضطراری حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مؤمنین کی زبان پر یہ الفاظ ہونگے۔ "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ"۔

يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ یہ اس روز ہو گا جس روز اللہ تم کو پکارے گا اور تم (بلا اختیار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے۔ یعنی اسرافیل کی زبانی جب اللہ تم کو قبروں سے میدان قیامت کی طرف حساب فہمی کے لیے طلب فرمائے گا تو تم (تعمیل حکم اور عمل سے) دعوت کو قبول کرو گے یا (دعوت اور استجابت سے مراد ہے قبروں سے اٹھایا جانا اور اٹھنا اس صورت میں) یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو قبروں سے اٹھائے گا اور تم اٹھو گے، یعنی فوراً حساب فہمی کیلئے اٹھ کر میدانِ قیامت میں آجاؤ گے۔

قبروں سے اٹھتے وقت حمد کرنا:

بِحَمۡدِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تم اللہ کی حمد کرو گے اس وقت اقرار کرو گے کہ اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے یا بحمدہ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حمد کرنے والے اطاعت کرتے ہیں تم بھی قبروں سے اٹھنے کے وقت ایسی ہی اطاعت کرو گے بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب مومنوں کو ہے قبروں سے اٹھتے وقت مومن اللہ کی ثناء کریں گے، کافر حمد نہیں کریں گے وہ تو قبروں سے اٹھتے وقت (ہائے وائے کریں گے اور کہیں گے يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ يٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ ہائے ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا، یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔

ختلی نے الدیباج میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ مومنوں کیلئے مرنے کے وقت اور قبروں میں اور قبروں سے اٹھنے کے وقت اُنس ہوگا (یعنی یہ کلمہ وحشت دور کرنے اور سکون بخشنے کا ذریعہ ہوگا) اے محمد اگر آپ دیکھیں گے تو تعجب ہوگا کہ یہ (مؤمن) تو قبروں سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے اور لا الٰہ الا اللہ و الحمد للہ کہتے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے چہرے گورے ہوں گے اور یہ (کافر) پکاریں گے ہائے افسوس میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

موت و قبر کی وحشت سے تحفظ:

طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان

کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ (کا اقرار کرنے) والوں کو نہ مرتے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے نکلتے وقت گویا میرے سامنے ہے وہ منظر کہ چیخ (یعنی صور کی آواز) ہوتے ہی (مومن) سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ کہہ رہے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قیامت کے دن کی پکار:

یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ لفظ یَدْعُوکُمْ دعاء سے مشتق ہے جس کے معنے آواز دے کر بلانے کے ہیں اور معنے یہ ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ تم سب کو محشر کی طرف بلائے گا اور یہ بُلانا بواسطہ فرشتہ اسرافیل کے ہوگا کہ جب وہ دوسرا صور پھونکیں گے تو سب مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہونے کے بعد سب کو میدان حشر میں جمع کرنے کیلئے آواز دی جائے۔ (قرطبی)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے روز تم کو تمہارے اپنے اور باپ کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اپنے نام اچھے رکھا کرو (بیہودہ ناموں سے پرہیز کرو) (قرطبی)

محشر میں کفار بھی اللہ کی حمد وثناء کرتے اٹھیں گے:

فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ استجابت کے معنے کسی کے بلانے پر حکم کی تعمیل کرنے اور حاضر ہو جانے کے ہیں معنے یہ ہیں کہ میدان حشر میں جب تم کو بلایا جاوے گا تو تم سب اس آواز کی اطاعت کرو گے اور جمع ہو جاؤ گے بحمدہ یہ تستجیبون کی ضمیر فاعل کا حال ہے بمعنے حامدین مراد یہ ہے کہ اس میدان میں آنے کے وقت تم سب کے سب اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے حاضر ہوگے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ حشر میں اٹھنے کی ابتداء بھی حمد سے ہوگی سب کے سب حمد کرتے ہوئے اٹھیں گے۔ اور سب معاملات کا خاتمہ بھی حمد پر ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی سب اہل محشر کا فیصلہ حق کے مطابق کر دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا کہ حمد وشکر ہے اللہ رب العالمین کا) (معارف مفتی اعظم)

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

اور انکل کرو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر تھوڑی ☆

تب تم کو معلوم ہوگا:

یعنی اب شتابی کرتے ہو، اس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس ان ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں (موضح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول وخوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہوگی۔ یا نفخہ اول اور نفخہ ثانی کے درمیان چونکہ عذاب نہ رہے گا۔ اس درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے۔ ''مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا'' (یٰس رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

اور کہہ دے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ

شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان ہے

كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾

انسان کا دشمن صریح ☆

مذاکرے کے آداب:

مشرکین کی جہالت اور طعن وتمسخر کو سن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت وفہمائش کرتے وقت تنگ دلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دوسرے کو ابھار کر لڑائی کرا دیتا ہے پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد وعداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہو تب بھی نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی شیطان آدمیوں میں شر اٹھاتا ہے، بگاڑ پیدا کرتا ہے وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے کافروں کو تو بہکا کر جہنم میں لے جاتا ہے اور مسلمانوں میں باہم فساد اور شر اٹھاتا رہتا ہے اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے شیطان کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

قتل وقتال کے ذریعہ کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جا سکتا ہے اس لئے اس کی اجازت ہے، گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطابؓ کے ایک واقعہ میں نازل ہوئی جس کی صورت یہ تھی کہ کسی شخص نے حضرت فاروق اعظمؓ کو گالی دی اس کے جواب میں انہوں نے بھی اس کو سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس کے نتیجہ میں خطرہ پیدا ہو گیا کہ دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو آپس میں خطاب کرنے کے متعلق ہے کہ باہم اختلاف کے وقت سخت کلامی نہ کیا کریں کہ اس کے ذریعہ شیطان ان کے آپس میں جنگ وفساد پیدا کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جتنے افراد بھی کفر ومعصیت کی حمایت کیلئے لڑنے کو چلتے ہیں وہ سوار اور پیادے سب شیطان ہی کا سوار اور پیادہ

لشکر ہے رہا یہ معاملہ کہ شیطان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اولاد آدم کو بہکا کر گمراہ کرنے پر قادر ہو جائے گا جس کی بناء پر اس نے یہ دعوی کیا تو ممکن ہے کہ انسان کے اجزاء ترکیبی کو دیکھ کر اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے اندر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوگا اس لئے بہکائے میں آجانا دشوار نہیں اور اس میں بھی کچھ بعد نہیں کہ یہ دعویٰ بھی محض جھوٹ ہی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن جریج نے کہا یہ آیت الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کی تشریح ہے (یعنی کلمہ احسن ربکم اعلم بکم الخ ہے) درمیانی کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تم یہ بات کہو کہ تمہارا رب تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے الخ تم ان سے گالی گلوچ نہ کرو اور جاہلانہ جواب نہ دو اور صراحۃً ان کو دوزخی نہ کہو اس سے شر بڑھے گا پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جو اس وقت کافر ہیں ان کا خاتمہ کس حالت پر ہوگا (ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو) خاتمہ کا علم تو صرف اللہ کو ہے کلبی نے کہا یہ خطاب اللہ کی طرف سے مومنوں کو ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے پنجہ سے تم کو بچالے گا اور چاہے گا تو ان کے ہاتھوں سے تم کو دکھ پہنچوائے گا، اور ان کو تم پر قابو دے دے گا۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ
تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے
اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ
اور اگر چاہے تم کو عذاب دے ☆

یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کر، یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۴
اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر ذمہ لینے والا ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے کہ دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا، سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے راہ سجھائے۔" (تفسیر عثمانی)

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اور تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں
وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي
اور ہم نے افضل کیا ہے بعضے پیغمبروں کو
بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵
بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور ☆

اللہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کرتے ہیں:

یعنی ہم اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب جانا آدمیوں میں سے پیغمبر بنایا۔ پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں پر کلی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بعضے نبی تھے کہ (امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخر کار) جھنجھلا گئے۔ آپ کا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہٰذا آپ کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہیے) اور خصوصیت سے داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا۔ کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے۔ جہاد بھی اور زبور بھی، سمجھانے کو (وفی الحدیث کَانَ لَایَفِرُّ اِذَالَاقٰی) وہ ہی دونوں باتیں یہاں بھی ہیں۔ قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں "زبور" کا ذکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلیہ اور امت محمدیہ کے فضل وشرف کی طرف اشارہ فرمادیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور اس امت کے اشرف الامم ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ" (الانبیاء رکوع ۷) یعنی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ المرحومہ۔ (تفسیر عثمانی)

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں اس جگہ لکھا ہے کہ زبور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں اور تمام سورتیں صرف دعاء اور حمد وثناء پر مشتمل ہیں ان میں حلال وحرام اور فرائض وحدود کا بیان نہیں ہے۔

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست   دگر خون بفتوی بریزی رواست

(تفسیر معارف القرآن مفتی اعظم)

برتری کا مدار:

مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرمادیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی، یعنی اخلاقی بلندی، نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاکی، وہبی علوم عموی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا، مال اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بنایا آپ پر نبوت کو ختم کر دیا آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب اصلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بنایا معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے برتری رکھتی ہے رسول اللہ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم وافادیت واعجاز میں سب سے زائد

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری درجہ قرب پر پہنچا اور اس قرب کو آیت دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں ظاہر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدائشی شقی ہے۔

قریش کے بیہودہ خیالات کی تردید:

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابوطالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال وصہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں اس آیت میں ان بیہودہ خیالات کی تردید کر دی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا ہے اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔ (تفسیر مظہری)

مختلف پیغمبروں کی خصوصیات:

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کُن سے کی (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰؑ گہوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب وحکمت عطا فرمائی اور توریت وانجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو (ہر وقت ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن وانس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کرا دیا اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا
کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اس کے سو وہ
یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾
اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں ☆

باطل معبود بے اختیار ہیں:

یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے اس کی قدرت کامل اور علم محیط ہو۔ اب ذرا مشرکین ان ہستیوں کو پکاریں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا سی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف وعاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے، تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ
وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں
اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ
اپنے رب تک وسیلہ کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے ☆

شانِ نزول:

بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان کے معبود خود اللہ کے قرب کے طالب ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح وعزیر وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود ومستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوا دوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے۔ ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو۔ (تنبیہ) "توسل" اور "تعبد" میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔ (تفسیر عثمانی)

اَیُّهُمْ اَقْرَبُ ان کا جو ان میں سب سے زیادہ قرب (خداوندی) رکھتے ہوں۔ یعنی ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلبگار ہیں قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے (زجاج) بعض اہلِ تفسیر نے اس طرح مطلب کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو طلب کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے ہو جانا چاہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

یہ کفار جن بزرگانِ دین اور مقبولانِ خداوندی کو اپنا حاجب روا سمجھ کر

پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تا کہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی اس کے اقتداء اور اتباع کو اور اس کی دعاء کو حصول قرب خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵)

قرب الٰہی کا وسیلہ پیغمبر ہے:

حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی سے شفاعت ہوگی۔ (موضح القرآن)

اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے نجات نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اور قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلہ سے اہل محشر کو انتظار کی تکلیف سے رہائی ہوگی۔ (معارف کاندھلوی)

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ

اور امید رکھتے ہیں اسکی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۷

بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے

یعنی باوجود غایت قرب کے انکی امیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز۔ یعنی ایسا خوفناک ہے کہ اس سے فرشتوں اور پیغمبروں کو بھی ڈرنا چاہئے۔

بیضاوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے اور مسیح اور عزیر ان میں سے کوئی بھی تمہارا دکھ دور نہیں کر سکتا، یہ تو خود اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کیلئے وسیلہ کے خواستگار ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا، عیسیٰؑ ان کی والدہ، عزیر، ملائکہ، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے رب کی جانب وسیلہ کے طلبگار ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (پھر ان کو کارساز معبود کس طرح بناتے ہو) بغوی نے لکھا ہے، ایک بار مشرک سخت کال میں مبتلا ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردار تک کھا گئے، مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنے کی درخواست کی اس پر آیت قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ

اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کردیں گے

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ

قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت ☆

اللہ کی پکڑ سے کوئی باہر نہیں:

اس آیت کا مطلب کئی طرح لیا جا سکتا ہے (الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان گناہوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ و خراب کر دیا جائے گا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہونگے تو درجہ دوئم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اس بستی پر نازل کی جائیگی۔ باقی ایسی بستی کہا ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں پھنسے (ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت بھیج کر ویران کی جائے یا کسی سخت آفت و بلا میں مبتلا ہو۔ طبعی موت پر جو تعذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ "ہلاک" کا اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے "حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا" (المومن رکوع ۴) و فی الحدیث کلما ھلک نبیٌّ جاء نبیٌّ اخر (ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود و تباہ کر دی جائیگی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھے گی۔ بہرحال کوئی معنیٰ لئے جائیں، مقصود اس آیت سے تحذیر ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا "اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا" اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸

یہ ہے کتاب میں لکھا گیا ☆

حتمی فیصلہ: یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل اور ہے جو علم الٰہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اسکی رعیت ہیں اور اسکی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ" (تفسیر عثمانی)

زناء اور سود کی ہلاکت:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے (یا علی

الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دیدیتا ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا کتاب میں یہی لکھا ہوا ہے الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا سب سے اول جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا لکھ قلم نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھ حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا ابد تک ہونے والی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کی سند کو غریب کہا ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیر کے حوالہ سے ایک حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ اسی طرح نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ کوہِ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ (میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں، اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں، لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کر دوں گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں، تو ان کو ڈھیل دے (درخواست پوری نہ کر) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیاتِ ذیل نازل فرمائیں) (تفسیر مظہری)

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ

اور ہم نے اس لیے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ

كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ

اگلوں نے ان کو جھٹلایا

حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ "کوہ صفا کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گرد و پیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے۔ وغیرہ ذالک۔ ایسا کرو تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان نشانات کے بعد اگر نہ مانا تو ہلاکت آئے گی:

یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لوگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے۔ بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنۃ اللہ کے موافق اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دئے گئے۔ اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں۔ اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنۃ اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہ ہی استیصال و اہلاک کلی ہونا چاہئے جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت و حکمت ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام وامم کی طرح عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے۔ پہلی امتوں کو فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ انکی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی امت کو کچھ نمونے دکھلانے تھے کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کرو گے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہ ہی تمہارا ہوگا۔ لیکن حکمت الٰہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے۔ لہٰذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

زلزلہ کے ذریعہ تنبیہ:

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو، تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ شریف میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے تو آپ نے فرمایا، واللہ تم نے ضرور کوئی نئی بات کی ہے، دیکھو، اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں کروں گا۔

سورج و چاند گہن کی تنبیہ:

متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، سورج چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں، یہ کسی کی موت و حیات سے گہن میں نہیں آتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو خوف زدہ کر دیتا ہے، جب تم یہ دیکھو تو ذکر اللہ دعا اور استغفار کی طرف جھک پڑو۔ اے امت محمد! واللہ خدا سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں کہ اس کے لونڈی غلام زنا کاری کریں، اے امتِ محمد! واللہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے سمجھانے کو

فَظَلَمُوْا بِهَا

پھر ظلم کیا اس پر

قوم ثمود سے عبرت پکڑو:

قوم "ثمود" نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آنکھیں کھلتیں اور قلبی بصیرت حاصل ہوتی الٹے ظلم

عداوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں یہ ''اَنۡ کَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ'' کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ۝۵۹

اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو

نشانات بھیجنے کا مقصد:

یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اس کی طرف جھکیں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو اور فی الحال اس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائشیں پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ باقی عام تخویف و انذار کیلئے جن آیات و نشانات کا بھیجنا مصلحت ہے، وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے

اَحَاطَ بِالنَّاسِ

گھیر لیا ہے لوگوں کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبرانے کی ضرورت نہیں:

شاید آپ کو خیال ہوا ہوگا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو ہنسنے اور طعن کرنے کا موقع ملے گا کہ اگر سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق نشان دکھلاتے۔ اس لئے آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم و قدرت نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جا سکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ ان کے طعن و تشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کئے جایئے اور ان کے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں تھے۔ اور اس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگنا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہٰذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں، یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِيۡۤ اَرَيۡنٰكَ

اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے

اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ

سو جانچنے کو لوگوں کے

واقعہ معراج کے ذریعہ امتحان:

''دکھاوے'' سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا رؤیا سے مراد ہے رویت یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید جبیر، حسن بصری، مسروق قتادہ مجاہد عکرمہ ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کہتے ہیں، رایت بعینی رویۃ ورویا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رویت اور رویا ہم معنی ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ معراج ہوئی تھی ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کی اور ایک بار دل سے دیکھنے کی۔

ابو یعلی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات کو معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ کی ہنسی اڑانے لگے، اور حضور سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کر دیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کر دی۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے حکم بن عاص کی اولاد کو منبر پر بندروں کی طرح (اچھلتے) دیکھا اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِيۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ یعنی اس آیت میں جس خواب کا ذکر ہے اس کا تعلق حکم اور اس کی اولاد سے ہے (حکم اس کا بیٹا مروان اسکے بیٹے عبدالملک وغیرہ سارے لوگوں کے لیے فتنہ تھے اور خلافت پر قابض ہو گئے تھے۔ یہ بات رسول اللہ کو دکھائی دی گئی تھی) حضرت سہل بن سعد، یعلی بن مرۃ، حضرت حسین بن علی، حضرت عائشہؓ اور سعید بن مسیب کی روایت بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث آئی ہے۔

حضرت امام حسینؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو کچھ غمگین تھے سبب دریافت کرنے پر فرمایا، میں نے دیکھا کہ میرے اس منبر پر گویا بنی امیہ باری باری سے آ رہے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ فکر مند نہ ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِيۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ نازل ہوئی۔ اس روایت کے بموجب لفظ فتنہ سے مراد ہوگا بنی امیہ کے دور اقتدار میں بدعات اور فسق و فجور کا پھیل جانا۔ یہ

حدیث شیخ ابن جریر نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فلاں (یعنی بنی امیہ) کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرف کود رہے ہیں (کبھی ایک آتا ہے کبھی دوسرا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب سے دکھ ہوا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم نے حضرت عمرو بن عاص اور حضرت یعلی بن مرہ کی روایت سے نیز ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں سعید بن مسیب سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خواب میں) بنی امیہ کو منبر پر دیکھا جس سے آپ کو دکھ ہوا اللہ نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ان کو تو یہ دیا گیا ہے (یعنی اللہ کا یہی فیصلہ ہے) اس سے آپ کو سکون ہو گیا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث ضعیف ہیں۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ

اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں ☆

زقوم کا درخت:

یعنی "زقوم" کا درخت جسے قرآن میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ آگ میں سبز درخت کیونکر ہوگا؟ یہ بھی جانچنا تھا ان دو مثالوں سے اندازہ کرلو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی بدفہمی:

(۱) ابوجہل نے کہا ابن ابو کبشہ (محمد بن عبداللہ) تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلا دے گی لیکن خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اُگے گا (جس کو آگ نہیں جلائے گی) تم لوگ جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا ہی دیتی ہے، اس بے وقوف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ جو سمندل کی پشت کی کھال کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور جس نے شتر مرغ کے شکمی اعضاء کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ لوہے کے تپتے دہکتے ٹکڑے نگل لیتا ہے اور اس کی آنتیں نہیں جلتیں نہ حلق میں سوزش ہوتی ہے کیا وہ دوزخ میں ایسا درخت نہیں پیدا کرسکتا جو آگ سے نہ جلے۔ مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ سمندل ترکستان میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جس کی کھال کے رومال بنائے جاتے ہیں، جب رومال میلے ہوجاتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، آگ سے ان کا میل جل کر صاف ہوجاتا ہے اور کھال پر آنچ بھی نہیں آتی، صاحب قاموس نے لکھا ہے سمندل ہندوستان میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا۔

(۲) ابن الزبعری نے کہا تھا محمد ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی مکھن اور چھوارے ہی جانتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ہم کو معلوم نہیں، یہ سن کر ابوجہل نے لونڈی کو آواز دے کر کہا یَا جَارِیَة تعالِی زقمینا، اے جاریہ ہمارے لیے زقوم لا باندی فوراً مکھن اور چھوارے لے آئی، ابوجہل بولا، لوگو زقوم کھاؤ محمد تم کو اسی سے ڈراتے ہیں۔ زقوم کا ذکر اللہ نے سورت الصافات میں کیا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے البعث میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زقوم کا ذکر کیا اور قریش کو زقوم سے ڈرایا تو ابوجہل نے قریش سے کہا جس زقوم سے محمد تم کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، ابوجہل نے کہا یثرب میں عمدہ قسم کی کھجوریں مکھن کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس (مجموعہ) کو زقوم کہا جاتا ہے ہم کو اگر وہ (زقوم) مل جائے تو ہم تو اس کو خوب کھائیں (لنتزقمنها تزقما) اس پر آیت وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ اور آیت اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ نازل ہوئی۔ حقیقت میں ملعون تو زقوم کھانے والا ہوگا۔ بطور مبالغہ آیت میں درخت کی ہی صفت ملعونۃ ذکر کی ہے کیونکہ یہ درخت جحیم کی جڑ میں ہوگا اور وہ ایسا مقام ہے جہاں پہنچنے والے رحمت خداوندی سے بہت ہی زیادہ دور ہوں گے۔ یوں کہا جائے ملعونۃ کا معنی ہے، بہت برا ضرر رساں، ناگوار۔ ہر ناگوار، ضرر رساں کھانے کو عرب ملعون کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کے اعتراض کا جواب:

عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہرا اور سرسبز درخت کیونکر اگ سکتا ہے یہ انکی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ آگ کا درخت کو نہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں۔ بلاد ترک میں ایک جانور "سمندل" ہوتا ہے اس کی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں۔ جب یہ رومال میلے ہوجاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیئے جائیں آگ ان کے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی۔ شتر مرغ آگ کے انگارے نگل جاتا ہے اور اس سے اس کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لئے سبز درخت سے آگ نکالی تاکہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس سبز درخت سے نکلتی ہے اس سے یہ سبز درخت نہیں جلتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۠

اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت

مردہ دل گمراہی میں ترقی کرتے ہیں:

یعنی جن کے دل خدا کے خوف سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں بلکہ اس سے زیادہ شرارت میں ترقی کریں ان سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی امید رکھنا بے موقع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تخلیق انسانیت:

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹھی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور نمکین بھی اس سے آدم کا پتلا بنایا، پس جس کو میٹھی خاک سے بنایا وہ تو خوش نصیب ہوگیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق نمکین خاک سے کی وہ بد بخت ہوا خواہ وہ انبیاء زادہ ہو۔ احمد ترمذی، ابوداؤد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے کہ اللہ نے ایک مٹھی خاک تمام زمین سے لی اس سے آدم کو بنایا۔ پس اولادِ آدم زمین کے مطابق ہوئی سرخ سفید، سیاہ یا درمیانی رنگ۔ نرم، سخت، خراب، عمدہ (اخلاق والے) اسی وجہ سے ہوگئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے

اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۚ﴿۶۱﴾

مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا مٹی کا

فرشتوں کا اور شیطان کا کام:

یہ قصہ کئی جگہ گذر چکا۔ یہاں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون وچرا ماننا فرشتوں کا اور اس میں شبہات نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اسی کی چال چل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بحثیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی وہ ہی ہونے والا ہے جو ان کے امام ابلیس لعین کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ

کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھادیا

لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ

اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی

ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۶۲﴾

اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے

شیطان کا دعویٰ:

یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا مسخر کرلوں جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے اسے مجھ پر فضیلت دینا کس طرح جائز ہوگا؟ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے نسل آدم کو بہکانے پر قادر ہونے کا علم ابلیس کو شاید ملائکہ کے قول سے ہوگیا تھا، ملائکہ نے کہا، اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا یا حضرت آدم کی بناوٹ سے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ اس کے اندر قوتِ غضب وشہوت اور وہم کی پیدائش کردی گئی ہے (لامحالہ اس کو اغواء کرنا سہل ہے)۔

خاص لوگ:

قلیلا سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے (یعنی انبیاء اور خاص خاص اشخاص) انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تھا۔ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اذۡهَبۡ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ

فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے سو دوزخ ہے

جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾

تم سب کی - سزا - بدلہ پورا

شیطان کو اجازت:

یعنی جا! جتنا زور لگا سکتا ہے لگالے، یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جیل خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ

اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے

یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو، مراد اس سے وسوسہ ڈالنا ہے اور مزامیر (باجا گاجا) بھی اس میں داخل ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔ استفز از ابھار دینا پھسلا دینا۔ بے وقوف بنالینا، قاموس میں ہے استفزہ اس کو ابھار دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بصوتک، حضرت ابن عباس کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ ازہری نے اِسۡتَفۡزِزۡ بِصَوۡتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد ہے گانا بجانا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ

اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے

شیطان اپنی پوری طاقت استعمال کرے:

یعنی ساری طاقت صرف کرڈال اور پوری قوت سے لشکر کشی کر! خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا انس۔ (تفسیر عثمانی)

جلب کی دو ممنوع صورتیں:

صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ جلب دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) زکوٰۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جابجا ہر طرف بھیج دے تاکہ زکوٰۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکوٰۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیامگاہوں پر جا کر زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔

(۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تاکہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکا تا رہے (اور گھوڑا کہیں سست رفتار نہ ہونے پائے) اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکری ہے سوار ہو کر چلے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی جو بھی معصیت کے راستہ میں لڑے وہ ابلیس کا لشکری ہے۔ بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا، سوار ہوں یا پیادے۔

بغوی نے لکھا ہے آثار (اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرما دے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا گیا۔ ابلیس نے کہا، مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا، اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ الخ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا۔ اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہوگی، میں اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دوں گا، آدم نے عرض کیا، میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا، ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا، آدم نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ (کی قبولیت) سامنے رہے گی۔ (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم نے عرض کیا اور کچھ اللہ نے فرمایا

يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ
لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا۔

شیطان کا سامان:

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لیے کیا (مقرر کیا) ہے، اللہ نے فرمایا شعر، ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگی، فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں؟ فرمایا کاہن، عرض کیا میرے رہنے کا مقام کونسا ہے، فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے، فرمایا بازاروں میں۔ عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے، فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کونسا ہے، فرمایا عورتیں، عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے، فرمایا باجے۔ (تفسیر مظہری)

وَشَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ

اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں

مال واولاد میں شیطان کا دخل:

یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، ان کو ہر طرح ابھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے یہ پڑھ لے اللهم جنبنا الشیطن و جنب الشیطن ما رزقتنا یعنی یا اللہ تو ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا فرمائے، تو اگر اس میں کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا تو اسے ہرگز ہرگز کبھی بھی شیطان کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے، حسن اور قتادہ نے کہا، اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباس کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے، جیسے عبدالحارث، عبدالشمس، عبدالعزیٰ، عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امام زین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اگر وہ شخص بغیر بسم اللہ کہے کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی

انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)

بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا، جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔

وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾
اور وعدے دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دغا بازی

شیطانی فریب:

یعنی شیطان جو سبز باغ دکھاتا ہے اس سے فریب کھانا احمق کا کام ہے اس کے سب وعدے دغا بازی اور فریب سے ہیں۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا "وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ" (ابراہیم رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ۔ توبہ میں تاخیر۔ یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ
وہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں تیری حکومت
وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾
اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا

یعنی جو خدا پر اعتماد و توکل کریں وہ ان کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر فرماتا ہے۔ جا تو انھیں دھوکے کے جھوٹے وعدے دیا کر۔ چنانچہ قیامت کے دن یہ خود کہے گا کہ اللہ کے وعدے تو سب سچے تھے اور میرے وعدے سب غلط تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ میرے مومن بندے میری حفاظت میں ہیں میں انھیں شیطان رجیم سے بچاتا رہوں گا۔ خدا کی وکالت اس کی حفاظت اس کی نصرت اس کی تائید بندوں کو کافی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن اپنے شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ
تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں

یہ خدا کی کارسازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسکے سوا کوئی کارساز نہیں۔

؎ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

عکرمہ کا مسلمان ہونا:

فتح مکہ کے وقت جب کہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ حبشہ جانے کے ارادے سے بھاگا اور کشتی میں بیٹھ کر چلا۔ اتفاقاً کشتی طوفان میں پھنس گئی باد مخالف کے جھونکے اسے پتے کی طرح ہلانے لگے، اس وقت کشتی میں جتنے کفار تھے سب ایک دوسرے سے کہنے لگے، اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کچھ کام نہیں آنے کا اسی کو پکارو۔ عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہی کام آسکتا ہے۔ خدایا میں نذر مانتا ہوں کہ تو نے مجھے اس آفت سے بچالیا تو میں سیدھا جا کر محمد کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا اور یقیناً وہ مجھ پر مہربانی اور رحم و کرم فرمائیں گے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چنانچہ سمندر سے پار ہوتے ہی وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر تو اسلام کے پہلوان ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ
تا کہ تلاش کرو اس کا فضل

یعنی روزی۔ روزی کو اکثر قرآن میں "فضل" فرمایا ہے۔ "فضل" کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا لبھاؤ میں ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي
وہی ہے تم پر مہربان اور جب آتی ہے تم پر آفت
الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ
دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا پھر جب بچا لایا تم کو
اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾
خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکر

انسان کی احسان فراموشی:

یعنی مصیبت سے نکلتے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آ رہا تھا۔ کنارہ پر قدم رکھا اور بے فکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گذاری کیا ہوگی۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ
سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا

يُّرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ

بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی

وَكِيۡلًا ﴿۶۸﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ

نگہبان یا بے ڈر ہوگئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں ☆

یعنی کوئی ضرورت کھڑی کردے جس کیلئے ناچار دریائی سفر کرنا پڑے۔

دھنسادے۔ مثلاً زلزلہ آجائے اور زمین شق ہوکر قارون کی طرح اس میں دھنس جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا

دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھونکا

مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا

ہوا کا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ

تَجِدُوۡا لَكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ﴿۶۹﴾

پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا

یعنی خدا سے کون باز پرس کرسکتا ہے یا کس کی مجال ہے کہ پیچھا کر کے اس سے مجرمین کا خونبہا وصول کرے؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ

اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل

وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ

اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھادیا ان کو

عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ﴿۷۰﴾

بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر

انسانیت کا اعزاز:

یعنی آدمی کو حسنِ صورت، نطق، تدبیر اور عقل وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی واخروی مضار ومنافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیوی و آسائش اور رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور انکے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دیکر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا هٰذَا الَّذِيۡ كَرَّمۡتَ عَلَيَّ کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا۔ پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے۔

(تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ''رسل بشر'' ''رسل ملائکہ'' سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مؤمن انسان معزز ہے:

آیت مذکورہ بالا میں صرف مومن اس وجہ سے مراد ہیں کہ کافروں کو اللہ نے دوسری مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی کافر تو اللہ کے نزدیک بدترین اور ذلیل ترین مخلوق ہیں، اللہ ان کو شر البریہ (بدترین خلق) قرار دیا ہے۔

ظاہر آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو کل مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی بلکہ کثیر مخلوق سے افضل بنایا ہے۔

اس مضمون کی تائید حضرت جابر کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو اور انکی ذریت کو پیدا کردیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تونے ان کو پیدا کردیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ) وہ کھائیں گے پئیں گے عورتوں سے صنفی قربت کریں گے اور سواریوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لیے تو دنیا (کے عیش) کردے اور ہمارے لیے آخرت خاص کردے، اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو (پیدا کرنے کے لیے) میں نے کن کہا اور وہ ہوگئی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

انسانی برتری کے بے شمار پہلو:

نطق وگویائی اور افہام وتفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں اشارات کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلادینا۔ تحریر اور خط کے ذریعہ دل کی بات دوسروں تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی دوسروں

تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان کی صفت مخصوصہ ہے اسکے سوا تمام جانور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں کوئی کچا گوشت کھاتا ہے کوئی گھاس کوئی پھل وغیرہ بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے اور سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اسکی مرضی اور نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے نامرضیات سے پرہیز کرے اور عقل وشعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اسطرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں عقل وشعور نہیں، فرشتوں میں عقل وشعور ہے شہوات وخواہشات نہیں۔ انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ عقل وشعور بھی ہے شہوات وخواہشات بھی ہیں اسی وجہ سے جب وہ شہوات وخواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپکو بچالیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔ مثلاً حسن صورت، اعتدال جسم، اعتدال مزاج، اعتدال قد وقامت جو انسان کو عطا ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں اس کے علاوہ عقل وشعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات علویہ اور سفلیہ سے اپنے کام نکالتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہیں کہ مخلوقات الہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل وحرکت اور طعام ولباس میں اس کے مختلف کام آئیں۔ (معارف القرآن اعظم)

جنوں اور فرشتوں سے انسان کا تقابل:

دوسری بات کہ اولاد آدم کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دینے کا کیا مطلب ہے اس میں تو کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات علویہ اور سفلیہ اور تمام جانوروں پر اولاد آدم کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح جنات جو عقل وشعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان کا افضل ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اب صرف معاملہ فرشتوں کا رہ جاتا ہے کہ انسان اور فرشتہ میں کون افضل ہے اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں مگر خواص ملائکہ جیسے جبرئیل میکائیل وغیرہ ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین جیسے انبیاء علیھم السلام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں باقی رہے کفار وفجار انسان وہ ظاہر ہے کہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح ونجاح میں افضل نہیں ان کے متعلق تو قرآن کا فیصلہ یہ ہے، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یعنی یہ تو چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

تحقیقی فیصلہ:

عام مومنین یعنی صالح مومن جو اللہ کے ولی ہیں عام ملائکہ سے افضل ہیں اور جو مومن گنہگار ہیں اولیاء نہیں ہیں تو گناہوں سے پاک صاف ہو جانے کے بعد عام فرشتوں سے افضل بنا دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ گناہوں سے صفائی (توبہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے) مغفرت کے ذریعے سے بھی اور بقدر گناہ سزا پا جانے کے بعد بھی ہوتی ہے بہر حال صفائی کے بعد ان کو بھی اولیاء کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا داخلہ ہو جائے گا، اس طرح ان کو بھی عام فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے گی، رہے خاص مومن یعنی انبیاء تو وہ تمام خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاص خاص انسان ہر فرشتے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ملائکہ پر مومنوں کی برتری کا سبب یہ ہے کہ بہائم میں شہوت (یعنی جذبہ) ہے عقل (یعنی حواس سے بالاتر فہم کی طاقت) نہیں ہے اور ملائکہ میں عقل ہے شہوت نہیں ہے ان کی سرشت ہی طاعت پر ہوئی ہے (کوئی داعیِ معصیت ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے) اور انسان کے اندر عقل بھی ہے اور شہوت بھی اب جو عقل سے راہ راست اختیار کرتا اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور شہوت کا عقل سے مقابلہ کرتا ہے وہ حقیقت میں راہ خدا کا مجاہد ہے (داعیِ معصیت اس کے اندر موجود ہے اور عقل محافظ بھی ہے وہ عقل سے کام لیتا ہے اور دعوتِ معصیت کو رد کر دیتا ہے یہ مجاہدہ ہے) اور مجاہدین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

(تفسیر مظہری)

انسانی برتری کے دو پہلو:

(۱) انسان کو جو عزت اور کرامت عطا فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی اور دوسری کرامت روحانی کرامت جسمانی تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مومن کافر سب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا خمیر تیار کیا اور خود دست قدرت اس کو بنایا۔

(۲) اور احسنِ تقویم میں اس کو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوب صورت اس کو بنایا

(۳) اور معتدل القامت اس کو بنایا۔

(۴) پکڑنے اور کھانے کے لئے انگلیاں بنائیں۔

(۵) اور چلنے کو پیر بنائے
(۶) اور مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت بخشی
(۷) اور عقل اور تمیز دی
(۸) اور بولنے کے لئے زبان عطا کی
(۹) اور قلم سے اس کو لکھنا سکھایا
(۱۰) اور اسباب معیشت میں اس کی راہنمائی کی۔

(معارف القرآن کاندھلوی)

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ‌ۚ فَمَنۡ

جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو

اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ

ملا اس کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا

انسان کے اعزاز کو کہاں تک برقرار رکھا:

یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت وفضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عزوشرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا، یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود جنہیں فرمایا ہے "وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ" (القصص رکوع ۴) اور حدیث میں ہے "لتتبع کل امة ما کانت تعبد" الخ اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامنے سادا ہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ "اصحاب یمین" (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہونگے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کام کئے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے مسرور انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے، اور دوسروں کو کہیں گے هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ (الحاقہ رکوع ۱) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے) (تفسیر عثانی)

وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۝۷۱

اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے کا

ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا:

یعنی کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو ایک باریک دھاگا سا ہوتا ہے، اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہوگا۔ ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے بھی زیادہ پھل ملے گا۔ (تفسیر عثانی)

امام کے ساتھ طلبی ہوگی:

ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔

اللہ نے فرمایا ہے وَكُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِىۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ یعنی فی کتاب مبین۔ بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ طاقتیں ہیں جو انسان کو غلط یا صحیح عقائد واعمال پر آمادہ کرتی ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا امام ام کی جمع ہے۔

ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا:

جیسے خفاف خف کی یعنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا، اس میں حضرت عیسیٰؑ کا اکرام واعزاز اور حضرت امام حسن وحضرت امام حسین کی عظمت کا اظہار مقصود ہوگا اور یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اولاد زنا رسوا نہ ہونے پائے۔ باما مھم کا مطلب یہ ہے کہ جس نبی یا کتاب یا قائد خیر وشر کی پیروی کی ہوگی، اس کے ساتھ پیروی کرنے والے ہوں گے یا اپنے اپنے اعمالنامے اور صحیفے ہاتھوں میں اٹھائے ہونگے یا یہ مطلب ہے کہ امام کے نام کے ساتھ ان کو پکارا جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے گا، اے فلاں شخص کی امت اے فلاں شخص کی پیروی کرنے والو، اے فلاں مذہب والو، اے فلاں کتاب والو، اے فلاں فلاں اعمال والو، اے مریم کے بیٹے، اے فاطمہ کے بیٹے وغیرہ۔

جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمالنامے دیئے جائیں گے (ان کی حالت کچھ اور ہوگی) وہ جب اپنے اعمالنامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، اتنی کہ زبانوں کو گنگ کر دے گی اور وہ (صحیح جواب دینے کے بجائے) کہیں گے کاش یہ کتاب مجھ کو نہ دی گئی ہوتی، کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں، نہ ان کے اعمالنامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ قال یدعیٰ احدھم معطی کتابہ بیمینہ (الحدیث بطولہ)

آیت يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ کی تفسیر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ امام بمعنے کتاب ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے اسی لئے خلاصہ تفسیر از بیان القرآن میں اس کا ترجمہ نامہ اعمال سے کر دیا گیا ہے۔

اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور مجاہد وغیرہ مفسرین سے یہاں لفظ امام کے معنی مقتدا اور پیشوا کے بھی منقول ہیں کہ ہر شخص کو اس کے مقتدا و پیشوا کا نام لے کر پکارا جائے خواہ وہ مقتدا و پیشوا انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب مشائخ و علماء ہوں یا گمراہی اور معصیت کی طرف دعوت دینے والے پیشوا۔ (قرطبی)

نامہ اعمال کیسے ملے گا:

اور قرآن کریم میں نامہ اعمال داہنے یا بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کی کیفیت مذکور نہیں لیکن بعض احادیث میں تطایر الکتب کا لفظ آیا ہے ورواہ احمد عن عائشہؓ مرفوعاً اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ سب نامہ اعمال عرش کے نیچے جمع ہوں گے پھر ایک ہوا چلے گی جو سب کو اڑا کر لوگوں کے ہاتھ میں پہنچا دے گی کسی کے داہنے ہاتھ میں کسی کے بائیں ہاتھ میں (اخرجہ العقیلی عن انس مرفوعاً (بیان القرآن از روح المعانی) (معارف القرآن)

بزار میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا چہرہ چمکنے لگے گا سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا یہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا۔ اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ خدایا ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہنے لگیں گے اس سے خدا کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ بخدا، خدایا اسے ہمارے پاس نہ لا۔ وہیں وہ آ جائے گا۔ یہ کہیں گے اللہ اسے رسوا کر یہ جواب دے گا خدا تمہیں غارت کرے تم میں ہر شخص کے لئے یہی خدائی مار ہے۔ اس دنیا میں جس نے خدا کی آیتوں سے اس کی کتاب سے اس کی راہ ہدایت سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں سچ مچ اندھا ہوگا اور دنیا سے بھی زیادہ راہ بھولے ہوئے ہوگا۔ عیاذاً باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي
اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ
الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾
پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے

دنیا کے اندھے آخرت میں بھی اندھے ہوں گے:

یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) یہ ''اصحاب یمین'' کے بالمقابل ''اصحاب شمال'' کا ذکر ہوا۔ بعض نے ''اضل سبیلا'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں تو تلافی مافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک و تلافی کا امکان ہی نہیں رہا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اور وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ تجھ کو بچلا دیں اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے
اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾
تیری طرف تاکہ جھوٹ بنا لائے تو ہم پر وحی کے سوا اور تب تو بنا لیتے تجھ کو دوست

بعض کافروں کی ناجائز جرأت:

یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے بڑے بڑے سوانکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیئے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذاللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گذرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لئے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گذر جائے۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید — یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

(تفسیر عثمانی)

شانِ نزول کی روایات:

مؤلف لباب النقول فی اسباب النزول نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کے نزول کے سبب کے متعلق روایت مندرجہ بالا صحیح ترین روایت ہے جس کا سلسلہ سند کھرا ہے اور اس کی تائیدی شہادتیں دوسری روایات سے بھی ملتی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو چومتے تھے، مشرکوں نے کہا ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہ دیں گے تا وقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں، رسول اللہ نے خیال کیا اگر میں ایسا کر لوں تو میرا کیا ہرج ہو جائے گا، جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے

اس کے خلاف ہوں بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ کی یہ اجازت دیدیں گے اس کے بعد میں نفرت تو کرتا ہی رہوں گا۔ ابن ابی حاتم نے زہری کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ سے کہا اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے تو یہ نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے، اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے (دل میں) رسول اللہ کچھ ان کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ آیت مذکورہ نازل ہوگئی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی نماز میں) سورۃ النجم تلاوت کی اور اس میں یہ آیت پڑھی اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی اس میں شیطان نے آگے آپ پر القاء کر دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی اس پر آیت مذکورۃ الصدر نازل ہوئی، حضور والا برابر غمگین رہنے لگے (کہ یہ کیا الفاظ میری زبان سے بلا اختیار نکل گئے) آخر آیت وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی الخ نازل ہوئی (اسکے بعد آپکو تسکین خاطر ہوئی)

بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کر کے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت تین شرطوں پر کرنے کو تیار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں وفد والوں نے کہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر جھکیں گے نہیں۔ دوسری یہ ہے کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم لات (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے ایک سال تک تمتع اندوز ہوتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے، رسول اللہ نے جواب میں فرمایا جس دین (کی عبادت) کے اندر رکوع وسجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے۔ باقی طاغیہ یعنی لات وعزیٰ (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے تمتع اندوز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے، یارسول اللہ ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہیں کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرما دی ہے جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی، اب اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دیدی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جواب میں فرما دیں کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کر لیا کہ آپ ایسا کر دیں گے اس پر آیت وَاِنۡ كَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَكَ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوۡلَآ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو تو لگ جاتا جھکنے

اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾

ان کی طرف تھوڑا سا

پیغمبروں کی عصمت:

''ترکن'' رکون سے ہے جو ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف میلان قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ ''شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا'' بڑھا گیا تو ادنیٰ سے ادنیٰ ترین مراد ہوگا۔ پھر ''لقد کدت'' فرما کر اسکے وقوع کو اور بھی گھٹا دیا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ پیغمبر معصوم ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کی فریب بازیوں سے بہت ہی تھوڑا سا ادھر جھکنے کے قریب ہو جاتے۔ مگر انبیاء کی عصمت کا تکفل ان کا پروردگار کر چکا ہے۔ اس لئے اتنا خفیف جھکاؤ بھی نہ پایا گیا۔ اس سے ظاہر ہوگا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تقویٰ کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوۡلَآ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ اور اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے اور جمائے نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کے مقصد کو ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے کیونکہ ان کا فریب سخت اور مکر شدید تھا اور آپ کو ان کے مسلمان ہو جانے کی بہت زیادہ خواہش تھی لیکن ہماری طرف سے آپ کا بچاؤ کر دیا گیا اور آپ ان لوگوں کے مقصد کی طرف مائل ہونے کے قرب سے بھی بچ گئے، مائل ہو جانا تو بجائے خود رہا شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ بجائے خود صلاح و استقامت کی استعداد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اتنی کامل تھی کہ اگر اللہ کی طرف سے عصمت واجبہ نہ بھی ہوتی اور اللہ آپ کو ہر شر سے بچانے کا فیصلہ نہ بھی کر دیتا، تب بھی آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا اور یہ ضروری نہیں کہ گناہ کی طرف ادنیٰ جھکاؤ ہونے کے بعد گناہ کا صدور ہو ہی جاتا اور اب تو احتمال ہی نہیں رہا کہ گناہ کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی آپ پہنچ سکتے۔ (تفسیر مظہری)

اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ

تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ﴿۷۵﴾

پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان:

اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل وشرف کا نہایت لطیف پیرایہ

میں اظہار مقصود ہے۔ مقربین کے لئے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں "نزدیکاں رابیش بود حیرانی" کے قاعدہ سے ان کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی یا کوتاہی پر عتاب بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات کو فرمایا "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ" (الاحزاب رکوع ۴) تو بتلا دیا کہ آپ کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بفرض محال ادنیٰ سے ادنیٰ غلطی ہو تو دنیا میں اور برزخ و آخرت میں دوگنا مزہ چکھنا پڑے۔ مومن کو چاہئے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دو زانو بیٹھ کر انتہائی خوف وخشیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال و جبروت میں غور کرے اور وہ ہی کہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین" (خداوندا! چشم زدن کیلئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے یعنی ہمیشہ اپنی ہی حفاظت وکفالت میں رکھیے۔)

وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ
اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس زمین سے
لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡہَا وَاِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۷۶﴾
تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا

مشرک سرداروں کا پروگرام اور اصول خداوندی:

یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سبب بنے آپ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان "بدر" میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہوگیا۔ کفار کی حکومت وشوکت تباہ ہوگئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گذرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر علیہ السلام کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور قتادہ کے قول پر آیت مکی ہے اور الارض سے مراد مکہ ہے، مشرکوں نے رسول اللہ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر اللہ نے اپنی (قدرت سے) ان کو روک دیا آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرما دیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لی۔ بغوی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے مکے والوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور سورت بھی مکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُنَّۃَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنۡ رُّسُلِنَا
دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۷۷﴾
اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت

یعنی ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ
قائم رکھ نماز کو

تعلق مع اللہ:

یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں اور نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھیں۔ تعلق مع اللہ وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات ونوائب پر غالب کر دیتی ہے "وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ" (بقرہ رکوع ۵)

لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ
سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک

ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر:

اس میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء جمع بین الصلوتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دو نہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشا میں تاخیر مستحب ہونی چاہئے الا لعارض۔ (تفسیر عثمانی)

رات ودن کے فرشتوں کی رپورٹ:

صحیحین میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے در پے آتے رہتے ہیں۔ صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے، تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے باوجودیکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جبرئیل نے ظہر پڑھائی:

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کی روایت سے اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے المعرفۃ میں نقل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل دلوک آفتاب کے وقت جب سورج ڈھل گیا تھا، میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔ الحدیث۔ (تفسیر مظہری)

وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ
اور قرآن پڑھنا فجر کا

فجر میں لمبی قرأت:

یعنی نماز فجر میں۔ شاید ''قرآن الفجر'' سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قرات فجر میں مطلوب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو

نماز میں فرشتوں کی حاضری:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا بیشک فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے، فجر کے قرآن کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں (شہود حاضر ہونا) حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، جماعت کی نماز تنہا نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں، اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ نے فرمایا اگر تم (اس کا ثبوت قرآن سے) چاہتے ہو تو پڑھو قران وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (تفسیر مظہری)

نماز پنجگانہ کا حکم:

جمہور ائمہ تفسیر نے اس آیت کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے۔ کیونکہ دلوک کا لفظ اگرچہ اصل میں میلان کے معنی میں آتا ہے اور میلان آفتاب زوال کے وقت شروع ہوتا ہے اور غروب کو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جمہور صحابہ وتابعین نے اس جگہ لفظ دلوک کے معنی زوال آفتاب ہی کے لئے ہیں۔ (کما فصلہ القرطبی والمظہری وابن کثیر)

اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ لفظ غسق کے معنی رات کی تاریکی مکمل ہو جانے کے ہیں امام مالک نے حضرت ابن عباسؓ سے غسق کے یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔

اس طرح لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ان میں سے دو نمازوں کا ابتدائی وقت بھی بتلا دیا گیا کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کا وقت غَسَقِ الَّيْلِ سے یعنی جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہو جائے۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے وقت عشاء کی ابتدا اس وقت سے قرار دی ہے جبکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض بھی غروب ہو جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

حدیث میں ہے کہ فجر وعصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہذا ان دو وقتوں میں لیل ونہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرات اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت وسکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی۔ اسکے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصی حکم:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی'' نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تہجد کا معنی اور طریقہ:

بغوی نے لکھا ہے تہجد جب بیدار ہو جانے کو کہتے ہیں تو یہ سونے کے بعد ہی ہوگا۔ رات بھر جاگتے رہنے اور نمازیں پڑھنے کو تہجد نہیں کہا جائے گا۔ میں کہتا ہوں جب تہجد سے مراد ہے نماز کے لیے نیند کو ترک کرنا تو اس کی تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں بالکل رات کو نہ سونا اور نماز پڑھتے رہنا۔ شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھنا، سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔ مؤخر الذکر صورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ حضرت ابوذر کا بیان ہے، ہم رسول اللہ کے ساتھ روزے رکھتے رہے اور آپ نے رات کو کبھی اٹھ کر ہم کو نماز نہیں پڑھائی جب (آخری عشرہ کی) سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں رات آئی) تو آپ ہم کو لے کر (نماز کو) کھڑے ہوئے یہاں تک کہ (نماز میں) ایک تہائی رات گذر گئی۔

دوسری رات یعنی (تیس کی طرف سے شمار کرنے میں) چھٹی رات ہوئی تو آپ نہیں اٹھے (تیس کی طرف سے الٹی گنتی کرنے میں) پانچویں رات آئی تو پھر آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش حضور ہم کو ساری رات یہ نفل نماز پڑھاتے فرمایا آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس ہو جاتا ہے تو پوری رات کا قیام اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے جب چوتھی رات (یعنی تیسویں کی طرف سے گنتی کرنے کے بعد جو چوتھی رات پڑتی ہے) ہوئی تو آپ نے ہم کو نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ مہینہ میں تین راتیں رہ گئیں تو تیسری رات کو آپ نے سب گھر والوں کو اور بیویوں کو اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے (اور اتنی طویل نماز پڑھائی) کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا راوی نے حضرت ابوذر سے دریافت کیا فلاح سے کیا مراد۔ فرمایا سحری۔ اس کے بعد (باقی دونوں راتوں کو) آپ نے نماز نہیں پڑھائی۔ رواہ اصحاب السنن۔ ترمذی کی روایت میں ایک لفظ کا تغیر ہے۔

مسئلہ

امت کیلئے نماز تہجد کا حکم:

امت کے لیے تہجد سنت ہے۔ کیا سنتِ موکدہ ہے یا مستحبہ، میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ تہجد سنتِ موکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کو پابندی سے ادا کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور بیان کیا گیا کہ وہ صبح تک برابر سوتا رہا (تہجد کیلئے) نماز کو نہیں اٹھا، فرمایا، اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ متفق علیہ۔ اگر تہجد سنت موکدہ نہ ہوتا تو اس کو ترک کرنے والا عتاب اور ملامت کا مستحق نہ قرار پاتا۔ تارک مستحب مستحق ملامت نہیں ہوتا۔

رسول اللہ کے تہجد کی کیفیت:

حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لیے میں حضور کے دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگائے دیکھتا رہا، آپ اٹھے اور دو خفیف رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں اس کے بعد وتر پڑھے۔ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے وتر اور فجر کی دو رکعتیں اس میں شامل تھیں۔ رواہ مسلم۔

مسروق کا بیان ہے، میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ کی نماز شب کے متعلق دریافت کیا، فرمایا فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ (کبھی) سات رکعتیں (کبھی) نو رکعتیں (کبھی) گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے رات کو اٹھتے تو دو خفیف رکعتوں سے آغاز کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رات کو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو دو خفیف رکعتوں سے نماز کا آغاز کرے حضرت ابن عباس کا بیان ہے (ایک رات) میں رسول اللہ کے گھر سویا، آپ نے بیدار ہو کر مسواک کی، پھر آیات اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ختم سورت تک تلاوت کیں پھر (وضو کر کے) نماز کو کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں قیام رکوع اور سجود بہت طویل کیا، پھر نماز ختم کر کے سو گئے (اتنی گہری نیند سے) کہ سانس چلنے کی آواز آنے لگی، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایسا تین مرتبہ کیا کل چھ رکعتیں ہو گئیں۔ ہر مرتبہ میں (اٹھ کر) مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی اور آیاتِ مذکورہ کی تلاوت بھی کرتے تھے، آخر میں تین وتر پڑھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ کا جسم مبارک بھاری پڑ گیا تو زیادہ تر (رات کی نماز) بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے ہم رمضان میں نماز شب سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ خادم صبح ہو جانے کے اندیشے سے جلد جلد کھانا تیار کرتا تھا۔ رواہ مالک۔ رسول اللہ صبح کے قریب تک سفر جاری رکھتے تھے (یعنی سواری پر صبح کے قریب تک نفلیں پڑھتے رہتے تھے)

حضرت ابن عمر کی روایت میں آیا ہے کہ سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر ہی رات کی نماز پڑھتے تھے، اونٹنی کا رخ جدھر کو ہوتا (پروا نہیں کرتے) اور رکوع سجود کے لیے اشارہ کرتے تھے۔ وتر بھی اونٹنی پر ہی پڑھتے تھے ہاں فرائض کیلئے اونٹنی روک کر نیچے اترتے تھے۔ صحیحین

آخر شب کا ثواب زیادہ ہے:

حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں کی شروع رات کی نماز نفس کو خوب مرتاض بنانے والی ہوتی ہے، کیونکہ سونے کے بعد آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہوگا۔ البتہ آخر رات میں تہجد پڑھنے کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔

نزولِ رحمت:

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ الحدیث

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے بیان کیا میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک رات رمضان کے مہینہ میں مسجد کی طرف گیا، کچھ لوگ الگ الگ متفرق نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر جماعت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو ایک قاری کی امامت پر جمع کر دوں تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعب کو سب کا امام بنا دیا، پھر ایک اور رات جو آپ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی بات اچھی ہے۔ لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھ کر سو جایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نماز سے تم سو جایا کرتے ہو (یعنی آخر شب بیدار ہو کر نماز نہیں پڑھتے) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم پڑھتے ہو (یعنی شروع رات کی نماز سے آخر رات کی نماز افضل ہے) رواہ البخاری

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ علاوہ فرائض کے باقی نمازیں اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وتر بھی سواری پر ہی پڑھتے تھے، اونٹنی کا رخ جس طرف کو ہوتا (کچھ پروا نہ کرتے)، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کے لیے بھی اونٹنی سے نہیں

اترتے تھے اور تہجد آپ کے لیے بھی نفل تھا فرض نہ تھا) (تفسیر مظہری)

اور تحقیق صحیح اس معاملہ کی یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جب سورہ مزمل نازل ہوئی تو اس وقت پانچ نمازیں تو فرض ہوئی نہ تھیں صرف تہجد کی نماز سب پر فرض تھی اسی فرض کا ذکر سورہ مزمل میں ہے پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کردی گئیں تو تہجد کی فرضیت عام امت سے تو باتفاق منسوخ ہوگئی۔ اور اس میں اختلاف رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کی فرضیت منسوخ ہوئی۔

نماز تہجد نفل ہے یا سنت موکدہ:

سنت موکدہ کے لئے جو عام ضابطہ فقہاء کا ہے کہ جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مداومت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنتِ موکدہ ہے بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہوجائے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا عام امت کے لئے نہیں تھا۔ اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کیلئے سنت موکدہ قرار پائے نہ کہ صرف نفل کیونکہ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے عام امت کے لئے بھی سنت موکدہ ہونا چاہئے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔

نماز تہجد اور مقام شفاعت:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول نماز تہجد کا حکم دیا گیا پھر مقام محمود یعنی شفاعت کبریٰ کا وعدہ کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں خاص دخل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام شب:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رات کو) نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک آیت یعنی آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پڑھتے رہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ دیر لیٹ گئے پھر بیدار ہوئے اور آسمان کے کناروں کی طرف دیکھ کر پڑھا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تک پھر بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسواک نکالی اس کے بعد ایک لوٹے سے پیالہ میں پانی الٹا اور دانتوں پر مسواک کی، پھر نماز کو کھڑے ہوگئے، اور میری نظر میں اتنی دیر نماز پڑھی جتنی دیر سوئے تھے۔ نماز کے بعد پھر لیٹ گئے اور میرے خیال میں جتنی دیر نماز پڑھی تھی۔ اتنی ہی دیر سوتے رہے پھر بیدار ہو کر وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز سے پہلے تین بار کیا۔ رواہ النسائی۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے پھر نماز کے بقدر سو جاتے، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی۔ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ کی قراءت کی تشریح فرماتے ہوئے ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ کر سنایا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

نماز تہجد کی تعریف:

اور امام ابن کثیر نے حضرت حسن بصریؒ سے نماز تہجد کی جو تعریف نقل کی ہے وہ بھی اسی عموم پر شاہد ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

قال الحسن البصری	حسن بصری فرماتے ہیں کہ نماز
هوما كان بعد العشاء	تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو
ویحمل علی ما کان	عشاء کے بعد پڑھی جائے البتہ
بعد النوم. (ابن کثیر)	تعامل کی وجہ سے اسکو کچھ نیند کے بعد پر محمول کیا جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تہجد کے اصل مفہوم میں بعد النوم ہونا شرط نہیں اور الفاظ قرآن میں بھی یہ شرط موجود نہیں لیکن عموماً تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا یہی رہا ہے کہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑھتے تھے اس لئے اس کی افضل صورت یہی ہوگی۔

نماز تہجد فرض ہے یا نفل:

نَافِلَةً لَّكَ لفظ نفل اور نافلہ کے لغوی معنی زائد کے ہیں اسی لئے اس نماز اور صدقہ خیرات وغیرہ کو نفل کہتے ہیں جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہو جسکے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کسی قسم کی برائی۔ اس آیت میں نماز تہجد کے ساتھ نَافِلَةً لَّكَ کے الفاظ سے ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز تہجد خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نفل ہے حالانکہ اس کے نفل ہونے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت سب ہی شریک ہیں اسی لئے بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ نافلہ کو فریضہ کی صفت قرار دیکر معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ عام امت پر تو صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد بھی ایک زائد فرض ہے تو یہاں لفظ نافلہ بمعنی فرض زائد کے ہے نفل کے عام معنی میں نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں

مقام محمود:

''مقام محمود'' شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے

چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔ (تنبیہ) "مقام محمود" کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ کے متعلق احادیث

(۱) حضرت انسؓ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ان کو فکر ہوگی اور وہ کہیں گے، کاش ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھا دیئے آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرما دے، آدم فرمائیں گے، میں تمہارے لیے اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہوگا، فرمائیں گے تم لوگ نوح کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح فرمائیں گے۔ میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہوگا کہ نادانی میں (اپنے بیٹے کے لیے) نجات کی (درخواست کی، پھر آپ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، آپ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لیے اپنے کو بیمار کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپ کہیں گے تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے توریت عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہوگی کہ ایک آدمی کو (غلطی سے) قتل کر دیا تھا۔ فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ عبداللہ تھے۔ رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمۃ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، آپ جواب دیں گے، میں اس مقام پر نہیں ہوں تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلبگار ہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھا اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد و ثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھا دے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دے گا۔ (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دیدے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہ الٰہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار ہوں گا اور اجازت مل جائے گی تو اندر داخل ہوں گا اور جونہی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سر اٹھاؤں گا اور حسب تعلیم الٰہی اپنے رب کی حمد و ثنا کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لیے (دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا (تیسری مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں داخل ہونا سجدہ میں گر پڑنا اللہ کی طرف سے خطاب ہونا سجدے سے سر اٹھا کر حمد و ثنا کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں، اس کے آخر میں رسول اللہ نے فرمایا) یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو (ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کر دی ہے اور) قرآن نے (ہمیشہ کے لیے ان کو) دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا حضور نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہوگا جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے کر لیا ہے۔

(۲) صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کر دے گا، جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے

ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا پھر سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ اور (جو کچھ گذارش کرنی چاہتے ہو) بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یا رب امتی امتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جو برابر ایمان ہے اس کو نکال لاؤ۔ میں جا کر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر واپس آ کر وہ کلماتِ ثنائیہ (حسب سابق) عرض کروں گا، پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جا کر اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو۔ میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا، اور فرمایا، میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دیدے جو لا الہ الا اللہ کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت وجلال کبریا اور عظمت کی جو لا الہ الا اللہ کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

دو قسم کی شفاعتیں:

میں کہتا ہوں حدیث مذکورۃ الصدر میں کچھ اختصار ہے اول اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدان قیامت اور موقف کی شدتوں سے رہائی دلانے کے لیے ہوگی اور آخر میں دوزخ سے رہائی کے لیے شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے دو (قسم کی) شفاعتوں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔

میرے نزدیک حدیث مذکور میں جو فی دارہ آیا ہے اس سے مراد جنت ہے اللہ کا دیدار صرف جنت میں ہی ہوگا (یعنی میدان حشر مراد نہیں ہے) اللہ کا مکان یا بارگاہ جنت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا یقیناً جنت کے اندر ہی ہوگا۔

بخاری نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جائیں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گی اور اس سے شفاعت کی خواستگار ہوگی، آخر میں شفاعت کا اختیار رسول اللہ کو ہوگا یہ وہی ہوگا کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کر دے گا۔

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا

(۳) ترمذی نے باسناد حسن اور ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (میرا یہ قول) فخر نہیں ہے۔ اور (قیامت کے دن) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور (یہ قول بھی) فخر نہیں ہے اس روز ہر نبی آدم ہوں یا دوسرے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ زمین پھٹ کر سب سے پہلے میں ہی برآمد ہوں گا اور (یہ بات بھی میری طرف سے) فخر نہیں ہے (اس روز) لوگوں پر تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں ہوں گی، لوگ آدم کے پاس جائیں گے (اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے) اور کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کر دیجئے، حضرت آدم جواب دیں گے میں نے ایک بڑا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین پر اتار دیا گیا تم نوح کے پاس جاؤ نوح کے پاس جب لوگ جائیں گے تو وہ جواب دیں گے میں نے سب زمین کے باشندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی تھی اور وہ میری بددعا سے ہلاک بھی کر دیئے گئے تم ابراہیم کے پاس جاؤ، لوگ ابراہیم کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیم فرمائیں گے، میں نے تین باتیں جھوٹی کہی تھیں، رسول اللہ نے اس جگہ فرمایا، انہوں نے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی بلکہ جو بات بھی (بشکل کذب) کہی اس کا مقصد دینِ الٰہی کی طرف سے مدافعت تھی تم موسیٰ کے پاس جاؤ، موسیٰ کہیں گے میں نے ایک شخص کو (نادانی سے) قتل کر دیا تھا تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰ کہیں گے میری تو اللہ کے سوا پوجا ہونے لگی تھی (لوگوں نے مجھے میرے بعد معبود بنا لیا تھا) تم لوگ محمد کے پاس جاؤ لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھٹ کھٹاؤں گا دریافت کیا جائے گا کون ہے میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول دیا جائے گا اور (فرشتے) کہیں گے مرحبا میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ میرے دل میں اپنی حمد وثنا اور مجد القاء فرمادے گا اور حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ۔ مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، اظہار مدعا کرو تمہاری بات سنی جائے گی، یہ ہی مقام مقام محمود ہوگا۔

تین گھبراہٹیں:

قرطبی نے کہا تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں میرے خیال میں میں اس وقت ہوں گی جب دوزخ کو لگاموں میں پکڑ کر کھینچ کر لیا جائے گا اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے۔

(۴) ابن خزیمہ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی (مجموعی) گرمی دیدی جائے گی اور کھوپڑیوں کے قریب لے آیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے لوگ رسول اللہ سے آ کر ملیں گے اور شفاعت کی خواہش کریں گے، حضور فرمائیں گے ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا، چنانچہ آپ چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹ کھٹائیں گے دریافت کیا جائے گا کون ہے آپ جواب دیں گے محمد۔ دروازہ کھولدیا جائے گا، آپ اللہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو جائیں گے اور سجدہ کریں گے، ندا آئے گا اپنا سر اٹھاؤ مانگو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے)۔

تین شفاعتیں:

میرے نزدیک اس شفاعت سے جو رسول اللہ نے امت کے لیے بچائے رکھی ہے تیسری شفاعت مراد ہے جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے

کے سلسلے میں ہوگی، رسول اللہ کو تین شفاعتوں کا حق ہوگا۔

(۵) ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات میں ابویعلی نے سند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں صور کی پیدائش کا، پھونکے جانے کا نفخہ، خوف وبیہوشی کا قبروں سے اٹھنے کا اور آخر میں اہلِ جنت کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے کا بیان ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کی گردنوں پر لکھا ہوگا یہ وہ دوزخی ہیں جن کو رحمان نے خود دوزخ سے آزاد کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کا مختصراً نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں ایک جگہ روک کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا (مدت تک) کچھ فیصلہ نہ ہوگا، لوگ چیخ پڑیں گے اور سفارش کے طلب گار ہوں گے۔ پہلے آدم کے پاس جائیں گے۔ حضرت آدم فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، غرض یہ لوگ ایک کے بعد دوسرے نبی کے پاس اور دوسرے کے بعد تیسرے نبی کے پاس اس طرح متعدد انبیاء کے پاس جائیں گے اور ہر ایک شفاعت کرنے سے انکار کر دے گا، یہاں تک کہ میرے پاس آئیں گے، میں ان کے ساتھ چلدوں گا اور عرش کے سامنے پہنچ کر سجدہ میں گر پڑوں گا، باوجودیکہ اللہ بخوبی عالم ہے، لیکن دریافت فرمائے گا، تیری کیا ضرورت ہے؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب، تو نے مجھ سے (حق) شفاعت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا اب اپنی مخلوق کے سلسلے میں میرے سفارش قبول فرما اور ان کا فیصلہ کردے (انتظار میں روکے نہ رکھ) اللہ فرمائے گا، میں نے تیری سفارش قبول کی، میں آکر تمہارا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ اس طویل حدیث میں چوپایوں اور وحشی جانوروں کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر انسانوں کے باہمی حقوق اور قتل وخون کا فیصلہ ہوگا (یہ بھی حدیث میں مذکور ہے) پھر حکم ہوگا، ہر شخص یا ہر امت اپنے اپنے معبودوں سے جا ملے، سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے صرف مومن رہ جائیں گے جن میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ یکدم اللہ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو مومن فوراً سجدے میں گر پڑیں گے اور منافق گدی کے بل پیچھے گرے گا (اس کی کمر نہیں جھکے گی) گائے کی پشت کے مہروں کی طرح اس کی پشت ہو جائے گی۔ پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گذریں گے۔ کچھ لوگ تو بالکل بے داغ بچ جائیں گے، بعض لوگوں کے کچھ خراشیں لگ جائیں گی مگر بچ وہ بھی جائیں گے (اور پل کے پار ہو جائیں گے) اور کچھ آدمیوں کے چہرے (آنکڑوں سے) زخمی ہو جائیں گے اور وہ آگ میں گر پڑیں گے جب اہلِ جنت جنت تک پہنچ جائیں گے تو اندر داخل ہونے کے لیے پھر کسی شفیع کے طلبگار ہوں گے کہ کوئی سفارش کر کے ان کو جنت میں داخلے کی اجازت دلوا دے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آدم کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت آدم اپنے گناہ کو یاد کر کے کہیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں ہے، تم نوح کے پاس جاؤ۔ لوگ نوح کے پاس جائیں گے، حضرت نوح بھی حضرت آدم کی طرح جواب دیدیں گے، پھر لوگ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک ایسا ہی جواب دیدیگا بالآخر میں میرے پاس آئیں گے، مجھے اللہ سے تین شفاعتوں کا حق ملا ہوا ہے اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، میں جنت کی طرف جا کر دروازے کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھولنے کی درخواست کروں گا۔ دروازہ کھول دیا جائے گا اور جونہی میں نظر اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھوں گا۔ فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ مجھے اپنی حمد وثنا اور بزرگی بیان کرنے کی ایسی مخصوص اجازت عطا فرمائے گا جو کسی کو نہیں دی ہوگی، پھر فرمائے گا، محمد اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی مانگو، تم کو دیا جائے گا، میں عرض کروں گا، اے میرے رب تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اہلِ جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما، ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیدے۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔ اسی حدیث میں ہے کہ جب دوزخ والے دوزخ میں گر جائیں گے، اور کثیر مخلوق اس میں چلی جائے گی جن کو ان کے اعمال نے وہاں باندھ رکھا ہوگا تو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ صرف قدموں تک ان کے آگ ہوگی، اس سے اوپر نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں کے نصف پنڈلیوں تک آگ ہوگی، کسی کے زانو تک آگ ہوگی، کسی کی کمر تک ہوگی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ سوائے چہروں کے باقی تمام بدن کو آگ نے پکڑ لیا ہوگا، صرف ان کے چہرے اللہ نے آگ کے لیے حرام کر دیئے ہوں گے، میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت کے کچھ لوگ آگ میں ہیں، اللہ فرمائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ حسب الحکم وہ لوگ نکال لیے جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا اور کوئی پیغمبر اور شہید ایسا نہ ہوگا جو شفاعت نہ کرے، اللہ حکم دے گا جن دلوں میں تم دینار برابر ایمان پاؤ ان کو نکال لو۔ پھر (نوبت بنوبت) فرماتا جائے گا، جس کے دل میں دو تہائی دینار، نصف دینار، چہارم دینار، ایک قیراط، رائی کے ایک دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو۔ یہاں تک کہ دوزخ کے اندر جب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا، جس نے اللہ کے لیے کوئی بھلائی کبھی کی ہو اور ہر شفاعت کا حق رکھنے والا شفاعت کر چکے گا تو اللہ فرمائے گا، اب میں رہ گیا اور میں ارحم الراحمین ہوں، یہ فرمانے کے بعد

اللہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈال دے گا اور بے شمار مخلوق کو جہنم سے نکال لے گا۔ان کے جسم (سوختہ ہوکر) کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے۔ (الحدیث)

ابن عربی اور قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصویب کی ہے لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے سیوطی نے لکھا ہے کہ یحیٰ بن سلام بصری نے اپنی تفسیر میں کلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے۔

میں کہتا ہوں تین مرتبہ لوگ شفاعت کے طلبگار ہوں گے ایک بار موقف سے رہائی کے لیے، دوسری بار جنت میں داخل ہونے کے لیے اور تیسری بار دوزخ کے اندر باقی ماندہ مومنوں کی خلاصی کے لیے۔رسول اللہ نے جو فرمایا ہے کہ میرے رب کے سامنے مجھے تین شفاعتوں کا حق ہوگا، جن کا اس نے مجھ سے وعدہ کرلیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین بار آپ شفاعت کریں گے اور مقام محمود مقام شفاعت کا ہی نام ہے، خواہ کوئی سی شفاعت ہو (گویا شفاعتیں متعدد ہوں گی، مقام شفاعت ایک ہی ہوگا اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے۔)

مسئلہ: معتزلہ کا فرقہ اور خوارج شفاعت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مرجائے گا تو ہمیشہ کے لیے دوزخی ہو جائے گا، اس کی کوئی شفاعت نہ ہوگی نہ کبھی اس کو دوزخ سے رہائی ملے گی۔ لیکن ثبوت شفاعت کے لیے اتنی کثرت سے صحیح احادیث آئی ہیں کہ حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، بلکہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

(۶) بزار نے الاوسط میں اور ابونعیم نے اچھی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکار کر فرمائے گا محمد کیا تو خوش ہوگیا، میں عرض کروں گا جی ہاں میرے رب، میں راضی ہوگیا۔

(۷) ایک حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اختیار عطا فرمایا، ایک یہ کہ وہ میری آدھی امت کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمادے گا دوسری یہ کہ وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمادے گا۔ میں نے حق شفاعت کو لینا پسند کرلیا، اب میری شفاعت ہر مسلمان کے لیے ہوگی۔ دوسری روایت میں آیا ہے، میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو شرک پر نہ مرا ہو (مرتے وقت مشرک نہ ہو) یہ حدیث عوف بن مالک اشجعی کی روایت سے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام احمد، بزار اور طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس روایت کے آخر میں ہے کیا تم متقیوں کے لیے میری شفاعت خیال کرتے ہو۔ (نہیں) شفاعت تو گناہگاروں، خطا کاروں اور معصیت کے ساتھ آلودہ لوگوں کے لیے ہوگی۔

(۸) ایک حدیث میں فرمایا، میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں والے ہوں گے، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم والبیہقی، عن انسؓ بن مالک والطبرانی وابونعیم عن عبد بن بشیر بمعناہ۔ والطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ نحوہ والطبرانی فی الکبیر عن ام سلمۃؓ بمعناہ والترمذی والحاکم عن جابرؓ بمعناہ وعن کعب بن عجرۃ وعن طاؤس۔

بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ شفاعتی لاہل الکبائر کی عبارت تابعین میں بہت زیادہ شائع تھی۔ان الفاظ سے اصل روایت کی تائیدی شہادت ہوجاتی ہے۔

(۸) ابن ابی حاتم نے السنۃ میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں برابر اپنے رب سے شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری سفارش قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ آخر میں عرض کروں گا، اے میرے رب جو لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل تھے ان کے متعلق میری شفاعت قبول فرمالے اللہ فرمائے گا۔ محمد یہ اختیار نہ تمہارا نہ کسی اور کا یہ صرف میرا اختیار ہے قسم ہے اپنی عزت وجلال اور رحمت کی۔ میں کسی ایسے شخص کو جو لا الہ الا اللہ کہتا تھا دوزخ میں نہیں چھوڑوں گا۔

(۹) ایک حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لیے بہترین آدمی ہوں، میری امت کے جو برے لوگ ہیں ان کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل فرمادے گا اور جو اچھے لوگ ہیں ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں لے جائے گا۔

(۱۰) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں قیامت کے دن (سب) لوگوں کا سردار ہوں گا۔اور میرا یہ قول بغیر فخر کے ہے قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشائش کا امیدوار ہوگا۔ میرے ساتھ لوء الحمد ہوگا، لوگوں کو ساتھ لے کر میں جنت کے دروازہ تک جاؤں گا اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کروں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے، میں عرض کروں گا محمد ہے، حکم ہوگا، خوش آمدید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اداء شکر کے لیے سجدہ میں گر پڑوں گا، حکم ہوگا، اپنا سر اٹھاؤ، اظہار مدعا کرو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، مجرم اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے (دوزخ سے) نکال لیے جائیں گے۔

(۱۱) طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جہنم کی طرف جا کر اس کا دروازہ بجاؤں گا دروازہ کھول دیا جائے گا، میں اندر چلا جاؤں گا، اور اللہ کی ایسی ثنا کروں گا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے ثنا کی ہوگی نہ میرے بعد کوئی کرے گا پھر اس کے اندر سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جو خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا قائل تھا کچھ قریشی میری طرف اپنا رشتہ قرابت بتاتے ہوئے بڑھیں گے لیکن میں ان کو دوزخ میں ہی چھوڑ دوں گا۔ بخاری نے حضرت عمران بن حصین کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ کچھ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ (جنت والوں میں) جہنمی کہلائیں گے۔ صحیحین میں حضرت جابر کی مرفوع روایت آئی ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اللہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۱۲) طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قبلہ والوں میں سے اتنے لوگ اپنی گناہگاری اور معصیت کوشی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ انکی گنتی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو میں سجدہ میں پڑ کر اللہ کی ویسی ہی ثنا کروں گا جیسی کھڑا ہو کر کروں گا حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو (جو کچھ مانگنا چاہو) تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

(۱۳) احمد اور طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرمائے گا۔ محمد میں نے جو بھی نبی یا رسول بھیجا اس نے مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگا اور میں نے وہ مانگ اس کی پوری کی، محمد تم بھی مانگو تم کو تمہاری مانگ دی جائے گی، میں عرض کروں گا میری مانگ اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیسی۔ فرمایا، میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے وہ شفاعت عطا فرما، جو میں نے تیرے پاس محفوظ رکھی تھی، اللہ فرمائے گا ہاں، پھر میری باقی امت کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۱۴) شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت انس و حضرت جابرؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اور بزار و بیہقی نے حضرت عبدالرحمن بن عقیل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت کی (اور وہ قبول کر لی گئی) مگر میں نے اپنی دعا امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑی۔

سیوطی نے کہا یہ حدیث (معنی کے لحاظ سے) متواتر ہے۔

منکرین شفاعت:

صحیحین میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت سے مذکور ہے، کہ رسول اللہ نے فرمایا اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو (کتخدا زانی و زانیہ کو) سنگسار کرنے کے حکم کی اور خروج دجال کی تکذیب کریں گے اور مغرب کی جانب سے آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر کو بھی نہیں مانیں گے اور عذاب قبر کے بھی منکر ہوں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ کچھ دوزخیوں کو دوزخ کے اندر سوختہ ہو جانے کے بعد نکالا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی اور ہناد نے حضرت انس کا قول نقل کیا کہ جو شفاعت کا قائل نہ ہوگا اس کو (شفاعت) نصیب نہ ہوگی اور جو (رسول اللہ) کے حوض کو نہ مانے گا اس کو حوض سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

شفاعت سے محروم گروہ:

ابونعیم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) مرجئہ (وہ فرقہ جو کہتا ہے کہ اعمال ہیچ ہیں اگر ایمان دل میں ہے تو کوئی بدعملی آخرت میں ضرر رساں نہ ہوگی، کوئی مومن خواہ کتنا ہی بدکردار ہو دوزخ میں نہیں جائے گا)۔

(۲) قدریہ (وہ فرقہ جو قائل ہے کہ ہم اپنے اعمال کے خود خالق ہیں اور تقدیر اعمال کوئی چیز نہیں ہم جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں خیر ہو یا شر)

حدیث کی اہمیت:

بیہقی نے شبیب بن ابی فضلہ مکی کی روایت سے بیان کیا کہ لوگوں نے حضرت عمران بن حصین کے سامنے شفاعت کا تذکرہ کیا ایک شخص بولا ابونجید (حضرت عمران کی کنیت) آپ لوگ کچھ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم کو قطعاً نہیں ملتا حضرت عمران کو غصہ آ گیا اور فرمایا تو نے قرآن پڑھا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں فرمایا کیا قرآن میں تو نے نماز عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین رکعتیں، فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار رکعتیں، اور عصر کی چار رکعتیں کہیں پائی ہیں اس شخص نے کہا نہیں فرمایا پھر کس سے تم نے یہ باتیں سیکھیں کیا ہم سے نہیں لیں۔ ہم نے یہ تفصیل رسول اللہ سے ہی تو حاصل کی کیا تم نے ہر چالیس درہم میں زکوۃ کا ایک درہم اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ قرآن میں کہیں لکھا پایا، اس شخص نے کہا نہیں، فرمایا تم نے قرآن میں وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ تو

دیکھ لیا لیکن کیا یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ سات مرتبہ طواف کرو اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھو یہ باتیں تم نے کس سے لیں کیا ہم سے نہیں لیں اور ہم نے رسول اللہ سے حاصل کیں، لوگوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا کیا قرآن میں تم نے کہیں پایا کہ شہر سے باہر نکل کر دیہات سے غلہ لانیوالوں کا غلہ راستے میں ہی نہ خرید لیا کرو۔ جلب کی اجازت نہیں اور نہ تور کا نکاح صحیح ہے (کوئی شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کر دے کہ وہ اپنی بہن بیٹی کا نکاح معاوضہ میں اس کے ساتھ کر دے، اور مہر کسی عورت کا کچھ نہ ہو اس کو شغار یا تور کا نکاح کہتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں) لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے۔ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو) ہم نے رسول اللہ سے بہت سے ایسے مسائل واحکام حاصل کیے جن کا تم کو علم بھی نہیں۔

بغوی نے بیان کیا کہ یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈالدیا تھا (یعنی بعض مسائل میں میں ان کا ہم خیال ہوگیا تھا) ایک بار حج کے ارادے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہاں جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنمیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا، میں نے حضرت جابرؓ سے کہا، اے رسول اللہ کے صحابی آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ، كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (بیشک تو جس کو آگ میں داخل کر دیگا اس کو رسوا کر دیگا۔ اور دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹا دیا جائیگا)۔

حضرت جابر نے فرمایا جوان! تم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محمود کا ذکر پڑھا ہے جس میں آپ کو اللہ کھڑا کرے گا، میں نے کہا جی ہاں فرمایا، بس یہی مقام محمود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہوگا، جس کی وجہ سے اللہ جس دوزخی کو نکالنا ہوگا، نکال دے گا پھر حضرت جابر نے پل صراط کی حالت بیان کی اور پل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کی تشریح کی اور فرمایا کچھ لوگ دوزخ کے اندر سے نکال لیے جائیں گے۔

انبیاء کے علاوہ بھی انبیاء، اولیاء، علماء سفارش کریں گے:

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار کی روایت میں اس سے آگے اتنا زائد ہے پھر مؤذن۔ دیلمی نے حضرت ابن عمر کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ عالم سے کہا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کرخواہ ان کی تعداد آسمان کے تاروں کو پہنچ جائے۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودردا ء کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت سے اور بیہقی نے بروایت حسن بصری اور حاکم و بیہقی و ہناد نے حضرت حارث بن قیس کی روایت سے اور احمد نے حضرت ابو بردہ کی روایت سے اور ہناد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور احمد و طبرانی نے بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کی ہے ان سب حضرات نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبائل ربیعہ و مضر سے بھی زیادہ تعداد جنت میں داخل ہو جائے گی۔

بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے علاوہ دوسرے (انبیاء، اولیا، علماء) بھی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ماجہ اور بیہقی میں بروایت عثمانؓ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اول انبیاء علیہم السلام گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ پھر علماء پھر شہداء اور دیلمی نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کی برابر ہو۔

اور ابوداؤد اور ابن حبانؒ نے بروایت ابی الدرداءؓ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ شہید کی شفاعت اس کے خاندان کے ستر آدمیوں کے متعلق قبول کی جائے گی۔

شفاعت کی انتہاء:

بخاری میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

تمام انبیاء کا خطیب:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن میں نبیوں کا امام ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوؤں گا۔ میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا۔

(۱۵) مسند احمد میں ہے کہ مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے۔ پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں اس جگہ سے آرام دے۔ پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا آپ کے لئے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتلائے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش

لے جایئے تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے حضرت آدم جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ آپ کو اپنا گناہ یاد آجائے گا اور خدائے تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے۔ فرمائیں گے تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ خدا کے پہلے رسول ہیں جنھیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا۔ یہ آئیں گے یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں۔ آپ کو بھی اپنی خطایاد آئے گی کہ خدا سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا۔ پس اپنے پروردگار سے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمٰن (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائیں گے میں اس قابل نہیں تم (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ ان سے خدا نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے۔ لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقتول کے معاوضے کے آپ نے کردیا تھا۔ پس اس وجہ سے خدا سے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ کے پاس جاؤ جو خدا کے بندے اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ وہ یہاں آئیں گے، لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں پس وہ سب میرے پاس آئیں گے میں کھڑا ہوں گا اپنے رب سے اجازت چاہوں گا جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا جب تک خدا کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا۔ پھر فرمایا جائے گا، اے محمد! سر اٹھایئے کہیئے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی مانگئے دیا جائے گا۔ پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش پیش کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کردی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا، جب تک وہ چاہے مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، سوال کرو، دیا جائے گا، شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔ پس سر اٹھا کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ میں انھیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا، اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھا بات کرسنی جائے گی، سوال کر عطا فرمایا جائے گا، سفارش کر قبول کی جائے گی، چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا سفارش کروں گا۔ پس میرے لئے حد بندی کی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنھیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں جہنم میں سے ہر وہ شخص نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو پھر وہ لوگ بھی دوزخ سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے، آپ فرماتے ہیں میری امت پل صراط سے گذر رہی ہوگی میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا۔ جو میرے پاس (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) آئیں گے اور فرمائیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے وہ سب آپ کے لئے جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے الگ الگ کردے اسوقت وہ سخت غم میں ہیں تمام مخلوق پسینوں میں گویا لگام چڑھا دی گئی ہے۔ مومن پر تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ ٹھہرو وہیں آتا ہوں۔ پس آپ جائیں گے عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی و رسول کو نہ ملی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھایئے، مانگئے ملے گا، سفارش کیجئے قبول ہوگی۔ پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں۔ میں بار بار اپنے رب عزوجل کی طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا۔ یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاؤ مخلوق خدا میں سے۔ جس نے بھی ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مرا ہو اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ۔

(۱۶) ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ پس روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے۔ آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی۔ یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہوؤں گا مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ حلّہ پہنائے گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا کہوں گا۔ یہی مقامِ محمود ہے۔

(۱۷) مسند احمد میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی۔ میں اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں سے پہچان لوں گا۔ کسی نے پوچھا، حضور! اور ساری امتیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک کی ہوں گی ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ

پاؤں اور منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔

(۱۸) عبدالرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا، یہاں تک کہ ہر شخص کے لئے صرف اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ ہی رہے گی۔ سب سے پہلے مجھے طلب کیا جائے گا (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) اللہ رحمٰن تبارک وتعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے۔ اللہ کی قسم اس سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا اس نے سچ کہا اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ خدایا تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمود ہے، یہ حدیث مرسل ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں آئے بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے انہیں کچوکے دے رہے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ''حق آچکا باطل نہ دوبارا آسکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے''۔ ابویعلیٰ میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں آئے بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان سب کو اوندھے منہ گرادو۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

امام محمد بن اسحاقؒ نے ذکر کیا ہے کہ مکہ میں یہ آیت اتری کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینے کے علمائے یہود آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے سنا ہے آپ یوں کہتے ہیں کہ تمہیں تو بہت ہی کم علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے مراد آپ کی قوم ہے یا ہم؟ آپ نے فرمایا، تم بھی اور وہ بھی۔ انہوں نے کہا سنو! تم خود قرآن میں پڑھتے ہو کہ ہم کو تورات ملی ہے اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم خدا کے مقابلے میں یہ بھی بہت کم ہے، ہاں بے شک تمہیں اللہ نے اتنا علم دے رکھا ہے کہ تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت کچھ نفع ملے۔ اور یہ آیت اُتری: وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور

اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

نکال مجھ کو سچا نکالنا

ہجرت کی کامیابی کی دُعاء:

یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل وخوار اور دوست شاداں وفرحاں ہوں اور بہرصورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں جب مدخل صدق سے مراد جنت ہو تو مخرج صدق سے دنیا سے جانا اگر مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجھے قبر میں خوشگوار طریقے سے داخل فرما اور قیامت کے دن قبر سے عزت کے ساتھ اٹھا۔ (تفسیر مظہری)

شانِ نزول:

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اس میں لفظ مدخل اور مخرج داخل ہونے اور خارج ہونے کی جگہ میں اسم ظرف ہے اور ان کے ساتھ صفت صدق بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکلنا اور داخل ہونا سب اللہ کی مرضی کے مطابق خیر وخوبی کے ساتھ ہو کیونکہ لفظ صدق عربی زبان میں ہر ایسے فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ظاہراً اور باطناً درست اور بہتر ہو قرآن کریم میں قدم صدق اور لسان صدق اور مقعد صدق کے الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

امارت وسلطنت کی اہمیت:

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آیت کریمہ رب

اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز واکرام مدینہ طیبہ پہنچایا۔ نیز قتادہؒ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی حکومت اور امارت اعزاز الٰہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتی تو بعض لوگ بعض کو تباہ وبرباد کردیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کردیتا۔ حسن بصریؒ سلطانا نصیرا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کافروں سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ کفار وفجار کی ستم رانیوں سے گھبرائیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلغلہ ہے بالآخر دین حق غالب وسل بلند ہوکر رہے گا۔ (معارف کاندھلوی)

وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد

غلبہ کی دُعاء:

یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تا کہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں انکے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لئے سورہ حدید میں فرمایا "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ الی آخرھا (حدید رکوع ۳)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا

غلبہ کی پیشن گوئی:

یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا اور باطل کو کچلتا ہوا آ پہنچا۔ بس سمجھ لو کہ اب دینِ حق غالب ہوا اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ '' ہر ایک اوندھے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے آئندہ کبھی واپس نہ آئے گا۔ والحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

فتح مکہ کے دن اس آیت کی تلاوت:

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن (کعبہ میں) داخل ہوئے اس زمانہ میں کعبہ کے گرداگرد ۳۶۰ استھان تھے، اس وقت دست مبارک میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی کی نوک سے ہر بت کو کچوکا دیتے جارہے تھے اور فرماتے جارہے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی۔ طبرانی نے الصغیر میں اور ابن مردویہ نے اور الدلائل میں بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے تھے بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے۔ اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ (قرطبی) آپ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور اپنی لکڑی ایک ایک بت کے سینے میں مارتے جاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

بتوں کا توڑنا:

بعض روایت میں ہے کہ اس چھڑی کے نیچے رانگ یا لوہے کی شام لگی ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بت کے سینہ میں اس کو مارتے تو وہ الٹا گر جاتا تھا یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور پھر آپ نے ان کے توڑنے کا حکم دیدیا (قرطبی بحوالہ قاضی عیاض وقشیری)

شرک وکفر اور باطل کی رسوم ونشانات کا مٹانا واجب ہے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ مشرکین کے بت اور دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات باطلہ جن کا مصرف صرف معصیت ہو ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے۔ ابن منذر نے فرمایا کہ تصویریں اور مجسمے جو لکڑی پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش و رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ اس سے عام تصاویر کا حکم معلوم ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے

وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

باطنی وروحانی بیماریوں کا علاج:

یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ "روح المعانی" اور "زاد المعاد" وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان

کیا گیا ہے۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائیں یعنی نسخہ شفاء کو استعمال کریں گے، تمام قلبی و روحانی امراض سے نجات پا کر خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طبیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں خود مریض ظالم کی طرف سے آئی۔ کما قال تعالیٰ "وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ" (توبہ رکوع ۱۶) (تفسیر عثمانی)

یعنی کفر و جہالت کی بیماری کے لیے شفا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی ہے۔ روحوں کی کثافت کو زائل کرنے کے لیے جلاء ہے۔ قلبی اور نفسانی میل کو صاف کرنے والی ہے اور اندرونی اخلاقِ رذیلہ کو دفع کرنے والی ہے۔ اس صورت میں من القران میں من بیانیہ ہوگا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ قرآن کریم کا قلوب کے لئے شفاء ہونا، شرک و کفر اور اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے اور تمام امت اس پر متفق ہے۔

ظاہری بیماریوں کا علاج:

اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراض باطنہ کی شفاء ہے امراض ظاہرہ کی بھی شفا ہے کہ آیات قرآن پڑھ کر مریض پر دم کرنا اور تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا امراض ظاہرہ کے لئے بھی شفاء ہوتا ہے روایات حدیث اس پر شاہد ہیں تمام کتب حدیث میں ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر میں تھی کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ لوگوں نے حضرات صحابہ سے پوچھا کہ آپ کچھ اس کا علاج کر سکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا مرض اچھا ہوگیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے صحابہ کرام کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔

اسی طرح دوسری متعدد روایات سے حدیث سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذات پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے اور صحابہ و تابعین سے معوذات اور دوسری آیات قرآن کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنا، لکھ کر گلے میں ڈالنا ثابت ہے۔ جس کو اس آیت کے تحت میں قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ
اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور
نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾
بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اس کو برائی تو رہ جائے مایوس ہو کر

انسان کا عجیب حال:

یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ جتنا عیش آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اسکی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور نا امید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بنا پر، کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین) یہ مضمون غالباً اس لئے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے۔ بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ
تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے
بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾
کس نے خوب پالیا راستہ

ہر ایک اپنی طبیعت پر چلتا ہے:

یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبعیت او رمذہب پر چلتا اور اسی میں مگن رہتا ہے لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہوسکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کجروی و کجراہی ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لیکر اٹھتا ہے، یا کچھ نقصان کر کے۔ اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور حمت ہے اور کفار کے لیے موجب خسارہ۔

یہی مفہوم ہے رسول اللہ کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ متفق علیہ عن علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً۔

حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر اگر چہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر) اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ رواہ احمد۔

بیضاوی نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب

ہوتا ہے گمراہی کا ہو یا ہدایت کا یا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بخاری نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ مدینہ کھیتوں میں ایک بار جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گذرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یہودی باہم کہنے لگے، ان سے روح کے متعلق دریافت کرو، ایک شخص بولا کچھ مت پوچھو، کہیں ایسا جواب نہ دیدیں جو تم کو ناگوار ہو، دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ کچھ (دیر) خاموش رہے۔ میں سمجھ گیا کہ وحی ہونے والی ہے، میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو

یہودیوں کے بے ہودہ سوالات:

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا اور سیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسی لئے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے ادھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں از راہ تعنت وعناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شاف سے فائدہ اٹھاتے "وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا" (الشوریٰ رکوع ۵) "يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ" (نحل رکوع ۱) مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ "روح" کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے "روح" جو بہرحال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف وخفی ہے اس کی اصل ماہیت وکنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جا سکتی ہے۔ مشرکین مکہ کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کی حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد واہلیت رکھتی ہوگی؟

تو کار زمیں رانکو ساختی که با آسماں نیاز پرداختی

(تفسیر عثمانی)

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ
کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو
الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾
علم دیا ہے تھوڑا سا

سوال کا اجمالی جواب:

موضح القرآن میں ہے کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا، سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آ پڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی مر گیا" اھ

قرآنی الفاظ کا اعجاز:

(تنبیہ) حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب وغریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کجرو معاندین کے لئے کافی ہے لیکن اسی سطح کے نیچے ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب وتحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ روح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا، اور نہ شاید ہو سکے، روح کی اصلی کنہ وحقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ وحقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

روح کے متعلق قرآنی نظریات:

تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ (۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے روح کہتے ہیں وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم وارادہ سے فائض ہوتی ہے۔ "قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ"۔ "خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ" (آل عمران رکوع ۶) "ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ" (المومنون رکوع ۱) اِنَّمَا قَوۡلُنَا

لِشَیۡءٍ اِذَآ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ (نحل رکوع ۵) روح کی صفاتِ علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بے حد تفاوت وفرق مراتب ہے۔ حتی کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہوسکے، جیسے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔ یشیر الیه اضافة الامر الی الرب والرب الیٰ یا المتکلم المراد به ههنا محمد صلی الله علیه وسلم و قوله تعالیٰ فیما بعد "قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ" (۳) مگر اسکے یہ کمالات ذاتی نہیں۔ وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں اور محدود ہیں، یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا" فان العلم قد اتاه من مفیض آخر وهو قلیل فی جنب علم الله تعالیٰ کما قال تعالیٰ "قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَـنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَـنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ" (کہف رکوع ۱۲) "وَلَوۡ اَنَّ مَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ" (لقمان رکوع ۳) و یدل علیٰ تحدید القدرة قوله تعالیٰ فیما بعد ردّ لقولهم "لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا الخ" "قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا" روح انسانی خواہ علم و قدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتی کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوئے سبقت لے جائے، پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں اور یہ ہی بڑی دلیل اسکی ہے کہ آریوں کے عقیدے کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم وغیر مخلوق ہستی نہیں ہوسکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔ (۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو، حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کرلے۔ گو اس کے فضل ورحمت سے کبھی ایسا کرنیکی نوبت نہ آئے۔ یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ‌ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا" یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نسق آیات میں ادنیٰ تامل کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

عالم امر وغیرہ کی تشریح:

صرف ایک "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ لفظ "امر" قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اس کے معنی کی تعین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے لیکن میری غرض اس وقت سورہ "اعراف" کی آیت "اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ" کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "خلق" دوسرا "امر" دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں۔ پہلے فرمایا "اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ" (اعراف رکوع ۷) یہ تو "خلق" ہوا۔ درمیان میں "اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ" کا ذکر کر کے جو شانِ حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا "يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا ۙ وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمۡرِهٖ" (اعراف رکوع ۷) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین ومحکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر وتصریف کہہ سکتے ہیں۔ یہ "امر" ہوا۔ "اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَيۡنَهُنَّ" (طلاق رکوع ۲)

نظام کائنات اور اس میں امر الٰہی کی تشریح:

گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیرہ ذالک۔ ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض وغایت کا لحاظ کر کے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آنِ واحد میں ساکن وخاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اسکی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے۔ حتیٰ کہ جو قلیل وکثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیأت اور رنگ اختیار کرلیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فٹ کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں۔ جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اسکے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھو حق تعالیٰ نے اول آسمان وزمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہا گیا ہے۔ "قدره تقدیرا" سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے "تصویر" کہتے ہیں۔ "خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ" (اعراف رکوع ۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کیلئے "امر الٰہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔ "الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ" (الحشر رکوع ۳) وفی الحدیث "فلق الحبة وبرا النسمة" وفی سورة الحدید "مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا" ای النفوس مروی عن ابن عباس وقتادة والحسن۔ غرض ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امر الٰہی" کو فرمایا "اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡـئًا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ"

(یٰسین رکوع ۵) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر ''کن'' کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ''خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' (آل عمران رکوع ۶) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ''کن فیکون'' کا مضمون جتنے واضع میں آیا عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ ''کن'' کا خطاب ''خلق'' کے بعد تدبیر وتصریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں ''امر'' کے معنی ''حکم'' کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ ''کن'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور ''کن'' جس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ وکلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہ ہی مسلک رکھنا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ''روح'' کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ''۔ اور پہلے گذر چکا کہ ''امر'' عبارت ہے کلمہ ''کن'' سے۔ یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد وتکوین مرتب ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ''روح'' کا مبدا حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے ''نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ'' میں اسے اپنی طرف منسوب کیا ''کلام'' اور ''امر'' کی نسبت متکلم اور آمر سے ''صادر'' و ''مصدور'' کی ہوتی ہے۔ ''مخلوق'' و ''خالق'' کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' میں ''امر'' کو ''خلق'' کے مقابل رکھا، ہاں یہ امر ''کن'' باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہوکر ممکن ہے جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک ''ملک اکبر'' اور ''روح اعظم'' کی صورت میں ظہور پکڑے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم ''کہربائیہ روحیہ'' کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور الارواح جنود مجندۃ الخ کے بے شمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے۔ اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی بے شمار مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کرلیتی ہے۔ رہی یہ بات کہ ''کن'' کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کرسکتا ہے۔ اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلا اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر واجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم وخواص پیدا ہوگئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی انکے آثار جدا نہیں ہوتے۔ فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوۃ مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جیسی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہ ہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہوجائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح وملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور ''امر الٰہی'' بحالہ قدیم رہے۔ امکان وحدوث کے آثار واحکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور ''امر الٰہی'' ان سے پاک و برتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سکنڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) ''اَمْرِ رَبِّيْ'' کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے سب احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہوالظاہر۔ واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل وتقریب الی الفہم ہے۔ ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

اے بروں از وہم و قال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

روح مجرد ہے یا نورانی:

رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل ہی ہے جو بقیۃ السلف علامہ سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقاء ہ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں (۱) وہ جواہر جن میں جو مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ (۲) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ کہتے ہیں (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ''ارواح'' یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ''بدن مثالی'' سے موسوم ہے

جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدنِ مادی کی طرح آنکھ ناک کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہوجاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی ۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے " اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا " کی تفسیر میں نقل کیا، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تار پڑھا کہ " حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ (دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کسی ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا "۔ آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کررہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی، اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہرحال اہلِ شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امر ربی" کی وحدت پر منتہی ہوجائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ نے "منطق الطیر" میں کیا خوب فرمایا۔

ہم زجملہ بیش وہم پیش از ہمہ	جملہ از خود دیدہ وخویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم داد در جاں نہاں	اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہوئی، روحِ حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہ ہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اسکی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کرکے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) بس یہ ہی اس کی روحِ حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہوکر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ **ھذا ما عندی و عند الناس ما عندھم واللہ سبحانہ و تعالیٰ ھو الملھم للصواب.** (تفسیر عثمانی)

قرآنی جواب سائلین کے مطابق ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور یہ لوگ آپ سے بطورِ امتحان روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضائے جسم کی پیدائش کی طرح اس کی پیدائش کسی مادی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کی سمجھ کے اندازے کے مطابق جواب دیدیا گیا۔ جس سے اتنا معلوم ہوگیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے، بلکہ سب سے الگ ہے لیکن یہودیوں نے روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقت روح اس جواب سے واضح نہیں ہوئی۔ اس لیے آگے فرمایا:

انسانی علم بہت محدود ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ، اور (غیر مادی اشیاء کا) تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا۔ یعنی اتنا جتنا تم اپنے حسوا کے ذریعہ حاصل کرسکو۔ نظری حقائق کا علم بدیہیات سے حاصل ہوتا ہے اور بدیہیات کا علم احساسِ جزئیات سے (اس طریقے کے علاوہ نظری علوم حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں) اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس نے حس کو کھودیا اس نے علم کو کھو دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر محسوس چیزوں کے اجزاء اور ذاتیات تک حس کی رسائی نہیں ہے ان کا علم محض امتیازی اوصاف اور خواص کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور الفاظ کی وضع یا تو محسوس چیزوں کے لیے کی جاتی ہے یا ان نامحسوس چیزوں کے لئے جن کے حصول علمی کا ذریعہ محسوس اشیاء ہوتی ہیں۔

فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے کہا مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العالمین کون۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ نے رب العالمین کے بعض خصوصی اوصاف کا ذکر کیا (حقیقت نامعلوم تھی۔ اس کو بتانے کے لیے الفاظ ہی نہ تھے اس لیے حقیقت کا کامل بیان نہ کرسکے)

انبیاء واولیاء کیلئے روح کی حقیقت کا جاننا ناممکن نہیں:

لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقت روح کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض مخصوص روشن بصیرت رکھنے والے اولیاء کے لیے بھی ناممکن تھا کیونکہ انبیاء اور مخصوص اولیاء کا علم کسبی نہیں ہوتا، ان کو علم کے لیے وساطتِ حواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا علم محض الہامی اور انکشافی ہوتا ہے۔ غور وفکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ نورانی اور لمعاتی ہوتا ہے۔ وہ دلوں کے کانوں سے وہ آوازیں سنتے ہیں جو چہرے کے کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اور چشم بصیرت سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو چشم بصر سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا تقرب حاصل

کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے (یعنی اس کا سننا میرا سننا اور اسکا دیکھنا میرا دیکھنا ہو جاتا ہے، وہ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے تو گویا میں پکڑتا ہوں اور وہ اپنے قدموں سے چلتا ہے تو گویا میں چلتا ہوں۔ مترجم)

روحِ سفلی اور روحِ علوی:

اصحابِ بصیرت کو حقیقتِ روح کا علم ہوتا ہے ارباب انکشاف نے صراحت کی ہے کہ روح سفلی ایک ہے جس کو نفس کہا جاتا ہے اور علوی ارواح پانچ ہیں قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفی۔ ان سب میں داتی فرق بھی ہے اور صفاتی بھی ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات اور ہر ایک اوصاف دوسری کے اوصاف سے ممتاز ہیں کسی کا کسی سے اشتباہ نہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو ان میں باہم اشتباہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ تمام علوی ارواح اتنی لطیف ہیں کہ مراتب وجوب کے ساتھ ان کا اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض لوگ کہہ اٹھے تھے، میں نے تیس برس روح کی عبادت کی تیس برس کے بعد اللہ نے روح کی حقیقت کا اور روح کے ممکن و حادث ہونے کا اس پر انکشاف کر دیا اور وہ بول اٹھا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کیلئے مشرکین و یہودیوں کا منصوبہ

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت وسچائی کے حامل رہے ہیں، کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا، لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کراؤ، وہ اہلِ کتاب میں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جا کر یہودیوں سے دریافت کیا یہودیوں نے جواب دیا محمد سے جا کر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دیدیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دیدیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے (بھاگ کر کہیں) پناہ پکڑی تھی ان کا کیا واقعہ تھا؟

(۲) وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا؟

(۳) روح کیا ہے؟ اس کے متعلق بھی جا کر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تینوں سوال کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دیدوں گا، آپ نے انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس لیے وحی آنے میں تاخیر ہوگئی، مجاہد کے قول میں بارہ دن۔ بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی صراحت آئی ہے۔ اہلِ مکہ کہنے لگے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا، لیکن اتنی مدت ہوگئی کچھ بھی نہیں بتایا، ادھر نزولِ وحی میں تاخیر ہوئی ادھر اہلِ مکہ ایسی باتیں کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی اثناء میں اچانک ایک روز جبرئیل یہ وحی لیکر آئے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ پھر اول سوال کے متعلق نازل ہوا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ اور روح کے متعلق ارشاد ہوا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ، ترمذی نے یہ قصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت جبریلؑ:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل تھے (یعنی جبرئیل کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔

میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے اور ایک رویت میں حضرت علیؓ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے۔ ان کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں اور فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نگل سکتا ہے، اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوگا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہوگا اور اہلِ توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیانی نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختہ ہو جائیں۔

حضرت عیسیٰؑ:

بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ مراد ہیں اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ عیسیٰ ویسے نہیں جیسا یہود ان کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہ ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمہ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

روح کا اجمالی تعارف:

سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا روح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے کہ "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے"۔ یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے تطورات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں بلکہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔ اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو عام مادیات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے جو روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لئے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لئے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لئے بھی آسان نہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سائل کی دینی مصلحت کی رعایت لازم ہے

امام جصاصؒ نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں اتنا جاننا کافی ہے اور بس۔ کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آ پڑی اور وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مر گیا۔ (انتہی)

یہ کہ جسم انسانی منزلہ قمقمہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو قمقموں کے اندرونی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور قمقمہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق قمقموں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام تار روشن رہیں گے۔ اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو معاً روشنی معدوم ہو جائے گی۔ اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے رہے گا تو تمام قویٰ اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے۔

روح کی شکلیں:

اور ہر روح کی خاص صورت اور خاص شکل ہے جو اس جسم کثیف کے ہم شکل ہے اور ہم صورت ہیں۔ روح کی شکل بعینہٖ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک اور کان اور ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ اور ناک اور ہاتھ اور پیر ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لئے منزلہ لباس کے ہے جسمانی ہاتھ روحانی ہاتوں کے لئے منزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں منزلہ پاجامہ کے ہیں اور سر بمنزلہ ٹوپی کے ہے اور چہرہ منزلہ نقاب کے ہے وقس علی ھذا۔

اچھے اور برے اخلاق کا سرچشمہ:

استاد ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں۔ نار سے پیدا ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے تمہید شرح موطا میں اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے:

ان اللہ خلق آدم جعل فیه نفسا و روحا فمن الروح عفافه و فهمه وحلمه وسخائه ووفائه ومن النفس شهوته و طیشه...... و سفهه و غضبه و نحو هذا. كذافي الروض الانف شرح سيرة ابن هشام

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا اس قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے نکلتے ہیں اور شہوت اور عیش اور شفاہت اور غیظ و غضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاقِ رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (روض الانف)

فطرت کی دو متضاد چیزیں:

اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہیں کہ آدم کی فطرت میں دو متضاد چیزیں پیوست کر دی گئیں۔ ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین کے ہے بلکہ بقول بعض اولیاء نفس شیطان کا جڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث ہے۔ اعدی عدوک نفسک التی بین جنبک. اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان واقع ہے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ شیطان تو آعوذ باللہ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس اعوذ باللہ

پڑھنے سے بھی نہیں بھاگتا نیز شیطان جب انسان کو گمراہ کرتا ہے تو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے۔ شیطان اپنے کام میں نفس کا محتاج ہے اور نفس گمراہ کرنے میں شیطان کا محتاج نہیں اس لئے آپ نے نفس کو بڑا دشمن قرار دیا۔

حضرت شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں

نفس و شیطان زد کریما راہ من — رحمتت باشش شفاعت خواہ من

شیخ فریدالدینؒ نے نفس کو شیطان سے پہلے ذکر کیا کہ اغوا میں نفس شیطان کا محتاج نہیں۔ شیطان کو گمراہ کرنے والا اس کا نفس ہے کسی شیطان نے شیطان کو گمراہ نہیں کیا بہرحال نفس انسان کا دشمن ہے اور روح انسان کی دشمن نہیں اس لئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز احادیث میں جہاد کی بکثرت ترغیب مذکور ہے اور ایک حدیث میں جہاد نفس کو جہادِ اکبر فرمایا کیونکہ نفس قریبی دشمن ہے اور دارالحرب کے کافر دور کے دشمن ہیں اور حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً یعنی اے مسلمانو! قریبی کافروں سے جہاد و قتال کرو اس لئے اس (قریبی دشمن نفس) سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہوا۔ بہرحال قرآن اور حدیث میں نفس سے جہاد کا حکم آیا ہے روح سے جہاد کا حکم نہیں آیا اور قرآن اور حدیث نے تمام اخلاقِ ذمیمہ کی جڑ ہوائے نفس کو قرار دیا ہے کہ نفس انسان کو لذات اور شہوات کی طرف دعوت دیتا ہے حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پرواہ نہیں کرتا۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں راچہ شد

روح و نفس کا تعلق:

عارفین کا قول ہے کہ روح انسانی نر اور مرد ہے اور بمنزلہ شوہر کے ہے اور نفس حیوانی مادہ اور مونث ہے اور بمنزلہ زوجہ کے ہے اور دونوں میں اللہ نے باہمی محبت ڈال دی دونوں کا باہم نکاح ہو گیا پھر دونوں کے باہمی تعلق سے اولاد پیدا ہونے لگی اور وہ اولاد (اعمال ہیں) جو روح اور نفس کے امتزاج سے متولد ہیں۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ حدیث میں ہے کہ اگر مرد کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو اولاد نر پیدا ہوتی ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر نفس اور روح کے مخالطت اور مباشرت میں غلبہ روح کا ہوا تو اعمال صالحہ کا تولد ہوگا اور اگر غلبہ نفس کا ہوا تو اعمال سیئہ کا تولد ہوگا اور تمام ائمہ لغت اور ائمہ نحو کے نزدیک لفظ مونث سماعی ہے نفس کے لئے جو فعل یا ضمیر لائی جائے گی وہ فعل مونث کا ہوگا اور ضمیر بھی مونث کی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں اس کی مخالفت میں خیر و برکت ہے۔ لہٰذا مرد مومن کو چاہیے کہ نفس کے مشوروں پر نہ چلے روح کے مشوروں پر چلے۔

جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو چیز بھی ہے وہ کسی دوسری طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہو جائے تو اس کا نام موت ہے امام الحرمین اور امام رازی کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسان ایک جسم لطیف اور دوامی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور مقدار سے بری ہے اور روح حیوانی ایک بخار لطیف کا نام ہے جو اس روح انسانی کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف۔ صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری جسم ظاہری میں کثیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہر اور حسی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہو جاتا ہے۔

روح حیوانی اور روح انسانی:

امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی۔ روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے جو اخلاط اربعہ۔ خون اور بلغم اور صفرا اور سودا سے پیدا ہوتا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں۔ آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبیعت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرما اور سردی اور خشکی اور تری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخار لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیف شے ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور اس کا اس عالم میں ایک مسافرخانہ ہے اور یہ روح حیوانی اس کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی۔ عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لئے آتی ہے تاکہ یہاں آ کر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کے لئے توشہ لے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اور اس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام روح ہے جو اللہ کے حکم سے فائض ہوتی ہے جس سے ہم [illegible] رہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔

دنیا کے عقلاء کا نظریہ:

دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام

ہے کہ جس کے زور سے ذی روح بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو تمام کلیں بند ہو جاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے اس کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دھری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب و کتاب کے قائل نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب وعذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی
اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾
بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لادینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ
مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش
عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾
تجھ پر بڑی ہے

نعمتِ قرآن:

یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں ذاتی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

علم کیسے جاتا رہے گا:

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کو قبض کرلے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جو بغیر جانے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت زیاد بن لبید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے بعض چیزوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا ایسا اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے جاتا رہے گا ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور ہماری اولاد اپنے بچوں کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ یوں ہی قیامت تک چلتا رہے گا۔ فرمایا زیاد تجھ پر تیری ماں روئے، میں تو تجھے مدینہ کے دانش مند آدمیوں میں سے سمجھتا تھا، کیا یہودی اور عیسائی توریت وانجیل نہیں پڑھتے لیکن توریت وانجیل کے احکام پر عمل نہیں کرتے (یہی حالت مسلمانوں کی ہو جائے گی) ترمذی نے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں (ہمیشہ نہیں رہوں گا) وفات پا جانے والا آدمی ہوں اور علم بھی قبض کرلیا جائے گا اور فتنے پیدا ہو جائیں گے فریضہ (ترکہ میت کی تقسیم) کے متعلق دو آدمیوں میں اختلاف ہوگا تو کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کا فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا (یعنی کوئی عالم نہیں رہے گا کہ فیصلہ کرسکے) رواہ الدارمی والدار قطنی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسی حدیث کو سن کر قرآن کی تحریروں سے زائل ہو جانے اور سینوں سے فراموش ہو جانے کا ذکر فرمایا۔

صحیحین کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قبضِ علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء نہیں رہیں گے یہ مطلب نہیں کہ سینوں کے اندر سے قرآن نکال لیا جائے گا، حضرت زیاد کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض علم کا معنی صرف یہ ہے کہ علم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ توفیق عمل ختم ہو جائے گی۔ ان تینوں احادیث وروایات کے باہم تعارض کو دور کرنے کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ اول علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی۔ پھر علماء کی قلت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ زمانہ قلت علماء کا ہی ہے پہلے علماء بہت تھے (پھر عمل میں کمزوری آئی) پھر تعلیم وتعلم میں کمی ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

سعید یا عکرمہؒ کی وساطت سے ابن جریر اور ابن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ارکان جماعت کے نام راوی نے بیان کیے تھے اور عرض کیا ہم آپ کا اتباع کس طرح کرسکتے ہیں آپ نے تو ہمارا قبلہ بھی چھوڑ دیا اور جو کچھ آپ لائے ہیں (یعنی قرآن) اس میں توریت کی طرح ہم کو کوئی ربط نظر نہیں آتا ہم پر کوئی ایسی کتاب اتارو جس کو ہم پڑھیں اور (اس کی حقانیت وصداقت کو) پہچان لیں، ورنہ جیسا آپ نے بیان کیا ہے ایسا تو ہم بھی پیش کرسکتے ہیں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى
کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر

اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ
کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے
بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا ﴿۸۸﴾
ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی

اعجازِ قرآن:

اعجاز قرآن کے متعلق متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر ہمارا مستقل رسالہ ''اعجاز القرآن'' چھپا ہوا ہے اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (سب) انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لیے جمع ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لاسکیں گے خواہ (باہم مل کر) ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں (اور سب مل کر کوشش کریں) یعنی اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلیغ زبان دان شاعر، اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت، حسن ترتیب اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت نہیں پیش کر سکتے۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا لو نشآء لقلنا مثل ھذا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے۔

میں کہتا ہوں قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی ہے کہ خود بنا کر لاؤ جس میں وحی خداوندی کو کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں، وہ معصوم ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ
اور ہم نے پھیر پھیر کر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں
كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾
ہر مثل سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے

یعنی انکی خیر خواہی کے لئے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر احمقوں کو اسکی قدر نہیں بجائے احسان ماننے کے ناشکری پر تلے ہوئے ہیں۔

فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیے نہ رہے۔ یعنی اکثر لوگوں نے سوائے کفر و انکار کے (قرآن کی ہدایت میں سے) کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔

قریش سرداروں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت

بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور قبیلہ عبدالدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نضر بن حارث) اور ابو البختری، اسود بن المطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج کر ان کو بلواؤ اور ان سیات چیت کرو اور جھگڑا طے کرلو تا کہ اتمام حجت ہو جائے اور (پھر تم جو کچھ کرو) تم کو معذور سمجھا جائے، چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام کہلوایا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں آ کر بات چیت کرلو۔ رسول اللہ کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہو جائے پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے جب آ کر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آدمی بھیج کر تم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کر دیں کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات تمہیں لایا جو تم اپنی قوم پر لائے ہو تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا اہلِ عقل کو سبک سر قرار دیا ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جو تم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کر دی ہو اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور حکومت چاہتے ہو تو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہو گیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کاہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اتار کرادیں گے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلبگار ہوں نہ عزت و سیادت کا نہ حکومت و اقتدار کا مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے علم دیا ہے کہ (ماننے

والوں کو جنت کی) خوش خبری دیدوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا اگر مان لو گے تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہو گی۔ رد کر دو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر رہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔

سرداروں کا مطالبہ:

کہنے لگے محمد جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو ہو قبول نہیں تو (اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو) تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے (ہر طرف پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں، ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے) اور ہمارے پاس مال بھی سب (یعنی اہل یمن و شام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دکھی ہے پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے یہاں سے ہٹوا دو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام و عراق کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہمارے لیے دریا بہا دو اور یہ بھی اپنے رب سے کرا دو کہ ہمارے آباء واجداد زندہ ہو جائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا، پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے جو پیام مجھے دیکر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا اگر مان لو گے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کرو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔

فرشتہ بھیجنے کا مطالبہ:

کہنے لگے اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرا دو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لیے ایک فرشتے کو بھیجدے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دیدے کہ جس تکلیف (اور افلاس) میں ہم تم کو دیکھ رہے اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے، حضور نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا، مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گروا دو کیونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا، ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہیں مانیں گے، جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوا دو۔

عبداللہ بن ابی امیہ کی باتیں:

یہ بات سن کر رسول اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کی پھپھی عاتکہ بن عبدالمطلب کا لڑکا عبداللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور (راستہ میں) کہنے لگا، محمد! تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آ جاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گذرو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل بَشَرًا رَّسُوْلًا تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ

اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کر دے ہمارے واسطے

الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

زمین سے ایک چشمہ ☆

بیہودہ فرمائشیں: یعنی مکہ کی سرزمین سے، قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دور از کار فرمائشیں کرنے لگتے تھے۔ غرض استفادہ و انتفاع مقصود نہ تھا محض تعنت و عناد سے کام تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ

یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ

پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرادے

السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے

یہ اسکی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (السبا رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے

یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے اگر کہہ دے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے قبیل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے (کی صداقت) کا ذمہ دار اور کفیل بنا کر پیش کرو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات صحیح ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قتادہ نے قبیلاً کا ترجمہ کیا مقابلاً آمنے سامنے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لقیت فلاناً قبیلا وقبلا میں نے فلاں شخص سے رودررو ملاقات کی۔ اس ترجمہ پر قبیلاً الملائکۃ سے حال ہوگا۔ مجاہد نے کہا قبیل قبیلۃ کی جمع ہے قبیلاً سے مراد ہے قسم قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔ (تفسیر مظہری)

اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ

یا ہو جائے تیرے لیے ایک گھر سنہرا☆

یعنی سونے کا نہ تو کم از کم سونے کا ملمع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ

یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ

جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھ لیں

یعنی جیسے آپ معراج کا ذکر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آیئے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾

تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا

پیغمبران بے ضرورت فرمائشوں سے پاک ہے:

جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھے۔ کسی پیغمبر کو خدائی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اس کی یہ شان ہے کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائشیں کرے۔ ان کا کام یہ ہے کہ جو ادھر سے ملے پہنچادیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کر دیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محول ہیں اور پہلے اسی صورت میں فرمائیشی نشانات نہ دکھلانے کی بعض حکمتیں گذر چکی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرمائشوں کا اجمالی جواب:

یعنی تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے، ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کر دے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں، اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کر چکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید اس نے اتار دیا، رسول کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، رسول کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہادیئے اور طرح طرح کے معجزوں کا ظہور ہو چکا، اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے۔ تفصیلی جواب دوسری آیات میں آیا ہے فرمایا ہے: وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِىۡ قِرۡطَاسٍ الخ۔ وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى یعنی کچھ بھی ہو جائے (قرآن کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں، یا مردے زندہ ہو کر بولنے لگیں) وہ ایمان نہیں لائیں گے ہر کام کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دولتمندی کو پسند نہیں فرمایا:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، بطحا مکہ کی بابت مجھ سے فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو تو میں اسے سونے کا بنادوں؟ میں نے گزارش کی کہ نہیں خدایا میری تو یہ چاہت ہے کہ ایک روز پیٹ بھرا رہوں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ بھوک میں تیری طرف جھکوں تضرع اور زاری کروں اور بکثرت تیری یاد کروں۔ بھرے پیٹ ہو جاؤں تو تیری حمد کروں تیرا شکر بجالاؤں۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰٓى

اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت

اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾

مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر

یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد آنکھیں نہ کھلیں یہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجنا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اتارتا۔ (تفسیر عثمانی)

بے سروپا معاندانہ سوالات کا پیغمبرانہ جواب:

آیات مذکورہ میں جو سوالات اور فرمائشیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ایمان لانے کی شرط قرار دیکر کی گئیں وہ سب ایسی ہیں کہ ہر انسان ان کو سنکر ایک قسم کا تمسخر اور ایمان نہ لانے کا بیہودہ بہانے کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا ایسے سوالات کے جواب میں انسان کو فطرۃً غصہ آتا ہے اور جواب بھی اسی انداز کا دیتا ہے۔ مگر ان آیات میں ان کے بے ہودہ سوالات کا جو جواب حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا وہ قابل نظر اور

مصلحین امت کے لئے ہمیشہ یاد رکھنے اور لائحہ عمل بنانے کی چیز ہے کہ ان سب کے جواب میں نہ ان کی بے وقوفی کا اظہار کیا گیا نہ ان کی معاندانہ شرارت کا نہ ان پر کوئی فقرہ کسا گیا بلکہ نہایت سادہ الفاظ میں اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ جو شخص خدا کا رسول ہو کر آئے وہ سارے خدائی اختیارات کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہونا چاہئے یہ تخیل غلط ہے رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے معجزات بھی بھیجتے ہیں مگر وہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار سے ہوتا ہے رسول کو خدائی کے اختیارات نہیں ملتے۔

رسول صرف انسان نہیں بلکہ اس میں ایک شان ملکیت کی بھی ہوتی ہے اس کی وجہ سے جنات کو بھی مناسبت ان سے ہو سکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے

مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾

بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر ☆

فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانے کی وجہ:

یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بے شک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو آنکھیں اور دل تحمل بھی نہ کر سکیں، فائدہ اٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں۔ اس کی تقریر سورہ انعام کے پہلے رکوع میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ میں وہ ہے

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾

اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تصدیق حاصل ہے:

وہ جو کہتے تھے ''اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا'' یعنی خدا سامنے اگر تصدیق کر دے تب مانیں۔ تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبردار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان پر برابر وہ علمی و عملی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو خارق عادت اور اس کے عام قانون قدرت سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یوماً فیوماً کامیاب اور وسیع الاثر بناتا ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پا سکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہو سکتا تھا؟ (تفسیر عثمانیؒ)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

پھر تو نہ پائے ان کے واسطے کوئی رفیق اللہ کے سوائے ☆

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے:

یعنی خدا کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی راہ حق پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کی بدبختی اور تعنت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اسے کون ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ

اور اٹھائینگے ہم ان کو دن قیامت کے چلیں گے منہ کے بل

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ

اندھے اور گونگے اور بہرے

کافر منہ کے بل چلیں گے:

یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ منہ کے بل کس طرح چلیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلایا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل گھسیٹنا، وہ دوزخ میں داخل ہونیکے بعد ہوگا۔ ''يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ'' (القمر رکوع ۳)(تفسیر عثمانیؒ)

تین طرح کا حشر:

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر تین طریقے پر ہوگا، کچھ لوگ سوار ہوں گے، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل (گھسٹتے ہوئے) ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ منہ کے بل کیسے چلیں گے، فرمایا، جس نے ٹانگوں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا

ہے۔اور حضرت معاویہ بن جندب کی روایت سے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن جندب نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ تمہارا حشر کیا جائے گا، سوار ہونے کی حالت میں اور پیدل ہونے کی حالت میں اور تم کو گھسیٹا جائے گا منہ کے بل۔ (یعنی قیامت کے دن کچھ لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے اور کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل گھسیٹ کر)

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی، ایک جماعت کپڑے پہنے کھائے پیئے اور سواریوں پر سوار ہوگی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور دوڑے گی اور ایک جماعت کو ملائکہ منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اندھے، گونگے، بہرے ہونے کا مطلب:

اندھے گونگے بہرے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسی صورت ان کے سامنے نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کوئی ایسا عذر بیان نہ کرسکیں گے جو قابلِ قبول ہو اور کوئی خوش کن مسرت آفریں بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ کیونکہ آیات قدرتِ اور نشانہائے عبرت کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمہ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اندھا گونگا بہرا ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں گے، نہ بول سکیں گے نہ سن سکیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ آیات و ہدایات کو چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے تھے اور کلمہ حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے تھے اور کلام حق زبانوں پر نہیں لاتے تھے، اسی طرح قیامت کے دن وہ کوئی جاذب قلب شکل نہیں دیکھیں گے کوئی صداء مسرت آفریں نہیں سنیں گے اور کوئی قابل قبول عذر زبانوں سے نہ پیش کرسکیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾
ٹھکانا انکا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور بھڑکا دینگے ان پر

عذاب میں کمی نہ ہوگی:

یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن جل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر نئے چمڑے چڑھادیے جائیں گے۔ "كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا" (نساء رکوع ۸)

یعنی جب ان کی کھالیں اور گوشت جل چکیں گے اور آگ کی بھڑک میں کچھ سکون پیدا ہو جائے گا تو دوبارہ ان کو کھالیں اور گوشت پہنا دیا جائے گا اور اس ایندھن سے پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور یوں ہی برابر ہوتا رہے گا۔ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کے وہ منکر تھے اس لیے اللہ بھی ان کو یہ سزا دے گا کہ بار بار مریں گے اور بار بار جئیں گے، اور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا: ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا
یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے
ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
کیا جب ہم ہوگئے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم کو اٹھائیں گے
خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾
نئے بنا کر☆

یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کس طرح جل جل کر از سر نو تیار کیے جا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ
وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو☆

یعنی جس نے اتنے بڑے بڑے اجسام پیدا کیے اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کردینا کیا مشکل ہے "لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ" (مومن رکوع ۶) بے شک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کرسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۖ
اور مقرر کیا انکے واسطے ایک وقت بے شبہ☆

سب کے اٹھنے کا وقت مقرر ہے:

یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرمادیا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔ "وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ" (ہود رکوع ۹)

فَاَبٰٓى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں سے بن ناشکری کیے ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی:

یعنی ایسے واضح مضامین ودلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر وضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں پسیجتے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ

کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے

اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

تو ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور ہے انسان دل کا تنگ ☆

ربط آیات:

گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ '' (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے۔ کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت وعناد، دوراز کار مطالبات اعراض وتکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔

نبوت اللہ کا فیض ہے:

یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدمقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تھڑدلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جیسے اگر فرض کرو خزائن رحمت کا مالک مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل وتنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمت الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ وطائف کے بڑے متکبر دولتمندوں کو چھوڑ کر وحی ونبوت کی یہ بیش بہا دولت ''بنی ہاشم'' کے ایک دریتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات وانعامات کے خزانے انڈیل دیئے۔ تمہارے تعنت وتعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور انکے پیرو دریا دلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی نے بیان القرآن میں اس جگہ رحمت رب سے مراد نبوت ورسالت اور خزائن رحمت سے مراد کمالات نبوت لئے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

رحمت رب سے مراد رزق ہے یا ہر نعمت مراد ہے اور خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ سے مراد ہے ناداری کا خوف۔ یا ختم ہو جانے کا اندیشہ نفق الشیء وہ چیز ختم ہو گئی، عربی محاورہ ہے۔ قتور کا معنی ہے بخیل، کنجوس۔ انسان حاجت مند ہے اور جس چیز کی اس کو حاجت ہوتی ہے اس کو خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو معاوضہ کے لالچ میں، مگر اللہ غنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں، جتنا بھی وہ عطا فرمادے اس سے ہزاروں گنا زیادہ پیدا کر سکتا ہے، اس لیے اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ

بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس ☆

موسیٰؑ کے نو معجزات:

یعنی جیسے آپ کو فضل ورحمت سے قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰ علیہ السلام کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانات (معجزات) ان کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں جب کہ وہ ''بنی اسرائیل'' کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ اگر چاہو تو ''بنی اسرائیل'' کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ (تنبیہ) وہ نو معجزات یہ تھے۔ ید، عصا، سنین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم۔ سورہ اعراف آیت ''فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ الخ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ سے ''تسع آیات'' کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ یہ احکام ہیں، شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑاؤ کہ حاکم اسے

قتل کر دے، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو۔ نو حکم تو یہ ہوئے جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ دسواں حکم (اے یہود) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (شنبہ) کے دن حد سے نہ گذرو۔ یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے قرآن کا نظم و سیاق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ "وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍ" سے مراد یہ نو احکام لئے جائیں۔ آگے فرعون اور موسیٰ کا مکالمہ جو "فقال لہ" سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ "آیات" سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل و حجج کے فرعونیوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بصائر بھی انہی پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آ رہا ہے اس کے مناسب بھی یہی ہے کہ یہاں فرعونیوں کا تعنت آیات کونیہ کے متعلق دکھلایا جائے۔ بہرحال ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ یہود نے شاید "تسع آیات" کی نسبت نہیں بلکہ ان دس آیات کی نسبت کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس و اشتباہ ہو گیا، اس نے "کلمات عشر" کی جگہ "تسع آیات" کو ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے سوال "آیات تسعہ" سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ نے جواب علیٰ اسلوب الحکیم دیا۔ گویا تنبیہ کر دی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ مہم ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال:

حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام یہ ہیں)۔ (۱) کسی چیز کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق ناجائز خون نہ کرو۔ (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بغاوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے کے لیے نہ لے جاؤ۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد میں مقابلہ کے وقت بھاگنے کے لیے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی حرمت میں (حدود شرعیہ سے) تجاوز نہ کرو (کہ ظاہری حیلہ بہانہ کر کے سنیچر کے دن اپنے معاشی کاروبار جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لیے تلاش کر لو) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چوم لیے اور بول اٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لیے کون سی چیز مانع ہے۔ کہنے لگے، حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ انہی کی نسل سے اللہ ہر پیغمبر مبعوث فرمائے اب اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو ہم کو ڈر ہے کہ یہودی ہم کو قتل کر دیں گے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ والترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ اس کو معلول قرار دینے کی ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ نو معجزات اس طرح شمار فرمائے ہیں (۱) عصائے موسیٰ جو اژدہا بن جاتی تھی۔ (۲) ید بیضا جس کو گریبان میں ڈالکر نکالنے سے چمکنے لگتا تھا (۳) زبان میں لکنت تھی وہ دور کر دی گئی۔ (۴) بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے کے لئے دریا کو پھاڑ کر اسکے دو حصے الگ کر دیئے اور راستہ دیدیا۔ (۵) ٹڈی دل کا عذاب غیر معمولی صورت میں بھیج دیا گیا۔ (۶) طوفان بھیجد یا گیا۔ (۷) بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا (۸) مینڈکوں کا ایک عذاب مسلط کر دیا گیا۔ (۹) خون کا عذاب بھیجا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون جل جاتا تھا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ
تو کہا اس کو فرعن نے
لَاَظُنُّكَ يٰمُوۡسٰى مَسۡحُوۡرًا
میری انکل میں تو موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ☆

فرعون کا انکار: یعنی کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے جس سے معاذ اللہ عقل خراب ہوگئی۔ اسی لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے دوسری جگہ ہے "اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ" (شعراء رکوع ۲) گویا مسحور سے مراد مجنون ہے اور بعض نے مسحور کو بمعنی ساحر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰٓؤُلَاۤءِ
بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں
اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآٮِٕرَ
مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سجھانے کو
وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا
اور میری انکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے ☆

فرعون حقیقت جان چکا تھا:

یعنی گو زبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کیلئے اسی خدائے قادر و توانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان و زمین کا سچا مالک ہے۔ اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم و تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اس کی نسبت بجز اس کے کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اسکے سر پر آ پہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایمان" جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔" وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" (النمل رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں
فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا
پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو ☆

فرعون کی ہلاکت: جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لئے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو
اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئے گا وعدہ
الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا
آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر ☆

بنی اسرائیل آزاد ہو گئے: یعنی خدا نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے شقی و سعید اور ہالک و ناجی کا دائمی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ
اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے قرآن اور سچ کے ساتھ اترا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا علمی معجزہ:

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسوی بجائے خود تھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات باہرہ عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا علمی معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلیٰ درجہ کی سچائی پر مشتمل کر کے اتارا ہے اور ٹھیک اسی سچائی کے ساتھ وہ آپ تک پہنچ گیا۔ درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا" فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" (ہود رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو ملائکہ کی نگرانی میں آسمان سے اتارا ہے اور ملائکہ کی حفاظت میں ہی وہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین کی دسترس سے قرآن محفوظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو ☆

یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کی دھمکی سنا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ
اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر
عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا
ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا

نزول قرآن کا مقصد: انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر و تذکر کہتے ہیں۔ لیکن اس کے نفس الفاظ و حروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔" كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" (ص رکوع ۳) اسی لئے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں تا وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لئے حفظ و فہم میں بھی آسانی رہے۔ اور آہستہ آہستہ اس لئے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں۔ تا وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا تھا ہر آیت و حکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے
مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا
اس کے پہلے سے جب ان کے پاس اس کو پڑھیے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ میں
وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا
اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا ☆

اہل علم نے قرآن کی سچائی کی تصدیق کر دی ہے:

یعنی مانو یا نہ مانو، قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وہ منصف مزاج اہلِ علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارت سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سن کو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب وغریب کلام ہے بے شک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تورات کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ "(اے بنی اسرائیل) میں تمہارے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا"، بلاشبہ وہ یہی کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم کو قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا، تب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دینِ حق کی جستجو میں لگے ہوئے تھے جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی وہ ایمان لے آئے، جیسے حضرت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری وغیرہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں منکروں کو تہدید کرنی مقصود نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی ہو کہ یہ جاہل ایمان نہیں لائے تو آپ پریشان نہ ہوں اہلِ علم تو ایمان لے آئے آپ ان منکروں کی روگردانی کو پروانہ کیجئے۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرنے سے مراد ہے منہ کے بل سجدہ میں گرنا۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ یعنی حکم الٰہی کی تعظیم کے لیے اور اس شکر یہ میں کہ اللہ نے جو سابق کتابوں میں وعدہ فرمایا کہ انقطاع رُسل کی مدت میں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور ان پر قرآن نازل کریں گے وہ وعدہ اللہ نے پورا کیا۔

قرآن سننے کے وقت رونا:

قرآن سننے کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے۔ (اور تھنوں کے اندر دودھ کو لوٹایا جانا تو محال ہے، پس خوف خدا سے رونے والے کا دوزخ میں داخل ہونا بھی محال ہے) اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں مسلمان کے نتھنوں میں جمع نہیں ہوگا (یعنی جس مسلمان کے بدن پر راہ خدا میں غبار پڑا، وہ جہنم کا دھواں بھی نہ سونگھے گا) رواہ البغوی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، بیہقی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، دو (قسم کی) آنکھوں کو دوزخ کی آگ کا پالینا حرام کر دیا گیا ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، دوسری وہ آنکھ جو رات بھر (بیدار رہ کر) اسلام اور اہلِ اسلام کی کافروں سے حفاظت کرتی رہی۔ حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے، میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تین طرح کی آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات خداوندی سے بند رکھی گئی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا:

جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہوا ہے۔ اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا۔ تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے۔ بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سروسامان بشر تھے۔ مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بشری اور ظاہری فقیری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونیوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزماں کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ

اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾

اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی ☆

یعنی قرآن کو سن کر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (ٹھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجود میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا ٹھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجود علی الوجہ سے کنایہ ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا تفسیر مظہری میں ہے کہ تلاوت قرآن

کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں نہ جاوے گا وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا جب تک کہ دوہا ہوا دودھ دوبارہ تھنوں میں واپس نہ لوٹ جائے (یعنی جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ تھنوں سے نکالا ہوا دودھ پھر تھنوں میں واپس ڈال دیا جائے اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے خوف سے رونے والا جہنم چلا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کردی ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے دوسرے جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لئے رات کو بیدار رہے۔ (بیہقی و حاکم وصحہ) اور حضرت نضر بن سعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں کوئی اللہ کے خوف سے رونے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات عطا فرما دینگے۔ (رواہ عن الحکیم الترمذی)

آج سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر پڑی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں خدا کے خوف سے رونے والے بہت کم رہ گئے صاحب روح المعانی اس موقع پر خدا کے خوف سے رونے کے فضائل کی احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ و ینبغی ان یکون ذلک حال العلماء یعنی علماء دین کا یہی حال ہونا چاہیے کیونکہ ابن جریر ابن منذر وغیرہ نے عبدالاعلیٰ تیمیؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے: ''جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔'' (معارف مفتی اعظم)

قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا
کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے
تَدۡعُوۡا فَلَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ۚ
سو اسی کے ہیں سب نام خاصے ☆

اللہ کے ناموں کے متعلق مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ:

سجود و خشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعاء (خدا کو پکارنے) کا اور دعاء کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم ''اللہ'' کا استعمال زیادہ تھا۔ ''رحمٰن'' سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم ''رحمٰن'' بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں۔ دوسری طرف مسیلمہ کذاب نے اپنا لقب ''رحمان الیمامہ'' رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالیٰ پر اسم ''رحمان'' اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ''رحمان'' سنتے تو کہتے کہ محمد ہم کو تو دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ''رحمان'' کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب سا آیت میں دیا گیا کہ ''اللہ'' اور ''رحمٰن'' ایک ہی ذات منبع الکمالات کے دو نام ہیں۔ صفات اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے کوئی نام لیکر پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عنوانات و تعبیرات کے تنوع سے معنون نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

عبارا تنا شتیٰ و حسنک واحدٌ
و کلّ الیٰ ذاک الجمال یشیر

وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ
اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ
بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا ﴿۱۱۰﴾
اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ ☆

قرآت درمیانی آواز سے کرو:

یعنی جہری نماز میں (اور اسی طرح دعاء وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) احادیث میں ہے کہ مکہ میں جب قرات زور سے کی جاتی تو مشرکین سن کر قرآن اور اسکے بھیجنے والے اور لانے والے کی شان میں بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سنیں (تبلیغ کا وقت مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں تو سنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سن کر مستفید نہ ہوسکیں۔ افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشویش نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بطریق بخاری ابو بشیر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قراءت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا اس کو سب کو برا کہتے تھے اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ یعنی قراءت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ ساتھی بھی نہ سن پائیں وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا اور

درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ بن لیں اور مشرکوں تک قراءت کی آواز نہ پہنچے۔ بغوی نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صلوٰۃ سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المومنین حضرت عائشہؓ، نخعی، مجاہد اور مکحول کا یہی قول ہے۔ بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق ابن عباسؓ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن اول روایت کو قوی الاسناد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے، نووی کے نزدیک اول روایت راجح ہے شیخ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعاء کے متعلق (غالباً) اس آیت کا نزول ہوا۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے میں اپنے بالاخانہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی آواز سنا کرتی تھی (یعنی مسجد سے بالکل متصل حضرت ام ہانی کے مکان کی بالائی منزل تک قراءت کی آواز پہنچتی تھی) رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت:

حضرت عبداللہ بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی بابت دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا چپکے چپکے قراءت کرتے تھے یا جہر کے ساتھ فرمایا، ہر طرح پڑھتے تھے کبھی چپکے چپکے پڑھتے تھے، کبھی جہر کے ساتھ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔ بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبداللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تم پست آواز سے قراءت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گذرا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو (ہی) سنا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا، میں تمہاری طرف سے گذرا تھا تو تم (قرآن پڑھنے میں) آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں (اپنی قراءت سے) سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔

ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوقتادہ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ قراءت جہری اور سری کے کچھ مسائل ہم نے سورہ اعراف کی آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ..... وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ میں بیان کیے ہیں اور جہر و اخفاء کا ذکر ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کی تفسیر میں کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ قراءت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آواز کو اٹھاتے تھے اور کبھی پست کرتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر ہوتے تھے تو آپ کی قراءت اتنی آواز سے ہوتی تھی کہ حجرہ کے اندر والے سن لیتے تھے۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ کی قراءت کی کیفیت (خود) پڑھ کر بتائی اور ایک ایک لفظ کھول کھول کر (پڑھ کر) بتایا، رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا
اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد
وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن
اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار
لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾
ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر ☆

توحید خالص:

نماز کے بعد توحید خالص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب و قصور اور نقص و فتور سے بکلی منزہ ہے۔ ان کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں۔ اس آیت میں تینوں کی نفی کر دی۔ گویا ''لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا'' میں پہلے احتمال کی ''لَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ'' میں دوسرے کی اور ''لَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ'' میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا میں اس کی عظمت و کبریاء کی طرف متوجہ فرما دیا یعنی انسان کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کمزوریوں سے رفیع و برتر سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ''لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا'' میں نصاریٰ کا ''لَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ'' میں مشرکین کا اور ''وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ'' میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکا (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت یعنی اس پر کبھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہیے۔ بادشاہوں کے ہاں امیر زیر پڑ جاتے ہیں اس لئے کہ برے وقت ان کی رفاقت کیے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں''

تم سورة الاسراء بعون الله و حسن توفيقه فلله الحمد والمنة و الصلوٰة و السلام علىٰ صاحب الاسراء و علىٰ آله و صحبه. (تفسیر عثمانی)

آیتِ عزت:

امام احمد نے مسند میں نیز طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت معاذ جہنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا آخر سورہ تک، آیتِ عزت ہے۔

اپنے قصور کا اعتراف کرو:

آیت میں اس امر پر تنبیہ کہ بندہ اللہ کی تنزیہ اور تحمید کتنی بھی کرتا ہو اور کتنی ہی اللہ کی حمد وثنا کرے اور کتنی ہی عبادت کرے پھر بھی اس کو اقرار کرنا چاہیے کہ حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔

حمد کرنے کی فضیلت:

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔ رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم۔

حمد اور شکر:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمد شکر کی چوٹی (یعنی مدار) ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ رواہ البیہقی وعبدالرزاق فی الجامع۔

سب سے افضل دُعاء اور ذکر:

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑھیا دعا الحمدللہ ہے اور سب سے اعلیٰ ذکر لا الہ الا اللہ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

سب سے پیارے جملے:

حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پیارے چار جملے ہیں، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمدللہ جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم واحمد بسند صحیح۔ بغوی نے مذکورہ بالا چاروں احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت طبرانی نے ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سب بندوں میں بڑھیا درجہ والے وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ بندہ کا سبحان اللہ وبحمدہ کہنا اللہ کو بہت ہی محبوب ہے۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی

الحمد لله رب العلمين و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعين. (تفسیر مظہری)

سب سے پہلے بچہ کو یہ آیت سکھلاؤ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ زبان کھولنے کے قابل ہوجاتا تو اس کو آپ یہ آیت سکھادیتے تھے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔ (مظہری)

بیماری اور تنگدستی کا علاج:

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا آپ نے پوچھا تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا، اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال کردیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی وہ کلمات یہ تھے توکلت علی الحی الذی لا یموت الحم لله الذی لم یتخذو لدا. الآیة اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس نے عرض کیا کہ جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کو پڑھتا ہوں (ابویعلی وابن سنی از مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا واقعہ:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا یا آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ راہ چلتے ایک شخص کو آپ نے دیکھا نہایت ردی حالت میں ہے۔ اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا حضورؐ بیماریوں اور نقصانات نے میری یہ درگت کررکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں کچھ وظیفہ بتادوں کہ یہ دکھ بیماری سب کچھ جاتی رہے؟ اس نے کہا ہاں ہاں یارسول اللہ! ضرور بتلایئے، احد اور بدر میں آپ کے ساتھ نہ ہونے کا افسوس میرا جاتا رہے گا۔ اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا تو بدری اور احدی صحابہ کے مرتبے کو کہاں سے پاسکتا ہے تو ان کے مقابلے میں محض خالی ہاتھ اور بے سرمایہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا یا رسول اللہ! انھیں جانے دیجئے آپ مجھے بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ابوہریرہ یوں کہو توکلت علی الحق الذی لا یموت الحمد لله الذی لم یتخذ ولداً الخ میں نے یہ وظیفہ پڑھنا شروع کردیا چند دن گزرے تھے کہ میری حالت بہت ہی سنور گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور پوچھا ابوہریرہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ان کلمات کی وجہ سے خدا کی طرف سے برکت ہے۔ جو آپ نے مجھے سکھائے تھے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

صابیوں اور مجوسیوں کا غلط اعتقاد:

صابی اور مجوسی کہتے تھے کہ اگر اولیاء اللہ نہ ہوں تو خدا سارے انتظام آپ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

تمت سورۃ بنی اسرائیل والحمدللہ

سُورَۃُ الکھف

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی عمر دراز ہوگی اور اس کی حالت درست ہوگی اور جس قوم سے پناہ حاصل کرے گا ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ
سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب
وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ۜ
اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی ☆

نزول کتاب کی نعمت کا شکریہ:

یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہی خدا ہوسکتا ہے جس نے اپنے مخصوص ومقرب ترین بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ واکمل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف وممتاز فرمایا۔ بیشک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں عبارت انتہائی سلیس وفصیح، اسلوب بیان نہایت موثر وشگفتہ تعلیم متوسط ومعتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط اور تفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بندوں کو تکمیل انسانیت کا راستہ بتاتا ہے، معاش ومعاد کو درست کرنے والی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہی نے بندوں کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے اس لئے اس نے انعام قرآن کا ذکر کرکے خود اپنی ثناء کی اور اس نے بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی (در پردہ) تعلیم بھی دیدی۔

قرآن مخلوق نہیں ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے آیت قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ کی تفسیر میں غَيۡرَ ذِىۡ عِوَجٍ کا ترجمہ غیر مخلوق کیا ہے اس تفسیر کی روشنی میں بعض علماء نے لَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا کا ترجمہ اور مرادی معنی یہ بیان کیا کہ اللہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کیا، یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ کہف کی خصوصیات اور فضائل

فتنۂ دجال سے حفاظت:

مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے ایک روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا، اور کتب مذکورہ میں حضرت ابوالدرداءؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرنے کے متعلق منقول ہے۔

نور کا حصول:

اور مسند احمد میں بروایت حضرت سہل بن معاذؓ یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی اور آخری آیتیں پڑھ لے اس کے لئے اس کے قدم سے سر تک ایک نور ہو جاتا ہے اور جو پوری سورت پڑھ لے تو اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہو جاتا ہے۔

ہفتہ بھر کے گناہ معاف:

اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرلے، اس کے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک نور ہو جائے گا، جو قیامت کے دن روشنی دے گا، اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک کے اس کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (امام ابن کثیر نے اس روایت کو موقوف قرار دیا ہے)

ہر فتنہ سے حفاظت:

اور حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب مختارہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہر فتنہ سے معصوم رہے گا، اور اگر دجال نکل آئے تو یہ اس کے فتنہ سے بھی معصوم رہے گا، (یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)۔

ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئی:

روح المعانی میں دیلمی سے بروایت حضرت انسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ کہف پوری کی پوری ایک وقت میں نازل ہوئی، اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے جس سے اس کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فتنہ سے بھاگ جانا دین کا شعبہ ہے:

حق جل شانہٗ نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ یہ چند باہمت جوان

تھے کہ جو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لے کر بھاگے، اور ایک غار میں جا کر چھپے، جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں ایک باب یہ منعقد فرمایا ہے۔ باب من الدین الفرار من الفتن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچانے کے لئے بھاگ کر کسی پہاڑ اور غار میں جا چھپنا یہ بھی ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ اور دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت بھی اسی فرار من الفتن کا ایک فرد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور اصحاب کہف:

اور جس طرح گزشتہ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کے وقت یہ دعاء بتلائی گئی۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا خروج صدق ہوا اور مدینہ میں داخل ہونا دخول صدق ہوا اسی طرح اصحاب کہف کا اپنے شہر سے نکلنا جہاں کفر اور شرک کا فتنہ برپا تھا یہ خروج صدق ہوا پھر شہر سے نکل کر کہف (غار) میں عزلت گزیں اور گوشہ نشیں ہو جانا یہ دخول صدق ہوا اور اس خلوت و عزلت کی برکت سے خداوند ذوالجلال کی رحمت و کرامت کے مورد بنے کما قال تعالیٰ حکایة عنهم وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔

گناہ کی جگہ کو چھوڑنا:

خدا تعالیٰ کی محبت میں اس جگہ کو چھوڑ دینا کہ جہاں خدا کی معصیت جاری ہو اور کسی غار اور پہاڑ میں جا کر چھپ جانا کہ خدا کا دشمن (کافر) نظر ہی نہ آئے یہ خود ایک عظیم عبادت ہے

با محبان باش دائم ہم نشین تا توانی روئے اعدا را مبین

خلوت و گوشہ نشینی:

صحیح بخاری میں ہے وکان یخلو بغار حرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت و عزلت فرماتے تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ خلوت اور عزلت ایسی عظیم چیز ہے کہ مبادی نبوت میں سے ہے جیسا کہ اخلاص نیت اور رویائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہے۔

سورۂ اسراء اور سورۂ کہف میں ربط:

سورۂ اسراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج اور سیر سموت اور علو اور رفعت کا بیان تھا اب سورۃ الکہف میں غار اور پہاڑ کی خلوت کا بیان ہے جو شان ولایت ہے اور پھر اس کرامت کا بیان ہے جو اس عزلت گزینی اور گوشہ نشینی پر اصحاب کہف کو عطا ہوئی اور پھر اس سورت کو ذوالقرنین کے قصہ پر ختم فرمایا جو سلطنت اور ولایت اور فقیری اور امیری دونوں کا جامع تھا اور اس شعر کا مصداق تھا۔

بود شاہے در زماں پیش زیں ملک دنیا بودش ہم ملک دیں

خلافتِ الٰہیہ:

جب نبوت اور بادشاہت ایک کمبل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت الٰہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفہ الٰہی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام یہ دونوں خلیفہ الٰہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری کسی ایک کمبل اور گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے بادشاہت اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

جہاں از رنگ و بو ساز دا سیرت ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دلکشش را اعتبار یست نہ بوئے دلفریبش را مداریست

(معارف کاندھلویؒ)

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ
ٹھیک اتاری تاکہ ڈر سنا دے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے ☆

یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دنیا یا آخرت میں خداوند قہار کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔

تنبیہ: قیماً کو بعض بمعنی "مستقیم" لے کر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے۔ یعنی کتنا ہی غور کرو ایک بال برابر کجی نہیں پاؤ گے مگر فراء نے اس لفظ کے معنی کئے ہیں "قیماً علیٰ سائر الکتب السماویہ" یعنی تمام کتب سماویہ کی صحت و تصدیق پر مہر کرنے والی اور ان کی اصولی تعلیمات کو دنیا میں قائم رکھنے والی۔ ابومسلم نے کہا "قیماً بمصالح العباد" بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور ان کی معاش و معاد کو درست کرنے والی۔ بہرحال جو معنی بھی لئے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾
نیکیاں کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے جس
مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾
جس میں رہا کریں ہمیشہ ☆

بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قانتین کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾
اور ڈر سنا دے ان کو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد ☆

اللہ کی اولاد تجویز کرنے والوں کو تنبیہ:

خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے۔ تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، یا بعض مشرکین جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہوگئے، گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کا بالخصوص اور نصاریٰ کو اخص خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کو صاحب اولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ
کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ
کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے
اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾
سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں ☆

اللہ کی شان سے ناواقف:

یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت وسبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل وبراہین کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہ ہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے چلے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہہ دیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ، یعنی اللہ کی (مفروضہ) اولاد کا یا اولاد قرار دینے کا اس (کفریہ) بات کا ان کو کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ کہ جو بات زبان سے نکالتے اور جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی حقیقت کا ان کو کوئی علم نہیں، محض جہالت یا توہم پرستی یا دوسروں کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں خود ان کو اپنے کلام کی مراد معلوم نہیں، باپ (اپنے) بیٹے (ابن) کا اطلاق ان کے نزدیک موثر اور اثر پر بھی ہوتا ہے اور نسبی باپ بیٹے پر بھی اگر ان کو اس لفظ کی مراد معلوم ہوتی اور نسبی باپ بیٹا مراد ہوتا تو ایسا لفظ کبھی نہ بولتے، یہ بات جو ان کی زبانوں سے نکل رہی ہے بڑی کفریہ ہے اس سے مخلوق کا خالق جیسا ہونا، اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا اور اللہ کا محتاج ہونا اور اپنا جانشین بنانے کا ضرورت مند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بہت بڑا کفر:

کبرت کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کفر کے اعتبار سے یہ (کفریہ) بات بڑی ہے۔ دوسرا معنی کبرت کا بئست ہے یعنی یہ بات بری ہے۔ کلمہ کا استعمال پورے کلام بلکہ پورے قصیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے اس جگہ کلام (بات) ہی مراد ہے۔ بات کی آواز تو منہ سے ہی نکلتی ہے اس آیت میں تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کا لفظ بڑھا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی جرات کفر بہت زیادہ ہے کہ کلمہ کفر اپنے منہ سے (دانستہ) نکالتے ہیں۔ جھوٹ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس بات کی واقع میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے
اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾
اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر ☆

آپ اپنے آپ کو نہ گھلائیں:

یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلا ئیے نہیں۔ آپ تبلیغ ودعوت کا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچھتانا مناسب ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہوسکی۔ آپ تو بہر حال کامیاب ہیں۔ دعوت وتبلیغ اور شفقت وہمدردی خلائق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشقیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا
ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق
لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾
تا کہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام ☆

اچھے عمل والا کون:

یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اسے چھوڑ کر آخرت کو پکڑتا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ "اَحْسَنُ عَمَلًا" کون لوگ ہیں؟ فرمایا "احسنکم عقلاً واورعکم عن محارم اللہ واسرعکم فی طاعتہ سبحانہ" (جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے) (تفسیر عثمانی)

حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شک نہیں کہ دنیا سرسبز اور شیریں ہے اور اللہ تم کو (پچھلوں کا) جانشین اس دنیا میں بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مَا عَلَى الْاَرْضِ سے صرف انسان مراد ہیں بعض اہل تفسیر کے نزدیک صرف علماء اور صلحاء مراد ہیں۔

ہر چیز حسین ہے:

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں مَا عَلَى الْاَرْضِ سے اگر ہر موجود ارضی مراد ہو تو ناممکن نہیں ہے کیونکہ مجموعی طور پر بحیثیت اجمال پورا نظام حسین ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کو تحسین میں دخل ہے کیونکہ ہر (ذاتی حسین) چیز کا حسن اضافی ہے اگر قبیح کا وجود نہ ہو تو حسین کا جمال معلوم نہ ہو (پس قبیح کو بھی زینت ارض میں دخل ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ؏
اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر ☆

یہ سب رونق فانی ہے:

یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ وگلزار بنا دو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور وطمانیت اور ابدی نجات وفلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

آخری کامیابی کس کو ملے گی:

آخری اور دائمی کامیابی صرف انہی کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل وفانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں۔ اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جباروں کی تخویف وترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی کر دی کہ آپ ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلایئے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش وبہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی جائیگی اور آخر کار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔ اس وقت سارے جھگڑے چکا دیئے جائینگے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ
کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے
وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ؏
رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچنبھا تھے ☆

قدرتِ الٰہی کیلئے کچھ مشکل نہیں ہے:

یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچنبھا نہیں جسے حد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے، زمین، آسمان، چاند، سورج وغیرہ کا پیدا کرنا ان کا محکم نظام قائم رکھنا، انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، ان کی قلیل وبے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ:

خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر "غار ثور" میں تین روز ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر ان کو بے نیل ومرام واپس لوٹانا آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق ومغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب ومنصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بے شمار چیزیں "اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟

شانِ نزول:

اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آزمائش کیلئے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا کیا قصہ تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگذشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لئے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں جیسے تم سمجھتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب وغریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

اصحابِ کہف کا اجمالی قصہ:

آگے "اصحاب کہف" کا قصہ اول مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم وجبار بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے "دقیانوس" بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر واکراہ

سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چند روزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الٰہی اور نور تقویٰ سے بھرپور تھے حق تعالیٰ نے صبر واستقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جا کر بھی انہوں نے "لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا" کا نعرہ مستانہ لگایا اور ایمانی جرات واستقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت وحیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل ومصالح مانع ہوئے کہ انہیں فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور ونظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر وتشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعا کی کہ خداوندا تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنا دے اور رشد وہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تا ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال واخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے۔ جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے اقارب واعزہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعۃً نیند طاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سراغ نکلے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

اصحاب کہف کا مذہب کیا تھا:

یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔

رقیم کا معنیٰ:

تنبیہ: "رقیم" پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی "مرقوم" بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حمیدؒ کی ایک روایت سے جسے حافظ نے علی شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے "رقیم" کے دوسرے معنی منقول ہیں۔ یعنی "اصحاب کہف" اور "اصحاب رقیم" ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کی وجہ سے "اصحاب کہف" کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام وصفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی، اس لئے "اصحاب رقیم" کہلائے مگر مترجم محقق رحمہ اللہ نے پہلے معنی لئے ہیں اور بہر صورت "اصحاب کہف" و "اصحاب رقیم" کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

اصحابِ رقیم:

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اصحاب رقیم" کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا۔ محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ دیدیا گیا۔ اور فی الحقیقۃ اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اوپر سے ایک بڑا پتھر آپڑا، جس نے غار کا منہ بند کر دیا، اس وقت ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دیکر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ "اصحاب رقیم" یہ لوگ ہیں۔ طبرانی اور بزار نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "رقیم" کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سعید کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں قرآن میں ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ، پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور یہی امام ابن جریرؒ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اصحابِ رقیم کا تفصیلی واقعہ:

عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت نعمان بن بشیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب الرقیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ تین شخص تھے جو ایک غار میں جا گھسے تھے۔

امام احمد اور ابن المنذر نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت بیان کی کہ گزشتہ لوگوں میں تین آدمی تھے جو گھر والوں کے لئے معاش کی جستجو میں چل دیئے راستے میں بارش آگئی، وہ ایک غار میں پناہ گیر ہوگئے۔ جونہی غار کے اندر داخل ہوئے ایک چٹان (دروازے کی طرف) آپڑی، اور غار کا دروازہ بند ہوگیا۔ ایک شخص بولا (بھائیو) جس کسی نے جو بھی کوئی نیک کام کیا ہو اس وقت اس کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرے، شاید اللہ اس کی برکت سے ہم پر رحم

فرمادے۔ چنانچہ ایک نے کہنا شروع کیا میں نے ایک روز کچھ مزدور کام کرانے کے لئے رکھے۔ ایک مزدور دوپہر کو آیا لیکن اس نے باقی آدھے دن میں اتنا کام کیا جتنا دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، میں نے اس کو مزدوری دوسروں کے برابر دیدی۔

دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص کو اس پر غصہ آ گیا، اور وہ اپنی مزدوری میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری گھر کے کسی گوشے میں رکھ دی، کچھ مدت کے بعد میں نے اس مزدوری سے بکری کا ایک بچہ خرید لیا اور اس کی نسل بڑھتے بڑھتے اللہ کی مشیت کے مطابق بہت ہوگئی، مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس لوٹ آیا بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا میں نے اس کو پہچانا بھی نہیں کہنے لگا میرا آپ کے پاس کچھ حق ہے، پھر اس نے اپنے حق کی یاددہانی کی اس وقت میں نے اس کو پہچانا اور میں نے سارا مال (یعنی بچہ کی نسل کے سارے جانور) اس کو دیدیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ محض تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے چنانچہ پتھر میں اتنا شگاف ہوگیا کہ روشنی نظر آنے لگی۔

دوسرے نے کہا میرے پاس دولت تھی ایک بار (سخت قحط پڑا) لوگ تنگ حال ہوگئے، ایک عورت میرے پاس آئی اور کچھ خیرات مانگی، میں نے کہا تیرے معاوضہ میں سے دے سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلی گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے اپنے شوہر سے جا کر اس کا ذکر کیا، شوہر نے کہا اپنے بچوں کی مدد کیلئے اس کی درخواست مان لے۔ عورت میرے پاس آئی اور اپنے آپ کو میرے سپرد کردیا میں نے اس کا کپڑا کھولا اور کچھ کرنا چاہا تو وہ کانپنے لگی میں نے لرزہ کی وجہ دریافت کی کہنے لگی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تو اس سختی میں اس سے ڈرتی ہے، اور میں فراخ حالی میں اس سے نہ ڈروں، ایسا نہیں ہوسکتا، پھر میں نے اس کو یونہی چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا، وہ دے دیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو تو اس کو کھول دے فوراً پتھر اتنا پھٹ گیا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تیسرے نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے، اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں والدین کو کھلا پلا کر بکریاں لے کر (جنگل کو) جاتا تھا، ایک روز بکریوں (کے گم ہونے یا منتشر بکریوں کو جمع کرنے) کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا پھر گھر آ کر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے یونہی صبح تک کھڑا انتظار کرتا رہا آخر صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پلایا، اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہو تو اس کو ہم سے کھول دے چنانچہ اللہ نے وہ چٹان کھول دی اور سب باہر نکل آئے، واللہ اعلم۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح میں اصحاب الکہف اور اصحاب الرقیم دو عنوان الگ الگ دیئے، پھر اصحاب الرقیم کے تحت میں وہ مشہور تین شخصوں کے غار میں بند ہو جانے پھر دعاؤں کے ذریعہ راستہ کھل جانے کا ذکر کیا ہے، جو تمام کتب حدیث میں مفصل موجود ہے، امام بخاری کی اس صنیع سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک اصحاب کہف ایک جماعت ہے اور اصحاب رقیم ان تین شخصوں کو کہا گیا ہے جو کسی زمانے میں غار میں چھپے تھے، پھر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اس غار کے دہانے پر آ گرا جس سے غار بالکل بند ہوگیا، ان کے نکلنے کا راستہ نہ رہا، ان تینوں نے اپنے اپنے خاص نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی کہ یہ کام اگر ہم نے خالص آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو اپنے فضل سے ہمارا راستہ کھول دے، پہلے شخص کی دعا سے پتھر کچھ سرک گیا، روشنی آنے لگی دوسرے کی دعا سے اور زیادہ سرکا، پھر تیسرے کی دعا سے راستہ بالکل ٹھیک کھل گیا۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ واضح کیا ہے کہ از روئے روایت حدیث اس کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے کہ اصحاب رقیم مذکورہ تین شخصوں کا نام ہے بات صرف اتنی ہے کہ واقعہ غار کے ایک راوی حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں بعض راویوں نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رقیم کا ذکر کرتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں بند رہ جانے والے تین آدمیوں کا واقعہ سنا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر شارح بخاریؒ نے اصحاب کہف ورقیم کے دو الگ الگ جماعتیں ہونے سے انکار فرمایا، اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی جماعت کے نام ہیں، غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا ذکر رقیم کے ذکر کے ساتھ آ گیا ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی تین شخص اصحاب الرقیم تھے۔

قرآن کا طرز اور جدید تحقیقات:

قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اصول اور اسلوب خاص کے تحت سارے قرآن میں ایک قصہ یوسف علیہ السلام کے سوا کسی قصے کو پوری تفصیل اور ترتیب سے بیان نہیں کیا، جو عام تاریخی کتابوں کا طریقہ ہے، بلکہ ہر قصے کے صرف وہ اجزاء موقع بموقع بیان فرمائے ہیں جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔ (قصہ یوسف علیہ السلام کو اس اسلوب سے مستثنیٰ کرنے کی وجہ سورۂ یوسف کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔)

اکابر صحابہ وتابعین کے اس طرز عمل کا مقتضی یہ تھا کہ اس تفسیر میں بھی ان اجزاء قصہ کو نظر انداز کر دیا جائے جن کو قرآن اور حدیث نے نظر انداز کیا ہے لیکن یہ زمانہ وہ ہے جس میں تاریخی اور جغرافیائی انکشافات ہی کو سب سے بڑا کمال سمجھ لیا گیا ہے، اور متاخرین علمائے تفسیر نے اسی لئے کم وبیش ان اجزاء کو بھی بیان فرمادیا ہے، اس لئے زیر نظر تفسیر میں قصے کے وہ اجزاء جو خود

قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان تو آیات قرآن کی تفسیر کے تحت میں آجائے گا، باقی تاریخی اور جغرافیائی اجزائے قصہ کو یہاں بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے اور بیان کرنے کے بعد بھی آخری نتیجہ وہی رہے گا کہ ان معاملات میں کوئی قطعی فیصلہ ناممکن ہے۔

رقیم شہر:

قرطبی نے سب سے پہلے تو ضحاک کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ رقیم روم کے ایک شہر کا نام ہے جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں، پھر امام تفسیر ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں وہاں کے مجاورین یہ کہتے ہیں کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں اور اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے اور ان مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

غرناطہ کا واقعہ:

اور دوسرا واقعہ اندلس غرناطہ کا نقل کیا ہے، ابن عطیہ کہتے ہیں کہ غرناطہ میں ایک لوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، اور ان کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے ان میں سے اکثر لاشوں پر گوشت باقی نہیں رہا، صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں اور بعض پر اب تک گوشت پوست بھی موجود ہیں، اس پر صدیاں گزر گئیں مگر صحیح سند سے انکا کچھ حال معلوم نہیں، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں۔

ابن عطیہ کا مشاہدہ:

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میں خود ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ لاشیں اسی حالت پر پائیں اور ان کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے، اور ایک رومی زمانے کی تعمیر بھی ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں کوئی عالیشان محل ہوگا اس وقت تک بھی اس کی بعض دیواریں موجود ہیں، اور یہ ایک غیر آباد جنگل میں ہے، اور فرمایا کہ غرناطہ کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار ونشانات پائے جاتے ہیں جو رومیوں کے طرز کے ہیں، اس شہر کا نام رقیوس بتلایا جاتا ہے ہم نے اس کے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں، قرطبی جو اندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کو نقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف کہنے سے گریز کرتے ہیں، اور خود ابن عطیہ نے بھی اپنے مشاہدے کے باوجود یہ جزم نہیں کیا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں، محض عام شہرت نقل کی ہے، مگر دوسرے اندلسی مفسر ابوحیان جو ساتویں صدی ۶۵۴ھ میں خاص غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں رہے، بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحرمحیط میں غرناطہ کے اہل غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح قرطبی نے کیا ہے، اور ابن عطیہ کے اپنے مشاہدہ کا ذکر لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم جب اندلس میں تھے، (یعنی قاہرہ منتقل ہونے سے پہلے) تو بہت لوگ اس غار کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگرچہ وہ لاشیں اب تک وہاں موجود ہیں، اور زیارت کرنے والے ان کو شمار بھی کرتے ہیں مگر ہمیشہ ان کی تعداد بتانے میں غلطی کرتے ہیں پھر فرمایا کہ ابن عطیہ نے جس شہر رقیوس کا ذکر کیا ہے جو غرناطہ کی جانب قبلہ میں واقع ہے تو اس شہر سے میں خود بے شمار مرتبہ گزرا ہوں، اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں ویترجح کون اهل الكهف بالاندلس لكثرة دين النصارىٰ بهاحتىٰ هى بلاد مملكتهم العظمىٰ (تفسیر بحرمحیط ص۱۰۲ ج۶) "یعنی اصحاب کہف کے اندلس میں ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قرینہ ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب سے بڑی مذہبی مملکت ہے"۔ اس میں یہ بات واضح ہے کہ ابوحیان کے نزدیک اصحاب کہف کا اندلس میں ہونا راجح ہے۔ (تفسیر قرطبی)

وادیٔ رقیم کا غار:

امام تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام ہے جو فلسطین سے نیچے ایلہ (عقبہ) کے قریب ہے، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور چند دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے لیکن میں نے کعب احبار سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف غار میں جانے سے پہلے مقیم تھے۔ (روح المعانی)

حضرت معاویہؓ کا واقعہ:

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ رومیوں کے مقابلے میں ایک جہاد کیا جس کو غزوۃ المضیق کہتے ہیں اس موقع پر ہمارا گزر اس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے حضرت معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں مگر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مشاہدہ کرنے سے اس ہستی کو بھی منع کر دیا ہے جو آپ سے بہتر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (یعنی آپ ان کو دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھاگیں گے اور رعب وہیبت سے مغلوب ہو جائیں گے)۔ مگر حضرت معاویہؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات

کو شاید اس لئے قبول نہیں کیا کہ قرآن کریم نے ان کی جو حالت بیان کی ہے یہ وہ ہے جوان کی زندگی کے وقت تھی یہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی وہی حالت ہو اس لئے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا، وہ غار پر پہنچے، مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا (روح المعانی ص ۲۲۷ ج ۱۵)

اصحاب کہف کا شہر:

اور تقریباً تمام تفاسیر قرطبی، ابوحیان، ابن جریر وغیرہ کی روایات میں اصحاب کہف جس شہر میں رہتے تھے اس کا قدیم نام افسوس اور اسلامی نام طرسوس بتلایا گیا ہے اس شہر کا ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر ہونا اہل تاریخ کے نزدیک مسلم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار بھی ایشیائے کوچک میں ہے، اس لئے کسی ایک کو قطعی طور پر صحیح اور باقی کو غلط کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔

جدید مورخین کی تحقیق:

عصر حاضر کے بعض مورخین اور علماء نے مسیحی تاریخوں اور اہل یورپ کی تواریخ کی مدد سے غار اصحاب کہف کی جگہ اور زمانہ متعین کرنے کے لئے کافی بحث و تحقیق کی ہے۔

ابوالکلام صاحب آزاد نے ایلہ (عقبہ) کے قریب موجودہ شہر پٹرا جس کو عرب مورخین بطرا لکھتے ہیں اس کو قدیم شہر رقیم قرار دیا ہے، اور موجودہ تاریخوں سے اس کے قریب پہاڑ میں ایک غار کے آثار بھی بتلائے ہیں جس کے ساتھ کسی مسجد کی تعمیر کے آثار بھی بتلائے جاتے ہیں اس کی شہادت میں لکھا ہے کہ بائبل کی کتاب یشوع (باب ۱۸، آیت ۲۷) میں جس جگہ کو رقیم یا راقم کہا ہے یہ وہی مقام ہے جس کو اب پٹرا کہا جاتا ہے مگر اس پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ کتاب یشوع میں جو رقم یا راقم کا ذکر بنی بن یمین کی میراث کے سلسلے میں آیا ہے اور یہ علاقہ دریائے اردن کے اور بحر لوط کے مغرب میں واقع تھا جس میں شہر پٹرا کے ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس لئے اس زمانے کے محققین آثار قدیمہ نے اس بات کے ماننے میں سخت تامل کیا ہے کہ پٹرا اور راقم ایک چیز ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع ۱۹۴۶ء)

اور عام مفسرین نے اصحاب کہف کی جگہ شہر افسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر تھا، جس کے کھنڈرات بھی موجودہ ٹرکی کے شہر ازمیر (سمرنا) سے ۲۰، ۲۵ میل بجانب جنوب پائے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے بھی ارض القرآن میں شہر پٹرا کا ذکر کرتے ہوئے بین القوسین (رقیم) لکھا ہے مگر اس کی کوئی شہادت پیش نہیں کی کہ شہر پٹرا کا پرانا نام رقیم تھا، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں اسی کو اختیار فرمایا اور اس کی شہادت میں توراۃ سفر عدد اور صحیفہ سعیاء کے حوالہ سے شہر پٹرا کا نام راقمہ بیان کیا ہے (ماخوذ از دائرۃ المعارف عرب)

مملکت اردن میں عمان کے قریب ایک سنسان جنگل میں ایک غار کا پتہ لگا تو حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۶۳ء میں اس جگہ کھدائی کا کام جاری کیا تو اس میں مٹی اور پتھروں کے ہٹانے کے بعد ہڈیوں اور پتھروں سے بھرے ہوئے چھ تابوت اور دو قبریں برآمد ہوئیں، غار کی جنوبی سمت میں پتھروں پر کندہ کچھ نقوش بھی دریافت ہوئے جو بزنطینی زبان میں ہیں، یہاں کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہی جگہ رقیم ہے جس کے پاس اصحاب کہف کا یہ غار ہے، واللہ اعلم۔

حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں تفسیر حقانی کے حوالہ سے اصحاب کہف کی جگہ اور مقام کی تاریخی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ظالم بادشاہ جس کے خوف سے بھاگ کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی، اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا، پھر تین سو سال تک یہ لوگ سوتے رہے، تو مجموعہ ۵۵۰ء ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے یہ واقعہ ان کے بیدار ہونے کا پیش آیا، اور تفسیر حقانی میں بھی ان کا مقام شہر افسوس یا طرسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک میں تھا، اب اس کے کھنڈرات موجود ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

یہ تمام تاریخی اور جغرافیائی تفصیلات ہیں جو قدمائے مفسرین کی روایات سے پھر جدید مورخین کے بیانات سے پیش کی گئی ہیں۔

جن سے تقریبی اور تخمینی طور پر اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب پیش آیا، اور بیشتر روایات اس کے شہر السوس یا طرسوس کے قریب ہونے پر متفق نظر آتی ہیں، واللہ اعلم۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تحقیقات کے بعد بھی ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے چلے تھے کہ مقام متعین کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے کی جا سکتی ہے

اجتماعیت کی اصل بنیاد:

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ لوگ تو باہمی اجتماع کا سبب قومیت اور جنسیت کو سمجھتے ہیں مگر حقیقت وہ ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ درحقیقت اتفاق و افتراق اول ارواح میں پیدا ہوتا ہے اس کا اثر اس عالم کے ابدان میں پڑتا ہے، جن روحوں کے درمیان ازل میں مناسبت اور اتفاق پیدا ہوا وہ یہاں بھی باہم مربوط اور ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور جن میں یہ مناسبت اور باہمی توافق نہ ہوا بلکہ وہاں علیحدگی رہی ان میں یہاں بھی علیحدگی رہے گی، اسی واقعہ کی مثال کو دیکھو کہ کس طرح الگ الگ ہر شخص کے دل میں ایک

ہی خیال پیدا ہوا اس خیال نے ان سب کو غیر شعوری طور پر ایک جگہ جمع کر دیا۔

ان نو جوانوں کا بادشاہ کے سامنے پیش ہونا:

اب یہ ایک متحد الخیال جماعت ایک دوسرے کی رفیق اور دوست ہوگئی اور انہوں نے الگ ایک عبادت گاہ بنالی، جس میں جمع ہو کر یہ لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے لگے، مگر شدہ شدہ ان کی خبر شہر میں پھیل گئی، اور چغل خوروں نے بادشاہ تک ان کی خبر پہنچادی، بادشاہ نے ان سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا، یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان کے عقیدے اور طریقے کے متعلق سوال کیا، اللہ نے ان کو ہمت بخشی، انہوں نے بغیر کسی خوف وخطر کے اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا، اور خود بادشاہ کو بھی اس کی طرف دعوت دی، اسی کا بیان قرآن کریم کی آیات میں اس طرح آیا ہے:

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ (الی قولہ) کذباً۔

ابتدائی دھمکی:

جب ان لوگوں نے بادشاہ کو بیباک ہو کر دعوت ایمان دی تو بادشاہ نے اس سے انکار کیا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، اور ان کے بدن سے وہ عمدہ پوشاک جوان شہزادوں کے بدن پر تھی اتروادی، تاکہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں غور کریں، اور غور کرنے کے لئے چند روز کی مہلت یہ کہہ کر دیدی کہ تم نو جوان ہو میں تمہارے قتل میں اس لئے جلدی نہیں کرتا کہ تم کو غور کرنے کا موقع مل جائے اب بھی اگر تم اپنی قوم کے دین ومذہب پر آجاتے ہو، تو تم اپنے حال پر رہو گے ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اپنے مومن بندوں پر تھا کہ اس مہلت نے ان لوگوں کے لئے راہ فرار کھول دی، اور یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر ایک غار میں روپوش ہوگئے۔

بادشاہ کا نام:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے اور بادشاہ کا نام دقیانوس بتلایا ہے، ابن اسحٰق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے بیدار ہونے کے وقت ملک پر دین مسیح علیہ السلام کے پابند جن لوگوں کا قبضہ ہوگیا تھا ان کے بادشاہ کا نام بیدوسیس تھا۔

اصحاب کہف کا مذہب:

مجموعہ روایات سے یہ بات تو بظن غالب ثابت ہو جاتی ہے کہ اصحاب کہف صحیح دین مسیح علیہ السلام پر تھے اور ان کا زمانہ بعد مسیح ہے اور جس بادشاہ مشرک سے بھاگے تھے اس کا نام دقیانوس تھا، تین سو نو سال کے بعد بیدار ہونے کے وقت جس نیک مومن بادشاہ کی حکومت تھی ابن اسحٰق کی روایت میں اس کا نام بیدوسیس بتلایا ہے۔

غار میں اصحاب کہف کی حالت:

دوسرا حال یہ بتلایا ہے کہ اصحاب کہف پر اتنے زمانہ دراز تک نیند مسلط کر دینے کے باوجود ان کے اجسام پر نیند کے آثار نہ تھے بلکہ ایسی حالت تھی کہ ان کو دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ وہ بھاگ رہے ہیں، عام مفسرین نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، بدن پر ڈھیلا پن جو نیند سے ہوتا ہے وہ نہیں تھا، سانس میں تغیر جو سونے والوں کے ہو جاتا ہے وہ نہیں تھا، ظاہر یہ ہے کہ یہ حالت بھی غیر معمولی اور ایک قسم کی کرامت ہی تھی جس میں بظاہر حکمت ان کی حفاظت تھی کہ کوئی ان کو سوتا ہوا سمجھ کر ان پر حملہ نہ کرے یا جو سامان ان کے ساتھ تھا وہ نہ چرالے، اور مختلف کروٹیں بدلنے سے بھی دیکھنے والے کو بیداری کا خیال ہو سکتا ہے اور کروٹیں بدلنے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ مٹی ایک کروٹ کو نہ کھالے۔

نیک صحبت کی برکات:

ابن عطیہ ؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بتلایا کہ میں نے ابوالفضل جوہریؒ کا ایک وعظ ۴۶۹ھ ہجری میں جامع مصر کے اندر سنا وہ برسر منبر یہ فرمارہے تھے کہ جو شخص نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ان کی نیکی کا حصہ اس کو بھی ملتا ہے، دیکھو اصحاب کہف کے کتے نے ان سے محبت کی اور ساتھ لگ لیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عطیہؒ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ایک کتا صلحاء اور اولیاء کی صحبت سے یہ مقام پا سکتا ہے تو آپ قیاس کر لیں کہ مومنین موحدین جو اولیاء اللہ اور صالحین سے محبت رکھیں ان کا مقام کتنا بلند ہوگا، بلکہ اس واقعہ میں ان مسلمانوں کے لئے تسلی اور بشارت ہے جو اپنے اعمال میں کوتاہ ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پوری رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

صحیح بخاری میں بروایت انسؓ مذکور ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکل رہے تھے مسجد کے دروازے پر ایک شخص ملا، اور یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ (جو اس کے آنے کی جلدی کر رہے ہو) یہ بات سن کر یہ شخص دل میں کچھ شرمندہ ہوا اور پھر عرض کیا کہ میں نے قیامت کے لئے بہت نماز، روزے اور صدقات تو جمع نہیں کئے، مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو (سن لو کہ) تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم یہ جملہ مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ خوشی کبھی نہ ہوئی تھی، اور اس کے بعد حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (الحمد للہ) میں اللہ سے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں، اس لئے اس کا امیدوار ہوں کہ ان کے ساتھ ہوں گا (قرطبی) (مظہری، معارف القرآن مفتی اعظم)

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ
جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی کھوہ میں پھر بولے اے رب
لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾
دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی درستی
فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾
پھر تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے

یعنی ایسی تھپکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے، ادھر ادھر کی کوئی خبر ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ، قابل ذکر ہے وہ وقت جب ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی تھی۔ یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہے۔ اوی فلان الی موضع فلاں شخص نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ غار بنجلوس پہاڑ میں تھا اس غار کا نام تھا جیرم۔

وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ یعنی ایمان اور مفارقت کفر پر قائم رہنے کی کوئی صورت ہمارے لئے تیار کر دے (اس مطلب پر امرنا سے مراد ہوگا ایمان اور ترک کفر) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو حق پر استقامت عطا فرما۔ اس وقت امرنا سے تمام معاملات زندگی مراد ہوں گے۔

اصحاب کہف کا قصہ:

محمد بن اسحاق اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور زبردستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا جس شخص کی نسبت سنتا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اس کو پکڑ وا لاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہو جانے کے درمیان اس کو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اس کو سنگسار کرتا اور عبرت ناک سزا دیتا جہاں جہاں اس کی حکومت تھی۔ سب جگہ یہی آفت برپا تھی روم کے شہروں میں ایک شہر افسوس تھا جس کو عرب طرسوس کہتے ہیں۔

شاہی خاندان کے نوجوان:

وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوئے ہیں۔ (دیکھو روح البیان ص ۲۲۱ جلد ۵)

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گزرے ہیں اور ان کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۶۶ جلد ۶ باب قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (معارف کاندھلوی)

بادشاہ کے مظالم:

بغوی نے لکھا ہے اصحاب کہف غار کے اندر پناہ گیر ہونے پر کیوں مجبور ہوئے علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں، محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے اور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہو گیا تھا بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہو گئے تھے، لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے، اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی ایک بادشاہ تھا اس کی حکومت بلاد روم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کرا دیتا اپنے ملک کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کرتا جو بت پرستی اختیار کر لیتا اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا اس کو قتل کرا دیتا تھا، حسب عادت ایک بار یہ شہر افسوس میں جا کر اترا، جو لوگ اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا، ورنہ قتل کر دیا جاتا۔ اور مقتولین کے ٹکڑے کر کے شہر پناہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔

مؤمن نوجوانوں کا عزم:

چند مومن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے۔ ایمان میں بڑے پختہ تھے اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہو کر زاری کے ساتھ انہوں نے دعا کی

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ ہمارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی جھوٹے معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے ورنہ یہ بڑی زیادتی اور حق سے تجاوز ہوگا اے رب اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کر دے ان کی مصیبت دفع کر دے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کر سکیں۔

گرفتاری اور بادشاہ کی پیشی:

یہ لوگ مسجد کے اندر سجدوں میں پڑے یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آ پہنچے اور سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کرو۔ یہ نوجوان پیش کیے گئے۔ سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو ورنہ میں تم کو قتل کرادوں گا مکسلمینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا بھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لئے حمد، بزرگی اور پاکی ہے، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے نجات اور خیر کے طلبگار ہیں، آپ جو چاہیں کریں ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتے۔ مکسلمینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی جواب دیا۔

ابتدائی سزا:

یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیرانہ کپڑے اتروا لیے جائیں۔ حکم کی تعمیل کر دی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہولوں تو تم کو وہ سزادوں گا جو تمہارے لئے میں نے تجویز کی ہے، تا ابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا اسی لئے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کر رہا اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کر لو۔ اس کے بعد ان کے سارے امیرانہ زیور اتار لیے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا (اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا)۔

نوجوانوں کا مشورہ:

جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا)۔ جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لئے رکھ لے پھر سب شہر کے قریب کوہ بنجلوس کے غار میں جا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ جب دقیانوس آ جائے تو اس کے سامنے آ کھڑے ہو جائیں پھر وہ جو کچھ چاہے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لئے تیار ہو کر دقیانوس کے پاس جانا چاہیے) حسب مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جا کر کچھ روپیہ لے آیا، کچھ اس میں سے خیرات کر دیا اور باقی اپنی گزر بسر کے لئے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہو گئے۔

کتے کی رفاقت:

ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہولیا وہ بھی غار میں چلا گیا، سب غار میں جا کر ٹھہر گئے کعب احبار کا بیان ہے اثناء راہ میں ایک کتا ان کے پیچھے ہولیا، انہوں نے بھگا دیا، لیکن وہ پھر لوٹ آیا انہوں نے پھر بھگا دیا کتا پھر لوٹ آیا ایسا چند مرتبہ کیا تو کتا بولا لوگو! تم چاہتے کیا ہو میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہارا چوکیدارا کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے۔ کل سات آدمی تھے ایک چرواہے کی طرف سے گزرے جس کے پاس کتا تھا، چرواہا بھی ان کا ہم مذہب ہو گیا اور ساتھ ہولیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آ گیا سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قریبی غار کی طرف چلے گئے (اور اس میں داخل ہو گئے) اور وہیں قیام پذیر ہو کر نماز روزے تحمید، تسبیح اور تکبیر (اللہ کی حمد کرنے اس کی پاکی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے) میں مشغول ہو گئے اس کے علاوہ ہر شغل کو چھوڑ دیا۔

ناظم امور:

اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر خوبصورت اور بہادر تھا شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکہ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا یا نہیں پھر لوٹ کر آ جاتا اور ساتھیوں کو مطلع کر دیتا اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے۔

شہر میں کھلبلی:

مدت کے بعد دقیانوس شہر میں (واپس) آیا اور سرداران شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا، اہل ایمان میں پھر کھلبلی مچ گئی، تملیخا بھی اس وقت

شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خریدنے گیا تھا۔ غریب تھوڑا سا کھانا لے کر روتا ہوا لوٹ آیا اور آ کر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ظالم شہر میں آ گیا ہے وہ اور اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں۔

نوجوانوں کی گھبراہٹ:

یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کرنے اور فتنہ سے پناہ مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ تمیلیخا نے کہا یارو! سروں کو اٹھاؤ کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے پھر سب نے کھانا کھایا، یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔

نیند کا غلبہ:

غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی، اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا رہا۔

بادشاہ کی پریشانی:

دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کرایا لیکن کسی کو نہ پا سکا کہنے لگا مجھے ان جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لئے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بار نہ ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں نافرمانوں بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہیے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دیدی تھی اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے تو توبہ ہی نہیں کی بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہو گیا اور اصحاب کہف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سرتابی کی۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی کی نہیں۔ پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا (یعنی فقیروں کو بانٹ دیا) یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

غار کا منہ بند کر دیا گیا:

اور کچھ آدمیوں کو کوہ بنجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کہف داخل ہوئے تھے اس کا منہ بند کرا دے۔ اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کہف کو عزت عطا فرما دے اور آنے والی قوموں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دے اور لوگوں کو دکھا دے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اٹھایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کرا دیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لئے قبریں بنا دو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں اس کا خیال تھا کہ اصحاب کہف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے، حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کہف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کہف سوتے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے۔ (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لئے کروٹ لینا ضروری تھا)۔

دو اور مؤمن اور اصحابِ کہف کا ریکارڈ:

شاہ دقیانوس کے خاندان میں دو آدمی مومن بھی تھے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ایک کا نام یندروس اور دوسرے کا رایاش تھا دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد اصحاب کہف کے نام نسب، خاندان اور پورا واقعہ رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر تانبے کی صندوق میں تختی کو رکھ کر ایک بنیاد میں صندوق کو اس خیال سے دفن کر دیا کہ قیامت سے پہلے ممکن ہے اہل ایمان کا کوئی گروہ اس جگہ قابض ہو جائے اور اس تحریر کو پڑھ کر ان کو اصحاب کہف کا واقعہ معلوم ہو جائے۔ دقیانوس اور اس کی قوم کے بعد صدیاں گزر گئیں اور پے در پے بادشاہ آتے جاتے رہے (اور اصحاب کہف غار کے اندر استراحت فرماتے رہے اور صندوق دفن رہا)

نوجوان کیسے مسلمان ہوئے:

عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو گلے میں طوق اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوئے تھے زلفیں چھوڑی ہوئی تھیں ایک شکاری کتا ان کے ساتھ تھا کسی بڑے تہوار کے موقع پر بن سج کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور ساتھ میں ان بتوں کو بھی لے لیا جن کو پوجتے تھے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا، ان میں سے ایک وزیر بھی تھا سب درپردہ مومن تو ہو گئے لیکن ہر ایک نے دوسرے سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور ہر ایک نے دل میں طے کر لیا کہ ان کافروں کے ساتھ مجھے نہ رہنا چاہیے کہیں ان کے جرائم پر آنے والا عذاب مجھ پر نہ آ جائے غرض سب

الگ الگ ہوگئے پہلا ایک جا کر کسی درخت کے سایہ میں تنہا بیٹھ گیا، دوسرے نے اس کو تنہا بیٹھے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید اس کی حالت بھی میری حالت کی طرح ہوگئی ہے، اس لئے زبان سے ظاہر کیے بغیر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا پھر تیسرا اسی خیال کو لے کر چلا اور دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا اس طرح ایک ایک کر کے سب جمع ہوگئے پھر ایک نے ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے دوسرے سے کہا آپ حضرات یہاں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں، دوسرے نے بھی یہی پوچھا اور تیسرے چوتھے، غرض سب نے یہی سوال کیا، پھر دو دو کی ٹکڑیاں بنا کر انتہائی رازداری کے ساتھ ایک نے دوسرے پر حقیقت ظاہر کی اور معلوم ہوا کہ سب مومن ہیں پہاڑ میں قریب ہی ایک غار تھا سب نے مشورہ کر کے اس کی طرف رخ کیا اور غار میں چلے گئے شکاری کتا بھی ساتھ تھا اندر جا کر سب سو گئے۔

تین سو نو برس غار میں رہے:

اور ۳۰۹ برس تک سوتے رہے، قوم والوں نے ان کو تلاش کیا لیکن اللہ نے غار کو ہی ان کی نظر سے غائب کر دیا اور تمام نشانات محو کر دیئے مجبوراً ان کے نام نسب خاندان ایک تختی پر تحریر کیے اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فلاں فلاں بادشاہ (امراء) کے بیٹے تھے، فلاں بادشاہ کے دور حکومت میں فلاں سال فلاں فلاں مہینے کھو گئے اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، پھر یہ تختی سرکاری محافظ خانہ میں رکھ دی گئی کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مر گیا اور صدیاں گزرتی گئیں۔

عیسیٰؑ کے حواری کا واقعہ:

وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت عیسیٰ کا ایک حواری اصحاب کہف کے شہر کو گیا تھا شہر کے اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا، کسی نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بت ہے، پہلے اس بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، حواری نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور شہر کے قریب ایک حمام میں جا کر حمام والے کی نوکری کر لی اور کام کرنے لگا، حمام والے کو حواری کے آتے ہی بڑی برکت حاصل ہوئی (اس کے کام کو بہت ترقی ہوگئی) شہر کے بعض نوجوانوں کا بھی اس حواری سے کچھ تعلق ہوگیا وہ اس کے پاس بیٹھنے لگے، حواری ان کو آسمان و زمین کی خبریں سناتا تھا (اور وہ شوق سے سنتے تھے) آخر وہ لوگ حواری پر ایمان لے آئے اور عیسائی ہوگئے۔ حواری نے حمام والے سے شرط کر لی تھی کہ رات کو میری نماز میں کوئی مداخلت نہ کرے رات میری ہے، رات کو کوئی کام نہیں کروں گا ایک روز شہزادہ ایک عورت کو لے کر حمام میں آیا، حواری نے کہا آپ شہزادے ہیں اور اس عورت کو لے کر حمام میں داخل ہو رہے ہیں شہزادہ کو شرم آئی اور واپس چلا گیا، لیکن دوسری مرتبہ پھر آیا اور حواری نے پہلی بار کی طرح نصیحت کی، اس مرتبہ حواری

کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس کو جھڑک دیا، دونوں حمام میں داخل ہوگئے، بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہزادہ کو حمامی نے قتل کر دیا، بادشاہ نے حمامی کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے مگر وہ بھاگ گیا ہاتھ نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ رہتے تھے لوگوں نے بتایا فلاں فلاں جوان رہتے تھے، ان جوانوں کی جستجو کی گئی، لیکن وہ بھی شہر سے باہر نکل گئے اور راستہ میں ایک اور شخص کو بھی ساتھ لے لیا جو انہیں کی طرح ایمان پر قائم تھا۔ ایک کتا بھی ساتھ ہولیا، حمامی سب کو ایک غار پر لے گیا، سب اس میں داخل ہوگئے اور وہیں رات گزارنے کا ارادہ کر لیا اور طے کر لیا کہ آج رات یہیں رہو صبح ہوگی تو کچھ سوچیں گے چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سو گئے بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور غار پر جا پہنچا معلوم ہوا وہ لوگ اندر جا چکے ہیں بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر گھسنے کا ارادہ کیا مگر دہشت زدہ ہوگیا پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی ایک شخص نے بادشاہ سے کہا اگر وہ آپ کے ہاتھ آ جاتے تو کیا آپ کا ارادہ ان کو قتل کرا دینے کا نہ تھا؟ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی ارادہ تھا اس شخص نے کہا تو اب غار کے دروازے بند کرا کے کوئی دیوار بنوا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں (بہر حال قتل کر دینا تو مقصد ہی ہے) بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

غار کے منہ کا کھلنا اور نوجوان کی بیداری:

وہب کا بیان ہے دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزرتا چلا گیا مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بارش نے آگھیرا وہ بکریاں بھیڑیں لے کر پناہ لینے کے لئے اس غار کی طرف آیا اور بکریوں کو سایہ میں محفوظ رکھنے کیلئے کوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا ادھر صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی روحیں لوٹا دیں (یعنی ان کو بیدار کر دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو بیدار ہوئے ہیں)

منکرین قیامت کی تردید:

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے (مدت کے بعد) وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ میں آگئی اس شخص کا نام بیدوسیس تھا، اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مومنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا بیدوسیس کو یہ پھوٹ اور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا وہ اللہ کے سامنے رو دیا زاری کی اور اس کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ اہل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اہل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کو مانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی ریجھے ہوئے تھے۔ بیدوسیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن

کے متعلق خیال تھا کہ وہ ائمۂ حق اور اصحاب خیر ہیں جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین ومذہب سے مرتد بنا دینے اور لوٹا دینے کے خواستگار ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ بند کر لیا کمبل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتا اور دعا کرتا رہا کہ الٰہی تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کر دے، جس سے ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمٰن ورحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا تباہ ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدوسیس کی دعا قبول فرمالی اور اصحاب کہف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لئے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر مجتمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بستی میں اصحاب کہف کا غار تھا وہیں ایک باشندہ کے دل میں یہ ارادہ پیدا کر دیا کہ غار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لئے ایک باڑہ بنادے اس شخص کا نام اولیاس تھا، اولیاس نے دو مزدور رکھ کر غار کے دروازے کی عمارت کے پتھر اکھڑوانا اور اپنی بکریوں کیلئے باڑہ بنوانا شروع کر دیا آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا۔

بیدار ہونے پر نوجوانوں کا عمل:

پھر اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر بٹھا دیا وہ خوش خوش شگفتہ رو، ہشاش بشاش اٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا وہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ دقیانوس ہماری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم آج کچھ زیادہ سوئے اسی لئے انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا ایک دن دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (تعیین کے ساتھ صحیح مقدار خواب کوئی نہ بتا سکا) بالآخر بول اٹھے اللہ ہی جانے ہم کتنے وقت (سوتے) رہے۔

ایک نوجوان کا شہر جانا:

نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام تملیخا تھا اور جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہا ذرا جا کر خبر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمارے آنے کے بعد) لوگوں نے کیا باتیں کہیں تملیخا نے کہا کیا تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑ والے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کرا دے جو اللہ چاہے گا وہ ہوگا (فکر کس بات کی ہے) مکسلمینا بولا، دوستو! خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا اس کے بعد سب نے تملیخا کو مامور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا تذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کہی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لئے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا ہم سب بھوکے ہیں۔ تملیخا تیار ہو گیا اول بھیس بدلا کپڑے اتار کر دوسرے پہنے اور دقیانوسی سکہ لے کر باہر نکلنے کے لئے چل دیا غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھرا کھڑے ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پروا نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتراتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھتا تھا، اس لئے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے، اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے، شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کو ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آ رہا ہے وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے، غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آ گیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہو گیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کر لیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سرزمین پر عیسیٰ بن مریم کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہو گئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ کا ذکر کر رہا ہے شاید میں کسی انجان شہر میں آ گیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی، پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تملیخا نے اس شہر کا نام پوچھا جوان نے کہا اس شہر کا نام افسوس ہے۔ تملیخا نے دل میں کہا شاید میں مسلوب الحواس اور بے عقل ہو گیا، اب تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں۔

رازکا افشاء ہونا:

پھر ذرا ہوش آیا تو کہنے لگا قبل اس کے کہ لوگ مجھے جان لیں یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے یہ سوچ کر فوراً نان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لایا تھا نکال کر ایک نان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا نان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا مہر اور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا پھر ایک اور آدمی کی طرف پھینک دیا اس نے بھی غور سے دیکھا اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے ایک، دوسرے کی طرف پھینک دیتا، اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا، پرانے زمانے کا گھڑا ہوا کوئی پوشیدہ دفینہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے تملیخا نے جوان لوگوں کو سکے کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں کچھ دوسرے لوگ اور بھی آ گئے اور تملیخا کو انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تملیخا نے ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا مجھ پر مہربانی کرو تم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو۔

شہر والوں کا تملیخا کو پکڑ لینا:

لوگوں نے پوچھا اے شخص تو ہے کون اور واقعہ کیا ہے یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دفینہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل اور دفینہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے ورنہ حاکم کے پاس لے جائیں گے اس کے سپرد کر دیں گے اور تو مارا جائے گا تملیخا نے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا تملیخا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے ڈر کے مارے خاموش رہا کچھ بھی نہیں بتایا لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لئے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس (پرانا) دفینہ ہے غرض شہر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تملیخا کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا تو ہے نہیں ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تملیخا ڈر کے مارے خاموش تھا بات ہی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابتدار اسی شہر میں موجود ہیں اور اس شہر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آ کر چھڑا لیں گے، بیچارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شہر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شہر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطیوس تھا تملیخا سمجھا تھا کہ دقیانوس کے پاس لے جائیں گے لیکن وہ لے گئے شہر کے ان دو حاکموں کے پاس جن سے تملیخا واقف نہ تھا راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔ تملیخا نے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ تو آسمانوں کا اور زمین کا الٰہ ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیل) یا اور کوئی غیبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے۔ غریب تملیخا آنسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دوستوں سے مفارقت ہوگئی میں ان سے بچھڑ گیا۔ جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جاتی تو وہ یقیناً آ جاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ کوئی جدا نہ ہو سب ساتھ رہیں گے زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔

دو حاکموں کی پیشی:

وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطیوس کے پاس لے پہنچے جب تملیخا نے دیکھا کہ مجھے دقیانوس کے پاس نہیں لے جایا جائے گا تو ہوش درست ہو گئے اور رونا موقوف کر دیا، اریوس اور اشطیوس نے روپیہ لے کر دیکھا اچنبھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دفینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے؟ تملیخا نے کہا مجھے تو کوئی دفینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور ٹکسال اسی شہر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی (کہ میں کہاں ہوں، کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں) کہوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو تملیخا نے جواب دیا، میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے، تملیخا نے باپ کا نام بتایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے، سچی بات نہیں بتاتا، تملیخا نے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیوانہ ہے، دوسرا بولا دیوانہ نہیں ہے چھوٹنے کے لئے دیوانہ بن رہا ہے۔

حاکم کی تقریر:

حاکم نے تملیخا کو سخت نظر سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ سکہ تجھے باپ دادا سے ملا ہے اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں۔ تو جوان لڑکا ہے ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اڑانا چاہتا ہے حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چکے ہیں اور تیرے گرداگرد شہر کے سردار اور کرتا دھرتا ہیں اس شہر کے

تذکرہ سورۃ کہف

غار کے آگے نشان

تذکرہ سورۃ کہف

اصحاب کہف کی تین قبریں

تذکرہ سورۃ کہف

اصحاب کہف کی ہڈیاں

تذکرہ سورۃ الانبیاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش

تمام دفینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کر دینے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دفینہ ملنے کا اقرار کر لے۔

تملیخا نے حقیقت ظاہر کر دی:

حاکم کی یہ تقریر سن کر تملیخا نے کہا میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کا جواب دیدیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتادوں گا، حاضرین نے کہا پوچھو ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تملیخا نے کہا دقیانوس بادشاہ کہاں گیا لوگوں نے جواب دیا، آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے، بہت پرانے زمانے میں دقیانوس بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تملیخا نے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے بادشاہ نے ہم کو بت پرستی پر مجبور کیا، ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لئے نکلا، کوہ بنجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔

حاکم اور شہریوں کا نماز پر جانا:

تملیخا کی یہ بات سن کر اریوس، اسطیوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کہف کو دیکھنے کے لئے تملیخا کے ساتھ چل پڑے۔ اُدھر اصحاب کہف کے پاس کھانا لے کر جب تملیخا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تملیخا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر لوگ دقیانوس کے پاس لے گئے۔ وہ یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے۔ فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور (نماز کے بعد) ایک نے دوسرے کو دعا سلامتی دی اور (حق پر قائم رہنے کی) وصیت کی پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تملیخا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے پہنچنے کے انتظار میں ہوگا وہ غار کے اندر سامنے کے رخ پر بیٹھے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے اور تملیخا آگے بڑھ کر روتا ہوا اندر آ گیا اس کو روتا دیکھ کر اصحاب کہف نے حالات دریافت کئے۔ تملیخا نے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے، اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مردوں کے اٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اٹھا سکتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے) تملیخا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا دروازہ پر اس کو تانبے کا ایک صندوق دکھائی دیا، جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رانگ کی دو تختیاں ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلمینا، مخشلمینا، تملیخا، مرطونس، بشرطونس، بیربوس، دیومس اور یطنومس ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تاکہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر گھس گئے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دیدیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لئے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھادی پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کہف سے جا کر ملے۔ اصحاب کہف بیٹھے ہوئے تھے چہرے نور سے دمک رہے تھے ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے۔

حاکم اور ساتھیوں کا سجدہ شکر:

اصحاب کہف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے، جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔ اس کے بعد اصحاب کہف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدوسیس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آجائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دور سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا۔

بادشاہ کی خوشی اور اصحاب کہف سے ملاقات:

بادشاہ نے جونہی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا، اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں اور زمین کے مالک میں تیری عبادت کرتا ہوں (تمام عیوب و نقائص سے) تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء واجداد اور نیک بندے قسطیطینوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی میرے لئے اس نور کو نہیں بجھایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی شہر افسوس میں آگئے اور سب بیدوسیس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدوسیس کو دیکھ کر اصحاب کہف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے، بیدوسیس ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دوزانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد اصحاب کہف نے بیدوسیس

سے کہا اب رخصت فی امان اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو (شر سے) محفوظ رکھے اور جن وانس کے شر سے بچائے، ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں۔

اصحاب کہف کی موت:

بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا، بادشاہ نے ان کو کپڑے اوڑھا دیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوق میں رکھ دیا جائے۔

خواب میں بادشاہ کو نصیحت:

جب رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کہف نے آ کر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لئے قیامت تک کے لئے ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے، قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اٹھائے گا یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سار کی لکڑی کے صندوق بنوا دیئے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا نہ غار کے اندر جا سکا، بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لئے ایک مسجد بنوا دی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیدیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تملیخا کو جب بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے، تملیخا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں فلاں جگہ میرا مکان ہے فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تملیخا کو پہچانا نہ ان ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تملیخا نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے بھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے، جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی تختی پر لکھے ہوئے ہیں، تملیخا کی بات سن کر اس نے تختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تملیخا کا نام اس کے اندر موجود ہے، باقی لوگوں کے متعلق تملیخا نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں، اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تملیخا کی نشان دہی پر چل پڑا، غار کے دروازے پر پہنچ کر تملیخا نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوش خبری دیدوں، کیونکہ اگر تم (بغیر اطلاع کے) میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے، تملیخا اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو اوجھل کر دیا کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا، آیت اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۔ سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ پردے سے مراد ہے نیند کا پردہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔

سنین کے بعد لفظ عدداً بڑھانے سے کثرت سنین کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ
پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں
اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾
کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے ☆

بعث بعد الموت پر جھگڑنے کا فیصلہ:

سالہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو جگا دیا۔ تا ظاہر ہو جائے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کس نے ان کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلافات اور چہ میگوئیاں ہونگی کوئی کم مدت بتلائے گا کوئی زیادہ۔ کوئی اقرار کریگا۔ کوئی مستبعد سمجھ کر انکار کر دیگا۔ تو انہیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کونسی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر "بعث بعد الموت" کا عقدہ حل کرتی ہے جس میں اس وقت کے لوگ جھگڑ رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ
ہم سنا دیں تجھ کو ان کا حال تحقیقی وہ کئی جوان ہیں
فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى
کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ ☆

یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا اولیاء کا۔ (تفسیر عثمانی)

حقیقی ایمان:

الحق سچ۔ فتیۃ کا مفرد فتی ہے جیسے صبیۃ کا مفرد صبی۔ ھدی سے مراد ہے ایمان اور بصیرت یعنی ہم نے ان کو حقیقی ایمان عطا کیا تھا، مجازی ایمان تو زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے اس میں نفس کا طغیان وکفران باقی

رہتا ہے اور حقیقی ایمان کا حصول نفس کو فنا کرنے کے بعد ہوتا ہے (نفس کی سرکشی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے تو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے) (تفسیر مظہری)

ایمان میں کمی اور زیادتی:

یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کر کے امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اس میں م۔تبے ہیں یہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا، اور جگہ ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى الخ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھ جاتی ہے الخ۔ اور آیت میں فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا الخ ایمان والوں کے ایمان کو بڑھاتی ہے الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بڑھ جائیں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ (ابن کثیر)

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

اور گرہ دی ان کے دل پر ☆

استقامت:

یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہہ دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ، اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ یعنی وطن گھر بار، رشتہ دار، دولت مال وغیرہ کو ترک کرنے پر ان کو صابر بنایا، اظہار حق کرنے اور دقیانوس کے حکم کو ٹھکرانے کی ان میں جرات پیدا کر دی، ان کو فنا قلب کا مقام حاصل ہو گیا، ساری مخلوق کا تصور وخیال ان کے دلوں سے مٹ گیا، ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئی اور اللہ کی محبت، عظمت اور خشیت ان کے دلوں میں جم گئی۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا

لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

نہ پکاریں گے ہم اس کے سوائے کسی کو معبود نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دور ☆

یعنی جب "رب" وہ ہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ "ربوبیت" و "الوہیت" دونوں اسی کیلئے مخصوص ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً

یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لئے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ

کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی سند کھلی

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

پھر اس سے بڑا گنہگار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ ☆

مشرک بے دلیل ہیں:

جیسے موحدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ خدا کے شریک ٹھہرائے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا ظلم:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا جو شخص اللہ پر دروغ بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم بھلا کون ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی مانتا ہو اور کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہو اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، یوں تو کسی پر بھی دروغ تراشی ظلم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

اور جب تم نے کنارہ کر لیا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے

فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

تو اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا

رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے تمہارے کام میں آرام ☆

مشرکین سے علیحدگی:

یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اسی سے رحمت وتلطف کا امیدوار رہنا چاہیے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ

اور تو دیکھے دھوپ نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے

كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ

کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اس کے یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے ☆

قدرتِ الٰہی کا کرشمہ:

یعنی خداتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایسے ٹھکانے کی طرف رہنمائی کی جہاں مامون و مطمئن ہو کر آرام کرتے رہیں نہ جگہ کی تنگی سے جی گھٹے، نہ کسی وقت دھوپ ستائے، غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا شمال رویہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع و ہیئت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذاء دیئے نکل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

غار کا رُخ:

ابن قتیبہ نے لکھا ہے غار کا رخ بنات النعش کی طرف تھا غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق و مغرب راس سرطان کا مشرق و مغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بجانب یمین ہوتا اور غروب کے وقت غار کے مقابل سورج بجانب شمال ہوتا۔ اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی شعاعیں پڑتیں اور عفونت پیدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہوا میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کہف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے ابن قتیبہ کی اس جغرافیائی وضاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ بنات النعش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کارفرما تھی کہ اللہ اصحاب کہف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی اللہ کی صنعت کی اعجوبہ کاری اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ یہ یعنی اصحاب کہف کا واقعہ اور غار میں ان کا پناہ گیر ہونا اور ان کی حفاظت کے لئے سامان فراہم کرنا اور پھر ان کا صحیح صحیح قصہ بیان کرنا، اللہ کی (قدرت صنعت، علم اور قرآن کی صداقت کی) ایک نشانی ہے۔ (تفسیر مظہری)

کرامات حق ہیں:

علماء اہل سنت والجماعت نے قصہ اصحاب کہف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیوں کہ اس قصہ کے صریح لفظوں میں اصحاب کہف کی کئی کرامتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پیئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کترا جانا اور بھوک پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پیئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیداری کے ان کا بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور خداداد کرامتیں اور کرامات اولیاء کے صحیح اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ

جس کو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا ☆

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

یعنی ظاہری و باطنی رہنمائی اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھ لو جب دنیا بچل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی راہ بتلائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ

اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ

ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت ☆

ان کے سونے کی حالت:

کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر ان کے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان لوگوں میں شان ہیبت و جلال اور اس مکان میں دہشت رکھی تا لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ وللہ در السعدی الشیرازی

پسر نوح بابداں بنشست ... خاندان نبوتش گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند ... پئے نیکاں گرفت مردم شد

(تفسیر عثمانی)

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ اور (خواب میں بغیر ان کے ارادے کے) ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ دلاتے ہیں۔ یعنی کبھی دائیں پہلو اور کبھی بائیں پہلو پر، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سوتے میں وہ لوگ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کو کروٹ بدلتے رہتے تھے تا کہ (پڑے پڑے) زمین ان کے گوشت کو نہ کھالے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عاشورا کے دن وہ کروٹ لیتے تھے حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کی کروٹ ہوتی تھی۔

کتے کا سونا:

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ اور ان کا کتا غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں اگلے ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔

مجاہد اور ضحاک نے وصید کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء نے ترجمہ کیا دہلیز۔ سدی نے کہا وصید دروازہ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا واقعی کتا ہی تھا۔

کتے کا نام:

حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اس کا نام قطمیر اور حضرت علیؓ کے قول پر اس کا نام ریان تھا۔

جنت میں جانے والے چوپائے:

خالد بن معدان نے کہا سوائے اصحاب کے کتے اور بلعم (بن باعورا) کے گدھے کے اور کوئی چوپایہ جنت میں نہیں جائے گا۔ سدی کا قول ہے اصحاب کہف کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کہف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا دایاں کان موڑ کر (دائیں) بل ہو جاتا تھا اور اصحاب کہف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بایاں کان موڑ کر (بائیں) بل پر ہو جاتا تھا۔

غار کے اندر کا ماحول:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (اے مخاطب) اگر تو ان کو جھانک کر دیکھ پائے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جائے۔ یعنی تمہارا دل خوف زدہ ہو جائے گا اور اس میں رعب بھر جائے گا۔ خوف کی وجہ اس مقام کی وحشت اور سنسان پن ہے۔ کلبی نے کہا، اصحاب کہف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے اب بولنے ہی والے ہیں (منظر بڑا خوف آگیں ہے) بعض کا قول ہے ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہو گئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسی ہولناکی اور رعب آگینی کی وجہ سے کوئی وہاں نہیں جاسکتا۔ اس مقام کی رعب آگینی مانع دخول ہے۔ یہی قول صحیح بھی ہے۔ سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم معاویہؓ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے۔ راستہ میں اصحاب کہف کے غار کی طرف سے گزر ہوا۔ معاویہؓ بولے اگر (غار کے دہانہ یا بیچ کی دیوار کو) کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کہف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک دیا گیا اللہ نے فرمادیا تھا، لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا معاویہؓ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دیا وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ نے کوئی ہوا (زہریلی گیس) ایسی پیدا کردی کہ سب جل گئے۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ وابن المنذر روابن ابی حاتم۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ

اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں پوچھنے لگے

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا

ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

ایک دن یا ایک دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی

لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى

دیر تک رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا

الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ

اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے سو لائے تمہارے پاس

بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا (۱۹)

اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ

وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری پتھروں سے مار ڈالیں تم کو یا لوٹا لیں تم کو

فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا (۲۰)

اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہو گا تمہارا کبھی ☆

تین سو سال بعد بیداری:

جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلایا تھا اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہونگے؟ بعض نے کہا ''ایک آدھ دن''۔ یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دیکر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال

اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہوشیاری سے جانا آنا اور نرمی وتدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر واکراہ دین حق سے ہٹایا جائیگا۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی وفلاح ہم چاہتے ہیں وہ کبھی حاصل نہ ہوسکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر واکراہ ہو اولوالعزم مومنین کا کام نہیں ہوسکتا۔

(تنبیہ): میرے نزدیک "يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" محض تقلیل مدت سے کنایہ ہے۔ نیند سے اٹھ کر اتنی طویل مدت بھی ان کو قلیل محسوس ہوئی۔ سچ ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے" يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ کا حرف "او" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورۂ مومنون میں ہے "كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّيْنَ" (مومنون رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

غار میں صبح کو داخل ہوئے اور شام کو بیدار ہوئے اس لئے انہوں نے دن بھر سوتے رہنا ظاہر کیا۔ لیکن آفتاب ڈوبا نہ تھا یہ دیکھ کر کچھ کم ایک دن کہا۔ غرض یہ جواب محض تخمینی تھا اس سے ثابت ہورہا ہے کہ غالب ظن کی بنیاد پر کوئی بات کہنا جائز ہے۔

اصحاب کہف نے جب اپنے بال اور ناخن بڑھے ہوئے دیکھے تو خیال کیا کہ ایک دن نہیں بلکہ ہم کو سوتے سوتے (شاید) کوئی لمبی مدت ہوگئی اس لیے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر یا جس بازار، یا جس ہوٹل میں اکثریت حرام کھانے کی ہو وہاں کا کھانا بغیر تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔

مسئلہ: اول یہ کہ مال میں شرکت جائز ہے کیونکہ یہ رقم سب کی مشترک تھی، دوسری یہ کہ مال میں وکالت جائز ہے کہ مشترک مال میں کوئی ایک شخص بحیثیت وکیل دوسروں کی اجازت سے تصرفات کرے، تیسرے یہ کہ چند رفیق اگر کھانے میں شرکت رکھیں یہ جائز ہے اگر چہ کھانے کی مقداریں عادۃ مختلف ہوتی ہیں کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور اسی طرح خبر ظاہر کردی ہم نے ان کی تا کہ لوگ جان لیں کہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ

اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں

فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر ☆

ایک کا شہر جانا:

ایک ان میں سے روپیہ لیکر شہر میں داخل ہوا۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے۔ سمجھے کہ اس شخص نے کہیں سے پرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا، اس نے وہ پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقہ سے فلاں سنہ میں غائب ہوگئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ وہی مفقود الخبر جماعت ہے۔ اس وقت شہر میں "بعث بعد الموت" کے متعلق بڑا جھگڑا ہورہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی بعث ہے جسمانی نہیں۔ کوئی معاد روحانی وجسمانی دونوں کا قائل تھا بادشاہ وقت حق پرست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیج دی۔ آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے۔ یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں۔

تنبیہ: بعض نے "اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جب کہ اصحاب کہف کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہورہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آئے ہیں کہ یک بیک غائب ہوگئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہونگے؟ کہاں ان کی نسل پھیلی ہوگی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے۔ سب مرگل کر برابر ہوگئے ہونگے؟ اس مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ اور سب اختلافات ختم کردیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اسی طرح مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے:

یعنی جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو سلایا اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جگایا، اٹھایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو بھی ان پر مطلع کردیا تاکہ طویل نیند کے بعد بیدار کردینے سے وہ اطلاع پانے والے سمجھ جائیں کہ موت کے بعد قبروں سے (زندہ کر کے) اٹھانے کا اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور امکان قیامت میں کوئی شک نہیں جس خدا نے اصحاب کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک جسموں کو گلنے سڑنے نہ دیا، پھر ان کی روحیں واپس کردیں اور نیند سے بیدار کردیا وہی خدا اس بات پر قادر ہے کہ سب انسان کی روحوں کو اپنے پاس روک رکھے اور پھر قیامت کے دن سب کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھا دے۔

موت کے بعد زندہ ہونے کے متعلق اختلاف:

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ کا تعلق اعثرنا سے ہے یعنی لوگوں کو ہم نے اصحاب

کہف پر مطلع اس وقت کیا جب وہ باہم اپنے دین کے متعلق جھگڑ رہے تھے ۔عکرمہ نے کہا دوبارہ آدمیوں کے حشر کے متعلق ان کا آپس کا اختلاف تھا۔ غیر مسلم کہتے تھے حشر صرف ارواح کا ہوگا اجسام کا نہ ہوگا مسلمانوں کا قول تھا ۔ارواح کا مع اجسام کے ہوگا۔ اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر دکھا دیا کہ حشر، ارواح اور اجسام دونوں کا ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ اصحاب کہف کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا جب اصحاب کہف بیدار ہونے کے بعد دوبارہ لیٹ گئے اور غافل ہوگئے تو بعض لوگوں نے کہا، اس مرتبہ بھی وہ سو گئے ہیں مرے نہیں ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا اب کی مرتبہ تو مر گئے ہیں ۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اصحاب کہف کے بعد مسلمانوں میں اور ان کے مخالفوں میں اختلاف رائے ہوگیا، مسلمانوں نے تو کہا ہم یہاں مسجد بنائیں گے یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے، غیر مسلموں نے کہا ہم یہاں عمارتیں بنائیں گے جن کے اندر لوگ آباد ہوں گے اور ایک بستی آباد کریں گے یا غار کے دروازے پر ایسی عمارت بنائیں گے جس سے لوگوں کا اندر جانا بند ہو جائے، غار والے ہمارے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے اس لئے تعمیر کا ہم کو حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

تختی کس نے لکھوائی تھی:

بازار والوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ایک نیک صالح اللہ والا تھا، اور اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثار قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہو جانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا، بعض کے نزدیک خود ظالم بادشاہ دقیانوس نے یہ تختی لکھوائی تھی، کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں۔ ان کے نام اور پتے محفوظ رہیں، جب کہیں ملیں گرفتار کر لئے جائیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی دفتر میں بعض ایسے مومن بھی تھے جو دل سے بت پرستی کو برا سمجھتے اور اصحاب کہف کو حق پر سمجھتے تھے مگر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے یہ تختی بطور یادگار کے لکھ لی تھی، اس تختی کا نام رقیم ہے جس کی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب رقیم بھی کہا گیا۔

الغرض اس بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا اور اس وقت وہ اس دعا میں مشغول تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بعید نہیں۔

بادشاہ کی دعاء کی تکمیل:

اس لئے تملیخا سے اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے اور اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملا دے جو دقیانوس کے زمانے میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے؟ بادشاہ اس پر مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔

اس میں لوگوں کے لئے شاید کوئی ایسی حجت ہو جس سے ان کو حشر اجساد کا یقین آجائے یہ کہہ کر اس شخص سے کہا کہ مجھے اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو۔ اس کے بعد اہل غار نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ
پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب
أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ
خوب جانتا ہے ان کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا
أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾
ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر عبادت خانہ ☆

اصحاب کہف کی یادگار:

یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے۔ بہرحال اہل شہر نے ان کے عجیب وغریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہوگا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ اس اختلاف کی تفاصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ یہ تجویز ان کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں۔ اور لوگوں کا غار تک پہنچ کر ان کی ملاقات میسر ہو سکی یا نہیں۔ تاہم جو بارسوخ اور ذی اقتدار لوگ تھے ان کی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے۔ اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے، یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔ ابوحیان نے ''بحر محیط'' میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔ (تفسیر عثمانی)

اصحاب کہف کا مرتبہ:

رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ اللہ کی طرف سے ایک جملہ معترضہ ہے جو جھگڑا کرنے والوں کے کلام کے درمیان اللہ نے ذکر کر دیا ہے اس جملہ کا مقصد دونوں فریقوں کے قول کی تردید ہے، ہر فریق نے اصحاب کہف کو اپنے ساتھ ملایا تھا حالانکہ اصحاب کہف مشرکوں سے اور ان کے شرک سے جس طرح علیحدہ تھے اسی طرح عام مسلمانوں کے گروہ میں بھی ان کا شمار نہیں تھا، ان

کا درجہ بہت اونچا تھا۔ صوفی سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ بھی۔ شیخ رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کسے درظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

مسئلہ: (حضرت مفسرؒ کے نزدیک) یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اولیاء کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنانا جائز ہے تاکہ اولیاء کے مزارات کے قرب سے برکت حاصل ہو۔ شیخ استاذ محمد فاخر محدث کے نزدیک مکروہ ہے کراہت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

اونچی قبر کو گرانا:

مسلم نے ابوالھیاج اسدی کا قول نقل کیا ہے ابوالھیاج نے کہا مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تجھے جو مورتی ملے اس کو مٹا دینا اور جو اونچی قبر ملے اس کو بغیر ہموار کئے (سطح زمین کے برابر کیے) نہ چھوڑنا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لئے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں، اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو باتفاق شرک وحرام ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

تفسیر درمنثور کی ایک روایت ہے کہ جب بادشاہ اور ارکان دولت غار پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ اول میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تملیخا اول غار کے اندر چلا گیا اس کے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونیکی ہمت نہ کی اور پھر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرادی جائے۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۴ جلد ۴) (معارف کاندھلویؒ)

قبروں کو مسجد بنانا:

شیخین نے حضرت عائشہؓ و حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت مرض ہوئی (کہ بے ہوشی طاری ہوگئی) تو آپ کے چہرہ مبارک پر چادر ڈال دی گئی، لیکن دم گھٹنے لگا تو آپ نے چادر کو چہرہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرما رہے تھے اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاری پر جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (امت کو) اہل کتاب کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے قبروں کو پختہ کرنے اور اونچا کرنے اور ان کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قبروں کے قریب مسجد بنانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تو اس کا مطلب یہ کہ انہوں نے قبروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابومرثد غنویؓ کی روایت سے یہ مطلب صراحت کے ساتھ آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف (رخ کرکے) نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

اصحاب کہف کی باقاعدہ وفات:

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگ مع بادشاہ کے گئے، ان سے ملے سلام علیک ہوئی بغل گیر ہوئے یہ بادشاہ خود مسلمان تھا اس کا نام تندوسیس تھا۔ اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت وانسیت سے ملے جلے باتیں کیں۔ پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ جا لیٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کرلیا رحمھم اللہ اجمعین، واللہ اعلم.

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبیب بن مسلمہؓ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے وہاں انہوں نے روم کے شہروں میں ایک غار دیکھا جس میں ہڈیاں تھیں، لوگوں نے کہا یہ ہڈیاں اصحاب کہف کی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین سو سال گزر چکے کہ ان کی ہڈیاں کھوکھلی ہو کر مٹی ہوگئیں۔ (ابن جریر)

حضرت دانیالؑ کی قبر:

امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت دانیالؑ کی قبر عراق میں پائی تو فرمایا کہ اسے پوشیدہ کردیا جائے، اور جو رقعہ ملا ہے جس میں بعض لڑائیوں وغیرہ کا ذکر ہے اسے دفن کردیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ
اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ
وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانہ دیکھے پتھر چلانا ☆

اصحابِ کہف کی تعداد کے تخمینے:

یعنی سامعین ''اصحاب کہف'' کا قصہ سن کر جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے، اٹکل کے تیر چلائیں گے، کوئی کہے گا کہ وہ تین تھے چوتھا کتا تھا، کوئی پانچ بتلا کر چھٹا کتے کو شمار کریگا۔ لیکن یہ سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے پتھر چلاتا رہے۔ ممکن ہے مختلف باتیں کہنے سے جہل کے علاوہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان کرنا بھی مقصود ہو کہ دیکھیں یہ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہود نے ان کو صحیح تعداد سات کی بتلائی ہو جس کی طرف آگے قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي

اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے

أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ

ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو مت جھگڑ

فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا حال ان میں کسی سے ☆

غیر ضروری باتوں میں جھگڑنا فضول ہے:

یعنی اس قسم کی غیر معتدبہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لاحاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں۔ جتنی بات خدا نے بتلادی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کر چکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔

اصحاب کہف کی صحیح تعداد:

ابن عباسؓ نے فرمایا میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنہوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کرلیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے دو قول کو "رجماً بالغیب" فرمایا، تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا، اس کے علاوہ اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے۔ پہلے دونوں جملوں میں "واو عطف" نہ تھا۔ تیسرے میں وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ عطف کے ساتھ لانے سے گویا اس پر زور دینا ہے کہ اس قول کا قائل پوری بصیرت و وثوق کے ساتھ واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ سے ایک قائل کا ہونا اور قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا الخ سے اس کے سوا کم از کم تین قائلین کا پھر دوسرے قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ الخ سے ان کے علاوہ تین اور قائلین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح کم از کم سات آدمی ہونے چاہئیں۔ کتا ان کے علاوہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

نجران کے عیسائیوں کا جھگڑا:

بغوی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی جن میں سید (یعقوبی فرقہ کا) اور عاقب (نسطوری فرقہ کا) بھی شامل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف ہوگیا۔ سید نے کہا وہ تین تھے چوتھا کتا تھا۔ عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا کتا تھا۔ رجم تیر چلانا (پتھر مارنا) الغیب یعنی ایسا واقعہ جو غائب ہے ان کے علم میں نہیں (یعنی ان کے یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کی طرح ہیں، کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ واقع میں وہ کتنے تھے، لیکن جبرئیل کی اطلاع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے بعد مسلمان کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کا جملہ وصفیہ ہے جو سبعة کی صفت ہے۔ صفت اپنے موصوف سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور حال اپنے ذوالحال سے متصل ہوتا ہے، جب معرفہ ذوالحال ہو اور جملہ حال تو اس کی باہم وابستگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی صفت کی موصوف کے ساتھ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ میں واو ثمانی ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی گنتی تو بغیر حرف عطف کے کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واو عطف سے شروع کرتے ہیں ایک دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میں ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد سے واقف ہیں وہ سات تھے، رواہ ابن جریر والفریابی وغیرہما۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تعداد اصحاب کہف کے متعلق اللہ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے، کوئی چوتھا قول نہیں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول ہی نہ تھا پہلے دونوں قولوں کی رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا لفظ کہہ کے تردید کردی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسماء اصحاب کہف:

اصل بات تو یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث سے اصحاب کہف کے نام صحیح صحیح ثابت نہیں، تفسیری اور تاریخی روایات میں نام مختلف بیان کئے گئے ہیں، ان میں اقرب وہ روایت ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نام یہ تھے: مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذونواس، کعسططیونس۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

بغوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرح آئے ہیں۔ مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذونواس۔ کعسططیونس، یہ آخری شخص چرواہا تھا (جو اصحاب کہف کی جماعت میں شامل ہوگیا تھا) رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾

اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل کو

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کرلے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ

عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّىْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دکھلائے اس سے زیادہ نزدیک راہ نیکی کی ☆

بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کرو:

اصحاب کہف کا قصہ تاریخی کتابوں میں نادرات میں لکھا تھا ہر کسی کو کہاں خبر ہوسکتی۔ مشرکین نے یہود کے سکھانے سے حضرت سے پوچھا مقصود آپ کی آزمائش تھی، حضرت نے وعدہ کیا کہ کل بتادونگا۔ اس بھروسہ پر کہ جبرئیلؑ آئیں گے تو دریافت کر دونگا۔ جبرئیلؑ پندرہ دن تک نہ آئے حضرت نہایت غمگین ہوئے، مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لیکر آئے اور پیچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر "ان شاء اللہ" کے وعدہ نہ کرنا چاہئے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ امید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ کی حفاظت فرمائے اور کامیاب کرے جیسا کہ غار ثور کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات وشواہد آپ کی زبان سے بیان کرائے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن المنذر نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا تھا ان سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کل میرے پاس آنا میں بتادوں گا لیکن ان شاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ اوپر دس روز تک کوئی وحی ہی نہیں آئی آپ کو اس سے بڑی بے چینی ہوگئی اُدھر قریش نے کہا تم جھوٹے ہو، اس موقع پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شروع سورۃ کی تشریح میں اس مضمون کی ابن جریر کی روایت کردہ تفصیل ہم لکھ چکے ہیں اور سورت بنی اسرائیل کی آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کے ذیل میں یہ روایت ذکر کردی گئی ہے۔

نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے:

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص نماز (پڑھنی) بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے پڑھ لے۔ رواہ البغوی۔ امام بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سو جائے (یا سوتا رہے) اور نماز نکل جائے تو اس کا اتاریہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص وتر کی طرف سے سو جائے (یعنی سو جائے یا سوتا رہنے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے) یا وتر (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ رواہ احمد والحاکم وصحح۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور حسنؒ نے کہا، آیت کا معنی یہ ہے کہ ان شاء اللہ کہنا اگر بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لو۔ اسی تشریحی مطلب کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک (آج کے کلام سے متعلق) ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہنا درست ہے بشرطیکہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے کلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کی ہو۔ اس مطلب کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ اوپر دس روز یا چالیس روز کے بعد) ان شاء اللہ کہہ لیا۔

شرط اور مشروط وغیرہ کا متصل تذکرہ ضروری ہے:

جمہور فقہاء کا فتویٰ حضرت ابن عباس کے قول کے خلاف ہے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی غیر مستقل کلام ایسا ہو جس سے پہلے کلام کے حکم میں تبدیلی آرہی ہو تو اس کو پہلے کلام کے بالکل متصل اور ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے یا کلام کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کرنا ہے یا غایت زمانی ومکانی کو ظاہر کرنا ہے یا کسی مبدل منہ کے بعد بدل بعض کو بیان کرنا ہے تو شرط اور ان شاء اللہ اور غایت اور بدل بعض پہلے کلام کے بعد متصلاً ذکر کرنا ضروری ہے اگر دیر کے بعد لگائی ہوئی شرط یا قید کو معتبر مانا جائے گا تو نہ کوئی اقرار صحیح ہوگا نہ طلاق، نہ غلام کی آزادی۔ نہ صدق معلوم ہوگا، نہ کذب (مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر کا مجھ پر اتنا روپیہ قرض ہے اور کچہری سے نکلنے کے بعد اس نے کہا بشرطیکہ عمر مجھے فلاں چیز دیدے، یا زید نے بیوی کو طلاق دے دی، یا غلام کو آزاد کر دیا، اور دو گھنٹہ کے بعد کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اسی طرح زید نے کوئی بات کہدی، اب معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا یا سچ۔ ممکن ہے کل کو وہ اپنے گزشتہ کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی قید کے ساتھ مقید کر دے، اور اس وقت کا سچ کل کو جھوٹ ثابت ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور خلیفہ منصور کا واقعہ:

ایک واقعہ منقول ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے اطلاع دی کہ امام ابوحنیفہؒ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور ان شاء اللہ کی شرط کو کلام سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور دیر کے بعد ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے خلیفہ نے امام ابوحنیفہؒ کو طلب کیا، امام ابوحنیفہؒ نے خلیفہ کے سوال کے جواب میں فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ تو آپ کے خلاف پڑتا ہے، آپ رعایا سے فرماں بردار اور وفادار رہنے کی بیعت لیتے ہیں اور لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے دربار سے نکلنے کے بعد اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیں تو کیا ان کی بیعت قابل اعتبار نہیں

رہے گی۔ منصور نے امام ابوحنیفہ کے قول کو مان لیا اور امام کے خلاف جس نے مخبری کی تھی اس کو دربار سے نکلوا دیا۔

فنائے قلب:

صوفیا نے آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ کی ایک بہت ہی پر کیف تشریح کی ہے آیت کا مطلب بر قول صوفیاء یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ، اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ صوفیاء کہتے ہیں اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے مٹا نہ دیا جائے، عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یکسوئی عموماً نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے دل ایک ہی ہے، جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہوگا تو اللہ کی یاد میں فتور آ جائے گا اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کردے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو مٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الٰہی میں مشغول اور غرق رہے گا، اسی کو فنا قلب کہتے ہیں جب تک فناء قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے، صوفی اس کو موحد نہیں کہتے۔

البتہ صوفیاء کا قول مبنیٰ بر حقیقت ہے ذکر رب، نسیان ماسوا کے وقت یہی ہوتا ہے اور اسی کو ذکر رب کہتے ہیں جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔

بھول جانے کے بعد بہترین راہ:

وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے میرا رب (نبوت کی صداقت) اس سے بھی زیادہ قریب الوصول بنا دے گا۔

اقرب رشدًا سے مراد ہے کوئی ایسی بہتری جو متصل ہی آنے والی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہنا یا اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا تم بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو یعنی تسبیح و استغفار کرو اور کہو کہ امید ہے اللہ مجھے کوئی ایسی راہ بتا دے گا جو فراموش شدہ (لفظ یا حکم) سے افضل اور بہتر ہوگی یہ بہترین راہ کونسی ہے (جس سے گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کی ترقی وابستہ ہے) وہ ہے صرف گزشتہ پر ندامت توبہ، استغفار اور فوت شدہ کی قضاء۔

اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ بڑی دلیل:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کا واقعہ دریافت کیا اور اللہ نے اصحاب کہف کا قصہ بیان کر دیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتا دیں کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہان نبوت اللہ عطا فرمائے گا چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاءؑ کے علوم بلکہ ماضی و مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرما دیئے، اصحاب کہف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کی سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء و مرسلین کے علوم اور گزشتہ و آئندہ کے واقعات و حالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے۔

گذشتہ کوتاہی کی توبہ:

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو) حکم دیا ہے کہ جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ اور پھر یاد آجائے تو ان شاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا یہی گزشتہ قصور کی توبہ ہے۔

صوفیاء کی تفسیر:

صوفیاء کی تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ جب اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو اور یہ (بھی) کہو کہ امید ہے اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کردیگا یا ایسی چیز بتا دے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچا دیگا اللہ کی ذات رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾
اور مدت گذری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور ان کے اوپر نو ☆

غار میں رہنے کی مدت:

یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کسور محسوب نہیں کی گئیں) یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ تین سو نو سال جاگنے کے بعد سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت بیان فرمائی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپ کے زمانہ تک اتنا عرصہ گزرا واللہ اعلم۔

لطیفہ: ہمارے زمانہ میں صوبہ زیشوان میں ایک شخص دو سو باون سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی حال میں کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی نشانی:

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف تونی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں تین سو نو (۳۰۹) برس قادر ہے وہی خدا ہزاراں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پیش قدرت کارہا دشوار نیست　　عجز را باقدرت حق کار نیست

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ
تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گذری اسی کے پاس ہیں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ
چھپے بھید آسمان اور زمین میں کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے ☆

اصحاب کہف کے سونے کی مدت:

جتنی مدت سوکر وہ جاگے تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے۔ آسمان وزمین کے تمام پوشیدہ راز اسی کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا آپ صلی اللہ علیہ وسلمکہد یجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے (زمانہ تک) وہ (سوتے) رہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، اصحاب کہف شمسی حساب سے تین سو برس سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال شمسی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہو گئے۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (تمام دنیا کی علمی نظر سے جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں پوشیدہ ہیں ان) تمام ارضی وسماوی وپوشیدہ اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے سب چیزیں اسی کے دست ملکیت وتصرف میں ہیں، وہ عجیب طرح کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی اس کی بینائی اور شنوائی دوسروں کے دیکھنے سننے سے الگ اور عجیب ہے، اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی چیز حاجب اور مانع نہیں، انتہائی لطافت ہو یا کثافت، باریک سے باریک چیز ہو یا بڑی سے بڑی پوشیدہ ہو یا ظاہر اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں اس کو ہر چیز کا علم سمعی وبصری ہے۔ (تفسیر مظہری)

اصحاب کہف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں عرصہ:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ہی یہ قول ہے، غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی، اللہ نے آیت اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا میں اس کی تردید فرمادی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری اللہ ہی کو اس کا علم ہے وہی بخوبی واقف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ
کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوائے مختار
وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ☆

اختیارات وقدرت میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے:

یعنی جس طرح اس کا علم محیط ہے۔ اس کی قدرت واختیار بھی سب پر حاوی ہے جیسے غیوب سموات وارض کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اختیارات قدرت میں بھی کوئی سہیم وشریک نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا اہل ارض وسما کے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور ان کے امور کا ذمہ دار نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں ان میں سے کسی کو شریک کرتا ہے۔ نہ دخیل بناتا ہے۔ حکم سے فیصلہ قضاء یا امر ونہی یا علم غیب مراد ہے یعنی اپنے علم غیب میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف کا قصہ معلوم نہ تھا وہ آپ کے لئے غیب کے حکم میں داخل تھا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعہ سے واقف بنا دیا اور قرآن میں ذکر کر دیا گویا غائب اور غیر معلوم واقعہ کو بیان کر دینا ایک معجزہ ہو گیا جو عبارت قرآنی کی شکل میں نمودار کر دیا گیا۔ اس لئے آئندہ آیت میں تلاوت قرآن اور اصحاب قرآن کی مصاحبت، کا حکم دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ
اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے
رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ
کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں
وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾
اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوائے چھپنے کو جگہ ☆

فرض منصبی کی تاکید:

پہلے اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا "مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہئے۔ یعنی جو جامع ومانع اور کافی وشافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی اسے پڑھ کر سناتے رہیے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کئے کوئی طاقت نہیں جو نہیں بدل یا ٹال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہوگا یا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کریگا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کیلئے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کیلئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو "اصحاب کہف" کو جو خدا کی باتوں پر جمے رہے کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم

اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ

صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے

فقراء مخلصین کی فضیلت:

یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں۔ حلال وحرام میں تمیز کرتے ہیں۔ خالق ومخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں۔ گو دنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت ومجالست سے مستفید کرتے رہیے۔ اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

اصبر نفسک۔ اپنے آپکو روکے رکھو، جمائے رکھو۔ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ صبح شام یا تمام اوقات میں۔ یرید ون یعنی ان کی عبادت کی غرض سوائے ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوتی وجھہٗ میں لفظ وجہ زائد ہے جیسے آیت وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ میں لفظ وجہ زائد ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں، نہ دنیا نہ آخرت۔

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا عیینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عیینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسیؓ بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آرہا تھا۔ عیینہ بولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا، ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کا اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹا دیں تو ہم آپ کا اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کر دیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کر دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اصحاب صُفّہ:

قتادہ کا بیان ہے کہ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم الخ سے اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فروکش تھے نہ کسی کی کھیتی تھی نہ دودھ کے جانور نہ کوئی تجارت، نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جن کی معیت میں مجھے جمے رہنے کا حکم دیا۔

اس آیت کی شان نزول کی کچھ تفصیل سورہ انعام کی آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم الخ کی تفسیر میں ہم نے کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی ☆

فقراء مخلصین سے منہ نہ موڑیئے:

یعنی ان غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھایئے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی۔ اسلام کی اصلی عزت ورونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے۔ حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے، نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم الخ یعنی صبح وشام یاد خدا کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ ہٹا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ہم چھ شخص غریب غربا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، قبیلہ ہذیل کا ایک شخص، بلالؓ، اور دو آدمی اور، اتنے میں معزز مشرکین آئے اور کہنے لگے انہیں اپنی مجلس میں اس جرأت کے ساتھ نہ بیٹھنے دو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جی میں کیا آیا؟ جو اسی وقت آیت ولا تطرد الذین اتری۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک واعظ قصہ گوئی کر رہا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا تم بیان کئے چلے جاؤ میں تو صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے نکلنے تک اسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو اپنے لئے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں واللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ غلام فرمائے ہیں۔ بزار میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے ایک صاحب سورۂ کہف کی قراءت کر رہے تھے آپ کو دیکھ کر خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جہاں اپنے نفس کو روکے رکھنے کا مجھے حکم الٰہی ہوا ہے اور روایت میں ہے کہ یا تو سورۂ حج کی تلاوت کر رہے تھے یا سورۂ [illegible] کی۔ مسند احمد میں ہے فرماتے ہیں ذکر اللہ کے لئے جو مجلس جمع ہو نیت [illegible] ان کی بخیر ہو تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے کہ اٹھو اللہ نے تمہیں بخش دیا تمہاری

برائیاں بھلائیوں سے بدل گئیں۔ طبرانی میں ہے کہ جب یہ آیت اتری آپ اپنے کسی گھر میں تھے اسی وقت ایسے لوگوں کی تلاش میں نکلے کچھ لوگوں کوذکراللہ میں پایا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے کھالیں خشک تھیں بہ مشکل ایک ایک کپڑا انہیں حاصل تھا فوراً ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اصحاب کہف کی یاد میں مسجد بنانے کا مقصد:

یہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے موحد تھے۔ مشرک نہ تھے اوران کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنادیا جائے۔ قبروں کوسجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا ناجائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب وجوار میں ایک عبادت خانہ بنادیا جائے تا کہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اوران کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہوکر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لئے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنادی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنادینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

درویشوں اور فقیروں کی صحبت کا حکم:

پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اوراہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطرداری کا حکم دیتے ہیں اور نبی کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمارؓ اور سلمانؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور ابن مسعودؓ جیسے درویشوں کوجوزہد وقناعت اور صبر اور استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظرعنایت رکھئے اوراہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے اور جولوگ اپنے مال ودولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجئے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الٰہی کے طالب ہوئے ہیں اور صبح وشام عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے احتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اوراس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اولین تھے جو کثرت عبادت واطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال ومتاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہوگئے تھے یہ ان کا عظیم وصف تھا۔ وھذا ھوالمقصود۔

مسئلہ:

عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کونعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے۔ یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جوصوف (تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں) قالوا یارسول اللہ انک لو جلست فی صدر المجلس تحیّت عنا ھولاء لارواح کانت بھم وکانت علیھم اقبینہ صوف لم یکن علیھم غیرھا. (تفسیر قرطبی ص۹۰ جلد۱۰۵) کے جبے پہنے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے تھے اوران میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے اس لئے صوفی کوصوفی کہتے ہیں کہ جواز راہ تواضع ودرویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

زادالمسیر میں سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لئے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا۔ ایک موتی اور یاقوت کا۔ یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا۔ اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ کا ہے جنیں اور گا ہے چناں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے محلوں اور باغوں اور عیش وعشرت میں ہوں گے اوراہل کفر ذلت وخواری میں ہوں گے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ
اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے
ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾
اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اوراس کا کام ہے حد پر نہ رہنا ☆

خواہش پرست سرداروں کی پرواہ نہ کریں:

یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہوکر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں خدا کی اطاعت میں ہٹنے اور ہواپرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ ہے، ایسے بدمست

غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند اور جاہ وثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنادید قریش نے آپ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولتمند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ کے قلب مبارک میں یہ خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو پکے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہونگے اور یہ دولت منداس صورت میں اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہرگز ان متکبرین کا کہنا نہ مانیے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے۔ نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زائد ہوگا جو ان چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت سلمان بیٹھے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصین آ گیا اور کہنے لگا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اس کو (یعنی اس جیسے غریب لوگوں کو) اپنے پاس سے نکال دیا کریں، اس پر آیت وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا نازل ہوئی۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یعنی سرداران قریش کے لئے آپ کی مجلس سے غریب مسلمانوں کا نکلوا دینے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کی اس درخواست کا موجب دو باتیں ہیں (۱) اس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے (اللہ کا تصور ہی اس کے دل میں نہیں اور خدا کی طلب ہی اس کو نہیں)۔ (۲) دنیوی لذتوں میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ شرافت کا مدار ذلیل باتوں سے نفس کو پاکیزہ رکھنے، دل کو باطنی رذائل کی کثافت سے صاف رکھنے اور انوار معرفت سے منور کرنے پر ہے جسمانی آرائش پر نہیں ہے جو اس کے کہے پر چلے گا وہ بھی غفلت اور حماقت میں اسی کی طرح ہوگا۔

بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار:

اہل سنت کہتے ہیں کہ اغفلنا میں اللہ کی طرف غافل کر دینے کی نسبت اور اتبع ہواہ میں اتباع ہوا کی بندے کی طرف نسبت بتا رہی ہے کہ بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار کامل بلکہ بین بین ہے۔ (خالق اللہ ہے اور کاسب، بندہ)۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ

اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے

فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ☆

حق کہہ دیا ہے اب کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں ہے:

یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سنا دی گئیں، کسی کے ماننے نہ ماننے کی اسے کچھ پرواہ نہیں۔ جو کچھ نفع نقصان ہوگا صرف تمہارا ہوگا۔ ماننے اور نہ ماننے والوں دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی چہل پہل محض، ہیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ ہے۔ وہاں محض دنیا کا تمول کام نہ دے گا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش و آرام میں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

عیینہ سردار کی بات کا جواب:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اب جو (ایمان لانا) چاہے ایمان لے آئے اور جو (کافر رہنا) چاہے وہ کافر رہے۔ یہ کلام وعید آگیں ہے ایمان وکفر دونوں کا اختیار دیا گیا ہے جو اپنے اندر ایک خاص تہدید رکھتا ہے۔ گویا عیینہ کی درخواست کا جواب ہے۔ عیینہ نے کہا تھا ان لوگوں (کے لباس اور بدن) کی بدبو سے کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی ہم قبیلہ مضر کے شرفاء اور سردار لوگ ہیں، ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، اگر ہم مان لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے، تاکہ ہم (آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی بات سنیں اور) آپ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ نے اس کے جواب میں غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کو پاس بٹھانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی اور اپنی مجلس سے ان کو نکال دینے کی ممانعت کر دی اور صاف صراحت کر دی کہ حق رب کی طرف سے آ گیا، ماننا چاہو اس کو مانو نہ ماننا چاہو نہ مانو اللہ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں۔ ہر شخص کا اپنا نفع ونقصان ہے جو مان لے گا اسی کو ایمان کا فائدہ پہنچے گا نہ مانے گا تو کفر کی مضرت اسی پر پڑے گی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا

ہم نے تیار کر رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں ☆

ظالموں کا عذاب:

وہ قناتیں بھی آگ کی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرادق النار (دوزخ کی قناتیں) چار دیواریں ہوں گی (ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی) ہر دیوار کی موٹائی

چالیس سال کی (راہ کے برابر) ہوگی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سرادق النار آگ کی دیوار ہوگی (جو محیط ہوگی) کلبی نے کہا آگ کی لپیٹ ہوگی جو کافروں کو (ہر طرف سے) باڑہ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض علماء نے کہا ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا۔ اللہ نے اسی کا ذکر آیت اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی

اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو

الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

کیا برا پینا ہے اور کیا برا آرام ☆

ظالموں کی پیاس:

یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو العطش پکاریں گے۔ تب تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا۔ جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے منہ کو بھون ڈالے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ اور اگر (شدت پیاس کی وجہ سے) وہ پانی مانگیں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو مہل کی طرح ہوگا۔

امام احمد، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آیت بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَیُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ کی تشریح میں فرمایا، وہ سامنے لایا جائے گا تو دوزخی کو سخت ناگوار ہوگا پھر (منہ کے) قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی اور سر کی کھال جل بھن کر گر پڑے گی جب اس کو پیے گا تو انتڑیاں کٹ کر دبر سے نکل جائیں گی۔ اللہ فرماتا ہے وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ابن ابی حاتم نے ابو طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول کالمھل کی تشریح کے متعلق نقل کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ سیاہ ہوگا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بغوی کی روایت میں آیا ہے وہ گاڑھا پانی ہوگا، زیتون کے تیل کی گاد کی طرح۔ مجاہد نے مہل کا ترجمہ کیا ہے، لہو، پیپ، خون، حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ترجمہ دریافت کیا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر پگھلایا جب پگھل گیا تو فرمایا یہ مہل کی طرح ہے اس کے ہم شکل ہے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ جہنم کی چار دیواری کی وسعت چالیس چالیس سال کی راہ کی ہے، مسند احمد)۔ اور خود وہ دیواریں بھی آگ کی ہیں۔

''مُہل'' کا مطلب:

''مہل'' کہتے ہیں غلیظ پانی کو جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ اور جیسے خون اور پیپ جو بے حد گرم ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہوگیا اور جوش مارنے لگا۔ فرمایا ''مہل'' کی مشابہت اس میں ہے جہنم کا پانی بھی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے، جہنمی بھی سیاہ ہیں۔ مہل سیاہ رنگ بدبودار غلیظ گندی سخت گرم چیز ہے چہرے کے پاس جاتے ہی کھال جھلس دیتی ہے منہ جلا دیتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آپڑے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا

بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں

لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾

کھوتے بدلہ اس کا جس نے بھلا کیا کام ☆

صالحین کا انعام:

یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی کم نہ ہوگی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ

ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے

الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

نہریں پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے ☆

سونے کے کنگن:

تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولت مند کون لوگ ہیں، کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ہماری محسوسات میں اس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اساور اور ذہب کو نکرہ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کنگن اور سونا نرالی شان کا ہوگا کہ اس کے حسن کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے اچھی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ادنیٰ جنتی کے ادنیٰ زیور کا تمام دنیا

کے زیوروں سے موازنہ کیا جائے تو جوادنیٰ زیور آخرت میں اللہ جنتی کو عطا کرے گا وہ دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

زیور ڈھالنے والا فرشتہ:

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو اپنی پیدائش کے آغاز سے اہل جنت کے زیور ڈھال رہا ہے اور قیامت تک ڈھالتا رہے گا اگر اہل جنت کا ایک زیور بھی سامنے لے آیا جائے تو اس کے مقابلے میں سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا
اور پہنیں گے کپڑے سبز
مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ
باریک اور گاڑھے ریشم کے ☆

ریشم کا لباس:

شاید ابرا باریک ریشم کا اور استر دبیز ریشم کا ہو۔ کما یفہم من قولہ تعالیٰ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (رحمٰن رکوع ۳) یا دونوں قسمیں الگ الگ استعمال کی جائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ ''حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو ملنا ہے بہشت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیزیں پہنے وہاں نہ پہنے گا۔'' (تفسیر عثمانی)

ابن السنی اور ابونعیم نے طب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز تھا۔

سندس باریک ریشمی کپڑا۔ استبرق دبیز ریشمی کپڑا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جنت کے کپڑوں کے دبیز ہونے سے مراد ہے بناوٹ کی مضبوطی۔ عمر حربی نے کہا سندس زربفت کو کہتے ہیں۔

نسائی، ابوداؤد، بزار اور بیہقی نے بسند حسن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ارشاد فرمایئے اہل جنت کے کپڑے کس قسم کے ہوں گے کیا (بنے بنائے) پیدا شدہ ہوں گے یا بنے ہوئے ہوں گے۔ جن کو بن کر تیار کیا گیا ہوگا یہ بات سن کر ایک شخص کو ہنسی آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک ناواقف جب کسی جاننے والے سے پوچھتا ہے تو تم لوگ ہنستے ہو، پھر دوبارہ فرمایا جنت کے پھلوں سے ان کے پھٹنے پر (تیار شدہ) برآمد ہوں گے۔ بزار ابویعلی اور طبرانی نے جابر کی روایت سے حضرت ابوالخیر مرثد بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس اگتا ہے جنتیوں کا لباس اسی کا ہوگا۔

مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ
تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾
اور کیا خوب آرام ☆

یعنی مسہریوں پر تکیہ مسند لگائے نہایت عزت و آرام سے بیٹھے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

الارائک الاریکۃ کی جمع ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر چاروں طرف پردہ ہو اور اندر لیٹنے کی مسہری نہ ہو یا چارپائی لیٹنے کی ہو اور گرداگرد پردہ نہ ہو تو اس کو اریکہ نہیں کہتے اریکہ پردہ والی مسہری کو کہتے ہیں۔ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مسہریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔ (تفسیر مظہری)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ
اور بتلا ان کو مثل دو مردوں کی ☆

مالدار کافر اور فقیر مومن کی مثال:

یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبر کی بدانجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تفہیم کے لئے مثال فرض کر لی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہر حال حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخزوم کے دو بھائی رہتے تھے ایک مومن تھا، دوسرا کافر، مومن کا نام ابوسلمہ عبداللہ (ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سابق شوہر) بن عبدالاسود بن عبد یالیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبدالاسود بن عبد یالیل انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تمثیل بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے جن میں سے ایک کا نام برقول ابن عباس یہودا اور برقول مجاہد تملیخا تھا اور دوسرے کا نام قطروس اور برقول وہب قطفر تھا اول مسلمان تھا دوسرا کافر سورۃ والصافات میں بھی انہی کا قصہ بیان کیا ہے عبداللہ بن مبارک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

دو بھائیوں کا واقعہ:

ایک شخص کے دو بیٹے تھے دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ ایک بھائی نے ایک ہزار

دینار کی زمین خریدی، دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر دیئے اور کہا اے اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں۔ اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دعا کی، اے اللہ! اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدیتا ہوں، پھر اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرے نے ہزار دینار راہ خدا میں دیکر کہا اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی جنت کی عورت سے میرا نکاح کر دے پھر اول شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی غلام اور گھر کا سامان خریدا اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا مجھے بھائی کے پاس جانا چاہیے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جا بیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزرا اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں آپ کے پاس کچھ بھلائی کی امید لے کر آیا ہوں دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ تو لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے ہو چلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا۔ غرض اس نے غریب کو دھتکار دیا آخر دونوں مر گئے اور ان ہی کے متعلق آیت فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھرا کر سب طرح کا مال دکھایا۔ (تفسیر مظہری)

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

کر دیئے ہم نے ان میں سے ایک کیلئے دو باغ انگور کے

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

اور گرد ان کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی ☆

دو باغ:

یعنی باغوں کے گرد باڑھ کھجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تا غلے اور پھل (قوت اور فواکہ) سب تیار ملیں۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا

دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ ☆

یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت زیادہ آیا دوسرا کم۔ (تفسیر عثمانی)

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

اور بہادی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر ☆

یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

اور ملا اس کو پھل ☆

یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان عیش و رفاہیت جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ

پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ ☆

مشرک مالدار کی دلیل:

یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ملتی۔ اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچتا کر کہتا تھا ''يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا'' معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحد تھا شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہوگا جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتھے میں ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس قلاش حق پر ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَعَزُّ نَفَرًا سو اس نے اپنے ساتھی سے دوران گفتگو میں کہا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھا بھی میرا زبردست ہے۔ یعنی باغوں والے نے نادار مومن سے دوران گفتگو میں کہا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میں نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ نفر سے مراد ہیں نوکر چاکر خدمت گار، بعض نے کہا نرینہ اولاد مراد ہے کیونکہ مومن نے (اس کے جواب میں) کہا تھا اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا اگر چہ تو مجھے

اپنے مقابلے میں کم مالدار اور قلیل الاولاد دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر ☆

تکبر کا نشہ:

یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا۔ دوسروں کو حقیر جانتا تھا، اور خدا کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے۔ بس یہ ہی باغ اس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے تھے۔

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

بولا نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

میں اپنے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر

یعنی اب تو آرام سے گزرتی ہے اور میں نے سب انتظامات ایسے مکمل کر لئے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں۔ رہا بعد الموت کا قصہ، سو اول تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کئے جائینگے۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہئے۔ اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

پھر قطرہ سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو ☆

مؤمن ساتھی کا جواب:

یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدم علیہ السلام) کو بے جان مٹی سے پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناچیز سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور جسمانی و روحانی قوتیں دے کر ہٹا کٹا مرد بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ نہیں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ پھر بھلا اس کے حکم و اختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ ☆

نعمت پر تکبر نہ کرو شکر کرو:

یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ پر اترانے اور کفر بکنے سے آفت آتی ہے۔ چاہئے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت "مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا" کی جگہ "مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور و قوت ہے اسی کی امداد و اعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں سلب کر لے۔ روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہی لفظ کہے۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (تفسیر عثمانی)

اچھی چیز دیکھنے کی دُعاء:

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی چیز دیکھی اور اس کے دل کو پسند آئی اور اس نے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ دیا تو پھر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا (نہ نظر لگے گی نہ غیبی حوادث اس چیز پر آئیں گے) ابن السنی کی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو نظر نہیں لگے گی۔

بغوی نے ہشام بن عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ عروہ کو جب اپنا کوئی مال پسند آیا اور عجیب معلوم ہوتا تھا یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (تفسیر مظہری)

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ،

تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی وہ پسندیدہ محبوب چیز محفوظ رہے گی) اور بعض روایات میں ہے کہ جس نے کسی محبوب و پسندیدہ چیز کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس کو نظر بد نہ لگے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

امام مالک کے مکان کی تختی:

امام دارالھجرت مالک بن انس نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾

اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر ☆

دنیا میں یا آخرت میں (تفسیر عثمانی)

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

اور بھیج دے اس پر لوکا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جائے

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا

میدان صاف یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک

فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

پھر نہ لا سکے تو اس کو ڈھونڈ کر ☆

یعنی ایک گرم بگولا اٹھے اور کوئی آفت سماوی نازل ہو جو تیرے تکبر و تجبر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کر کے صاف چٹیل میدان بنا دے۔ یا نہر کا پانی خشک ہو کر رہ جائے۔ پھر باوجود کوشش کے جاری نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ

اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا ☆

تکبیر کی سزا:

یعنی کف افسوس ملتا رہ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ کف افسوس ملنے لگا ہاتھ پر ہاتھ ملنے لگا یا افسوس و حسرت کے ساتھ ہتھیلیاں اس نے الٹی کر لیں (اور پشت کف کو کاٹنے لگا) تقلیب کفین سے بطور کنایہ مراد ہے پشیمان ہونا یعنی جو کچھ اس نے باغ میں خرچ کیا تھا اس کے برباد ہو جانے پر وہ (پریشان حسرت زدہ اور) پشیمان ہوا۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں آخر اس کے باغ پر وہی ہوا جو اس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا۔ رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی سب جل کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ☆

بے وقت پشیمانی:

مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس و ندامت بھی خدا سے ڈر کر نہیں، محض دنیوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ

اور نہ ہوئی اس کی جماعت کی مدد کریں اس کی اللہ

دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

کے سوائے اور نہ ہوا وہ کہ خود بدلہ لے سکے ☆

کوئی چیز کام نہ آئی:

یعنی نہ جتھا کام آیا، نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدلہ لے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ

یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ ☆

اختیار فقط اللہ کا ہے:

یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا چلتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی جیسے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا ☆

دنیاوی زندگی کی مثال:

یعنی دنیا کی عارضی بہار اور فانی وسریع الزوال تروتازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا۔ وہ یک بیک جی اٹھی، گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا۔ لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی۔ یہ ہی حال دنیا کے دیدہ زیب وابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو چند روز کیلئے خوب ہری بھری نظر آتی ہے۔ آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیگی۔ اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائیگا جیسا کہ آگے "وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً" میں اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت ☆

یعنی جب چاہے پھر جلادے (موضح القرآن) یا یہ کہ اگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا

بدلہ اور بہتر ہے توقع ☆

مال واولاد فانی ہے عمل صالح باقی ہے:

یعنی مرنے کے بعد مال واولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں "سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال حسنہ اس میں داخل ہیں۔ موضح القرآن میں ہے۔ "رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد، کنواں سرائے، باغ، کھیت، وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی وزائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا وآخرت کی کھیتی:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کیلئے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔

باقیاتِ صالحات:

حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا، باقیات صالحات سبحان اللہ اور الحمدللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باقیات صالحات کو زیادہ (پڑھا) کرو۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقیات صالحات کیا ہیں۔ فرمایا سبحان اللہ لا الہ الا اللہ الحمد للہ اللہ اکبر لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پڑھنا۔ رواہ احمد وابن حبان والحاکم۔

نقصان کے دروازے بند کرنے والا وظیفہ:

حضرت جابرؓ کی روایت ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ (کا ذکر) بہت کیا کرو اس سے ضرر کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں جن میں سے ادنیٰ دروازہ غم ہے۔ رواہ العقیلی۔ عقیلی نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہی باقیات صالحات ہیں۔ طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

افضل اور محبوب کلام:

ابن جریر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل کلام سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہے۔ ابن جریر نے یہ حدیث ایک اور صحابی کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔ رواہ احمد، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ جن پر سورج نکلتا ہے۔ (یعنی روئے زمین کی تمام چیزوں سے زیادہ پیاری مجھے یہ تسبیح وتحمید وتہلیل وتکبیر ہے)۔ رواہ مسلم والترمذی۔

نماز پنجگانہ: سعید بن جبیر مسروق اور ابراہیم نخعی کے نزدیک باقیات صالحات سے مراد پنجگانہ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیات صالحات اعمال صالحہ ہیں۔ قتادہ کا یہی قول ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے غلام فرماتے ہیں کہ (حضرت) عثمانؓ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے جو موذن

پہنچا آپ نے پانی منگوایا ایک برتن میں قریب تین پاؤ کے پانی آیا۔ آپ نے وضو کر کے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کر کے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں پھر عصر میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لی تو ظہر سے عصر تک کے تمام گناہ معاف، پھر مغرب کی نماز پڑھی، تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف۔ پھر رات کو وہ سو رہا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشاء سے لے کر صبح تک کے گناہ معاف۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں لوگوں نے پوچھا یہ تو ہوئیں نیکیاں، اب اے عثمانؓ! آپ بتلائیے کہ باقیات صالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ حضرت سعید بن میسّب فرماتے ہیں باقیات صالحات یہ ہیں ۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

پانچ کلمے: حضرت سعید بن میسّبؒ نے اپنے شاگرد عمارہؒ سے پوچھا کہ بتلاؤ باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز اور روزہ۔ آپ نے فرمایا تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔ انہوں نے کہا زکوٰۃ اور حج۔ فرمایا ابھی جواب ٹھیک نہیں ہوا۔ سنو وہ پانچ کلمے ہیں: لاالہ الا اللہ واللہ اکبر سبحان اللہ والحمد للہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ. (احمد)

حضرت سالم اور حضرت محمد بن کعب کا مکالمہ:

سالم بن عبداللہؒ کے مولیٰ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سالمؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا سالم سے کہہ دینا کہ فلاں قبر کے پاس کے کونے میں مجھ سے ملاقات کریں مجھے ان سے کچھ کام ہے۔ چنانچہ دونوں کی وہاں ملاقات ہوئی سلام علیک ہوئی۔ تو سالم نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا لاالہ الا اللہ واللہ اکبر اور سبحان اللہ اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔ سالمؒ نے کہا یہ آخری کلمہ آپ نے اس میں کب سے بڑھایا؟ قرظیؒ نے کہا میں تو ہمیشہ سے اس کلمے کو شمار کرتا ہوں۔ دو تین بار یہی سوال و جواب ہوا تو حضرت محمد بن کعبؒ نے فرمایا کیا تمہیں اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں انکار ہے۔ کہا سنو! میں نے (حضرت) ابوایوب انصاریؓ سے سنا ہے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے معراج کرائی گئی میں نے آسمان پر (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا۔ آپ نے (حضرت) جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ جنت میں اپنے لئے بہت کچھ باغات لگالیں، اس کی مٹی پاک ہے اس کی زمین کشادہ ہے۔ میں نے پوچھا وہاں باغات لگانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ به کثرت پڑھیں۔

(۱) مسند احمد میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے آسمان کی طرف دیکھ کر نظریں نیچی کرلیں۔ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا میرے بعد جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے والے بادشاہ ہوں گے جو ان کے جھوٹ کو سچائے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری کرے وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس کا ہوں اور جو ان کے جھوٹ کو نہ سچائے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری نہ کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ لوگو سن رکھو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر یہ باقیات صالحات یعنی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔

فتنہ کے زمانہ کی دُعاء:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ ایک سفر میں تھے کسی جگہ اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں۔ حسان بن عطیہؒ کہتے ہیں میں نے اس وقت کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا واقعی میں نے غلطی کی سنو اسلام لانے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کوئی کلمہ اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا جو میرے لئے لگام بن جائے بجز اس ایک کلمے کے پس تم لوگ اسے یاد سے بھلا دو اور اب جو میں کہہ رہا ہوں اسے یاد رکھو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ سونے چاندی کے جمع کرنے میں لگ جائیں تم اس وقت ان کلمات کو بکثرت پڑھا کرو: اللھم انی اسئلک الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد واسئلک شکر نعمتک واسئلک حسن عبادتک واسئلک قلبا سلیما واسئلک لسانا صادقا واسئلک من خیر ما تعلم واعوذ بک من شرما تعلیم واستغفرک لما تعلم انک انت علام الغیوب. یعنی اے اللہ! میں تجھ سے اپنے کام کی ثابت قدمی اور نیکی کے کام کا پورا قصد اور تیری نعمتوں کی شکرگزاری کی توفیق طلب کرتا ہوں اور تجھ سے دعا ہے کہ تو مجھے سلامتی والا دل اور سچی زبان عطا فرما۔ تیرے علم میں جو بھلائی ہے میں اس کا خواستگار ہوں اور تیرے علم میں جو برائی ہے میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پروردگار ہر اس برائی سے میری توبہ ہے جو تیرے علم میں ہو۔ بے شک غیب داں تو ہی ہے۔

بعض دیگر اذکار:

حضرت سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ اہل طائف میں سے سب سے پہلے

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں اپنے گھر سے صبح ہی صبح چل کھڑا ہوا اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا پھر اترا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اسلام قبول کیا۔ آپ نے مجھے سورۂ قل ھو اللہ احد اور سورۂ اذازلزلت سکھائی اور یہ کلمات تعلیم فرمائے سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ۔فرمایا یہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔اس سند سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو اٹھے وضو کرے کلی کرے پھر سو بار سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر لاالہ الااللہ پڑھے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بجز قتل خون کے، وہ معاف نہیں ہوتا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں باقیات صالحات ذکراللہ اور لاالہ الا اللہ واللہ اکبر سبحان اللہ والحمدللہ تبارک اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ واستغفراللہ وصلی اللہ علی رسول اللہ ہے اور روزہ نماز حج صدقہ غلاموں کی آزادی۔ جہاد صلہ رحمی اور کل نیکیاں یہ سب باقیات صالحات ہیں جن کا ثواب جنت والوں کو جب تک آسمان وزمین رہیں ملتا رہتا ہے۔فرماتے ہیں پاکیزہ کلام بھی اسی میں داخل ہے۔

تمام اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کل اعمال صالحہ اسی میں داخل ہیں، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے مختار بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نیت وارادہ:

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ باقیات صالحات انسان کی نیت اور ارادہ ہیں کہ اعمال صالحہ کی قبولیت اس پر موقوف ہے۔

نیک لڑکیاں:

اور عبید ابن عمر نے فرمایا کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں کہ وہ اپنے والدین کے لئے سب سے بڑا ذخیرہ ثواب ہیں، اس پر حضرت صدیقہ عائشہؓ کی ایک روایت دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو جہنم میں لے جانے کا حکم دیدیا گیا، تو اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور رونے اور شور کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ یا اللہ انہوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا اور ہماری تربیت میں محنت اٹھائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔ (قرطبی)

قرطبی نے فرمایا کہ ایک حدیث میں جو آیا ہے کہ مردے برزخ میں ایک دوسرے سے اپنے کفنوں میں ملبوس ہو کر ملاقات کریں گے وہ اس حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ معاملہ قبر اور برزخ کا ہے یہ میدان حشر کا اور بعض روایات حدیث میں جو یہ منقول ہے کہ میت اپنے اسی لباس میں میدان حشر میں اٹھے گا، جس میں اس کو دفن کیا گیا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ اپنے مردوں کے کفن اچھے بنایا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اسی کفن میں اٹھیں گے اس کو بعض حضرات نے شہیدوں پر محمول کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ محشر میں بعض لوگ ملبوس اٹھیں اور بعض ننگے، اس طرح دونوں قسم کی روایات جمع ہو جاتی ہیں۔ (مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً

اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی ☆

قیامت کا زلزلہ:

یعنی جب قیامت آئیگی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائیگی۔ بلکہ اس کی بھاری بھاری چٹانیں دھنی ہوئی اون کی طرح فضا میں اڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے ابھار مٹا کر سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۴۷﴾

اور گھیر بلائیں ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو ☆

یعنی کوئی شخص خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ایک حدیث جس کیلئے مہینہ بھر کا سفر کیا گیا:

مسند احمد میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے روایت پہنچی کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے اس حدیث کو خاص ان سے سننے کے لئے ایک اونٹ خریدا سامان کس کر سفر کیا۔ مہینہ بھر کے بعد شام میں ان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن انیسؓ ہیں میں نے دربان سے کہا جاؤ خبر کرو کہ جابر دروازے پر ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا جابر بن عبداللہؓ؟ میں نے کہا، جی ہاں ۔ یہ سنتے ہی جلدی کے مارے چادر سنبھالتے ہوئے جھٹ سے باہر آ گئے اور مجھے لپٹ گئے معانقہ سے فارغ ہو کر میں نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے قصاص کے بارے میں کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو میں نے چاہا کہ خود آپ سے میں وہ حدیث سن لوں اس لئے یہاں آیا، اور سنتے ہی سفر شروع کر دیا اس خوف سے کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے میں مر نہ جاؤں یا آپ کو موت نہ آ جائے۔ اب آپ سنائیے وہ حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے تمام بندوں کا اپنے سامنے حشر کرے گا ننگے بدن بے ختنہ بے سروسامان ۔ پھر انہیں ندا کرے گا جسے دور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے فرمائے گا کہ میں مالک ہوں میں بدلے دلوانے

والا ہوں، کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہ جائے گا جب تک اس کا جو حق کسی جنتی کے ذمہ ہو، میں نہ دلوادوں اور نہ کوئی جنتی جنت میں داخل ہوسکتا ہے جب تک اس کا حق جو جہنمی پر ہے، میں نہ دلوادوں گو ایک تھپڑ ہی ہو۔ ہم نے کہا حضور! یہ حق کیسے دلوائے جائیں گے حالانکہ ہم سب تو وہاں ننگے پاؤں ننگے بدن بے مال واسباب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اس دن حق نیکیوں اور برائیوں سے ادا کئے جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں دار بکری نے مارا ہے تو اس سے بھی اس کو بدلہ دلوادیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ
اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر آ پہنچے
جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ
تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں
زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾
تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کرینگے ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ ☆

محشر کی حاضری:

منکرین بعث کو تقریع وتوبیخ کے طور پر یہ کہا جائیگا کہ تم تو قیامت وغیرہ کو محض ڈھکوسلہ سمجھتے تھے۔ آج سب جتھا اور اثاثہ چھوڑ کر ننگ دھڑنگ کہاں آ پہنچے۔ اور ''جیسا بنایا تھا پہلی بار'' میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم ونقصان وغیرہ نہ رہے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں اسی امت محمدیہ کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی برہنگی:

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (دیکھو) آخر تم ہمارے پاس آئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح ہم نے تم کو برہنہ بدن، برہنہ پا غیر مختون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال ودولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادار برہنہ غیر مختون۔ ہم نے تم کو قبروں سے اٹھایا ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو تم کو (قبروں سے) اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لے جایا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ پھر سب مخلوق سے پہلے ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔

ہر آدمی اپنی حالت میں مشغول ہوگا:

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے بعض بعض کو (برہنہ) دیکھیں گے، فرمایا لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے حضرت ام سلمہؓ نے کہا وہ کس شغل میں ہوں گے۔ فرمایا اعمالنامے کھول کر (سامنے) لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چیونٹی کے برابر اور رائی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا۔ بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بی بی نے کہا، ہم میں سے بعض بعض کی برہنگی کو دیکھیں گے۔ فرمایا، اری اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

طبرانی نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور حضرت حسنؓ کی روایت سے مرفوعاً یہ حدیث آئی ہے جس میں مذکور ہے کہ بی بی کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھیں گے، آنکھیں تو پھٹی ہوئی اوپر کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں گی یہ بیان کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اوپر کی طرف اٹھائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون اٹھایا جائے گا پسینہ (کا سیلاب) کسی کے منہ تک لگام کی طرح آیا ہوگا اور کسی کے کانوں کی لوتک میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے ایک دوسرے کو (برہنہ) دیکھے گا، فرمایا لوگ اپنی ہی حالت میں مبتلا ہوں گے ان کی اپنی حالت دوسرے کی طرف دیکھنے نہ دے گی۔ اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابوسعید خدری کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے حسن سند سے بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی ماں کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی (کفن کے کپڑوں) میں ان کو اٹھایا جائے گا۔

بیہقی نے مختلف روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا، اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل اچھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الابصار شاخصۃ (نظریں اوپر کو اٹھی ہوں گی) فرمایا اور اللہ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ، دونوں جگہ کافر ہی مراد ہیں خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پھٹ جانا اور اوپر کو حیرت سے دیکھتے رہنا کفار کی خصوصیت ہوگی صلحاء کا یہ حال نہ ہوگا۔ البتہ یہ شبہ اس تاویل کے باوجود باقی رہتا ہے کہ اگر صلحاء عریاں نہیں اٹھیں گے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

بخاری، مسلم، ترمذی میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت میں اپنے رب کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن پیدل چلتے ہوئے آؤ گے، اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائیگا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، یہ سن کر حضرت صدیقہ عائشہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا سب مرد وعورت ننگے ہونگے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اس روز ہر ایک کو ایسا شغل اور ایسی فکر گھیرے رہے گی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے گا سب کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی ہوں گی۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ
ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے ☆

اعمالناموں کا ملنا:

یعنی اعمالنامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ
اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیسا ہے یہ کاغذ
لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا
نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا
اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے ☆

ذرہ ذرہ عمل سامنے آئے گا:

یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمالنامہ میں مندرج پائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صغیرہ (بے جا) تبسم اور کبیرہ قہقہہ ہے سعید بن جبیر نے کہا صغیرہ (نامحرم کا) چھو لینا بوسہ لینا اور کبیرہ زنا ہے۔ دونوں بزرگوں نے صغائر و کبائر کی مثالیں دی ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ سورۂ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر میں ہم نے کبائر کی تفصیل کر دی ہے۔

اِلَّآ اَحْصٰىهَا مگر اعمالنامے نے اس کی گنتی کر رکھی ہے۔ اس کا احاطہ کر لیا ہے یعنی کسی چھوٹے بڑے گناہ کو بغیر احاطہ کیے نہیں چھوڑا۔ حضرت سہل بن سعد کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی کے اندر اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے) لوگ روٹی پکا لیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے) حقیر گناہ (بھی) ہلاک کرنے والے کبائر (ہو جاتے) ہیں۔ رواہ البغوی

چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرو:

طبرانی نے حضرت سعد بن عبادہؓ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت سعد نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے فارغ ہو گئے (اور واپس ہوئے) تو ہم ایک ویران بے آب و گیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے، تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لا کر) ڈھیر کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو دیکھ رہے ہو جس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔

نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنیوالا بھی (قیامت کے دن) ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ امام احمد نے بھی صحیح سند سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا
اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر ☆

اللہ کے کسی قسم کے ظلم کا کوئی تصور نہیں ہے:

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بایں معنی توامکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی وبدی کے ہرایک درخت پر وہ ہی پھل لگاتا ہے جواس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔

گندم از گندم بروید جوز جو ۔ از مکافات عمل غافل مشو

کفروایمان اور طاعت ومعصیت میں خالق الکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص وتاثیرات رکھ دی ہیں جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر وشر کے یہ تمام خواص وآثار علانیہ ظاہر ہوجائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتا یا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔

قیامت کے دن تین پیشیاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی، دو پیشیاں تو جھگڑنے اور اپنے اپنے عذر پیش کرنے کی ہوں گی اور تیسری پیشی وہ ہوگی کہ اعمالنامے اڑکر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ سے اعمالنامے کو لیگا کوئی بائیں ہاتھ سے۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کے حوالہ سے موقوفاً بیان کی ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا پہلی پیشی جھگڑے کے لئے ہوگی۔ یعنی بندے اپنے گناہوں سے بری ہونے کے لئے جھگڑے کریں گے وہ رب سے واقف نہیں ہوں گے اس لئے جھگڑے کریں گے اور خیال کریں گے کہ اس طرح ہم حجت پیش کرنے میں غالب ہوجائیں گے اور سزا سے بچ جائیں گے، دوسری پیشی میں اللہ کی طرف سے حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کے سامنے اتمام حجت کیا جائے گا اور دشمنوں کو عذاب دینے کی حقانیت ثابت ہوجائے گی اور اللہ ان کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی صرف مومنوں کی ہوگی جو ان کی مغفرت کے لئے ہوگی، البتہ تنہائی میں اللہ ان کو طلب کر کے کچھ زیادہ سرزنش کردے گا مومن کو (اپنا گناہ دیکھ کر) بڑی شرم آئے گی اور خجالت کا مزہ چکھے گا پھر اللہ ان کو معاف کردے گا اور ان سے راضی ہوجائے گا۔

اعمالناموں کی تقسیم:

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمالنامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں جب میدان قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمالناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمالنامہ میں یہ تحریر ہوگی۔ اِقْرَأْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھا نہ ہوگا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے
إِلَّآ إِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ
مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے
أَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ
سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوائے اور وہ تمہارے دشمن ہیں
عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا
بُرا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ ☆

شیطان کا تکبر:

راجح یہ ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہوگیا۔ اسی لئے فرشتوں کو جو حکم سجود ہوا اس کو بھی ہوا۔ اس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی۔ تکبر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدم کے سامنے سر جھکانے میں کسر شان سمجھی۔ تعجب ہے کہ آج آدم کی اولاد اپنے رب کی جگہ اسی دشمن ازلی اور اس کی اولاد واتباع کو اپنا رفیق وخیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہوگا، یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کا مقصد:

یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہوکر آخرت سے غافل ہوجانا شیطان کی تحریک وتسویل سے ہے چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی وآبائی وطن (جنت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے۔ آدمی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہوشیار رہے۔ جو لوگ دنیوی متاع پر مغرور ہوکر ضعفاء کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا کھینچتے ہیں، وہ تکبر وتفاخر میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔

تنبیہ: ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع

ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر وفکر کے بعد احتیاط کیساتھ قبول کرنا چاہیے اور ان میں بعض چیزیں تو یقیناً جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قرآن ان کی صاف تکذیب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیر نے بہت وزن دار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے یہاں بخوف تطویل ہم درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

سجدہ آدم کے واقعہ کے تکرار کی حکمت:

قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اور ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لئے اس واقعہ کا تذکرہ کیا (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لئے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہواء نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی۔ اور اس کی فنا پذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی در پردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

شیطان کی بیوی ہے:

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے شعبی کا بیان نقل کیا، شعبی نے کہا میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ اور اولاد بغیر بی بی کے ہو نہیں سکتی (کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ، اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جب کہ اس کی بی بی نہیں ہے (مفسر رحمہ اللہ) یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا ہاں (ابلیس کی بی بی ہے)۔

شیطانوں میں توالد وتناسل:

قتادہ نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح توالد وتناسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دم اپنے دبر میں داخل کر لیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہو جاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطانوں کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔

شیطان کی اولاد اور ان کے کام:

مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقیس۔ ولہان۔ ہفاف، مرہ، زلنبور، اعور، مطوس یثور، داسم، ولہان وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابومرہ مشہور ہے۔ زلنبور بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تناسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک مار دیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ یثور مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ داسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو یہ شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کئے آدمی کھانے لگتا ہے تو داسم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اعمش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹا نظر آیا، میں نے کہا اس کو یہاں سے اٹھاؤ پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آ گیا اور میں نے کہا یہ داسم ہے، داسم ہے۔

وضو میں بہکانے والا شیطان:

حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے وسوسے سے بچتے رہو۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے، خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔

نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان:

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیطان میرے اور میری نماز وقراءت کے درمیان دخل انداز ہو جاتا ہے اور نماز کو مشتبہ بنا دیتا ہے (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھتکار دو۔ حضرت عثمان کا بیان ہے میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ رواہ مسلم۔

میاں بیوی میں جھگڑا:

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلیس

اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں) روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آکر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کئے ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بی بی میں علیحدگی کرادی۔ ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا پھر اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔ اعمش کا بیان ہے میرا خیال ہے راوی نے یہ بھی کہا پھر ابلیس اس کو چمٹالیتا ہے۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کا اپنی عبادت پر گھمنڈ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا، جنتوں کا داروغہ تھا آسمان دنیا کا بادشاہ تھا زمین کا بھی سلطان تھا۔ اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے۔ وہ گھمنڈ بڑھتا جارہا تھا۔ اس کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو تھا پس اس کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہوگیا۔ بربنائے تکبر صاف انکار کردیا اور کافروں میں جاملا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا۔ جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کردیتے ہیں، اور کہتے ہیں مکی، مدنی، بصری، کوفی، یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا۔ یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن رہتا تھا زمین پر۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھول گیا تھا اس کے قبیلے کا نام جن تھا۔ آسمان و زمین کے درمیان آمدورفت۔

متکبر سے توبہ کی امید نہیں:

رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہوگیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی امید نہیں ہوسکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابلیس کی اولاد اور ذریت بھی ہے:

وذریتہ اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے کہ شیطان کے اولاد وذریت ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ ذریت سے مراد معین ومددگار ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ شیطان کی صلبی اولاد بھی ہو۔ مگر ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع بین الصحیحین میں حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوجاتے ہیں یا وہ لوگ جو سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت اس کے انڈوں سے پھیلتی ہے، قرطبی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ شیطان کے مددگار اور لشکر ہونا تو قطعی دلائل سے ثابت ہے اولاد صلبی ہونے کے متعلق بھی ایک صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ

دکھلا نہیں لیا تھا میں نے ان کو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا

اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

خود ان کا اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار ☆

اللہ کے نظام میں شیطان کا کوئی حصہ نہیں ہے:

یعنی زمین وآسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آکر دیکھ جائیں، ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین وایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا، نہ مدد طلب کی گئی۔ بلکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنایا جائے۔ یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آکر میری مدد کرو۔ اور بفرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دیدیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق ومددگار بنانے لگے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (تفسیر عثمانی)

عبادت کا استحقاق:

مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت واطاعت کے مستحق ہوجائیں۔ عبادت کا استحقاق اسی کو ہوسکتا ہے جو خالق ہو اور عبادت میں شرک کا معنی یہ ہے کہ خالقیت میں شرکت ہو اور خالقیت میں اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہیں تو معبودیت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ

اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو ☆

یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا، بلاؤ تا کہ اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جن کو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے

لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

ان کو اور کر دیں گے ہم ان کے اور ان کے بیچ مرنے کی جگہ ☆

جھوٹے عابد و معبود کی رفاقت کوئی فائدہ نہ دے گی:

اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائیگی۔ ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جاسکیں گے۔ کام آنا تو در کنار دونوں کے بیچ میں عظیم و وسیع خندق آگ کی حائل ہوگی (اعاذنا اللہ منہا) (تفسیر عثمانی)

موبقاً ہلاکت کا مقام۔ اوبقہ اس کو ہلاک کردیا۔ عطاء اور ضحاک نے یہی ترجمہ کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا موبق دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد نے کہا گرم پانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہؒ نے کہا موبق آگ کا دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خچروں کے برابر سانپ ہیں، ابن الاعرابی نے کہا دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو اس کو موبق کہتے ہیں۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا
اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں
وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾
اور نہ بدل سکیں گے اس سے رستہ ☆

کافروں کی سب امیدیں ختم:

یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہوگی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہو جائیگا کہ اب اس میں گرنا ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْمُجْرِمُوْنَ سے مراد ہیں مشرک۔ فَظَنُّوْٓا یعنی وہ یقین کرلیں گے۔ مُّوَاقِعُوْهَا، یعنی اس کے اندر گرنے والے ہیں، امام احمد نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا کی تشریح میں فرمایا کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (یعنی قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا۔ جیسے کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور وہ جہنم کو دیکھتا رہے گا اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گرا جارہا ہوں۔ مصرفا یا مصدر ہے لوٹنا، واپس ہونا یا اسم ظرف ہے یعنی کوئی ایسا مقام جس کی طرف وہ لوٹ سکیں (اور دوزخ سے بچ جائیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ
اور بیشک پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر
كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾
ایک مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو ☆

انسان کی جھگڑالو طبیعت:

یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کی دلائل و امثلہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ حجتی کیے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو مہمل اور دور از کار فرمائشیں شروع کردیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علیؓ کا بیان ہے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آپہنچے اور فرمایا تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو (یعنی تہجد کی نماز یا نفل نماز) میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جب ہم کو اٹھانا چاہتا ہے ہم کو اٹھا دیتا ہے۔ میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرمارہے تھے، وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ جھگڑالو انسان واقع ہوا ہے اس کی شہادت میں ایک حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک شخص کفار میں سے پیش کیا جائے گا اس سے سوال ہوگا کہ ہم نے جو رسول بھیجا تھا ان کے متعلق تمہارا کیا عمل رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو آپ پر بھی ایمان لایا آپ کے رسول پر بھی، اور عمل میں ان کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ سامنے رکھا ہے اس میں تو یہ کچھ بھی نہیں، یہ شخص کہے گا کہ میں تو اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ ہمارے فرشتے تو تمہاری نگرانی کرتے تھے وہ تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں، یہ کہے گا کہ میں ان کی شہادت کو بھی نہیں مانتا۔ اور نہ ان کو پہچانتا ہوں، نہ میں نے ان کو اپنے عمل کے وقت دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ سامنے ہے۔ اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! آپ نے مجھے ظلم سے پناہ دی ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، بیشک ظلم سے تو ہماری پناہ میں ہے، تو اب وہ کہے گا کہ میرے پروردگار میں ایسی غیبی شہادتوں کو کیسے مانوں جو میری دیکھی بھالی نہیں، میں تو ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے نفس کی طرف سے ہو۔ اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کفر و شرک پر گواہی دیں گے اس کے بعد اس کو آزاد کردیا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اس روایت کا مضمون صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے منقول ہے، (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

انسان کی کج بحثیاں

انسان سے جب ایسی ذات کے بارہ میں سوال کیا جائے جس نے اس غیر محدود لامتناہی کائنات کو جامۂ وجود بخشا تو اول تو اس کے وجود کے اعتراف سے اُس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے، ذہن و دماغ کے دریچے بند ہونے لگتے ہیں

اور اگر اعتراف کرتا بھی ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی اسی کا ہم جنس اور اسی کا برادری کا ہو کبھی اس کے لئے بیوی بچے تجویز کرتا ہے اور کبھی خود اپنا سلسلۂ نسب اس سے جوڑتا ہے اور اگر پرواز فکر انسانی علائق کی پستی سے بلند ہو تو پھر قیاس وتشبیہ کی الجھنیں اس کے پر نوچ لیتی ہیں اور وہ اس ذات ازلی وابدی بے چون وچرا کو خود اپنے فانی وجود پر قیاس کرنے لگتا ہے اور بحث و مباحثہ کے وہ معرکے برپا کرتا ہے کہ عالم وجود کا ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ كَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (سورہ کہف) (افادات مدنیؒ)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ

اور لوگوں کو جو روکا اس بات سے کہ یقین لے آئیں جب پہنچی ان کو ہدایت

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ

اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم

الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

پہلوں کی یا آ کھڑا ہو ان پر عذاب سامنے کا ☆

لوگوں کا انکارِ حق اب ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے:

یعنی ان کے ضد وعناد کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن ایسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کا ہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بالکل تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کئے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہو۔ ھٰکذا یفھم من تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہوویں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں"۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو ☆

ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ چاہیں عذاب لا کھڑا کریں۔

وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ

اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ

کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو ☆

کافروں کی کٹ حجتی:

یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر اور کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا ☆

یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے

فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ

پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ ☆

غفلت کی انتہاء:

یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء وتمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اس کی سزا کیا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ

ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے، کہ اس کو نہ سمجھیں

وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ

اور ان کے کانوں میں ہے بوجھ اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر

فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿۵۷﴾

تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی ☆

مسخ فطرت:

یعنی ان کے جدال بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بدبختوں کے راہ پر آنے کی کبھی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

انا جعلنا الخ نہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت وسبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔ ان یفقھوہ آیات رب کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں، یعنی تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے سمجھ نہیں سکتے۔ آیات رب سے مراد چونکہ قرآن ہے۔ اس لئے، ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب ذکر کی۔ (تفسیر مظہری)

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ

اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے

بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ

ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب ☆

رحمتِ الٰہی کی وجہ سے عذاب مؤخر ہے:

یعنی کرتوت تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ ہو، مگر حق تعالیٰ کا حلم وکرم فوراً تباہ کرڈالنے سے مانع ہے۔ اپنی رحمت عامہ سے خاص حد تک درگزر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے تو اب بھی توبہ کر کے پچھلی خطائیں بخشوالے۔ اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾

پر ان کیلئے ایک وعدہ ہے کہیں نہ پائیں گے اس سے درے سرک جانے کو جگہ ☆

عذاب کا وقت مقرر ہے:

یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے، جب وقت آئے گا سب بندھے چلے آئیں گے، مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ ☆

عاد وثمود کیسے ہلاک ہو گئے؟

یعنی عاد وثمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور ومعروف ہیں۔ دیکھ لو جب ظلم کیے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ وبرباد کر دی گئیں۔ اسی طرح تم کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ وقت آنے پر عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرنوں ☆

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ:

اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں تو ہم بیٹھیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کہاوت سنائی، پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر وغرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب وتنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمارہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے موسیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے گو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب ومقبول بندے، بہت سے ہیں، سب کی خبر اسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے (دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہوگا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ''مجمع البحرین'' وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرت خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تا میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا ''مجمع البحرین'' سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لیکر سفر شروع کر دیا۔ اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہونگا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں گے بدون مقصد حاصل کیے سفر سے نہ ہٹوں گا۔

حضرت یوشع علیہ السلام:

(تنبیہ): جوان سے مراد حضرت یوشع ہیں جو ابتداء موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے پھر ان کے روبرو پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت موسیٰؑ کے باپ کا نام عمران تھا، صحیح حدیث میں یہی آیا ہے، فتیٰ سے مراد ہیں یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام (حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید یوشع کے باپ نون، افرائیم کی نسل میں سے تھے، (بیٹے نہیں تھے) کیونکہ افرائیم کا زمانہ نون کے زمانہ سے بہت پہلے تھا۔

لاابرح یعنی برابر مسلسل چلتا رہوں گا۔

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ، دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس و بحر روم کا سنگم (قتادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے حضرت ابی بن کعب کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ حقبا، یعنی طویل زمانہ تک قاموس میں ہے حقبہ اسی سال یا اس سے زیادہ کی مدت۔ زمانہ طویل۔ سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں۔

سب سے بڑا عالم:

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز) موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے کسی نے سوال کر لیا (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا، میں، اللہ کو موسیٰ کی یہ بات ناپسند ہوئی، کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جانے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام تم سے زیادہ عالم میرا ایک اور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔

بڑے عالم سے ملاقات کا سفر:

موسیٰؑ نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کیسے ہوگی۔ اللہ نے فرمایا، ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے کنارے چل دو) جہاں مچھلی (اچھل کر پانی میں چلی جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی موسیٰ توشہ دان یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے اور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے۔ مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جا گری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنا لیا۔ اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جا گری تھی) موسیٰ بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اٹھے اور پھر چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰ دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے کھانا لاؤ، جب تک موسیٰ مچھلی کے تڑپنے کے مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا۔ یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جا گری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا، موسیٰ نے کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے، یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آ گئے۔

حضرت خضرؑ سے ملاقات:

وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا، موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ خضرؑ نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ خضر نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا علم:

خضر نے کہا موسیٰ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ خضرؑ نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔ عہد و پیمان کے بعد دونوں چل دیئے۔

کشتی کا تختہ توڑ دیا:

چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ ادھر سے ایک کشتی گزری۔ کشتی والوں

سے ان بزرگوں نے سوار کر لینے کے لئے کہا، کشتی والے خضر کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہو گئے (اور چل دیئے تو اثناء راہ میں) اچانک موسیٰ نے دیکھا کہ خضر بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا سوال:

کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو پھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔

حضرت خضرؑ کا جواب:

خضر نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، موسیٰ نے کہا میں بھول گیا تھا آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی اور دشواری نہ ڈالیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً بالارادہ۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے موازنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی لیا۔ خضر نے موسیٰ سے کہا، میرا اور آپ کا علم، علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کردی۔ (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحر بے کراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا)

حضرت خضرؑ نے لڑکے کو قتل کر دیا:

پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے خضرؑ کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔

موسیٰؑ کا اعتراض:

موسیٰؑ نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی ایک معصوم کو بے قصور قتل کر دیا۔ خضرؑ نے کہا، کیا میں نے آپ سے نہیں کہدیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خضرؑ کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی، (اس لئے موسیٰ نے بیتاب ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰؑ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لئے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے ایک گاؤں میں پہنچے،

بستی والوں کی دیوار بنادی:

بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرنے ہی والی تھی، خضرؑ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کو ٹھیک کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ کا اعتراض:

موسیٰ نے کہا ہم اس بستی میں آئے بستی والوں سے کھانا مانگا کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کردی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے۔

فراق فیصلہ اور خضرؑ کے عمل کی حکمتیں:

خضرؑ نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اسکے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت وحکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش موسیٰ صبر کئے رہتے (اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے) یہاں تک کہ اللہ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

سب سے پیارا، سب اچھا حاکم اور سب سے بڑا عالم:

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے دریافت کیا (اے اللہ) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ نے فرمایا (مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کیا سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے۔ اللہ نے فرمایا جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے موسیٰؑ نے عرض کیا تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے فرمایا جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے (یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یا دوسروں سے سیکھ کر اضافہ کر لیتا ہے) اس غرض سے کہ شاید اس کو کوئی بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتا دے اور ہلاکت (کے راستہ) سے موڑ دے، موسیٰ نے کہا تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتا دے، اللہ نے فرمایا، تجھ سے زیادہ عالم خضر ہے، موسیٰؑ نے کہا، میں خضر کو کہاں تلاش کروں، اللہ نے فرمایا پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔ موسیٰؑ نے کہا، مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا، اللہ نے فرمایا ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے خادم سے فرمایا، جس جگہ مچھلی کھو جائے مجھے بتا دینا، اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔ (تفسیر مظہری)

دو دریاؤں کا سنگم:

مجمع البحرین کے لفظی معنی ہر وہ جگہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں، اس جگہ مجمع البحرین سے کونسی

جگہ مراد ہے چونکہ قرآن وحدیث میں اس کو معین طور پر نہیں بتلایا، اس لئے آثار وقرائن کے اعتبار سے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ بحر فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے، ابن عطیہؒ نے آذر بائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے، بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے۔ بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔ ابی بن کعبؓ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے آرمینیہ میں بتلایا ہے۔ بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے وہ موقع بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

صحیح بخاری ومسلم میں یہ طویل حدیث اس طرح آئی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موسیٰ بنی اسرائیل اور نوجوان ساتھی کا نام یوشع بن نون ہونا اور جس بندے کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف بھیجا گیا تھا ان کا نام خضر ہونا تصریحاً مذکور ہے۔

سفر کے بعض آداب اور پیغمبرانہ عزم کا ایک نمونہ:

لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر یوشع بن نون سے کہا، جس کا مطلب اپنے سفر کا رخ اور منزل مقصود رفیق کو بتانا تھا، اس میں بھی حسن ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کر دینا چاہیے متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو نہ قابل خطاب سمجھتے ہیں نہ اپنے سفر کے متعلق ان کو کچھ بتاتے ہیں۔

حقباً حقبہ کی جمع ہے اہل لغت نے کہا کہ حقبہ اسی سال کی مدت ہے۔ بعض نے اس سے زیادہ کو حقبہ قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ زمانہ دراز کو کہا جاتا ہے تحدید وتعیین کچھ نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق کو یہ بتلا دیا کہ مجھے مجمع البحرین کی اس جگہ پر پہنچنا ہے جہاں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے، اور عزم یہ ہے کہ کتنا ہی زمانہ سفر میں گزر جائے جب تک اس منزل مقصود پر نہ پہنچوں سفر جاری رہے گا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں پیغمبرانہ عزم ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

''میں سب سے زیادہ علم والا ہوں'' حق تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا تو ان کی تنبیہ کے لئے اپنے ایک ایسے بندے کا ان کو پتہ دیا گیا جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا ایک خاص علم تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا علم ان کے علم سے درجہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، مگر بہر حال وہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہ تھا، ادھر موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے طلب علم کا ایسا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ جب یہ معلوم ہوا کہ کہیں اور بھی علم ہے، جو مجھے حاصل نہیں تو اس کے حاصل کرنے کے لئے طالب علماء نہ سفر کے لئے تیار ہو گئے اور حق تعالیٰ ہی سے اس بندے (خضر علیہ السلام) کا پتہ پوچھا، اب یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو خضر علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات یہیں آسانی سے کرا دیتے، یا موسیٰ علیہ السلام ہی کو طالب علم بنا کر سفر کرانا تھا تو پتہ صاف بتا دیا جاتا جہاں پہنچنے میں پریشانی نہ ہوتی مگر ہوا یہ کہ پتہ ایسا مبہم بتلایا گیا کہ جس جگہ پہنچ کر مری ہوئی مچھلی زندہ ہو کر گم ہو جائے اس جگہ وہ ہمارا بندہ ملے گا۔

مچھلی:

صحیح بخاری کی حدیث سے اس مچھلی کے متعلق اتنا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لیں، اس سے زائد یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ مچھلی کھانے کے لئے ساتھ رکھنے کا حکم ہوا تھا یا کھانے سے علیحدہ، دونوں احتمال ہیں، اسی لئے مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ یہ بھونی ہوئی مچھلی کھانے کے لئے رکھی گئی تھی، اور اس سفر کے دونوں ساتھی دوران سفر اس میں سے کھاتے بھی رہے۔ اس کا نصف حصہ کھایا جا چکا تھا، اس کے بعد بطور معجزہ یہ بھونی ہوئی اور آدھی کھائی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔

ابن عطیہ اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ مچھلی بطور معجزہ کے پھر دنیا میں باقی بھی رہی اور بہت دیکھنے والوں نے دیکھا بھی کہ اس کی صرف ایک کروٹ ہے اور دوسری کھائی ہوئی ہے، ابن عطیہ نے خود بھی اپنا دیکھنا بیان کیا ہے۔ (قرطبی)

اور بعض مفسرین نے کہا کہ ناشتہ کھانے کے علاوہ ایک علیحدہ زنبیل میں مچھلی رکھنے کا حکم ہوا تھا، اس کے مطابق رکھ لی گئی تھی۔ اس میں بھی اتنی بات تو متعین ہے کہ مچھلی مردہ تھی زندہ ہو کر دریا میں چلا جانا ایک معجزہ ہی تھا۔

حضرت موسیٰؑ کا امتحان تھا:

حضرت خضر علیہ السلام کا پتہ ایسا مبہم دیا گیا کہ آسانی سے جگہ متعین نہ ہو ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابتلاء وامتحان ہی تھا، اس پر مزید امتحان کی صورت یہ پیدا کی گئی کہ جب عین موقع پر یہ لوگ پہنچ گئے تو مچھلی کو بھول گئے، آیت قرآنی میں یہ بھول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ نَسِيَا حُوْتَهُمَا لیکن حدیث بخاری سے جو قصہ ثابت ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں جانے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، صرف یوشع بن نون نے یہ واقعہ عجیبہ دیکھا اور ارادہ کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بیدار ہو جائیں تو ان کو بتلاؤں گا، مگر بیداری کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر نسیان مسلط کر دیا اور بھول گئے تو یہاں دونوں کی طرف بھولنے کی نسبت ایسی ہوگی جیسے قرآن میں يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ میں دریائے شیریں اور دریائے شور چلے جانا خود ایک واقعہ عجیبہ خرق عادت تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا مسئلہ:

قرآن کریم میں اگرچہ اس صاحب واقعہ کا نام مذکور نہیں بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ کہا گیا، مگر صحیح بخاری کی حدیث میں ان کا نام خضر بتلایا گیا

ہے، خضر کے لفظی معنی ہرے بھرے کے ہیں، ان کا نام خضر ہونے کی وجہ عامہ مفسرین نے یہ بتلائی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو کیسی ہی زمین ہو وہاں گھاس اگ جاتی اور زمین سرسبز ہو جاتی تھی قرآن کریم نے یہ بھی واضح نہیں کیا کہ خضر علیہ السلام کوئی پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد تھے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی ہونا خود قرآن کریم میں ذکر کئے ہوئے واقعات سے ثابت ہے۔ کیونکہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں۔ اور حکم شریعت سے کوئی استثنا ءبجز وحی الٰہی کے ہو نہیں سکتا۔ جو نبی اور پیغمبر ہی کے ساتھ مخصوص ہے ولی کو بھی کشف یا الہام سے کچھ چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں مگر وہ کوئی حجت نہیں ہوتی۔ ان کی بناء پر ظاہر شریعت کے کسی حکم کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لئے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے۔ ان کو بذریعہ وحی الٰہی بعض خاص احکام وہ دیئے گئے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف تھے انہوں نے جو کچھ کیا اس استثنائی حکم کے ماتحت کیا خود اس کی طرف سے اس کا اظہار بھی قرآن کے اس جملے میں ہو گیا۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (یعنی میں نے جو کچھ کیا اپنی طرف سے نہیں کیا، بلکہ امر الٰہی سے کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں۔ مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ اسی لئے اس پر اعتراض کیا تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابو حیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہے۔

کسی ولی کو ظاہر شریعت کے حکم کی خلاف ورزی حلال نہیں:

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے صوفی جو کہنے لگے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے، بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں مگر طریقت میں جائز ہیں اس لئے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام پر کسی دنیا کے ولی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ظاہر شریعت کے خلاف اس کے کسی فعل کو جائز کہا جا سکتا ہے۔

شاگرد پر استاد کا اتباع لازم ہے:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود نبی و رسول اور اولوالعزم پیغمبر ہونے کے حضرت خضرؑ سے تعظیم و تکریم کے ساتھ درخواست کی کہ میں آپ سے آپ کا علم سیکھنے کے لئے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحصیل علم کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کی تعظیم و تکریم اور اتباع کرے۔ اگرچہ شاگرد اپنے استاذ سے افضل و اعلیٰ بھی ہو۔ (قرطبی، مظہری)

عالم شریعت کیلئے جائز نہیں کہ خلاف شرع امر پر صبر کرے:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا

حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور کیسے صبر کریں گے جب کہ آپ کو حقیقت امر کی اطلاع نہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے جو علم عطا ہوا ہے اس کی نوعیت آپ کے علم سے مختلف ہے۔ اس لئے آپ کو میرے معاملات قابل اعتراض نظر آئیں گے، جب تک کہ میں ان کی حقیقت سے آپ کو مطلع نہ کر دوں، آپ اپنے فرض منصبی کی بناء پر اس پر اعتراض کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس جانے اور ان سے علم سیکھنے کا حکم ہوا تھا، اسلئے یہ اطمینان تھا کہ ان کا کوئی فعل در حقیقت خلاف شرع نہیں ہوگا گو ظاہر میں سمجھ میں نہ آئے، اس لئے صبر کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ورنہ ایسا وعدہ کرنا بھی کسی عالم دین کے لئے جائز نہیں لیکن پھر شریعت کے بارے میں دینی غیرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اس وعدہ کو بھول گئے۔

پہلا واقعہ تو زیادہ سنگین بھی نہیں تھا، صرف کشتی والوں کو مالی نقصان یا غرق ہونے کا صرف خطرہ ہی تھا جو بعد میں رفع ہو گیا، لیکن بعد کے واقعات میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ وعدہ بھی نہیں کیا کہ میں اعتراض نہیں کروں گا۔ اور جب لڑکے کے قتل کا واقعہ دیکھا تو شدت کے ساتھ اعتراض کیا اور اپنے اعتراض پر کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ اگر آئندہ اعتراض کیا تو آپ کو حق ہوگا کہ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ کیونکہ کسی نبی اور پیغمبر سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ خلاف شرع کام ہوتا دیکھ کر صبر کرے۔ البتہ چونکہ دوسری طرف بھی پیغمبر ہی تھے اس لئے بالآخر حقیقت کا انکشاف اس طرح ہوا کہ یہ واقعات جزئیہ خضر علیہ السلام کے لئے عام قواعد شرعیہ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا وحی الٰہی کے مطابق کیا۔ (مظہری)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے علم کا فرق:

یہاں طبعی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی تصریح کے مطابق ان کو جو علم عطا ہوا تھا اس کی نوعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سے مختلف تھی، مگر جب کہ یہ دونوں علم حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئے تھے، تو ان دونوں کے احکام میں تضاد اختلاف کیوں ہوا، اس کی تحقیق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو لکھی ہے وہ اقرب الی الصواب اور دل کو لگنے والی ہے ان کی تقریر کا مطلب جو میں سمجھا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں وہ عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاح خلق کی

خدمت ہوتی ہے ان پر کتاب اور شریعت نازل کی جاتی ہے جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول وقواعد ہوتے ہیں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح نبوت ورسالت آیا ہے وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشریعی اور اصلاحی خدمات تھیں ان پر جو وحی آتی تھی وہ بھی سب اسی سے متعلق تھی مگر دوسری طرف کچھ تکوینی خدمات بھی ہیں جن کے لئے عام طور پر ملائکۃ اللہ مقرر ہیں مگر زمرہ انبیاءؑ میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اسی قسم کی تکوینی خدمات کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زمرہ میں سے ہے، تکوینی خدمات واقعات جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں شخص ڈوبنے والے کو بچالیا جائے یا فلاں کو ہلاک کر دیا جائے فلاں کو ترقی دی جائے فلاں کو زیر کیا جائے، ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے نہ ان کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشریعی قانون کے خلاف ہیں مگر تکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشریعی قانون سے مستثنیٰ کر کے اس شخص کے لئے جائز کر دیا گیا ہے جس کو اس تکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور جو شخص تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ تضاد نظر آتا ہے وہ درحقیقت تضاد نہیں ہوتا، بعض واقعات جزئیہ کا عام قانون شریعت سے استثناء ہوتا ہے، ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا الجمھور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن قد اوحیت الیہ وعلم موسی الاحکام والفتیا بالظاھر (بحر محیط ص ۱۴۷ ج ۶) اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ استثناء بذریعہ وحی نبوت ہو، کسی ولی کا کشف والہام ایسا استثناء کرنے کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ اسی لئے حضرت خضرؑ کا لڑکے کو بظاہر ناحق قتل کرنا ظاہر شریعت میں حرام تھا لیکن حضرت خضر تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر کے مامور کئے گئے تھے۔ ان پر کسی غیر نبی کے کشف والہام کو قیاس کر کے کسی حرام کو حلال سمجھنا جیسے بعض جاہل صوفیوں میں مشہور ہے بالکل بے دینی اور اسلام سے بغاوت ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا

پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر ☆

مچھلی کا دریاء میں چلا جانا:

وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے۔ یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سے کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو مچھلی کو خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا پس جب دونوں مجمع البحرین پر پہنچے (دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے) یعنی مقرر پتھر تک پہنچ گئے۔ موسیٰ وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

مچھلی کیسے زندہ ہوئی:

سفیان نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا (جس کی خاصیت یہ تھی کہ) جس چیز پر (یعنی جس مردہ پر) اس کا پانی لگ جاتا تھا، وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ کلبی نے کہا یوشع بن نون نے آب حیات سے وضو کر کے ٹوکری میں رکھی ہوئی نمکین مچھلی پر چھینٹا دیا جس سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں جا کودی اور پانی کے اندر دم مارتی چلی گئی پانی کے جس حصہ پر وہ دم مارتی تھی پانی خشک ہو (کر راستہ بن) جاتا تھا۔

حضرت یوشع کا بھول جانا:

نَسِيَا حُوتَهُمَا تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ یعنی موسیٰ مچھلی مانگنا اور دریافت حال کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

بغوی نے لکھا ہے مچھلی یوشع کے پاس تھی حقیقت میں وہ ہی مچھلی کا تذکرہ کرنا بھولے تھے لیکن چونکہ دونوں نے زاد راہ کے لئے اس کو رکھا تھا اس لئے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لئے انہوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں اس لئے سب کی طرف ساتھ لینے اور اٹھانے کی نسبت کر دی جاتی ہے۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے سرب کا معنی ہے لمبائی میں چیرنا (یعنی مچھلی نے پانی کو چیر کر راستہ بنالیا صحیح روایات میں آیا ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گرد وپیش سے روک دیا اور پانی کے اندر محراب سی بن گئی۔ یہ روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز

پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف ☆

بلا مقصد سفر میں تھکاوٹ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے نہیں تھکے جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تکان محسوس کیا۔ (تفسیر عثمانی)

غداء صبح کے وقت کا کھانا، عشاء شام کے وقت کا کھانا، نصب سخت تھکان۔ جب حضرت موسیٰ مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا تا کہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آجائے اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مقررہ مقام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے نہیں بڑھے تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز

بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی

وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج

اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں ☆

شیطان کی وسوسہ اندازی:

یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا، شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

نَسِيْتُ الْحُوْتَ اس کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ دوسرا ترجمہ نسیت کا ترکت ہے یعنی میں نے مچھلی کھو دی مچھلی چھوڑ آیا، بغوی نے لکھا ہے یوشع نے مچھلی کو جب کود کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن (حضرت موسیٰؑ کی بیداری کے بعد) ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ الا الشیطن یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھنچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے نے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے (یعنی شیطانی اثر اندازی) کی نسبت شیطان کی طرف کی۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ق عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ

اور اس نے کر لیا اپنا رستہ دریا میں عجیب طرح کہا یہی ہے

مَا كُنَّا نَبْغِ ق صلے فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

جو ہم چاہتے تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے ☆

غالباً راستہ بنا ہوا نہ ہوگا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے الٹے پاؤں پھرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم ☆

حضرت خضر علیہ السلام:

وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضرؑ کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہوسکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لیکر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف واختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کرسکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضرؑ کو بھی حاصل تھے، واللہ اعلم۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام خضر سے ملے۔ علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا، موسیٰؑ نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے موسیٰ! بلا شبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی۔ پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں) (تفسیر عثمانیؒ)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (وہاں) ان دونوں نے ہمارے ایک بندہ کو پایا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ خضر تھے صحیح۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف:

حدیث میں یہی آیا ہے خضر کا نام بلیا بن ملکان یا الیسع یا الیاس کہا گیا ہے، خضر لقب تھا اس لقب کی وجہ بغوی نے ہمام ابن منبہ کی روایت کو قرار دیا ہے، ہمام راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضر کو خضر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خضر جب خشک زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد نے کہا جس جگہ خضر نماز پڑھتے تھے اس کے گرداگرد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔

بغوی نے خضر کو اسرائیلی نسل سے قرار دیا ہے کسی نے کہا شاہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خضرؑ اسرائیلی نہیں تھے، ورنہ موسیٰ کا اتباع کرنا ان پر لازم ہوتا، حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ صحیح حدیث بھی اوپر ذکر کی جا چکی ہے کہ خضرؑ کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے کہا، میں موسیٰ ہوں خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ، حضرت موسیٰؑ نے کہا، جی ہاں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت خضر وسط سمندر میں ایک جھالردار سبز مسند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا، جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت اور وحی عطا کی تھی۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا تھا یعنی ایسا علم دیا تھا جو صرف ہمارے لئے خاص تھا، بغیر ہماری توفیق کے اس کا حاصل ہونا ناممکن تھا، اس جگہ علماءً سے مراد ہے ذات وصفات کا علم۔ بغوی نے لکھا ہے اکثر علماء خضر کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یقینی نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ

کہا اس کو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو

تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ

حضرت موسیٰؑ کی طالب علمی:

یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفضول کو فاضل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفضول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لئے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسرشان نہ سمجھے آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے سوال کیا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ تو اللہ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے ممکن ہے اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچا لے یا سیدھا راستہ دکھاوے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند سے بروایت ابو ہریرہؓ اور ابن عساکر نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکمت کی بات مومن کی گم شدہ (کھوئی ہوئی امانت) ہے جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے (فوراً لے لے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو درود منقول ہے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے اپنے اور اپنی آل کے لئے وہ رحمت طلب کی ہے جو حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم کو عطا کی گئی تھی۔ وہ بھی اسی (گم شدہ رحمت) کے ذیل میں داخل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے، بعض احادیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضرؑ سے جب یہ بات کہی (یعنی ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو خضرؑ نے کہا علم کے لئے توریت کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل (کی ہدایت) کا مشغلہ کافی ہے (مزید علم وعمل کی آپ کو ضرورت نہیں) موسیٰ نے کہا اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے (کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں) حضرت موسیٰ نے اپنے اس کلام میں ادب وتہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے کو بے علم قرار دیا اور خضرؑ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾

بولا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

اور کیونکر ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا ☆

حضرت موسیٰؑ کا مزاج اور منصبی تقاضے:

حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کونیہ

کا جزئی علم پا کر اسی کے موافق عمل کریں اور موسیٰ علیہ السلام جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا بنا بریں جن جزئیات میں عوارض وخصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا حضرت موسیٰ اپنی معلومات کی بناء پر ضرور روک ٹوک کریں گے اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا یہ امر یقینی ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے۔ خضر نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکیدی طور پر کی (ان۔ لن وغیرہ نفی میں زور پیدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کردی۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ صبر کیسے کرسکتے ہیں۔ خبرًا کا معنی ہے علم۔ اطلاع۔ امتیاز۔ خضرؑ کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو (بظاہر) ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاءؑ امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

اصلاح عام اور ذاتی اصلاح کی تعلیمات:

میں کہتا ہوں وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عامہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے اس لئے ان کی حکمت ومصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہوجاتی ہے اور ہونا چاہیے بھی لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ (نبی دعوت تھے ان) کے انکار اور خضر کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر کا عمل شریعت موسوی کے خلاف تھا دونوں کا مسلک جدا جدا تھا اتحاد مسلک اور ترک اعتراض استفادہ کے لئے ضروری ہے، موسیٰ کو اسی لئے خضر بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہوسکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سودمند نہ ہوگی۔

پیر اور مرید کا معاملہ:

اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کردے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہوجائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اقرار بھی کر رہا ہو۔

عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ۔ مرید پر لازم ہے کہ اگر اس کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے۔ اور اس کے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔

اولیاء اللہ کے مکاشفات:

اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین، ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں (اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں) مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے اللہ نے فرمایا ہے: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا اگر صحیح تاویل ممکن ہی نہ ہو تو ان مقالات کو حالت سکر پر محمول کیا جائے، فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہوجائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابل گرفت ہوسکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔

اولیاء اللہ کا بعض کلام:

بات یہ ہے کہ تمام عبادات محسوس معانی یا محسوس معانی سے استنباط کیے ہوئے عقلی معانی کے بیان پر موقوف ہیں انہی محسوس یا مستنبط از محسوس معانی کے اظہار پر تمام عبادات کا انحصار ہے لیکن جب ذات وصفات الٰہیہ (جن کی نہ کوئی محسوس نظیر ہو نہ شبیہ) کا کسی عارف کے دل پر تو پڑ رہا ہو اور وہ ان کو بیان کرنا چاہے لیکن غیبی سادہ غیر محسوس حقائق کے اظہار کیلئے کسی زبان میں الفاظ وضع ہی نہیں کیے گئے ہیں پھر کس طرح سوائے استعارہ مجاز اور ناقص تشبیہ کے واردات قلب بیان کرے، ایسی تعبیر کو سن کر سننے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اس تعبیر کا ظاہری معنی مراد لیکر عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دیدے مناسب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں متشابہات کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے (جن کی حقیقت ناقابل فہم وافہام ہے) اسی طرح صفات وذات کی جلوہ ریزیوں کا الفاظ میں اظہار بھی ظاہری الفاظ کی تعبیر میں بطور استعارہ ومجاز کیا جاتا ہے (حقیقی وضعی معنی مراد نہیں ہوتے) اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (رحمٰن عرش پر ٹھیک ٹھیک مقیم ہوگیا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) دونوں آیات قرآن کی ہیں جو ان کو آیات قرآن نہ کہے وہ کافر ہے (لیکن ان کے ظاہری الفاظ سے تو اللہ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے) اور اللہ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھنا قریب قریب کفر

کے ہے اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا کلام بھی اگر بظاہر شرع کے خلاف ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لئے جائیں اور ان کی تردید بھی نہ کی جائے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللَّهُ
کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو
صَابِرًا وَلَآ أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿۶۹﴾
ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم ☆

حضرت موسیٰؑ کا ان شاء اللہ کہنا:

یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئیگی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' کہہ لیا تھا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا اس لئے اللہ کی مشیت کیساتھ اپنے اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ
بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھیو مجھ سے کوئی چیز
حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا
جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا ذکر ☆

اعتراض کی ممانعت:

یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً بازپرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت موسیٰ نے صابر رہنے کا وعدہ کیا کیونکہ صحبت خضر اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی تھی۔ جب موسیٰ خضر کے فعل پر اعتراض نہ کرتے اور خضر کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا کیونکہ حضرت خضر کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا، اسی لئے

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ خضر نے کہا اگر میرے ساتھ آپ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق (پہلے سے) نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتداء ذکر نہ کروں۔

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداءً اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ
پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا
أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿۷۱﴾
کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری ☆

کشتی کا واقعہ:

جب اس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر کو پہچان کر مفت سوار کر لیا۔ اس احسان کے بدلہ یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔ گویا عیب دار کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

فَانْطَلَقَا پس دونوں چل دیئے، یعنی ساحل پر کشتی سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیئے وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے جو لوگ کشتی میں سوار تھے انہوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے صحیحین کی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کشتی ان کی طرف سے گزری موسیٰ اور خضر نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کر لیا۔

حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ صحیحین کی روایت میں آیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں کہ خضر نے کشتی کا ایک تختہ بسولے سے اکھاڑ دیا (یعنی پھاڑنے سے مراد ہے اکھاڑ دینا)۔

عجیب معاملہ:

بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں امر کا معنی ہے بڑی مصیبت ہر بڑی سخت چیز۔ امر الامر بات بڑی سخت ہو گئی معاملہ بڑا ہو گیا قتیبی نے امرًا کا ترجمہ کیا ہے۔ عجیب۔ بغوی نے لکھا ہے خضر نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا، پیالہ سوراخ میں اڑ گیا (اور پانی اندر نہ آ سکا) جلال الدین محلی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ کشتی کے اندر پانی نہیں آیا یعنی یہ خضر کا معجزہ تھا۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کلہاڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کشتی میں پانی بھر کر غرق ہونے

کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض کیا، مگر تاریخی روایات میں ہے کہ پانی اس کشتی میں داخل نہیں ہوا، خواہ اس لئے کہ خضر علیہ السلام نے ہی پھر اس کی کچھ مرمت کر دی، جیسے بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس تختہ کی جگہ خضر علیہ السلام نے ایک شیشہ لگا دیا تھا یا بطور معجزہ پانی کشتی میں نہ آیا، اتنی بات خود قرآن کریم کے سیاق سے معلوم ہو رہی ہے کہ اس کشتی کو غرقابی کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا جس سے ان روایات کی تائید ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا

کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور

تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل ☆

حضرت موسیٰؑ کی بھول:

یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کرو گے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہوجائیگا۔ یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد ہے یعنی میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا اس کا آپ مواخذہ نہ کریں، حضرت ابی ابن کعب کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ کی پہلی حرکت از روئے نسیان تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰ بھولے نہ تھے نسیان کا تذکرہ ضمنی طور پر آ گیا ہے گویا حضرت موسیٰ، کچھ اور بھولے تھے (اپنے سابق معاہدہ کو نہیں بھولے تھے)۔

وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیے یعنی تنگی اور مواخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالیے مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لئے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہوجائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا ☆

لڑکے کا قتل:

ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اسکو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے لکھا ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکا کھیل رہا تھا جو خوش کلام اور حسین تھا، سدی نے کہا وہ سب سے زیادہ حسین تھا اس کا چہرہ چمکیلا تھا، خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا، بعض علماء نے کہا پچھاڑ کر چھری سے ذبح کر دیا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پکڑ کر اس کا سر (گردن کی جڑ سے) اکھاڑ دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ پتھر مار کر اس کا سر کچل دیا۔ کسی نے کہا اس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ عبدالرزاق کی روایت میں آیا ہے کہ تین انگلیوں کے اشارے سے اس کا سر اکھاڑ دیا، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین کے نزدیک وہ لڑکا نابالغ تھا قرآن مجید کے لفظ غلام سے یہی مستفاد ہو رہا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد لفظ غلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے کہا تھا اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے معصوم جان کو قتل کر دیا، اگر وہ نابالغ بچہ نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ نفسا زکیۃ نہ فرماتے۔

مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ سرشتی کافر تھا اگر زندہ رہتا تو ماں باپ کو اللہ کی نافرمانی اور کفر میں بتلا کر دیتا۔ فقتلہ میں ف بتا رہی ہے کہ حضرت خضر نے جونہی لڑکے کو دیکھا فوراً تفتیش حال کے بغیر قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے:

یعنی بے گناہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے کی تائید کرتا ہے اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول ☆

یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کون سی ہوگی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ

تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا
ٹھہر سکے گا میرے ساتھ ☆

کیونکہ ایسے حالات وواقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ آخر وہ ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اگر موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب واقعات دیکھتے مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا فرمایا ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں میرے بھائی موسیٰ پر اللہ رحمت فرمائے ان کو شرم آ گئی اور انہوں نے یہ بات کہہ دی اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرے رہتے تو بڑی عجیب باتیں دیکھتے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا
کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو
تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا
مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام ☆

بالآخر حضرت موسیٰؑ کا پیمانہ لبریز ہو گیا:

حضرت موسیٰ کو اندازہ ہو گیا کہ خضرؑ کے تحیر خیز حالات وواقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہونگے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دیکر آپ حجت تمام کر چکے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ
پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا
وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا کہ ان کو مہمان رکھیں پھر پائی
جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ
وہاں ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی اس کو سیدھا کر دیا ☆

بے مروت بستی والوں کی دیوار بنا دینا:

یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی انہوں نے موسیٰ وخضر جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا مگر حضرت خضرؑ نے غصہ کی بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے، لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضرؑ نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچا لیا۔

(تنبیہ): حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ میں "اہل" کا لفظ شاید اس لئے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرور وعبور کے طور پر نہ تھا۔ نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے۔ اور "اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا" میں دوبارہ لفظ "اہل" کی تصریح ان کی مزید تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں مہمانداری کیسے کریں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

بستی والوں کی کنجوسی:

اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا)۔ بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا حق مہمانی طلب کیا تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا، قتادہ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔

ایک عورت کی سخاوت:

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دیدیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (کی بدعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔

دیوار کی حالت:

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ پھر دونوں کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس لئے مجازی معنی مراد ہے یعنی گرنے کے قریب تھی (بہت جھکی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے، یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ خضر نے اس دیوار

کوڈھا کر دوبارہ بنا دیا۔ سدی نے کہا گارا بنایا پھر دیوار کو بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿۷۷﴾

بولا موسیٰ اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری ☆

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے:

یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں (ان کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کچھ معاوضہ لیکر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی۔ شاید اپنی بد اخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو اجرت طلب کرنے کی ترغیب دی تا کہ مزدوری کی رقم سے دونوں کے کھانے کا کچھ سامان ہو جائے اس کلام سے در پردہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی نظر میں خضر نے بیکار کام کیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت خضر نے دیوار کو بڑی محنت کر کے ٹھیک کیا تھا اگر محنت کا کام نہ کرتے تو اجرت کے مستحق نہ قرار پاتے اگر بطور معجزہ دیوار کو ٹھیک کر دیتے تو اجرت کس طرح طلب کر سکتے تھے بلکہ لینے کا بھی استحقاق کیسے ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ

کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتائے دیتا ہوں

بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا ☆

وقتِ جدائی:

یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر وضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو ان کا بھلا ہو۔ حضرت خضر کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آوے"۔ (تفسیر عثمانی)

علم لدنی:

جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جائے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جائے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازے سے داخل اور حاصل ہو وہ علم حصولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ علم لدنی اور علم وہبی اور علم حضوری کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرار غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا۔

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی علیٰ علم من علم اللّٰہ علمنیہ لاتعلم وانت علیٰ علم من علم اللّٰہ علمک اللّٰہ لااعلم. یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے (جس کا تعلق اسرار کونیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اس کو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاح امت سے ہے)۔ یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے میں اس علم کو نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اور وہاں ایک چڑیا دکھائی دی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ آ گیا ہے۔

نبی کا غیر نبی سے علم سیکھنا:

موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت سے پورے واقف اور باخبر تھے جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور امور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی سے نہ ہو۔ نبی کا غیر نبی سے ایسے علم کا سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم بامور دنیا کم اس کو مؤید ہے۔ معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے امور کو سیکھنا کہ جن کا اصول دین اور فروع دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

حضرت خضرؑ کا علم فرشتوں والا تھا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علم کی کوئی حد نہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائک بنایا۔ واللہ اعلم۔

جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے

ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں۔

خضر علیہ السلام اگر چہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کئے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کئے گئے اور عجب نہیں کہ اس غلبہ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب و مستور کر دیئے گئے جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگر چہ انسان ہوں مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں۔ اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

کیا ابھی تک حضرت خضرؑ زندہ ہیں؟

نیز علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہر حال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

حافظ ابو عمرو بن صلاح اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اور اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اس پر ہے۔ اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ یکجا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بہر حال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے۔

اور کعب احبار سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لئے امان ہیں اور ان چار میں سے دو زمین میں ہیں۔ خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶)

صوفیاء اور علماء کے اختلاف سے متعلق ایک قاعدہ:

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکونیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور یجوز اور لایجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت اور ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے۔ بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے اری رویاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرہ اخیر پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ مومن کا خواب کاذب نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب کہ علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکونیہ میں سے ہے لہٰذا اس بارہ میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے مثال ہیں:

امام بیہقی نے دلائل نبوت سے سواد بن عمر سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے سواد بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے امام حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو باذن الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ممبر تیار ہو گیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یہ اس کی کمال محبت کی دلیل ہے کمال معرفت کی دلیل ہے۔ اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنا لینا اور مچھلی

کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہو جانا اور اس کے لئے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لئے خشک راستے ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمی کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمی نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام ونشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہو گیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لئے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آ گئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمی نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے۔ یاعلی۔ یاعظیم۔ یاحلیم۔ یاکریم۔ پھر کہا بسم اللہ گزرو اور پار ہو جاؤ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہو گئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمیؓ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آ گئے۔ اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیب ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲) (معارف کاندھلویؒ)

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ

وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں ☆

یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

کعب نے کہا یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو اپاہج تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر نا کافی ہو۔ بقدر ضرورت نہ ہو یا اصلی ضرورتوں سے زائد نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرَدۡتُّ اَنۡ اَعِيۡبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمۡ

سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے

مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا ۝۷۹

پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر ☆

یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کے مقام سے آگے پہنچ کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

کشتی کو عیب دار کرنے کی حکمت:

خضرؑ نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو وہ چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔ مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا۔ بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ توراۃ میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا۔ توراۃ میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے، واللہ اعلم۔ (معارف کاندھلوی)

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ۔ یہ کشتی جن مسکینوں کی تھی ان کے متعلق کعب احبارؒ سے منقول ہے کہ وہ دس بھائی تھے جن میں پانچ اپاہج معذور تھے، پانچ مزدوری کر کے سب کے لئے معاش کا انتظام کرتے تھے، اور مزدوری ان کی یہ تھی کہ دریا میں ایک کشتی چلاتے اور اس کا کرایہ حاصل کرتے تھے۔

مسکین کی تعریف:

بعض لوگوں نے یہ کی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی حاجات اصلیہ ضروریہ سے زائد بقدر نصاب ہو جائے اس سے کم مال ہو تو وہ بھی مسکین کی تعریف میں داخل ہے کیونکہ جن لوگوں کو اس آیت میں مساکین کہا گیا ہے ان کے پاس کم از کم ایک کشتی تو تھی جس کی قیمت مقدار نصاب سے کم نہیں ہوتی، مگر چونکہ وہ حاجات اصلیہ ضروریہ میں مشغول تھی اس لئے ان کو مساکین ہی کہا گیا۔ (قرطبی)

مَّلِكٌ يَّاۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا بغویؒ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ یہ کشتی جس طرف جا رہی تھی وہاں ایک ظالم بادشاہ تھا جو ادھر سے گزرنے والوں کی کشتیاں زبردستی چھین لیتا تھا، حضرت خضر نے اس مصلحت سے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا کہ وہ ظالم بادشاہ اس کشتی کو شکستہ دیکھ کر چھوڑ دے، اور یہ مساکین اس مصیبت سے بچ جائیں، دانائے روم نے خوب فرمایا۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست ☆ صد درستی در شکست خضر ہست

(معارف القرآن)

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ

اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے

فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝

پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کر ☆

لڑکے کو قتل کرنے کی حکمت:

گو اصل فطرۃ سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد بری پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ آنیوالی رکاوٹ ان کی راہ سے دور کر دی جائے۔ خضر کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ انہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دیکر قتل کرا دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (انبیاء رکوع ۲) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ "خلق خیر وشر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتا۔ ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو خالق الکل اور علیم وحکیم مانتا ہو۔ تکوینیات کے متعلق اس قسم کے ہزاروں سوالات کئے جا سکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز وقصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضر کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ خضر نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود خضر علیہ السلام آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطہ حیرت میں پڑی رہتی، یا خضر کو ہدف طعن وتشنیع بنائے رکھتی۔ (العیاذ باللہ) ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور ان کی حکمتوں کا اندازہ کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

یہی مطلب ہے اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر ایک کے لئے وہی (راہ) آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں (اہل سعادت کے عمل کی اس کو توفیق دیدی جاتی ہے) اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل شقاوت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے (اہل شقاوت کے اعمال کی توفیق دیدی جاتی ہے)۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا

پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے اُن کو ان کا رب بہتر

مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝

اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں ☆

لڑکے کے والدین کے ایمان کی حفاظت:

یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا، حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو، ماں باپ اس پر شفقت کریں۔ وہ ماں باپ کے ساتھ محبت وتعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ کہتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرَدْنَآ پس ہم نے چاہا، حضرت خضر نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے ساتھ ارادہ کرنے میں اللہ کو شریک بنا لیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو سکتا ہے لیکن خضر کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ خضر کے ارادے سے اللہ کا فعل نہیں ہو سکتا اس لئے ارادہ کا معنی اس جگہ حقیقی نہیں بلکہ چاہنا مراد ہے۔

اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا کہ ان کا رب (اس لڑکے کا) عوض عطا فرما دے اول لڑکے کو ہلاک کرنے کی جگہ دوسرے لڑکے کو پیدا کر دینا پہلے لڑکے کے ہلاک ہونے کا عوض اور بدل تھا اور ہلاک کرنے کے مرتکب حضرت خضر تھے مگر دوسرے لڑکے کو پیدا کرنا خالص اللہ کا کام تھا اس میں حضرت خضر کے فعل کو دخل نہ تھا اس لئے بدل فعل کی نسبت خالص اللہ کی طرف کی۔

لڑکے کا بدلہ:

حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے، ابن

المنذر نے دوسری سند سے یوسف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے بہت پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ قول بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ترمذی وحاکم نے حضرت ابودرداء کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مطرف نے کہا جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے، پھر جب وہ قتل ہوگیا تو والدین کو غم ہوا اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی یقینی تھی، آدمی کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لئے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لئے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مؤمن کا فریضہ:

میں کہتا ہوں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی [illegible] اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا رہے اس کی رحمت کا [illegible] وار رہے۔ کا طلب گار رہے، اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں پر راضی رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي
اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس
الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ
اس شہر میں اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا
اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ
اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ
يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا ☆

دیوار بنانے کی حکمت:

یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے بچوں کا باپ مرد صالح تھا اسکی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کردی کہ بچے جوان ہوکر باپ کا خزانہ پاسکیں کہتے ہیں اس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

دیوار کا خزانہ:

اور دیوار کا قصہ یہ تھا کہ وہ بستی کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ کنز کا ترجمہ عکرمہ نے مال کا کیا ہے حضرت ابودرداء کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا، سونے چاندی کا خزانہ تھا یہ حدیث بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔

علمی خزانہ:

بغوی نے سعید بن جبیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا (گویا علمی خزانہ تھا) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بروایت بغوی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر تحریر تھا۔ تعجب ہے کہ جس کا موت پر یقین ہو وہ خوش کیسے ہوتا ہے تعجب ہے کہ جس تقدیر پر یقین ہو وہ (رنجیدہ کیونکر ہوتا ہے)۔ تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ تلاش رزق میں) تھکتا کیوں ہے (کیوں کمائی کے لئے سرگرداں پھرتا ہے) تعجب ہے کہ جس کو (آخرت کے) حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ (حاصل شدہ) دنیا پر مطمئن ہوکر کیسے بیٹھ جاتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں میں اکیلا ہوں میرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں نے خیر وشر کو پیدا کیا، خوشی ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کرایا اور ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جس کو میں نے شر کیلئے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔ بزار نے یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے ابن مردویہ نے بھی حضرت علیؓ کو روایت سے اس کو مرفوع قرار دیا ہے لیکن خرائطی نے قمع الحرص میں اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔

یتیموں کے والد کی نیکی کا صلہ:

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اور ان دونوں یتیموں کا باپ نیک تھا۔ بعض اہل علم نے اس شخص کا نام کاشح بیان کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا باپ کی نیکی کی وجہ سے (اللہ کی طرف سے) دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی، یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لئے اللہ نے دیوار درست کردینے کا حکم خضرؑ کو دیا محمد بن منکدر کا قول ہے کہ بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن میسب نے بیان کیا

میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھا دیتا ہوں (تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا (یعنی سات نسلوں تک ایک شخص کی نیکی کا اثر باقی رہا) ابن ابی حاتم نے سلیمان بن سلیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک (اس کی نسل اور قوم کی) حفاظت کرتا ہے اور (کسی کی بدکرداری کی وجہ سے) سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔

صالحین کی اولاد:

آیت دلالت کررہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لئے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے حضرت خضر کا اس لڑکے کو قتل کردینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا اس قول کی تائید کررہا ہے۔

سمجھداری کی عمر:

امام ابوحنیفہؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد (کمال رشد) کو پہنچ جاتا ہے (یعنی اس کے بعد کمال رشد کو پہنچنے کی امید نہیں رہتی اگر پچیس سال تک کوئی کمال رشد کو نہیں پہنچا تو پھر اس سے زیادہ عمر میں بھی اس کو پورا رشد حاصل نہیں ہوگا) اسی لئے اگر کسی سادہ لوح سبک سری کی عمر پچیس سال ہو جائے (سمجھا جائے گا کہ اس کو جتنی سمجھ بوجھ ملنی تھی مل گئی آئندہ انتظار غیر ضروری ہے)۔ اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک چالیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد کو پہنچتا ہے اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً۔

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور اپنا دفینہ نکال لیں اور میں نے یہ سارے کام آپ کے رب کی مہربانی (یعنی الہام یا وحی) سے کئے ہیں۔

نکتہ: بیضاوی نے لکھا ہے حضرت خضر نے کشتی کو عیب دار بنانے کے ارادے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کی، کیونکہ عیب دار بنانا انہی کا فعل تھا، اپنے فعل کا ارادہ خود انہوں نے ہی کیا تھا اس کے بعد اردنا کہنے میں اپنے ساتھ اللہ کو بھی فاعل ارادہ قرار دیا کیونکہ ہلاک یعنی قتل کرنا حضرت خضر کا فعل تھا، قتل کے فاعل وہ خود تھے اور مقتول لڑکے کی جگہ دوسری اولاد کو پیدا کرنا اللہ ہی کا کام تھا اور اللہ کے کام کا ارادہ اللہ کے سوا کون کرسکتا ہے اسی لئے تیسری جگہ فَأَرَادَ رَبُّكَ میں ارادہ کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی کیونکہ یتیم لڑکوں کے بالغ اور جوان ہونے میں اللہ کے ارادہ کے علاوہ کسی اور کا دخل ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے بروایت عطیہ نقل کیا ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا، اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بطن سے دو نبی پیدا ہوئے، بعض روایات میں ہے کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت فرمائی۔

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا، یہ خزانہ جو یتیم بچوں کے لئے زیر دیوار دفن تھا اس کے متعلق حضرت ابوالدرداءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا۔ (رواہ الترمذی والحاکم وصححہ، از مظہری)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے یہ روایت حضرت عثمان بن عفانؓ نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل فرمائی (قرطبی)۔

۱۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر غمگین کیونکر ہوتا ہے۔

۳۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں کیوں لگتا ہے۔

۴۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش وخرم کیسے رہتا ہے۔

۵۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے پھر غفلت کیسے برتتا ہے۔

۶۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے انقلابات کو جانتا ہے پھر کیسے اس پر مطمئن ہوکر بیٹھتا ہے۔

۷۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

والدین کی نیکی کا فائدہ اولاد در اولاد کو بھی پہنچتا ہے:

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لئے کرایا گیا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا، محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور اس کے آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری)

حضرت شبلی رحمہ اللہ کی برکت:

قرطبی میں ہے کہ حضرت شبلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شہر اور پورے

علاقہ کے لئے امان ہوں، جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے دفن ہوتے ہی کفار دیلم نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے بغداد پر قبضہ کرلیا، اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ہے یعنی شبلیؒ کی وفات اور دیلم کا قبضہ (قرطبی، ص۲۹ ج۱۱)۔

اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا لفظ اشد، شدۃ کی جمع ہے، مراد قوت ہے اور وہ عمر جس میں انسان اپنی پوری قوت اور بھلے برے کی پہچان پر قادر ہو جاتا ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس سال عمر ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً - (مظہری)

پیغمبرانہ بلاغت اور رعایت ادب کی ایک مثال:

اس مثال کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے کے بغیر نہیں ہوسکتا، خیر وشر سب اس کی مخلوق اور اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ جن امور کو شر یا برا سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ خاص افراد اور خاص حالات کے اعتبار سے ضرور شر اور برا کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں مگر مجموعہ عالم اور عالم دنیا کے مزاج کے لئے سب ضروری اور تخلیق الٰہی کے اعتبار سے سب خیر ہی ہوتے ہیں، اور سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

خلاصہ یہ ہے کہ جو آفت یا حادثہ دنیا میں پیش آتا ہے خدا تعالیٰ کی مشیت وارادے کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لحاظ سے ہر خیر وشر کی نسبت بھی حق تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تخلیق کے اعتبار سے کوئی شر شر نہیں ہوتا، اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلمات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں:- اَلَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر خضرؑ کا آنا:

جس کو حاکم نے مسدرک میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ سفید داڑھی والے داخل ہوئے اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے پھاڑتے اندر پہنچے اور رونے لگے پھر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کلمات کہے:

ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبة وعوضا من کل نائت وخلفا من کل ھالک فالی اللہ فانیبوا والیہ فارغبوا فانما المحروم من حرم الثواب.

''اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت سے اور بدلا ہی ہر فوت ہونے والی چیز کا اور وہی قائم مقام ہے ہر ہلاک ہونے والے کا اس لئے اسی کی طرف رجوع کرو اسی کی طرف رغبت کرو کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے''۔

یہ آنے والے کلمات مذکورہ کہہ کر رخصت ہوگئے تو حضرت ابوبکر اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اس روایت کو جزریؒ نے حصن حصین میں بھی نقل کیا ہے جن کی شرط یہ ہے کہ صرف صحیح السند روایات اس میں درج کرتے ہیں۔

حضرت خضرؑ دجال کا مقابلہ کریں گے:

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلہ کے لئے نکلے گا جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا، ابواسحٰق نے فرمایا کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ (قرطبی)

حضرت خضرؑ نے حضرت علیؓ کو دعا بتلائی:

اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الھواتف میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ جو اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے اس کے لئے ثواب عظیم اور مغفرت ورحمت ہے وہ دعا یہ ہے:

یامن لایشغلہ سمع عن سمع ویامن لاتغلطہ المسائل ویامن لایبرم من الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ مغفرتک. (قرطبی)

''اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سننا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے (لاکھوں کروڑوں) سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا، اور وہ ذات جو دعا میں الحاح واصرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا، مجھے اپنے عفو کرم کا ذائقہ چکھا دیجئے، اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمایئے''۔

حیاتِ خضر پر شبہ اور جواب:

بعض حضرات نے مسئلہ ختم نبوت کو حیات خضر کے منافی سمجھا ہے، اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ختم نبوت کے منافی نہیں حضرت خضرؑ کی حیات بھی ایسی ہوسکتی ہے۔

بعض حضرات نے حیات خضر پر شبہ کیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع

ہوکر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے، کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے: لوکان موسیٰ حیا لماوسعہ الا اتباعی، ''یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا (کیونکہ میرے آنے سے دین موسوی منسوخ ہو چکا ہے)۔ لیکن یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اور ان کی نبوت عام انبیاء شریعت سے مختلف ہو، ان کو چونکہ تکوینی خدمات منجانب اللہ سپرد ہیں وہ ان کے لئے مخلوق سے الگ تھلگ اپنے کام پر مامور ہیں، رہا اتباع شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد سے انہوں نے اپنا عمل شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بھی نقل کئے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ:

والجمھور علیٰ انہ مات۔ (بحر محیط، ص ۱۴۷ ج ۶)

''جمہور علماء اس پر ہیں کہ خضر علیہ السلام کی وفات ہوگئی''۔

حیات وموت خضر کا مسئلہ عقیدہ نہیں ہے:

یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی موت وحیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لئے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت ووضاحت نہیں کی گئی، اس لئے اس میں زیادہ بحث وتمحیص کی بھی ضرورت نہیں نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے لیکن چونکہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے اس لئے مذکورہ صدر تفصیلات نقل کر دی گئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ
مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے ☆

یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہوا اس پر مزدوری لینا مقربین کا کام نہیں۔

تنبیہ: اس قصہ کے شروع میں حضرت خضر کی نبوت وولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اس کو بیک نظر پھر مطالعہ کر لیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی ان تین چیزوں میں سے تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کئے تھے۔ ''روح'' کے متعلق جواب سورۂ ''بنی اسرائیل'' میں گزر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورت ''کہف'' میں آچکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بوقتِ جدائی نصیحت:

بغوی کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت کیجئے حضرت خضرؑ نے کہا علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لئے علم کی طلب کرنا۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ کا سبق:

بیضاوی نے لکھا ہے اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہ کرنا چاہیے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو اس کے انکار میں عجلت نہ کرے ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو اگر وہ عالم ہو دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معلم کا ادب کیا جائے گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصوروار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہیے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔

مسئلہ حیات خضر کی مزید وضاحت:

بغوی نے لکھا ہے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے خضرؑ والیاسؑ دونوں زندہ ہیں ہر سال حج میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے خضرؑ نے آب حیات پی لیا تھا ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو خضرؑ کو اپنے ساتھ لے گیا خضر ہراول دستہ میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضرؑ چشمے پر پہنچ گئے اتر کر انہوں نے چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا ذوالقرنین راستہ بھٹک گیا اور نامراد واپس آ گیا۔

ایک رات عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری یہ رات دکھا دی گئی (یعنی خواب میں شب قدر دکھا دی گئی یا یہ رات جو سامنے ہے اس میں مجھے یہ بات دکھا دی گئی) اب سے (آئندہ) سو برس کی انتہا تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے (مر جائے گا) زندہ نہیں رہے گا۔ مؤلف حصن حصین نے التعزیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آ گیا۔ سپید داڑھی کھلتا ہوا رنگ جسامت میں بھاری آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا، پھر صحابہؓ کی طرف رخ کر کے ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے، اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے تم انتظار کرو دکھا ایسے شخص کا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت خضرؑ سے اولیاء کرام کی ملاقات اور تحصیل فیض کی حکایتیں تو مشہور ہی ہیں۔ یہ روایات بتاتی ہیں کہ خضرؑ زندہ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خضرؑ

اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے کنارہ کش نہ رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو سب ہی لوگوں کے لئے تھی، خضر کیسے مستثنیٰ ہوسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اگر موسیٰ میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی چارہ نہ ہوتا (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبداللہ) آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰ بھی امت اسلامیہ ہی کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ وجابر بن عبداللہؓ۔

حیات وممات خضر کے مسئلہ کا حل:

اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجددؒ کے بیان سے ہوسکتا ہے حضرت مجدد صاحب سے جب حضرت خضر کے زندہ یا مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ قدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی، چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آگئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضرؑ سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمادی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اگر اللہ چاہتا ہے۔ (بعض لوگوں کا) علم لدنی بھی تعلیم کرتے اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں ہم کو اللہ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے، قطب مدار کو اللہ نے مدار عالم بنایا ہے انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾
یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا
اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں
عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ
تمہارے آگے اس کا کچھ احوال ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں
وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾
اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان

ذوالقرنین:

اس بادشاہ کو ''ذوالقرنین'' اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دیندار بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ ودلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق ومغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر اس کے وزیر تھے، شاید اسی لئے قرآن نے خضر کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں ''ذوالقرنین'' کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں، بلکہ بعض ممتاز ومشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ ''حمورابی'' جو غالباً حضرت ابراہیم کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا۔ اس کے قوانین منارہ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہوگیا ہے۔ پرانے کتبات سے اس کی عجیب وغریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال ''ذوالقرنین'' ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالقرنین کی تعیین:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ اور وہ (یہودی یا مکہ کے مشرک بطور امتحان) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کررہے ہیں۔ بغوی نے کہا ہے بعض علماء کے نزدیک ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا یہ یونانی تھا اور یافث بن نوح کی نسل میں سے تھا بعض نے کہا وہ رومی تھا سکندر بن فیلبس بن فیلقوس نام تھا میرے نزدیک موخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے۔ شیرازی نے الالقاب میں اور ابن اسحاق وابن المنذر وابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ یمنی کا بیان نقل کیا ہے وہب بن منبہ گزشتہ واقعات تاریخی کا بڑا عالم تھا کہ ذوالقرنین رومی تھا ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا، بڑھیا کی کوئی اور اولاد نہ تھی ذوالقرنین کا نام سکندر تھا۔ ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکندر ہی ذوالقرنین تھا۔

ذوالقرنین کیا تھا:

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں یہ اختلافی مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھا ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت

کیا گیا کہ وہ نبی تھا یا بادشاہ تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، نہ وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا، اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔ ابن مردویہ نے سالم بن ابی الجند کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کیا ذوالقرنین نبی تھا؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص فرماں بردار بندہ تھا، اللہ نے بھی اس کے خلوص کی قدردانی کی۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر پکار رہا ہے، فرمایا پیغمبروں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے لگے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل نیک بادشاہ تھا، ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کیا تھی،

ذوالقرنین کے متعلق مختلف اقوال:

بغوی نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

۱۔ آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب ذوالقرنین دونوں کناروں تک جا پہنچا تھا۔

۲۔ روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔

۳۔ روشن دنیا میں بھی وہ رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا (شاید یہ مراد ہے کہ افریقہ بلاد سوڈان اور روم دونوں جگہ گیا۔ نور سے مراد گوروں کا ملک اور ظلمت سے مراد کالوں کا ملک)۔

۴۔ اس نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لیے ہیں۔

۵۔ اس کے دو خوبصورت گیسو تھے۔ (قرن گیسو یا زلف)

۶۔ اس کے دو سینگ (یعنی سر میں دو ابھار) تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتا تھا۔ ابن عبدالحکم نے یونس بن عبید کی روایت سے اور شیرازی نے الالقاب میں قتادہ کے حوالہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

۷۔ ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی قوم نے اس کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گیا پھر اللہ نے اس کو زندہ کر دیا اور اس نے قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مر گیا مگر اللہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا (قرن کھوپڑی کا دایاں بایاں ابھار یا پیشانی کا دایاں بایاں رخ)

ذوالقرنین کے دو سینگ:

احمد نے الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمۃ میں ابولورقاء کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا۔ ذوالقرنین کے دو سینگ کیسے تھے فرمایا تم خیال کرتے ہو گے کہ سونے یا چاندی کے دو سینگ تھے ایسا نہ تھا بلکہ وہ نبی تھے اللہ نے امت کو ہدایت کرنے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا تھا انہوں نے امت کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے بائیں جانب ایسی چوٹ ماری کہ وہ مر گئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور دعوت کا حکم دیا انہوں نے قوم کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے دائیں جانب ایسی ضرب رسید کی کہ وہ مر گئے اور اللہ نے ان کا نام ذوالقرنین رکھ دیا۔

ذوالقرنین کی حکمرانی:

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ، ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا ابر پر وہ سوار ہوتا تھا اس کے ذرائع دراز کر دیئے گئے تھے اس کے لئے روشنی پھیلا دی گئی تھی (یعنی رات بھی اس کے لئے روشن کر دی گئی تھی) رات دن اس کے لئے برابر تھے تمکین فی الارض کا یہی معنی ہے مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لئے آسان کر دی گئی اور سارے راستے اس کے لئے کھول دیئے گئے تھے (راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہ ہوتا تھا)۔

ذوالقرنین کی مادی طاقت:

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا، اور ہر قسم کا سامان ہم نے اس کو عطا کر دیا تھا یعنی جو چیز وہ چاہتا تھا اور جس طرف رخ کرتا تھا اس کا علم قدرت اور دوسرے کاربرآری کے ذرائع ہم نے اس کو عطا کر دیئے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دیدیئے تھے یا یہ مقصد ہے کہ بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دیدی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا لفظ سبب عربی لغت میں ہر اس چیز کیلئے بولا جاتا ہے جس سے اپنے مقصد حاصل کرنے میں مدد لی جاتی ہے۔ جس میں آلات و وسائل مادیہ بھی شامل ہیں اور علم و بصیرت و تجربہ وغیرہ بھی (بحر محیط) اور مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی ضرورت نظام سلطنت کے لئے ایک بادشاہ اور حکمران کو پیش آتی ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو اپنی عدل گستری اور امن عالم کے قیام اور فتوحات ممالک کیلئے جس جس سامان کی ضرورت اس زمانے میں تھی وہ سب کے سب ان کو عطا کر دیئے گئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

سکندر اوّل اور سکندر ثانی:

سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے

میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی بنا کے بعد طواف بیت اللہ کیا ہے آپ پر ایمان لایا تھا آپ کا تابعدار بنا تھا انہی کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے اور سکندر ثانی کا وزیر ارسطا طالیس مشہور فیلسوفی تھا، واللہ اعلم۔ اسی نے مملکت روم کی تاریخ لکھی۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اور سکندر اول جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھا جیسے ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف بنایا تو اس نے آپ کے ساتھ طواف کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے نام بہت سی قربانیاں کی تھیں۔ ہم نے بفضلہ ان کے بہت سے واقعات اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں ذکر کر دیئے ہیں۔

ذوالقرنین کہلانے کی وجہ:

وہبؒ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ بھی وجہ بتلائی گئی ہے کہ یہ روم اور فارس کا دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کی طرف بلایا یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اس قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے۔ اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ذوالقرنین کے متعلق قرآنی بیانات:

''وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کر لیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکمرانی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیئے گئے تھے انہوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے، مغرب اقصٰی تک اور مشرق اقصٰی تک، پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج سے اس علاقہ کے لوگ محفوظ ہو گئے''۔

جدید انکشافات کی حیثیت:

اہل یورپ نے اس زمانے میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی، اس پر تحقیق و تفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت وکاوش سے کام لیا آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دیئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے، لیکن آثار قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کی تائید میں مدد تو مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جا سکتا، اس کے لئے تو تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں۔

متعدد محققین کے بیانات:

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پاچج کے لئے پہنچے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور حضرت خلیل علیہ السلام نے ان کے لئے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں، (البدایہ ص ۱۰۸ جلد۲)۔ اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، پھر قربانی دی۔

اور ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیۃ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے ابوبکر بن سمی بن عمر بن افریقیس حمیری ہے، جس نے زمین کے مشارق ومغارب کو فتح کیا، اور تبع حمیری یمنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے ان کے اشعار یہ ہیں۔

قدکان ذوالقرنین جدی مسلمًا ملکا علافی الارض غیر مبعد

بلغ المشارق والمغارب یبتغی اسباب ملک من کریم سید

یہ روایت بحر محیط میں ابوحیان نے نقل کی ہے، ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ذوالقرنین تابعہ یمن میں سب سے پہلا تبع ہے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ ص ۱۰۵ جلد۲)۔ ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام ونسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ بتلایا گیا ہے۔

یہودیوں کے خیالات:

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطے سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

ذوالقرنین کی فقیری:

بودشاہے درفرمان پیش زین ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے۔ ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت۔ امیری اور فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین

تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب پر پہنچ گیا اور مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۲۷۲ جلد ۶ وعمدۃ القاری ص ۳۲۷ جلد ۷)

اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا موازنہ:

اصحاب کہف کافر وظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جاکر چھپے اور ذوالقرنین یاجوج وماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کررہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہوکر فتنہ فساد برپا نہ کرسکے اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جاکر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھکا تا ہوا چلا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء کا اثر:

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق ومغرب کا سفر اس پر آسان ہوگیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم وحکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔

روئے زمین کے چار بادشاہ:

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین اور سلیمانؑ تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے مادر پانچویں فرمانروا امام مہدی ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ امم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امت محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدی) ہوں گے۔ لیظھرہ علی الدین کلہ.

سکندر یونانی اور سکندر ذوالقرنین:

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دوہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا تو سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لئے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطا طالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پاسکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾
پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے ☆

یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا
تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ
کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں ☆

سکندر کا پہلا سفر:

یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''ذوالقرنین'' کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی نہ گزر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پاسکا۔''

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۚ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ
اور پایا اس کے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین
إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾
یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی ☆

ذوالقرنین کا مقام ومرتبہ:

یعنی ''ذوالقرنین'' کو ان لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک وبد کی قدرت ملتی ہے۔ چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو، چاہے عدل وانصاف اور نیکی اختیار کرکے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے، ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ

چاہے ان کو قتل کردے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو حق تعالیٰ نے خود خطاب کرکے یہ ارشاد فرمایا ہے، اگر ذوالقرنین کو نبی قرار دیا جائے تب تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ بذریعہ وحی ان سے کہہ دیا گیا اور اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس قُلْنَا اور یٰذَا الْقَرْنَیْنِ کے خطاب کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی پیغمبر کے واسطہ سے یہ خطاب ذوالقرنین کو کیا گیا ہے جیسا کہ روایات میں حضرت خضرؑ کا ان کے ساتھ ہونا مذکور ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وحی نبوت اور رسالت نہ ہو، ایسی لغوی وحی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے قرآن میں واوحینا کے الفاظ آئے ہیں، حالانکہ ان کے نبی یا رسول ہونے کا کوئی احتمال نہیں، مگر ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ ذوالقرنین کو جو یہاں حکم دیا گیا ہے وہ اس قوم کے قتل وسزا کا حکم ہے اس طرح کا کوئی حکم بغیر وحی نبوت کے نہیں دیا جاسکتا، یہ کام نہ کشف والہام سے ہوسکتا ہے نہ بغیر وحی نبوت کے کسی اور ذریعہ سے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی احتمال صحیح نہیں کہ یا تو ذوالقرنین کو خود نبی مانا جائے یا پھر کوئی نبی ان کے زمانے میں موجود ہوں ان کے ذریعہ ان کو خطاب ہوتا ہو، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ
بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر
یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا
لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب اور جو کوئی
مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى
یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سو اس کا بدلہ بھلائی ہے
وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ﴿۸۸﴾
اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی ☆

عادل بادشاہ کا طریقہ:

یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کرینگے۔ بلکہ اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اس سے کہیں گے سہولت اور نرمی کی کہیں گے ۔فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہ ہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہ ہی چال اختیار کی۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے پھر اس کو اس کے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا وہ اس کو سخت ترین سزا دے گا اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ہوگا، یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار ملنے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دیدی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جما رہا اور شرک کی صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کردیں گے اور آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے علم میں نہیں وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔ نیک کام کرنے سے مراد ہے تقاضا ایمان کے موافق عمل کرنا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾
پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ☆

ذوالقرنین کا مشرقی سفر:

یعنی مغربی سفر سے فارغ ہوکر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن وحدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کیلئے تھے ممکن ہے محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گزر ہوا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو۔ جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کردیا۔ جیسا کہ آگے ''یاجوج ماجوج'' کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ
یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اسکو کہ نکلتا ہے
عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾
ایک قوم پر کہ نہیں بنادیا ہم نے ان کیلئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب

انتہائے مشرق کی وحشی قوم:

یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہونگے گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾
یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر ☆

یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق ومغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے جو وسائل اس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان

سب پر ہمارا علم محیط ہے۔ تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہونگے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرمادیا بعض مفسرین نے "کذلک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾
پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ☆

تیسرا سفر: یہ تیسرا سفر مشرق و مغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن و حدیث میں یہ تصریح نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ
یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے اُن سے ورے
دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾
ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ☆

یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم:

یعنی ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم میں کا ہوگا، جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔

تنبیہ: اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی۔ البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درکھلا ہوا تھا اسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

دو پہاڑ:

سُد اور سَد ہم معنی ہیں عکرمہؒ نے کہا انسان کی بنائی بندش کو سَد کہتے ہیں اور قدرتی رکاوٹ وآڑ کو سُد۔ سدین سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی تھی تاکہ یاجوج وماجوج پرے سے دیوار کے درے نہ آسکیں۔ بیچ میں دیوار حائل ہوجائے۔ یہ دونوں پہاڑ آرمینیا اور آذربیجان کے تھے۔ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ ترکوں کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں، اس کے بالکل آخری شمال میں دو پہاڑ تھے جن سے پرے یاجوج وماجوج تھے وہی دونوں پہاڑ مراد ہیں، یہ قول سعید بن منصور نے سنن میں اور ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یاجوج ماجوج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے چہرہ مبارک سرخ ہورہا تھا اور فرماتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی کا وقت قریب آگیا آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا۔ اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کردیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہوجائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔ ہاں بخاری شریف میں راویوں کے ذکر میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں مسلم میں ہے اور بھی اس کی سند میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بہت ہی کم پائی گئی ہیں مثلاً زہری کی روایت عروہ سے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں اور چار عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے روایت کرنا پھر چاروں عورتیں صحابیہ، رضی اللہ عنہن۔ پھر ان میں بھی دو حضور علیہ السلام کی بیویوں کی لڑکیاں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں، رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ بزار میں یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام، حام اور یافث، سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جداعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں۔ انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بوجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی اور آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے اور لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کیلئے بہت سامال جمع کردیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کردیں تاکہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں خدا کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کردیتا ہوں۔ زبر جمع ہے زبرۃ کی۔ ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ جب یہ ٹکڑے جمع ہوگئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرادی اور وہ لمبائی اور چوڑائی میں اتنی ہوگئی

کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔ اس کے طول وعرض اور موٹائی کی پنان میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چوطرف آگ بھڑکاؤ جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہوگئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہا دو چنانچہ یہ بھی کیا گیا پس ٹھنڈی ہوکر یہ دیوار بہت ہی مضبوط اور پختہ ہوگئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاریدار چادر ہو۔

ایک صحابی نے سدِ سکندری دیکھی تھی:

ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاریدار چادر جیسی جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے۔

دیوار کی تحقیق کیلئے لشکر کی روانگی:

خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دو سال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخرش اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔ دیوار بے حد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور دیکھے جو انہوں نے واپس آ کر خلیفہ کی خدمت میں عرض کئے۔

بالآخر یاجوج ماجوج دیوار توڑیں گے:

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کی نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آ کر توڑ دینگے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا خدا تعالیٰ کو منظور ہوگا تو یہ کھودتے ہوئے جب چھلکے جیسی کر دینگے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل ان شاء اللہ اسے توڑ ڈالیں گے۔ پس ان شاء اللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسے ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور باہر نکل پڑیں گے۔

لغات مشکلہ کا حل:

بَيْنَ السَّدَّيْنِ لفظ سد عربی زبان میں ہر اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی چیز کے لئے رکاوٹ بن جائے خواہ دیوار ہو یا پہاڑ اور قدرتی ہو یا مصنوعی، یہاں سدین سے دو پہاڑ مراد ہیں جو یاجوج ماجوج کے راستہ میں رکاوٹ تھے لیکن ان دونوں کے درمیانی درے سے وہ حملہ آور ہوتے تھے جس کو ذوالقرنین نے بند کیا۔

زُبَرَ الْحَدِيْدِ، زبر، زبرہ کی جمع ہے، جس کے معنی تختی یا چادر کے ہیں، مراد لوہے کے ٹکڑے ہیں جن کو اس درہ کو بند کرنے والی دیوار میں اینٹ پتھر کے بجائے استعمال کرنا تھا،

الصدفین، دو پہاڑوں کی دو جانبین جو ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں۔

قطرًا. قطر کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک پگھلے ہوئے تانبے کے ہیں، بعض نے پگھلے ہوئے لوہے یا رانگ کو بھی قطر کہا ہے۔ (قرطبی)

دکاء، یعنی ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے برابر ہو جانے والی۔

قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آ گئی ہے۔

طوفانِ نوح کے بعد انسانی آبادی:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں ہیں، ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو صحیح مسلم اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس میں خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یاجوج ماجوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

فتنہ دجال کے متعلق مفصل حدیث:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا، اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر وذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت ودوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات)۔ آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور

پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے۔

امت محمدیہ کیلئے فتنہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں، (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا، (تمہیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں، اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہے،

دجال کا حلیہ:

(اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نوجوان سخت پیچدار بالوں والا ہے، اس کی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے، جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے۔ (یہ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا)

فتنۂ دجال سے حفاظت:

اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے، (اس سے دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا)

دجال کہاں سے نکلے گا:

دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا، اے اللہ کے بندو! اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

دجال کتنی مدت رہے گا:

ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کس قدر مدت رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا نہیں، بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی۔

دجال کی تیزی:

پھر ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کریگا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو۔

دجال کے خوارق:

پس دجال کی قوم کے پاس سے گزرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائیگی، (اور ان کے مویشی اس میں چریں گے) اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت بہت اونچے ہوں گے، اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے، اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی، پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا، اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا، لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کر دیں گے، وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویران زمین کے پاس سے اس کا گزر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ، چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہو لیتی ہیں، پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا، جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا، اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کر دیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنیوالے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ (زندہ ہو کر) دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آ جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ کا نزول:

دریں اثناء حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے چنانچہ وہ دو رنگدار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے۔

کافروں کی موت:

جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مر جائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی۔

دجال کاقتل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کوتلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپ اسے باب اللد پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کوقتل کردیں گے۔

لوگوں کوخوشخبری:

پھرحضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے اور (بطور شفقت کے) ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کوخوش خبری سنائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کاحکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کونکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کوطاقت نہیں، آپ مسلمانوں کوجمع کرکے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے)

یاجوج ماجوج کاخروج:

اورحق تعالیٰ یاجوج ماجوج کوکھول دینگے۔ تووہ سرعت سیر کے سبب ہربلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اوراس کا سب پانی پی کرایسا کردیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گزریں گے تو دریا کی جگہ کوخشک دیکھ کرکہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

مسلمانوں کی پناہ گیری:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے رفقاء کوہ طور پرپناہ لیں گے، اوردوسرے مسلمان اپنے قلعوں اورمحفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے کھانے پینے کاسامان ساتھ ہوگامگروہ کم پڑجائیگا توایک بیل کے سرکوسودینار سے بہترسمجھا جائے گا۔

مؤمنوں کی دُعاءاوریاجوج ماجوج کی موت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوردوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاکریں گے (حق تعالیٰ دعاقبول فرمائیں گے) اوران پروبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اوریاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے پھرحضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تودیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا (اس کیفیت کودیکھ کردوبارہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعاکریں گے (کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھرکم پرندوں کوبھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانندہوں گی۔ (وہ ان کی لاشوں کواٹھاکر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی، وہاں پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھرحق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہراورجنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی، اورشیشہ کے مانندصاف ہوگی۔

قحط کاخاتمہ برکات کاظہور:

پھرحق تعالیٰ زمین کوحکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اورپھولوں کواگادے اور (ازسرنو) اپنی برکات کوظاہرکردے، چنانچہ ایساہی ہوگا اوراس قدربرکت ظاہرہوگی کہ ایک انارایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا، اورلوگ اس کے چھلکے کی چھتری بناکرسایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدربرکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کادودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اورایک گائے کادودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کوکافی ہوجائے گا، اورایک بکری کادودھ پوری برادری کوکافی ہوجائے گا۔

سب مؤمنوں کی وفات:

(یہ غیرمعمولی برکات اورامن وامان کازمانہ چالیس سال رہنے کے بعدجب قیامت کاوقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہواچلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہرہوجائے گی اورسب کے سب وفات پاجائیں گے، اور باقی صرف شریروکافررہ جائیں گے، جوزمین پرکھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پرقیامت آئے گی۔

یاجوج ماجوج کی فتوحات:

اورحضرت عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت میں یاجوج وماجوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے، وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گزرنے کے بعدیاجوج ماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پرچڑھ جائیں گے اورکہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کوسب کوقتل کردیا ہے لواب ہم آسمان والوں کاخاتمہ کریں گے چنانچہ وہ اپنے تیرآسمان کی طرف پھینکیں گے اوروہ تیرحق تعالیٰ کے حکم سے خون آلودہوکران کی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کرخوش ہوں کہ آسمان والوں کابھی خاتمہ کردیا)۔

دجال مدینہ میں:

دجال کے قصہ میں حضرت ابوسعیدخدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دوررہے گا، اورمدینہ کے راستوں پربھی اس کاآناممکن نہ ہوگاتووہ مدینہ کے قریب ایک شورزمین کی طرف آئے گا۔

ایک حق پرست آدمی:

اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا، اوروہ آدمی اس وقت کے

بہترین لوگوں میں سے ہوگا، اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی (یہ سن کر) دجال کہنے لگے گا، لوگو! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور پھر اسے زندہ کردوں تو میرے خدا ہونے میں شک کروگے۔ وہ جواب دیں گے، نہیں، چنانچہ وہ اس آدمی کو قتل کردے گا، اور پھر اس کو زندہ کردے گا تو وہ دجال کو کہیگا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا ہے دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہوسکے گا، (صحیح مسلم)

یاجوج ماجوج جہنم میں:

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار (یعنی جہنمی لوگ) اٹھایئے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسوننانوے جہنمی ہیں، صرف ایک جنتی ہے، صحابہ کرام سہم گئے اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ایک اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے۔

یاجوج ماجوج کی انسانوں سے نسبت:

مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں (روح المعانی)

حضرت عیسیٰؑ کا زمین پر قیام:

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان روایات کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کی تعداد ساری انسانی آبادی سے بیحد زائد ہے۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چالیس سال زمین پر رہیں گے، مسلم کی ایک روایت میں جو سات سال کا عرصہ بتلایا ہے حافظ نے فتح الباری میں اس کو مؤول یا مرجوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے اور حسب تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن وامان اور برکات کے ظہور کا ہوگا، بغض وعداوت آپس میں قطعاً نہ رہے گا، کبھی دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا یا عداوت نہیں ہوگی، (روایت مسلم واحمد)

حج وعمرہ: بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کا حج وعمرہ خروج یاجوج ماجوج کے بعد بھی جاری رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

بخاری ومسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہورہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔ لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق تسعین۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یاجوج وماجوج کی روم یعنی سد میں اتنا سوراخ کس گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا"۔

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہوسکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہلاک ہوسکتے ہیں، جبکہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہوجائے، (مشکٰوۃ فی الصحیحین عن ابی ہریرةؓ، کذا فی البدایة والنہایة ابن کثیر) اور سد یاجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہوجانا اپنے حقیقی معنیٰ ہی ہوسکتا ہے اور مجازی طور پر سد ذوالقرنین کے کمزور ہوجانے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ (ابن کثیر، ابوحیان)

روایات حدیث سے حاصل شدہ نتائج:

احادیث میں یاجوج ماجوج کے متعلق جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یاجوج ماجوج عام انسانوں کی طرح انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جمہور محدثین ومؤرخین ان کو یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یافث ابن نوح کی اولاد نوح علیہ السلام کے زمانے سے ذوالقرنین کے زمانے تک دور دور تک مختلف قبائل اور مختلف قوموں اور مختلف آبادیوں میں پھیل چکی تھی، یاجوج ماجوج جن قوموں کا نام ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب سد ذوالقرنین کے پیچھے ہی محصور ہوگئے ہوں، ان کے کچھ قبائل اور قومیں سد ذوالقرنین کے اس طرف بھی ہوں گے، البتہ ان میں سے جو قتل وغارت گری کرنے والے وحشی لوگ تھے، وہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے، مورخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں، مگر ان میں سے یاجوج ماجوج نام صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے، انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین

جو متمدن ہوگئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

(۲) یاجوج ماجوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد، کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے۔

(۳) یاجوج ماجوج کی جو قومیں اور قبائل سدذی القرنین کے ذریعہ سے اس طرف آنے سے روک دیئے گئے ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب تک اسی طرح محصور رہیں گے، ان کے نکلنے کا وقت مقدر ظہور مہدی علیہ السلام پھر خروج دجال کے بعد وہ ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دجال کو قتل کرچکیں گے۔

(۴) یاجوج ماجوج کے کھلنے کے وقت سدذوالقرنین منہدم ہوکر زمین کے برابر ہوجائے گی (آیت قرآن) اس وقت یہ یاجوج ماجوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعت رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں، اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام انسانی آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے، اور ان کے قتل وغارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کرسکے گا، اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامر الٰہی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے، اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہوکر اپنی جانیں بچائیں گے کھانے پینے کا سامان ختم ہوجانے کے بعد ضروریات زندگی انتہائی گراں ہوجائے گی، باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کرڈالیں گی، ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعا سے پھر یہ ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کردی جائیں گی ان کی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی، ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسنا مشکل ہوجائے گا۔

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء ہی کی دعا سے ان کی لاشیں دریا برد یا غائب کردی جائے گی اور عالمگیر بارش کے ذریعہ پوری زمین کو دھوکر پاک صاف کردیا جائیگا۔

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن وامان کا دور دورہ ہوگا، زمین اپنی برکات اگل دے گی، کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا، کوئی کسی کو نہ ستائے گا، سکون واطمینان آرام وراحت عام ہوگی۔

(۸) اس امن وامان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج وعمرہ جاری رہے گا۔

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سدذوالقرنین میں ایک سوراخ ہوگیا ہے جس کو آپ نے عرب کے لئے شر وفتنہ کی علامت قرار دی، اس دیوار میں سوراخ ہوجانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سدّ ذوالقرنین کمزور ہوچکی ہے خروج یاجوج ماجوج کا وقت قریب آگیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل وانحطاط کے رنگ میں ظاہر ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کا قیام زمین پر چالیس سال ہوگا، ان سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چالیس سال رہے گا، جس میں کچھ حصہ دونوں کے اجتماع واشتراک کا ہوگا، سید شریف برزنجی نے اپنی کتاب اشراط الساعۃ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قیام قتل دجال اور امن وامان کے بعد چالیس سال ہوگا، اور مجموعہ قیام پینتالیس سال ہوگا، اور صفحہ نمبر ۱۱۲ میں ہے کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیس سال سے اوپر کچھ سال پہلے ظاہر ہوں گے، اور ان کا مجموعہ زمانہ چالیس سال ہوگا، اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا، اور ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل وانصاف کی حکومت ہوگی زمین اپنی برکات اور خزائن اگل دے گی، کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے گا، لوگوں کے آپس میں بغض وعداوت قطعًا نہ رہے گی، ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجال اکبر کا فتنہ عظیم سوائے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس اور کوہ طور کے سارے عالم پر چھا جائے گا، اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے عظیم تر ہوگا، دجال کا قیام اور فساد صرف چالیس دن رہے گا، مگر ان چالیس دنوں میں سے پہلا دن ایک سال کا، دوسرا دن ایک مہینہ کا، تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا، باقی دن عام دنوں کی طرح کے ہونگے۔ جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حقیقۃً یہ دن اتنے طویل کردیئے جائیں کیونکہ اس آخر زمانے میں تقریباً سارے واقعات ہی خرق عادت اور معجزہ کے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن رات تو اپنے معمول کے مطابق ہوتے رہیں مگر دجال کا بڑا ساحر ہونا حدیث سے ثابت ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کے سحر کے اثر سے عام مخلوق کی نظروں پر یہ دن رات کا تغیر وانقلاب ظاہر نہ ہو، وہ اس کو ایک ہی دن دیکھتے اور سمجھتے رہیں، حدیث میں جو اس دن کے اندر عام دنوں کے مطابق اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے اس سے بھی تائید اس کی ہوتی ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو دن رات بدل رہے ہوں گے مگر لوگوں کے احساس میں یہ بدلنا نہیں ہوگا، اس لئے اس ایک سال کے دن میں تین سو ساٹھ دنوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا، ورنہ اگر دن حقیقۃً ایک ہی دن ہوتا تو قواعد شرعیہ کی رو سے اس میں صرف ایک ہی دن کی پانچ نمازیں فرض ہوتیں، خلاصہ یہ ہے کہ دجال کا کل زمانہ اس طرح کے چالیس دن کا ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دجال کو قتل کرکے اس فتنہ کو ختم کریں گے مگر اس کے متصل ہی یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل وغارت گری کریں گے مگر ان کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہوں گے

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجال اور یاجوج ماجوج کے ہوں گے جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ وبالا کر دیں گے ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل وانصاف اور امن وسکون اور برکات وثمرات کا دور دورہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ ومذہب زمین پر نہ رہے گا، زمین اپنے خزائن ودفائن اگل دے گی، کوئی فقیر محتاج نہ رہے گا، درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتلا دیئے ہیں اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے۔ باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سد ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے، اور قوم یاجوج ماجوج کونسی قوم ہے، اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے، اگرچہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے اور نہ قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے لیکن مخالفین کی ہفوات کے جواب اور مزید بصیرت کے لئے علماء امت نے اس سے بحث فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

یاجوج ماجوج کی قومیت:

مؤرخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں، مگر ان میں سے یاجوج ماجوج نام..... صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین جو متمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا، ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا، وہ ترک ہیں، اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یاجوج ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ترک قوم کی بڑی بھاری تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج ماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں۔ (قرطبی، ص ۵۸ ج ۱۱)

تاتار یاجوج ماجوج نہیں تھے:

(قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تاتار ظاہر ہوا، اور اسلامی خلافت کو تباہ وبرباد کیا، ان کا عظیم فتنہ تاریخ اسلام میں معروف اور تاتاریوں کا مغول ترک میں سے ہونا مشہور ہے)۔ مگر قرطبی نے ان کو یاجوج ماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یاجوج ماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے تاتار ہی کو یاجوج ماجوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے، البتہ یہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یاجوج ماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے (روح ص ۴۴ ج ۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ یاجوج ماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا، مگر اسی کو وہ خروج یاجوج ماجوج قرار دینا جس کی خبر قرآن وحدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی ہے اور اس کا وقت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

یاجوج ماجوج کا محل ومقام:

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کے بحث میں یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے۔

''ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قفچاق اور چرکس کہلاتے ہیں۔ اور مشرق کی جانب یاجوج ماجوج کی آبادیاں ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے، کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے، جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے، اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری واقع ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے''۔

اور عبداللہ بن خرداذ بہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے، چنانچہ وہ

گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا، اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات واوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۹۷)

دیوارِ سکندری:

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کیلئے ایک جماعت کو بھیجنا اور ان کا تحقیق کر کے آنا ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر وطبری نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۳)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق:

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق وروایت کے اعلیٰ معیار پر ہے، آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں، بہت سی جگہوں میں سدیں (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا طول ابوحیان اندلسی (دربار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء پر کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ انکووہ اور ترک لوگ بورقورقہ کہتے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدیں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاریؒ کی وضاحت:

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل وتحقیق سے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج اور شر وفساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کا کیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے انہی یاجوج ماجوج کے شر وفساد سے بچنے کیلئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد تعمیر کی گئی، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی، اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلافچو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گزرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ج ۹ ص ۱۹۸)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد ۳-۴۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو دربند انوشیرواں بھی کہتے ہیں، اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے''۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کا کیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے، جہاں وہ پہاڑوں کے درمیان ایک درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ یہ چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقایا کوہ قاف کی سد کہلاتی ہے بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے:

''اور اسی کے (یعنی سد باب الابواب کے) قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا، بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے، اور بعض نے کسریٰ ونوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔

(دائرۃ المعارف جلد ۷، ص ۶۵۱، معجم البلدان جلد ۸، ص ۹)

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سے سد ذوالقرنین کونسی ہے، اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری دو سدوں کے معاملہ میں پیش آیا، کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکور الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے اس کے متعلق تو سد ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے، اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے،

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں، ان میں سے عام طور پر مورخین مسعودی، اصطخری، حموی وغیرہ اس دیوار کو سد ذوالقرنین بتاتے ہیں، جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحر خزر پر واقع ہے بخارا اور ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مورخین نے سد ذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہوگیا کہ علاقہ داغستان کا کیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مورخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور قدس سرہٗ نے عقیدۃ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷)۔ سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گی یا وہ ٹوٹ چکی ہے؟

قرآن واحادیث کی تصریحات کا تقاضا:

احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا، اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا وہ واقعہ ہو چکا کیونکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو، اور یاجوج ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آچکی ہوں، بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا حملہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی نہیں ہوا، بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

اہل یورپ کے دعویٰ کی تردید:

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں، کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہوسکا دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کرچکی ہو، لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس کا تحقق یوں بھی ہوسکتا ہے کہ دیوار منہدم ہوکر راستہ ابھی کھل گیا ہو، اور یاجوج وماجوج کے حملوں کی ابتداء ہوچکی ہو، خواہ اس کی ابتداء چھٹی صدی ہجری کے فتنہ تاتار سے قرار دی جائے، یا اہل یورپ اور روس وچین کے غلبہ سے مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جاسکتا جس کا پتہ قرآن وحدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل وغارت گری اور ایسی خون ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ برباد کردے گا بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہیں مفسد یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آکر متمدن بن گئیں اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور فتنہ عظیمہ ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل وخوں ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا۔

مورخین نے لکھا بھی ہے کہ یاجوج ماجوج کو طویل بحری سفر کرکے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ سد ذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی، یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہوسکیں گے البتہ وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کردے گا اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آچکا ہے، حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بناء پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سد یاجوج ماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ازروئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے، احتمال دونوں ہی ہیں، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ
بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ
دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں

خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾
تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنادے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ ☆

سدّ سکندری بنانے کی درخواست:

ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب ووسائل اورقوت وحشمت کودیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدباب اس سے ہوسکے گا، اس لئے گزارش کی کہ ''یاجوج ماجوج'' نے ہمارے ملک میں اودھم مچارکھی ہے۔ یہاں آکر قتل وغارت اورلوٹ مار کرتے رہتے ہیں، آپ اگر ہمارے اوران کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کردیں جس سے ہماری حفاظت ہوجائے توجوکچھ اس پرخرچ آئے ہم ادا کرنے کوتیار ہیں، چاہے آپ ٹیکس لگاکرہم سے وصول کرلیں۔ (تفسیر عثمانی)

یاجوج ماجوج کے متعلق حضرت علامہ عثمانیؒ کی تحقیق:

(تنبیہ): ''یاجوج ماجوج'' کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد (آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین ومورخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اورجیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اورنووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب باپ کی طرف آدم علیہ السلام پرمنتہی ہوتا ہے مگر ماں کی طرف سے حواء تک نہیں پہنچتا گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔

کیا عجب ہے کہ دجال اکبرجسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا، اسی قوم میں کا ہو۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام جومحض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کےبطن سے بتوسط نفخہ ملکیہ پیدا ہوئے، نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردینگے، اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پرخروج کریگی اورآخرکار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اورذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ سوجوشخص ان سب اوصاف کوپیش نظر رکھے گا جن کاثبوت اس قوم اوردیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اوراحادیث صحیحہ میں ملتا ہے اس کوکہنا پڑیگا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کالوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعہ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا۔ لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اوراحادیث صحیحہ کاانکاریانصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے۔ رہامخالفین کایہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کوچھان ڈالا مگر کہیں اس کاپتہ نہیں ملا۔ اوراسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح جواب وہ ہی ہے جوعلامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کواس کا موقع معلوم نہیں اورممکن ہے کہ ہمارے اوراس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پرمحیط ہوچکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سوبرس تک ہم کوچوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایساموجود ہوجہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کرسکے ہوں اورتھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یاوہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جوآسٹریلیا کے شمالی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سائنس دان ڈاکٹرسی ایم ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہے۔ یہ دیوار ہزارمیل سے زیادہ لمبی اوربعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اورہزارفٹ اونچی ہے۔ جس پر بیشمارمخلوق بستی ہے۔ جومہم اس کام کیلئے روانہ ہوئی تھی حال میں اس نے اپنی ایک سالہ تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب وغریب اسرارمنکشف ہوتے ہیں اورانسان کوحیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہورہی ہے۔ پھرکیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کوخشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل اکتشافات حاصل ہوچکے ہیں، بہرحال مخبرصادق نے جس کاصدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبردی توہم پرواجب ہے کہ تصدیق کریں اوران واقعات کے منتظر رہیں جومشککین ومنکرین کےعلی الرغم پیش آکررہیں گے۔

ستبدی لک الایام ماکنت جاھلا　　ویاتیک بالاخبار مالم تزود

(تفسیر عثمانی)

یاجوج ماجوج کی تعداد:

حضرت حذیفہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یاجوج (ایک الگ) قوم ہےاور ماجوج (دوسری) قوم ہے ہرایک کی تعداد چارسوہزار (چارلاکھ) ہے وہ سب آدم کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی پشت (یعنی نسل) سے پیدا شدہ ایک ہزارآدمی ایسے نہ دیکھ لے جوہتھیاراٹھانے کے قابل ہوں (یعنی جوان ہوں) یہ لوگ غیرآباد دنیا کی طرف پھیلتے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین نے دیوار بنوائی تھی اوریاجوج وماجوج کی ادھر آنے سے بندش کردی تھی تواس وقت ان کے دوگروہ تھے ہرگروہ کی تعداد چارلاکھ تک پہنچ چکی تھی اس کے بعد کتنی ہوگئی توظاہر ہے کہ جب ہرشخص اپنی نسل کے ایک ہزارآدمی چھوڑ کرمرتا ہے توان کی گنتی کون کرسکتا ہے۔

یاجوج ماجوج کی تین قسمیں:

بغوی نے لکھا ہے یاجوج ماجوج تین طرح ہیں ایک قسم تو درخت ارز کے برابر ہے ان میں سے ہرشخص کا قدا کیسوبیس ہاتھ لمبا ہے دوسری قسم کا طول وعرض برابر ہوتا ہے ۱۳۰ ہاتھ لمبا اوراتنا ہی چوڑا ان کے سامنے کوئی پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ تیسری قسم وہ ہے جوایک کان بچھاتے اورایک کان اوڑھتے ہیں (قیامت کے

قریب جب یہ برآمد ہوں گے تو) جو گھوڑا یا خنزیر یا جنگلی وحشی جانور ان کے سامنے آجائے گا اس کو بغیر کھائے نہیں چھوڑیں گے، ان میں سے جو کوئی مرجاتا ہے اس کو کھا لیتے ہیں ان کا اگلا دستہ شام میں اور پچھلا حصہ خراسان میں ہوگا مشرق کے (تمام) دریاؤں اور بحیرہ طبریہ (بحیرہ مردار) کا پانی پی جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت علی نے فرمایا ان میں سے بعض کا طول ایک بالشت اور عرض ایک ہاتھ ہے اور بعض بہت زیادہ لمبے ہیں۔

یاجوج ماجوج کس سے پیدا کئے گئے:

کعب احبار نے کہا وہ اولاد آدم میں ایک عجیب مخلوق ہیں ایک روز حضرت آدم کو احتلام ہوا اور نطفہ مٹی کے ساتھ مخلوط ہو گیا اس نطفہ سے اللہ نے یاجوج وماجوج کو پیدا کر دیا وہ باپ کی طرف سے تو ہماری (علاتی) بھائی ہیں لیکن ہماری اماں کی نسل سے نہیں ہیں۔

ذوالقرنین اپنی جوانی سے سدّ سکندری تک:

بغوی نے وہب بن منبہ کے حوالہ سے لکھا کہ ذوالقرنین رومی تھا اور ایک بڑھیا کا بیٹا تھا جوان ہوا تو نیک مومن بندہ ہوا اور اللہ نے اس سے فرمایا، میں تجھے ایسی قوموں (کی اصلاح کے لئے بھیجوں گا جن کی زبانیں مختلف ہوں گی ان میں سے دو قومیں ایسی ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کے طول کا فاصلہ ہوگا، ایک غروب آفتاب کے مقام پر ہوگی جس کو ناسک کہا جائے گا اور دوسری سورج نکلنے کے مقام پر ہوگی، جس کو منسک کہا جائے گا۔ اور دو قومیں اور ہوں گی جن کے درمیان پوری زمین کا عرض فاصل ہوگا جنوب کی طرف والی قوم کو ہاویل کہا جائے گا اور شمال والی کو قاویل، باقی اقوام وسط ارض پر آباد ہوں گی جن میں جنات بھی ہوں گے، اور انسان بھی اور یاجوج وماجوج بھی۔

ذوالقرنین نے عرض کیا پھر کس قوم کو ساتھ لے کر میں ان سے قوت اور کثرت میں مقابلہ کروں گا اور کس زبان میں ان سے گفتگو کروں گا، اللہ نے فرمایا میں تجھے طاقت عطا کروں گا، تیری زبان میں پھیلا دوں گا اور تیرا بازو مضبوط کر دوں گا تجھے کوئی چیز خوف زدہ نہ کر یگی تجھے ہیبت کا لباس پہناؤں گا کہ تجھے کوئی شی روک نہ سکے گی میں نور وظلمت کو تیرا فرماں بردار بنا دوں گا اور دونوں کو تیرا مددگار کر دوں گا۔ نور تجھے آگے آگے راستہ دکھائے گا اور تاریکی پیچھے پیچھے سے تجھے گھیرے میں لیتی رہے گی۔ حسب الحکم ذوالقرنین چل دیا اور آفتاب کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا، وہاں اس کو دشمنوں کی ایک جماعت ملی جو بیشمار تھی ان کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذوالقرنین نے ظلمت سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا سب کو ایک جگہ جمع کر کے اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دی کچھ لوگوں نے دعوت کو مان لیا کچھ کترا گئے جو لوگ روگرداں ہو گئے ان پر ذوالقرنین نے ظلمت کو مسلط کر دیا تاریکی ان کے پیٹوں اور گھروں کے اندر گھس گئی، آخر وہ ذوالقرنین کی دعوت میں داخل ہو گئے اسی جگہ مغرب والوں کا ذوالقرنین نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو ساتھ لے کر ہاویل (جنوبی قوم کے پاس پہنچ گیا اور یہاں بھی وہی سلوک کیا، جیسا ناسک کے ساتھ کیا تھا، پھر منسک کی طرف گیا جو طلوع آفتاب کے مقام کے قریب آباد تھے، یہاں پہنچ کر ذوالقرنین اور اس کے لشکر نے وہی عمل کیا جو مذکورہ دونوں قوموں کے ساتھ کر چکا تھا، پھر قاویل (شمالی قوم) کی طرف رخ کیا اور ان سے بھی وہی معاملہ کیا جو مندرجہ بالا اقوام کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد وسطی اقوام کی طرف توجہ کی مشرقی جانب ترکوں کی سرحد پر پہنچا تو وہاں نیک ایمان دار آدمیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا اور کہا ذوالقرنین ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مخلوق ایسی ہے جو بہائم (چوپایوں) کی طرح ہے اور درندوں کی طرح ان کے نوکیلے دانت اور کچلیاں ہیں سانپوں اور بچھوؤں کو کھا جاتے ہیں اور گھوڑوں گدھوں اور جنگلی جانوروں کو پھاڑ کھاتے ہیں ان کی تعداد ان کی افزونی ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعداد نہیں ہے اور اتنی ہی ان کی افزونی ہے کہ کسی مخلوق کی نہیں ہے وہ ہماری سرزمین پر آجاتے ہیں تسلط جماتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں کیا ہم آپ کے لئے چندہ کر کے رقم جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بندھ بنا دیں، ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جو مجھے طاقت، و دولت وغیرہ عطا فرمائی ہے وہ (تمہارے چندہ سے) بہتر ہے تم لوگ میرے لئے پتھر کی چٹانیں اور لوہا اور تانبا فراہم کر دو اور میں جا کر ان کے حالات معلوم کرتا ہوں۔

یہاں سے ذوالقرنین ان لوگوں کے احوال دریافت کرنے کے لئے چلا اور ان کی بستیوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی قد کے ہیں ہمارے متوسط القامت آدمی کے طول سے ان کا طول قامت آدھا ہے ان کے پنجے اور نوکیلے دانت اور کچلیاں درندوں کی طرح ہیں۔ اور سارے بدن پر سخت بال اتنی کثرت سے ہیں کہ جسم کو چھپائے ہوئے ہیں سردی گرمی سے بچاؤ ان کو ان بالوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر شخص کے دو بڑے بڑے کان ہیں ایک کان بچھاتا ہے ایک اوڑھتا ہے۔ ان کانوں ہی سے موسم گرما وسرما میں کام چلاتا ہے جہاں جمع ہوتے ہیں آپس میں جانوروں کی طرح جماع کرتے ہیں ذوالقرنین یہ کیفیت دیکھ کر لوٹ آیا اور دونوں پہاڑوں کے درمیان پہنچ کر اس نے پیمائش کی پھر پانی تک بنیاد کھدوا کر پتھر کی چٹانوں سے اس کو بھر دیا اور تانبا پگھلا کر اس سے مصالحہ کا کام لیا، اس طرح دیوار مکمل ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک پہاڑ پھوٹ آیا ہے (یہ سب اسرائیلی خرافات ہیں۔ بیضاوی)۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي

بولا جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو مدد کرو میری

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا
محنت میں بنا دوں تمہارے ان کے بیچ ایک دیوار موٹی ☆

یعنی مال میرے پاس بہت ہے مگر ہاتھ پاؤں سے ہمارے ساتھ تم بھی محنت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ
لا دو مجھ کو تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں
الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا
پھاٹکوں تک پہاڑ کی کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو آگ
قَالَ اٰتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا
کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا ☆

دیوار کی تیاری:

اول لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائیں۔ جب ان کی بلندی دونوں پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ گئی لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو کر تپنے لگا اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہو کر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہونگے۔ جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہیے۔ یا ممکن ہے اس وقت اس قسم کے آلات واسباب پائے جاتے ہوں جن کا ہمیں اب علم نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ مجھے لوہے کے ٹکڑے لادو۔ مطلب یہ کہ مالی مدد کی اور معاوضہ کی مجھے ضرورت نہیں تم لوگ جسمانی اور آلاتی مدد کرو۔ لوگ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آئے۔ لکڑیاں اور کوئلے بھی ساتھ لائے۔ ذوالقرنین نے لوہے لکڑی اور کوئلوں کو تہ برتہ چنا اوپر لوہا پھر نیچے لکڑی پھر کوئلے پھر لوہا پھر لکڑی۔

صدفین دونوں کنارے صدف جھکاؤ، میلان۔ تصارف آمنے سامنے ہوتا۔ افرغ میں ڈال دوں، افراغ بوٹنا، بہادینا، قطر پگھلا ہوا تانبہ۔ لوگ تانبہ لے آئے پھر پگھلا ہوا تانبہ دہکتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا گیا، آگ سے لکڑی اور کوئلہ جل گیا، پگھلے ہوئے تانبے نے اس کی جگہ لے لی اس طرح لوہے کی اینٹیں پگھلے ہوئے تانبے کے مصالحہ سے باہم پیوست ہوگئیں اور ایک آہنی دیوار پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی۔ بغوی نے لکھا ہے اس دیوار کی چوڑائی پچاس ہاتھ، اونچائی سو ہاتھ اور لمبائی ایک فرسخ تھی۔

یہ کام تمام کاریگروں اور معماروں کا تھا، لیکن ذوالقرنین کی تدبیر اور حکم سے ہوا اس لئے آیت میں دیوار تیار کرنے کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ (تفسیر مظہری)

ذوالقرنین کی کرامت:

عجب نہیں کہ اس عظیم مقدار میں تانبے کا پگھلنا ذوالقرنین کی کرامت ہو، جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ کما قال تعالیٰ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اور سلیمان علیہ السلام کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔ کما قال تعالیٰ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ اسی طرح کیا عجب ہے کہ ذوالقرنین کے لئے بطور کرامت اور بطریق خرق عادت تانبے کو پگھلا دیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔ (معارف کاندھلوی)

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا
پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں
اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا
اس میں سوراخ ☆

یعنی حق تعالیٰ نے یاجوج ماجوج کو فی الحال یہ قدرت نہیں دی کہ دیوار پھاند کر یا توڑ کر ادھر نکل آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ
بولا یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا
جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا
گرا دے اس کو ڈھا کر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا ☆

خروج یاجوج ماجوج:

یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہوگئی اور میعاد معین تک قائم رہے گی۔ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے نزول اور قتل دجال کے بعد قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وعدہ ہے اس وقت یہ روک ہٹا دی جائیگی۔ دیوار توڑ کر اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔ حضرت مسیح کو حکم ہوگا کہ میرے خاص بندوں کو لیکر "طور" پر چلے جائیں۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام بارگاہ احدیت کی طرف دست دعا دراز کرینگے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج پر ایک غیبی وبا مسلط ہوگی۔ سب ایک دم مرجائینگے۔ مزید تفصیل کتب حدیث باب "امارات الساعۃ" میں دیکھنی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالقرنین کی وفات:

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا، اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین کے قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین ظلمات میں گھس گیا پھر لوٹ کر آیا تو شہرزور میں اس کی وفات ہوگئی۔
بعض کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی عمر کچھ اوپر تیس برس کی ہوئی۔

یاجوج ماجوج کے مسئلہ کی حیثیت:

احادیث صحیحہ میں یاجوج و ماجوج کے خروج کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ وتابعین کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علامات قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو بات قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ وتابعین سے ثابت ہو اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنادی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یاجوج ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یاجوج وماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مریں گے جس کی تفصیل احادیث میں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کسی خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے۔

علامہ الوسی نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین حسر طرابلسی نے الحصون الحمیدیہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تصدیق فرض ہے مگر ہم کو اس دیوار کا موقعہ اور محل معلوم نہیں۔ بلاشبہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ حائل ہوں اور فضلاء جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا اور ہم بر اور بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں اور اب کوئی جگہ ہم سے بچی ہوئی نہیں رہی سو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے قابل تسلیم نہیں ساری زمین کو چھان ڈالنا اور دیکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے ابھی تک پوری آباد زمین کو بھی نہیں دیکھا جا سکا زمین کا بہت سا حصہ ابھی ایسا باقی ہے جہاں تک ان کا قدم نہیں پہنچا ابھی تک اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور وادیاں ایسی موجود ہیں کہ ان تک فضلاء جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ باردہ کی جانب ایسی زمین موجود ہے جہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے پس ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں امام رازی نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین شمال کی طرف ہے اور جو لوگ نقشہ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمانہ میں کوئی ان پر سے نہیں گزر سکتا اور ان پہاڑوں [illegible] زمین موجود ہے جو منتہائے عرض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے نیچے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنا کم رہتا ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے اور وہیں یاجوج ماجوج کی قوم آباد ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بڑے برفانی پہاڑ اور سمندر حائل ہوں اور ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج وماجوج کی اس طرف آمد کیلئے کسی وادی سے کوئی راستہ ہو کہ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف سے آکر آس پاس کی قوموں کو قتل وغارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس وادی کا راستہ سد کے ذریعے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی جانب ان کو دھکیل دیا ہو اور پھر اس سد کی وجہ سے انکا ادھر آنا بند ہو گیا ہو پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو ممکن ہے کہ جوی اور ارضی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یاجوج وماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقعہ مل جائے اور سد کو توڑ کر وہ قومیں اسی راستے یا کسی اور راستے سے دنیائے آبادی کی طرف نکل پڑیں اور یہاں آکر اودھم مچائیں اور فساد برپا کریں جیسا کہ آیات اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

دنیا کی بڑی بڑی دیواریں:

مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور گمان اور تخمینہ سے اس کو دیوار ذوالقرنین قرار دیا مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مفسر تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقانی کی مراجعت کرے۔

دیوار اول......دیوار چین:

جس کو بقول مورخین فغفور چین نے حضرت مسیح بن مریم سے تخمیناً دوسو پینتیس برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تخت وتاراج کیا کرتی تھیں ان کو یاجوج وماجوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت مسیح بن مریم سے دوسو پینتیس برس پہلے گزرا ہے اس لئے یہ دیوار سد ذوالقرنین نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دیوار آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیح سے دوہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مرد مومن تھا کافر نہ تھا اور فغفور یا خدا اور موحد نہ تھا اس کو ذوالقرنین قرار دینا غلط ہے۔

دیوار دوم .... دیوار سمرقند

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادروں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور بلند ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لئے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور آ کر اس کا حال بیان کیا یہ دیوار جبل ایطنی کا درہ بند کرنے کے لئے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو یمن سے کسی حمیری بادشاہ نے بنایا تھا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حمیری بادشاہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوار، دیوار ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم

دیوار سوم .... دیوار آذربائیجان

جو آذربائیجان کے سرے پر بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ بند کرنے کے لئے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھی یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اسی دیوار کو سد ذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوار چہارم .... دیوار تبت

یہ دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک کنارہ ہے جس سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر اس کو بند کر دیا یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

دیوار پنجم:

دنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرہ روم کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں واقع ہے۔

سدّ سکندری کے بارے میں قرآن واحادیث کی تصریحات:

اول: اس سد (دیوار) کا بانی خدا تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اور مرد صالح اور مرد مومن ہے جو ایمانداروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو جزاء حسنیٰ کی بشارت سناتا ہے اور کافروں اور ظالموں کو عذاب خداوندی سے ڈراتا ہے

دوم: اس کا بانی ایسا جلیل القدر بادشاہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا فرماں روا ہے اور حکومت اور سلطنت کے تمام اسباب ظاہری اور باطنی منجانب اللہ اس کے لئے مہیا ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا مطلب یہ ہے کہ وہ فرماں روائے مشرق ومغرب ایسا سعادت مند ہے۔ کہ تائید ربانی اور تمکین یزدانی اس کے ساتھ ہے اور فتح وکامرانی کا جھنڈا اس کے آگے آگے ہے کسی میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں شاہان عالم اس کی عظمت وہیبت کے سامنے دم بخود ہیں۔

سوم: وہ دیوار آہنی ہے پگھلے ہوئے تانبے سے تیار ہوئی ہے اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی۔

چہارم: یہ کہ اس دیوار کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اور وہ دیوار بہت بلند اور مستحکم ہے اور بطور خرق عادت اور بطریق کرامت تیار ہوئی ہے اس لئے کہ اتنی بلند دیوار جو ازاول تا آخر لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہو اور اس میں اس طور سے آگ سلگائی گئی ہو کہ اس کے سب ٹکڑے آگ بن گئے ہوں اور پھر ان میں ہزاروں من بلکہ ہزاروں ٹن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا ہو بظاہر یہ تمام امور اسباب ظاہری کے دائرہ سے باہر ہیں ایسی دھکتی ہوئی آگ کے قریب تو کوئی جاندار نہیں جا سکتا اور ایسی آگ میں پھونک مارنا اور پگھلے ہوئے تانبے کا اس پر ڈالنا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں لہٰذا سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عجیب وغریب دیوار اس نیک دل بادشاہ کی کرامت تھی یا اس نبی برحق کا معجزہ تھا جس کے ہاتھ پر ذوالقرنین نے بیعت کی تھی کہ جب اس قدر طویل وعریض لوہے کی دیوار آگ ہو جائے تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کے پاس بھی جا سکے اور پاس جا کر اس میں پھونک مار سکے اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال سکے یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اس نے نافخین وپھونک مارنے والوں کے ابدان واجسام کو اس شدید گرمی اور حرارت سے محفوظ رکھا اور انہوں نے اپنا کام کیا۔

پنجم: یہ کہ یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں نہ وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں نہ اس پر کوئی سیڑھی لگا کر ادھر سے ادھر اتر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں البتہ قیامت کے قریب زمانہ میں یہ لوگ اس دیوار میں نقب لگانے پر قادر ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ششم: یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس دیوار میں کچھ تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے۔

ہفتم: یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج ہر روز اس دیوار کو چھیلتے ہیں اور پھر وہ دیوار بحکم الٰہی ویسی ہی ہو جاتی ہے دبیز اور موٹی ہو جاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ ان شاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو چھیلیں گے۔ تو ان شاء اللہ کی برکت سے وہ دیوار ٹوٹ جائے گی:

ان شاء اللہ کی برکت سے وہ دیوار ٹوٹ جائیگی:

لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں جمہور علماء

تفسیر وحدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج بنی نوع انسان کی دو قوموں یا دو قبیلوں کا نام ہے آدم اور حوا کی اولاد سے ہیں اور یافث بن نوح کی نسل سے ہیں جو ترک کا جد اعلیٰ ہے اور ترک اس خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کردیئے گئے ہیں تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بے شمار ہیں کہ ان میں اہل بہشت میں وہ نسبت ہے کہ جو ایک اور ہزار میں ہے۔ امم سابقہ ولاحقہ میں سے جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج وماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کر دیئے عرض کریں گے کہ کس قدر۔ ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب احبار کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج وماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں جو بطن حوا سے پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارہ میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔

گویا کہ قوم یاجوج وماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لئے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کردیں جس سے ان کا راستہ بند ہوجائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہوجائیں چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن وحدیث کی تصریحات کا خلاصہ:

قرآن کریم میں یاجوج وماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے بہرحال قرآن اور حدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آسکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا اسی طرح یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مرجائے گی اور اس شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتا لگ سکا ہے حسب وعدہ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔

مرزائے قادیان کا هذیان:

مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یاجوج وماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور جب ان کا خروج ہوچکا تو اس کے لئے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لئے اگر قادیان کے اس هذیان کو بادل نخواستہ دل خراش سماعت کو برداشت کرلیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً ہلاک ہوجائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعۃً کوئی طاعونی کیڑا نمودار ہوگا جس سے سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے اور ایک ہی رات میں مرجائیں گے اور تمام ماحول متعفن اور بدبودار ہوجائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی یہ مضمون بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں کہ اگر یاجوج وماجوج سے انگریز و اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لئے کب بددعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بددعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہوئے سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا۔

مرزا قادیان تو یاجوج وماجوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لئے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زماں اور مہدی دوراں یاجوج وماجوج کے عروج اور بقاء کے لئے دعا کرے گا اور اپنی امت کو ان کے لئے دعا کا حکم دے گا نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے با اقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے با اقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا نزول مسیح کا اہم مقصد دجال ہے خود مرزا ازالۃ الادہام صفحہ ۱۴۷ میں لکھتا ہے لکل دجال عیسیٰ۔ دیکھو افادۃ الافہام ص ۱۵۰ جلد ۲۔

حیرت کا مقام ہے کہ مرزا با اقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور بجائے ان کے

مقابلہ اور مقاتلہ کے انکی دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ
اور چھوڑ دینگے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے اور
وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ۝۹۹ وَّعَرَضْنَا
پھر نک مارینگے صور میں پھر جمع کرائیں گے ہم ان سب کو اور دکھلا دیں ہم
جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۙ۝۱۰۰
دوزخ اس دن کافروں کو سامنے ☆

یاجوج ماجوج کا خروج:

یعنی یاجوج وماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بے شمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے یا یہ مطلب ہے کہ شدت ہول واضطراب سے ساری مخلوق رل گڈھ ہو جائیگی۔ جن وانس ایک دوسرے میں گھسنے لگیں گے پھر قیامت کا بگل ہوگا یعنی صور پھونکا جائیگا۔ اس کے بعد سب خدا کے سامنے میدان حشر میں اکھٹے کئے جائینگے اور دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے ہوگا شاید کافروں کی تخصیص اس لئے کی کہ اصل میں دوزخ ان ہی کیلئے تیار کیا گیا ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب وہ پردہ اٹھ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ بعضھم کی ضمیر میں ظاہر یہی ہے کہ یاجوج ماجوج کی طرف راجع ہے اور ان کا جو حال اس میں بیان ہوا ہے کہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے ظاہر یہ ہے کہ یہ اس وقت کا حال ہے جب کہ ان کا راستہ کھلے گا اور وہ زمین پر پہاڑوں کی بلندیوں سے جلد بازی کے ساتھ اتریں گے۔ مفسرین نے دوسرے احتمالات بھی لکھے ہیں۔

وجمعنھم، ضمیر عام مخلوق جن وانس کی طرف راجع ہے مراد یہ ہے کہ میدان حشر میں تمام مکلف مخلوق جن وانس کو جمع کر دیا جائے گا۔ (معارف المفتی اعظم)

جن وانس کا اختلاط:

بنی خزارہ کے ایک شیخ کا بیان ابن جریر میں ہے کہ جب جن وانسان آپس میں گتھ جائیں گے اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں جاتا ہوں معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہے؟ مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن وہاں فرشتوں کی جماعتوں کو دیکھ کر رک جائیگا اور لوٹ کر مغرب کو پہنچے گا وہاں بھی یہی رنگ دیکھ کر دائیں بائیں بھاگے گا لیکن چوطرف سے فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر ناامید ہو کر چیخ وپکار شروع کر دے گا اچانک اسے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دے گا اپنی ساری ذریات کو لے کر اس میں چل پڑے گا آگے جا کر دیکھے گا کہ دوزخ بھڑک رہے ہیں۔ ایک داروغہ جہنم میں اس سے کہے گا کہ اے موذی خبیث! کیا اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا تو جنتیوں میں نہ تھا؟ یہ کہے گا آج ڈانٹ ڈپٹ کیوں کر رہے ہو؟ آج تو چھٹکارے کا راستہ بتلاؤ میں عبادت خدا کے لئے تیار ہوں اگر حکم ہوا تو تنی اور ایسی عبادت کروں کہ روئے زمین پر کسی نے نہ کی ہو۔ داروغہ فرمائیگا خدا تعالیٰ تیرے لئے ایک فریضہ مقرر کرتا ہے۔ وہ خوش ہو کر کہے گا میں اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے پوری مستعدی سے موجود ہوں۔ حکم ہوگا کہ یہی کہ تم سب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب یہ خبیث ہکا بکا رہ جائے گا۔ وہیں فرشتہ اپنے پر سے اسے اور اس کی ذریت کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے گا۔ جہنم انہیں لیکر وہ دبوچے گی اور ایک مرتبہ تو وہ جلائے گی کہ تمام فرشتے اور تمام رسول صلی اللہ علیہ وسلم ونبیؑ گھٹنوں کے بل خدا کے سامنے عاجزی میں گر پڑیں گے۔

یاجوج ماجوج کی اولاد:

طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاجوج ماجوج حضرت آدمؑ کی نسل سے ہیں اگر وہ چھوڑ دیئے جائیں تو دنیا کی معاش میں فساد ڈال دیں ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے پھر ان کے سوا تین امتیں اور ہیں تاویل، تالیس اور منسک۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔ اور نسائی میں ہے کہ ان کی بیویاں بچے ہیں ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُور کیا ہے: حدیث میں ہے کہ وہ ایک قرن ہے جس میں پھونک دیا جائے گا۔ پھونکنے والے حضرت اسرافیلؑ ہوں گے۔ جیسے کہ لمبی حدیث بیان ہو چکی ہے۔ اور بھی بہت سی حدیثوں سے اس کا ثبوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں کیسے چین اور آرام سے بیٹھوں؟ صور والا فرشتہ صور کو منہ سے لگائے ہوئے پیشانی جھکائے ہوئے کان لگائے ہوئے منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور میں پھونک دوں۔ لوگوں نے پوچھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کیا کہیں؟ فرمایا **حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا**۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جہنم کو قیامت کے دن گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر ہر لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ
جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری
ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝۱۰۱
یاد سے اور نہ سن سکتے تھے ☆

عقل کے اندھے: یعنی خود اپنی عقل کی آنکھ برابر نہ تھی کہ قدرت کے نشان دیکھ کر یقین لاتے اور خدا کو یاد کرتے۔ اور ضد سے کسی کی بات نہ سنی

جو دوسرے کے سمجھائے سمجھ لیتے ۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا

اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں

عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ

میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی ☆

منکرین کی خام خیالی:

یعنی کیا منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ میرے خاص بندوں (مسیح زیر روح القدس، فرشتوں) کو پرستش کر کے اپنی حمایت میں کھڑا کر لینگے۔ "كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا" (ہرگز نہیں! وہ خود تمہاری حرکات سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور تمہارے مقابل مدعی بن کر کھڑے ہونگے)۔ (تفسیر عثمانی)

عبادی سے مراد اس جگہ فرشتے اور وہ انبیاءؑ ہیں جن کی دنیا میں لوگوں نے پرستش کی اور ان کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جیسے حضرت عزیر اور مسیح علیہ السلام فرشتوں کی عبادت کرنے والے بعض عرب تھے اور عزیر علیہ السلام کو یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو نصاریٰ نے خدا کا شریک قرار دیا، اس لئے الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا سے اس آیت میں کفار کے یہی فرقے مراد ہیں۔

اسی طرح جس کا عمل مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ریاکاری سے ہو وہ بھی عمل کے ثواب سے محروم ہے۔

خوارج معتزلہ روافض وغیرہ:

اسی مفہوم عام کے اعتبار سے بعض حضرات صحابہ نے اس کا مصداق خوارج کو اور بعض مفسرین نے معتزلہ اور روافض وغیرہ گمراہ فرقوں کو قرار دیا۔ (معارف القرآن)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی ☆

کافروں کی مہمانی:

یعنی اس دھوکہ میں مت رہنا! وہاں تم کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ ہاں ہم تمہاری مہمانی کرینگے۔ دوزخ کی آگ اور قسم قسم کے عذاب سے (اعاذنا اللہ منہا)

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾

تو کہہ ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں

وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام ☆

سب سے زیادہ خسارے والے:

یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارہ میں وہ لوگ ہونگے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی آخرت کا کبھی خیال نہ آیا، محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے، (کذا افہم من الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ دنیوی زندگی میں جو کام انہوں نے اپنے نزدیک اچھے سمجھ کر کئے تھے خواہ واقع میں اچھے تھے یا نہیں وہ سب کفر کی نحوست سے وہاں بیکار ثابت ہوئے اور تمام محنت برباد ہو گئی۔ (تفسیر عثمانی)

عیسائی اور یہودی:

حضرت ابن عباس اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا آیت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں سے مراد ہیں عیسائی اور یہودی جو اپنے گروہ کو حق پر سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی۔ بعض کے نزدیک وہ تارک الدنیا خانقاہ نشین راہب مراد ہیں جو اپنے خیال میں آخرت کے طالب اور الذائذ دنیا سے روگرداں ہیں، حالانکہ وہ شریعت اسلامیہ کے منکر ہیں ان کی یہ ساری کوششیں سراب اور ناکارہ ثابت ہوں گی۔

خارجی:

حضرت علیؓ نے فرمایا حروراء والے (یعنی خارجی) مراد ہیں خارجیوں کا فرقہ ہی سب سے پہلا گروہ تھا جس نے صحابہ کرامؓ اور صحابہؓ کے رفقاء کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کو حق سمجھا۔ حضرت علیؓ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں بدعتی اور نفسانی میلانات کے پرستار مراد ہیں (جن کے گروہ اور مؤسس خارجی تھے) پس معتزلہ روافض اور اہل سنت کے تمام مخالف اسی حکم میں داخل ہیں۔ میں کہتا ہوں آیت کا کھلا ہوا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں کفار مراد ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسری جسمانی زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا اس زندگی کے منافع جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے انہی راستوں پر چلتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں اگر کوئی شخص آخرت کی تمنا میں ایسے کام کرتا ہے جن سے دنیوی منافع میں نقصان ہوتا ہے تو ایسا آدمی بیوقوف ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ

وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے ☆

یعنی نہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو مانا، نہ خیال کیا کہ کبھی اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عقلمند آدمی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہوشیار وہ آدمی ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے حکم کا تابع رکھا اور مرنے کے بعد (والی زندگی) کے لئے کام کیے اور بے عقل وہ آدمی ہے جو نفس کا پیرو رہا اور اللہ پر اس نے (جھوٹی) آرزو بندی کی (یعنی اللہ کی قہاریت اور عذاب دینے کی طرف سے غافل رہا، اور جو دل چاہا وہ کیا اور یہ خیال کرلیا کہ اللہ رحیم ہے کریم ہے وہ یقیناً معاف کر ہی دے گا) رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح عن انسؓ (تفسیر مظہری)

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝
سو برباد گیا اُن کا کیا ہوا پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول

کافروں کی نیکیاں مردہ ہیں:

کافر کی حسنات مردہ ہیں اس ابدی زندگی میں کسی کام کی نہیں۔ اب محض کفریات وسیئات رہ گئیں۔ سو ایک پلہ کیا تلے تولنا تو موازنہ کیلئے تھا۔ موازنہ متقابل چیزوں میں ہوتا ہے۔ یہاں سیئات کے بالمقابل حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ پھر تولنے کا کیا مطلب۔ (تفسیر عثمانی)

بے وزن لوگ:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) بعض بڑے موٹے آدمی ایسے آئیں گے کہ مچھر کے پر کی برابر بھی اللہ کے نزدیک ان کا وزن نہ ہوگا (اس کی تصدیق کے لئے) پڑھو، فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا رواہ البخاری ومسلم وفی الصحیحین۔

ابونعیم اور اجری نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے بعض طاقت ور، مضبوط، پرخور آدمیوں کو (قیامت کے دن میزان (کے پلڑہ) میں رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا وزن جو برابر بھی نہ ہوگا، فرشتہ ایسے ستر ہزار آدمیوں کو ایک ہی دھکا دے کر پھینک دے گا۔

بغوی نے ابوسعید خدری کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے اعمال لے کر آئیں گے جو ان کی نظر میں اتنے بڑے ہوں گے جیسے تہامہ کے پہاڑ، لیکن تولنے کے بعد ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا، یہی مطلب ہے آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کا۔

ہر شخص کے اعمال کا وزن ضروری نہیں:

سیوطی نے قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کا وزن ہونا ضروری نہیں (نہ ہر مومن کے اعمال کا نہ ہر کافر کے اعمال کا) جو لوگ بلاحساب کے جنت میں چلے جائیں گے ان کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا (جب حساب ہی نہیں تو وزن کیسا) اسی طرح کچھ لوگ بلاحساب دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ الخ۔

حضرت مفسرؒ نے فرمایا میں کہتا ہوں شاید جن کافروں کا آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد منافق اور اہل کتاب ہوں، منافق تو قیامت کے دن (شروع میں چھٹائی سے پہلے) مسلمانوں کے گروہ میں شامل رہیں گے، اور اہل کتاب کسی دوسرے معبود کی طرف مشرکوں کی طرح نہیں جائیں گے، ہر مشرک اس معبود کے پیچھے چلا جائے گا جس کی وہ پوجا کرتا تھا مگر اہل کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا
یہ بدلہ ان کا ہے دوزخ اس پر کہ منکر ہوئے
وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝
اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا ☆

جو ٹھٹھا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں بھلے کام ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝
کے باغ مہمانی رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی ☆

مؤمنین کی مہمانی:

یعنی ہمیشہ رہنے سے اکتائیں گے نہیں۔ ہر دم تازہ بتازہ نعمتیں ملیں گی، کبھی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے۔

کانت لھم یعنی اللہ کے حکم اور وعدہ میں جنات فردوس نیکو کار مومنوں کا مسکن ہے، حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اللہ سے مانگا کرو تو فردوس ملنے کی دعا کیا کرو کیونکہ وہ جنت کے وسط میں ہے اور دوسری جنتوں سے اعلیٰ ہے اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ متفق علیہ۔

جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ:

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور بیہقی

نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے سو درجات ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان، فردوس جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے جب اللہ سے تم (جنت ملنے کی) دعا کیا کرو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔

جنت الفردوس کی دُعاء مانگو:

بزار نے حضرت عرباض بن ساریہؓ کے حوالہ سے اور طبرانی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ سے تم دعا کرو تو (جنت) فردوس مانگا کرو وہ دوسری ساری جنتوں سے اونچی ہے، حضرت ابوامامہؓ کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ فردوس والے عرش کی چرچراہٹ سنتے ہیں (یعنی فردوس اور عرش کے درمیان کوئی دوسری جنت حائل نہیں ہے)

مبلغین کا مقام:

بغوی نے حضرت کعب کا قول نقل کیا ہے کہ جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

جنت الفردوس کی پیدائش:

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے فردوس کو پیدا کیا اور مشرک نیز دوامی عادی شراب خور کے لئے اس کو ممنوع کر دیا۔

ابن ابی الدنیا نے صفت الجنۃ میں حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تین چیزیں اپنے دست (خاص) سے بنائیں آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے لگایا اور فرمایا قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، اس کے اندر نہ کوئی دوامی خوگر شراب داخل ہوگا نہ دیوث (بھاڑو) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوث کا کیا مطلب فرمایا، وہ شخص جو اپنی بیوی کے اندر برے کام (یعنی زنا) کو ٹھہرائے (یعنی بیوی کی بھاڑ کھائے)

لفظ فردوس جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ، فردوس کے معنی سرسبز باغ کے ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ عربی لفظ ہے یا عجمی، جن لوگوں نے عجمی کہا ہے اس میں بھی فارسی ہے یا رومی یا سریانی مختلف اقوال ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو، کیونکہ وہ جنت کا سب سے اعلیٰ وافضل درجہ ہے اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں نکلتی ہیں۔ (قرطبی)

ہمیشہ کی نعمت:

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا، مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنت کا یہ مقام ان کے لئے لازوال دائمی نعمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے یہ حکم جاری فرمادیا ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہو گیا وہ وہاں سے کبھی نکالا نہ جائے گا، مگر یہاں ایک خطرہ کسی کے دل میں یہ گزر سکتا تھا کہ انسان کی فطری عادت یہ ہے کہ ایک جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے وہاں سے باہر دوسرے مقامات پر جانے کی خواہش ہوتی ہے اگر جنت سے باہر کہیں جانے کی اجازت نہ ہوئی تو ایک قید محسوس ہونے لگے گی اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا کہ جنت کو دوسرے مقامات پر قیاس کرنا جہالت ہے، جو شخص جنت میں چلا گیا پھر جو کچھ دنیا میں دیکھا اور برتا تھا جنت کی نعمتوں اور دلکش فضاؤں کے سامنے اس کو وہ سب چیزیں لغو معلوم ہوں گی، اور یہاں سے کہیں باہر جانے کا، کبھی کسی کے دل میں خیال بھی نہ آئے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ
تو کہہ اگر دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں بیشک دریا خرچ ہو چکے
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگر چہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اس کی مدد کو

شانِ نزول:

قریش نے یہود کے اشارہ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ سورۃ ہذا کی ابتدا میں ''اصحاب کہف'' کا اور آخر میں ذوالقرنین کا قصہ جہاں تک موضح قرآن سے متعلق تھا۔ بیان فرمایا۔ اور روح کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمادیا۔ ''وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا''

اب خاتمہ سورۃ پر بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی باتیں بے انتہا ہیں۔ جو باتیں تمہارے ظرف واستعداد اور ضرورت کے لائق بتلائی گئیں۔ حق تعالیٰ کی معلومات میں سے اتنی بھی نہیں جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ فرض کرو اگر پورے سمندر کا پانی سیاہی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں اس کے بعد دوسرا اور تیسرا ویسا ہی سمندر اس میں شامل کرتے رہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے پر خدا کی باتیں ختم نہ ہونگی۔ یہیں سے سمجھ لو کہ قرآن اور دوسری کتب سماویہ کے ذریعہ سے خواہ کتنا ہی وسیع علم بڑی سے بڑی مقدار میں کسی کو دیدیا جائے، علم الٰہی کے سامنے وہ بھی قلیل ہے۔ گو فی حد ذاتہ اسے کثیر کہہ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے کلمات بے انتہاء ہیں:

آپ کہد یجئے کہ سمندر (کا سارا پانی) اگر میرے رب کے (علم وحکمت کے) کلمات (لکھنے) کے لئے روشنائی ہو جائے (اور کلمات رب قلم سے لکھے جائیں) تو کلمات رب کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیگا (کیونکہ سمندر کا پانی متناہی ہے اس کی مقدار محدود ہے اور کلمات رب نا متناہی اور غیر محدود ہیں) خواہ ہم اس موجود سمندر کی طرح اتنی ہی اس میں زیادتی بھی کر دیں۔ کیونکہ متناہی کا مجموعہ متناہی ہی ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں سات سمندر اور اتنے ہی اور اگر روشنائی بن جائیں اور قلم کے ذریعہ سے اس روشنائی سے اللہ کے کلمات لکھے جائیں تو ناممکن ہے کہ کلمات کے ایک حصہ کے بھی تمام گزشتہ احوال لکھے جاسکیں۔ (کیونکہ جانب ماضی میں ہر حصہ کے احوال ان گنت اور لامحدود ہیں) متناہی اور غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

نزول آیت کا مقصد:

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہودیوں نے کہا تھا آپ کا خیال ہے کہ ہم کو حکمت عطا کی گئی ہے اور آپ ہی کی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی پھر اب یہ اختلاف کیسا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کے علم میں یقیناً خیر کثیر ہے درستی معاش و معاد کی اس کے اندر ہے لیکن کلمات خداوندی کے سمندر تو اتھاہ اور ناپیدا کنار ہیں ان کے مقابلہ میں تو یہ سارا علم ایک قطرہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

مخلوق کا علم اور اللہ تعالیٰ کا علم:

تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے۔

علم ہا از بحر علمش قطرہ ایں چوں خورشید است وانہا ذرہ

گر کسے علم در صد لقمان بود پیش علم کامش نادان بود

(معارف کاندھلویؒ)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

ایک معبود ہے سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو ☆

پیغمبر کا تعارف:

یعنی میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم وکمالات حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے جن میں اصل اصول علم توحید ہے۔ اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں۔ جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو اسے چاہیے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً اور باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے۔ یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے۔ کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔ "اللھم اعذنا من شرور انفسنا" اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ نبی کا علم بھی متناہی اور عطائی ہے۔ علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر متناہی نہیں۔ تم سورۃ الکہف بفضل اللہ تعالیٰ ومنہ وللہ الحمد اولاً وآخرا۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہد یجئے کہ میں تمہاری طرح انسان ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) میرے پاس وحی آتی کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول کو تواضع کی تعلیم دی تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار شریعت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

بہت بڑے فتنہ کا انسداد:

میں کہتا ہوں اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ بتلا ہو گئے تھے، حضرت عیسیٰ کے معجزات امت عیسیٰ نے دیکھے اندھوں کو بینا ہوتے لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے (کسی نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزء الوہیت قرار دیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰ کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا، اس لئے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔

فلا کل ماترجو من الخیر کائن ولا کل ماترجو من النصر واقع

یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہ ہو ہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے (کبھی خیر کی جگہ شر واقع ہو جاتی ہے اور کبھی شر کی جگہ خیر مل جاتی ہے)۔ عَمَلًا صَالِحًا یعنی اللہ کی پسند کا کام کرے، ولا یشرک یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے نیک کام نہ کرے۔

نہ سوائے اللہ کے کسی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا کسی سے امیدوار ہو۔

شانِ نزول:

ابن ابی الدنیا نے کتاب الاخلاص میں اور ابن ابی حاتم نے طاؤس کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں موقف (حج) میں کھڑا ہوتا ہوں اللہ کی خوشنودی کا خواستگار ہوتا ہوں لیکن یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا اس جگہ موجود ہونا دیکھ لیا جائے۔ (یعنی لوگ مجھے اس جگہ کھڑا دیکھ لیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا الخ نازل ہوئی۔ یہ حدیث مرسل ہے، حاکم نے مستدرک میں اس کو موصولاً حضرت ابن عباس کی روایت قرار دیا ہے اور شرط شیخین کے مطابق کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مسلمان جہاد کرتا تھا، لیکن اس بات کو پسند کرتا تھا کہ جہاد کے اندر اس کی موجودگی کو لوگ دیکھ لیں اس پر آیت فمن کان یرجوا لخ نازل ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا دوہرا ثواب:

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے گھر کے اندر جانماز پر تھا، اچانک ایک آدمی آ گیا، اور مجھے اس کے آنے سے اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں (یعنی جانماز پر) دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہؓ تیرے اوپر اللہ رحمت کرے، تیرے لئے دو ثواب ہیں، ایک ثواب چھپ کر عبادت کرنے کا اور دوسرا ثواب ظاہر ہو جانے کا۔ (ترمذی)

ریاکاری کی نیکی:

حضرت جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے (نیکی) کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرتا اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے (نیکی) کرتا ہے اللہ بھی اس کے ساتھ دکھاوٹ کا برتاؤ کرتا ہے۔ متفق علیہ۔

چھوٹا شرک:

حضرت محمود بن لبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا، فرمایا، ریاکاری، رواہ احمد۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اتنا زیادہ نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کے موافق بدلہ دے گا ان سے فرما دے گا انہیں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم (نیکی) کرتے تھے جا کر دیکھو کیا ان کے پاس تم کو (نیکی کی) جزا یا کوئی خیر ملتی ہے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، شرک اصغر سے بچو لوگوں نے کہا شرک اصغر کیا حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، ریاکاری، اخرجہ ابن مردویہ فی التفسیر والاصبہانی فی الترغیب والترہیب

ریاکاروں کا انجام:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں جو شخص کسی (نیک) عمل میں میرے ساتھ کسی کو ساجھے دار بناتا ہے (یعنی نیک عمل سے کسی اور کی بھی خوشنودی چاہتا ہے) میں اس کو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے میں اس سے بیزار ہوں اس کا عمل اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے ناقابل شک دن میں جب لوگوں کو اللہ جمع کرے گا تو (اللہ کی طرف سے) ایک منادی ندا دے گا جس نے اپنے کئے ہوئے نیک عمل میں کسی کو اللہ کا ساجھی بنایا ہو وہ اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر طلب کرے اللہ شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وابن حبان والبیہقی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، جو شخص اپنا (نیک) عمل لوگوں کو سنانے کے لئے کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ سنانے کا برتاؤ کرے گا اس کو خفیف کرے گا حقیر کرے گا اور اس کی توہین کرے گا۔ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت شداد بن اوسؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے دکھاوٹ کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوٹ کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن سربمہر اعمالنامے لا کر بارگاہ الٰہی میں حاضر کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ان کو پھینک دو اور ان کو قبول کر لو (یعنی بعض اعمالناموں کو پھینک دینے اور بعض کو قبول کرنے کا حکم دے گا) فرشتے عرض کریں گے تیری عزت کی قسم ہم نے تو وہی لکھا ہے جو اس نے کیا تھا (یعنی اندراج غلط نہیں ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ (ساقط کردہ) اعمال میرے سوا دوسروں کے لئے کئے گئے تھے اور میں آج وہی اعمال قبول کروں گا جو محض میرے لئے کئے گئے ہوں۔

پہاڑوں جیسی نیکیاں بیکار:

طبرانی نے الاوسط میں اور اصبہانی نے الترغیب میں اور بزار نیز دار قطنی

نے شہر بن عطیہ کی روایت سے بیان کیا کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کوحساب کے لئے پیش کیا جائے گا اوران کے اعمالناموں میں پہاڑوں جیسی نیکیاں درج ہوں گی، رب العزت فرمائے گا تونے فلاں دن نماز پڑھی تھی اوراس لئے پڑھی تھی کہ تجھے (لوگوں میں) نمازی کہا جائے میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہیے، تونے فلاں دن روزہ رکھا تھا تا کہ لوگ کہیں فلاں شخص نے روزہ رکھا، میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اطاعت خالص میرے ہی لئے ہونی چاہئے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک اس کے اعمال مٹا دیئے جائیں گے اورفرشتے اس سے کہیں گے تو اللہ کے سوا دوسروں کے لئے یہ نیک کام کرتا تھا حضرت شداد بن اوسؓ کا بیان ہے کہ اللہ ایک میدان میں اگلوں پچھلوں کو (سب کو) تا حد نظر جمع کرے گا اور ایک پکارنے والا پکارے گا جس کی آواز سب سنیں گے میں (جھوٹے مفروضہ) شرکاء سے بہتر ہوں دار دنیا میں جو (نیک) کام ایسا کیا گیا جس میں کسی شریک کو بھی ملا دیا گیا تو میں اس کام کو اس شریک کے لئے چھوڑ دوں گا اور آج صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو خالص میرے لئے کیا گیا ہوگا۔ رواہ الاصبہانی۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جس نے دوسروں کو دکھانے کے لئے کچھ نیک کام کیا تو اللہ قیامت کے دن اس کام کو اسی کے (جس کے لئے وہ کام کیا گیا ہوگا) سپرد کردے گا اور فرمائے گا دیکھ یہ (جھوٹا شریک) تجھے کچھ بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے؟

اہل تصوف کے نزدیک آیت مذکورہ کی تشریح

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا، جو اللہ کا بے کیف قرب اور نزول خداوندی کا خواستگار ہے اوراس بے کیف وصل کا امیدوار ہے کہ مرتبہ قاب قوسین اوادنیٰ پر پہنچ جائے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا تو نیک کام کرے یعنی پہلے نفس اور نفس کے عیوب کو فنا کردے اس کے بعد نیک کام کرے عیوب نفس نیک عمل کو تباہ کردیتے ہیں عمل میں صلاح فناء نفس کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے، وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ، اورکسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے یعنی اللہ کے سوا اس کے دل کا تعلق کسی سے نہ رہے نہ علمی تعلق نہ محبت کا تعلق (نہ عقلی تعلق نہ جذباتی تعلق) علمی تعلق کا نام ذکر ہے اور ذکر عبادت ہے۔ اور محبت مقتضی عبادت ہے محبوب معبود ہوتا ہے، عبادت کا معنی ہے انتہائی فروتنی اوراپنے کو حقیر سمجھنا اور محبوب کے سامنے انتہائی فروتنی کرنا ہے (گویا اس کی پوجا کرنا ہے) پس عبادت میں شرک نہ کرنے کا مطلب ہوا، دل کا کسی قسم کا تعلق غیر اللہ سے نہ رکھنا۔

سورۂ کہف کے فضائل:

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سورۃ کہف کے شروع کی دس آیات جو یادرکھے گا اللہ اس کو فتنہ دجال سے محفوظ رکھے گا، رواہ احمد وابوداؤد ومسلم والنسائی۔ ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، سورۂ کہف کے شروع کی تین آیات جو شخص پڑھے گا (یعنی پڑھتا رہے گا) فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، احمد، مسلم اور نسائی کی دوسری روایت اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص سورۂ کہف کے آخر کی دس آیات پڑھے گا دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

سہل بن معاذؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ کہف کے شروع کی (آیات) اور آخر کی (آیات) کو پڑھے گا، قدم سے لے کر سر تک اس کے لئے نور ہی نور ہوگا (یعنی وہ سراسر نور ہوگا) اور جو پوری سورۃ پڑھے گا اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوگا۔ رواہ البغوی، ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اورامام احمد نے مسند میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوابگاہ میں (سوتے وقت) سورہ کہف پڑھے گا اس کے لئے سونے کی (پوری) حالت میں ایک نور رہوگا جو خوابگاہ سے مکہ تک جگمگائے گا اس نور کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو اٹھنے کے وقت تک اس کے لئے دعا رحمت کرتے رہیں گے اگراس کی خوابگاہ مکہ میں ہوگی تو خوابگاہ سے بیت المعمور تک اس کے لئے نور جگمگائے گا جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے جو بیدار ہونے تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے۔ اخرجہ ابن مردویہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے رات کو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اسے آخر تک پڑھا اس کے لئے عدن سے مکہ تک نور ہوگا۔ جس کے اندر فرشتے بھرے ہوں گے۔ (ازالۃ الخفاء)

جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت:

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی اس کیلئے اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک ایک نور چمکتا رہے گا۔ رواہ الحاکم وصححہ، والبیہقی فی الدعوات الکبیر، بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی تو اس کے پاس سے کعبہ تک اس کے لئے نور چمکتا رہے گا۔

نور رحمت کا نزول:

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، اس پر (ایک نورانی) بادل چھایا ہوا تھا جو چکر کھا رہا تھا، اوراس شخص کے قریب آرہا تھا ایک

گھوڑا قریب ہی رسیوں سے بندھا ہوا تھا وہ یہ منظر دیکھ کر بدکنے لگا (جب وہ شخص پڑھنے سے رکتا تھا گھوڑا بھی بدکنا موقوف کر دیتا تھا پھر وہ شخص پڑھتا تھا تو گھوڑا بھی بدکتا تھا) صبح کو خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اس شخص نے یہ سرگزشت بیان کی فرمایا، وہ (نور) سکینہ تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شداد کو ایک حدیث نے رُلا دیا:

اور روایت میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے ہم نے پوچھا حضرت آپ کیسے رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے ایک حدیث یاد آگئی اور اس نے رلا دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ ڈر شرک اور پوشیدہ شہوت کا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، سنو! وہ سورج چاند پتھر بت کو نہ پوجے گی بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کرے گی۔ پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ صبح روزے سے ہے اور کوئی خواہش سامنے آئی روزہ چھوڑ دیا (ابن ماجہ و مسند احمد)۔

نیک اعمال اچھالنے والا:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی یہ روایت ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے نیک اعمال اچھالنے والے کو اللہ تعالیٰ ضرور رسوا کرے گا۔ اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر و ذلیل ہوگا۔ یہ بیان فرما کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔

اللہ کی توہین کرنے والا نمازی:

ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو شخص لوگوں کے دیکھتے ہوئے تو ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نماز پڑھے اور تنہائی میں بری طرح جلدی جلدی بے دلی سے ادا کرے اس نے اپنے پروردگار عزوجل کی توہین کی۔

بہت غریب حدیث حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص آیت من کان یرجوا لخ کو رات کے وقت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے اتنا بڑا نور عطا فرمائے گا جو عدن سے مکہ شریف تک پہنچے۔

جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم! آپ لبیک وسعدیک کے ساتھ جواب دینگے، حکم ہوگا آگ کا حصہ الگ کر، پوچھیں گے کتنا حصہ؟ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، یہی وہ وقت ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائیگا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں دو امتیں ہیں کہ وہ جن میں ہوں انہیں کثرت کو پہنچا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج۔ (تفسیر ابن کثیر)

معارف و مسائل

سورہ کہف کی آخری آیت میں وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا، کا شان نزول جو روایات حدیث میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرک سے مراد شرک خفی یعنی ریاء ہے، امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے، اور اس کو صحیح علی شرط الشیخین فرمایا ہے، روایت یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ لوگوں میں اس کی بہادری اور غازیانہ عمل پہچانا جائے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں ایسی نیت کرنے سے جہاد کا ثواب نہیں ملتا)

خلاصہ ان تمام روایات کا یہی ہے کہ اس آیت میں جس شرک سے منع کیا گیا ہے وہ ریاکاری کا شرک خفی ہے، اور یہ کہ اگرچہ عمل اللہ ہی کے لیے ہو مگر اس کے ساتھ کوئی نفسانی غرض شہرت و وجاہت کی بھی شامل ہو تو یہ بھی ایک قسم کا شرک خفی ہے جو انسان کے عمل کو ضائع بلکہ مضرت رسان بنا دیتا ہے،

اگر لوگوں کو کسی کی نیکی کا علم اتفاقاً ہو تو یہ نعمت ہے:

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے کہ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، پھر لوگوں کو سنے کہ وہ اس عمل کی تعریف و مدح کر رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلک عاجل بشری المؤمن یعنی یہ تو مومن کے لیے نقد بشارت ہے (کہ اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا، اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرا دی)

مختلف روایات میں تطبیق:

تفسیر مظہری میں ان دونوں قسم کی روایتوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ پہلی روایات جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی اس صورت میں ہیں جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ مخلوق کی رضا جوئی یا اپنی شہرت و وجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے اس عمل کو بڑھا دے یہ بلاشبہ ریاء اور شرک خفی ہے۔

اور بعد کی روایات ترمذی اور مسلم کی اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ اس نے عمل خالص اللہ کے لیے کیا ہو لوگوں میں اس کی یا ان کی مدح وثناء کی طرف کوئی التفات نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کر دیں اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف جاری فرما دیں تا اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں، یہ مومن کے لیے نقد بشارت (قبول عمل کی) ہے۔

ریاکاری کے نتائج بد اور اس پر حدیث کی وعید شدید:

حضرت محمود بن لبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھارے بارے، جس چیز پر سب سے زیادہ خوف رکھتا ہوں وہ شرک اصغر ہے، صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریا (رواہ احمد فی مسندہ)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو نقل کر کے اس میں یہ زیادتی بھی کی ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کی جزا عطا فرمائیں گے تو ریا کار لوگوں سے فرمادیں گے کہ تم اپنے عمل کی جزاء لینے کے لئے ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم نے یہ عمل کیا تھا، پھر دیکھو کہ ان کے پاس تمہارے لئے کوئی جزا ہے یا نہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں شرکاء میں شریک ہونے سے غنی اور بالاتر ہوں جو شخص کوئی نیک عمل کرتا ہے پھر اس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کردیتا ہے تو میں وہ سارا عمل اسی شریک کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس عمل سے بری ہوں اسکو تو خالص اسی شخص کا کردیتا ہوں جس کو میرے ساتھ شریک کیا تھا۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے نیک عمل کو لوگوں میں شہرت کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے، (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان) (از تفسیر مظہری)

اخلاص کا تقاضا:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے اخلاص اور ریاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں اپنے نیک اور اچھے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب ہو اور برے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب نہ ہو، پھر اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال لوگوں پر ظاہر فرمادیں تو تم یہ کہو کہ یا اللہ یہ سب آپ کا فضل ہے احسان ہے میرے عمل اور کوشش کا اثر نہیں۔

اور حکیم ترمذی نے صدیق اکبرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ شرک کا ذکر فرمایا کہ هو فيكم اخفى من دبيب النمل ،یعنی شرک تمہارے اندر ایسے مخفی انداز سے آ جاتا ہے جیسے چیونٹی کی رفتار بے آواز، اور فرمایا کہ میں تمھیں ایک ایسا کام بتلاتا ہوں کہ جب تم وہ کام کرلو تو شرک اکبر اور شرک اصغر (یعنی ریاء) سب سے محفوظ ہو جاؤ تم تین مرتبہ روزانہ یہ دعاء کیا کرو، اللهم انی اعوذبک ان اشرک بک وانا اعلم واستغفرک لمالا اعلم۔

سورۂ کہف کے بعض فضائل اور خواص:

حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد رکھیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی)

اور امام احمد، مسلم، اور نسائی نے حضرت ابوالدرداءؓ سے ہی اس روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں، کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں یاد رکھیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

اور حضرت انسؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے ایک نور ہو جائے گا، اس کے قدم سے لے کر سر تک اور جس نے یہ سورۃ پوری پڑھی اس کے لئے نور ہوگا زمین سے آسمان تک (اخرجہ ابن السنی و احمد فی مسندہ) اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن پڑھ لی، تو دوسرے جمعہ تک اس کے لئے نور ہو جائے گا۔ (رواہ الحاکم والبیہقی فی الدعوات) از مظہری

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ میں دل میں ارادہ کرتا ہوں کہ آخر رات میں بیدار ہو کر نماز پڑھوں، مگر نیند غالب آجاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر جاؤ تو سورۂ کہف کی آخری آیتیں قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا سے آخر سورت تک پڑھ لیا کرو، تو جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرو گے اللہ تعالیٰ تمھیں اسی وقت بیدار کر دیں گے (رواہ الثعلبی)

اور مسند دارمی میں ہے کہ زر بن حبیشؒ نے حضرت عبدہ کو بتلایا کہ جو آدمی سورۂ کہف کی یہ آخری آیتیں پڑھ کر سوئے گا تو جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اسی وقت بیدار ہو جائے گا، عبدہ کہتے ہیں کہ ہم نے بارہا اس کا تجربہ کیا ایسا ہی ہوتا ہے۔

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ چشم مردم گزاری دراز

شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمود اور شہرت کے لئے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کوہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے۔ اور جو کام خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔

چیست اخلاص آنکہ از غیر خدا
فرد آئی در خلاء دور ملاء

حضرت شیخ سعدیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

عبادت باخلاص نیت نکواست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

چہ زنار مع درمیانت چہ دلق | کہ درپوشی از بہر پندار خلق
بروے ریا خرقہ سہلست دوخت | گرش باخدا دو توانی فروخت

(معارف کاندھلویؒ)

علوم القرآن علامہ حضرت شمس الحق افغانی رحمہ اللہ سے اقتباسات مبارکہ

دوزخ کی تخلیق ہو چکی ہے:

(صفحہ ۲۵۱) اہل سنت والجماعۃ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ جنت و دوزخ کی تخلیق ہو چکی ہے۔ جن عقائد پر اہل حدیث اور اہل سنت متفق ہیں ان کی تفصیل کہ جنت و دوزخ پیدا شدہ ہیں۔

عذاب و ثواب قبر کی صورت میں جنت و دوزخ کا معائنہ دوزخ کے آلام سے ضرر پذیر ہونا۔

(صفحہ ۲۵۳) فرعون اور لشکر فرعون کے غرق کئے گئے اور دوزخ میں داخل کئے گئے اگر دوزخ قبل از قیامت موجود نہیں تو کس میں داخل کئے گئے۔

آدم کا داخلہ بہشت قیامت سے پہلے تھا۔ جنت آسمانی میں امر و نہی کی تکلیف نہیں دی جائے گی لیکن مسکن آدم میں نہی کا معاملہ پیش آیا۔ داخلے کے بعد نکلنا نہ ہوگا۔

(صفحہ ۲۵۵) قرآن کا بیان ہے ہم نے آدم کا قصد درخت کھانے میں نہیں پایا جنت شرعی احکام کا محل نہیں۔ یہ ممانعت تشریعی حکم نہ تھا۔ مہربانی کے اظہار کے لئے ایک حکم تھا۔ بدپرہیزی کا خمیازہ۔ معین درخت کے تمام اقسام کی بندش تھی۔ اجتہادی غلطی درخت سے کھالینا حقیقی گناہ نہیں تھا۔ صوری حکم شکنی تھی۔ اسی صوری حکم عدولی پر عصی آدم ربہ فغوی کا اطلاق کیا گیا بھلائی پر بھی ہماری وجہ سے برائی پر اطلاق کیا جاتا ہے یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔

(صفحہ ۲۵۶) جوابی کاروائی جائز ہے نہ کہ برائی ہے۔ ظاہری صورت حکم توڑنے کی تھی اگر چہ حقیقی حکم شکنی نہ تھی۔ غیر حقیقی نافرمانی کے کس قدر دور رس اور خطرناک نتائج نکلے۔ بے پناہ تکلیفات اور غموم و آلام میں خود آپ کی تمام اولاد کو قیامت تک مبتلاء ہونا پڑا۔ زمین پر اگر کوئی انسان حقیقی گناہ کرے متعدد ہوں۔ کس قدر خطرناک ہوں گے۔ جنت دار الراحت زمین دار المحنت، دین کے لئے محنت مشقت اٹھاؤ تاکہ جنت کی راحت نصیب ہو۔

براحتے نرسید آنکہ محنتے نہ کشید

جنتی زندگی سے زمینی زندگی کی طرف دنیا کی پرآلام زندگی سے موازنہ کریں اور تاریخی حقیقت اولاد آدم میں تسلسل کے ساتھ منتقل ہو کر قابل ترجیح حیات آخرت ہے دنیا کے دھندوں میں منہمک ہو کر جنت و آخرت کی حقیقی زندگی سے غفلت نہ برتیں۔

(صفحہ ۲۵۸) تکمیل انسانیت کے لئے ابلیسی عداوت کا وجود ضروری ہے کیونکہ ایک مخفی، مکار اور عظیم دشمن کا وجود محافظت دین کا سامان ہے۔ انسانی اعضاء رعیت کی مانند ہیں۔ روح انسانی ایک بادشاہ اور حکمران ہے۔ قانون الٰہی اس چھوٹی سی حکومت کا دستور مملکت ہے شیطان یا ابلیس ... بدنی اعضاء کی رعیت کو شرعی دستور مملکت سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے اگر روح انسانی دفاع مملکت اور ڈیفنس سے غافل رہے تو دشمن اس مملکت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اگر دشمن سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر پر ہر وقت نظر رہے دفاع مضبوط ہو کر ابلیسی تدابیر ناکام ہوں گی مثال مملکت پاکستان کے پہلو میں بھارت کی دشمن حکومت کا وجود ہے مکار حکومت نہ ہوتی تو پاکستانی عوام اور حکومت دفاع اور تحفظ مملکت کا پرجوش انتظام نہ کرتے۔ دفاعی ساز و سامان کی روز افزوں ترقی دشمن کے وجود کے تصور کا صدقہ ہے۔ آدمیت کی تکمیل کے لئے اس کے ساتھ ساتھ ابلیسی عداوت کا کارخانہ بھی وجود میں آیا۔ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اپنے مرید کو سمجھایا اقبال نے نظم کیا۔

راست می گویم عدو یار است | ہستی او رونق بازار است
ہر کہ دانائے مقامات خودی است | فضل حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب | ممکناتش را بر انگیزد زخواب

جنت کی نعمتوں کی حقیقت:

(صفحہ ۲۶۰) جنت کی حقیقت چونکہ ان نعمتوں کے ساتھ دنیا کی نعمتوں کو کوئی نسبت نہیں اس لئے ان کی صحیح حقیقت کا انکشاف قبل از مشاہدہ اور استعمال ناممکن ہے۔ جنتی زندگی میں ایک شخص کی طاقت ایک سو قوی جوان اشخاص کے برابر ہوگی۔ خوبصورتی اس کی بے مثال ہوگی۔

حیات مسیح علیہ السلام:

حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم کے ساتھ اس وقت تک زندہ ہونا اور جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے اتر کر آنا ایسا عقیدہ ہے جس پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ آسمان پر زندہ ہیں اتریں گے دجال کو قتل کریں گے اور دین اسلام کو مضبوط کریں گے۔ یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی کہ ان کو بے عزت کر کے سولی پر چڑھا دیا جائے لیکن اللہ کی تدبیر بچانے کی تھی لہٰذا اللہ کی تدبیر غالب رہی کہ اللہ نے اس کو آسمان پر اٹھا لیا اور یہود اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔ یورپ کی قوت بھی تعلیم اسلامی کے اجزاء ہے۔ مادی ترقی کے باوجود ان کا زوال شروع ہو گیا زنا، جوابازی، لواطت، شراب نوشی، سود، عیاشی جنہوں نے مغربی قوت کے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی بڑی قوت اسلام ہے۔ مرزا کا یہ کہنا ہے کہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں لیکن سولی پر مرے نہیں۔ وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ عیسیٰ جو مجموعہ روح و جسم کا ہے اس پر قتل واقع نہیں ہوا۔ قتل نہ صرف جسم کا نہ صرف روح کا بلکہ جسم اور روح

کے مجموعہ پر قتل واقع ہوسکتا ہے قتل کا مفہوم یہ ہے کہ کسی خارجی موثر کے ذریعہ روح کو جسم سے الگ کیا جائے جب غیر مقتول جسم مع روح ہے تو مرفوع الی اللہ بھی جسم وروح کا مجموعہ ہوگا۔ روحانی رفع اللہ نے ہر نبی کو عطا کیا ہے۔

نزول مسیح علیہ السلام:

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ دمشق کے مشرق میں سفید منارہ پر اتریں گے دو کپڑوں میں درمیان دوفرشتوں کے دونوں ہتھیلی فرشتوں پر رکھے ہوئے ہونگے دجال کو باب لد پر پائیں گے تو اس کو قتل کردیں گے۔

(صفحہ۲۷۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا (عمران) جوزاہد اور امام تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ بیوی حضرت حنہ داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ مریم کے معنی سریانی زبان میں خادم کے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نفحہ جبرائیل سے پیدا ہوئے۔ مسیح کے معنی۔ جس کا گھر نہ ہو۔ نفحہ جبرائیلی جو گریبان مریم میں پھونکا گیا وہ کلمہ کن تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت مادری رشتہ سے انسانی ہے اور نفحہ جبرائیلی کے اعتبار سے ملکی ہے۔ مادی رشتہ کے لحاظ سے زمین پر رہنا۔ جبرائیلی اور ملکی رشتہ کے لحاظ سے ملکی خواص کھانے، پینے وغیرہ خواہشات کا منقطع ہونا لازمی تھا۔ آپ کی شخصیت کے ملکی پہلو کا عقلی تقاضا ہے۔ زمین پر نزول فرمائیں گے تو زمینی خواص سے موصوف ہوں گے حدیث نزول مسیح میں آیا ہے کہ وہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی۔ امام ذہبی نے فرمایا ایک عورت تھی بیس سال سے نہ کھاتی تھی اور نہ پیتی تھی۔

میثاق انبیاء علیہم السلام:

(صفحہ۲۷۹) یہ عہد انبیاء سے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے بارہ میں لیا گیا نصرت بالواسطہ بھی دین محمدی کے لئے آسمان سے نازل فرمانا طے کیا گیا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جملہ انبیاء علیہم السلام سابقین کے نمائندہ کے طور پر شرع محمدی کی خدمت ونصرت عملی رنگ میں انجام دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبی الانبیائی کے عہدہ کو نمایاں کردیں۔ آئندہ کسی نبی کے ذریعہ ممکن نہ تھی نبوت کا دروازہ بند تھا۔ ایک نبی کو آخری وقت کی نصرت دین محمدی واظہار شان نبی الانبیائی کے لئے باقی رکھنا پڑا۔ عہدہ نبوت کی بندش کی دلیل ہے۔

حکمت نزول مسیح علیہ السلام:

(صفحہ۲۸۰) مقصد قتل دجال ہے۔ جو کہ مدعی الوہیت ہوگا۔ کے جرم میں اس کو قتل کریں گے امت کی گمراہی جو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ مانتی ہے۔ عمل قتل دجال سے باطل قرار پائے گی۔ ذہن نشین ہوجائے گا۔ ایسا عقیدہ ہے جو موجب سزا قتل ہے۔ آپ مسیح ہدایت ہیں اور مکان نہ رکھنے کی وجہ سے سیاحت کرتے تھے اس لئے مسیح کہلائے اور دجال مسیح ضلالت ہے جو دائیں آنکھ کے مسوح ہونے کی وجہ سے مسیح کہلاتا تھا۔ پوری دنیا مادیت پرستی کی وجہ سے جہنم کے کنارہ پر کھڑی ہے۔ انسانی لباس میں حیوانیت اس وقت کا مشرقی ومغربی بلاک یاجوج ماجوج کی صورت میں دنیا کی تخریب میں مصروف ہے۔ عبرانی زبان میں غوغ ماغوغ اور انگریزی میں گاگ میگاگ کہتے ہیں۔ روس چین یاجوج اور برطانیہ اور اسی طرح امریکہ وغیرہ ماجوج ہے۔ حدیث حشر میں ہے۔ یعنی کافروں سے ہزار اور تم سے ایک ہوگا۔ جو خزائن الروم میں عبرانی خط میں موجود ہے نقل کیا ہے کہ عالم ۴۲۹۱ کے بعد یتیم ہوجائے گا اور اس کے بعد کوک ماکوک کی لڑائیاں ہوں گی ماشیخ کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد عالم یتیم بلا راعی رہ جائے گا یعنی نبوت ختم ہوگی عالمی فساد مادیت انتہائی کی شکل میں متشکل ہوگی ہے۔ زمینی زندگی میں بھی آپ کی تقویت روح القدس سے کی گئی ہے۔

مفسدین کا خاتمہ:

(صفحہ۲۸۲) آپ کا ایک دعائیہ جملہ کہ اے خدا ان مادی مفسد یاجوجی ماجوجی قوتوں کو ہلاک کردے ایسا کام انجام دے گا کہ تمام مادہ پرست یاجوجی ماجوجی ہستیاں اپنی اپنی جگہ پر ہلاک ہوں گی اور خس کم جہاں پاک کے تحت تخریبی سائنس کے علمبرداروں کا خاتمہ ہوجائے گا اور پوری زمین ان کی لاشوں سے پر اور بدبودار ہوجائے گی۔ حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ ان پر گردن پکڑنے والی بیماری مسلط کردے گا۔ ان سب کا مرنا ایک آدمی کا مرنا ہوگا۔ بالشت بھر زمین خالی نہ ہوگی تو اللہ بختی اونٹوں جتنے بڑے بڑے پرندے بھیجے گا۔ جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر اور جگہ پھینک دیں گے مشرقی مغربی بلاک فساد اور خدا دشمنی پر متفق ہیں۔ جس کی نظیر تاریخ بشری میں ناپید ہے۔ دجالی فتنہ سے بڑا کوئی فتنہ پیدائش آدم سے قیامت تک نہیں۔

(صفحہ۲۸۳) حکمت یہ ہے کہ موجودہ دور کے عالمی فتنوں اور ایٹمی تباہیوں کے بانی مبانی یہود ونصاریٰ ہیں۔ اشتراکیت کا بانی کارل مارکس یہودی ہے۔ ایٹم بم کا موجد شوپن ہار یہودی ہے۔

سدذوالقرنین کے متعلق:

دنیا میں اس وقت بہت ہیں۔ ایک دیوار چین جو طویل وعریض ہے جس کو منگولی زبان میں نکودہ اور ترکی زبان میں بوقورقہ کہتے ہیں۔

دوم بخارا اور ترمذ کے درمیان جس کو دربند کہتے ہیں یہ تیمورؒ کے وقت میں موجود تھا۔

سوم داغستان کا سد۔ اس کا نام باب ابوب ہے اور دربند بھی کہتے ہیں بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

چہارم وہ سد جو کاکیشیا میں قفقاز کے پاس درہ داریال میں ہے یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ پگھلے ہوئے تانبے کا ہے اور باقی تین سد پتھر کے ہیں لہذا قرآنی تشریح کے مطابق سد ذوالقرنین سے یہی سد چہارم مراد ہے۔ کتاب المسالک میں لکھا ہے کہ عباسی

خلیفہ واثق باللہ نے سد ذوالقرنین کی تحقیق کے لئے ماہرین کا ایک کمیشن بھیجا تو اس نے بھی اسی سد کو مطابق قرآن قرار دیا۔ اس سد ذوالقرنین کو فارس میں درہ آہنی اور ترکی زبان میں وامر کیو اور چینی زبان میں پھاگ کورائی ہے۔

ذوالقرنین:

(صفحہ ۲۸۶) ذوالقرنین کے تین سفر قرآن میں ہیں۔ بعض نے سائرس جس کو گورش بھی کہتے ہیں ذوالقرنین قرار دیا۔ سائرس ذوالقرنین جو مومن صالح تھا جو ۵۵۹ قبل از مسیح میں گزرے ہیں ان کے تین اسفار بھی تاریخاً بھی ثابت ہیں۔ سکندر نے قفقاز کا سفر نہیں کیا نہ دیگر مذکورہ افراد نے سفر کیا ہے ذوالقرنین کا مغربی سفر ایشیائے کوچک کا تھا اور سورج کا غروب عین حمئۃ میں سمرنا کے سمندر کے پانی میں تھا جو سیاہ ہے۔ سائرس نے بابل فتح کر کے بنی اسرائیل کو نجات دی اور بیت المقدس کی تعمیر کی اور یسعیاہ علیہ السلام نے ایک سو ساٹھ سال قبل اس تعمیر بیت المقدس کی پیش گوئی کی تھی۔ یرمیاہ نبی نے پیش گوئی کی تھی کہ بابل ستر سال یہودی قید رہیں گے۔ پھر بیت المقدس آباد ہوگا۔ امام رازی نے بھی کبیر میں تصریح کی ہے کہ سد کی تعمیر سائرس نے کی۔ ذوالقرنین یقیناً سائرس ہے۔ سائرس دانیال علیہ السلام کے دین کا پیرو تھا۔ سائرس ذوالقرنین دارا سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ یاجوج ماجوج کے متعلق ان کے درازی قامت کے واقعات غلط ہیں۔ یاجوج ماجوج کا خروج جیسے عقیدۃ الاسلام میں ہے کہ ان کا خروج سد سے نہ ہوگا بلکہ بحیرہ کیسپین سے منچوریا تک کسی جگہ سے ہوگا قرآن میں جہاں سد کا استحکام بیان کیا جاتا ہے تو اس کے توڑنے کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے لیکن جہاں خروج یاجوج ماجوج کا ذکر کیا وہاں سد کا ذکر نہیں کیا۔ اصطخر کے آثار قدیمہ سے ذوالقرنین کا جو مجسمہ برآمد ہوا ہے اس میں ذوالقرنین کی آہنی ٹوپی کے دائیں بائیں لوہے ابھرے ہوئے سینگ نما خول بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ تسمیہ زیادہ درست ہے۔

کفر کے جراثیم:

(صفحہ ۲۸۸) کفر کے جراثیم کو بھی مرض سرطان کے جراثیم کی طرح سمجھو آخرت میں موت نہ ہونے کی وجہ سے زندگی کو دوام ہے تو جراثیم کفر کے طبعی آلام اور تکلیفات کو بھی دوام ہے کفر کا زہر روح کے ساتھ ایسا پیوست ہو گیا ہے جیسے ریل گاڑی کے شیشہ کے اندر نارتھ ویسٹرن ریلوے کے حروف لکھے ہوئے ہوتے ہیں الگ نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ شیشہ کا وجود ختم نہ ہو جائے کفار کو واپس دنیا میں لایا جائے تو بھی کفر ساتھ رہے گا اس لئے کفار کا دوام عذاب کفر کی وجہ سے ہے۔

غار اصحاب کہف کے مشاہدات

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی اپنے سفر نامہ (جہاں دیدہ) میں اس طرح لکھتے ہیں:

اصحاب کہف کی غار کہاں ہے:

کہ صبح اٹھ بجے کے قریب ہم ملک محمد افضل صاحب کی رہنمائی میں اصحاب کہف کے مقام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مسئلے میں علماء اور محققین کی آراء بہت مختلف رہی ہیں کہ اصحاب کہف کا وہ غار جس میں وہ تین سو سال سے زیادہ سوتے رہے، کس جگہ واقع ہے؟ بعض حضرات نے اس کی جگہ ترکی کے شہر افسس میں بتائی ہے بعض نے اندلس کے ایک غار کو اصحاب کہف کا غار قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اردن میں واقع ہے، بعض کا کہنا ہے کہ شام میں ہے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ یمن میں ہے۔

محمد تیسیر ظبیان کی تحقیق:

لیکن اردن کے ایک محقق محمد تیسیر ظبیان صاحب، جو وہاں کے رسالے "الشریعۃ" کے اڈیٹر تھے ۱۹۶۷ء میں پاکستان تشریف لائے تو حضرت والد ماجد قدس سرہٗ سے ملاقات کے لئے دارالعلوم بھی تشریف لائے۔ اس وقت انہوں نے بڑے جزم اور وثوق کے ساتھ بتایا کہ یہ غار حال ہی میں عمان کے قریب ایک پہاڑ پر دریافت ہو گیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے اس کی تحقیق کے لئے ایک مقالہ بھی لکھا ہے، جو دلائل و قرائن اس وقت انہوں نے ذکر کئے، ان کے پیش نظر یہ بات بہت قرین قیاس معلوم ہوتی تھی کہ غالباً اصحاب کہف کا یہ غار وہی ہوگا۔

غار کی زیارت:

اس وقت سے اس مقام کو دیکھنے کی خواہش تھی جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دس سال بعد آج پوری ہوئی۔ تیسیر ظبیان صاحب کا تو اب انتقال ہو چکا تھا، لیکن وہ اپنی تحقیق کے نتائج ایک مفصل کتاب میں محفوظ کر گئے ہیں جو موقع اصحاب الکہف کے غار کو جب صاف کر کے دیکھا گیا تو اس کی دیواروں پر خط کوفی اور خط یونانی میں کچھ عبارتیں بھی لکھی ہوئی تھیں، جواب پڑھی نہیں جاتیں۔

غار سے باہر نکلے تو سامنے کے صحن میں ایک گول دائرہ بنا نظر آیا۔

زیتون کا درخت:

مجاور نے بتایا کہ غار کی دریافت کے وقت یہاں ایک زیتون کے درخت کا تنا برآمد ہوا تھا۔ رفیق الدجانی صاحب نے لکھا ہے کہ زیتون کا یہ درخت بدوی دور کا ہے اور اس کے قریب ایک مسقف قبر بھی تھی، اور جب ہم نے پہلے پہل یہاں کھدائی اور صفائی شروع کی تو آس پاس کے معمر لوگوں نے بتایا کہ زیتون کا یہ درخت بیس سال پہلے تک تروتازہ تھا اور ہم اس کا پھل بھی کھایا کرتے تھے۔

قدیم مسجد اور دوسرے آثار:

غار کے ٹھیک اوپر ایک قدیم مسجد کی دیواریں ایک محراب سمیت چند فٹ تک ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ جب شروع میں تیسیر ظبیان اور رفیق دجانی صاحب یہاں پہنچے تھے اس وقت یہ مسجد نظر نہیں آتی تھی۔ کھدائی اور صفائی کے بعد مسجد برآمد ہوئی۔ یہ مسجد دس میٹر لمبی اور دس میٹر چوڑی ہے اور کھدائی کے دوران اس کے بیچ میں چار گول ستون برآمد ہوئے جو رومی طرز کے ہیں،

یہاں سے رومی بادشاہ جسٹن کے عہد (۵۱۷ء۔۵۲۷ء) کے کچھ پیتل کے سکے بھی کھدائی کے دوران برآمد ہوئے، ڈیڑھ میٹر کے برابر ایک چھوٹا سا کمرہ بھی نکلا جس کی چھت کو شاید اذان کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی کے قریب کچھ مٹی کے لوٹے بھی پائے گئے جو وضو میں استعمال ہوتے ہوں گے۔ یہیں سے ایک کتبہ بھی برآمد ہوا جس کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ احمد بن طولون کے بیٹے خمارویہ کے زمانے (۸۹۵ عیسوی) میں اس مسجد کی مرمت کی گئی تھی۔

ظاہرہ شدہ آثار کا نتیجہ:

اس تمام مجموعے سے ماہرین نے جو نتائج نکالے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں یہاں رومیوں نے ایک عبادت گاہ بنائی تھی، عہد اسلام میں (غالباً عبدالملک بن مردان کے زمانے میں) اسے مسجد میں تبدیل کردیا گیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے طول وعرض میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔

اردن کے اداروں کی کوشش:

اس وقت اردن کے محکمۂ آثار قدیمہ اور محکمۂ اوقاف نے اس غار کے تحفظ اور اس کی صفائی وغیرہ پر خاص توجہ صرف کی ہے اس کے قریب ایک نئی مسجد بھی تعمیر کردی ہے، زائرین کی سہولت کے لئے راستہ آسان بنادیا ہے، اور غار کے اندر کتبات لگادیئے ہیں۔

واقعہ اصحاب کہف کی اہمیت:

بہرکیف! عہد حاضر کی اس عظیم قرآنی دریافت کی زیارت زندگی کے یادگارترین تجربات میں سے ایک تھی۔ اصحاب کہف کا واقعہ دیدہ بینا کے لئے عبرتوں کے بیشمار پہلو رکھتا ہے۔ مخدوم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہم نے اسی واقعے کے بصائر وعبر پر ایک مستقل کتاب ''معرکۃ الایمان والمادیت'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔ جو واقعے کی تاریخی اور جغرافیائی تحقیقات سے کہیں زیادہ اہم ہے اور قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر درحقیقت انہی عبرتوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے آیا ہے۔

چونکہ یعقوب ساروغی نے ان کے بارے میں ''دوبارہ سونے'' کا لفظ استعمال کیا تھا، اس لئے بہت سے لوگوں کا اعتقاد یہ بھی رہا کہ اصحاف کہف ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دوبارہ اٹھیں گے۔

مسیحی روایات اور بعض مسلم مفسرین:

مسیحی مصادر میں تقریباً جزم کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ ترکی کے شہر آفسس کے قریب پیش آیا تھا۔ (جس کا اسلامی نام طرسوس ہے)، اور وہیں پر ایک غار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اصحاب کہف کا غار ہے۔ شاید انہی مسیحی روایات کے زیر اثر بہت سے مسلمان مفسرین اور مورخین نے بھی اصحاب کہف کا محل وقوع آفسس ہی کو بتایا ہے۔

عبداللہ بن عباس کی روایت اور برصغیر کے محققین:

تاہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت تفسیر ابن جریرؒ میں مروی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اصحاب کہف کا غار ایلہ (خلیج عقبہ) کے قریب (یعنی اردن میں) واقع ہے۔ اس روایت اور متعدد دوسرے قرائن کی بنیاد پر آخر دور کے بہت سے محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ غار اردن میں واقع ہے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے قصص القرآن میں اس موضوع پر بہت مفصل بحث کی ہے اور متعلقہ تاریخی اور جغرافیائی شواہد کی روشنی میں اسی کو درست قرار دیا ہے کہ یہ غار اردن میں ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ارض القرآن میں اردن کے قدیم شہر پٹرا کو رقیم قرار دیا ہے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی تفسیر معارف القرآن میں مفصل بحث کے بعد اسی طرف رجحان ظاہر فرمایا ہے کہ یہ غار اردن میں ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی رائے بھی یہی تھی۔

ان تمام حضرات کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اردن کے مشہور تاریخی شہر پٹرا کا اصل نام رقیم تھا، جسے رومی حکومت نے بدل کر پٹرا کردیا، اور یہ غار اسی کے قریب کہیں واقع تھا۔

تیسیر ظبیان کی کاوش:

لیکن ۱۹۵۳ء میں اردن کے محقق تیسیر ظبیان صاحب کو کسی طرح پتہ چلا کہ عمان کے قریب ایک پہاڑ پر ایک ایسا غار واقع ہے جس میں کچھ قبریں اور مردہ ڈھانچے موجود ہیں اور اس غار کے اوپر ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے چنانچہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ اس غار کی تلاش میں روانہ ہوئے یہ جگہ عام راستے سے ہٹ کر واقع تھی۔ اس لئے کئی کلومیٹر دشوار گزار راستہ طے کرکے وہ اس غار کے دھانے پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تیسیر ظبیان صاحب کے الفاظ ہیں۔

''ہم ایک اندھیرے غار کے سامنے کھڑے تھے جو ایک دورافتادہ جگہ اور ایک چٹیل پہاڑ پر واقع تھا غار میں اس قدر اندھیرا تھا کہ ہمارا اندر داخل ہونا مشکل ہوگیا۔ ایک چرواہے نے ہمیں بتایا کہ غار کے اندر کچھ قبریں ہیں اور ان میں بوسیدہ ہڈیاں پڑی ہیں غار کا دروازہ جنوب کی سمت تھا، اور اس کے دونوں کناروں پر دو ستون تھے جو چٹان کو کھود کر بنائے گئے تھے، میری نظر اچانک ان ستونوں پر بنے ہوئے نقوش پر پڑی تو اس پر بیزنطی نقوش نظر آرہے تھے غار کو ہر طرف سے پتھروں کے ڈھیروں اور ملبے نے چھپایا ہوا تھا، اور یہاں سے تقریباً سو میٹر کے فاصلے پر ایک بستی تھی جس کا نام ''رجیب'' تھا۔

تیسیر ظبیان کی تحقیق کی کامیابی:

تیسیر ظبیان صاحب نے اپنی تحقیق جاری رکھی، محکمۂ آثار قدیمہ کو متوجہ کیا، بالآخر ایک ماہر اثریات رفیق رجائی صاحب نے ماہرانہ تحقیق کے بعد یہ رائے ظاہر کی کہ یہی غار اصحاب کہف کا غار ہے۔

قرآنی شواہد:

چنانچہ ۱۹۶۱ء میں اس کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو اس رائے کی تائید میں بہت سے قرائن وشواہد ملتے چلے گئے، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اس غار کا دہانہ جنوب کی طرف ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت پوری طرح صادق ہے۔

وترى الشمس اذا طلعت تزاور عن كهفهم ذات اليمين واذا غربت تقرضهم ذات الشمال وهم فى فجوة منه.

اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ طلوع ہوتا تو ان کے غار سے دائیں جانب جھکتا ہوا گزرتا، اور جب غروب ہوتا تو ان کے بائیں جانب سے کترا کر گزرتا اور یہ لوگ اس غار کے کشادہ حصے میں تھے۔

اس غار میں صورت حال یہی ہے کہ دھوپ کسی وقت اندر نہیں آتی، بلکہ طلوع وغروب کے وقت دائیں بائیں سے گزر جاتی ہے۔ اور غار کے اندر ایک کشادہ خلا بھی ہے، جس میں ہوا اور روشنی آرام سے پہنچتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بستی کے لوگوں نے اس غار کے اوپر مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ اس غار کے ٹھیک اوپر کھدائی کرنے اور ملبہ ہٹانے کے بعد ایک مسجد بھی برآمد ہوئی ہے جو قدیم رومی طرز کے پتھروں سے بنی ہوئی ہے، ماہرین آثار قدیمہ کا کہنا ہے کہ یہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ شروع میں بازنطینی طرز کا ایک معبد تھا۔ اور عبدالملک بن مروان کے زمانے میں اسے مسجد بنادیا گیا۔

۳۔ عصر حاضر کے بیشتر محققین کا کہنا یہ ہے کہ وہ مشرک بادشاہ جس کے ظلم وستم سے تنگ آکر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی، ٹراجان تھا جو ۹۸ء سے ۱۱۷ء تک حکمران رہا ہے اور اس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ بت پرستی سے انکار کرنے والوں پر سخت ظلم ڈھاتا تھا، تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ٹراجان نے ۱۰۶ء میں شرق اردن کا علاقہ فتح کرلیا تھا، اور اسی نے عمان کا وہ اسٹیڈیم تعمیر کیا تھا جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ اور وہ بادشاہ جس کے عہد میں اصحاب کہف بیدار ہوئے اس کا نام جدید محققین تھیوڈوسیس بتاتے ہیں جو پانچویں صدی کے آغاز میں گزرا ہے۔

دوسری طرف اس نئے دریافت شدہ غار کے اندر جو سکے پڑے ہوئے ملے ہیں ان میں سے کچھ ٹراجان کے زمانے کے ہیں (موقع اصحاب الکہف ص ۳۵) جس سے اس خیال کو بہت تقویت ملتی ہے کہ یہی اصحاب کہف کا غار ہے۔

۴۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کو "اصحاب الکہف والرقیم" (غار اور رقیم والے کہا ہے، رقیم کیا چیز ہے؟ اس کی تشریح میں مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں، لیکن بیشتر محققین کا خیال یہ ہے کہ رقیم اس بستی کا نام تھا جس میں ابتداً یہ حضرات آباد تھے۔ اب جس جگہ یہ غار واقع ہے وہاں سے کل سو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی "رجیب" کہلاتی ہے۔ رفیق الدجانی صاحب کا خیال یہ ہے کہ یہ "رقیم" کی بگڑی ہوئی شکل ہے کیونکہ یہاں کے بدو اکثر قاف کو جیم اور میم کو با سے بدل کر بولتے ہیں (موقع اصحاب الکہف ص ۱۱۸) چنانچہ اب حکومت اردن نے اس بستی کا نام سرکاری طور پر "رقیم" ہی کردیا ہے، بعض قدیم علماء جغرافیہ نے بھی رقیم کی بستی کو عمان کے قریب بتایا ہے، چنانچہ معروف جغرافیہ نگار ابوعبداللہ البشاری المقدسی اپنی کتاب "احسن التقاسيم فى معرفة الاقاليم" میں لکھتے ہیں:

والرقيم بلد فى شرق الاردن بالقرب من عمان حيث وجدت مغارة فيها عدد من الجثث غير البالية. (موقع اصحاب الکہف ص ۴۹)

رقیم شرق اردن میں عمان کے قریب ایک شہر ہے جہاں ایک غار بھی پایا گیا ہے جس میں کچھ انسانی ڈھانچے بھی ہیں جو زیادہ بوسیدہ نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ علامہ یاقوت حمویؒ نے بھی رقیم کی تشریح کرتے ہوئے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ:

ان بالبلقاء بارض العرب من نواحى دمشق موضعا يزعمون آنه الكهف والرقيم قرب عمان.

دمشق کے مضافات میں جو عربی سرزمین بلقاء کہلاتی ہے اس میں شہر عمان کے قریب ایک جگہ ہے جس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہی کہف اور رقیم ہے۔

۵۔ تیسیر ظبیان صاحب نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اسی علاقے کے کسی غار کو اصحاب کہف کا غار سمجھتے تھے، حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں بادشاہ روم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا تو وہ راستے میں شام وحجاز کے راستے پر ایک پہاڑ سے گزرے جس کا نام جبل الرقیم تھا، اس میں ایک غار بھی تھا جس میں کچھ ڈھانچے تھے، اور وہ بوسیدہ بھی نہیں ہوئے تھے، نیز تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ اس غار سے گزرتے تھے، اور اسے اصحاب کہف کا غار قرار دیا تھا، فتوح الشام میں واقدی نے بھی حضرت سعید بن عامرؓ کا ایک طویل قصہ لکھا ہے کہ وہ شام کی طرف جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور راستہ بھول گئے، بالآخر بھٹکتے بھٹکتے جبل الرقیم کے پاس پہنچے تو اسے دیکھ کر پہچان گئے۔ اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ یہ اصحاب کہف کا غار ہے، چنانچہ وہاں نماز پڑھ کر عمان شہر میں داخل ہوئے۔ (موقع اصحاب الکہف ص ۴۶، ۴۷، ۱۰۳)

بہرکیف! اتنے پرانے واقعے کے محل وقوع کے بارے میں حتمی طور پر سوفیصد یقین کے ساتھ کچھ کہنا تو مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اب تک جتنے مقامات کے بارے میں مقام اصحاب کہف ہونے کی رائے ظاہر کی گئی ہے ان سب میں جتنے زیادہ قرائن وشواہد اس غار کے حق میں ہیں، کسی اور غار کے حق میں اتنے قرائن موجود نہیں ہیں۔ تیسیر ظبیان صاحب نے اپنی کتاب میں افسس کے غار سے اس غار کا موازنہ بھی کیا ہے، اس موازنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اس نو دریافت غار کا محل وقوع اور منظر:

یہ غار عمان شہر سے ۷ کیلومیٹر جنوب میں واقع ہے اور اردن کی مرکزی شاہراہ جو عقبہ سے عمان تک گئی ہے اس سے اس کا فاصلہ ۳ کیلو میٹر ہے۔ ہم تقریباً نو بجے صبح یہاں پہنچے۔ اب کاروں کیلئے پہاڑ کے اوپر تک جانے کے لئے راستہ بنا دیا گیا ہے۔ کار سے اتر کر تھوڑا سا اوپر چڑھے تو ایک کشادہ صحن سا ہے جس میں قدیم طرز تعمیر کے کچھ ستون وغیرہ بنے ہوئے ہیں اس صحن کو عبور کر کے غار کا دہانہ ہے۔ دہانہ کے فرش پر ایک خاصی چوڑے پتھر کی بنی ہوئی ایک چوکھٹ سی ہے۔ اس سے غار کے اندر اترنے کے لئے تقریباً دو سیڑھیاں نیچے جانا پڑتا ہے۔ یہاں آ کر یہ غار تین حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے، ایک حصہ دہانے سے سیدھا شمال تک گیا ہے دوسرا دائیں ہاتھ مشرق کی طرف مڑ گیا ہے اور تیسرا بائیں ہاتھ مغرب کی طرف۔ مشرقی اور مغربی حصوں میں آٹھ تابوت نما قبریں بنی ہوئی ہیں۔ مشرقی حصے کی ایک قبر میں ایک چھوٹا سا سوراخ بھی ہے۔ اس سوراخ میں جھانک کر دیکھیں تو ایک انسانی ڈھانچہ صاف نظر آتا ہے۔ اگر اندھیرا ہو تو غار کا مجاور موم بتی جلا کر اندر کا منظر دکھا دیتا ہے۔

بعض شواہد کا تسلسل:

لیکن غار کا جو حصہ جنوب سے شمال کی طرف سیدھا گیا ہے وہ تقریباً سپاٹ ہے اور اسی کے بارے میں تیسیر ظبیان کا خیال یہ ہے کہ یہی وہ ''فجوہ'' ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے جب ۱۹۶۱ء میں اس غار کی صفائی اور کھدائی کا کام شروع ہوا تو رفیق الدجانی کہتے ہیں کہ غار کی اسی درمیانی جگہ میں ایک جانور کا جبڑا پڑا ہوا ملا جس میں ایک نوکیلا دانت اور چار داڑھیں محفوظ تھیں، تیسیر ظبیان صاحب کا خیال ہے کہ یہ اصحاب کہف کے کتے کا جبڑا تھا۔ اس کے علاوہ اسی جگہ پر رومی، اسلامی اور عثمانی دور کے بہت سے سکے ٹھیکری کے برتن، کوڑیوں کے ہار، پتیل کے کنگن اور انگوٹھیاں بھی پڑی ہوئی ملی تھیں۔ اب یہ ساری چیزیں ایک الماری میں جمع کر کے غار کی شمالی دیوار میں محفوظ کر دی گئی ہیں جو ہم نے بھی دیکھیں۔

غار کے مشرقی حصے میں ایک اوپر کو بلند ہوتی ہوئی چھوٹی سی سرنگ ہے جو دھواں نکالنے والی چمنی کی شکل میں ہے یہ سرنگ غار کی چھت پر جو مسجد بنی ہوئی ہے اس میں جا کر نکلی ہے لیکن جب یہ غار دریافت ہوا اس وقت اس سرنگ کے بالائی دہانے پر ایک پتھر رکھا ہوا ملا تھا۔ اتفاق سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے لشکر کے ایک جرنیل اسامہ بن منقذ نے اپنی کتاب ''الاعتبار'' میں بھی ذکر کیا ہے کہ میں تیس شہسواروں کے ساتھ اس غار میں گیا، اور وہاں نماز پڑھی، لیکن وہاں ایک تنگ سرنگ تھی، اس میں داخل نہیں ہوا۔ تیسیر ظبیان صاحب کا خیال ہے کہ یہ وہی تنگ سرنگ ہے۔ (موقع اصحاب الکہف ص ۴۹)

سُورَةُ مريم

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تنگی میں رہے گا پھر اللہ تعالیٰ اس پر کشادگی اور آسانی فرما دے گا۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ مریم مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۞ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۞

یہ مذکور ہے تیری رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر☆

حضرت زکریاؑ:

حضرت زکریا علیہ السلام ''بنی اسرائیل'' کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ ان کا قصہ پہلے سورہ آل عمران میں گذر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۞

جب پکارا اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے☆

زکریا علیہ السلام کی دُعاء:

کہتے ہیں رات کی تاریکی اور خلوت میں پست آواز سے دعا کی، جیسا کہ دعاء کا اصل قاعدہ ہے۔ ''ادعوا ربکم تضرعا وخفية (اعراف رکوع ۷) ایسی دعاء ریا سے دور اور کمال اخلاص سے معمور ہوتی ہے۔ شاید یہ بھی خیال ہو کہ بڑھاپے کی عمر میں بیٹا مانگتے تھے۔ اگر نہ ملے تو سننے والے ہنسیں، اور ویسے بھی عموماً بڑھاپے میں آواز پست ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پوشیدہ دُعاء:

نِدَآءً خَفِيًّا یعنی زکریا نے اپنے عبادت خانہ میں پوشیدہ طور پر رات کو اپنے رب کو پکارا پوشیدہ دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، پوشیدہ دعا کرنی سنت ہے دعا کا طریقہ ہی یہ ہے کہ پوشیدہ طور پر کرے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ

بولا اے میرے رب بوڑھی ہوگئیں میری ہڈیاں

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا

اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا☆

دُعا کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر:

یعنی بظاہر موت کا وقت قریب ہے، سر کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی چمک رہی ہے اور ہڈیاں تک سوکھنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهَنَ الْعَظْمُ ہڈی کمزور ہوگئی یعنی میں ضعیف ہوگیا، ہڈیاں سارے بدن کے ستون ہیں، ڈھانچہ ہیں (ہڈیاں کمزور ہوگئیں تو سارے اعضاء کمزور ہوگئے) ہڈیاں باقی اجزاء بدن سے سخت ہیں جب ہڈیاں کمزور ہوگئیں تو دوسرے اجزاء کا زیادہ کمزور ہوجانا ضروری ہے العظم اسم جنس ہے (کثیر پر بھی جنس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی فی نفسہ ہڈی کمزور ہوگئی کسی جگہ کی ہو۔)

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا یعنی سارا سر سفید ہوگیا۔ سفیدی بالوں میں ایسی پھیل گئی کہ گویا آگ بھڑک اٹھی، حضرت زکریا کی اس وقت عمر ابی بن حاتم نے ایک سو دس سال بتائی ہے۔ بیوی کی عمر اٹھانوے سال تھی)۔ (تفسیر مظہری)

وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا☆

دُعاء کی قبولیت کا یقین:

یعنی آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اور مخصوص مہربانیوں کا خوگر بنائے رکھا اب اس آخری وقت اور ضعف و پیرانہ سالی میں کیسے گمان کروں کہ میری دعاء رد کرکے مہربانی سے محروم رکھیں گے۔ بعض مفسرین نے وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا کے معنی یوں کئے ہیں کہ اے پروردگار آپ کی دعوت پر میں کبھی شقی ثابت نہیں ہوا یعنی جب آپ نے پکارا برابر امتثال امر اور اطاعت و فرمانبرداری کی سعادت حاصل کی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ

اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے☆

نالائق قرابت داروں کا خوف:

ان کے بھائی بند قرابت دار نااہل ہونگے۔ ڈر یہ ہوا کہ وہ لوگ ان کے بعد اپنی بداعمالیوں اور غلط کاریوں سے راہ نیک نہ بگاڑ دیں اور جو دینی و روحانی دولت یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں منتقل ہوتی ہوئی حضرت زکریا علیہ السلام تک پہنچی تھی اسے اپنی شرارت اور بدتمیزی سے ضائع نہ کردیں۔ (تفسیر عثمانی)

الْمَوَالِیَ (مولی کی جمع) یعنی چچا کے بیٹے یا وہ لوگ جو میرے بعد میری امت کی درستگی کے متولی ہوں گے اور میرے جانشین بنیں گے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری جانشینی اچھی طرح نہ کریں گے اور امت کے لیے دین کو بگاڑ دیں گے اور میری بیوی بانجھ ہے ناقابل تولید ہے (اور ضرورت ہے صحیح جانشین کی جو میری امت کو درست رکھ سکے) اس لیے تو محض اپنے فضل اور اپنی قدرت سے مجھے بیٹا عنایت فرما جو میرے بعد میرے کاموں کو درست رکھنے کا ذمہ دار اور متولی ہو اور خاندان یعقوب (کے علم و نبوت) کا بھی صحیح متولی ہو۔

انبیاء کی میراث:

میراث سے مراد مالی میراث نہیں، علم نبوت مراد ہے۔ انبیاء کے مال کا وارث کوئی نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنی میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے اس میراث کو جس نے لیا اس نے بڑی میراث پائی (وہ بڑا خوش نصیب ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مسئلہ:

رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی من حدیث کثیر بن قیس، ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیر لکھا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب برشتہ پدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث حضرت ابوبکر صدیقؓ سے طلب کی تو صدیق اکبرؓ نے اسی (حدیث) کی بنا پر حضرت سیدہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی میراث نہیں دی۔ اجماع بھی اسی پر منعقد ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ میراث میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ ابوبکرؓ کے پاس آئے، اور رسول اللہ کے ترکہ سے اپنا میراثی حصہ طلب کیا، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، میں نے خود سنا رسول اللہ فرمارہے تھے، ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ خیرات (کے طور پر مسلمانوں کا حق) ہوگا، یہ بھی بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد امہات المومنین نے چاہا کہ رسول اللہ کے ترکہ میں سے اپنی میراث طلب کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجیں حضرت عائشہؓ نے کہا کیا رسول اللہ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم میراث نہیں چھوڑتے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ خیرات ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ مالک بن اوس بن الحدثان نے کہا، میں حضرت عمر کے پاس گیا، میں آپ کے پاس موجود ہی تھا کہ آپ کے دربان یرفا نے آکر کہا (امیر المومنین) کیا حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمنؓ حضرت

زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کو داخلہ کی اجازت ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں یرفا نے سب حضرات کو بلالیا پھر یرفا نے آ کر کہا حضرت علیؓ اور حضرت عباس تشریف لائے ہیں، کیا داخل ہونے کی اجازت ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں یہ دونوں بزرگ بھی تشریف لے آئے، حضرت عباسؓ نے فرمایا امیرالمومنین میرا اور ان کا تصفیہ کرادیجئے، حضرت عمرؓ نے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں آپ لوگوں کو اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں دیکر پوچھتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہم میراث نہیں چھوڑیں گے جو کچھ ہم چھوڑیں گے وہ (سب مسلمانوں کے لیے) خیرات ہوگا، پوری جماعت نے کہا بیشک ایسا فرمایا تھا اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کیا آپ دونوں حضرات بھی اس سے واقف ہیں کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا (دونوں نے اقرار کیا) الحدیث۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، میرے وارث میراث میں ایک دینار بھی تقسیم نہ کریں اپنی بیبیوں کے خرچ اور کارندوں کی اجرت کے بعد اگر میں کچھ چھوڑ کر جاؤں تو وہ خیرات ہے۔

اس موضوع کی روایات حضرت حذیفہ بن یمان حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ابوالدرداء سے بھی آئی ہیں شیعہ اس حدیث کا ہی انکار کرتے ہیں، حالانکہ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی جامع میں حدیث مذکور حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انبیاء نے میراث میں نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار بلکہ میراث میں اپنی احادیث چھوڑی ہیں۔ الحدیث۔

آیت زیر تفسیر کی رفتار بھی چاہتی ہے کہ يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ میں میراث سے مراد مالی میراث نہیں ہے کیونکہ تمام نسل یعقوب کا میراث کا وارث ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا، پھر حضرت زکریا نبی برحق تھے آپ کی شان سے بعید تھا کہ اپنے چچا کے بیٹوں کے پاس اپنے مال کے پہنچنے کا ان کو ایسا اندیشہ ہو کہ وہ اس اندیشہ سے بیٹا ہونے کی دعا کریں تاکہ چچا کے بیٹوں کو میراث میں ان کا مال نہ پہنچ جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

اور | عورت میری | بانجھ ہے | سو بخش تو مجھ کو

لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ

اپنے پاس سے ایک کام اٹھانیوالا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی ☆

یعنی میں بوڑھا ہوں، بیوی بانجھ ہے، ظاہری سامان اولاد ملنے کا کچھ نہیں لیکن تو اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے اولاد عطا فرما جو دینی خدمات کو سنبھالے اور تیری مقدس امانت کا بوجھ اٹھا سکے۔ میں اس ضعف و پیری میں کیا کرسکتا ہوں، جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی بیٹا اس لائق ہو جو اپنے باپ دادوں کی پاک گدی پر بیٹھ سکے۔ ان کے علم و حکمت کے خزانوں کا مالک اور کمالات نبوۃ کا وارث بنے۔

حضرت زکریاؑ کو علمی و روحانی وراثت کی فکر تھی:

(تنبیہ) احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ ان کی وراثت دولت علم میں چلتی ہے۔ خود شیعوں کی مستند کتاب ''کافی کلینی'' سے بھی ''روح المعانی'' میں اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔ لہٰذا متعین ہے کہ ''يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ'' میں وراثت مالی مراد نہیں۔ جس کی تائید خود لفظ آل یعقوب'' سے ہو رہی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے تمام آل یعقوب کے اموال و املاک کا وارث تنہا حضرت زکریا کا بیٹا کیسے ہوسکتا تھا۔ بلکہ نفس وراثت کا ذکر ہی اس موقع پر ظاہر کرتا ہے کہ مالی وراثت مراد نہیں۔ کیونکہ یہ تو تمام دنیا کے نزدیک مسلم ہے کہ بیٹا باپ کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ پھر دعاء میں اس کا ذکر کرنا محض بیکار تھا۔ یہ خیال کرنا کہ حضرت زکریا کو اپنے مال و دولت کی فکر تھی کہ کہیں میرے گھر سے نکل کر بنی اعمام اور دوسرے رشتہ داروں میں نہ پہنچ جائے، نہایت پست اور ادنیٰ خیال ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان یہ نہیں ہوتی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت دنیا کی متاع حقیر کی فکر میں پڑ جائیں کہ ہائے یہ کہاں جائے گی اور کس کے پاس رہے گی۔ اور لطف یہ ہے کہ حضرت زکریا بڑے دولت مند بھی نہ تھے۔ بڑھئی کا کام کر کے محنت سے پیٹ پالتے تھے۔ بھلا ان کو بڑھاپے میں کیا غم ہوسکتا تھا کہ چار پیسے رشتہ داروں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

انبیاء کے مال میں وراثت نہیں چلتی:

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ، باتفاق جمہور علماء اس جگہ وراثت سے وراثتِ مالی مراد نہیں، کیونکہ اول تو حضرت زکریا کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے۔

ان العلماء ورثة الانبياء و ان الانبياء لم يورثو دينارا و لا درهما انما ورثو العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ و الترمذی)

بیشک علماء وارث ہیں انبیاء کے کیونکہ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل کرلیا اس

نے بڑی دولت حاصل کر لی۔

یہ حدیث کتب شیعہ کافی، کلینی وغیرہ میں بھی موجود ہے اور صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لا نورث وما ترکنا صدقة ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی ہم جو مال چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور خود اس آیت میں یَرِثُنِیْ کے بعد وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ کا اضافہ اسکی دلیل ہے کہ وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعا کی جارہی ہے اس کا آل یعقوب کے لئے مالی وارث بننا بظاہر حال ممکن نہیں۔ کیونکہ آلِ یعقوب کے وارث ان کے عصبات قریبہ ہونگے اور وہ وہی اَلْمَوَالِیَ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا وہ بلا شبہ قرابت و عصوبت میں حضرت یحیٰی علیہ السلام سے اقرب ہیں اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے۔

روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

روى الكليني في الكافي عن ابي البختري عن ابي عبد الله قال ان سليمان ورث داوٗد وان محمدا صلى الله عليه وسلم ورث سليمان

ترجمہ: سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ (معارف مفتی اعظم)

پوشیدہ دُعاء کی حکمت:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے دعا کرتے ہیں، لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی، کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوتی ہے، اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا خدا کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥
اور کر اس کو اے رب من مانتا ☆

لڑکے کی صفات: یعنی ایسا لڑکا دیجئے جو اپنے اخلاق واعمال کے لحاظ سے میری اور تیری اور اچھے لوگوں کی پسند کا ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ
اے زکریا ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام ہے یحیٰی

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦
نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی ☆

دُعاء کی قبولیت اور یحیٰی علیہ السلام کی بشارت:

یعنی دعاء قبول ہوئی اور لڑکے کی بشارت پہنچی۔ جس کا نام (یحیٰی) قبل از ولادت حق تعالیٰ نے تجویز فرما دیا۔ نام بھی ایسا انوکھا جوان سے پہلے کسی کا نہ رکھا گیا تھا۔ بعض سلف نے یہاں "سمی" کے معنی "شبیہ" کے لئے ہیں۔ یعنی اس شان وصفت کا کوئی شخص ان سے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے کوئی ایسا لڑکا اس وقت تک پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یا بعض خاص احوال وصفات (مثلاً رقت قلب اور غلبہ بکا وغیرہ) میں ان کی مثال پہلے نہ گذری ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانیؒ)

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس کا تفسیری قول نقل کیا ہے حضرت یحیٰی سے پہلے کسی بانجھ کے ایسا لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ جو حضرت یحیٰی کی مثل ہوتا۔ (یہ قول بھی محل تامل ہے حضرت اسحاق کی والدہ بھی بانجھ تھیں اور کسی آیت یا حدیث سے حضرت اسحاق سے حضرت یحیٰی کی برتری ثابت نہیں۔)

بیضاوی نے لکھا یحیٰی عجمی نام ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ
بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور
امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧
میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ اکڑ گیا ☆

حضرت زکریا کا تعجب اور اُس کا منشاء:

آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری سنے تو مزید طمانیت واستلذاذ کے لئے بار بار پوچھتا اور کھود کرید کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفحص سے لذت تازہ حاصل ہوتی اور بات خوب پکی ہو جاتی ہے یہی منشاء حضرت زکریا کے سوال کا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "انوکھی چیز مانگتے تعجب نہ آیا۔ جب سنا کہ ملے گی تب تعجب کیا"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ
کہا یونہی ہوگا ☆

تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ان ہی حالات میں اولاد مل جائے گی اور مشیت ایزدی پوری ہو کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ

فرمادیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾

تجھ کو پیدا کیا میں نے پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز☆

اللہ کے ہاں کوئی مشکل نہیں:

یہ فرشتہ نے کہا۔ یعنی تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو تو خدا کے یہاں مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردہ عدم سے وجود میں لایا۔ پھر جو قادر مطلق لاشئے محض کو شئے بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس پر تو بطریق اولیٰ قدرت ہونی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ آيَةً قَالَ آيَتُكَ

بولا اے رب ٹھہرادے میرے لئے کوئی نشانی فرمایا تیری نشانی

أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست☆

استقرارِ حمل کی علامت:

یعنی باوجود تندرست ہونے کے جب کامل تین رات دن لوگوں کیساتھ زبان سے بات چیت نہ کرسکے اس وقت سمجھ لینا کہ حمل قرار پا گیا ہے۔ اسکے متعلق مفصل کلام ''آل عمران'' کے فوائد میں گذر چکا۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحٰى

پھر نکلا اپنے لوگوں کے پاس حجرہ سے تو اشارہ سے کہا

إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

ان کو کہ یاد کرو صبح اور شام☆

بچہ کی اُمید ہو جانے پر آپؑ کی کیفیت:

یعنی جب وہ وقت آیا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کیا کرو۔ نمازیں پڑھو تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ یہ کہنا یا تو حسب معمول سابق وعظ ونصیحت کے طور پر ہوگا یا نعمت الٰہیہ کی خوشی محسوس کر کے چاہا کہ دوسرے بھی ذکر وشکر میں ان کے شریک حال ہوں۔ کیونکہ جیسا ''آل عمران'' میں گذرا حضرت زکریا کو حکم تھا کہ ان تین دن میں خدا کو بہت کثرت سے یاد کریں۔ اور خاص تسبیح کا لفظ شاید اس لئے اختیار کیا ہو کہ اکثر عجیب وغریب سماں دیکھنے پر آدمی ''سبحان اللہ'' کہا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا اندر سے دروازہ کھولدیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں اچانک زکریا دروازہ کھول کر باہر آ گئے، چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارہ سے ان کو تسبیح وتنزیہ کا حکم دیا، مجاہد نے فَأَوْحٰى کی تشریح میں کہا کہ زمین پر لکھدیا سَبِّحُوْا، یعنی نماز پڑھو اور اللہ کی پاکی بیان کرو۔ (تفسیر مظہری)

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ

اے یحییٰ اٹھالے کتاب زور سے☆

حضرت یحییٰ کا منصب:

یعنی تورات اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو جو تم پر یا دوسرے انبیاء پر نازل کئے گئے ہوں، خوب مضبوطی اور کوشش سے تھامے رکھو۔ ان کی تعلیمات پر خود عمل کرو اور دوسروں سے کراؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''یعنی علم کتاب لوگوں کو سکھلانے لگا زور سے یعنی باپ ضعیف تھے اور یہ جوان''۔ (تفسیر عثمانی)

وَآتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾

اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں☆

لڑکپن میں علم وحکمت کی عنایت:

یعنی لڑکپن ہی میں ان کو حق تعالیٰ نے فہم ودانش، علم وحکم فراست صادقہ، احکام کتاب اور آداب عبودیت وخدمت کی معرفت عطا فرمادی تھی۔ لڑکوں نے ایک مرتبہ انہیں کھیلنے کو بلایا، کہا ہم اس واسطے نہیں بنائے گئے۔ بہت سے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف ان کو لڑکپن ہی میں نبوت بھی مرحمت فرمادی واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾

اور شوق دیا اپنی طرف سے اور ستھرائی اور تھا پرہیزگار☆

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف:

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو شوق وذوق، رحمت وشفقت، رقت ونرم دلی محبت

ومحبوبیت عنایت فرمائی تھی، اور صاف ستھرا، پاکیزہ رُو، پاکیزہ خُو، مبارک وسعید متقی وپرہیزگار بنایا، حدیث میں ہے کہ یحییٰ نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں سی بن گئی تھی۔ علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام (تفسیر عثمانی)

(۱) یحییٰ پر اللہ نے رحم کیا ان پر اپنی رحمت نازل کی۔

(۲) ان کے دل میں ماں باپ پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا، بعض علماء نے حنان کا ترجمہ ہیبت ووقار یا رزق یا برکت کیا ہے، صاحب قاموس نے لکھا حنان بروزن سحاب، رحمت، رزق، ہیبت، وقار اور دل کی نرمی۔ حنان بمعنی رحیم صفت کا صیغہ لفظ حنان سے ہی بنایا گیا ہے۔ اور اللہ کا وصفی نام ہے۔

زکواۃ بمعنی گناہوں سے پاکدامن رہنا، بعض کے نزدیک طاعت و اخلاص۔ (تفسیر مظہری)

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾

اور نیکی کرنے والا اپنے ماں باپ سے اور نہ تھا زبردست خودسر☆

یعنی متکبر سرکش اور خودسر نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی آرزو کے لڑکے اکثر ایسے ہوا کرتے ہیں۔" وہ ویسا نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن اٹھ کھڑا ہو زندہ ہو کر☆

اللہ کی سلامتی:

اللہ جو بندہ پر سلام بھیجے محض تشریف وعزت افزائی کیلئے ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر کچھ گرفت نہیں۔ یہاں "يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" سے غرض تعمیم اوقات واحوال ہے یعنی ولادت سے لے کر موت تک اور موت سے قیامت تک کسی وقت اس پر خوردہ گیری نہیں۔ خدا کی پکڑ سے ہمیشہ مامون و مصئون ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں ایک ہزار سال تک یا حنان یا منان پکارتا رہے گا۔

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ کی ملاقات:

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ حضرت یحییٰ سے فرمانے لگے میں نے تو آپ ہی اپنے اوپر سلام کیا آپ پر خود خدا تعالیٰ نے سلام کہا۔ اب ان دونوں نبی اللہ کی فضیلت ظاہر ہے۔

مروی ہے کہ حضرت مریم نے فرمایا کہ خلوت اور تنہائی کے موقع پر مجھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے تھے اور مجمع میں خدا کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ یہ حال اس وقت کا ہے جب کہ آپ میرے پیٹ میں تھے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

انسان کے تین حال:

سفیان بن عیینہ نے کہا انسان کے یہ ہی تین عجیب احوال ہوتے ہیں۔ (۱) ماں کے پیٹ کو چھوڑ کر باہر اس دنیا میں آتا ہے۔ (۲) دنیا سے نکل کر دوسرے عالم میں پہنچتا ہے جہاں اس کو وہ اشخاص ملتے ہیں جو اس دنیا میں اس کو کبھی نہیں نظر آئے۔ (۳) زندہ ہو کر میدان حشر میں پہنچے گا اور ایسا میدان اور اجتماع اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا (نہ دنیا میں نہ عالم برزخ میں) ان تینوں حالات ومقامات میں محفوظ رہنے کی خصوصیت اللہ نے یحییٰ کو عطا فرمائی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں☆

حضرت مریمؑ کا تذکرہ:

یعنی غسل حیض کرنے کو۔ یہ ہی پہلا حیض تھا۔ تیرہ برس کی عمر تھی یا پندرہ برس کی۔ شرم کے مارے مجمع سے الگ ہو کر ایک مکان میں چلی گئیں۔ جو "بیت المقدس" سے مشرق کی طرف تھا۔ اس لئے نصاریٰ نے مشرق کو اپنا قبلہ بنالیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا☆

حضرت جبریلؑ کا مریمؑ کے پاس آنا:

یعنی حضرت جبرئیل نوجوان خوبصورت مرد کی شکل میں پہنچے، جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں۔ اور ممکن ہے یہاں حضرت مریم کی انتہائی عفت وپاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو کہ ایسے زبردست دواعی ومحرکات بھی اس کے جذبات عفاف وتقویٰ کو ادنیٰ

ترین جنبش نہ دے سکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت جبرئیل ایک خوش رو بے ریش و بروت روشن چہرہ گھونگھر یالے بالوں والے متناسب القامت نوجوان کے بھیس میں آ کھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔ (تفسیر مظہریؒ)

جبریل انسان کی شکل میں کیوں آئے:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، فرشتہ کو اس کی اپنی اصلی صورت وہیئت میں دیکھنا انسان کے لئے آسان نہیں، اس کی ہیبت غالب آ جاتی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حراء میں اور بعد میں پیش آیا، اس مصلحت سے جبرئیلِ امین حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بشکلِ انسانی ظاہر ہوئے۔ جب حضرت مریم نے ایک انسان کو اپنے قریب دیکھا جو پردہ کے اندر آ گیا تو خطرہ ہوا کہ اس کا ارادہ برا معلوم ہوتا ہے اس لئے فرمایا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾
بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا☆

حضرت مریمؑ کی پاکدامی:

مریم نے اول وہلہ میں سمجھا کہ کوئی آدمی ہے۔ تنہائی میں دفعۃً ایک مرد کے سامنے آ جانے سے قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمان کی پناہ میں آتی ہوں۔ اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا (جیسا کہ پاک ونورانی چہرہ سے روشن تھا) تو میرے پاس سے چلا جائیگا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ، (میں اللہ رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے) بعض روایات میں ہے کہ جبرئیلِ امین نے یہ کلمہ سنا تو اللہ کے نام کی تعظیم کے لئے کچھ پیچھے ہٹ گئے۔

إِن كُنتَ تَقِيًّا، یہ کلمہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی ظالم سے مجبور ہو کر فریاد کرے کہ اگر تو مومن ہے تو مجھ پر ظلم نہ کر۔ تیرا ایمان اس ظلم سے روکنے کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے لئے مناسب ہے، کہ اللہ سے ڈرو، غلط اقدام سے بچو۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ
بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ دے جاؤں تجھ کو
غُلَامًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾
ایک لڑکا ستھرا☆

فرشتہ کے آنے کا مقصد:

یعنی گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی برا خیال آیا ہو تو دل سے نکال دو۔ میں آدمی نہیں، تیرے اسی رب کا (جس کی تو پناہ ڈھونڈتی ہے) بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تجھ کو ایک پاکیزہ، صاف ستھرا اور مبارک ومسعود لڑکا عطا کروں۔ "غُلَامًا زَكِيًّا" (پاکیزہ لڑکا) کہنے میں اشارہ ہو گیا کہ وہ حسب ونسب اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے بالکل پاک وصاف ہوگا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جبرئیل نے کہا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں (تیرے رب نے مجھے بھیجا ہے) تا کہ ایک پاک دامن لڑکا تجھے عطا کروں، یعنی میں آدمی نہیں ہوں جس سے تو ڈر رہی ہے اور اللہ کی پناہ مانگ رہی ہے، میں فرشتہ ہوں اللہ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تا کہ تجھے ایسا فرزند (تیرے کرتے میں پھونک مار کر) عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔ زکی پاک، معصوم، یا خیر وصلاح میں ترقی کرنے والا اور ہر دم بھلائی کی طرف چڑھنے والا اصوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں برابر ہوں (یعنی جتنی خیر وصلاح اس کو کل حاصل تھی اتنی ہی آج حاصل ہو ترقی نہ ہوئی ہو) وہ گھاٹے میں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي
بولی کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو
بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾
آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہیں تھی☆

حضرت مریمؑ کا تعجب کہ مجھے تو مرد کا ہاتھ بھی نہیں لگا؟

مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے، مگر تعجب ہوا کہ جس عورت کا شوہر نہیں جو اس کو حلال طریقہ سے چھوسکتا اور بدکار بھی نہیں کہ حرام طریقہ سے بچہ حاصل کرلے، اس کو بحالت راہنہ پاکیزہ اولاد کیونکر مل جائے گی، جیسا کہ حضرت زکریا نے اس سے کم عجیب بشارت پر سوال کیا تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ
بولا یونہی ہے فرمادیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے☆

اللہ بغیر اسباب کے بھی قادر ہے:

یہ وہی جواب ہے جو حضرت زکریا کو دیا گیا تھا۔ گذشتہ رکوع میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یہ سن کر مریم صدیقہ کو اور تعجب ہوا کہ سبحان اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میرا تو نکاح ہی نہیں ہوا اور برائی کا مجھے تصور تک نہیں ہوا۔ میرے جسم پر کسی انسان کا کبھی ہاتھ نہیں لگا۔ میں بدکار نہیں، پھر میرے ہاں اولاد کیسی؟ بغیا سے مراد زناکار ہے۔ جیسے حدیث میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے کہ مَہْرُ الْبَغِیِّ زانیہ کی خرچی حرام ہے۔ فرشتے نے آپ کے تعجب کو یہ فرما کر ٹالا کہ یہ سب سچ ہے لیکن خدا اس پر قادر ہے کہ بغیر خاوند کے اور بغیر کسی اور بات کے بھی اولاد دیدے وہ جو چاہے ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس بچہ کو اور اس واقعہ کو اپنے بندوں کی تذکیر کا سبب بنادے گا۔ یہ قدرتِ خدا تعالیٰ کی ایک نشانی ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ

اور اس کو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کیلئے نشانی اور مہربانی اپنی طرف سے

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا ☆

بغیر والد پیدائش کی حکمت:

یعنی یہ کام ضرور ہو کر رہے گا، پہلے سے طے شدہ ہے، تخلف نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت اسی کو مقتضی ہے کہ بدون مسِ بشر کے محض عورت کے وجود سے بچہ پیدا کیا جائے۔ اور وہ دیکھنے اور سننے والوں کے لئے ہماری قدرتِ عظیمہ کی ایک نشانی ہو۔ کیونکہ تمام انسان مرد وعورت کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدم علیہ السلام دونوں کے بدون پیدا ہوئے اور حوا کو صرف مرد کے وجود سے پیدا کیا گیا۔ چوتھی صورت یہ ہے جو حضرت مسیح میں ظاہر ہوئی کہ مرد کے بدون صرف عورت کے وجود سے ان کا وجود ہوا۔ اس طرح پیدائش کی چاروں صورتیں واقعہ ہوگئیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود قدرت الٰہیہ کا ایک نشان اور حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے لئے بڑی رحمت کا سامان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَحَمَلَتْهُ

پھر پیٹ میں لیا اس کو☆

استقرارِ حمل:

کہتے ہیں فرشتہ نے پھونک ماری حمل ٹھہر گیا۔ وفی البحر "وَ ذَكَرُوا اَنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَام نَفَخَ فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا اَوْفِيْهِ وَ فِيْ كُمِّهَا. والظاهر ان المسند اليه نفخ هو الله تعالىٰ بقوله فنفخنا (ص ۶/۱۸۱) كما قال في آدم و نفخت فيه من روحي والله اعلم. (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا جبرئیل نے دور سے پھونک دیا۔ غرض پھونک سے مریم حاملہ ہوگئیں اور حمل کو لیے لیے گھر والوں سے دور ایک جگہ پر گوشہ گیر ہوگئیں، حضرت ابن عباس نے کہا وادی بیت المقدس کے آخری حصہ میں چلی گئیں، تاکہ لوگ بدنام نہ کریں، تہمت سے بچنے کے لیے وہ سب سے الگ چلی گئیں۔ مدت حمل کتنی ہوئی بقول بغوی علماء کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا حمل اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہوگیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

پھر یکسو ہوئی اس کو لے کر ایک بعید مکان میں☆

پیدائش کے وقت بیت اللحم چلا جانا:

یعنی جب وضع حمل کا وقت قریب آیا شرم کے مارے سب سے علیحدہ ہو کر کسی بعید مکان میں چلی گئی۔ شاید وہ ہی جگہ ہو جسے "بیت اللحم" کہتے ہیں۔ یہ مقام "بیت المقدس" سے آٹھ میل ہے۔ ذکرہ ابن کثیر عن وہب۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ

پھر لے آیا اس کو درد زہ ایک کھجور کی جڑ میں

قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ

بولی کسی طرح میں مرچکتی اس سے پہلے اور ہوجاتی

نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

بھولی بسری

حضرت مریم کی بے چینی:

یعنی دردزہ کی تکلیف سے ایک کھجور کی جڑ کا سہارا لینے کے لئے اس کے قریب جا پہنچی۔ اس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بیکسی سامان ضرورت وراحت کا فقدان، اور سب سے بڑھ کر ایک مشہور پاکباز عفیفہ کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور سخت بےچین کئے ہوئے تھا۔ حتی کہ اسی کرب واضطراب کے غلبہ میں کہہ اٹھی "قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا" (کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی مرچکی ہوتی کہ دنیا میں میرا نام و نشان نہ رہتا اور کسی کو بھولے سے بھی یاد نہ آتی) شدت کرب واضطراب میں گذشتہ بشارات بھی جو فرشتہ سے سنی تھیں یاد نہ آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور کے درخت کے پاس جانا:

یعنی مخاض کے وقت اللہ اس کو لے آیا، یہ مطلب ہے کہ مخاض کے سبب

سے وہ آ گئی درخت کے پاس۔ الی جذع النخلہ درخت کے تنہ کی طرف مریم آ گئیں۔ پردہ کرنے کی غرض سے بھی اور سہارا لینے کی غرض سے بھی، جذع کسی درخت کی رگیں گدھے (تنہ) یہ درخت الگ صحراء میں خشک کھڑا تھا۔

بقول ابن ابی حاتم ابوروق نے بیان کیا کہ مریم ایسے درخت کھجور کے تنہ کے پاس پہنچیں جس کے سر پر کوئی پتہ نہ تھا۔ مریم نے اس کو ہلایا تو چوٹی پر شاخیں بھی پتوں کے ساتھ نکل آئیں اور کھجوریں بھی۔ بیضاوی نے لکھا اللہ نے یہ بات حضرت مریم کے دل میں ڈال دی تھی کہ وہ درخت کے پاس جائیں، اللہ کو ایسی نشانیاں دکھانی تھیں جن سے مریم کا خوف جاتا رہے اور کھانے کو کھجوریں بھی مل جائیں عورتوں کے لیے کھجور بڑی اچھی (مرغوب) غذا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

تمنائے موت:

قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔ (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ حضرت مریم کو لوگوں کی شرم تھی قوم والوں کے ملامت کرنے کا خوف تھا۔ اس لیے انہوں نے تمنائے موت کی۔ نسیان بھول جانا یاد نہ ہونا محفوظ نہ رکھنا خواہ ضعف قوت حافظہ کی وجہ سے ہو یا غفلت کی وجہ سے یا قصداً بلا ارادہ دل سے فراموش کر دیا گیا ہو۔

رسول اللہ نے فرمایا، میری امت کی بھول چوک اٹھالی گئی (معاف کر دی گئی) ہے۔

بغوی نے لکھا ہے شیٔ و چیز جو پھینک دی گئی ہو حقیر ہونے کی وجہ سے ذکر کے قابل نہ ہو۔ اور منسیاً کا ترجمہ ہے ترک کردہ، متروک۔

شریعت بنی اسرائیل میں تمناء موت کی ممانعت بعد کو ہوئی اور یہ واقعہ پہلے کا تھا، یا بے اختیاری کی حالت میں بلا ارادہ حضرت مریم کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، یا حضرت مریمؑ کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر انہوں نے کہہ دیئے۔ (تفسیر مظہریؒ)

تمنائے موت کا حکم:

یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی تب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر کہا جاوے گا جس میں انسان من کل الوجود مکلف نہیں رہتا اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں ابتلا ہوگا۔ موت سے اس معصیت کی حفاظت رہے گی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ

پس آواز دی اس کو اسکے نیچے سے کہ غمگین مت ہو کر دیا

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ

تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف

بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

کھجور کی جڑ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں☆

فرشتہ کی آواز میں تسلی:

وہ مقام جہاں حضرت مریم کھجور کے نیچے تشریف رکھتی تھیں۔ قدرے بلند تھا، اس کے نیچے سے پھر اسی فرشتہ کی آواز سنائی دی کہ غمگین و پریشان مت ہو، خدا کی قدرت سے ہر قسم کا ظاہری و باطنی اطمینان حاصل کر۔ نیچے کی طرف دیکھ، اللہ تعالیٰ نے کیسا چشمہ یا نہر جاری کر دی ہے۔ یہ تو پینے کے لئے ہوا، کھانے کے لئے اسی کھجور کو ہلاؤ پکی اور تازہ کھجوریں ٹوٹ کر گرینگی۔ (تنبیہ) بعض سلف نے ''سری'' کے معنی ''عظیم الشان سردار'' کے لئے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ تجھ سے ایک بڑا سردار پیدا کرنے والا ہے۔ جنہوں نے ''سری'' کے معنی چشمہ یا نہر کے لئے ظاہر یہ ہے کہ وہ چشمہ بطور خرق عادت نکالا گیا اور کھجوریں بھی خشک درخت پر بے موسم لگ گئیں۔ ان خوارق کا دیکھنا مریم کی تسکین و اطمینان اور تفریح کا سبب تھا۔ اور جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اس حالت میں یہ چیزیں مریمؑ کے لئے مفید تھیں اور انہیں ضرورت بھی ہوگی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباس، ضحاک، سدی اور قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت مریم ایک ٹیلہ پر تھیں اور حضرت جبرئیل ٹیلے سے پیچھے نشیبی جانب کہ مریم کی بے صبری و بے قراری سن کر جبرئیل نے پکار کر کہا غمگین نہ ہو، مجاہد اور حسن نے کہا جب حضرت عیسیٰؑ پیٹ سے باہر آ گئے تو انہوں نے پکار کر کہا غمگین نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں تحتها کی ضمیر مریم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا نخلہ کی طرف راجع ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

رزق کیلئے کوشش کرنا:

حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کا درخت ہلانے کا حکم دیا، حالانکہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ بغیر ان کے ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی گود میں گر جائیں مگر حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلانا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں (روح المعانی) (معارف القرآن)

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ج

اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ☆

آئندہ حالات کے متعلق خوشخبری:

یعنی تازہ کھجوریں کھا کر چشمہ کے پانی سے سیراب ہو، اور پاکیزہ بیٹے کو

دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر، آگے کا غم نہ کھا، خدا تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ
پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو
اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ
میں نے مانا ہے رحمٰن کا روزہ سو
اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ﴿۲۶﴾
بات نہ کرونگی آج کسی آدمی سے ☆

کسی سے بات نہ کرنے کا حکم:

یعنی اگر کوئی آدمی سوال کرے تو اشارہ وغیرہ سے ظاہر کر دینا کہ میں روزہ سے ہوں۔ مزید گفتگو نہیں کر سکتی۔ ان کے دین میں یہ نیت درست تھی کہ نہ بولنے کا بھی روزہ رکھتے تھے۔ ہماری شریعت میں ایسی نیت درست نہیں۔ اور ''کہیو میں نے مانا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کی نذر کر کے ایسا کہہ دینا ''انسیا'' کی قید شاید اس لئے لگائی کہ فرشتہ سے بات کرنا منع نہ تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اب چپ کا روزہ جائز نہیں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے تو سلام کیا، دوسرے نے نہ کیا۔ آپ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ لوگوں نے کہا اس نے قسم کھائی ہے کہ آج یہ کسی سے بات نہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا اسے توڑ دے، سلام کلام شروع کر یہ تو صرف (حضرت) مریمؑ کے لئے ہی تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو آپ کی صداقت و کرامت ثابت کرنی منظور تھی اس لئے اسے عذر بتا دیا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کی تسلی:

حضرت عبدالرحمٰن ابن زید کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں تو آپ نے کہا میں کیسے نہ گھبراؤں خاوند والی میں نہیں، کسی کی ملکیت کی لونڈی باندی میں نہیں، مجھے دنیا نہ کہے گی کہ یہ بچہ کیسے ہوا؟ میں لوگوں کے سامنے کیا جواب دے سکوں گی؟ کونسا عذر پیش کر سکوں گی، ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، کاش کہ میں نسیا منسیا ہو گئی ہوتی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ نے کہا، اماں! آپ کو کسی سے بولنے کی ضرورت نہیں، میں آپ ان سب سے نمٹ لوں گا۔ آپ تو انہیں صرف یہ سمجھا دینا کہ آج آپ نے چپ رہنے کی نذر کر لی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب میں ہوں اس لئے کہ مجھ میں اور ان کے درمیان میں کوئی نبی نہیں گزرا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

بعض علماء نے کہا کہ اللہ نے مریم کو یہ بات اشارہ سے کہنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ کلام قولی سے جھگڑا پیدا ہوتا اور حضرت عیسیٰ سے جواب دلوانا تھا ان کا قول ہر طعن و تشنیع کا قاطع تھا۔ بعض لوگوں نے کہا زبان سے صرف اتنی ہی بات کہنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا، اس کے بعد خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ ، یعنی جب اپنی نذر کی میں نے تم کو اطلاع دیدی تو اس کے بعد کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت مریم ملائکہ سے کلام کرتی تھی۔ انسان سے بات نہیں کرتی تھی۔

سکوت کا روزہ شریعت اسلامیہ میں منسوخ ہو گیا:

قبل از اسلام یہ بھی عبادت میں داخل تھا کہ بولنے کا روزہ رکھے۔ صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے۔ اسلام نے اس کو منسوخ کر کے یہ لازم کر دیا کہ صرف برے کلام گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے یا عام گفتگو ترک کرنا اسلام میں کوئی عبادت نہیں رہی اس لئے اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں۔ **لما رواہ ابوداؤد مرفوعاً لا یتم بعد احتلام و لا صمات یوم الی اللیل و حسنہ السیوطی والعزیزی**، یعنی بچہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے مرنے سے یتیم نہیں کہلاتا، اس پر احکام یتیم کے جاری نہیں ہوتے اور صبح سے شام تک خاموش رہنا تو (اسلام میں) کوئی عبادت نہیں۔ اور درد زہ میں پانی اور کھجور کا استعمال طباً بھی مفید ہے اور اکل و شرب کا حکم بظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بغیر مرد کے تنہا عورت سے بچہ پیدا ہو جانا خلافِ عقل نہیں:

اور حمل و تولد بلا توسط مرد کے خارق عادت (معجزہ) ہے اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں بلکہ وصفِ اعجاز کا اور زیادہ ظہور ہے لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب عورت کی منی میں قوتِ منعقدہ کے ساتھ قوتِ عاقدہ بھی ہے اس لئے مرض رجا میں اعضاء کی کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے کہ کما صرح بہ فی القانون، پس اگر یہی قوت عاقدہ اور بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے۔ (بیان القرآنؒ) (معارف مفتی اعظمؒ)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ
پھر لائی اس کو اپنے لوگوں کے پاس گود میں وہ اس کو کہنے لگے اے مریم
لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾
تو نے کی یہ چیز طوفان کی ☆

قوم والوں کی باتیں:

یعنی جب بچہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے سامنے آئی تو لوگ دیکھ کر ششدر رہ گئے، کہنے لگے ''مریم تو نے غضب کر دیا، یہ بناوٹ کی چیز کہاں سے لے آئی۔ اس سے زیادہ جھوٹ طوفان کیا ہوگا کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے''۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بعض علماء نے فریا کا ترجمہ عجیب عظیم لکھا ہے، عجیب اور عظیم ترین چیز خارق عادت ہوتی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کلام ہو یا عمل جو بھی فائق اور عجیب ہو اس کو فری کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا فلم اری عبقریا یفری فریہ میں نے کوئی کامل حاذق ایسا نہیں دیکھا جو عمرؓ کے عمل کی طرح عجیب تعجب آفریں عمل کرتا ہو۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ پھر اس کو (یعنی عیسیٰؑ کو گود میں) اٹھائے مریم اپنی قوم والوں کے پاس آئی۔ روایت میں آیا ہے کہ ولادت کے بعد فوراً حضرت عیسیٰؑ کو اٹھائے قوم والوں کے پاس حضرت مریم آئی تھیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ
اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی
وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝۲۸
اور نہ تھی تیری ماں بدکار ☆

قوم والوں کی بدگمانی:

یعنی بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ تیرے ماں باپ اور خاندان والے ہمیشہ سے نیک رہے ہیں، تجھ میں یہ بری خصلت کدھر سے آئی؟ بھلوں کی اولاد کا برا ہونا محل تعجب ہے۔

مریم کو ہارون کی بہن کہنے کی وجہ:

(تنبیہ) مریم کو يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰؑ کے بھا حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ گویا ''يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ'' سے مراد ''اخت قوم ہارون'' ہوئی۔ جیسے ''واذکر اخا عاد'' میں ہود علیہ السلام کو 'عاد' کا بھائی کہا ہے۔ حالانکہ 'عاد' ان کی قوم کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔ اور ممکن ہے ''يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ'' کے ظاہری معنی لئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے یعنی مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔ اس وقت بھی لوگ انبیاء وصالحین کے ناموں پر نام رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مریم کا وہ بھائی ایک مرد صالح تھا۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ تیرا باپ پاکباز تھا، ماں پارسا تھی، بھائی ایسا نیک ہے اوپر جا کر تیرا نسب ہارون علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، پھر یہ حرکت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ، حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی اور ساتھی تھے۔ حضرت مریم کے زمانے سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے یہاں حضرت مریم کو ہارون کی بہن قرار دینا ظاہر ہے کہ اپنے اس ظاہری مفہوم کے اعتبار سے نہیں ہو سکتا اسی لئے جب حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کے پاس بھیجا تو انہوں نے سوال کیا کہ تمہارے قرآن میں حضرت مریم کو يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ کہا گیا ہے حالانکہ ہارون علیہ السلام ان سے بہت قرنوں پہلے گزر چکے ہیں۔ حضرت مغیرہؓ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اہلِ ایمان کی عادت یہ ہے کہ تبرکاً انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی) (معارف القرآن)

بغوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے لکھا ہے کہ مغیرہ کا بیان ہے جب میں نجران میں پہنچا تو اہلِ نجران نے مجھ سے کہا تم (قرآن میں) يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰؑ کا زمانہ عیسیٰؑ سے اتنا اتنا (یعنی بہت مدت) پہلے تھا۔ (پھر مریم ہارون کی بہن کیسے ہوئیں) میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی حضور نے فرمایا وہ لوگ اپنے انبیاء اور گذشتہ نیک لوگوں کے ناموں پر اپنے نام رکھتے تھے (یعنی ہارون سے مراد حضرت موسیٰؑ کے بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کا ہم نام کوئی اور شخص تھا جس کو مریم کا بھائی کہا گیا ہے) رواہ مسلم (تفسیر مظہریؒ)

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ
پھر ہاتھ سے بتلایا اس لڑکے کو ☆

حضرت مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا:

یعنی مریم نے ہاتھ سے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت مریم کے پاس (بن باپ کے بچہ ہونے کی) کوئی دلیل نہیں تھی اس لیے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا تاکہ عیسیٰؑ کا کلام ان کی صداقت کی دلیل بن جائے۔

قوم کا غصہ:

روایت میں آیا ہے کہ مریم نے جب عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے بات کرو تو لوگوں کو غصہ آیا اور کہنے لگے ایک تو تو نے جرم کیا پھر ہم سے

مذاق بھی کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

بولے ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا☆

یعنی اس شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی؟ کہ بچہ سے پوچھ لو۔ بھلا ایک گود کے بچہ سے ہم کیسے سوال وجواب کر سکتے ہیں۔ (تنبیہ) مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا میں ''كَانَ'' لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ تکلم کے وقت وہ صبی نہیں رہا تھا۔ قرآن میں بہت جگہ مثلاً كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یا لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً یا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ میں كَانَ کا استعمال ایسے مضمون کے لئے ہوا ہے جس کا سلسلہ زمانہ ماضی کے گذرنے کے ساتھ منقطع نہیں ہوا۔

نکتہ: اور یہاں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا سے تعبیر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے نفی تکلیم کو ایک ضابطہ کے رنگ میں پیش کیا۔ یعنی نہ صرف عیسیٰ بلکہ ہر اس شخص سے جو گود میں بچہ ہو کلام کرنا عادۃً محال ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

الْمَهْدِ سے مرادہ ہے ماں کی گود۔ یا گہوارہ۔ مراد یہ تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی عاقل کسی شیر خوار گہوارہ میں رہنے والے بچہ سے باتیں کرتا ہو۔ سدی نے کہا جب حضرت عیسیٰ نے ان کا کلام سنا تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے، بعض روایات میں آیا ہے کہ جونہی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا آپ نے فوراً منہ پستان سے ہٹا لیا اور بائیں طرف کو ذرا سہارا لے کر قوم کی طرف متوجہ ہو کر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾

وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے نبی کیا☆

بچہ بول پڑا:

قوم کی طرف سے یہ ہی گفتگو ہو رہی تھی کہ خود مسیح علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے گویا کر دیا۔ آپ نے اس وقت جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے۔ ''میں بندہ ہوں اللہ کا''، یعنی خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں جیسا کہ اب نصاریٰ کا عقیدہ ہے، چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے پہلے حضرت مسیح کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے اور ''مجھ کو خدا نے نبی بنایا''، یعنی مفتری اور کاذب نہیں جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں۔ (تنبیہ) سورہ آل عمران'' اور'' مائدہ'' میں حضرت مسیح کے تکلم فی المہد کے متعلق کلام کیا جا چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن تین بچوں کے مہد میں کلام کرنے کا ذکر فرمایا ہے ان میں ایک حضرت مسیح ابن مریم ہیں۔ آج جو لوگ قرآن وحدیث کے خلاف حضرت مسیح کے تکلم فِي الْمَهْدِ کا انکار کرتے ہیں ان کے ہاتھ میں نصاریٰ کی کورانہ تقلید کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ، کہا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔

نکتہ: عبداللہ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ میں بارگاہ الٰہی میں معزز ہوں اس کا خاص بندہ ہوں اور چونکہ قوم منکر تھی اس لئے آپ نے پرزور طریقہ سے اپنی عبدیت کا اظہار کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بچہ سے گفتگو:

وہب نے کہا جب حضرت مریم کی قوم سے گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت زکریا آ گئے اور حضرت عیسیٰ سے فرمایا، اگر تجھے حکم دیا گیا ہے تو خود اپنی دلیل بیان کر اور بول اس پر حضرت عیسیٰ بول اٹھے۔ اس وقت آپ چالیس دن کے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں تورات ملی:

الکتاب سے حسن کے نزدیک توریت مراد ہے آپ ماں کے پیٹ ہی میں تھے کہ اللہ نے آپ کے دل میں توریت القاء کر دی تھی، اکثر علماء قائل ہیں کہ انجیل مراد ہے بچپن میں ہی آپ کو انجیل عطا کر دی گئی تھی۔ جب کہ آپ مردانہ عقل کی حد تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بعض علماء کے نزدیک ماضی بمعنی مستقبل ہے، یعنی اللہ مجھے کتاب عطا فرمائے گا۔

بچپن میں نبوت کس طرح:

وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے، یعنی یقیناً آئندہ وہ مجھے نبی بنائے گا۔ بعض علماء نے کہا، حضرت عیسیٰ نے تحریر لوح محفوظ کی اطلاع دی تھی (یعنی میں لوحِ محفوظ کی تحریر کے بمو جب نبی بنایا جا چکا ہوں) جیسے رسول اللہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نبی کب ہوئے تو آپ نے فرمایا، میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (یعنی مٹی اور پانی سے آدم کے پتلے کا خمیر ہی بنا تھا، روح پڑی بھی نہ تھی) رواہ ابن سعد وابونعیم فی الحلیۃ عن میسرۃ بن سعد عن ابی الجدعاء۔ والطبرانی عن ابن عباس۔ (تفسیر مظہریؒ)

اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا، ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شیر خوارگی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی، حالانکہ کسی پیغمبر کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت و کتاب نہیں ملتی اس لئے مفہوم اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ مجھے اپنے وقت پر نبوت اور کتاب دیں گے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نبوت اس وقت عطا کر دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اس کا

مطلب ظاہر ہے کہ اس کے سوانہیں کہ عطاء نبوت کا وعدہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قطعی اور یقینی تھا یہاں بھی اسی یقین کو عطا نبوت کے لفظ ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ عطاء نبوت کا اظہار کرنے سے ان لوگوں کی بدگمانی رفع کر دی گئی کہ میری والدہ پر بدکاری کا الزام لگانا سراسر غلط ہے کیونکہ میرا نبی ہونا اور مجھے رسالت کا ملنا اس کی دلیل ہے کہ میری پیدائش میں کسی گناہ کا دخل نہیں ہوسکتا۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ
اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾
نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ☆

نماز وزکوٰۃ کا قیام:

یعنی جب تک زندہ رہوں، جس وقت جس جگہ کے مناسب جس قسم کی صلواۃ وزکواۃ کا حکم ہو، اس کی شروط وحقوق کی رعایت کے ساتھ برابر ادا کرتا رہوں۔ جیسے دوسری جگہ مومنین کی نسبت فرمایا ''اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آن اور ہر وقت نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ جس وقت جس طرح کی نماز کا حکم ہو ہمیشہ پابندی سے تعمیل حکم کرتے ہیں اور اس کی برکات وانوار ہمہ وقت ان کو محیط رہتی ہیں۔ کوئی شخص کہ کہے ہم جب تک زندہ ہیں نماز، زکواۃ، روزہ، حج وغیرہ کے مامور ہیں کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ہر ایک مسلمان مامور ہے کہ ہر وقت نماز پڑھتا رہے، ہر وقت زکواۃ دیتا رہے (خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو) ہر وقت روزے رکھتا رہے ہر وقت حج کرتا رہے۔ حضرت مسیح کے متعلق بھی ''مَا دُمْتُ حَیًّا'' کا ایسا ہی مطلب سمجھنا چاہیے۔

لفظ ''صلوٰۃ'' کا مفہوم:

یادر ہے کہ لفظ ''صلواۃ'' کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں، قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صلواۃ کی نسبت کی ہے، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (نور۔ رکوع ۶) اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح وصلواۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلواۃ وتسبیح کس رنگ کی ہے۔

لفظ ''زکوٰۃ'' کا مفہوم:

اسی طرح زکواۃ کے معنی بھی اصل میں طہارت، نماز، برکت ومدح کے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک معنی کا استعمال قرآن وحدیث میں اپنے اپنے موقع پر ہوا ہے۔ اسی رکوع میں حضرت مسیح کی نسبت ''غُلٰمًا زَكِیًّا'' کا لفظ گذر چکا جو زکوٰۃ سے مشتق ہے۔

اور یحییٰ علیہ السلام کو فرمایا ''وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً'' سورہ کہف میں ہے ''خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا''۔ اسی طرح کے عام معنی یہاں بھی زکواۃ کے لئے جاسکتے ہیں۔

بچپن میں وصیت صلوٰۃ وزکوٰۃ کا مطلب:

اور ممکن ہے اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ سے ''اوصانی بان امر اھلہ بالصلوٰۃ والزکواۃ'' مراد ہو جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسب فرمایا ''وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ'' پھر لفظ ''اوصانی'' اپنے مدلول لغوی کے اعتبار سے اس کو مقتضی نہیں کہ وقت ایصار ہی سے اس پر عمل در آمد شروع ہو جائے۔ نیز بہت ممکن ہے کو مَا دُمْتُ حَیًّا سے یہ ہی زمینی حیاۃ مراد لے لی جائے۔ جیسے ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جابرؓ کے والد کو اللہ نے شہادت کے بعد زندہ کر کے فرمایا کہ ہم سے کچھ مانگ، اس نے کہا کہ مجھے دوبارہ زندہ کر دیجئے کہ دوبارہ تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ اس زندگی سے یقیناً زمینی زندگی مراد ہے ورنہ شہداء کے لئے نفس حیات کی قرآن میں اور خود اسی حدیث میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہی مطلب حیاۃ کا ''لو کان موسیٰ و عیسی حیتین الخ'' میں سمجھو۔ اگر بالفرض اس کا حدیث ہونا ثابت ہو جائے۔ ''بالفرض'' ہم نے اس لئے کہا کہ اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ
اور سلوک کرنیوالا اپنی ماں سے☆

یعنی چونکہ باپ کوئی نہ تھا اس لئے صرف ماں کا نام لیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾
اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت☆

نکتہ:

یہ سب جملے جو بصیغہ ماضی لائے گئے بے شک اس کے معنی ماضی ہی کے لئے جائیں گے لیکن اس طرح کہ مستقبل متیقن الوقوع کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ جیسے اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ میں۔ اس طرح مسیح علیہ السلام نے بچپن میں ماضی کے صیغے استعمال کر کے متنبہ کر دیا کہ ان سب چیزوں کا آئندہ پایا جانا ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ اسے یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ گویا پائی جا چکی۔

حضرت مریم علیہا السلام کی براءت:

حضرت مسیح کی اس خارق عادت گفتگو سے اور ان اوصاف وخصال سے جو بیان کئے نہایت بلاغت کے ساتھ اس ناپاک تہمت کا رد ہو گیا جو ان کی

والدہ ماجدہ پر لگائی جاتی تھی۔ اول تو ایک بچہ کا بولنا، اور ایسا جامع و مؤثر کلام طبعاً دشمنوں کو خاموش کرنے والا تھا۔ پھر جس ہستی میں ایسی پاکیزہ خصال پائی جائیں، ظاہر ہے وہ العیاذ باللہ ولد الزنا کیسے ہوسکتی ہے جیسا کہ خود ان کے اقرار "مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فروع کو اصول کے موافق دیکھنا چاہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں

وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر☆

اس جملہ کے ہم معنی جملہ پہلے حضرت یحییٰ کے ذکر میں گذر چکا۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں خود حق تعالیٰ کی طرف سے کلام تھا۔ یہاں حق تعالیٰ نے مسیح کی زبان سے وہ ہی بات فرمائی۔ نیز "سلام" اور "السلام" کا فرق بھی قابل لحاظ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عیسیٰؑ کی وفات:

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

سلامتی کا مطلب:

مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے۔ جس دن میں پیدا ہوا مس شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ مجھے کہیں خوف و غم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی خداداد خصال کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

لوگوں کی حیرت اور یقین:

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سن کر لوگوں کو ان کی ماں کی برات اور نزاہت معلوم ہوگئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریم پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہوگئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

بغوی نے لکھا ہے حضرت عیسیٰ کے اس کلام کے بعد سب لوگ سمجھ گئے کہ مریم گناہ سے پاک ہیں اس کے بعد عیسیٰؑ خاموش ہوگئے اور اس عمر تک کوئی بات نہیں کی جس عمر تک معمولاً بچے بات نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

جس میں لوگ جھگڑتے ہیں☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ:

یعنی حضرت مسیح کی شان وصفت یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ ایک سچی اور کھلی ہوئی بات میں لوگوں نے خواہ مخواہ جھگڑے ڈال لیے۔ اور طرح طرح کے اختلافات کھڑے کر دیے۔ کسی نے ان کو خدا بنادیا کسی نے خدا کا بیٹا کسی نے کذاب و مفتری کہا۔ کسی نے نسب وغیرہ پر طعن کیا۔ سچی بات وہ ہی ہے جو ظاہر کر دی گئی کہ خدا نہیں، خدا کے مقرب بندے ہیں۔ جھوٹے مفتری نہیں، سچے پیغمبر ہیں۔ انکا حسب نسب سب پاک وصاف ہے۔ خدا نے ان کو "کلمۃ اللہ" فرمایا ہے اور ممکن ہے "قول الحق" کے معنی بھی یہاں "کلمۃ اللہ" کے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ

اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد

سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

وہ پاک ذات ہے جب ٹھہرا لیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

اس کو کہ ہو وہ ہو جاتا ہے☆

عیسائیوں کی تردید:

جس کے ایک "كُنْ" (ہوجا) کہنے میں ہر چیز موجود ہو، اسے بیٹے پوتوں کی کیا ضرورت لاحق ہوگی۔ کیا (العیاذ باللہ) اولاد ضعیفی میں سہارا دیگی؟ یا مشکلات میں ہاتھ بٹائے گی؟ یا اسکے بعد نام چلائیگی؟ اور اگر شبہ ہو کہ عموماً آدمی ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے پھر حضرت مسیح کا باپ کیسے کہیں؟ اس کا جواب بھی اسی جملہ كُنْ فَيَكُوْنُ میں آ گیا۔ یعنی ایسے قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک بچہ کو بن باپ پیدا کر دے۔ اگر عیسائی خدا کو باپ اور مریم کو ماں کہتے ہیں تو کیا (معاذ اللہ) دوسرے تعلقات زنا شوئی کا بھی اقرار کرینگے؟ باپ مان کر بھی بہر حال تخلیق کا طریقہ وہ تو نہ ہوگا جو عموماً والدین میں ہوتا ہے۔ پھر بدون باپ کے پیدا ہونے میں کیا اشکال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عیسائیوں کے چار گروہ:

کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا مجمع جمع ہوا اور اپنے میں سے انہوں نے چار ہزار آدمی چھانٹے۔ ہر قوم نے اپنا اپنا ایک عالم پیش کیا یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد کا ہے۔ یہ لوگ آپس میں مختلف ہوئے۔ ایک تو کہنے لگا یہ خود خدا تھا، جب تک اس نے چاہا زمین پر رہا، جسے چاہا جلایا، جسے چاہا مارا، پھر آسمان پر چلا گیا۔ اس گروہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں۔ لیکن اور تینوں نے اسے جھٹلایا اور کہا تو نے جھوٹ کہا۔ اب دو نے تیسرے سے کہا اچھا تو کہہ تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہ خدا کے بیٹے تھے۔ اس جماعت کا نام نسطور یہ پڑا۔ دو جو رہ گئے انہوں نے کہا تو نے بھی غلط کہا ہے۔ پھر ان دو میں سے ایک نے کہا تم کہو! اس نے کہا میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ تین میں سے ایک ہیں۔ ایک تو اللہ جو معبود ہے دوسرے یہی جو معبود ہیں تیسرے ان کی والدہ جو معبود ہیں۔ یہ اسرائیلیہ گروہ ہوا اور یہی نصرانیوں کے بادشاہ تھے۔ علیہم لعائن اللہ۔ چوتھے نے کہا تم سب جھوٹے ہو حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے اور رسول تھے خدا تعالیٰ ہی کا کلمہ تھے۔ اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح۔ یہ لوگ مسلمان کہلائے اور یہی سچے تھے۔ ان میں سے جس کے تابع جو تھے۔ وہ اسی کے قول پر ہو گئے اور آپس میں خوب جوت اچھلا۔ چونکہ سچے اسلام والے ہر زمانے میں تعداد میں کم ہوتے ہیں ان پر یہ ملعون چھا گئے، انہیں دبا لیا، انہیں مارنا پیٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔

فقط ارادہ سے کام ہو جاتا ہے:

ذَاقَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو فرما دیتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اللہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے (قضا سے مراد ارادہ ہے) تو کُن (ہو جا) کہتا ہے وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے، عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کرنا بھی اسی طرح ہوا، پس جو خدا ایسا (قادر مطلق) ہے وہ یقیناً مشابہت خلق سے پاک ہے اس کو حاجت نہیں کہ عورتوں کو حاملہ کر کے اپنی اولاد پیدا کرے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا
اور کہا بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہ ہے
صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ
راہ سیدھی پھر جدی جدی راہ اختیار کی فرقوں نے
بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ
ان میں سے سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے

یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾
ایک دن بڑا

صحیح عقیدہ:

یہ کس نے کہا؟ بعض کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ گویا پیشتر حضرت مسیح کی جو گفتگو "قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ" سے نقل کی گئی تھی، یہ اس کا تکملہ ہوا۔ درمیان میں مخاطبین کی تنبیہ کیلئے "ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ" سے حق تعالیٰ کا کلام تھا۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ اس کو "وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ" کے ساتھ لگایا جائے۔ یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کتاب میں مریم و مسیح کا حال سنا کہ جو مذکور ہو چکا، کہہ دو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ تنہا اسی کی بندگی کرو۔ بیٹے پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے۔ جس میں کچھ ایچ پیچ نہیں۔ سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنا لئے اور جُدی جُدی راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں، انہیں بڑے ہولناک دن (روز قیامت) کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو یقیناً پیش آنیوالی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

صحیح حدیث میں ہے جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا لائق عبادت اور کوئی نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ (حضرت) عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے حضرت مریمؑ کی طرف ڈالا گھا اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے، اس کے خواہ کیسے ہی اعمال ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں پہنچائے گا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا
کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے، جس دن آئینگے ہمارے پاس،
لٰکِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾
پر بے انصاف آج کے دن صریح بہک رہے ہیں

آج عمل کا وقت ہے:

یعنی آج تو جبکہ سننا اور دیکھنا مفید تھا، بالکل اندھے، بہرے بنے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن جب دیکھنا سننا کچھ فائدہ نہ دے گا، آنکھیں اور کان

خوب کھل جائیں گے اس وقت وہ باتیں سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں۔نعوذ باللہ منہ (تفسیر عثمانی)

اظہارِ تعجب:

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ دونوں فعل تعجب ہیں اور اللہ ہر تعجب سے پاک ہے (وہ کسی بات پر تعجب نہیں کرتا اس کے لیے کوئی بات عجیب نہیں) اس لیے جمہور اہلِ تفسیر کے نزدیک آیت میں جس تعجب کا اظہار کیا گیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی حالت قابلِ تعجب ہوگی، دنیا میں تو اندھے بہرے بنے رہے نہ حق کی بات سنی نہ صورتِ حق آنکھوں سے دیکھی اگر وہاں کلمہ حق گوشِ قبول سے سنتے اور تصویرِ حق نظرِ قبول سے دیکھتے تو فائدہ ہوتا لیکن قیامت کے دن جب حق کی صورت سامنے آئی اور آوازِ حق سنی تو ایسے وقت کہ کوئی فائدہ نہ تھا۔(تفسیر مظہریؒ)

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ

اور ڈر سنا دے انکو اس پچھتاوے کے دن کا، جب فیصل ہو چکے گا کام☆

کافروں کا آخری پچھتاوا:

کافروں کو پچتانے کے بہت مواقع پیش آئیں گے۔آخری موقع وہ ہوگا جب موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کیا جائے گا اور ندا آئیگی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہ پڑے، اس کے بعد کسی کو موت آنے والی نہیں۔اس وقت کافر بالکل نا اُمید ہو کر حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے۔لیکن اب پچتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔(تفسیر عثمانیؒ)

جنتیوں کی خوشی:

صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہوگی اور دوزخیوں کو غم پر غم ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مرجاتے (مگر موت کے ذبح ہو جانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لئے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہو جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا۔

یا اھل الجنة ھو الخلود ابدالابدین و یا اھل النار ھو الخلود ابدا الابدین (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: اے اہلِ جنت اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خلود اور دوام ہے اور اے اہلِ دوزخ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا ہے۔

(معارف کاندھلویؒ)

دوزخ کبھی فنا نہ ہوگی:

حافظ عسقلانی شرح بخاری شریف صفحہ ۳۶۳ ج ۱۱ میں لکھتے ہیں:۔

''کہ ان احادیث میں (یعنی ذبح موت کی احادیث میں) اس کی تصریح ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کی کوئی حد اور انتہا نہیں کافر جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔بغیر موت کے اور بغیر نافع زندگی کے اور بغیر راحت و آرام کے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی کہ کافروں پر کبھی موت نہیں آئے گی۔اور نہ وہ کبھی جہنم سے نکلیں گے۔اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ دوزخی کچھ روز کے بعد دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور دوزخ خالی رہ جائے گی۔یا یہ گمان کیا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی۔تو ایسا گمان کرنے والا شخص اس شریعت کے دائرہ سے خارج ہے کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے نیز یہ شخص اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ سے باہر ہے۔(فتح الباری)

موت کی موت:

حضرت ابو سعید خدری راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں (قیامت کے دن سب کے سامنے) لایا جائے گا پھر ایک منادی پکارے گا، اے اہلِ جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو الہِ جنت کہیں گے ہاں یہ موت ہے، پھر سب کی نظروں کے سامنے اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور منادی کہے گا، اے جنت والوں (یہاں تمہاری) دوامی زندگی ہے موت نہیں ہے۔پھر وہی منادی دوزخیوں کو پکارے گا دوزخ والوں تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں آئے گی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ تلاوت فرمائی۔رواہ البخاری شیخین نے صحیحین میں بھی حضرت ابو سعید کی روایت سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے، شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے لیکن اس میں آیت کو تلاوت فرمانے کا ذکر نہیں ہے۔

ابو یعلی، بزار اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور حاکم و ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی قرائت آیت کا ذکر نہیں ہے۔

نیک و بد سب افسوس کریں گے:

يَوْمَ الْحَسْرَةِ کی تشریح میں بیضاوی نے لکھا ہے اس روز سب لوگ افسوس کریں گے، بدکار اپنی بدکاری پر اور نیکوکار اپنے نیکی کم کرنے پر۔

طبرانی اور ابو یعلی نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہلِ جنت کو صرف اس ساعت پر افسوس ہوگا

جس میں (دنیا کے اندر) انہوں نے اللہ کی یاد نہیں کی اور وہ گھڑی یونہی گذر گئی۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مرنے والے کو پشیمانی ضرور ہوگی، صحابہ نے عرض کیا پشیمانی کیسی۔ فرمایا اگر نیکوکار ہوگا تو اس کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ اس نے اس سے زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور بدکار کو اس بات کی پشیمانی ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہ رہا۔ (تفسیر مظہریؒ)

یَوْمَ الْحَسْرَةِ ، اس روز کو یوم الحسرت اس لئے کہا گیا ہے کہ اہلِ جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں، ایک خاص قسم کی حسرت اہلِ جنت کو بھی ہوگی جیسا کہ طبرانی اور ابو یعلی نے بروایت حضرت معاذ یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی بجز ان لمحات وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

ابن مسعودؓ نے ایک واقعہ مطول بیان فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے دوزخ اور جنت کے گھر کو دیکھ رہا ہوگا وہ دن ہی حسرت وافسوس کا ہے جہنمی اپنے جنتی گھر کو دیکھ رہا ہوگا اور اس سے کہا جاتا ہوگا کہ اگر تم عمل کرتے تو تمہیں یہ جگہ ملتی وہ حسرت وافسوس کرنے لگیں گے۔ ادھر جنتیوں کو ان کا جہنم کا گھر دکھا کر فرمایا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا احسان تم پر نہ ہوتا تو تم یہاں ہوتے۔ اور روایت میں ہے کہ موت کو ذبح کر کے جب ہمیشگی کی آواز لگا دی جائے گی اس وقت جنتی تو اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر خدا تعالیٰ نہ بچائے تو مارے خوشی کے مر جائیں اور جہنمی اس قدر رنجیدہ ہو کر چیخیں گے کہ اگر موت ہوتی تو ہلاک ہو جائیں۔ پس اس آیت کا یہی مطلب ہے یہ وقت حسرت بھی ہوگا اور کام کے خاتمے کا وقت بھی یہی ہوگا۔ پس یوم الحسرۃ بھی قیامت کے ناموں میں ایک نام ہے۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے ☆

اب غفلت میں ہیں:

یعنی اس وقت انہیں یقین نہیں کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے وہ غفلت کے نشہ میں مخمور ہیں اور بڑی بھاری بھول میں پڑے ہیں۔ کاش اس وقت آنکھیں کھولتے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھتے اس دن پچھتانے سے حسرت وافسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ "الئن قد ندمت وما ينفع الندم"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا

ہم وارث ہونگے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر ☆

وَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور وہ ہماری طرف پھر آئیں گے ☆

سب کی ملکیتیں ختم ہو جائیں گی:

یعنی کسی کا ملک یا مِلک باقی نہ رہے گی۔ ہر چیز براہ راست مالکِ حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی۔ وہ ہی بلا واسطہ حاکم و متصرف علی الاطلاق ہوگا، جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا۔ دنیا کے جن سامانوں نے تم کو غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا۔ ملک و مِلک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عمر بن عبدالعزیز کا خط:

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عبدالحمید ابن عبدالرحمٰنؒ کو کوفے میں خط لکھا جس میں لکھا۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد، اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے ہی ساری مخلوق پر فنا لکھ دی ہے۔ سب کو اس کی طرف پہنچنا ہے۔ اس نے اپنی نازل کردہ اس سچی کتاب میں جسے اپنے علم سے محفوظ کئے ہوئے ہے اور جس کی نگہبانی اپنے فرشتوں سے کرا رہا ہے لکھ دیا ہے کہ زمین کا اور اس کے اوپر جو ہیں ان کا وارث وہی ہے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ ط

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا ☆

حضرت ابراہیم کا تذکرہ:

گذشتہ رکوع میں حضرت مسیح و مریم کا قصہ بیان فرما کر نصاریٰ کا رد کیا گیا تھا جو ایک آدمی کو خدا بنا رہے ہیں۔ اس رکوع میں مشرکین مکہ کو شرمانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ تک کو کس طرح شرک و بت پرستی سے روکا، اور آخر کار وطن و اقارب کو چھوڑ کر خدا کے واسطے ہجرت اختیار کی مشرکین مکہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیم کی اولاد میں اور اسی کے دین پر ہیں۔ انہیں بتلایا گیا کہ بت پرستی کے متعلق تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا رویہ کیا رہا ہے اگر آباء واجداد کی تقلید کرنا چاہتے ہو تو ایسے باپ کی تقلید کرو۔ اور مشرک باپ دادوں سے اسی طرح بیزار ہو جاؤ جیسے ابراہیم علیہ السلام ہو گئے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

بیشک تھا وہ سچا نبی ☆

حضرت ابراہیمؑ کی صدیقیت:

''صدیق'' کے معنی ہیں ''بہت زیادہ سچ کہنے والا'' جو اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھائے۔ یا وہ راستباز پاک طینت جس کے قلب میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ واکمل استعداد موجود ہو۔ جو بات خدا کی طرف سے پہنچے بلاتوقف اس کے دل میں اتر جائے۔ شک وتردد کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ابراہیم علیہ السلام ہر ایک معنی سے صدیق تھے اور چونکہ صدیقیت کے لئے نبوت لازم نہیں اس لئے آگے ''صِدِّيقًا'' کے ساتھ ''نَّبِيًّا'' فرما کر نبوت کی تصریح کر دی۔ یہیں سے معلوم ہوگیا کہ کذبات ثلٰثہ کی حدیث اور ''نحن احق بالشک من ابراھیم'' وغیرہ روایات میں کذب وشک کے وہ معنی مراد نہیں جو سطح کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

صدیق کی تعریف:

صِدِّيقًا نَّبِيًّا، لفظ صدیق بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول وعمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت وسکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں، اصل صدیق تو نبی ورسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی ورسول کے لئے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی ورسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کرلے وہ بھی صدیق کہلائے گا، حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

(۱) بہت سچ بولنے والا (۲) جو کبھی جھوٹ نہ بولا ہو (۳) سچ بولنے کا عادی ہو صدق کی عادت کی وجہ سے اس سے کذب کا صدور نہ ہوا ہو۔ (۴) جس کا اعتقاد بھی صحیح ہو اور قول بھی سچا اور اس نے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کی ہو اور قول کے مطابق عملی مظاہرہ کرتا ہو۔ (۵) اللہ کی تمام غیبی صفات اللہ کے انبیاء (اور ملائکہ) اور قیامت جن کا بیان اللہ نے کیا ہے سب کی تصدیق کرتا ہو۔ اللہ نے جن کاموں کو کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہے ان امور کو اللہ کے حکم کے مطابق اچھا برا جانتا ہو اور احکام خداوندی کی عملی پابندی بھی کرتا ہو اور اپنے عمل سے تصدیق قلبی ولسانی کو ثابت کرتا ہو، ایسا آدمی صدیق ہے۔

صالحیت اور صدیقیت:

مومنوں میں سے کچھ لوگ تمام اوامر ونواہی کے عملی پابند ہوتے ہیں ہر حکم شرعی کو بجالاتے ہیں ایسے لوگ صالحین کہلاتے ہیں لیکن ہر صالح کو صدیق نہیں کہا جاسکتا۔ حقیقت میں صدیقیت کا مرتبہ تصدیق وایمان کی قوت وشدت سے حاصل ہوتا ہے ایمان کی قوت درجہ صدیقیت پر فائز کرتی ہے۔ ایمان وتصدیق کی قوت انبیاء کو تو براہ راست بلاکسی توسط کے حاصل ہوتی ہے اور امت والوں کو انبیاء کی کامل پیروی کرنے اور ظاہر وباطن ہر طرح کے پورے پورے اتباع سے۔ امتی کمالات نبوت میں جب ڈوب جاتا ہے اور انبیاء کی وراثت وتبعیت سے اس پر ذاتی خالص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو درجہ صدیقیت تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔

انعام یافتہ لوگ:

آیت أُولَٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّٰلِحِينَ میں اپنے فیضان وانعام کا حامل چار قسم کے لوگوں کو قرار دیا، انبیاء صدیقین، شہداء، صالحین، دوسرے مومنوں کو انہی کی معیت وہمرکابی کی بشارت دی، سورۃ النساء میں اس آیت کی تفصیلی توضیح ہم کرچکے ہیں، صدیق وہی جماعت ہے جن کا ذکر سورۃ واقعہ کی آیت ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ میں کیا ہے اور ہم نے اس کی تشریح اسی مقام پر کردی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

انبیاء کے بعد رسول اللہ کے صحابہ میں سب سے بڑے صدیق تھے اور صحابہ میں سے جلیل القدر صحابہ سب سے اونچے تھے اور جلیل القدر صحابہ میں بھی حضرت ابوبکرؓ سب سے بڑے صدیق تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق فرمایا تھا اور اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود فرمایا تھا کہ میں ہی صدیق اکبر ہوں، میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے یعنی میرے مرتبہ کے بعد نچلے درجہ پر رہتے ہوئے جو شخص صدیق اکبر ہونے کا مدعی ہوگا وہ کاذب ہے۔ بعد ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ میرے بعد جو مدعی ہوگا، بلکہ بعدیت سے مراد ہے مرتبہ کی بعدیت اور درجہ میں پیچھے رہنا۔

نبی کا معنیٰ:

نبی کا لفظ یا نبوۃ سے ماخوذ ہے یعنی عالی قدر اونچے مرتبہ والا، اللہ کی طرف سے پیغمبر بنایا ہوا۔ (تفسیر مظہریؒ)

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا

جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پوجتا ہے اس کو جو نہ

يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾

سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ ۱۷

والد کو دعوت:

یعنی جو چیز دیکھتی سنتی ہو اور مشکلات میں کچھ کام آسکے مگر واجب الوجود نہ ہو، اس کی عبادت بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک پتھر کی بے جان مورتی جو نہ سنے نہ دیکھے نہ ہمارے کسی کام آئے، خود ہمارے ہاتھ کی تراشی ہوئی، اس کو معبود ٹھہرالینا کسی عاقل اور خوددار کا کام نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حکیمانہ انداز:

حضرت ابراہیم کے باپ کو نہایت ادب احترام اور شفقت ومحبت کے لہجہ میں بے راہ روی اور گمراہی پر متنبہ کیا اور بے دھڑک یہ نہیں کہہ دیا کہ تو گمراہی میں پڑا ہوا ہے بلکہ باپ کے معبودوں کی بے بسی کمزوری اور بے حسی کو مدلل طور پر ظاہر کیا اور دریافت کیا کہ آخر ان کی عبادت کرنے سے آپ کی کیا غرض ہے یہ تو بے حس اور بے طاقت ہیں ان کے سامنے جھکنا ہی تقاضائے دانش کے خلاف ہے، پوجا کرنی تو بجائے خود رہی پوجا تو اس ذات کی ہونی چاہیے جو خود محتاج نہ ہو اس کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو دکھ سکھ پہنچانے کی اس کو پوری قدرت ہو نفع پہنچا سکے اور ضرر کو دفع کر سکے زندگی، موت اور رزق دینا نہ دینا اس کے اختیار میں ہو سزا جزا دینا اس کے قبضہ میں ہو اس کو ہر چیز پر کامل اقتدار حاصل ہو، وہ ممکن محتاج جو خود اپنی ہستی و بقاء ہستی اور لوازم ہستی میں دوسرے کا دست نگر اور محتاج ہے معبود ہونے کا مستحق نہیں ہوسکتا خواہ اس کے پاس سننے والے کان دیکھنے والی آنکھیں اور دکھ سکھ پہنچانے اور ضرر دفع کرنے کی بظاہر ناقص قوت بھی ہو، یہاں تک کہ فرشتہ یا پیغمبر ہو تب بھی معبود ہونے کا اس کو استحقاق نہیں۔

عقل سلیم اس کی پوجا کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ وہ کچھ بھی ہو بہرحال اس کا وجود اس کا اپنا وجود نہیں۔ مانگا ہوا اور دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ پھر وہ ممکن جو بے سمع بے بصر اور بے طاقت و بے حس ہو اس کو تو بدرجہ اولیٰ معبود بننے یا معبود قرار دیئے جانے کا کوئی حق نہیں ایسے بے علم بے طاقت بے حس بے بس کی پوجا تو سراسر کردانشی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

يَآاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ

اے باپ میرے — مجھ کو — آئی ہے — خبر ایک چیز کی

مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

جو تجھ کو نہیں آئی — سو میری راہ چل — دکھلادوں تجھ کو — راہ سیدھی ☆

سیدھی راہ:

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توحید ومعاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا۔ جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں۔ جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يَآاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ

اے باپ میرے — مت پوج — شیطان کو

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

بیشک — شیطان — ہے — رحمٰن کا — نافرمان ☆

شرک کو شیطان پسند کرتا ہے:

بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی۔ اور نافرمان کی پرستش رحمان کی انتہائی نافرمانی ہے۔ شاید لفظ ''عصی'' میں ادھر بھی توجہ دلائی ہو کہ شیطان کی پہلی نافرمانی کا اظہار اس وقت ہوا تھا، جب تمہارے باپ آدم کے سامنے سربسجود ہونے کا حکم دیا گیا، لہٰذا اولاد آدم کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ رحمٰن کو چھوڑ کر اپنے اس قدیم ازلی دشمن کو معبود بنالیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی شیطان کفر اور بت پرستی کو تمہاری نظر کے سامنے آراستہ اور دلکش بنا کر لاتا ہے تم اس کا کہنا نہ مانو اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلو کیونکہ شیطان اس خدا کا جو منعم، محسن مہربان ہے سخت نافرمان ہے اور ظاہر ہے کہ رب کے نافرمان کا اتباع کرنے والا بھی رب کا نافرمان قرار پائے گا اور جو رب کا نافرمان ہوگا اس سے رب منعم اپنی نعمتیں چھین لے گا اور ایسے احسان فراموش سے انتقام لے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

يَآاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ

اے باپ میرے — میں ڈرتا ہوں — کہیں آلگے تجھ کو — ایک آفت

مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

رحمٰن سے — پھر تو ہوجائے — شیطان کا — ساتھی ☆

والد سے ہمدردی:

یعنی رحمٰن کی رحمت عظیمہ تو چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت ومہربانی ہو، لیکن تیری بداعمالیوں کی شامت سے ڈر ہے کہ ایسے حلیم ومہربان خدا کو غصہ نہ آجائے اور تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ کردے۔ جس میں پھنس کر تو ہمیشہ کے لئے شیطان کا ساتھی بن جائے یعنی کفر وشرک کی مزاولت سے آئندہ ایمان وتوبہ کی توفیق نصیب نہ ہو اور اولیاء الشیطان کے گروہ میں شامل کر کے دائمی عذاب میں

دھکیل دیا جائے۔ عموماً مفسرین نے یہ ہی معنی لئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کفر کے وبال سے کچھ آفت آئے اور تو مدد مانگنے لگے شیطان سے یعنی بتوں سے، اکثر لوگ ایسے ہی وقت شرک کرتے ہیں" واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں شیطان کے صرف نافرمان ہونے کا ذکر کیا، دوسرے جرائم کا ذکر نہیں کیا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ کی نافرمانی ہی تمام جرائم کی جڑ ہے اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں یا یہ وجہ ہو کہ حضرت آدم اور ان کی اولاد سے دشمنی کا نتیجہ بصورت معصیت نکلا (پس جو شیطان رب کا نافرمان انسان کی دشمنی کی وجہ سے ہو اس کی پوجا انسان کے لیے کسی طرح زیبا نہیں وہ تو دشمن ہے) (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ

وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر

لَمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾

تو باز نہ آئیگا تو تجھ کو سنگسار کروں گا اور دور ہو جا میرے پاس سے ایک مدت ☆

باپ کا ردِ عمل:

باپ نے حضرت ابراہیم کی تقریر سن کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے، بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دے، ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لئے دور ہو جا۔ میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا، اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ

کہا تیری سلامتی رہے ☆

الوداعی سلام:

یہ رخصت یا متارکہ کا سلام ہے۔ جیسے ہمارے محاورات میں ایسے موقع پر کہہ دیتے ہیں کہ "فلاں بات یوں ہے تو ہمارا سلام لو" دوسری جگہ فرمایا "وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ" (القصص رکوع ۶)

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "معلوم ہوا اگر دین کی بات سے ماں باپ ناخوش ہوں اور گھر سے نکالنے لگیں اور بیٹا ماں باپ کو میٹھی بات کہہ کر نکل جائے، وہ بیٹا عاق نہیں"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابراہیم کی طرف سے یہ سلام رخصت تھا اہل حلم کم ظرف جاہلوں کی بدسلوکی کے بدلہ میں بھلائی کا برتاؤ کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا ہے، وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ سلام علیک کہنے کا یہ مطلب ہے کہ میری طرف سے آپ کو دکھ نہیں پہنچے گا، آپ کچھ بھی میرے ساتھ کریں میں تو آپ کیلئے اپنے رب سے معافی کی درخواست کروں گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

قطع تعلق کا شریفانہ انداز:

کسی سے قطع تعلق کرنے کا شریفانہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول وصالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا ہے: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان سے دوبدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

غیر مسلموں کو سلام کرنا

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں ہو۔ اس میں فقہی اشکال یہ ہے کہ کسی کافر کو ابتداء سلام کرنا حدیث میں ممنوع ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتبدء والیھود والنصاریٰ بالسلام (یعنی یہود و نصاریٰ کو ابتداء سلام نہ کرو) مگر اس کے بالمقابل بعض روایاتِ حدیث میں ایک ایسے مجمع کو ابتدائی سلام کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس میں کفار و مشرکین اور مسلمان سب جمع تھے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت اسامہؓ کی روایت سے ثابت ہے۔

اسی لئے فقہاء امت کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے بعض سے عدم جواز جس کی تفصیل قرطبی نے احکام القرآن میں اسی آیت کے تحت میں بیان کی ہے۔ اور امام نخعی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آ جائے تو اس کو ابتدائی سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتداء کرنے سے بچنا چاہئے۔ اس میں مذکورہ دونوں حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے واللہ اعلم (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾

میں گناہ بخشواؤنگا تیرا اپنے رب سے، بیشک وہ ہے مجھ پر مہربان ☆

والد کے لئے استغفار کا وعدہ:

امید ہے اپنی مہربانی سے میرے باپ کے گناہ معاف فرمادیگا۔

حضرت ابراہیم نے استغفار کا وعدہ ابتداء کیا تھا۔ چنانچہ استغفار کرتے

رہے جب اللہ کی مرضی نہ دیکھی تب موقوف کیا۔ یہ بحث سورہ توبہ (براۃ) میں ''مَاكَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ'' الخ کے تحت میں گذر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو باپ سے کہا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ یہ اس وقت کہا تھا جب مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی ممانعت آپ کو معلوم نہ تھی، جب ممانعت کا حکم ہو گیا تو پھر آپ نے باپ سے اظہار براءت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا تھا خدا کی قسم میں ضرور آپ کے لیے دعاء مغفرت کرتا رہوں گا، جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے، آخر آیت مَاكَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ الخ نازل ہو گئی، اس آیت کی تشریح سورت براءت میں گذر چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہر نبی کی (خاص) دعا قبول کی جاتی ہے اگر حضرت ابراہیم باپ کے لیے توفیق ایمان کی درخواست کرتے تو اللہ ضرور اس کو توفیق ایمان فرما دیتا، لیکن آزر کے لیے ایمان مقدر ہی نہ تھا، اس لیے حضرت ابراہیم نے اس کو ایمان نصیب ہونے کی دعا ہی نہیں کی۔

كَانَ بِیْ حَفِیًّا کا یہ مطلب ہے کہ وہ مجھ پر بڑی مہربانیاں اور کرم کرنے والا ہے کلبی نے کہا وہ عالم ہے میری دعا کو جانتا اور قبول فرماتا ہے، مجاہد نے کہا اس نے مجھے قبول دعا کا عادی بنا دیا ہے۔ (وہ میری بد دعا بھی قبول فرما لیتا ہے) (تفسیر مظہریؒ)

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ

اور چھوڑتا ہوں تم کو اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اور

اَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾

میں بندگی کروں گا اپنے رب کی، امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کر محروم ☆

ہجرت ابراہیمی:

جب کوئی اثر تم پر نہیں، بلکہ الٹا مجھے دھمکیاں دیتے ہو، تو اب میں خود تمہاری بستی میں رہنا نہیں چاہتا۔ تم کو اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر وطن سے ہجرت کرتا ہوں تا کہ یکسو ہو کر اطمینان سے خدائے واحد کی عبادت کر سکوں، حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے کامل امید ہے کہ اس کی بندگی کر کے میں محروم و ناکام نہیں رہوں گا۔ غربت و بے کسی میں جب اس کو پکاروں گا، ادھر سے ضرور اجابت ہوگی۔ میرا خدا پتھر کی مورتی نہیں کہ کتنا ہی چیخو چلاؤ سن ہی نہ سکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پھر جب جدا ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا

وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾

اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب اور دونوں کو نبی کیا ☆

غریب الوطنی کی وحشت کا ازالہ:

یعنی اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور اپنوں سے دور پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر اپنے دیے تا کہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور انس و سکون حاصل کریں۔ شاید یہاں حضرت اسمٰعیل کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ ان کے پاس نہیں رہے۔ بچپن ہی میں جدا کر دیے گئے تھے۔ نیز ان کا مستقل تذکرہ آگے آنیوالا ہے۔

(تنبیہ) حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم کے بیٹے اور حضرت یعقوب حضرت اسحٰق کے بیٹے ہیں۔ ان ہی سے سلسلہ بنی اسرائیل کا چلا۔ جن میں سینکڑوں نبی ہوئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی جب سب کو چھوڑ کر ابراہیم ملک شام کو چلے گئے تو چھوٹے ہوئے کافر قرابت داروں کے عوض ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب عطا فرمائے اور عزت مند اولاد دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو پیغمبر بنایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ صرف حضرت اسحاق و حضرت یعقوب کا ذکر شاید اس لیے خصوصیت کے ساتھ کیا کہ یہ دونوں بزرگ آئندہ پیغمبروں کی اصل تھے۔ (حضرت اسماعیل کی نسل میں تو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی نہیں ہوا) یا یہ وجہ ہے کہ حضرت اسماعیل کا مستقل ذکر علیحدہ کرنا تھا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا

اور دیا ہم نے ان کو اپنی رحمت سے اور کہا

لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾

ان کے واسطے سچا بول اونچا ☆

حضرت ابراہیم کا دائمی تذکرہ:

یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو بڑا حصہ عنایت فرمایا اور دنیا میں بول بالا کیا اور ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر خیر جاری رکھا چنانچہ تمام مذاہب و ملل ان کی تعظیم و توصیف کرتے ہیں اور امت محمدیہ دائماً اپنی نمازوں میں پڑھتی ہے۔ "اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید" فی الحقیقت یہ حضرت ابراہیم کی دعاء ''وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ'' کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام: یعنی قرآن کریم میں جو حال موسیٰ علیہ السلام کا بیان کیا جا رہا ہے لوگوں کے سامنے ذکر کیجئے۔ کیونکہ وہ اسحٰق و یعقوبؑ کی نسل سے اسرائیلی سلسلہ کے اولوالعزم پیغمبر اور مشرع اعظم ہوئے ہیں۔ اور جس طرح حضرت یحییٰ و عیسیٰؑ کے تذکرہ میں خصوصیت کے ساتھ عیسائیوں کی اصلاح اور ابراہیمؑ کے ذکر میں مشرکین مکہ کو متنبہ کرنا مقصود تھا، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تذکرہ سے شاید "یہود" کو بتانا ہو کہ قرآن کس قدر کشادہ دلی سے انکے مقتدائے اعظم کے واقعی کمالات و محاسن کا اعلان کرتا ہے۔ یہود کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی صریح پیشین گوئی کے موافق اسمٰعیلی نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و نبوت کا کھلے دل سے اعتراف کریں شاید اسی لئے حضرت موسیٰ کے بعد روئے سخن حضرت اسمٰعیل کی طرف پھیر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾
بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی ☆

رسول اور نبی:

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے وہ "نبی" ہے۔ انبیاء میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی، کذبین کے مقابلہ پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں وہ "رسول نبی" یا "نبی رسول" کہلاتے ہیں۔ شرعیات میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ رسول کے ساتھ مخصوص نہیں عام انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ باقی غیر انبیاء پر رسول یا مرسل کا اطلاق جیسا کہ قرآن کے بعض مواضع میں پایا جاتا ہے وہ اس معنی مصطلح کے اعتبار سے نہیں۔ وہاں دوسری حیثیات معتبر ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ
اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور پہاڑ کی
وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾
اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو ☆

کوہ طور پر نداء ربانی:

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی چمک محسوس کر کے "طور" پہاڑ کی اس مبارک و میمون جانب میں پہنچ گئے جو انکے داہنے ہاتھ مغرب کی طرف واقع تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا اور ہم کلامی کا شرف بخشا۔ تفصیل سورہ "طٰہٰ" میں آئے گی۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہر جہت اور ہر بُن مُو سے ندا کا کلام سن رہے تھے جو بدون توسط فرشتے کے ہو رہا تھا۔ اور روحانی طور پر اس قدر قرب و قلوب حاصل تھا کہ غیبی قلموں کی آواز سنتے تھے جن سے تورات نقل کی جا رہی تھی۔ وحی کو "بھید" اس لئے فرمایا کہ اس وقت کوئی بشر استماع میں شریک نہ تھا۔ گو بعد میں اوروں کو بھی خبر کر دی گئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عطاءِ قُرب:

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا اور راز کی باتیں کرنے کے لیے ان کو مقرب بنایا۔ اللہ نے موسیٰ کو اپنا بے کیف قرب عنایت کیا جو وجدانی ہے بیانی نہیں۔ نجیا سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس کو اپنا کلام سنایا اور اس نے اللہ سے کلام کیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

امت میں جو حضرات کاملین انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر ہوں ان کو بھی اس مقام کا ایک درجہ ملتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر گناہوں اور برائیوں سے بچا دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

کوہِ طور:

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ، یہ مشہور پہاڑ ملک شام میں مصر اور مدین کے درمیان واقع ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے حق تعالیٰ نے اس کو بھی بہت سی چیزوں میں ایک خصوصیت و امتیاز دیا ہے۔

الْاَيْمَنِ، طور کی یہ داہنی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا
اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہربانی سے بھائی اس کا ہارون نبی ☆

یعنی ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے کام میں مددگار ہوئے جیسا کہ انہوں نے خود درخواست کی تھی۔ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْ (القصص رکوع ۴) اور وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي الخ (طٰہٰ رکوع ۲) حق تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی اور ہارون کو نبی بنا کر ان کی اعانت و تقویت کے لئے دے دیا۔ ویسے عمر میں حضرت ہارون بڑے تھے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی نے اپنے بھائی کے لئے اس سے بڑی شفاعت نہیں کی جو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کے لئے کی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ
اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا وہ تھا
صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾
وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی ☆

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام:

اس سے حضرت اسمٰعیل کی فضیلت حضرت اسحٰق پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کو

صرف نبی فرمایا اور اسمٰعیل کو رسول نبی کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ "اِنَّ اللّٰہ اصْطَفٰی مِنْ ولدِ ابراھیم اسماعیل" (ابراہیم کی اولاد میں سے اللہ نے اسمٰعیل کو چن لیا، حضرت اسمٰعیل عرب حجاز کے مورث اعلیٰ اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں جو ابراہیمی شریعت دے کر "بنی جرہم" کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ خدا سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا پورا کر کے دکھلایا۔ ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تک تو آئے میں اسی جگہ رہوں گا۔ کہتے ہیں وہ ایک برس نہ آیا، یہ وہیں رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ "قبل از بعثت آپ سے عبداللہ بن ابی الحمراء نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔ آپ تین دن تک اسی جگہ رہے۔ جب وہ واپس آیا تو فرمایا کہ تو نے ہم کو تکلیف دی میں حسب وعدہ تین دن سے یہیں ہوں"۔ حضرت اسمٰعیل کے وعدہ کی انتہائی سچائی اس وقت ظاہر ہوتی جب اپنے باپ ابراہیم سے کہا تھا۔ "يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ" (صافات۔ رکوع۳) اور اسی طرح کر کے دکھایا۔ (تفسیر عثمانی)

ایفائے عہد:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ، ایفاء وعدہ ایک ایسا خلق حسن ہے کہ ہر شریف آدمی اس کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو ایک رذیل حرکت قرار دیا جاتا ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت بتلایا ہے، اسی لئے اللہ کا کوئی نبی و رسول ایسا نہیں جو صادق الوعد نہ ہو۔

حضرت اسماعیل کی سچائی:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صدق وعد میں امتیاز اس بناء پر ہے کہ انہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندے سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا، انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اس پر صبر کریں گے اس میں پورے اترے۔ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال اس کا انتظار کرتے رہے (مظہری) اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن ابی الخمساء ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے۔ (قرطبی)۔

ایفائے وعدہ کی اہمیت اور اس کا درجہ:

ایفائے وعدہ انبیاء وصلحاء کا وصفِ خاص اور تمام شریف انسانوں کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العدۃ دین، وعدہ ایک قرض ہے یعنی جس طرح قرض کی ادائیگی انسان پر لازم ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ دوسری ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں وأی المؤمن واجب یعنی وعدہ مومن کا واجب ہے۔

حضرات فقہاء نے باتفاق یہ فرمایا ہے کہ وعدہ کا قرض ہونا اور ایفاء وعدہ کا واجب ہونا اس معنی میں ہے کہ بلا عذر شرعی اس کو پورا نہ کرنا گناہ ہے لیکن وہ ایسا قرض نہیں جس کی چارہ جوئی عدالت سے کی جاسکے اور زبردستی وصول کیا جاسکے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ دیانۃً واجب ہے قضاءً واجب نہیں۔ (قرطبی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابوبکرؓ کا اعلان:

حضرت صدیق اکبرؓ نے تختِ خلافت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قدم رکھتے ہی اعلان کر دیا کہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدہ کیا ہو میں اس کے پورا کرنے کیلئے تیار ہوں اور حضور علیہ السلام پر جس کا قرض ہو، میں اس کی ادائیگی کے لئے موجود ہوں، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے تین لپیں بھر کر دوں گا۔ حضرت جابرؓ کو بلوا کر فرمایا لو لپ بھر لو۔ آپ کی لپ میں پانچ سو درہم آئے۔ حکم دیا کہ تین لپوں کے پندرہ سو درہم لے لو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪
اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوۃ کا☆

گھر والوں اور قوم والوں کو تبلیغ:

کیونکہ گھر والے قریب ہونے کی وجہ سے ہدایت کے اول مستحق ہیں۔ ان سے آگے کو سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ فرمایا "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" (طٰہٰ۔ رکوع۸) اور "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" (تحریم۔ رکوع۱) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ارشاد ہوا "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (شعراء۔ رکوع۱۱) بعض کہتے ہیں کہ یہاں "اہل" سے ان کی ساری قوم مراد ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں "اہلہ" کی جگہ "قومہ" تھا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے سب عمال حکومت کو یہ ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا:

ان اھم امرکم دنی الصلوٰۃ. فمن ضیعھا فھولما سواھا اضیع (موطا مالک)

ترجمہ: میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے تو جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دوسرے تمام احکام دین کو بھی اور زیادہ ضائع کرے گا۔

بے احتیاطی نماز:

حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے آداب اور تعدیلِ ارکان

میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے دریافت کیا کہ تم کب سے یہ نماز پڑھتے ہو، اس نے کہا کہ چالیس سال سے، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ تم نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی، اور اگر تم اسی طرح کی نمازیں پڑھتے ہوئے مرگئے تو یاد رکھو کہ فطرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مروگے۔

اقامتِ نماز:

ترمذی میں حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز میں اقامت نہ کرے، مراد یہ ہے کہ جو رکوع اور سجدہ میں اور رکوع سے کھڑے ہو کر یا دو سجدوں کے درمیان سیدھا کھڑا ہونا یا سیدھا بیٹھنے کا اہتمام نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے وضوء اور طہارت میں کوتاہی کی یا نماز کے رکوع سجدے میں یا ان دونوں کے درمیان سیدھا کھڑے ہونے بیٹھنے میں جلد بازی کی اس نے نماز کو ضائع کردیا۔

حضرت حسنؒ نے اضاعتِ صلاوۃ اور اتباعِ شہوات کے بارے میں فرمایا کہ مسجدوں کو معطل کردیا اور صنعت وتجارت اور لذات وخواہشات میں مبتلا ہوگئے۔

امام قرطبی ان روایات کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ آج اہلِ علم اور معروف بالصلاح لوگوں میں ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جو نماز کے آداب سے غافل، محض نقل وحرکت کرتے ہیں۔ یہ چھٹی ہجری کا حال تھا جس میں ایسے لوگ خال خال پائے جاتے تھے آج یہ صورتِ حال نمازیوں میں عام ہوگئی، الا ماشاء اللہ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و اعمالنا. (معارف مفتی اعظمؒ)

نمازِ تہجد کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس مرد پر خدا تعالیٰ کا رحم ہو جو رات تہجد پڑھنے کے لئے اپنے بستر سے اٹھتا ہے پھر اپنی بیوی کو اٹھاتا ہے، اور اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی چھڑک کر اسے نیند سے بیدار کرتا ہے۔ اس عورت پر بھی خدا کی رحمت ہو جو رات کو تہجد پڑھنے کیلئے اٹھتی ہے پھر اپنے میاں کو جگاتی ہے اور وہ نہ جاگے تو اسکے منہ پر پانی کا چھینٹا ڈالتی ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ) آپ کا فرمان ہے کہ جب انسان رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے اور دونوں دو رکعت بھی نماز کی ادا کرلیں، تو خدا تعالیٰ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مردوں عورتوں میں دونوں کے نام لکھ لئے جاتے ہیں (ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ)۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور تھا اپنے رب کے یہاں پسندیدہ☆

یعنی دوسروں کو ہدایت کرنا اور خود اپنے اقوال وافعال میں پسندیدہ مستقیم الحال اور مرضی الخصال تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا وہ تھا سچا نبی☆

حضرت ادریس علیہ السلام:

راجح یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم اور نوح کے درمیانی زمانہ میں گذرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں نجوم وحساب کا علم، قلم سے لکھنا، کپڑا سینا، ناپ تول کے آلات اور اسلحہ کا بنانا اول ان سے چلا۔ واللہ اعلم، شب معراج میں نبی کریم کی چوتھے آسمان پر ان سے ملاقات ہوئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ادریسؑ کے علوم وفنون:

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ درزی تھے۔ سوئی کے کے ایک ایک ٹانکے پر سبحان اللہ کہتے۔ شام کو ان سے زیادہ نیک عمل آسمان پر کسی کے نہ چڑھتے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ادریس حضرت نوحؑ کے پردادا اور حضرت شیثؑ کے نواسے تھے، آپ کا نام اخنوخ تھا درس کتب کی وجہ سے آپکو ادریس کہا جاتا تھا (بہت پڑھنے والے) بیضاوی نے لکھا ہے ادریس غیر منصرف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ یہ عربی نام نہیں) اللہ نے حضرت ادریس پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ادریس قلم سے لکھنے اور کپڑا سینے اور سیا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں آپ سے پہلے لوگ کھالوں کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ علم نجوم وحساب کے بھی آپ ہی موجد تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم) اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ورسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے (کمافی حدیث ابی ذر زمخشری) اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور حساب بطور معجزہ عطا کیا گیا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا ان سے پہلے لوگ عموماً جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے اور سب سے پہلے ناپ تول کے طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی۔ آپ نے اسلحہ تیار کرکے بنو قابیل سے جہاد کیا (بحر محیط، قرطبی، مظہری، روح) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور اٹھالیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر☆

حضرت ادریسؑ کا مقام ومرتبہ:

یعنی قرب وعرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا بعض کہتے ہیں کہ

حضرت مسیح کی طرح وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ آسمان پر لے جا کر روح قبض کی گئی۔ ان کے متعلق بہت سی اسرائیلیات مفسرین نے نقل کی ہیں۔ ابن کثیر نے ان پر تنقید کی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ادریس کی ملک الموت سے ملاقات کا عجیب قصہ:

وہب نے بیان کیا آسمان پر روزانہ ادریس کی اتنی عبادت پہنچتی تھی جتنی ساری زمین کے باشندوں کی فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور ملک الموت کو ادریس سے ملنے کا شوق ہوا اور اللہ سے اجازت لے کر وہ ادریس کی ملاقات کو آدمی کی شکل میں آیا ادریس ہمیشہ روزے رکھتے تھے جب افطار کا وقت آیا تو ملک الموت کو بھی انہوں نے کھانے پر بلایا ملک الموت نے کھانے سے انکار کر دیا تین روز ایسا ہی ہوتا رہا اب ادریس کو ملک الموت کا انکار نا گوار ہوا اور تیسری شب کو ملک الموت سے پوچھا میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں، ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں اپنے رب سے آپ کے ساتھ رہنے کی اجازت لے کر آیا ہوں، ادریس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے، ملک الموت نے کہا کیا کام ہے، ادریس نے کہا آپ میری روح قبض کر لو۔ فرشتے نے روح قبض کر لی پھر تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے روح واپس کر دی، ملک الموت نے پوچھا آپ نے جو روح قبض کرنے کی درخواست کی تھی اس کی غرض کیا تھی، ادریس نے کہا میں موت کی تکلیف اور گہرائی کا مزہ چکھنا چاہتا تھا (بالکل مرجانا میرا مقصد نہیں تھا) (تاکہ موت کے لیے میری قابلیت زیادہ قوی ہو جائے (یعنی آئندہ جب مجھ پر موت آئے تو میرے اندر اس کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت کامل ہو اور کیفیت موت سے میں آشنا ہو چکا ہوں) اس کے بعد حضرت ادریس نے ملک الموت سے کہا میرا آپ سے ایک کام اور ہے ملک الموت نے پوچھا وہ کیا ہے، ادریس نے کہا آپ مجھے آسمان پر لے جائیں تاکہ میں وہاں کے احوال دیکھ لوں اور جنت و دوزخ کی طرف بھی لے جائیں اللہ نے ملک الموت کو ادریس کی درخواست پوری کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ ملک الموت ادریس کو لے گئے دوزخ پر پہنچے تو ادریس نے ملک الموت سے کہا، آپ مالک (مہتمم دوزخ) سے کہہ کر دوزخ کے دروازے کھلوا دیجئے کہ میں (اندر جا کر اور، اتر کر دیکھ لوں، ملک الموت نے ایسا ہی کر دیا، ادریس نے کہا دوزخ تو آپ نے دکھا دی اب جنت بھی دکھا دیجئے، ملک الموت جنت کی طرف لے گئے اور جنت کے دروازے کھلوا کر اندر لے گئے اندر پہنچ گئے تو فرشتے نے کہا اب یہاں سے باہر نکلو اور اپنی اصلی قرارگاہ پر واپس جاؤ ادریس ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر چمٹ گئے اور بولے اب میں یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا (دونوں میں گفتگو کا ردوبدل ہونے لگا) اللہ نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کو بھیجا، فرشتے نے آ کر ادریس سے پوچھا، آپ باہر کیوں نہیں جاتے، ادریس نے جواب دیا وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے، میں موت کا مزہ چکھ چکا، اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص دوزخ میں ضرور اترے گا تو میں دوزخ میں اتر چکا اور اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ جنت سے باہر کبھی نہیں نکلیں گے، اس لیے میں اب نہیں نکلوں گا، اللہ نے ملک الموت کے پاس وحی بھیجی میری اجازت سے یہ جنت میں داخل ہوا اور میری اجازت (حکم) سے باہر نکلے گا (تم نکالنے کی کوشش مت کرو) یہی وجہ ہے کہ ادریس وہاں زندہ ہیں، وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کی یہی تشریح ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم
یہ وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے
مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ
پیغمبروں میں آدم کی اولاد میں
وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن
اور ان میں جن کو سوار کر لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور
ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ
ابراہیم کی اولاد میں اور اسرائیل کی ☆

انعامات کے مستحق:

یعنی جن انبیاء کا ابتدائے سورۃ سے یہاں تک ذکر ہوا۔ اسی قسم کے لوگوں پر حق تعالیٰ نے اپنے انعامات کی بارش کی ہے۔ یہ سب آدم کی اولاد ہیں اور ادریس کے سوا باقی سب ان کی اولاد بھی ہیں۔ جنہیں نوحؑ کے ساتھ ہم نے کشتی پر سوار کیا تھا۔ اور بعض ابراہیمؑ کی ذریت میں ہیں۔ مثلاً اسحٰق، یعقوب، اسمٰعیل علیہم السلام اور بعض اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ مثلاً موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام (تفسیر عثمانیؒ)

أُولَٰئِكَ۔ یعنی زکریا سے ادریس تک جن انبیاء کا ذکر کیا گیا،

أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم۔ یعنی دنیوی اور دینی نعمتوں سے نوازا

مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ یعنی حضرت آدم کی نسل میں سے جیسے ادریس وغیرہ

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا۔ یعنی منجملہ آدم کی نسل کے ان لوگوں کی اولاد میں سے جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے تھے خصوصاً خود نوح کی نسل ۔ جیسے ابراہیم و اسرائیل جو سام بن نوح کی نسل سے تھے۔

وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ اور نوح سے نیچے ابراہیم کی اولاد یعنی اسمٰعیل واسحاق وغیرہ۔
وَإِسْرَآءِيلَ اور اسرائیل یعنی یعقوب کی نسل سے مثلاً موسیٰ ہارون زکریا، یحیٰ عیسیٰ آیت سے ثابت ہورہا ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے۔
وَاجْتَبَيْنَا یعنی نبوت اعزاز اور ہدایت کرنے کے لیے ہم نے انتخاب کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا
اور ان میں جن کو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا☆

یعنی طریق حق کی طرف ہدایت کی اور منصب نبوت اور رسالت کے لئے پسند کرلیا۔ (تفسیر عثمانی)

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا
جب ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے ہیں☆

انبیاء کی شانِ عبودیت:

یعنی باوجود اس قدر علو مقام اور معراج کمال کے پہنچنے کے شان عبودیت و بندگی میں کامل ہیں، اللہ کا کلام سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہو کر نہایت عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اس کو یاد کر کے روتے ہیں۔ اسی لئے علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ان مقربین کے طرز عمل کو یاد کر کے ایک طرح کی مشابہت ان سے حاصل ہو جائے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھ کر سجدہ کیا اور فرمایا ''هذا السجود فاين البكى'' (یہ تو سجدہ ہوا، آگے بکاء کہاں ہے)۔ بعض مفسرین نے یہاں ''آیات الرحمٰن'' سے خاص آیات سجود اور ''سجدا'' سے سجود تلاوت مراد لیا ہے۔ مگر ظاہر وہی ہے جو تقریر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ، اگر رونا نہ آئے تو (کم از کم) رونے کی صورت بنالو۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا سورہ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا تمہارے نبیؐ کو ان کی اقتدا کا حکم کیا گیا ہے اور حضرت داؤد بھی مقتدا نبیوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے کہ ان پیغمبروں کے سامنے جب کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو اس کے دلائل و براہین کو سن کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان مانتے ہوئے روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے۔ اسی لئے اس آیت پر سجدہ کرنے کا حکم علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے تاکہ ان پیغمبروں کی اقتدا اور اتباع ہو جائے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر فرمایا سجدہ تو کیا لیکن وہ رونا کہاں سے لائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سُجَّدًا، ساجد کی جمع ہے۔ بُكِيًّا باکی کی جمع ہے یعنی اللہ کی رحمت کی طلب میں سجدہ میں گر پڑتے تھے اور عذاب کے ڈر سے روتے تھے مراد یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کو شرافت نسب، کمالات ذاتی، علوم مرتبہ اور قرب خداوندی حاصل تھا پھر بھی خشیۃ اللہ کی وجہ سے سجدہ میں گر جاتے اور روتے تھے۔

قرآن پڑھو اور روؤ:

ابن ماجہ، اسحاق بن راہویہ اور بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن پڑھو اور گریہ کرو، رونا نہ آئے تو روتے بن جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

تلاوت قرآن کے وقت، بکاء یعنی آبدیدہ ہونا سنت انبیاء ہے: اس سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآن کی تلاوت کے وقت بکاء (رونے) کی کیفیت پیدا ہونا محمود اور انبیاء علیہم السلام کا وصف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ و تابعین اور اولیاء اللہ سے بکثرت اس کے واقعات منقول ہیں۔

سجدہ تلاوت کی دُعاء:

قرطبی نے فرمایا کہ علماء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے اس کے سجدے میں اس کے مناسب دعا کی جائے۔ مثلاً سورہ سجدہ میں یہ دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ السَّاجِدِيْنَ لِوَجْهِكَ الْمُسَبِّحِيْنَ بِحَمْدِكَ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ عَنْ اَمْرِكَ اور سُبْحَانَ الَّذِىْ کے سجدہ میں یہ دعا کریں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ الْبَاكِيْنَ اِلَيْكَ الْخَاشِعِيْنَ لَكَ اور آیت مذکورہ خَرُّوْا سُجَّدًا کے سجدہ میں یہ دعا کریں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنْ عِبَادِكَ الْمُنْعَمِ عَلَيْهِمُ الْمَهْدِيِّيْنَ السَّاجِدِيْنَ لَكَ الْبَاكِيْنَ عِنْدَ تِلَاوَةِ اٰيَاتِكَ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا
پھر ان کی جگہ آئے ناخلف کھو بیٹھے
الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا
نماز اور پیچھے پڑ گئے مزوں کے سو آگے دیکھ لیں گے گمراہی کو☆

نالائق خلف:

وہ تو اگلوں کا حال تھا یہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو گئے۔ نماز جو اہم العبادات ہے اسے

ضائع کر دیا۔ بعض تو فرضیت ہی کے منکر ہو گئے۔ بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں۔ بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط و حقوق کی رعایت نہ کی ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے۔ حتی کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا جس کا نام ہی "غی" ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ یعنی ان کے بعد (ان کے جانشین ہوئے) ان کے پیچھے آئے۔ خَلۡفٌ برے جانشین، خَلَف اچھے جانشین۔

نماز کا ضیاع:

اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ یعنی انہوں نے نماز ترک کر دی۔ حضرت ابن مسعود نے ترجمہ کیا، نماز وقت کو ٹال کر پڑھی، سعید بن میتب نے اس کی تشریح میں فرمایا جیسے ظہر کی نماز عصر کا وقت آنے سے پہلے نہ پڑھی جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جب سورج غروب ہونے لگے، حضرت مفسرؒ نے فرمایا، میں کہتا ہوں کہ کسی مکروہ طریقے سے نماز پڑھنی اور نماز کے آداب و سنن کو ترک کرنا بھی نماز کو ضائع کرنا ہی ہے۔ اتباع شہوات کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی طاعت کو چھوڑا اور نفس کی خواہشات کو پورا کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں۔

جہنم کی بہت گہری وادی:

فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی پائیں گے (یعنی غی میں پھینک دیئے جائیں گے) بغوی نے لکھا ہے، وہب بن منبہ کا قول ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک بہت گہری وادی کا نام ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جہنم کے اندر ایک ایسی وادی ہے کہ جہنم بھی اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہے۔ عادی زناکاروں کے لیے، دوامی شراب خوروں کے لیے اور ان سود خوروں کے لیے جو سود خوری سے باز نہیں آتے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے اور جھوٹے گواہوں کے لیے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ابن مردویہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ بغوی نے عطا کا قول نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے اندر ایک وادی ہے، جس کے اندر (بجائے پانی کے) پیپ اور خون بہتا ہے، کعب نے کہا غی جہنم کے اندر ایک بہت ہی گہری اور گرم ترین وادی ہے، جس کے اندر ایک کنواں ہے کنویں کا منہ کھول دیا جاتا ہے جس کی آگ سے دوزخ پھر بھڑ کنے لگتی ہے، بغوی نے بروایت زکریا بن ابو مریم خزاعی بیان کیا کہ حضرت ابوامامہ باہلی نے فرمایا جہنم کے بالائی کنارہ سے گہرائی تک اتنی دوری ہے کہ موٹی دس ماہہ عظیم الجثہ اونٹنیوں کے برابر اگر کوئی پتھر یا چٹان اوپر سے نیچے کو لڑھکائی جائے تو ستر برس کی مسافت طے کر کے نیچے پہنچے یہ سن کر عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے آزاد کردہ غلام نے دریافت کیا حضرت کیا اس کے نیچے بھی کچھ ہے حضرت ابوامامہ نے فرمایا ہاں غی اور اثام ہے۔

جہنم کی تہہ میں دو نہریں:

طبرانی اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دس اوقیہ وزن کا کوئی پتھر جہنم کے (بالائی) کنارہ سے اندر پھینکا جائے تو ستر برس تک اس کی تہ تک نہیں پہنچے گا پھر غی اور اثام تک پہنچ جائے گا (یعنی جہنم کی تہ تک پہنچنے کے بعد جب اور نیچے جائے گا تو غی و اثام پر پہنچے گا)۔ میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا چیز ہے، فرمایا جہنم کے نچلے حصے میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہو رواں ہے۔ اور یہی وہ دو نہریں ہیں جن کا ذکر اللہ نے آیت فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا اور آیت وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ یَلۡقَ اَثَامًا میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

شہوات کا مفہوم:

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ، شہوات سے مراد دنیا کی وہ لذتیں ہیں جو انسان کو اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاندار مکانوں کی تعمیر اور ایسی شاندار سواریوں کی سواری جس پر لوگوں کی نظریں اٹھیں، اور ایسا لباس جس سے عام لوگوں میں امتیاز کی شان نظر آئے شہوات مذکورہ میں داخل ہیں۔ (قرطبی)

فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا لفظ غی عربی زبان میں رشاد کے بالمقابل ہے۔ ہر بھلائی اور خیر کو رشاد اور ہر برائی اور شر کو غی کہا جاتا ہے۔

جہنم کا غار:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ غی جہنم کے ایک غار کا نام ہے جسمیں سارے جہنم سے زیادہ طرح طرح کے عذاب جمع ہیں۔ (معارف القرآن)

اس امت کی دو خوفناک بیماریاں

مسند احمد میں ہے مجھے اپنی امت پر دو چیزوں کا بہت ہی خوف ہے۔ ایک تو یہ کہ لوگ جھوٹ کے اور بناؤ کے اور شہوت کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو چھوڑ بیٹھیں گے، دوسرے یہ کہ منافق لوگ دنیا دکھاوے کو قرآن کے عامل بن کر سچے مومنوں سے لڑیں جھگڑیں گے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ
یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ﴿۶۰﴾
جائیں گے بہشت میں اور ان کا حق ضائع نہ ہوگا کچھ ☆

توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

یعنی توبہ کا دروازہ ایسے مجرموں کے لئے بھی بند نہیں جو گناہگار سچے دل

سے توبہ کر کے ایمان وعمل صالح کا رستہ اختیار کر لے اور اپنا چال چلن درست رکھے بہشت کے دروازے اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ توبہ کے بعد جو نیک اعمال کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائیگی نہ کسی قسم کا حق ضائع ہوگا، حدیث میں ہے "التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ"۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔) اللھم تب علینا انک انت التواب الرحیم۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی اتباع خواہشات اور ترک صلوٰۃ سے جس نے توبہ کر لی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آیا اور حسب تقاضائے ایمان نیک عمل کیے وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ اور ایمان کے بعد سابق کفر کا کوئی مواخذہ اس سے نہیں ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام پچھلے (یعنی ایمان لانے سے پہلے جرائم) کو ڈھا دیتا ہے۔ رواہ مسلم من حدیث عمرو بن العاص۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عذاب کی وعید کافروں کے لیے ہے اور جو کفر کے بعد ایمان لے آئے اس کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، (حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ عذاب کی وعید سے صرف مَنْ اٰمَنَ ہی مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کا مجموعہ مستثنیٰ ہے اس لیے (وعید سابق صرف کافروں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مومن فاسق بھی وعید میں داخل ہیں، حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زانی، شرابی اور دوسرے اہل کبائر کے لیے ہے (یعنی صرف کافروں ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ فاسق مومنوں کے لیے بھی ہے)۔ (تفسیر مظہریؒ)

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں سے

بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

انکے بن دیکھے بیشک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا ☆

ایمان والوں کا انعام:

جب یہ بندے ان دیکھی چیزوں پر پیغمبروں کے فرمانے سے ایمان لائے، بن دیکھے خدا کی عبادت کی، تو اللہ نے ان سے جنت کی ان دیکھی نعمتوں کا وعدہ فرمالیا۔ جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدا کے وعدے بالکل حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ

نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام ☆

جنت کا پرسکون ماحول:

یعنی جنت میں لغو و بیکار باتیں اور بیہودہ شور و شغب نہ ہوگا۔ ہاں فرشتوں اور مومنین کی طرف سے "سلامٌ علیک" کی آوازیں بلند ہونگی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی جنت کے اندر اہل جنت کوئی ابیہودہ لفظ نہیں سنیں گے بلکہ اللہ کی طرف سے اور ملائکہ کی طرف سے اور باہم ایک دوسرے کی طرف سے سلام (کی آواز) سنیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت ایسا کلام ہی سنیں گے جو عیب اور نقص سے پاک ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اور ان کے لئے ہے ان کی روزی وہاں صبح اور شام ☆

جنت کے صبح و شام:

صبح و شام سے جنت کی صبح و شام مراد ہے۔ وہاں دنیا کی طرح طلوع و غروب نہ ہوگا جس سے رات دن اور صبح و شام مقرر کی جائے۔ بلکہ خاص قسم کے انوار کا توارد و تنوع ہوگا۔ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی تحدید و تعیین کیجائے گی۔

جنت کی روزی:

حسب عادت و معمول صبح و شام جنت کی روزی پہنچے گی۔ ایک منٹ کے لئے بھوک کی تکلیف نہیں ستائے گی۔ وہ روزی کیا ہوگی؟ اس کی کیفیت خدا ہی جانے۔ حدیث میں ہے "يُسَبِّحُوْنَ اللهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا" (جنتی صبح و شام حق تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے) گویا جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی ملتی رہے گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حسن بصری نے کہا، عرب کے نزدیک زندگی کا عیش اس سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا کہ صبح و شام کھانے کو غذا (پیٹ بھر کر) مل جائے اللہ نے عرب ہی کے محاورہ کے مطابق اہل جنت کے لیے صبح و شام رزق ملنے کا ذکر کیا (ورنہ حقیقت میں ہر قسم کے عیش کا حصول مقصود ہے) سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جتنی مقدار ان کو دنیا میں ملتی تھی اتنی ہی آخرت میں ملے گی۔ ابن مبارک نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا کہ رات و دن کی مقدار کے مطابق ان کو ملے گا۔ ابن المنذر نے بیان کیا کہ ولید بن مسلم نے کہا میں نے اس آیت کی تشریح زہیر بن محمد سے دریافت کی۔ زہیر نے کہا جنت میں رات نہیں ہوگی، وہاں تو ہمیشہ نور ہی ہوگا۔ پردہ چھوڑنے سے رات کا اندازہ اور پردہ اٹھا دینے سے دن کا اندازہ معلوم ہوگا۔

حکیم ترمذی نے النوادر میں حضرت ابوقلابہ و حضرت حسن کی روایت

سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں رات ہوگی، فرمایا، (وہاں تو) محض نور کی چمک ہوگی، صبح کا شام پر اور شام کا صبح پر توارد ہوگا، اللہ کی طرف سے نمازوں کے ان اوقات میں جن میں وہ نمازیں پڑھا کرتے تھے عجیب تحفے ان کے پاس آئیں گے اور فرشتے (ان اوقات میں) ان کو سلام کریں گے۔ (تفسیر مظہریؒ)

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا
یہ وہ بہشت ہے جو میراث دینگے ہم اپنے بندوں میں
مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾
جو کوئی ہوگا پرہیزگار☆

جنت متقیوں کی میراث ہے:

یعنی میراث آدم کی کہ اول ان کو بہشت ملی ہے۔ اور شاید لفظ میراث اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ اقسام تملیک میں یہ سب سے زیادہ اتم واحکم قسم ہے جس میں نہ فسخ کا احتمال نہ لوٹائے جانے کا نہ ابطال واقالہ کا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی:

چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائیگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے روشن اور نورانی ہوں گے نہ وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ ناک آئیگی نہ پیشاب پاخانہ۔ ان کے برتن اور فرنیچر سونے کے ہوں گے ان کا بخور خوشبودار اگر ہوگا ان کے پسینے مشک بو ہوں گے۔ ہر ایک جنتی مرد کی دو بیویاں تو ایسی ہوں گی کہ ان کے پنڈے کی صفائی سے انکی پنڈلیوں کی نلی کا گودا تک باہر سے نظر آئے۔ ان سب جنتوں میں نہ تو کسی کو کسی سے عداوت ہوگی نہ بغض سب ایک دل ہوں گے۔ کوئی اختلاف باہم دگر نہ ہوگا۔ صبح شام خدا تعالیٰ کی تسبیح میں گزرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شہید لوگ اس وقت جنت کی ایک نہر کے کنارے جنت کے دروازے کے پاس سرخ رنگ قبوں میں ہیں۔ صبح شام روزی پہنچائے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وراثت کے لفظ کی حکمت:

وراثت کا لفظ (بجائے تملیک کے) اس لیے اختیار کیا کہ ملکیت و استحقاق کا سب سے قوی ذریعہ وراثت ہی ہے نہ مورث اس کو فسخ کر سکتا ہے نہ وارث سے واپس لینے کا امکان ہے نہ اس کو رد کیا جا سکتا ہے نہ اس کا اسقاط ممکن ہے۔ بعض علماء نے کہا مومنوں کو جنت کے اندر بعض ایسے مکان بھی ملیں گے جو واقع میں ان دوزخیوں کے لیے تھے کہ اگر وہ کفر نہ کرتے تو ان مکانوں کے مالک وقابض ہوتے لیکن ان کے دوزخ میں جانے کے بعد اللہ ان کے مساکن پر مومنوں کو قابض بنا دے گا، ابن ماجہ اور بیہقی نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک کے لیے دو گھر ہوں گے ایک جنت کے اندر ایک دوزخ کے اندر جب کوئی مرنے کے بعد دوزخ میں چلا جائے گا تو اس کے جنت والے گھر کے وارث اہل جنت ہو جائیں گے یہ ہی اللہ کے قول (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ) کا مفہوم ہے۔

وراثت سے محروم کرنا:

حضرت انسؓ کی روایت سے ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگے گا، اللہ جنت کے اندر اس کی (موجود) میراث کو کاٹ دے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا
اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے جو
بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ
ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اسکے بیچ میں ہے
ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ ۚ
اور تیرا رب نہیں ہے بھولنے والا

ایک مرتبہ جبرئیل کئی روز تک نہ آئے۔ آپ منقبض تھے۔ کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے آپ اور زیادہ دلگیر ہوئے۔ آخر جبرئیل تشریف لائے۔ آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا"۔ (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟) اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو سکھلایا کہ جواب میں یوں کہو، "وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الخ"۔ یہ کلام ہوا اللہ کا جبرئیل کی طرف سے۔ جیسا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہم کو سکھلایا ہے۔

فرشتے اللہ کے تابع فرمان ہیں:

حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں۔ بدون حکم الٰہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم واذن کے تابع ہے۔ وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیونکہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان) کا علم اسی کو

ہے اور وہ ہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔ مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلائے خدا کا ہر کام برمحل اور بر وقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔

(تنبیہ اول) "ہمارے آگے پیچھے" کہا آسمان و زمین کو۔ اترتے ہوئے زمین آگے، آسمان پیچھے، چڑھتے ہوئے وہ پیچھے یہ آگے۔ اور اگر "آگے پیچھے" سے تقدم و تاخر زمانی مراد ہو تو زمانہ مستقبل آگے آنیوالا اور زمانہ ماضی پیچھے گذر چکا ہے اور زمانہ حال دونوں کے بیچ میں واقع ہے۔

جنت کی میراث حاصل کرنے کا راستہ:

(تنبیہ دوم) پہلے فرمایا تھا کہ جنت کے وارث اتقیاء (خدا سے ڈرنے والے پرہیزگار) ہیں۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ ڈرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہیں۔ اور جس کے حکم و اجازت کے بدون بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں ہلا سکتا۔ انسان کو چاہئے اگر وہ جنت کی میراث لینا چاہتا ہے کہ فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا مطیع و منقاد بن جائے۔ اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جو خدا اپنے مخلص بندوں کو یہاں نہیں بھولتا، وہاں بھی نہیں بھولے گا۔ ضرور جنت میں پہنچا کر چھوڑیگا۔ ہاں ہر چیز کا ایک وقت ہے جنت میں ہر ایک کا نزول بھی اپنے اپنے وقت پر ہوگا۔ اور جیسے یہاں پیغمبر کے پاس فرشتے حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں۔ جنت میں جنتیوں کی غذاء روحانی و جسمانی بھی صبح و شام اوقات مقررہ پر آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد ہے وقت حاضر سے آئندہ قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک ہونے والے واقعات امور اشیاء، حوادث، دنیوی ہوں یا اخروی اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد ہیں ماضی کے احوال، واقعات، حوادث اور امور اشیاء۔ اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے وقت حاضر اور اس وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے وقت حاضر اور اس میں موجود تمام اشیاء و احوال بعض علماء کے نزدیک وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے زمین جب ہم اس پر اترنا چاہیں اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد ہے آسمان جب ہم اس سے اترنے کا ارادہ کریں اور اترنے لگیں اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے درمیانی خلاء اور فضاء۔

آپ کا رب بھولنے والا نہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا رب آپ کو بالکل چھوڑ دے، اور آپ کے پاس وحی نہ بھیجے اور ہم بالکل آپ کے پاس نہ آئیں ایسا نہیں ہے بلکہ تاخیر وحی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ جس سے وہی واقف ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس کی روایت سے بخاری نے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا، ہماری ملاقات سے روکنے والی آپ کے لئے کیا چیز ہے (یعنی کیا وجہ کہ آپ ہمارے پاس نہیں آئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اصل کلام اس طرح تھا، جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ ہم بغیر رب کے حکم کے نہیں اترا کرتے۔

شانِ نزول کے متعلق دوسری روایات:

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار جبرئیل کے آنے میں چالیس روز کا وقفہ ہو گیا۔

ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا مکان اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور کون سی جگہ ہے جس سے اللہ کو سب سے زیادہ نفرت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے نہیں معلوم، میں جبرئیل سے دریافت کروں گا، اس کے بعد جبرئیل کو آنے میں (ایک لمبی مدت تک) تاخیر ہو گئی، پھر جب جبرئیل آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا آپ نے آنے میں بڑی مدت لگا دی مجھے تو یہ خیال ہونے لگا کہ شاید میرا رب مجھ سے کچھ ناراض ہو گیا، اس کے جواب میں حضرت جبرئیل نے کہا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔

بغوی نے ضحاک، عکرمہ، مقاتل اور کلبی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب قوم والوں نے رسول اللہ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں کل کو بتادوں گا آپ نے اس وعدے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبرئیل مدت تک نہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (جبرئیل کے نہ آنے اور جواب معلوم نہ ہونے سے) تکلیف ہونے لگی پھر کچھ دنوں کے بعد جب جبرئیل آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، آپ نے بہت دیر کر دی، میرا تو خیال خراب ہونے لگا تھا، میں آپ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا، جبرئیل نے کہا میں بھی آپ سے ملنے کا مشتاق تھا لیکن میں حکم کا بندہ ہوں مجھے جب بھیجا جاتا ہے آجاتا ہوں، روک دیا جاتا ہے رک جاتا ہوں اس پر یہ آیت اور آیات وَالضُّحٰى ۔ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى نازل ہوئیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

رب آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے،

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ

سو اسی کی بندگی کر اور قائم رہ اس کی بندگی پر☆

فقط اللہ پر بھروسہ رکھیں:

یعنی کسی کے کہنے سننے کی پرواہ مت کر۔ اپنے دل کو خدا کی بندگی پر جمائے رکھ جو سارے جہان کا رب ہے اور سب سے نرالی صفات رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، یہ عدم نسیان کی علت ہے۔ فَاعْبُدْهُ اور وَاصْطَبِرْ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کی رحمت و فضل آپ پر کامل طور پر ہے اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ آپ کو بھول جائے لہٰذا بطور شکرِ نعمت آپ اس کی عبادت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور عبادت کی پابندی کریں۔ تاخیرِ وحی اور استہزاءِ کفار سے پریشان خاطر نہ ہوں۔ (تفسیر مظہریؒ)

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

کسی کو پہچانتا ہے تو اُسکے نام کا ☆

اللہ کے برابر کا کوئی نہیں:

اللہ کے نام اس کی صفات ہیں۔ یعنی کوئی ہے اس کی صفت کا؟ جس میں اس جیسی صفات موجود ہوں؟ جب کوئی نہیں تو بندگی کے لائق اور کون ہو سکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے سَمِيًّا کا ترجمہ کیا ایسا مثل جو عبادت کیے جانے اور الٰہ کہلانے کا مستحق ہو۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مرجاؤں تو پھر نکلوں گا زندہ ہو کر ☆

منکرین بعث کے شبہات:

گذشتہ رکوع میں نیکوں اور بدوں کا انجام بیان فرمایا تھا جو مرنے کے بعد ہوگا۔ جو لوگ مر کر زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں یہاں ان کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے۔ یعنی آدمی انکار و تعجب کی راہ سے کہتا ہے کہ مر گل کر جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور مٹی میں مل کر مٹی بن گئے۔ کیا اس کے بعد پھر ہم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے۔ اور پردہ عدم سے نکل کر پھر منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابی بن خلف جمحی:

اَلْاِنْسَانُ ، یعنی جنس انسان (الف لام جنس) یا بعض معین انسان (الف لام عہدی) بغوی نے لکھا ہے اَلْاِنْسَانُ سے مراد ابی بن خلف جمحی ہے، یہ قیامتِ جسمانی کا منکر تھا۔ روایت میں آیا کہ اس نے ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر اس کا چورا کر دیا اور کہنے لگا محمد کا خیال ہے کہ ہم مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اس کے قول کو اللہ نے اس آیت میں نقل کیا ہے۔ اُخْرَجُ میں نکالا جاؤں گا، زمین سے یا حالتِ موت سے۔ حَيًّا زندہ ہو کر، چونکہ وہ شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا منکر تھا، اس لیے صرف انکار سب سے اول ذکر کیا۔ لَسَوْفَ میں لام صرف تاکید کے لیے ہے زمانہ حال کا مفہوم مراد نہیں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے

وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾

اور وہ کچھ چیز نہ تھا ☆

اپنی پیدائش یاد کرو:

یعنی آدمی ہو کر اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتا کہ چند روز پہلے وہ کوئی چیز نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے نابود سے بود کیا۔ کیا وہ ذات جو لا شیئ کو شیئ اور معدوم محض کو موجود کر دے، اس پر قادر نہیں کہ ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر سکے۔ آدمی کو اپنی پہلی ہستی کی کیفیت یاد نہیں رہی جو دوسری ہستی کا مذاق اڑاتا ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم۔ رکوع۳) (تفسیر عثمانی)

کیا یہ شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس سے قبل اس کو عدم سے وجود میں لا چکے ہیں اور اس وقت تو یہ کچھ بھی نہ تھا، یعنی جو شیئ بالکل معدوم ہو کبھی اس کا نام و نشان بھی نہ ہوا ہو اس کو موجود کر دینا زیادہ دشوار اور تعجب انگیز ہے مختلف مواد اور احوال و اعراض کا مجموعہ اگر موجود ہو کر فنا ہو گیا تو اس کو دوبارہ جمع کر کے موجود کر دینا اور جوڑ کر یکجا کر دینا اتنا دشوار نہیں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلائینگے انکو اور شیطانوں کو ☆

بہر حال سب کو اٹھایا جائے گا:

یعنی یہ منکرین ان شیاطین کی معیت میں قیامت کے دن خدا کے سامنے حاضر کئے جائیں گے جو اغواء کر کے انہیں گمراہ کرتے تھے، ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالشَّيٰطِيْنَ ، یہ مفعول معہ ہے یا ہم ضمیر پر معطوف ہے۔

کافر کو شیطان کے ساتھ باندھا جائے گا:

بغوی نے لکھا ہے ہر کافر کو ایک شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھا جائے گا اور ساتھ ساتھ میدان حشر میں لایا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جِثِيًّا یعنی گروہ گروہ۔ یہ جثوۃ کی جمع ہے۔ حسن اور ضحاک نے کہا، جِثِيًّا جاثٍ کی جمع ہے، زانو کے بل بیٹھے ہوئے، سدی نے ترجمہ کیا تنگی مقام کی وجہ سے زانو کے بل کھڑے ہوئے۔

میں کہتا ہوں خوش نصیب ہوں یا بدنصیب مومن یا کافر سب کو جہنم کے گرداگرد اللہ جمع کرے گا، نیکوں کو یہ بات دکھا کر خوش کرنے کے لیے کہ اللہ نے ان کو جہنم سے بچالیا اور بدوں کو زیادہ افسوس وحسرت دلانے کے لیے کہ نیک لوگ جہنم سے لوٹ کر جنت کی طرف چلے گئے اور ان کو جہنم کے لیے چھوڑ گئے۔

عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن نابتہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منظر گویا میرے سامنے ہے کہ الکر میں جہنم سے ورے تم لوگ زانو کے بل بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ بیان کرنے کے بعد راوی حدیث (یعنی سفیان نے) آیت وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً الخ پڑھی۔ شیخ ابن حجر نے کہا الکرم سے مراد ہے اونچا مقام جہاں امتِ محمدیہ ہوگی۔ لفظ ثُمَّ دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ حشر سے ایک مدت کے بعد لوگ جہنم کے گرداگرد جمع ہوں گے کیونکہ فیصلے سے پہلے ایک طویل مدت تک ان کو موقف حساب میں رکنا پڑے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

پھر سامنے لائیں گے گرد دوزخ کے گھٹنوں پر گرے ہوئے ☆

دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل گرنا:

یعنی مارے وحشت کے کھڑے سے گر پڑیں گے اور چین سے بیٹھ بھی نہ سکیں گے۔ یہی ہوا گھٹنوں پر گرنا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ قطعی فیصلہ کر چکا ہے کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے ضرور بالضرور گزرنا ہے۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔ اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جاگریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمال صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ پھر آخر میں براہ راست ارحم الراحمین اپنے دستِ رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا۔ اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت میں ورود سے دخول کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مومن اور کافر سب اس میں داخل ہوں گے۔ اور جابرؓ نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں کی طرف دراز کیں اور کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نیک وبد باقی نہ رہے گا مگر ضرور جہنم میں داخل ہوگا۔ مگر وہ آگ مومن کے حق میں برد وسلام ہو جائے گی۔

جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہوگئی تھی۔ (اخرجہ احمد والحکیم الترمذی والحاکم وصححہ)۔ (معارف کاندھلویؒ)

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ اَيُّهُمْ

پھر جدا کرلیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے جونسا ان میں سے

اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ

سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ پھر ہم کو

اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

خوب معلوم ہے جو بہت قابل ہیں اس میں داخل ہونے کے ☆

بڑے مجرموں کی خصوصی سزا:

یعنی منکرین کے ہر فرقہ میں جو زیادہ بدمعاش، سرکش اور اکڑباز تھے، انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کرلیا جائے گا۔ پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اللہ کا علم سب سے زیادہ ہے:

یہ بھی ممکن ہے کہ اعمالنامے لکھنے والے فرشتے دوزخیوں کے اعمال سے واقف ہوں بدکار اور پرہیزگار سعید اور شقی ہر ایک کو تفصیل سے جانتے ہوں لیکن ان سب کے علم سے اللہ کا علم زائد ہو پس اللہ سب سے زیادہ ان کے احوال سے واقف ہوگا (کیونکہ اللہ کو دماغی تصورات اور قلبی تصدیقات اور اندرونی نیتوں کا بھی علم ہے اور اعمال لکھنے والوں کو ان میں سے کسی بات کا علم نہیں ان کو تو صرف بدنی اعمال کا علم ہے۔) (تفسیر مظہریؒ)

مجرموں کی ترتیب:

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ جب اول وآخر سب کا حشر ہو چکے گا اور سب کی گنتی پوری ہو جائے گی تو پھر ترتیب وار بڑے جرائم والوں کو پھر ان سے کم جرائم والوں کو پھر ان

سے کم درجہ کے مجرموں کو چھانٹا جائے گا، ہناد نے احوص کا قول بھی اس آیت کی تشریح میں اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ

اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب

حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ

پر لازم مقرر پھر بچائینگے ہم ان کو جو

اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

ڈرتے رہے اور چھوڑ دینگے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے ☆

جہنم پر سب کا گذر ہوگا:

یعنی ہر نیک وبد، مجرم وبری اور مومن وکافر کے لئے حق تعالیٰ قسم کھا چکا اور فیصلہ کر چکا ہے کہ ضرور بالضرور دوزخ پر اس کا گذر ہوگا، کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ ہی دوزخ پر کو گیا ہے جسے عام محاورات میں "پل صراط" کہتے ہیں، اس پر لامحالہ سب کا گذر ہوگا، خدا سے ڈرنیوالے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گذر جائیں گے اور گنہگار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ (العیاذ باللہ) پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق، نیز انبیاء ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الرحمین کی مہربانی سے وہ سب گنہگار جنہوں نے سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ پڑھا تھا۔ دوزخ سے نکالے جائیں گے، صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ہر شخص کو داخل کیا جائے گا مگر صالحین پر وہ آگ بردوسلام بن جائے گی وہ بے کھٹکے اس میں سے گذر جائیں گے۔ واللہ اعلم، امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اس دخول کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں فلیراجع۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اہل بدر واہل حدیبیہ کی فضیلت:

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے رب کی ذات پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ کے جہاد میں جو ایماندار شریک تھے ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ سن کر حضرت حفصہؓ نے کہا یہ کیسے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے، تو آپ نے اس کے بعد کی دوسری آیت پڑھ دی کہ متقی لوگ اس میں سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں رہ جائیں گے۔

جس کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں:

صحیحین میں ہے کہ جس کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں اسے آگ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری ہونے کے طور پر۔ اس سے مراد یہی آیت ہے۔

بخار جہنم کی آگ کا بدل:

ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابیؓ کو بخار چڑھا ہوا تھا جسکی عیادت کیلئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تشریف لے چلے، آپ نے فرمایا جناب باری عزوجل کا فرمان ہے کہ یہ بخار بھی ایک آگ ہے میں اپنے مومن بندوں کو اس میں اس لئے مبتلا کرتا ہوں کہ یہ جہنم کی آگ کا بدل ہو جائے۔ یہ حدیث غریب ہے، حضرت مجاہدؒ نے بھی یہی فرما کر پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔

جنت کا حصول اور جہنم سے نجات کے اعمال:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص سورہ قل ھو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا پھر تو ہم بہت سے محل بنالیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا خدا تعالیٰ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ بہتر سے بہتر اور بہت سے بہت دینے والا ہے، اور جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحوں میں لکھ لے گا فی الواقع ان کا ساتھ بہترین ساتھیوں کا ساتھ ہے اور جو شخص کسی تنخواہ کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا کی خوشی کیلئے مسلمان لشکروں کی ان کی پشت کی طرف سے حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دے وہ اپنی آنکھ سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا، مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے، خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کا ذکر کرنا خرچ کرنے سے بھی سات سو گنا زیادہ اجر رکھتا ہے، اور روایت میں ہے سات ہزار گنا۔ ابوداؤد میں ہے کہ نماز روزہ اور ذکر اللہ خدا تعالیٰ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا درجہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

فرقۂ مرجۂ کا وہم:

بعض اہل ہویٰ (یعنی فرقہ ٔ مرجہ والے جو ایمان صحیح کے بعد کسی گناہ کو ضرر رساں نہیں خیال کرتے اور کہتے ہیں اگر ایمان دل میں موجود ہے تو پھر کسی مومن کا داخلہ جہنم میں نہ ہوگا۔)

اہلِ سنت کے مسلک کی تشریح:

ہناد اور طبرانی اور بیہقی نے خالد بن معدان کا قول نقل کیا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک کیا تو نے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ آگ میں ضرور داخل کیے جائیں گے، اللہ فرمائے گا ضرور یہ وعدہ کیا تھا اور ایسا ہو بھی گیا تم لوگ آگ پر سے گذر گئے اور (چونکہ) آگ ٹھنڈی کر دی گئی (اس لیے تم کو محسوس بھی نہیں ہوئی)۔

ابن عدی اور طبرانی نے حضرت یعلی بن امیہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آگ مومن سے کہے گی (میرے اوپر سے) گذر جا، تیرے نور نے تو میری لپٹ کو بجھا دیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ ورود بمعنی دخول ہے خواہ بصورت مرور ہی ہو (اندر گھسنا مراد نہ ہو اوپر سے گذر جانا مراد ہو) اس کا ثبوت ابوسمیہ کے اس بیان سے ملتا ہے جو امام احمد اور حیاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے ابوسمیہ نے کہا ورود کے معنی کی تعیین میں ہمارا باہم اختلاف ہو گیا کسی نے کہا مومن دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوگا کسی نے کہا دوزخ میں سب کو جانا ہوگا، پھر شرک سے پرہیز رکھنے والوں کو اللہ نجات دیدے گا، میں نے اس اختلاف کا تذکرہ حضرت جابر بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیا حضرت جابر نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں تک لے جا کر فرمایا یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے ان کانوں سے نہ سنا ہو کہ نیک ہو یا بد کوئی بھی آگ میں داخل ہوئے بغیر نہیں بچے گا مگر مومن کے لیے آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اور باعث سلامتی ہو جائے گی۔ جس طرح حضرت ابراہیم کے لیے ہوگئی تھی یہاں تک کہ مومنوں کی ٹھنڈک سے آگ چلا اٹھے گی، ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا پھر ہم شرک سے بچنے والوں کو نجات دیدیں گے اور سب کافروں کو اسی کے اندر چھوڑ دیں گے۔

بغوی نے بحوالہ ابن عینیہ، عمرو بن دینار کی روایت سے بیان کیا کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے ورود کے معنی کی تشریح میں کچھ اختلاف کیا اور کہا ورود سے مراد داخل ہونا نہیں ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا، اللہ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ تلاوت کرنے کے بعد فرمایا، کیا وہ آگ میں داخل ہوں گے یا نہیں، اس کے بعد یہ آیت پڑھی يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ اور فرمایا کیا وہ دوزخ میں اپنی قوم کو لے جائے گا یا نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور تو سب ہی اس میں داخل ہوں گے۔ اب تو خود ہی غور کر لے کہ تو وہاں سے نکلے گا یا نہیں (ہمیشہ اس کے اندر ہی پڑا رہے گا) بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی تفسیر میں آیا ہے کہ نیک اور بد سب ہی اس میں داخل ہوں گے کیا تم کو نہیں معلوم کہ (ورود بمعنی دخول دوسری آیات میں بھی آیا ہے) اللہ نے فرمایا ہے فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ . وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا .

حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود سے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کا معنی پوچھا گیا، آپ نے فرمایا ان منکم الا داخلها (یعنی وارد کا معنی ہے داخل)۔

بیہقی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا، دوزخ میں داخل ہوئے بغیر کوئی نہیں رہے گا۔

امام احمد، ترمذی، بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے سلسلہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب لوگ دوزخ پر اتریں گے، اس کے بعد اپنے اپنے اعمال کے موافق وہاں سے نکال لیے جائیں گے اول شخص بجلی چمکنے کی طرح (نکل جائے گا) پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی تیز دوڑ کی طرح پھر اونٹ کی رفتار کی طرح جس پر سامان بھی لدا ہو۔ پھر آدمی کے دوڑنے کی طرح پھر آدمی کی معمولی رفتار کی طرح۔

پل صراط سے گذرنے کے مختلف درجات:

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ سب لوگ پل صراط پر اتریں گے، اور اترنے سے مراد ہے ان کا قیام، پھر اپنے اپنے اعمال کے موافق صراط سے باہر نکال لیے جائیں گے۔ کوئی بجلی کی طرح گذر جائے گا، کوئی بہترین اونٹ کی طرح کوئی آدمی کی دوڑ کی طرح (دوڑ کر) گذر جائے گا۔ یہاں تک کہ گذرنے والوں میں آخری وہ شخص ہوگا جو پل صراط پر اپنے قدموں کے انگوٹھے رکھتا ہوا صراط سے گذر جائے گا شیخین (بخاری ومسلم) نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا، رسول اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کے تین بچے مر جائیں اور وہ آگ میں داخل ہو ہاں صرف قسم پوری کرنے کے لیے (ضرور داخل ہوگا) اس کے بعد سفیان (راوی) نے آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا پڑھی، طبرانی نے حضرت عبد بن بشیر انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے تین نابالغ بچے مر جائیں گے وہ (دوزخ میں) نہیں اترے گا، مگر رہگذر کی طرح۔ یعنی وہ پل صراط سے گذر جائے گا (بغیر ٹھہرنے کے)

دوزخ پکڑ لے گی:

ابن جریر نے غنیم بن قیس کا بیان نقل کیا کہ لوگوں نے آگ میں وارد ہونے کے سلسلہ میں کچھ تذکرہ کیا، حضرت کعب نے فرمایا، آگ (سب) لوگوں کو روک لے گی یہاں تک کہ سب لوگوں کے قدم اس پر ٹھیک طرح ٹھیر جائیں گے نیکوں کے بھی اور بدوں کے بھی پھر (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارے گا اپنے ساتھیوں کو روکے رکھ اور میرے رفقاء کو چھوڑ دے یہ ندا ہوتے ہی جو دوزخ کا ساتھی ہوگا وہ دوزخ میں دھنس جائے گا جس طرح آدمی اپنے بچے کو پہچانتا ہے اس سے زیادہ دوزخ اپنے دوست کو پہچانتی ہوگی اور مومن اس طرح نکل جائیں گے کہ ان کے کپڑے بھی (خشک نہ ہوئے ہوں گے) تر ہوں گے۔

اہل سنت کے مختلف اقوال:

سیوطی نے لکھا ہے بعض علماء اہل سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے

داخل ہونا قرطبی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور حضرت جابر وغیرہ کی احادیث سے استشہاد کیا ہے، بعض اہلِ سنت کے نزدیک ورود سے مراد ہے گذر جانا، نووی نے اس معنی کو پسند کیا ہے اور حضرت ابن مسعود کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں صراط سے گذرنے کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابوہریرہ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں صراط سے گذرنا ہی موجب دخول ہے، دخول سے مراد یہ نہیں ہے کہ آگ کے اندر گھس جائے جہنم کے اوپر سے مرور بھی دخول ہی ہے لامحالہ ورود سے مراد دخول ہی ہے خواہ بطریق مرور ہی ہو، مختلف احادیث میں تطبیق دینے کی یہی صورت ہے۔

شبہ: اگر شبہ کیا جائے کہ بیہقی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ ورود سے مراد ہے دوزخ پر سے گذر جانا بغیر داخل ہونے کے اور مرور دخول سے الگ مفہوم رکھتا ہے تو میں کہوں گا کہ حضرت حسن کے قول میں داخل ہونے سے مراد ہے اندر گھس جانا اور آگ کے اندر پہنچ جانا (اور یقیناً گذر جانے کا مفہوم اندر گھس جانے کے مفہوم سے جدا ہے) مطلق دخول مراد نہیں ہے (مطلق دخول تو مرور کو بھی شامل ہے)

حضرت عبداللہ بن رواحہ کا رونا:

امام احمد نے الزہد میں اور ہناد و بیہقی و سعید بن منصور و حاکم نے حضرت حازم بن ابی حازم کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن رواحہ رونے لگے بی بی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا، مجھے خبر دی گئی ہے کہ میں یقیناً دوزخ پر اتروں گا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ میں یقیناً وہاں سے نکلوں گا بھی۔

حضرت ابومیسرہ کا خوف:

ہناد اور بیہقی نے ابواسحاق کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابومیسرہ عمرو بن شرحبیل اپنے بستر پر جانے کے لیے اٹھے اور فرمایا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی بیبی نے پوچھا کیا بات ہے فرمایا، اللہ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ میں (اور تم) ضرور دوزخ پر داخل ہوں گے اور یہ نہیں فرمایا کہ ماں (اور تم) وہاں سے نکلیں گے۔

روتے رہنے کا مقام ہے:

امام احمد نے الزہد میں بیان کیا کہ حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ تو ضرور دوزخ پر اترے گا، بھائی نے کہا جی ہاں اس شخص نے کہا کیا یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ تو وہاں سے نکل بھی آئے گا بھائی نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا پھر ہنسی کیسی روتے رہنے کا مقام ہے چنانچہ مرتے دم تک پھر اس کو ہنستے نہیں دیکھا گیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی ہوئی

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ

کہتے ہیں جو لوگ کہ منکر ہیں ایمان والوں کو

الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی اچھی لگتی ہے مجلس ☆

کافروں کی قیاس آرائیاں:

یعنی کفار قرآن کی آیتیں سن کر جن میں ان کا برا انجام بتلایا گیا ہے ہنستے ہیں اور بطور استہزاء و تفاخر غریب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے زعم کے موافق آخرت میں جو کچھ پیش آئیگا دونوں فریق کی موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات، فرنیچر، اور بود و باش کے سامان تم سے بہتر نہیں اور ہماری مجلس (یا سوسائٹی) تمہاری سوسائٹی سے معزز نہیں یقیناً ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں، تم اہل حق سے زیادہ خوشحال اور جتھے والے ہیں۔ جو لوگ آج ہم سے خوف کھا کر کوہ صفا کی گھاٹی میں نظر بند ہوں، کیا گمان کیا جاسکتا ہے کہ کل وہ چھلانگ مار کر جنت میں جا پہنچیں گے؟ اور ہم دوزخ میں پڑے جلتے رہیں گے؟ (تفسیر عثمانیؒ)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ

اور کتنی ہلاک کر چکے ہم پہلے ان سے جماعتیں وہ

أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

ان سے بہتر تھے سامان میں اور نمود میں ☆

کافروں کے قیاس کا جواب:

یہ ان کی بات کا جواب دیا کہ پہلے ایسی بہت قومیں گذر چکی ہیں جو دنیا کے ساز و سامان اور شان و نمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تفاخر کو اپنا شعار بنالیا، خداتعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا پس آدمی کو چاہئے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے۔ عموماً متکبر دولتمند ہی حق کو ٹھکرا کر نہنگ ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال اولاد یا دنیوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ

تو کہہ جو رہا بھٹکتا سو چاہیے اس کو کھینچ لے جائے

الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ

رحمٰن لنبا☆

قانونِ الٰہی کی حکمت عملی:

یعنی جو خود گمراہی میں جا پڑا اسے گمراہی میں جانے دے۔ کیونکہ دنیا جانچنے کی جگہ ہے۔ یہاں ہر ایک کو عمل کی فی الجملہ آزادی دی گئی ہے، خدا تعالیٰ کی عادت اور حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ جو اپنے کسب وارادہ سے کوئی رستہ اختیار کر لے اس کو نیک وبد سے خبردار کر دینے کے بعد اسی راستہ پر چلنے کے لئے ایک حد تک آزاد چھوڑ دے۔ اسی لئے جو بدی کی راہ چل پڑا اس کے حق میں دنیا کی مرفہ الحالی اور درازی عمر وغیرہ تباہی کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے نیک وبد یہاں رلے ملے ہیں آخرت میں پوری طرح جدا ہوں گے۔ اصلی بھلائی برائی وہاں ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلْيَمْدُدْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص گمراہی میں اندھا ہوا ہوتا ہے، اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے اور گمراہی کے اندر اس کو بڑھاتا اور مہلت دیتا رہتا ہے، بجائے خبر کے لفظ امر ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ اس کو ڈھیل دیتا رہے تاکہ کسی طور پر اس کو معذرت پیش کرنے کا موقع نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ ہوا تھا ان سے یا آفت

وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ

اور یا قیامت سو تب معلوم کر لیں گے کس کا

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۝۷۵

برا ہے مکان اور کس کی فوج کمزور ہے☆

جب عذاب دیکھیں گے تو جانیں گے:

یعنی کفار مسلمانوں کو ذلیل وکمزور اور اپنے کو معزز وطاقتور سمجھتے ہیں اپنے عالیشان محلات اور بڑی بڑی فوجوں اور جتھوں پر اتراتے ہیں کیونکہ خدا نے ابھی ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے جس وقت گلا دبایا جائے گا خواہ دنیوی عذاب کی صورت میں یا قیامت کے بعد، تب پتہ لگے گا کہ کس کا مکان برا ہے اور کس کی جمعیت کمزور ہے۔ اس موقع پر تمہارے سامان اور لشکر کچھ کام نہ آئیں گے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ

اور بڑھاتا جاتا ہے اللہ سوجھنے والوں کو سوجھ☆

ہدایت والوں کی راہنمائی:

یعنی جیسے گمراہوں کو گمراہی میں لنبا چھوڑ دیتا ہے، ان کے بالمقابل سوجھ بوجھ کر راہ ہدایت اختیار کر لیں ان کی سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت کو اور زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے راستوں پر بگ ٹٹ اڑے چلے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ

اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝۷۶

بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ☆

نیکیاں باقی ہیں:

یعنی دنیا کی رونق رب کے ہاں کام کی نہیں۔ نیکیاں سب رہیں گی اور دنیا نہ رہے گی۔ آخرت میں ہر نیکی کا بہترین بدلہ اور بہترین انجام ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک درخت تلے بیٹھے ہوئے تھے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو سوکھے پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا دیکھوں اسی طرح انسان کے گناہ لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر سبحان اللہ والحمد للہ کہنے سے جھڑ جاتے ہیں۔ اے ابودرداء! ان کا ورد رکھ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو انہیں نہ کہہ سکے یہی باقیات صالحات ہیں، یہی جنت کے خزانے ہیں، اس کو سن کر حضرت ابودرداءؓ کا یہ حال تھا کہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ واللہ میں تو ان کلمات کو پڑھتا ہی رہوں گا کبھی ان سے زبان نہ روکوں گا گو لوگ مجھے مجنون کہنے لگیں۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث دوسری سند سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

کافروں کی نعمتیں فانی ہیں:

الباقیات الصالحات سے مراد ہیں وہ نیک اعمال جن کا فائدہ کرنے والوں کو ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔ یعنی کافروں کو جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں وہ (ناقص ہونے کے علاوہ) فانی بھی ہیں، جن نعمتوں پر وہ پھولے ہوئے ہیں ان سے اہلِ ایمان کو نیک اعمال کا ملنے والا ثواب مآل اور انجام میں بہت بہتر ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ

بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا

لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝۷۷ ؕ

مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد☆

ایک مؤمن و کافر کا مکالمہ:

یعنی کفر کے باوجود آپ نے یہ جرات دیکھی، ایک کافر مالدار ایک مسلمان لوہار کو کہنے لگا تو مسلمانی سے منکر ہو تو تیری مزدوری دوں۔ اس نے کہا اگر تو مرے اور پھر جیئے تو بھی میں منکر نہ ہوں۔ اس نے کہا اگر مر کر پھر جیوں گا تو یہ ہی مال و اولاد وہاں بھی ہوگا، تجھ کو مزدوری وہاں دیدونگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی وہاں دولت ملتی ہے ایمان سے، کافر چاہے کہ یہاں کی دولت وہاں ملے، یا کفر کے باوجود اخروی عیش و تنعم کے مزے اڑائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا، بخاری و مسلم میں حضرت خباب بن الارت کی روایت ہے کہ ان کا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا یہ ان کے پاس تقاضہ کے لئے گئے اس نے کہا میں تو تمہارا قرض اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر وانکار کا معاملہ نہ کرو، انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا جب تک کہ تم مرو پھر زندہ ہو۔ عاص بن وائل نے کہا کہ اچھا کیا میں مر کر پھر زندہ ہوں گا، اگر ایسا ہے تو بس تمہارا قرض بھی اسی وقت چکاؤں گا جب دوبارہ زندہ ہوں گا کیونکہ اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوں گے (قرطبی) (معارف القرآن)

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾

کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمٰن سے عہد ☆

کافر کا دعویٰ جھوٹا ہے:

یعنی ایسے یقین و وثوق سے جو دعویٰ کر رہا ہے کیا غیب کی خبر پالی ہے؟ یا خدا سے کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں۔ ایک گندے کافر کی بساط کہ وہ اس طرح کی غیبیات تک رسائی حاصل کرلے؟ رہا خدا کا وعدہ، وہ ان لوگوں سے ہوسکتا ہے جنہوں نے اپنا عہد پورا کر کے "لا الہ الا اللہ" اور عمل صالح کی امانت خدا کے پاس رکھ دی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾

ہرگز نہیں، ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لمبا ☆

کافر کا یہ قول لکھ لیا گیا ہے:

یعنی یہ قول بھی شامل مسل کرلیا جائے گا۔ اور مال واولاد کی جگہ اس کی سزا بڑھادی جائے گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لکھنے سے مراد ہے محفوظ رکھنا نظر انداز نہ کر دینا یا اس امر کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس کا قول لکھ لیا ہے یا اس کی بات کا انتقام لینا مقصود ہے بہر حال محفوظ رکھیں گے یا اس بات کو ظاہر کریں گے کہ ہم نے تیری کہی ہوئی بات لکھ لی تھی یا انتقام لیں گے یہ تمام امور آئندہ ہوں گے۔

اللہ کے فرشتے اعمال رکھتے ہیں اور اللہ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لیے فرشتوں کا لکھنا اللہ کا لکھنا ہوا یہی وجہ ہے کہ آیت میں لکھنے کی نسبت اپنی طرف کی۔

استہزاء کا الگ عذاب:

عذاب میں اضافہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ کفر کا عذاب تو اس کیلئے پہلے ہی سے مقرر ہے، اب استہزاء کا عذاب مزید اسکے ساتھ شامل کردیا جائیگا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

اور ہم لے لینگے اس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئیگا ہمارے پاس اکیلا ☆

یہ کافر دعویدار اکیلا رہ جائے گا

جو بتلا رہا ہے "یعنی مال اور اولاد۔ چنانچہ اس کافر کے دونوں بیٹے مسلمان ہوئے (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ یہ چیزیں اس سے الگ کرلی جائیں گی۔ قیامت میں اکیلا حاضر ہوگا نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ساتھ دے گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا

اور پکڑ رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود تاکہ وہ ہوں ان کے لئے مدد، ہرگز نہیں

ان کے معبود بھی کچھ نہ دلاسکیں گے:

یعنی مال واولاد سے بڑھ کر اپنے جھوٹے معبودوں کی مدد کے امیدوار ہیں کہ وہ ان کو خدا کے ہاں بڑے بڑے درجے دلائیں گے۔ حالانکہ ہرگز ایسا ہونے والا نہیں۔ محض سودائے خام ہے جو اپنے دماغوں میں پکا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

وہ منکر ہونگے ان کی بندگی سے اور ہوجائینگے ان کے مخالف ☆

یہ معبود ان کی ذلت میں اضافہ کا باعث ہوں گے:

یعنی وہ معبود مدد تو کیا کرتے، خود ان کی بندگی سے بیزار ہوئے اور ان کے مدمقابل ہوکر بجائے عزت بڑھانے کے اور زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب

بنیں گے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ "وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ کٰفِرِیْنَ" (الاحقاف رکوع ۱) (تفسیر عثمانیؒ)

وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا، اور قیامت کے روز یہ اکیلا ہمارے دربار میں حاضر ہوگا نہ کوئی اولاد ساتھ ہوگی نہ مال، وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا، یعنی یہ خود تراشید بت اور معبود باطل جن کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ یہ ان کے مددگار ہوں گے محشر میں اس کے برعکس یہ ان کے دشمن ہو جاویں گے اللہ تعالیٰ ان کو نطق و زبان عطا فرماویں گے اور یہ بولیں گے کہ یا اللہ ان کو عذاب و سزا دیجئے کہ انہوں نے تجھ کو چھوڑ کر ہمیں معبود بنالیا تھا (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ ضد سے مراد ہے ذلت وحقارت، اول فقرہ میں بتوں کا باعث عزت ہونا مذکور ہے، جس کی امید کافروں کو تھی اور عزت کی ضد ضلت ہوتی ہے یا ضد سے مراد ہے مخالف ہونا دشمن ہونا، یعنی کافروں کے باطل معبود قیامت کے دن ان کے دشمن اور مخالف ہو جائیں گے ان کی تکذیب اور ان پر لعنت کریں گے، یا یہ مطلب ہے کہ کافروں کو عذاب دینے میں مددگار بن جائیں گے، پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ کی تیزی بڑھ جائے گی پتھر ایندھن بن جائیں گے جن کی وجہ سے کافروں کی سوختگی میں اضافہ ہوگا۔

ابوداؤد ونسائی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ سب دوسروں کے خلاف ایک ہاتھ ہیں یعنی سب متفق الرائ اور متحد القوت ہوں گے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لفظ ضد کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے، وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ
تو نے نہیں دیکھا کہ ہمنے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر
تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ
اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر سو تو جلدی نہ کر ان پر
اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾
ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی گنتی☆

شیطان کے کھلونے:

یعنی شیطان انہی بدبختوں کو گمراہی کا بڑھاوا دیتا اور انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔ جنہوں نے خود کفر وانکار کا شیوہ اختیار کرلیا۔ اگر ایسے اشقیاء شیطان کی تحریص واغواء سے گمراہی میں لمبے جائیں تو جانے دیجئے، آپ ان کی سزا دہی میں جلدی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تا انکی زندگی کے گنے ہوئے دن پورے ہو جائیں۔ ان کی ایک ایک سانس ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل ہمارے یہاں گنا جا رہا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی ہمارے احاطہ علمی اور دفاتر اعمال سے باہر نہیں ہوسکتی۔ تمام عمر کے اعمال ایک ایک کرکے انکے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بغوی نے لکھا ہے اس سے اشارہ اس قول کی طرف ہے جس میں اللہ نے ابلیس سے فرمایا تھا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ یا ارسلنا سے مراد ہے آزاد چھوڑ دینا، یعنی ہم نے شیطانوں کو اور ان کافروں کو باہم تعلق قائم کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے اَرْسَلْتُ الْبَعِیْرَ، میں نے اونٹ کو کھولدیا، آزاد چھوڑ دیا۔

ان کی میعاد طے ہے:

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا پس آپ (نزول عذاب میں) ان کے لیے جلدی نہ کریں (یعنی جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کریں) ہم ان (کی زندگی کے ایام مقررہ) کی کامل طور پر یقیناً گنتی رکھتے ہیں، یعنی ہم نے ان کی عمریں مقرر کردی ہیں ان کے ایام زندگی اور ساعات حیات محدود اور معدود ہیں (مدت زندگی پوری ہونے سے پہلے ان کو ہلاک نہیں کیا جاسکتا) (تفسیر مظہریؒ)

زندگی کی سانس مقرر ہیں:

مامون رشید نے ایک مرتبہ سورہ مریم پڑھی، جب اس آیت پر پہنچے تو حاضرین مجلس جو علماء فقہاء تھے ان میں سے ابن سماک کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے متعلق کچھ کہیں انہوں نے عرض کیا کہ جب ہمارے سانس گنے ہوئے ہیں ان پر زیادتی نہیں ہوسکتی تو یہ کس قدر جلد ختم ہو جائیں گے اسی کو بعض شعراء نے کہا ہے۔

حیاتک انفاس تعد فکلما
مضی نفس منک انتقصت به جزءا

جن کے الفاظ اور سانس شمار کیے جاتے ہیں:

یعنی تیری زندگی کے سانس گنے ہوئے ہیں، جب ایک سانس گزرتا ہے تو تیری زندگی کا ایک جز کم ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ انسان دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ (قرطبی) اور بعض حضرات نے فرمایا۔

کیف یفرح بالدنیا و لذتها فتی یعد علیه اللفظ والنفس

یعنی دنیا اور اس کی لذت پر وہ شخص کیسے مگن اور بے فکر ہوسکتا ہے جس کے الفاظ اور سانس گنے جا رہے ہوں، (روح) (معارف مفتی اعظمؒ)

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾
جس دن ہم اکٹھا کر لائینگے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے ہوئے

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

اور ہانک لے جائینگے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے☆

مجرموں کا حال:

جس طرح ڈھونڈ کر پیاس کی حالت میں گھاٹ کی طرف جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو دوزخ کے گھاٹ اتارا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

متقیوں کا حال:

اور جس روز ہم تقویٰ والوں کو رحمٰن (کے دارالنعیم) طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اِلَى الرَّحْمٰنِ (میں رحمٰن کی ذات مراد نہیں بلکہ اس) سے مراد ہے وہ مقام عزت جہاں تجلیا الٰہیہ پرتو انداز ہوں گی۔ وفد وافد کی جمع ہے بادشاہوں کی طرف وفد جاتے ہیں، عزت یابی کی امید اور انعام کی تمنا لیے ہوئے پس بارگاہِ الٰہی کی طرف بھی اہل تقویٰ اسی طرح قبروں سے اٹھکر جائیں گے۔

متقیوں کا اعزاز:

عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں اور حاکم وبیہقی وابن جریر وابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، سنو اللہ متقیوں کے وفد کو نہ پیدل اٹھائے گا نہ ہنکا کر لے جائے گا بلکہ جنت کی ان اونٹنیوں پر سوار کرا کے بلوائے گا جن کی نظیر کسی مخلوق نے نہیں دیکھی اونٹنیوں پر سونے کے کجاوے اور زبرجد کی مہاریں ہوں گی، متقی ان پر سوار ہو کر جائیں گے اور جا کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا، خدا کی قسم ان کو پیدل نہیں لے جایا جائے گا بلکہ ایسی اونٹنیوں پر جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے سوار کیا جائے اور ان اصیل گھوڑوں پر سوار کر کے لے جایا جائے گا جن کی زینیں یاقوت کی ہونگی اگر اہلِ جنت چاہیں گے تو سواریاں اڑنے لگیں گی۔

بیہقی نے طلحہ بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس کا قول يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی تشریح میں بیان کیا آپ نے فرمایا، سوار کر کے (لے جایا جائے گا) اور آیت وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا کی تشریح میں فرمایا، پیاسے۔ (یعنی مجرموں کو پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا) ابن جریر نے ابوطلحہ کی روایت سے حضرت ابوہریرہ کا قول نقل کیا وفدا یعنی اونٹوں پر (سوار)۔

مؤمن اور کافر کا عمل:

ابن ابی حاتم نے عمر بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ مومن جونہی قبر سے برآمد ہوگا اس کا عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا ہے مومن جواب دے گا نہیں۔ مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری خوشبو کو پاکیزہ اور صورت کو حسین بنایا ہے عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا، میں تارا نیک عمل ہوں، دنیا میں مدت دراز تک میں تجھ پر سوار رہا، آج تو مجھ پر سوار ہو جا (اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا، يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا پھر کہا کافر کا عمل نہایت بدشکل اور انتہائی گندی بدبو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور پوچھے گا کیا تو نے مجھے پہچانا کافر جواب دے گا نہیں، مگر (اتنا جانتا ہوں کہ) اللہ نے تیری شکل بہت بری اور بو نہایت گندی بنائی ہے، عمل کہے گا، میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا، میں تارا برا عمل ہوں دنیا میں مدت دراز تک تو مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا، اتنا بیان کرنے کے بعد راوی نے پڑھا، وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ، وہ اپنے بار اپنی پشت پر اٹھائیں گے۔

کافر پیدل اور پیاسے جہنم میں ڈالے جائیں گے:

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا اور مجرموں کو دوزخ کی طرف، پیاسا ہانکیں گے، مجرمین سے مراد ہیں کافر، وردا کا ترجمہ بغوی نے کیا پیدل۔ بعض نے کہا پیاسے کہ شدت پیاس سے گردنیں ٹوٹ رہی ہوں گی، ورد کہتے ہیں پانی پر اترنے والی جماعت کو۔ حضرت ابن عباس نے بھی اس کی تشریح میں پیاسے ہی فرمایا۔

میں کہتا ہوں اللہ نے اس جگہ دو گروہوں کے حشر کا تذکرہ فرمایا

(۱) کامل تقویٰ والے انبیاء، عرفاء وغیرہم (۲) مجرمین یعنی کفار عام مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا نہ صالحین کا نہ گناہگاروں کا، حدیث میں آیا ہے کچھ لوگ پیادہ پا اٹھائے جائیں گے۔ یہ عام مومن ہوں گے (صالحین بھی اور گناہگار بھی)

تین طرح کا حشر:

سورہ بنی اسرائیل کی آیت

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا

کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ کی اور حضرت معاویہ بن جبل کی روایت کردہ احادیث ہم نے نقل کر دی ہیں حضرت ابوذر کی حدیث ہے کہ لوگوں کا حشر تین طرح سے ہوگا۔ (یعنی تین فریق ہوں گے) سوار، پیدل اور منہ کے بل۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا لوگوں کا حشر تین طریقوں پر ہوگا (کچھ لوگ) راغب ہوں گے (کچھ) خوف زدہ ہوں گے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو یا تین تین یا دس دس سوار ہوں گے آگ بھی ان کے ساتھ رات کو رہے گی۔ شیخ ابن حجر نے کہا راغبین راہبین وہ لوگ ہوں گے جو پہلے طریقہ پر ہوں گے یعنی عام مومن، پھر اس حدیث میں ایک ایک اونٹ پر دو دو اور تین تین اور دس دس کے سوار ہونے کا تو ذکر ہے ایک اونٹ پر ایک کے سوار ہونے کا ذکر نہیں کیا اس سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو ان سب سے اونچے درجہ والے ہوں گے یعنی

ابرار (ابرار میں سے ہر شخص مستقل طور پر الگ اونٹ پر سوار ہوگا)۔

بیہقی نے کہا راغبین سے اشارہ ابرار کی طرف ہے اور راہبین سے ان مخلوط الحال لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو امید و بیم کی درمیانی حالت میں ہیں اور جن کو آگ کھدیڑ کر لے جائے گی وہ کافروں کا گروہ ہوگا۔ حلیمی نے بھی حدیث کی یہی تشریح کی ہے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ ابرار وہی متقی ہوں گے جنت سے ان ہی (کی سواری) کے لیے اونٹنیاں لائی جائیں گی باقی وہ اونٹ جن پر مخلوط الحال لوگوں کو ان پر سوار کیا جائے۔ سیوطی نے کہا یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مخلوط الحال لوگوں کا جنت سے لائے ہوئے اونٹوں پر سوار کیا جانا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اونٹوں پر سوار بھی ان مخلوط الحال گناہگاروں کو کرایا جائے گا جن کے گناہ حساب کے وقت معاف کر دیئے گئے ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا رہے عذاب پانے والے لوگ تو ان کو پیدل چلایا جائے گا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لوگ شروع سے ہی پیدل چلائے جائیں ان کو سوار ہی نہ کیا جائے یا حشر سوار ہونے کی حالت میں ہو اور جب میدان حشر کے قریب پہنچیں تو پیدل ہو جائیں، باقی کافروں کا حشر تو منہ بل ہوگا ہی۔ (ان کے سوار ہونے کا تو کوئی معنی ہی نہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات حسنین، حضرت بلال کا اعزاز:

طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء کو سواریوں پر لے جایا جائے گا یہاں تک کہ (اسی حالت میں) وہ میدان حشر تک پہنچ جائیں گے، صالح کو ان کی اونٹنی پر سوار (ہونے کی حالت میں قبر سے) اٹھایا جائے گا اور مجھے براق پر (سوار) اٹھایا جائے گا اور میرے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو جنت کے اوپر سے (آئی ہوئی) دو اونٹنیوں پر اٹھایا جائے گا اور بلال کو جنت کے اوپر سے (آئی ہوئی) اونٹنی پر اٹھایا جائے گا وہ اذان دیں گے، خالص شہادت توحید کی اور جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہیں گے تو اگلے پچھلے تمام مومن اس کی شہادت دیں گے پس جس کی شہادت قبول ہونی ہوگی قبول ہو جائے گی اور جس کی شہادت رد ہونی ہوگی رد ہو جائے گی۔

کس وقت سوار ہوں گے:

حلیمی اور غزالی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ جو لوگ سوار کر کے لے جائیں گے وہ قبروں سے سوار ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے لیکن اسماعیلی کا قول ہے کہ موقف تک تو پیدل جائیں گے پھر وہاں سے سوار ہو جائیں گے اسماعیلی نے یہ تفریق مختلف احادیث میں توفیق پیدا کرنے کے لیے کی صحیحین اور ترمذی کی حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے مذکور ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم کو اللہ کی طرف اس حالت میں لے جایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں برہنہ بدن غیر مختون اور پیادہ پا ہو گے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ پڑھی اور سب لوگوں سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔

اسی طرح شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سودہؓ اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت سہلؓ بن سعد اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے لیکن ان احادیث میں تلاوتِ آیت اور حضرت ابراہیم کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اتنا مزید مذکور ہے کہ ام المومنین میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیبی نے کہا ہائے کیسی بُری بات ہوگی کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوگی، ہر شخص کو اس روز اپنی پڑی ہوگی۔ (تفسیر مظہریؒ)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں وفد کا یہ دستور ہی نہیں کہ وہ پیدل آئے یہ متقی حضرات ایسی نورانی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق کی نگاہوں میں ان سے بہتر کوئی سواری کبھی نہیں آئی۔ ان کے پالان سونے کے ہوں گے یہ جنت کے دروازوں تک ان ہی سواریوں پر جائیں گے۔ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔

ہر کسی کو پسندیدہ سواری ملے گی:

لفظ وفد ایسے آنیوالوں کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی بڑے بادشاہ یا امیر کے پاس اکرام و اعزاز کے ساتھ جائیں بعض روایات حدیث میں ہے کہ یہ لوگ سواریوں پر سوار ہو کر پہنچیں گے اور سواری ہر شخص کی وہ ہوگی جس کو وہ دنیا میں اپنے لئے پسند کرتا تھا۔ اونٹ، گھوڑا یا دوسری سواریاں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کے اعمال صالحہ ان کی مرغوب سواریوں کی صورت اختیار کرلیں گے یہ روایات حدیث روح المعانی اور قرطبی نے نقل کی ہیں۔

اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا، ورد کے لفظی معنی پانی کی طرف جانے کے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ پیاس ہی کے وقت کوئی آدمی یا جانور پانی پر جاتا ہے اس لئے ورداً کا ترجمہ پیاسا کیا گیا۔ (معارف القرآن)

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ
نہیں اختیار رکھتے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا ہے
عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾
رحمٰن سے وعدہ☆

ہر کوئی سفارش نہیں کر سکے گا:

یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ دیا مثلاً ملائکہ، انبیاء، صالحین وغیرہم،

وہ ہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے، بدون اجازت کسی کو زبان جہلانے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور سفارش بھی ان ہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ دے چکے ہیں۔ کافروں کیلئے شفاعت نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

موحدین کا عہد:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، ان موحدین نے خدا تعالیٰ کا وعدہ حاصل کرلیا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے وہ کھڑا ہوجائے، لوگوں نے کہا حضرت! ہمیں بھی وہ بتادیجئے۔ آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللھم فاطر السموت والارض عالم الغيب والشهادة فانی اعهد اليک فی هذه الحيوة الدنيا انک ان تكلنی الی عملٍ يقربنی من الشر ويباعدنی من الخير و انی لا اثق الا برحمتک فاجعل لی عندک عهدا تؤديه الی يوم القيامة انک لا تخلف الميعاد

اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے **خائفاً مستجيراً مستغفرا راهبا راغبا اليک** (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیرؒ)

بقول ابن صالح حضرت ابن عباسؓ نے موخر الذکر آیت کی تفسیر میں فرمایا یستجیب یعنی ان کے بھائیوں کے لیے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ یعنی اپنی مہربانی سے بھائیوں کی بھائیوں کے حق میں شفاعت منظور فرمالے گا۔

ہر کلمہ گو سے وعدہ ہے:

بعض علماء کا خیال ہے کہ مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا سے ہر وہ شخص مراد ہے جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور مَن سے پہلے لفظ شفاعة محذوف ہے یعنی الا شفاعة من اتخذ عند الرحمٰن عهدا اور چونکہ لا الہ الا اللہ کا ہر قائل شفاعت کئے جانے کے قابل ہے، اس لیے آیت میں لا الہ الا اللہ کا ہر قائل مراد لینا صحیح ہے اللہ نے تمام مومنوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے فرمایا ہے مَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ پر بندوں کا حق ہے کہ وہ غیر مشرک کو عذاب نہ دے (متفق علیہ من حدیث معاذ) اسی طرح ایک اور آیت آئی ہے فرمایا ہے لَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى. (تفسیر مظہریؒ)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾

اور لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد☆

خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے والے:

بہت آدمیوں نے غیر اللہ کو معبود ٹھہرایا تھا، لیکن ایک جماعت وہ ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح کو بعض یہود نے عزیر کو خدا کا بیٹا کہا۔ اور بعض مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

بیشک تم آپھنسے ہو بھاری چیز میں ابھی آسمان پھٹ پڑیں

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ

هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

ڈھے کر اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد☆

بڑی بھاری بات:

یعنی یہ ایسی بھاری بات کہی گئی اور ایسا سخت گستاخانہ کلمہ منہ سے نکالا گیا جسے سن کر اگر آسمان زمین اور پہاڑ مارے ہول کے پھٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں تو کچھ بعید نہیں۔ اس گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ وبالا ہوجائے اور آسمان وزمین تک کے پرخچے اڑ جائیں۔ محض اس کا حلم مانع ہے کہ ان بیہودگیوں کو دیکھ کر دنیا کو ایک دم تباہ نہیں کرتا۔ جس خداوند قدوس کی توحید پر آسمان، زمین، پہاڑ، غرض ہر علوی وسفلی چیز شہادت دے رہی ہے، انسان کی یہ جسارت کہ اس کے لئے اولاد کی احتیاج ثابت کرنے لگے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ہر مخلوق میں خاص شعور ہے:

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا، ان آیات سے معلوم ہوا کہ زمین اور پہاڑ اور اس کی تمام چیزوں میں ایک خاص قسم کا عقل وشعور موجود ہے اگر چہ وہ اس درجہ کا نہ ہو جس پر احکام الٰہیہ مرتب ہوتے ہیں جیسے انسان کی عقل وشعور۔ یہی عقل وشعور ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز اللہ کے نام کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ، یعنی کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو ان چیزوں کا یہی شعور وادراک ہے جس کا ذکر ان آیاتِ مذکورہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دینے سے زمین اور پہاڑ وغیرہ سخت گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جن وانس کے علاوہ تمام مخلوقات خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک سے بہت ڈرتی ہیں اور یہ خطرہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں (روح المعانی) (معارف مفتی اعظمؒ)

آسمان وزمین کا پھٹنا:

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا، اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں

اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں۔ قاموس میں ہے ہدٌّ تو زنا بالکل ڈھادینا۔ بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے قریب ہے کہ آسمان ان پر ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ کر ان کو اپنے اندر دھنسا لے اور پہاڑ ان پر ڈھ پڑیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور کعب نے فرمایا سوائے جن و انس کے آسمان زمین، پہاڑ اور ساری مخلوق اس قول سے خوف زدہ ہوگئی قریب تھا کہ سب اپنی جگہ سے ہٹ جائیں فرشتے بھی غضبناک ہوگئے اور جہنم بھی بھڑک اٹھی، بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ یہ اتنی پر ہیبت اور ہولناک بات ہے کہ اگر اللہ کا بے پایاں حلم نہ ہوتا تو سارا عالم تباہ ہوجاتا اور اس بات کو منہ سے نکالنے والے پر الٹ جاتا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾
اور نہیں پھبتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد☆

اللہ کی شان اولاد سے پاک ہے:

اسکی شان تقدیس و تنزیہ اور کمال غنا کے منافی ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ نصاریٰ جس غرض کے لئے اولاد کے قائل ہوئے ہیں یعنی کفارہ کا مسئلہ، خدا تعالیٰ کو ''رحمان'' مان کر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بیضاوی نے لکھا ہے (بجائے اللہ کے) آیت میں صفت رحمانیت پر حکم کو مرتب کرنے سے شاید اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ منعم ہے، تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے سوا باقی مخلوق میں یا اللہ کی نعمتیں ہیں یا نعمت پانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ نعمتیں ہوں (جو خدا نے پیدا کی اور دی ہیں) یا نعمت پانے والے ہوں (جن کو اللہ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں) منعم کے ہم جنس کیسے ہوسکتے ہیں اور بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ باپ کا ہم جنس ہو اس لیے اللہ کی اولاد ہونا ممکن نہیں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کوئی نہیں آسمان اور زمین میں
إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾
جو نہ آئے رحمٰن کا بندہ ہوکر☆

سب اللہ کی مخلوق ہے:

یعنی سب خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں اور بندے ہی بن کر اس کے سامنے حاضر ہونگے پھر بندہ بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور جس کے سب مملوک و محتاج ہوں اسے بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اللہ کی ملک ہے اس کی مخلوق ہے، بندگی اور اطاعت و انقیاد کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے اور قیامت کے دن اس کے سامنے ذلت عبدیت کے ساتھ آئے گا مجازی غلام ہونا بھی اولاد ہونے کے منافی ہے اسی لیے اگر کوئی کسی سبب سے اپنے بیٹے کا مالک ہوجائے بطور میراث یا خریدنے کے ذریعہ یا کسی کے ہبہ کرنے سے کسی کا بیٹا اس کی ملک میں داخل ہوجائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہوجائے گا، پس حقیقی مملوک ہونے کا کیا ٹھکانہ ہے حقیقی مملوک تو مالک کی مخلوق ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَقَدْ أَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾
اس کے پاس ان کی شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی
وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾
اور ہر ایک ان میں آئے گا اس کے سامنے قیامت کے دن اکیلا☆

ہر ایک اللہ کے سامنے حاضر ہوگا:

یعنی ایک فرد بشر بھی اس کی بندگی سے باہر نہیں ہوسکتا۔ سب کو خدا کے سامنے جریدہ حاضر ہونا ہے اس وقت تمام تعلقات اور ساز و سامان علیحدہ کر لئے جائیں گے فرضی معبود اور بیٹے، پوتے کام نہ دیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

کلمہ طیبہ کا وزن:

حدیث میں ہے اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرو۔ موت کے وقت جس نے اسے کہہ لیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ صحابہؓ نے کہا، اور حضور! جس نے زندگی میں کہہ لیا۔ فرمایا اور زیادہ واجب ہوگئی۔ قسم خدا تعالیٰ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ زمین و آسمان اور ان کی اور ان کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور لا الہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو وہ ان سب سے وزن میں بڑھ جائے۔

اللہ سے بڑا اصابر کوئی نہیں:

مسند احمد میں فرمانِ رسول ہے، صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایذا دہندہ باتوں پر خدا تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اس کی والا دیں مقرر کرتے ہیں اور وہ انہیں عافیت دے رہا ہے، روزیاں پہنچا رہا ہے، برائیاں ان سے ٹالتا رہتا ہے، پس ان کی اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کی اولاد ہے، زمین و آسمان اور پہاڑ تک تنگ ہیں، خدا تعالیٰ کی عظمت، و

شان کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہو، اس کے لڑکے لڑکیاں ہوں۔ اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی غلامی میں ہے۔ اس کی جوڑ کا یا اس جیسا کوئی اور نہیں، زمین و آسمان میں جو ہیں سب اس کے زیرِ فرمان اور حاضر باش غلام ہیں وہ سب کا آقا سب کا پالنہار سب کا خبر گیر ہے، سب کی گنتی اس کے پاس ہے۔ سب کو اس کے علم نے گھیر رکھا ہے۔

سب اس کی قدرت کے احاطے میں ہیں۔ ہر مرد وعورت چھوٹے بڑے کی اسے اطلاع ہے شروع پیدائش سے ختم دنیا تک کا اسے علم ہے۔ اس کا کوئی مددگار نہیں، نہ شریک وساجھی، ہر ایک بے یار ومددگار اس کے سامنے قیامت کے روز پیش ہونے والا ہے۔ ساری مخلوق کے فیصلے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی وحدہٗ لاشریک لہٗ سب کی چکوتیاں کرے گا جو چاہے گا کرے گا۔ عادل ہے ظالم نہیں۔ کسی کی حق تلفی اس کی شان سے بعید ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا اللہ نے بلاشبہ سب کا احاطہ کر لیا ہے (اسکے دائرہ علم وقدرت سے کوئی بھی خارج نہیں) اور سب کو گن رکھا ہے۔ یعنی تمام افراد کو ان کے افعال احوال اور زندگی اور رزق کو اپنے علم وقدرت کے گھیرے میں لے لیا ہے ہر چیز اس کے نزدیک اندازہ کے مطابق ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَعَدَّهُمْ عَدًّا، یعنی حق تعالیٰ شانہٗ تمام انسانوں کے اشخاص واعمال کا پورا علم رکھتے ہیں ان کے سانس انکے قدم ان کے لقمے اور گھونٹ اللہ کے نزدیک شمار کئے ہوئے ہیں نہ کم ہو سکتے ہیں نہ زیادہ۔ (معارف القرآن)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں انہوں نے نیکیاں
سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾
ان کو دیگا رحمٰن محبت ☆

اللہ کے محبوب بندے:

یعنی ان کو اپنی محبت دے گا، یا خود ان سے محبت کرے گا، یا خلق کے دل میں ان کی محبت ڈالے گا۔ احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اول جبرئیل کو آگاہ کرتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی کر، وہ آسمانوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں آسمانوں سے اترتی ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندہ کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع وضرر اسکی ذات سے وابستہ نہ ہو، اس لیں محبت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے حسن قبول کی ابتداء مومنین صالحین اور خدا پرست لوگوں سے ہوئی ہے، ان کے قلوب میں اول اس کی محبت ڈالی جاتی ہے، بعدہ قبول عام حاصل ہو جاتا ہے، ورنہ ابتداءً محض طبقہ عوام میں حسن قبول حاصل ہونا اور بعد میں بعض خدا پرست صالحین کا بھی کسی غلط فہمی وغیرہ سے اس کی طرف جھکنا، مقبولیت عنداللہ کی دلیل نہیں، خوب سمجھ لو۔ (تنبیہ) یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں جن مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا، تھوڑے دنوں بعد ایسی طرح پورا ہوا کہ دنیا حیرت زدہ ہوگئی۔ حق تعالیٰ نے ان کی وہ محبت والفت اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کر دی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وُدّ کا معنی:

صاحب قاموس نے لکھا ہے ود اور وداد محبت اور محبت کرنے والا۔

حضرت عبدالرحمٰن کو تسلی:

اس آیت میں حضرت عبدالرحمٰن کے لیے پیام تسلی ہے اور اس امر کا وعدہ ہے کہ بجائے کافروں کے اللہ مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا اور ان کو تمہارا دوست بنا دے گا۔

حضرت علیؓ کی فضیلت:

طبرانی نے الاوسط میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں ہوا اور ارشاد فرمایا کہ تمہاری محبت سوائے کافروں کے سارے مومنوں اور کل مخلوق کے دلوں میں ڈال دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں، (مولیٰ بمعنی آقا، دوست، بھائی) رواہ احمد وابن ماجۃ عن البراء بن عازب واحمد عن بریدۃ والترمذی والنسائی عن زید بن ارقم۔

اللہ کی محبت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا علیؓ کا ذکر (یا علی کی محبت) عبادت ہے رواہ صاحب مسند الفردوس عن ام المومنین عائشۃؓ حضور گرامی نے ارشاد فرمایا، اللہ جب (کسی) بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل سے فرماتا ہے میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر حسب الحکم جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے ہیں، اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین پر اس شخص کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے (اور اہل زمین اس سے محبت کرتے ہیں) رواہ البخاری ومسلم من حدیث ابی ہریرۃؓ۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہو کہ اللہ بندہ کو اپنی ذات گرامی سے محبت کرنے والا بنا دیتا ہے بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) پھر اللہ بندہ سے محبت کرنے لگتا ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا میرا بندہ پیہم نوافل کے ذریعہ سے میرا مقرب ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ (تفسیر مظہریؒ)

ایمان کامل کا خاصہ:

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ یعنی ایمان اور عمل صالح پر قائم رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کر دیتے ہیں دوستی اور محبت، یعنی ایمان اور عمل صالح جب مکمل ہوں اور بیرونی عوارض سے خالی ہوں تو ان کا خاصہ یہ ہے کہ مومنین صالحین کے درمیان آپس میں بھی الفت و محبت ہو جاتی ہے۔ ایک نیک صالح آدمی دوسرے نیک آدمی سے مانوس ہوتا ہے اور دوسرے تمام لوگوں اور مخلوقات کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

اور ہرم بن حیانؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں (قرطبی) (معارف القرآن)

ایک شخص کا واقعہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں گا کہ تمام لوگوں میں میری نیکی کی شہرت ہو جائے۔ اب وہ عبادتِ خدا تعالیٰ کی طرف جھک پڑا۔ جب دیکھو نماز میں مسجد میں سب سے اول آئے اور سب کے بعد جائے۔ اسی طرح سات ماہ اس پر گزر گئے لیکن اس نے جب بھی سنا یہی سنا کہ لوگ اسے ریا کار کہتے ہیں۔ اس نے یہ حالت دیکھ کر اب اپنے جی میں عہد کر لیا کہ میں صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے عمل کروں گا۔ کسی عمل میں تو نہ بڑھا لیکن خلوص کے ساتھ اعمال شروع کر دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر شخص کی زبان سے نکلنے لگا، اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے اب تو وہ واقعی اللہ والا بن گیا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

سو ہم نے آسان کر دیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشخبری سنا دے تو

الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

ڈرنے والوں کو، اور ڈرا دے جھگڑالو لوگوں کو ☆

آسان اور واضح کتاب:

یعنی قرآن کریم نہایت سہل و صاف زبان میں کھول کھول کر پرہیزگاروں کو بشارت سناتا اور جھگڑالو لوگوں کو بدکرداریوں کے خراب نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

میں کہتا ہوں بِلِسَانِكَ کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کی امت پر آسان کر دیا ہے۔ آپ کی زبان میں اتار کر (دوسری زبانوں میں نہیں اتارا کہ عرب کو سمجھنے میں دشواری ہوتی) (تفسیر مظہریؒ)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ

اور بہت ہلاک کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں آہٹ پاتا ہے تو

مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

ان میں کسی کی یا سنتا ہے ان کی بھنک ☆

منکر و مخالف خبردار ہو جائیں:

یعنی کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکیں جن کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لن ترانیوں کی ذرا سی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ پس جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرِ مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار و استہزاء کر رہے ہیں، وہ بے فکر نہ ہوں۔ ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آ گھیرے جو چشم زدن میں تہس نہس کر ڈالے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

تم سورة مريم بحسن توفيقه

ونصره فله الحمد والمنه

سورۂ طٰہٰ

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ رات کی نماز کو دوست رکھے گا اور نیک کام کرے گا اور دینداروں کے ساتھ رہنا پسند کرے گا۔

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّثَمٰنُ رُکُوْعَاتٍ

سورہ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینتیس آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن

لِتَشْقٰی ۝ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝

کہ تو محنت میں پڑے، مگر نصیحت کے واسطے اس کے جو ڈرتا ہے☆

نزولِ قرآن کا مقصد:

یعنی قرآن کریم اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن کے دل نرم ہوں اور خدا سے ڈرتے ہوں، وہ اس کے بیانات سے نصیحت حاصل کریں اور روحانی فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں۔ یہ غرض نہیں کہ قرآن نازل کر کے خواہ مخواہ تم کو کسی محنت شاقہ اور تکلیف شدید میں مبتلا کیا جائے نہ وہ ایسی چیز ہے جس کا حامل و عامل کبھی محروم و ناکام رہے۔ آپ تکذیب کرنے والوں کی باتیں سن کر ملول اور تنگدل نہ ہوں۔ نہ ان کے پیچھے پڑ کر زیادہ تکلیف اٹھائیں۔ حق کا علمبردار ہی آخر کامیاب ہو کر رہے گا۔ آپ توسط کے ساتھ عبادت کرتے رہیے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب کو نماز میں کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔ کفار آپ کی محنت و ریاضت دیکھ کر کہتے کہ قرآن کیا اترا بے چارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت تکلیف اور محنت میں پڑ گئے۔ اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا کہ فی الحقیقت قرآن محنت و شقاء نہیں۔ رحمت و نور ہے۔ جس کو جتنا آسان ہو اسی قدر نشاط کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ۔ (تفسیر عثمانی)

طٰہٰ کا مطلب:

طٰہٰ اور حروف کے نام ہیں اس کی بحث سورہ بقرہ کے شروع میں مفصل گذر چکی ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا نام ہے اور اس جگہ اس کا ذکر بطور قسم ہے (یعنی طٰہٰ کی قسم جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا حٰم لا ینصرون (حم کی قسم ان کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی یہ فتحیاب نہیں ہوں گے) ابوداؤد ترمذی نسائی اور حاکم نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی رات کو فرمایا حٰم لا ینصرون۔

شانِ نزول:

ابن مردویہ نے تفسیر میں اور بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے (تکلیف کی وجہ سے) آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھا لیتے تھے اس پر جبرئیل اترے اور کہا طٰہٰ یعنی اے محمد اپنے دونوں قدم زمین پر رکھو۔

طٰہٰ کے لفظ سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگا اسی لیے بعض لوگوں نے طہٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے شمار کیا ہے کیونکہ آیت میں طٰہٰ سے کنایہ آپ ہی کی ذات سے ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کلبی کا قول ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں ٹیکتے دوسرا اٹھاتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھا لیتے تھے اور رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے۔

عبد بن حمید نے رابع بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو ایک ٹانگ ٹیکے رکھتے اور دوسری اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کافروں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھا رہے ہیں تو کہنے لگے محمد قرآن تم پر صرف اس لیے نازل ہوا کہ تم مشقت اٹھاؤ۔ (یا تمہاری شقاوت کے لیے قرآن نازل ہوا ہے) اس قول کی تردید اور تکذیب کے لیے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شاید کفار کی مراد یہ ہو کہ تم نے چونکہ باپ دادا کا مذہب چھوڑ دیا ہے اس لیے بدنصیب ہو گئے قرآن اترنے کا یہی نتیجہ نکلا اللہ نے اس خیال کی تکذیب فرما دی، اس مضمون پر وہ روایت دلالت کر رہی ہے جو بطریق عوفی آئی ہے۔ جس میں حضرت ابن عباسؓ نے کفار کا یہ مقولہ (بیان کیا'' یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بدنصیب ہو گیا'' اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی یہ بھی ممکن ہے کہ آیت کا مطلب اس طرح ہو ہم نے قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم تھکان میں مبتلا ہو جاؤ اور اس غم میں اپنے آپ کو تباہ کر دو کہ تمہاری قوم مومن کیوں نہیں ہوتی آپ کے ذمے تو صرف تبلیغ ہے ان کے ایمان لانے نہ لانے کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

خشیت والا آدمی:

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى بلکہ ایسے شخص کی ہدایت کے لیے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ من یخشٰی سے مراد ہے وہ شخص جس کے دل کے اندر خشیت اور رقت ہو کہ ڈرانے سے اس کو فائدہ پہنچ جائے۔ (تفسیر مظہریؒ)

سورۂ کلیم:

اس سورت کا دوسرا نام سورہ کلیم بھی ہے (کما ذکر السخاوی) وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مفصل مذکور ہے۔

دو مبارک سورتیں:

مسند دارمی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کرنے سے بھی دو ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ ویٰس پڑھی (یعنی فرشتوں کو سنائی) تو فرشتوں نے کہا کہ بڑی خوش نصیب اور مبارک ہے وہ امت جس پر یہ سورتیں نازل ہونگی اور مبارک ہیں وہ سینے جو ان کو حفظ رکھیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو ان کو پڑھیں گی، یہی وہ مبارک سورت ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا تہیہ کر کے نکلنے والے عمر بن خطابؓ کو ایمان قبول کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گرنے پر مجبور کر دیا جس کا واقعہ کتب سیرت میں معروف ومشہور ہے۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ:

ابن اسحٰق کی روایت اس طرح ہے کہ عمر بن خطابؓ ایک روز تلوار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے۔ راستہ میں نُعیم بن عبداللہ مل گئے، پوچھا کہاں کا ارادہ ہے عمر بن خطابؓ نے کہا کہ میں اس گمراہ شخص کا کام تمام کرنے کے لئے جا رہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا، ان کے دین و مذہب کو برا کہا ان کو بیوقوف بنایا اور انکے بتوں کو برا کہا، نُعیم نے کہا کہ عمر تمہیں تمہارے نفس نے دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو گے۔ اور ان کا قبیلہ بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑے گا کہ زمین پر چلتے پھرتے رہو، اگر تم میں عقل ہے تو اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہو چکے ہیں، عمر بن خطاب پر ان کی بات اثر کر گئی اور یہیں سے اپنی بہن بہنوئی کے مکان کیطرف پھر گئے، ان کے مکان میں حضرت خباب بن ارت صحابیؓ ان دونوں کو قرآن کی سورت طٰہٰ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے جب محسوس کیا کہ عمر بن خطاب آرہے ہیں تو حضرت خباب گھر کے کسی کمرہ یا گوشہ میں چھپ گئے اور ہمشیرہ نے یہ صحیفہ اپنی ران کے نیچے چھپا لیا مگر عمر بن خطاب کے کانوں میں خباب بن ارت کی اور ان کے کچھ پڑھنے کی آواز پہنچ چکی تھی اس لئے پوچھا کہ یہ پڑھنے پڑھانے کی آواز کیسی تھی جو میں نے سنی ہے، انہوں نے (اول بات کو ٹالنے کے لئے) کہا کہ کچھ نہیں، مگر اب عمر بن خطاب نے بات کھولدی کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور مسلمان ہو گئے ہو اور یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید بن زید پر ٹوٹ پڑے ان کی ہمشیرہ فاطمہ نے جب یہ دیکھا تو شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہوگئیں، عمر بن خطاب نے ان کو بھی مار کر زخمی کر دیا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو بہن بہنوئی دونوں نے بیک زبان کہا کہ سن لو ہم بلاشبہ مسلمان ہو چکے ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں اب جو تم کر سکتے ہو کر لو۔ ہمشیرہ کے زخم سے خون جاری تھا اس کیفیت کو دیکھ کر عمر بن خطابؓ کو کچھ ندامت ہوئی اور بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ مجھے دکھلاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں تا کہ میں بھی دیکھوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تعلیم لائے ہیں عمر بن خطاب لکھے پڑھے آدمی تھے اس لئے صحیفہ دیکھنے کے لئے مانگا، بہن نے کہا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ہم نے یہ صحیفہ اگر تمہیں دیدیا تو تم اس کو ضائع کر دو یا بے ادبی کرو۔ عمر بن خطاب نے اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم یہ خوف نہ کرو میں اس کو پڑھ کر تمہیں واپس کر دوں گا۔ ہمشیرہ فاطمہؓ نے جب یہ رُخ دیکھا تو ان کو کچھ امید ہوگئی کہ شاید عمرؓ بھی مسلمان ہو جائیں اس وقت کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ تم نجس ناپاک ہو اور اس صحیفہ کو پاک آدمی کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو غسل کر لو۔ عمرؓ نے غسل کر لیا پھر یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا گیا تو اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کا شروع حصہ ہی پڑھ کر عمرؓ نے کہا کہ یہ کلام تو بڑا اچھا اور نہایت محترم ہے۔ خباب بن ارت جو مکان میں چھپے ہوئے یہ سب کچھ سن رہے تھے عمرؓ کے یہ الفاظ سنتے ہی سامنے آ گئے اور کہا کہ اے عمر بن خطاب مجھے اللہ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے رسول کی دعا کے لئے منتخب فرما لیا ہے کیونکہ گزشتہ کل میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سُنا ہے کہ اللّٰھم اید الاسلام بابی الحکم بن ھشام اوبعمر بن الخطاب، یا اللہ اسلام کی تائید وتقویت فرما ابوالحکم بن ہشام (یعنی ابوجہل) کے ذریعہ یا پھر عمر بن خطاب کے ذریعہ۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی کمزور جماعت میں جان پڑ جائے۔ پھر خبابؓ نے کہا کہ اے عمرؓ اب تو اس موقع کو غنیمت سمجھ، عمر بن خطابؓ نے خبابؓ سے کہا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو (قرطبی) آگے ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور اسلام قبول کرنا مشہور ومعروف واقعہ ہے۔

علماء کی فضیلت:

صحیحین کی حدیث میں بروایت معاویہؓ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین، یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا علم اور سمجھ بوجھ عطا فرمادیتے ہیں۔

اس جگہ امام ابن کثیر نے ایک صحیح حدیث دوسری بھی نقل فرمائی ہے جو علماء کیلئے بڑی بشارت ہے یہ حدیث طبرانی نے حضرت ثعلبہ بن الحکمؓ سے روایت کی ہے ابن کثیر نے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے۔ حدیث یہ ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ للعلماء یوم القیامۃ اذا قعد علیٰ کرسیہ لقضاء عبادہ انی لم اجعل علمی و حکمتی فیکم الا و انا ارید ان اغفر لکم علیٰ ما کان منکم و لا ابالی. (ابن کثیر ص ۱۴۱ ج ۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہونگے تو علماء سے فرمادینگے کہ میں نے اپنا علم و حکمت تمہارے سینوں میں صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا ہوں باوجودان خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئیں اور مجھے کوئی پروانہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہاں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جن میں علم کی قرآنی علامت خشیت اللہ موجود ہو اس آیت میں لفظ لمن یخشیٰ اسی طرف اشارہ کرتا ہے، جن میں یہ علامت نہ ہو وہ اس کے مستحق نہیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

یہ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی یموسیٰ (اے موسیٰ) تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے۔ اس لئے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ اور کدھر ہے پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے سے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا۔ اور یقین کرلیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بند سے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لئے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہوسکتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)۔

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کررہا ہوں۔ اس لئے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے۔ جس کا نام طویٰ ہے۔ اسی لئے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لئے ان کے نکالنے کا حکم ہوا اس حکم کا منشا بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ و مقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہوتا کہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے، جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

اذا کنت فی مثل ھٰذا المکان فاخلع نعلیک قال فخلعتھا

ترجمہ: اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیئے۔

حضرت علی اور سعید بن جبیر اور حسن بصری اور ابن جریج سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی ص ۱۷۳ ج ۱۱ دیکھیں۔ (تفسیر معارف کاندھلویؒ)

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴

اتارا ہوا ہے اس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے ☆

قرآن شہنشاہانہ کلام ہے:

اس لئے ضروری ہے کہ مخلوق نہایت خوشی کے ساتھ اس کو اپنے سرآنکھوں پر رکھے اور شہنشاہانہ احکام کی خلاف ورزی نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

طرز کلام میں نیرنگی پیدا ہوگئی اور اتارنے والے کی عظمت، کا اظہار دو طرح سے ہوگیا اور اتارنے کی نسبت اپنی عظیم الشان ذات کی جانب کی پھر ایسی ذات جامع الصفات کی طرف اسنادِ تنزیل کی جو عظیم الشان صفات و افعال کا سرچشمہ ہے اور اسی ترتیب سے اس کے افعال کا ذکر کیا جو ترتیب عند العقل مناسب تھی اول تخلیق زمین کا ذکر کیا زمین بالکل ہمارے سامنے اور بہت زیادہ قریب ہے پھر اونچے آسمانوں کا ذکر کیا اس کے بعد استواء علی العرش اور درمیانی کائنات کی ملکیت و تخلیق اور زیرثریٰ کی پیدائش کا تذکرہ کیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا ☆

استواء علی العرش کا مفصل بیان سورہ "اعراف" کے فوائد میں دیکھ لیا جائے۔ "عرش" کے متعلق نصوص سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پائے ہیں اور خاص فرشتے اٹھانیوالے ہیں اور آسمانوں کے اوپر قبہ کی طرح ہے۔ صاحب روح المعانی نے "عرش" اور "استواء علی العرش" پر اس

آیت کے تحت میں نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ من شاء فلیراجعہ. (تفسیر عثمانی)

استواء علی العرش کی پوری تشریح سورہ یونس میں گذر گئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کا عرش پر قائم ہونا:

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ استواء علی العرش کے متعلق صحیح بے غبار وہی بات ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ متشابہات میں سے ہے۔ عقیدہ اتنا رکھنا ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا چھت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے، نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے۔ جو محدود اور لا متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (نظم)

نے مکان رہ یافت سویش نے زماں　　نے بیان دارد خبر زو نے عیاں
ایں ہمہ مخلوق حکم دا دراست　　خالق عالم ز عالم برتر است

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ
اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور
مَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾
ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے ہے

مالک کل اللہ ہے:

یعنی وہ ہی ایک خدا بلا شرکت غیرے آسمانوں سے زمین تک اور زمین سے وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى تک تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اُسی کی تدبیر و انتظام سے کل سلسلے قائم ہیں۔ (تنبیہ) آسمان و زمین کی درمیانی مخلوق سے یا تو کائنات جو مراد ہیں جو دائماً دونوں کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ مثلاً ہوا، بادل وغیرہ اور یا وہ چیزیں بھی اس میں شامل ہوں جو اکثر ہوا میں پرواز کرتی ہیں جیسے پرندہ جانور اور "ثری" (گیلی زمین) سے زمین کے نیچے کا طبقہ مراد ہے جو پانی کے قرب و اتصال کی وجہ سے تر رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان کی موٹائی:

ترمذی وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچسو سال کی راہ ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ بھی پانچسو سال کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تحت ثریٰ:

وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ، ثریٰ، نمناک گیلی مٹی کو کہتے ہیں، جو زمین کھودنے کے وقت نکلتی ہے، مخلوقات کا علم تو صرف ثریٰ تک ختم ہو جاتا ہے، آگے اس ثریٰ کے نیچے کیا ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس نئی تحقیق و ریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما کر کے ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے کی کوشش مدتوں تک جاری رہی ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آ چکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات جدیدہ کام کر سکے، آگے ایک ایسا غلاف حجری ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے آلات اور سائنس جدید کے سب افکار عاجز ہو گئے یہ صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل کر سکا ہے جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا ہے اس لئے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔ (معارف القرآن)

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ
اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو تو خبر ہے
السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾
چھپی ہوئی بات کی اور اس سے بھی چھپی ہوئی کی

علم الٰہی کی وسعت:

پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الٰہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے، وہ اس علام الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تنہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جو دل میں گذرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گذری آئندہ گذرنیوالی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لئے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علمائے شریعت نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصالح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نہی سے مستثنیٰ ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ سر اور اخفی کی تحقیق:

بغوی نے بیان کیا کہ حسن نے کہا سرّ وہ خفیہ بات جو آدمی چپکے سے

دوسرے سے کہہ دیتا ہے اور اخفیٰ وہ پوشیدہ بات جس کو اپنے دل ہی میں چھپائے رکھتا ہے، حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر نے فرمایا، سرّ وہ پوشیدہ بات جو آدمی اپنے دل میں رکھتا ہے اور اخفیٰ وہ بات جو آئندہ اللہ دل میں پیدا کر دیتا ہے اور اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آئندہ اللہ کی طرف سے دل میں کیا بات پیدا ہوگی ہم آج جس چیز کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں اس سے تو واقف ہوتے ہیں لیکن کل کو ہمارے دل میں کیا بات آئے گی اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ہاں اللہ ہمارے آج کے پوشیدہ خیال سے بھی واقف ہے اور آئندہ جو کچھ ہم دل میں پوشیدہ رکھیں گے اس سے بھی واقف ہے۔

علی بن طلحہؒ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح آیا ہے۔ سرّ وہ پوشیدہ بات ہے جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے اور اخفیٰ وہ بات ہے جو آدمی کو خود بھی نہیں معلوم کہ وہ آئندہ کیا کرے گا جب تک کر نہ لے اس کو معلوم نہیں ہوتی۔

صوفیاء کی اصطلاح:

اہلِ تصوف کے نزدیک سرّ اور اخفیٰ ان پانچ غیر مادی چیزوں میں سے دو چیزوں کے نام ہیں جو مجرد از مادہ ہیں بنظر کشف بالائے عرش ان کو دیکھا جاسکتا ہے البتہ ان کے جلوے انسانی جسم میں نمودار ہوتے ہیں پانچ مجردات کے نام یہ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ ولایت آدم کے انوار کی جلوہ گاہ قلب ہے ولایت نوح کی تجلیات کی منزل روح ہے یہی ولایت ابراہیمی کا مہبطِ انوار ہے سر ولایت موسوی کی تجلیات کی منزل ہے اور خفی ولایت عیسیٰ کے انوار کی فرودگاہ ہے اور اخفیٰ ولایت محمدیہ کے انوار قدسیہ کی جلوہ گاہ ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى، سر سے مراد وہ چیز ہے جو انسان نے اپنے دل میں چھپائی ہوئی ہے کسی پر ظاہر نہیں اور اخفیٰ سے مراد وہ بات ہے جو ابھی تک تمہارے دل میں بھی نہیں آئی آئندہ کسی وقت دل میں آوے گی حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے واقف، باخبر ہیں کہ اس وقت کسی انسان کے دل میں کیا ہے اور کل کو کیا ہوگا۔ کل کا معاملہ ایسا ہے کہ خود اس شخص کو بھی آج اسکی خبر نہیں کہ کل کو میرے دل میں کیا بات آوے گی۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧

اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، اسی کے ہیں سب نام خاصے ☆

معبودیت الٰہی:

آیات بالا میں جو صفات حق تعالیٰ کی بیان ہوئی ہیں (یعنی اس کا خالق الکل، مالک علی الاطلاق، رحمان، قادر مطلق اور صاحب علم محیط ہونا) ان کا اقتضاء یہ ہے کہ الوہیت بھی تنہا اسی کا خاصہ ہو بجز اس کے کسی دوسرے کے آگے سر عبودیت نہ جھکایا جائے۔ کیونکہ نہ صرف صفات مذکورہ بالا بلکہ کل عمدہ صفات اور اچھے نام اسی کی ذات منبع الکمالات کے لئے مخصوص ہیں۔ کوئی دوسری ہستی اس شان وصفت کی موجود نہیں جو معبود بن سکے۔ نہ ان صفتوں اور ناموں کے تعدد سے اسکی ذات میں تعدد آتا ہے۔ جیسا کہ بعض جہال عرب کا خیال تھا کہ مختلف ناموں سے خدا کو پکارنا دعوائے توحید کے مخالف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور اس کا مقصد

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تا کہ سامعین سمجھ جائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کی وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں۔ جس طرح پیشتر موسیٰ علیہ السلام کو وحی مل چکی ہے، آپ کو بھی ملی، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی، آپ کی وحی میں بھی ان ہی اصول پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے تبلیغ حق میں جو صعوبات وشدائد برداشت کیں، آپ کو بھی برداشت کرنی پڑیں گی اور جس طرح ان کو آخر کار کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مقہور و مخذول ہوئے آپ بھی یقیناً غالب ومنصور ہونگے اور آپ کے دشمن تباہ و ذلیل کئے جائیں گے چونکہ سورت کا آغاز انزال قرآن کے ذکر سے کیا گیا تھا اس کے مناسب نبوت موسوی کے آغاز کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى، سابقہ آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کے ضمن میں تعظیم رسول کا بیان ہوا تھا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس مناسبت سے ذکر کیا گیا کہ منصب رسالت، و دعوت کی ادائیگی میں جو مشکلات اور تکلیفیں پیش آیا کرتی ہیں اور انبیاء سابقین نے ان کو برداشت کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آجائے تا کہ آپ اس کے لئے پہلے سے مستعد اور تیار ہو کر ثابت قدم رہیں جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد ہے وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ، یعنی رسولوں کے یہ سب قصے ہم آپ سے اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مضبوط ہو جائے اور منصب نبوت کا بار اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ جو یہاں مذکور ہے اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب وہ مدین پہنچ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان پر اس معاہدہ کے ساتھ مقیم ہو گئے کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی خدمت کریں گے اور انہوں نے تفسیر بحر محیط وغیرہ کی روایت کے مطابق ابعد الاجلین یعنی دس سال پورے کر لئے تو شعیب علیہ السلام سے رخصت چاہی کہ میں اب اپنی والدہ اور بہن سے ملنے

کے لئے مصر جا تا ہوں اور جس خطرہ کی وجہ سے مصر چھوڑا تھا کہ فرعونی سپاہی ان کی گرفتاری اور قتل کے درپے تھے عرصہ دراز گزر جانے کے بعد اب وہ خطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے ان کو مع اہلیہ یعنی اپنی صاحبزادی کے کچھ مال اور سامان دے کر رخصت فرما دیا راستہ میں ملک شام کے بادشاہوں سے خطرہ تھا اس لئے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ موسم سردی کا تھا اور اہلیہ محترمہ حاملہ قریب الولادت تھیں کہ صبح شام میں ولادت کا احتمال تھا۔ غیر معروف راستہ اور جنگل میں راستہ سے ہٹ کر طور پہاڑ کی مغربی اور داہنی سمت میں جا نکلے، رات اندھیری سردی برفانی تھی اسی حال میں اہلیہ کو دردزہ شروع ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سردی سے حفاظت کے لئے آگ جلانا چاہا۔ اس زمانے میں دیا سلائی (ماچس) کے بجائے چقماق پتھر استعمال کیا جاتا تھا جس کو مارنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی اس کو استعمال کیا مگر اس سے آگ نہ نکلی۔ اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں کوہ طور پر آگ نظر آئی جو درحقیقت نور تھا تو گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے آگ لاؤں اور ممکن ہے کہ آگ کے پاس کوئی راستہ جاننے والا مل جائے تو راستہ بھی معلوم کرلوں۔ گھر والوں میں اہلیہ محترمہ کا ہونا تو متعین ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خادم بھی ساتھ تھا تو انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا اور عرض کیا کہ میں آواز سن رہا ہوں مگر آواز دینے والے کی جگہ معلوم نہیں، آپ کہاں ہیں تو جواب آیا کہ میں تیرے اوپر، سامنے، پیچھے اور تیرے ساتھ ہوں پھر عرض کیا کہ میں یہ کلام خود آپ کا سن رہا ہوں یا آپ کے بھیجے ہوئے کسی فرشتہ کا، تو جواب آیا کہ میں خود ہی آپ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس پر صاحب روح فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام لفظی بلا واسطہ فرشتہ کے خود سنا ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت میں سے ایک جماعت کا مسلک یہی ہے کہ کلام لفظی بھی قدیم ہونے کے باوجود سنا جاسکتا ہے اس پر جو شبہ حدوث کا کیا جاتا ہے اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ کلام لفظی اس وقت حادث ہوتا ہے جبکہ وہ مادی زبان سے ادا کیا جائے جس کے لئے جسم، سمت، جہت شرط ہے، نیز سننے کیلئے صرف کان مخصوص ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس طرح سنا کہ نہ آواز کی کوئی جہت و سمت تھی اور نہ سننے کے لئے صرف کان مخصوص تھے سارے اعضاء سن رہے تھے، ظاہر ہے یہ صورت احتمال حدوث سے پاک ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ

جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے

بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾

سلگا کر، یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾

پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ

نبوت کی ذمہ داری کا سپرد ہونا:

اس قصہ کے مختلف اجزاء سورہ قصص، سورہ طٰہٰ اور سورہ اعراف میں سے جمع کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا۔ کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر جانے کا ارادہ کیا، حاملہ بیوی ہمراہ تھی رات اندھیری تھی، سردی کا شباب تھا۔ بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے، بکریاں متفرق ہوگئیں اور بیوی کو دردزہ شروع ہوگیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے سردی میں تاپنے کے لئے آگ موجود نہ تھی۔ چقماق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعۃً دور سے ایک آگ نظر آئی۔ وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی۔ اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا۔ (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لا سکوں، یا وہاں پہنچ کر کوئی رستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے کہتے ہیں کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے۔ اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے۔ اور جوں جوں درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر گرے تو اٹھا لائیں لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی "اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ" گویا وہ درخت بلا تشبیہ اس وقت غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمدؒ نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب "یموسیٰ" سنا تو کئی بار "لبیک" کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی "میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں اور تیری جان سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہوں"۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ہر جہت سے اور اپنے ایک ایک بال سے اللہ کا کلام سنتے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بغوی نے واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے مصر لوٹ کر جانے کی اجازت طلب کی تا کہ اپنی والدہ اور بہن کی زیارت کرسکیں حضرت شعیب نے اجازت دیدی آپ اپنی بیوی کے ساتھ چل پڑے، سردی کا موسم تھا۔ بادشاہانِ شام کے خوف سے آپ عام راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہو لیے بیوی دنوں سے تھیں، صبح شام کا بھروسہ نہ تھا راستوں سے واقف نہ تھے صحرا میں بغیر جانے ایک راستہ پر چل پڑے وہ راستہ کوہ طور کے دائیں مغربی جانب جاتا تھا، رات تاریک اور فضا برفیلی تھی راستہ میں بیوی کو دردزہ ہونے لگا آپ نے چقماق کو رگڑا پر آگ نہیں نکلی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آدمی غیرت مند تھے، چونکہ بیوی ساتھ تھی اس لیے رفقاء سفر کے ساتھ رات کو چلتے تھے اور دن کو علیحدہ ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً راستہ بھٹک گئے تاریک رات تھی اور برف زدہ بھی تھی۔ چقماق کو رگڑا لیکن آگ نہیں نکلی نظر اٹھائی تو دور آگ روشن دکھائی دی جو طور کے جانب سے راستہ کے بائیں طرف کو تھی۔

آگ نظر آنا:

بغوی نے لکھا ہے جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو آپ نے ایک درخت دیکھا جو اوپر سے نیچے تک بالکل سبز تھا اور اس کے گرداگرد شفاف، سفید، آگ اس کو گھیرے ہوئے تھی جو بہت زیادہ روشن تھا (دھویں کا نام بھی نہ تھا) درخت کی سبزی اور آگ کی سفیدی دونوں اپنی اپنی جگہ نمایاں تھیں نہ درخت کی سبزی آگ کی روشنی اور سفیدی میں مخل تھی نہ آگ کی نورانیت درخت کی سبزی نمایاں ہونے سے مانع تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، درخت کا رنگ گندمی سبز تھا۔

نورِ ربّانی:

اکثر مفسر قائل ہیں کہ وہ نور رب تھا، حضرت ابن عباسؓ اور عکرمہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن سعید بن جبیر نے فرمایا وہ حقیقت میں آگ ہی تھی آگ ہی چہرہ خداوندی کے لیے حجاب ہے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا حجاب آگ ہے اگر اس حجاب آتشیں کو کھولدے تو اس کی تجلی جمال اس تمام مخلوق کو سوختہ کردے جو اس کی حدنگاہ تک ہو بغوی کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے لیکن صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے اندر نار کی جگہ نور کا لفظ آیا ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں کا مآل ایک ہی ہے نور بھی لطیف ترین مصفی آگ ہی ہوتا ہے جو جلاتا نہیں ہے۔

اس قصہ میں آیا ہے کہ موسیٰؑ کچھ خشک گھاس لے کر آگ کی طرف بڑھے تو آگ دور ہوگئی جس قدر اس کے قریب جاتے تھے وہ اور دور ہٹ جاتی تھی اور جب موسیٰ پیچھے ہٹ آتے تھے تو آگ قریب آجاتی تھی موسیٰ حیران ہو کر کھڑے ہوگئے اور آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح کی آواز سنی اس وقت آپ کے اوپر سکینہ (ایمان شہودی، سکون خاطر، اطمینان قلبی، دل کا ٹھیراؤ) کا القاء ہوا۔

درخت سے نداء:

بغوی نے لکھا ہے کہ وہب نے بیان کیا حضرت موسیٰ کو درخت سے ندا آئی تھی کہ میں تیرا رب ہوں۔ موسیٰ کو معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے آپ نے جواب دیا، میں تیری آواز تو سن رہا ہوں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری جگہ کہاں ہے (کہاں سے آواز آرہی ہے۔ تو کہاں ہے آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں۔ تیرے ساتھ ہوں تیرے سامنے ہوں تیرے پیچھے ہوں تجھ سے اتنا قریب ہوں کہ تو بھی اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے اس وقت حضرت موسیٰ کو یقین ہوا کہ یہ اللہ ہے یہ شان تو اسی کی ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے موسیٰ کو ندا آئی تو آپ نے کہا یہ کلام کرنے والا کون ہے آواز آئی میں ہی اللہ ہوں اس وقت شیطان نے موسیٰ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ شاید میں شیطان کا کلام سن رہا ہوں، لیکن فوراً کہہ اٹھے یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ ہر طرف سے اور ہر عضو سے میں اس کو سن رہا ہوں (شیطان کا کلام نہ ہر جہتی ہو سکتا ہے نہ بند بند سے اس کو سنا جا سکتا ہے) اس تشریح میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ إِنَّكَ

میں ہوں تیرا رب، سو اُتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے

بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوٗى ﴿١٢﴾

پاک میدان طویٰ میں☆

وادیٔ طویٰ:

''طویٰ'' اس میدان کا نام ہے۔ شاید وہ میدان پہلے سے متبرک تھا یا اب ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں ناپاک تھیں۔ اس لئے اتروادی گئیں۔ باقی موزہ یا جوتا پاک ہو تو اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں پورا مسئلہ فقہ میں دیکھنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جوتے اُتارنے کا حکم:

فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ، پس اپنے جوتے اتار دو۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ برہنہ پا ہو جانا تعظیم کی علامت ہے اس لیے جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا۔ بغوی نے لکھا ہے اس حکم کی وہ وجہ تھی جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آئی ہے کہ وہ جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ وہ چمڑا جس کے جوتے بنے ہوئے تھے دباغت شدہ نہ تھا۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا ننگے پاؤں ہو جانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس پاک زمین کی خاک سے حضرت موسیٰ

کے قدم محروم نہ رہیں پاک سرزمین کی برکت موسیٰ کے قدموں کو حاصل ہوجائے حضرت موسیٰ نے فوراً جوتے اتار کر وادی کے پرے پھینک دیئے۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى، کیونکہ تم بلاشک طوی کی مقدس وادی میں ہو (تقدیس طوی کا تقاضا ہے کہ تو ننگے پاؤں ہوجائے) طوی اس وادی کا نام تھا۔ ضحاک نے کہا وادی طویٰ گہری تھی اور طور کی طرح مستدیر تھی۔

قلب کا عروج:

بعض نے کہا طویٰ مصدر ہے اور یہ اشارہ ہے اس کیفیت کی طرف جو اللہ نے موسیٰ کو اپنی مہربانی سے بطور انتخاب عطا فرمائی تھی، موسیٰ اپنی کوشش سے وہ کیفیت حاصل نہیں کر سکتے اللہ ہی نے وہ ساری وادی طے کرادی جس کی مسافت بہت بعید (مقدس بمعنی بعید) تھی۔ اہل تصوف کہتے ہیں قلب کا عروج اپنی اصل یعنی بالائی عرش تک اگر بالفرض کوشش سے ممکن بھی ہوتو پچاس ہزار برس کی کوشش کے بعد وہاں تک رسائی ہوگی کیونکہ زمین سے عرش تک پچاس ہزار برس کی مسافت ہے اسی کو بطور کنایہ فِي يوم كان مقداره خمسين الف سنة میں بیان کیا گیا ہے لیکن شیخ کی توجہ سے یہ عروج بطریق اجتباء (انتخاب، چن لینا) حاصل ہوجاتا ہے عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ　　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

(تفسیر مظہری)

مقام ادب میں جوتے اتار دینا

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ، جوتے اتارنے کا حکم یا تو اس لئے دیا گیا کہ مقام ادب ہے اور جوتا اتار کر ننگے پاؤں ہوجانا مقتضائے ادب ہے اور یا اس لئے کہ جوتے مردار کی کھال کے بنے ہوئے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے حضرت علیؓ اور حسن بصریؒ اور ابن جریجؒ سے وجہ اول ہی منقول ہے اور جوتا اتارنے کی مصلحت یہ بتلائی تا کہ آپ کے قدم اس مبارک وادی کی مٹی سے لگ کر اس کی برکت حاصل کریں اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم خشوع اور تواضع کی صورت بنانے کے لئے ہوا جیسا کہ سلف صالحین طواف بیت اللہ کے وقت ایسا ہی کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہ کو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلتے دیکھا تو فرمایا اذا كنت في مثل هذا المكان "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ" یعنی جب تم اس جیسے مکان سے گذرو (جس کا احترام مقصود ہے) تو اپنے جوتے اتارلو۔

جوتوں سمیت نماز:

جوتے اگر پاک ہوں تو ان میں نماز درست ہوجانے پر سب فقہاء کا اتفاق ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا صحیح روایات سے ثابت بھی ہے مگر عام عادت وسنت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جاتی تھی کہ وہ اقرب الی التواضع ہے (قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾

اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے، سو تو سنتا رہ جو حکم ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب:

"پسند کیا ہے" یعنی تمام جہان میں سے نبوت ورسالت اور شرف مکالمہ کیلئے چھانٹ لیا۔ اس لئے آگے جو احکام دیے جائیں انہیں غور وتوجہ سے سنو۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن سننے کا ادب:

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ، حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ قرآن سننے کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو فضول حرکت سے روکے کہ کسی دوسرے شغل میں کوئی عضو بھی نہ لگے اور نظر نیچی رکھے اور کلام سمجھنے کی طرف دھیان لگائے اور جو شخص اس ادب کے ساتھ کوئی کلام سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے سمجھنے کی بھی توفیق دیدیتے ہیں (قرطبی) (معارف القرآن)

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي

میں جو ہوں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾

اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو

خالص توحید اور خالص عبادت کا حکم:

اس میں خالص توحید اور ہر قسم کی بدنی و مالی عبادت کا حکم دیا۔ نماز چونکہ اہم العبادات بھی اس کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا اور اس پر بھی متنبہ فرمادیا گیا کہ نماز سے مقصود اعظم خدا تعالیٰ کی یادگاری ہے۔ گویا نماز سے غافل ہونا خدا کی یاد سے غافل ہونا ہے اور ذکر اللہ (یاد خدا) کے متعلق دوسری جگہ فرمادیا "واذکر ربک اذا نسیت" یعنی کبھی بھول چوک ہوجائے تو جب بھی یاد آجائے اسے یاد کرو۔ یہ حکم نماز کا ہے کہ وقت پر غفلت ونسیان ہوجائے تو یاد آنے پر قضا کرلے۔ "فلیصلها اذا ذکرها"۔ (تفسیر عثمانی)

نماز کی اہمیت:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔

عمومی عبادت کا ذکر پہلے کیا پھر نماز کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا، کیونکہ تمام عبادتوں میں نماز کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز دین کا ستون ہے رواہ ابونعیم والبیہقی عن عمرؓ وصاحب مسند الفردوس عن علیؓ۔

ابن عساکر نے حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے "نماز ایمان کا نور ہے"۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو سب سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے فرمایا نماز۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

ترکِ نماز:

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، بندہ کے اور کفر کے درمیان ترک صلوٰۃ (حائل) ہے اسی طرح امام احمد اور اصحاب السنن نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔

احمد، دارمی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے ایک روز نماز کا ذکر کیا اور فرمایا جو اس کی پابندی نہیں کرے گا اس کے لیے نماز نہ نور ہوگی نہ نجات (کا ذریعہ) اور قیامت کے دن وہ قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترمذی نے عبداللہ بن شقیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ سوائے ترک صلوٰۃ کے اور کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ انہی احادیث کی بنا پر امام احمد نے فرمایا کہ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا۔

نماز افضل عبادت کیوں ہے:

نماز کے افضل عبادات ہونے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نماز بجائے خود فی نفسہ نیکی ہے (دوسری عبادات کا حسن اضافی ہے) روزہ اس لیے اچھا ہے کہ اس سے نفس امارہ کے غلبہ کو شکست ہوتی ہے، زکوٰۃ اس لیے نیکی ہے کہ اس سے غریب محتاجوں کی حاجت روائی اور امداد ہوتی ہے حج اس لیے نیکی ہے کہ اس سے اللہ کے گھر کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے، چونکہ نماز فی نفسہ بجائے خود نیکی ہے اسی لیے اللہ نے اقامت صلوٰۃ کے حکم کی لِذِكْرِي کے لفظ سے علت بھی بیان فرمادی۔

قیام نماز کا مقصد:

لِذِكْرِي کا مطلب یہ ہے کہ تم نماز کو اس لیے قائم کرو کہ مجھے نماز کے اندر یاد کرو پوری نماز ہی ذکر خدا ہے نماز کے اندر آدمی دل، زبان اور تمام اعضاء کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ لِذِكْرِي کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ میں نے نماز کا ذکر اپنی تمام کتابوں میں کیا ہے اور سب ہی کتابوں میں اس کا حکم دیا ہے اس لیے تم بھی نماز قائم کرو۔ اول مطلب پر لِذِكْرِي میں مفعول کی طرف نسبت ہوگی۔ اور دوسرے مطلب پر فاعل کی طرف (مترجم) بعض علماء نے لِذِكْرِي کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم نماز قائم کرو کہ میں رحمت اور تعریف کے ساتھ تمہارا ذکر کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوتا ہوں اور میں (ہردم) اس کے ساتھ رہتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر (تنہا) اپنی ذات میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے (یعنی فرشتوں کی جماعت میں) اس جگہ اقامت صلوٰۃ کا ذکر اجمالی کیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل آئی ہے مثلاً ایک آیت میں فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ، حضرت جبرئیلؑ کی امامت کی حدیث تو مشہور ہی ہے۔

نماز کی قضاء:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا یا سوتا رہ گیا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آجائے (فوت شدہ) نماز پڑھ لے دوسری روایت میں آیا ہے اس کے سواء اور کوئی کفارہ نہیں، اللہ نے فرمایا ہے، اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوقتادہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیند میں کوئی قصور نہیں قصور تو بیداری میں (نماز ترک کرنے پر) ہے جو شخص کسی نماز کو بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو جب (فوت شدہ) نماز یاد آجائے پڑھ لے اللہ نے فرمایا ہے، وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي۔ مسلم (تفسیر مظہری)

صحیحین میں ہے جو شخص سوتے میں یا بھول میں نماز کا وقت گزار دے اس کا کفارہ یہی ہے کہ یاد آتے ہی نماز پڑھ لے۔ اس کے سوا اور کفارہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اصول دین کی تعلیم:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اس کلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دین کے تمام اصول کی تعلیم دے دی گئی یعنی توحید، رسالت، آخرت فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى میں رسالت کی طرف اشارہ ہے اور فَاعْبُدْنِيْ کے معنی یہ ہیں کہ صرف میری عبادت کریں، میرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں یہ مضمون توحید کا ہوگیا آگے اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ میں آخرت کا بیان ہے۔ فَاعْبُدْنِيْ کے حکم میں اگرچہ نماز کا حکم بھی داخل ہے لیکن اس کو جداگانہ اس لئے بیان فرمادیا کہ نماز تمام عبادات میں افضل واعلیٰ بھی ہے اور حدیث کی تصریح کے مطابق دین کا عمود اور ایمان کا نور ہے اور ترک نماز کافروں کی علامت ہے۔

نماز کی روح:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی روح ذکر اللہ ہے اور نماز اول سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے زبان سے بھی دل سے بھی اور دوسرے اعضاء سے بھی اس لئے نماز میں ذکر اللہ سے غفلت نہ ہونی چاہئے اور اس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کوئی شخص نیند میں مغلوب ہوگیا یا

کسی کام میں لگ کر بھول گیا اور نماز کا وقت نکل گیا تو جب نیند سے بیدار ہو یا بھول پر تنبہ ہو اور نماز یاد آئے اسی وقت نماز کی قضاء پڑھ لے جیسا کہ بعض روایاتِ حدیث میں آیا ہے۔ (معارف القرآن)

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى

قیامت بیشک آنے والی ہے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اس کو تاکہ بدلہ ملے☆

قیامت کا اِخفاء:

یعنی اس کے آنے کا وقت سب سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ اگر خود اپنے سے چھپانا ممکن ہوتا تو اپنے سے بھی مخفی رکھتا، لیکن یہ ممکن ہی نہیں۔ و فيه من المبالغة كما في الحديث لا تعلم شماله ما تنفق يمينه و كما قال الشاعر ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم ۔۔۔ گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم

اور اگر بہت سی مصالح باعث اظہار نہ ہوتیں تو جتنا اجمالی اظہار کیا گیا یہ بھی نہ کیا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا یہ مطلب بیان کیا۔ قریب تھا کہ میں قیامت کو چھپا لیتا یہ بھی نہ کہتا کہ قیامت آنے والی ہے، بندوں پر مہربانی کرنی اور اتمام حجت کرنا مقصود تھا اس لیے ذکر قیامت کر دیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ یہی مطلب تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ کا ہے کہ اگر اللہ کا حکم آسمانوں کو باقی رکھنے کا نہ ہوتا تو ان لوگوں کے اس قول سے کہ اللہ صاحبِ اولاد ہے آسمان پھٹ جاتے۔

ایمان وعبادت کا شرف:

میں کہتا ہوں شاید اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان اور اللہ کی عبادت کو وہ فضیلت و شرف اور حسن و خوبی حاصل ہے کہ بغیر جنت کی خواہش اور دوزخ کے خوف اور قیامت کے عذاب کے اندیشہ کے خود ان دونوں کو مقصود اصلی ہونا چاہئے گو ایمان وعبادت اور ترک ایمان وعبادت کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ثواب و عذاب ہوگا لیکن ایمان وعبادت کی غرض و غایت اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی ایمان و عبادت کو وہ عزت و شرف اور حسن حاصل ہے کہ ان دونوں کو بندوں پر لازم ہونا چاہئے اور کفر و ترک عبادت، ذلت، ناکامی اور خرابی و قباحت کے اس گڑھے میں گھسے ہوئے ہیں کہ بغیر خوفِ عذاب کے ان سے پرہیز رکھنا ضروری ہے اگر اللہ نے قیامت آنے کی اطلاع نہ دی ہوتی تب بھی مومن جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف سے نہ ہوتا بلکہ خالص لوجہ اللہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا صہیب بہت اچھا بندہ ہے اگر اس کو اللہ (کے عذاب اور دوزخ) کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرتا۔

آیت مذکورہ کے متعدد مطلب:

اکثر اہلِ تفسیر نے اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ قریب ہے میں قیامت کو اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں دوسروں کو وقتِ قیامت بتانے کا تو ذکر ہی کیا ہے گویا اخفاء قیامت کو اللہ نے زوردار طور پر مبالغہ کے ساتھ بیان کیا (اپنی ذات سے چھپانے کا ارادہ کرنا یا چھپانا مقصود کلام نہیں ہے بلکہ قیامت کے اخفاء کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہے)۔ (تفسیر مظہری)

اَكَادُ اُخْفِيْهَا یعنی قیامت کے معاملہ کو میں تمام مخلوقات سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں یہاں تک کہ انبیاء اور فرشتوں سے بھی اور اکاد سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں کو قیامت و آخرت کی فکر دلا کر ایمان و عمل صالح پر ابھارنا نہ ہوتا تو اتنی بات بھی ظاہر نہ کی جاتی کہ قیامت آنے والی ہے جیسا کہ اوپر آیت میں آیا ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ مقصود اس سے اخفائے قیامت میں مبالغہ کرنا ہے۔

قیامت آنے کی مصلحت:

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (تاکہ جزاء دیا جائے ہر نفس اپنے عمل کی، اس جملہ کا تعلق اگر لفظ اٰتِيَةٌ سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ قیامت کے آنے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دنیا تو دار الجزاء نہیں یہاں نیک و بد عمل کی جزاء کسی کو نہیں ملتی اور اگر کبھی دنیا میں کچھ جزا مل بھی جاتی ہے تو وہ عمل کی پوری جزاء نہیں ہوتی ایک نمونہ سا ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جہاں ہر نیک و بد عمل کی جزاء و سزا پوری دی جائے۔

اور اگر جملہ کا تعلق اَكَادُ اُخْفِيْهَا سے قرار دیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ قیامت اور موت کے وقت اور تاریخ کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے عمل اور سعی میں لگے رہیں اپنی شخصی قیامت یعنی موت اور پورے عالم کی قیامت یعنی حشر کے دن کو دور سمجھ کر غافل نہ ہو بیٹھیں۔ (روح) (معارف القرآن)

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے☆

یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد کا بدلہ ملے اور مطیع و عاصی میں کوئی التباس و اشتباہ باقی نہ رہے یہ توحید و عبادت کے بعد عقیدہ معاد کی تعلیم ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ

سو کہیں تجھ کو نہ روک دے اس سے وہ شخص جو یقین نہیں رکھتا

بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

اس کا اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو بھی پڑ کا جائے☆

بری صحبت سے ممانعت:

نہ روک دے اس سے یعنی قیامت پر یقین رکھنے سے یا نماز سے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو برے کی صحبت سے منع کیا تو اور کوئی کس شمار میں ہے۔ کذا فی الموضح۔ غرض یہ ہے کہ دنیا پرست کافر کی چاپلوسی یا زیادہ نرمی اور مداہنت اختیار نہ کی جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ آدمی بلند مقام سے نیچے پٹک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ ☆

عصائے موسیٰ:

یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ چونکہ معجزات دیکر فرعون کی طرف بھیجے جانے والے تھے۔ اس لئے اولاً معجزہ عصا کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ سوال کہ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ اس غرض سے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اسکے منافع کو خوب مستحضر کرلیں تا جو خارق عادت چیز پیش آنیوالی تھی اس کا معجزہ ہونا پوری طرح واضح، مستحکم اور اوقع فی النفس ہو، یعنی اس وقت خوب دیکھ بھال کر اور جانچ تول کر بتلاؤ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ مبادا سانپ بن جانے پر وہم کرنے لگو کہ شاید میں غلطی سے ہاتھ میں لاٹھی نہ لایا ہوں کچھ اور لے آیا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سوال کا مقصد:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى، بارگاہ رب العالمین کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرنا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا چیز ہے موسیٰ علیہ السلام پر لطف و کرم اور خاص مہربانی کا آغاز ہے تاکہ حیرت انگیز مناظر کے دیکھنے اور کلام ربانی کے سننے سے جو ہیبت اور دہشت ان پر طاری تھی وہ دُور ہوجائے یہ ایک دوستانہ انداز کا خطاب ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے کہ آگے اس عصا کو جوان کے ہاتھ میں تھی ایک سانپ اور اژدھا بنانا تھا اس لئے پہلے ان کو متنبہ کردیا کہ دیکھ لو تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے جب انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ لکڑی کا عصا ہے تب اس کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ میں رات کے اندھیرے میں شاید لاٹھی کی جگہ سانپ ہی پکڑ لایا ہوں۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا رکھنا سنتِ انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا

بولا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے

عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿۱۸﴾

اپنی بکریوں پر اور میرے اس میں چند کام ہیں اور بھی ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

یعنی اس میں شبہ کیا ہے۔ وہ لاٹھی ہے جسے ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہوں۔ اس پر ٹیک لگاتا ہوں، بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن کو اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور بہت سی ضرورتوں میں لاٹھی کا کام لیتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے اس کا بالا سرا دوشاخہ تھا اور نچلی جانب برچھی پیوست تھی۔

بعض اہلِ محبت نے کہا کہ حضرت موسیٰ نے جواب کو قدر کفایت سے زیادہ طول دیا اور سوال سے زائد جواب میں تفصیل کی (جواب اتنا کافی تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے اس کے بعد لاٹھی کے فوائد کا بیان مقدار کفایت سے زائد تھا) اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ محبوب کے ساتھ ہم کلام ہونے میں لذت پا رہے تھے اس لیے زیادہ ہم کلام رہنا چاہتے تھے لیکن پھر اپنی طوالت کلام سے ڈر گئے اور خیال کیا یہ گستاخی اور بے ادبی ہے اس لیے کلام کو آخر میں مجمل کردیا، اور وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى پر کلام کو ختم کردیا۔

عصا کو ڈالنے کا حکم:

قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى، اللہ نے فرمایا موسیٰ اس کو (ہاتھ سے) پھینک دو۔ یعنی لاٹھی پر تکیہ نہ کرو اس کا سہارا چھوڑ دو ہمارا سہارا پکڑو پھینکنے کے بعد تم کو اس لاٹھی کا حقیقی فائدہ نظر آجائے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ﴿۱۹﴾ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا

فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ تو اس کو ڈال دیا، پھر اسی وقت

هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾

وہ تو سانپ ہوگیا دوڑتا ہوا ☆

لاٹھی اژدھا بن گئی:

یعنی لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ لاٹھی کی جگہ ایک اژدہا نظر آیا جو پتلے سانپ کی طرح تیزی سے دوڑتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ناگہاں یہ انقلاب دیکھ کر بمقتضائے بشریت خوفزدہ ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب اپنی لاٹھی کو دیکھا تو ان کو بجائے لاٹھی کے ایک بہت بڑا اژدھا نظر آیا لاٹھی کا دوشاخہ سانپ کی دو

باچھیں بن گیا تھا اور لاٹھی کی موٹھ سانپ کی گردن ہوگئی تھی جس کے سر پر بال بھی تھے انگارے کی طرح اس کی دونوں آنکھیں دہک رہی تھیں اور اس کے دانتوں کے رگڑنے کی کرکری کی طرح آواز سنائی دے رہی تھی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑ رہا تھا بڑی چٹان پر منہ مارتا تھا تو اس کو بھی لقمہ بنالیتا تھا اور بڑے بڑے درختوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیے دے رہا تھا، موسیٰ یہ دیکھ کر ڈر کر پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن پھر ان کے دل میں اپنے رب کا خیال آیا تو شرمندہ ہو کر رک کر کھڑے ہو گئے، اس وقت ندا آئی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ

فرمایا پکڑ لے اس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دینگے اس کو پہلی حالت پر ☆

اژدھا پھر لکڑی بن گیا:

یعنی ہاتھ میں آکر پھر لاٹھی ہو جائیگی۔ کہتے ہیں ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی آخر کپڑا ہاتھ میں لپیٹ کر پکڑنے لگے۔ فرشتہ نے کہا ''موسیٰ کیا خدا اگر بچانا نہ چاہے تو یہ چیتھڑا تجھے بچا سکتا ہے؟'' موسیٰ نے کہا ''نہیں، لیکن میں کمزور مخلوق ہوں، اور ضعف سے پیدا کیا گیا ہوں''۔ پھر حضرت موسیٰ نے ہاتھ سے کپڑا ہٹا کر اژدھے کے منہ میں دیدیا۔ ہاتھ ڈالنا تھا کہ وہی لاٹھی ہاتھ میں دیکھی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ نے فرمایا اس کو پکڑ لو کچھ اندیشہ نہ کرو (میرے پاس آکر پیغمبر کسی سے نہیں ڈرتے) میں دوبارہ لوٹا کر اس کی پہلی حالت اور ہیئت کر دوں گا۔

سیرت بروزن فِعْلَۃٌ ایک بار چلنا مجازاً مراد ہے طریقہ، ہیئت، حالت۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت کا تقاضا:

بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ اس وقت اونی جُبہ پہنے ہوئے تھے جب حکم ہوا خُذْ ہا اس کو پکڑ لو تو آپ نے جبہ کا دامن ہاتھ کو لپیٹ کر پکڑنا چاہا اللہ نے حکم دیا ہاتھ کھول دو (جبہ کا دامن ہاتھ پر مت لپیٹو) حضرت نے ہاتھ کھول دیا۔

اس معجزہ کا مقصد:

اہل تفسیر نے لکھا ہے اللہ نے یہ نشان قدرت حضرت موسیٰ کو اس لیے دکھایا کہ جب فرعون کے سامنے موسیٰ یہ معجزہ دکھائیں تو خود خوف زدہ نہ ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے دیگر کمالات:

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰ سفر میں لاٹھی پر اپنے کھانے پینے کا سامان لاد دیا کرتے تھے وہ سامان اٹھائے ہوئے حضرت کیساتھ ساتھ باتیں کرتی چلتی تھی۔ آپ اسی لاٹھی کو زمین پر مارتے تو دن بھر کا کھانا برآمد ہو جاتا اور زمین میں گاڑ دیتے تو پانی نکل آتا جب اکھاڑ لیتے تو پانی بند ہو جاتا تھا، اگر کسی پھل کی خواہش ہوتی تو لاٹھی کو زمین میں گاڑ کر کھڑا کر دیتے۔ لاٹھی درخت کی سرسبز شاخ بن جاتی جس میں پتے بھی ہوتے اور پھل بھی۔ کنویں سے پانی کھینچنا چاہتے تو لاٹھی کنویں میں لٹکا دیتے، کنواں جتنا گہرا ہوتا لاٹھی اتنی ہی لمبی ہو جاتی اور اسکے سر کا دوشاخہ ڈول کی طرح بن جاتا، اس طرح آپ پانی بھر لیتے رات میں لاٹھی چراغ کی طرح روشن ہو جاتی تھی اگر کوئی دشمن سامنے آجاتا تو خود اس سے لڑتی اور حضرت موسیٰ کی طرف سے دفاع کرتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

اور ملالے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے کہ نکلے

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ

سفید ہو کر بلا عیب ☆

روشن ہاتھ:

یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل سے ملا کر نکالو گے تو نہایت روشن سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔ اور یہ سفیدی برص وغیرہ کی نہ ہوگی جو عیب سمجھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے روشن چمکدار نور برآمد ہوتا تھا جو دن میں یا رات میں، ہر وقت چاند سورج کی طرف جھلکتا تھا۔ آیۃ اُخْرٰی سے یہ مراد ہے کہ یہ دوسرا معجزہ ہوگا جو تمہارے دعوائے نبوت کی تصدیق کرے گا۔

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ، تا کہ ہم تم کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھائیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ید بیضاء حضرت موسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔ (تفسیر مظہری)

آيَةً أُخْرَىٰ ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ۝

یہ نشانی دوسری تا کہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی ☆

یعنی عصا اور ید بیضا کے معجزے ان بڑی نشانیوں میں سے دو ہیں جن کا دکھلانا تم کو منظور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝۲۴

جا طرف فرعون کی کہ اس نے بہت سر اٹھایا

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾

بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ ☆

شرح صدر کا مطلب:

یعنی علیم و بردبار اور حوصلہ مند بنادے کہ خلاف طبع دیکھ کر جلد خفا نہ ہوں اور ادائے رسالت میں جو سختیاں پیش آئیں ان سے نہ گھبراؤں بلکہ کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کروں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعائیں:

پہلی دعا اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ، یعنی میرا سینہ کھولدے اس میں ایسی وسعت عطا فرمادے جو علوم نبوت کا متحمل ہو سکے اور دعوتِ ایمان لوگوں تک پہنچانے میں جو ان کی طرف سے سخت سست سننا پڑتا ہے اس کو برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری دعا یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ (یعنی میرا کام میرے لئے آسان کردے) یہ فہم و فراست بھی نبوت ہی کا ثمرہ تھا کہ کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا بھی ظاہری تدبیروں کے تابع نہیں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں تو کسی کے لئے مشکل سے مشکل بھاری سے بھاری کام آسان کردیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو آسان سے آسان کام مشکل ہوجاتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں مسلمانوں کو اس دعاء کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعاء مانگا کریں اَللّٰھُمَّ الْطُفْ بِنَا فِیْ تَیْسِیْرِ کُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ کُلِّ عَسِیْرٍ عَلَیْکَ یَسِیْرٌ، یعنی یا اللہ ہم پر مہربانی فرما ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کردینا آپ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری دعا، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ یعنی کھول دے میری زبان کی بندش تا کہ لوگ میرا کلام سمجھنے لگیں۔

بندش زبان کا واقعہ:

اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینے کے زمانے میں تو اپنی والدہ ہی کے پاس رہے اور دربار فرعون سے ان کو دودھ پلانے کا وظیفہ اور صلہ ملتا رہا، جب دودھ چھڑایا گیا تو فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لئے والدہ سے واپس لے کر اپنے یہاں پالنے لگے۔ اسی عرصہ میں ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک چھڑی ہاتھ میں تھی جس سے کھیل رہے تھے وہ فرعون کے سر پر ماری، فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ بیوی آسیہ نے کہا کہ شاہا، آپ بچے کی بات پر خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل نہیں اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کرلیں کہ اس کو کسی بھلے برے کا امتیاز نہیں، فرعون کو تجربہ کرانے کے لئے ایک طشت میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں جواہرات لا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے خیال یہ تھا کہ بچہ ہے یہ بچوں کی عادت کے مطابق آگ کے انگارے کو روشن خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گا جواہرات کی رونق بچوں کی نظر میں ایسی نہیں ہوتی کہ اس طرف توجہ دیں، اس سے فرعون کو تجربہ ہوجائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی سے کیا، مگر یہاں تو کوئی عام بچہ نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کا ہونے والا رسول تھا جن کی فطرت اول پیدائش سے ہی غیر معمولی ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے بجائے جواہرات پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر جبرئیل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے تشت میں ڈالدیا اور انہوں نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی اور فرعون کو یقین آ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل کسی شرارت سے نہیں بچپن کی بے خبری کے سبب سے تھا اسی واقعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ایک قسم کی تکلیف پیدا ہوگئی اسی کو قرآن میں عقدہ کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کی دعا حضرت موسیٰ نے مانگی (مظہری، قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَيَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾

اور آسان کر میرا کام ☆

آسانی کی دُعاء:

یعنی ایسے سامان فراہم کردے کہ یہ عظیم الشان کام آسان ہوجائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾

اور کھول دے گرہ میری زبان سے کہ سمجھیں میری بات ☆

زبان لڑکپن میں جل گئی تھی (جس کا قصہ تفاسیر میں ہے) صاف نہ بول سکتے تھے۔ اس لئے یہ دعا کی۔ (تفسیر عثمانی)

بصریؒ فرماتے ہیں، ایک گرہ کھلنے کی دعا کی تھی جو پوری ہوئی، اگر پوری کی دعا ہوتی تو وہ بھی پوری ہوتی۔ آپ نے صرف اسی قدر دعا کی تھی کہ آپ کی زبان ایسی کردی جائے کہ لوگ آپ کی بات سمجھ لیا کریں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں ڈرتا کہ کہیں وہ الزام قتل رکھ کر قتل نہ کردیں۔ اس کی دعا کی جو قبول ہوئی، زبان میں اٹکاؤ تھا، اس کی بابت دعا کی کہ اتنی صاف ہوجائے کہ لوگ بات سمجھ لیں، یہ دعا بھی پوری ہوئی۔ دعا کی کہ ہارون کو بھی نبی بنادیا جائے یہ بھی پوری ہوئی۔ حضرت محمد بن کعبؒ کے پاس ان کے ایک رشتے دار آئے اور کہنے لگے یہ تو بڑی کمی ہے کہ تم بولنے میں غلط بول جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا بھتیجے کیا میری بات

تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ کہاہاں سمجھ میں تو آ جاتی ہے۔ کہابس یہی کافی ہے، حضرت موسیٰ نے بھی خدا تعالیٰ سے یہی اور اتنی ہی دعا کی تھی، پھر اور دعا کی کہ میری خارجی اور ظاہری امداد کیلئے میرا وزیر بنادے، اور ہو بھی وہ میرے کنبے میں سے، یعنی میرے بھائی ہارون کو نبوت عطافرما۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اسی وقت حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ ہی نبوت عطافرمائی گئی۔

ایک دیہاتی کا عجیب سوال:

حضرت عائشہ صدیقہؓ عمرے کے لئے جاتے ہوئے کسی اعرابی کے ہاں مقیم تھیں کہ سنا ایک شخص پوچھتا ہے کہ دنیا میں کس بھائی نے اپنے بھائی کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا ہے؟ اس سوال پر سب خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہمیں اس کا علم نہیں۔ اس نے کہا خدا تعالیٰ کی قسم مجھے اس کا علم ہے۔

صدیقہؓ فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا دیکھو یہ شخص کتنی بے جا جسارت کرتا ہے۔ بغیر ان شاء اللہ کے قسم کھارہا ہے، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بتلاؤ۔ اس نے جواب دیا حضرت موسیٰ، کہ اپنے بھائی کو اپنی دُعاء سے نبوت دلوائی۔ میں بھی یہ سنکر دنگ رہ گئی، اور دل میں کہنے لگی کہ بات تو سچ کہو، فی الواقع اس سے زیادہ کوئی بھائی اپنے بھائی کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ موسیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑے آبرودار تھے۔ اس دعا کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ میری کمر مضبوط ہو جائے۔ وہ میری مشاورت میں رہے۔ میرے کام میں اسے بھی میرا ساتھی بنادے تاکہ ہم تیری تسبیح اچھی طرح بیان کریں۔ ہروقت تیری پاکیزگی بیان کرتے رہیں، اور تیری یاد بکثرت کریں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، بندہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بیٹھتے اٹھتے اور لیٹتے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾

اور دے مجھ کو ایک کام بٹانیوالا میرے گھر کا

هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾

ہارون میرا بھائی ☆

یہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک وزیر:

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت وامارت سپرد فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دیدیتے ہیں جو اس کی مدد کرتا ہے اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلا دیتا ہے۔ اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے۔ (رواہ النسائی عن القاسم بن محمد)

حضرت ہارون علیہ السلام:

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے۔ اور تین سال پہلے ہی وفات پائی، جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعاء مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعاء پر ان کو بھی نبی بنادیا تو بذریعہ فرشتہ ان کو بھی مصر ہی میں اس کی اطلاع مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو ان کو یہ ہدایت کردی گئی کہ وہ مصر سے باہر ان کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾

اس سے مضبوط کر میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام میں ☆

یعنی دعوت وتبلیغ کے کام میں ایک دوسرے کا معین ومددگار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾

کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم بہت سا، اور یاد کریں ہم تجھ کو بہت سا ☆

یعنی دونوں مل کر دعوت وتبلیغ کے موقع پر بہت زور شور سے تیری پاکی اور کمالات بیان کریں۔ اور مواضع دعوت سے قطع نظر جب ہر ایک کو دوسرے کی معیت سے تقویت قلب حاصل ہوگی، تو اپنی خلوتوں میں نشاط وطمانیت کے ساتھ تیرا ذکر بکثرت کرسکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾

تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا ہے ☆

مقام تسلیم:

یعنی ہمارے تمام احوال کو خوب دیکھ رہا ہے اور جو دعائیں کر رہا ہوں یہ بھی تجھے خوب معلوم ہے کہ اس کا قبول فرمانا ہمارے لئے کہاں تک مفید ہوگا۔ اگر تجھے ہمارے حال واستعداد کی پوری خبر نہ ہوتی تو نبوت ورسالت کے لئے ہم کو منتخب ہی کیوں کرتا اور ایسے سخت دشمن (فرعون) کی طرف کیوں بھیجتا۔ یقیناً جو کچھ آپ نے کیا خوب دیکھ بھال کر کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾

فرمایا ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ ☆

دُعاؤں کی قبولیت:

یعنی جو کچھ تم نے مانگا، خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾

اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسانات الٰہیہ:

یعنی ہم تو پہلے ایک مرتبہ بے مانگے تجھ پر بڑا بھاری احسان کر چکے ہیں، پھر اب ایک مناسب چیز مانگنے پر کیوں نہ دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾

جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں☆

یعنی خواب میں یا بیداری میں بطور الہام کے یا اس زمانہ کی کسی نامعلوم الاسم نبی کی زبانی تیری ماں کو وہ حکم بھیجا جس کا بھیجا جانا مناسب تھا (اسکی تفصیل آگے مذکور ہے۔ ''أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ الخ''

اُمِ موسیٰ:

(تنبیہ) لفظ ''ایحاء'' سے حضرت موسیٰ کی والدہ کا نبیہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ تقریر بالا سے ظاہر ہے۔ نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے اور ان کی تبلیغ کا مامور ہو۔ یہاں یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ (تفسیر عثمانی)

مُحَدَّث لوگ:

امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابونعیم موصلی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی اقوام میں کچھ مُحَدَّث ہو گذرے ہیں میری اس امت میں اگر کوئی محدث ہوسکتا ہے تو وہ عمر ہوگا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گذرے ہیں کہ ان سے (اللہ کی طرف سے) کلام کیا جاتا تھا، باوجودیکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔

اب اگر اس امت میں کوئی (ایسا) ہوا تو وہ عمرؓ ہوگا، اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطابؓ ہوتا، رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی عن عصمۃ بن مالک وابی سعید الخدری، وابن عساکر عن ابن عمر۔

الہام کیسے ہوتا ہے؟

شیخ شعراوی نے الیواقیت والجواہر میں سوال کیا ہے کہ الہام بلا واسطہ ہوتا ہے پھر خود ہی جواب میں کہا ہے ہاں الہام بلا واسطہ اس غیبی کنکشن کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہر ایک انسان کا اپنے رب سے ہے۔ اس سے فرشتہ بھی واقف نہیں ہوتا لیکن اس اندرونی تعلق و ربط کا انکار لوگ بہت جلدی سے کر دیتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے اسی تعلق کا فوری انکار کیا تھا۔

اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ انبیاء اور پیغمبر تو فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غیر انبیاء صرف اثر دیکھتے ہیں فرشتوں کو نہیں دیکھتے مگر غیر بصر فرشتہ کی معرفت (کبھی) الہام ہوتا ہے اور کبھی بغیر کسی واسطہ اس غیبی تعلق و رابطہ کی بناء پر جو ہر انسان اور اس کے رب کے درمیان قائم ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعراوی نے شیخ ابوالمواہب شاذلی کا مقولہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے میرے دل نے میرے رب کی طرف سے مجھ سے کلام کیا تو اس شخص کی تردید یا انکار درست نہیں کیونکہ اس قول کا مقصد یہ ہے کہ بطریق الہام میرے دل نے اللہ کی طرف سے مجھ سے کہا الہام تو اولیاء کی وحی ہے جو انبیا کی وحی سے کم درجہ ہے ہاں اگر کوئی کہے کہ میرے رب نے مجھ سے کلام کیا جیسے موسیٰ سے کیا تھا تو یہ قول ضرور قابل رد و انکار ہے۔

میں کہتا ہوں کبھی ولی کو بھی آنکھوں سے فرشتہ نظر آتا ہے جیسے حضرت مریم نے جبرئیل کو دیکھا تھا (یا سبز عماموں والے فرشتوں کو بدر میں بعض صحابہ نے دیکھا تھا، مترجم) (تفسیر مظہری)

کیا وحی کسی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آسکتی ہے:

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لُغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں جو صرف مخاطب کو معلوم ہو، دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں، اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں۔ نبی و رسول اور عام مخلوق بلکہ جانور تک اس میں شامل ہوسکتے ہیں۔

(اوحی ربک الی النحل) میں شہد کی مکھیوں کو بذریعہ وحی تلقین و تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور اس آیت میں إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ بھی اسی معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے انکا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، جیسے حضرت مریم علیہا السلام کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بطور الہام کے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کے قلب میں ایک مضمون ڈالدیں اور اس کو اس پر مطمئن کر دیں کہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے سے بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرئیل امین نے بشکلِ انسانی متمثل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس شخص کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام ہوتی ہے، اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشاء ہی مخلوق کی اصلاح کے لئے کسی کو کھڑا کرنا اور تبلیغ و دعوت کے لئے مامور کرنا ہوتا ہے اس کے ذمہ لازم

ہوتا ہے کہ اپنی وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت کے ماننے اور اپنی وحی کے ماننے کا پابند بنائے جو اس کو نہ مانے اسے کافر قرار دے۔

یہی فرق ہے اس وحی الہام یعنی وحی لُغوی میں اور وحی نبوت یعنی وحی اصطلاحی میں، وحیِ لُغوی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور نبوت اور وحی نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے، بعض بزرگوں کے کلام میں اسی کو وحی تشریعی و غیر تشریعی کے عنوان سے تعبیر کر دیا ہے، جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربیؒ کی تصریحات سے باطل ہے، اس مسئلہ کی مکمل بحث و توضیح میری کتاب ختم نبوت میں تفصیل سے مذکور ہے۔

دانائے روم نے خوب فرمایا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(معارف مفتی اعظمؒ)

محقق اہل تصوف کہتے ہیں کہ جمادات ہمارے لحاظ سے ضرور عقل و خرد سے محروم اور بے سمجھ ہیں ہم ان کو خطاب نہیں کر سکتے نہ وہ ہماری بات سمجھ سکتے ہیں لیکن اللہ کے فرمان کو تو خوب سمجھتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ ان کو حکم دے سکتا ہے قرآن مجید کی متعدد آیات صراحۃً اس پر دلالت کر رہی ہیں ایک جگہ فرمایا ہے واذنت لربھا وحقت اور زمین نے اپنے رب کے حکم کو سنا اور ایسا اس کے لیے لازم تھا۔ دوسری آیت میں ہے قالتا اتینا طائعین. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ پہاڑ (دوسرے) پہاڑ کو پکارتا ہے (اور پوچھتا ہے) کیا تیرے اوپر کوئی ایسا آدمی گذرا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔

اَنِ اقۡذِفِیۡهِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡهِ

کہ ڈال اس کو صندوق میں پھر اس کو ڈال دے

فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡهُ

دریا میں پھر دریا اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اس کو

عَدُوٌّ لِّیۡ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ

ایک دشمن میرا اور اس کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کا حکم:

یعنی موسیٰ کو (جو اس وقت نو زائیدہ بچہ تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن اور اس بچہ کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال منجموں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب موسیٰ پیدا ہوئے ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا، دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گذرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا، فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاکباز اسرائیلی خاتون تھی) بچہ کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے) مگر آسیہ کی خاطر اسے بیٹوں کی طرح پرورش کیا اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور ہوا۔ (تنبیہ) فرعون کو خدا کا دشمن اس لئے کہا کہ وہ حق کا دشمن تھا اور خدا کے بالمقابل خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور موسیٰ کا دشمن اس لئے فرمایا کہ فی الحال تمام اسرائیلی بچوں کے ساتھ سخت دشمنی کر رہا تھا۔ اور آئندہ چل کر خاص موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اعلانیہ دشمنی کا اظہار کرنے والا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے دریا کا صندوق کو کنارہ تک لے جانا لازمی امر تھا کیونکہ اللہ کی مشیت یونہی تھی تو گویا دریا کو ایسا قرار دیا کہ وہ امتیاز و فہم رکھتا ہے اور اللہ کے حکم سے آگاہ ہے۔

دشمنِ خدا:

اللہ نے فرعون کو اپنا دشمن بھی قرار دیا اور حضرت موسیٰ کا بھی۔ فرعون چونکہ مشرک تھا اس لیے اللہ کا دشمن تو درحقیقت تھا ہی لیکن حضرت موسیٰ کو لینے اور اپنے پاس رکھنے کے وقت آپ کا دشمن نہ تھا۔ آئندہ زمانہ میں دشمن ہونے والا تھا اس لئے موسیٰ کا فرعون کو دشمن کہنا مجازاً ہے اسی لیے عدو کا لفظ الگ الگ دوبار ذکر کیا (اول عدو سے مراد حقیقی دشمن اور دوسرے عدو سے مراد آئندہ ہونے والا دشمن ہے)

صندوق کی تیاری:

بغوی کا بیان ہے حضرت موسیٰ کی والدہ نے ایک صندوق لے کر اس کے اندر دھنی ہوئی روئی بچھائی اور موسیٰ کو اس میں رکھ کر سرپوش ڈھانک کر تمام درزیں اور شگاف روغن قیر سے بند کر کے صندوق کو نیل میں ڈال دیا نیل سے ایک نہر نکل کر فرعون کے مکان کے اندر جاتی تھی صندوق بہتا بہتا اس شاخ میں چلا گیا۔ فرعون اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس وقت نہر کے دہانے پر بیٹھا تفریح کر رہا تھا کہ بہتا ہوا صندوق اندر آ گیا فرعون نے باندیوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو نکال لائیں۔ خادم صندوق کو پکڑ کر لائے، سرپوش کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک نہایت شگفتہ رنگ کا خوب صورت بچہ برآمد ہوا، فرعون دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا اور ایسا بے قابو ہوا کہ ضبط نہ کر سکا، آیت ذیل سے

اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ

اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے ☆

مخلوق میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت:

یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈالدی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈالدی کہ تو محبوب خدا بن گیا۔ پھر جس سے خدا محبت کرے بندے بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ، اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا، یعنی میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یا یہ مطلب ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈالدی۔ تجھ سے محبت کی اور ظاہر ہے کہ جب اللہ نے موسیٰ سے محبت کی تو لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کی محبت پیدا ہو ہی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا، میں نے اس سے محبت کی پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنادیا۔ عکرمہؒ نے کہا جو بھی اس بچہ کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔

محبت اللہ کی:

آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے اپنی محبت تیرے دل میں ڈال دی کہ میری محبت، تجھ پر غالب آ گئی تو مجھ سے خالص دل سے محبت کرنے لگا تیرا دل میری محبت میں ایسا ہو گیا کہ پھر کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں رہی پس تو سرکردہ عشاق ہو گیا۔

سالارِ عشاق سالارِ محبوباں:

شیخ مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا، کلیم کا مبدء تعین خالص محبیت (اور عشق) ہے اسی لیے آپ اہلِ محبت (اور عشاق) کے سالار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدء تعین خالص محبوبیت ہے اس لیے آپ محبوبوں کے سرکردہ قرار پائے۔

مقامِ محبت:

صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز پھر اس مرکز کا بھی ایک محیط (گرداگرد کا کنارہ ہے) اور ایک وسطی نقطہ۔ پس اس دائرہ محبت کے محیط کا نام خلت ہے حضرت خلیل اللہ کا مبدء تعین یہی خلت ہے اور دائرہ محبت کا مرکز خالص محبت ہے اور یہی محبت کلیم اللہ کا مبدء تعین ہے اور جس طرح مرکز محیط سے افضل اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح مقامِ محبت کو مقامِ خلت پر فضیلت حاصل ہے مرکز (محبت) کی نسبت محیط (خلت) سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔

پھر مرکز کی بھی دو حیثیات ہیں ایک مرکز کا کنارہ اور محیط دوسرا مرکز کا وسطی نقطہ پس مقام محبیت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبدء تعین ہے اور مرکز کا وسطی نقطہ مقامِ محبوبیت ہے جو حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدء تعین ہے آپ خالص بے آمیزش محبوبیت کے مرکز دائرہ تھے محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لیے چھوڑ دی (حضرت مفسر نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوط محبوبیت کا حامل قرار دیا بلکہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ) جس فرد امت کے لیے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ حضرت شیخ مجددؒ کی ہی شخصیت گرامی تھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے

پرورش کا انتظام:

یعنی لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی و حفاظت میں تیری پرورش کی جائے۔ ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي، اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ صَنَعْتُ فَرَسِي میں نے اپنے گھوڑے کو بنالیا یعنی اس کی خوب خدمت اور نگہداشت کی۔ صنع کا معنی ہے حسن سلوک۔ (تفسیر مظہری)

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ

جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو

عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ

ایسا شخص جو اس کو پالے، پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں کے پاس

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ

کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھائے ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا کارنامہ:

پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد مقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھالیا۔

حضرت موسیٰ کی بہن کو کہا کہ تو خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی انائیں

بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی بولی کہ میں ایک عورت کو لاسکتی ہوں، امید ہے کہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ کی والدہ کو لیکر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر لے جاؤں اور پوری حفاظت واہتمام سے بچے کو پرورش کروں۔ آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچے کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ موسیٰ کی تربیت میں لگی رہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی حضرت موسیٰ کی بہن مریم موسیٰ کی خبر لینے یونہی چلتی چلتی ادھر بھی آ پہنچیں جہاں موسیٰ کو نوکروں چاکروں نے صندوق سے باہر نکالا اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بلوالیا تھا مگر بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا تھا تو اس نے کہا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتاتی ہوں جو ذمہ داری کے ساتھ اس کی نگہداشت کرے گی (اور دودھ پلائے گی) منظوری کے بعد وہ حضرت موسیٰ کی ماں کو بلا لائی ماں نے دودھ پلایا تو آپ نے پی لیا اور اس طرح اللہ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ ہم اس کو لوٹا کر تیرے پاس لے آئیں گے۔ وَلَا تَحْزَنَ، اور وہ تمہاری جدائی سے غمگین نہ رہے یا تم ماں کی محبت نہ پا کر غمگین نہ ہو۔ (تفسیر مظہریؒ)

مفصل واقعہ حدیث الفتون:

حدیث الفتون کے نام سے طویل حدیث سنن نسائی کتاب التفسیر میں بروایت ابن عباسؓ نقل کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو پورا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس روایت کو مرفوع یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے اور ابن کثیر نے بھی حدیث کے مرفوع ہونے کی توثیق کے لئے فرمایا ہے۔

وصدق ذالک عندی: یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا میرے نزدیک درست ہے پھر اس کے لئے ایک دلیل بھی بیان فرمائی۔ لیکن اسکے بعد یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں یہ روایت نقل کی ہے مگر وہ موقوف یعنی ابن عباسؓ کا اپنا کلام ہے، مرفوع حدیث کے جملے اس میں کہیں کہیں آئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ روایت کعب احبارؒ سے لی ہے جیسا کہ بہت سے مواقع میں ایسا ہوا ہے مگر ابن کثیر جیسے ناقدِ حدیث اور نسائی جیسے امام حدیث اس کو مرفوع مانتے ہیں اور جنہوں نے مرفوع تسلیم نہیں کیا وہ بھی اس کے مضمون پر کوئی نکیر نہیں کرتے اور اکثر حصہ اس کا تو خود قرآن کریم کی آیات میں آیا ہوا ہے اس لئے پوری حدیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جسمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی قصے کے ضمن میں بہت سے علمی اور عملی فوائد بھی ہیں، حدیث الفتون بسند امام نسائیؒ قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے یعنی وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا میں نے دریافت کیا کہ اس میں فتون سے کیا مراد ہے، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کا واقعہ بڑا طویل ہے صبح کو سویرے آجاؤ تو بتلا دینگے، جب اگلے دن صبح ہوئی تو میں سویرے ہی ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تا کہ کل جو وعدہ فرمایا تھا اس کو پورا کراؤں۔

فرعون کے دربار میں ایک تخت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سنو (ایک روز) فرعون اور اس کے ہمنشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کی ذریت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرمادیں گے، بعض شرکا مجلس نے کہا کہ ہاں بنی اسرائیل تو اس کے منتظر ہیں جس میں ان کو ذرا شک نہیں کہ ان کے اندر کوئی نبی ورسول پیدا ہوگا اور پہلے ان لوگوں کا خیال تھا کہ نبی یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں، جب ان کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ اس کے مصداق نہیں (کوئی اور نبی ورسول پیدا ہوگا جو اس وعدہ کو پورا کرے گا)

فرعون کا خوف:

فرعون نے یہ سنا تو (اس کو فکر لاحق ہوگئی کہ اگر بنی اسرائیل میں جن کو اس نے غلام بنا رکھا تھا کوئی نبی ورسول پیدا ہو گیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرائے گا۔

بچاؤ کی تدبیر......قتل اولاد:

اس لئے حاضرینِ مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے یہ لوگ آپس میں مشورے کرتے رہے اور انجام کار سب کی رائے اس پر متفق ہوگئی کہ (بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے اس کے لئے، ایسے سپاہی مقرر کر دیئے گئے جن کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور وہ بنی اسرائیل کے ایک ایک گھر میں جا کر دیکھتے تھے جہاں کوئی لڑکا نظر آیا اس کو ذبح کر دیا۔

سابقہ قانون میں ترمیم:

کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد ان کو یہ ہوش آیا کہ ہماری سب خدمتیں اور محنت مشقت کے کام تو بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں اگر یہ سلسلہ قتل کا جاری رہا تو ان کے بوڑھے تو اپنی موت مرجائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری خدمتیں انجام دے، نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے مشقت کے کام ہمیں خود ہی کرنا پڑیں گے اس لئے اب یہ رائے ہوئی کہ ایک سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والوں کو ذبح کر دیا جائے اس طرح بنی

اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہیں ہوگی جس سے فرعونی حکومت کو خطرہ ہو سکے، یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی پیدائش:

(اب حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل اسوقت ہوا جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا، اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے فرعونی قانون کی رو سے ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

پہلی آزمائش:

اگلے سال جو لڑکوں کے قتل کا سال تھا اس میں حضرت موسیٰ حمل میں آئے تو ان کی والدہ پر رنج وغم طاری تھا کہ اب یہ بچہ پیدا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا۔ ابن عباسؓ نے قصہ کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اے ابن جُبیر فُتون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے قتل کا منصوبہ تیار تھا۔

والدہ کو الہام:

اس وقت حق تعالیٰ نے ان کی والدہ کو بذریعہ وحی الہام یہ تسلی دے دی کہ **لا تخافی ولا تحزنی انا رادوه اليك و جاعلوه من المرسلين** یعنی تم کوئی خوف وغم نہ کرو (ہم اس کی حفاظت کریں گے اور کچھ دن جدا رہنے کے بعد) ہم ان کو تمہارے پاس واپس کر دیں گے پھر ان کو اپنے رسولوں میں داخل کر لیں گے، جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو ان کی والدہ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا (نیل) میں ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔

شیطان کا وسوسہ:

جب وہ تابوت کو دریا کے حوالہ کر چکی تو شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا اگر بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کر دیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن دفن کر کے کچھ تو تسلی ہوتی اب تو اس کو دریا کے جانور کھائیں گے (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی رنج وغم میں مبتلا تھیں کہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں:

دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر ڈال دیا جہاں فرعون کی باندیاں لونڈیاں نہانے دھونے کے لئے جایا کرتی تھیں، انہوں نے یہ تابوت دیکھا تو اٹھا لیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اگر اس میں کچھ مال ہوا اور ہم نے کھول لیا تو فرعون کی بیوی کو یہ گمان ہوگا کہ ہم نے اس میں سے کچھ الگ رکھ لیا ہے، ہم کچھ بھی کہیں اس کو یقین نہیں آئے گا اس لئے سب کی رائے یہ ہوگئی کہ اس تابوت کو اسی طرح بند اٹھا کر فرعون کی بیوی کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

فرعون کی بیوی نے تابوت کھولا تو اس میں ایک ایسا لڑکا دیکھا جسکو دیکھتے ہی اسکے دل میں اس سے اتنی محبت ہوگئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی تھی (جو درحقیقت حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا ظہور تھا) (**وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي**)

دوسری آزمائش:

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بوسوسہ شیطانی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہوگئی **فاصبح فواد ام موسىٰ فارغا**، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال سے خالی ہوگیا (صرف موسیٰ علیہ السلام کی فکر غالب آ گئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والوں کو فرعون کے گھر میں ایک لڑکا آ جانے کی خبر ملی تو وہ چھریاں لے کر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دے دو تاکہ ذبح کر دیں۔

ابن عباسؓ نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جُبیرؒ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جُبیر فتون یعنی آزمائش کا (دوسرا) واقعہ یہ ہے۔

فرعون کی بیوی:

فرعون کی بیوی نے ان لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھہرو کہ صرف اس ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائے گی میں فرعون کے پاس جاتی ہوں اور اس بچے کی جاں بخشی کراتی ہوں، اگر فرعون نے اس کو بخشد یا تو یہ بہتر ہوگا ورنہ تمہارے معاملے میں دخل نہ دوں گی یہ بچہ تمہارے حوالہ ہوگا، یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہا کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو معلوم ہے مگر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جا سکتی ہے اگر فرعون اس وقت بیوی کی طرح اپنے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام کے قرۃ العین آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت کر دیتا جیسا کہ اس کی بیوی کو ہدایت ایمان عطا فرمائی۔

بچہ کے دودھ کا مسئلہ:

بہر حال بیوی کے کہنے سے فرعون نے اس لڑکے کو قتل سے آزاد کر دیا، اب فرعون کی بیوی نے اس کو دودھ پلانے کے لئے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بلایا، سب نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دیں

مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کی چھاتی نہ لگتی (وحرمنا علیه المراضع من قبل) اب فرعون کی بیوی کو یہ فکر ہوگئی کہ جب کسی کا دودھ نہیں لیتے تو زندہ یہ کیسے رہیں گے اس لئے اپنی کنیزوں کے سپرد کیا کہ اس کو بازار اور لوگوں کے مجمع میں لے جائیں شاید کسی عورت کا دودھ یہ قبول کرلیں۔

اس طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہوکر اپنی بیٹی کو کہا کہ ذرا باہر جاکر تلاش کرو اور لوگوں سے دریافت کرو کہ اس تابوت اور بچہ کا کیا انجام ہوا، وہ زندہ ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا ہے اس وقت تک ان کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا تھا جو حالتِ حمل میں ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور چند روزہ مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (قدرتِ حق کا یہ کرشمہ دیکھا کہ) فرعون کی کنیزیں اس بچے کو لئے ہوئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں، جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ یہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ دیتی ہوں جہاں مجھے امید ہے کہ یہ ان کا دودھ بھی لیں گے اور وہ اس کو خیر خواہی و محبت کے ساتھ پالیں گے۔

تیسری آزمائش:

یہ سن کر ان کنیزوں نے ان کو اس شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا کوئی عزیز خاص ہے جو وثوق کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اس کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں (اس وقت یہ بہن بھی پریشان ہوگئی)

ابن عباسؓ نے اس جگہ پہنچ کر پھر ابن جُبیر کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مراد اس گھر والوں کے ہمدرد و خیر خواہ ہونے سے یہی تھی کہ فرعونی دربار تک ان کی رسائی ہوگی اس سے ان کو منافع پہنچنے کی امید ہوگی اس لئے وہ اس بچے کی محبت و ہمدردی میں کسر نہ کریں گے، یہ سن کر کنیزوں نے ان کو چھوڑ دیا، یہ واپس اپنے گھر پہنچی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو واقعہ کی خبر دی وہ ان کے ساتھ اس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھی، کنیزوں کے کہنے سے انہوں نے بھی بچے کو گود میں لے لیا، موسیٰ علیہ السلام فوراً ان کی چھاتیوں سے لگ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ پیٹ بھر گیا، یہ خوشخبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لئے دودھ پلانیوالی مل گئی۔

اللہ کا وعدہ پورا ہوا:

فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلوایا، انہوں نے آکر حالات دیکھے اور یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری حاجت وضرورت محسوس کر رہی ہے تو ذرا خودداری سے کام لیا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ یہاں رہ کر اس بچے کو دودھ پلائیں کیونکہ مجھے اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اس کو اپنی نظروں سے غائب نہیں رکھ سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی کیونکہ میری گود میں خود ایک بچہ ہے جس کو دودھ پلاتی ہوں، میں اس کو کیسے چھوڑوں، ہاں اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلاؤں اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ اس بچے کی خبرگیری اور حفاظت میں ذرا کوتاہی نہ کروں گی، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آ گیا جس میں فرمایا کہ چند روز کی جدائی کے بعد ہم ان کو تمہارے پاس واپس دیدینگے اس لئے وہ اور اپنی بات پر جم گئیں۔ اہلیہ فرعون نے مجبور ہوکر ان کی بات مان لی اور یہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر آ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشو ونما خاص طریقے پر فرمایا۔

بچہ کا اعزاز واکرام:

جب موسیٰ علیہ السلام ذرا قوی ہو گئے تو اہلیہ فرعون نے ان کی والدہ سے کہا کہ یہ بچہ مجھے آ کر دکھلا جاؤ (کہ میں اس کے دیکھنے کیلئے بےچین ہوں) اور اہلیہ فرعون نے اپنے سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے گھر میں آ رہا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہ رہے جو اس کا اکرام نہ کرے اور کوئی ہدیہ اس کو پیش نہ کرے اور میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کیساتھ گھر سے نکلے اُسی وقت سے ان پر تحفوں اور ہدایا کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ اہلیہ فرعون کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدیئے الگ پیش کئے۔ اہلیہ فرعون ان کو دیکھ کر بےحد مسرور ہوئی اور یہ سب تحفے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیدئے۔

بچہ نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی:

اس کے بعد اہلیہ فرعون نے کہا کہ اب میں ان کو فرعون کے پاس لے جاتی ہوں وہ ان کو انعامات اور تحفے دیں گے جب ان کو لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دیا۔

درباریوں کا قیاس:

اس وقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابرہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہوگا جو آپ کے ملک و مال کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آئے گا اور آپ کو پچھاڑے گا، یہ وعدہ کس طرح پورا ہو رہا ہے۔

چوتھی آزمائش:

فرعون ہوشیار ہوا اور اسی وقت لڑکوں کو قتل کرنے والے سپاہیوں کو بلا لیا

تا کہ اس کو ذبح کر دیں ابن عباسؓ نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیر کو خطاب کیا کہ یہ (چوتھا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ پھر موت سر پر منڈلانے لگی۔

اہلیہ فرعون نے یہ دیکھا تو کہا کہ آپ تو یہ بچہ مجھے دے چکے ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ فرعون نے کہا کہ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر مجھ پر غالب آ جائے گا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ ایک بات کو اپنے اور میرے معاملہ کے فیصلہ کے لئے مان لیں جس سے حق بات ظاہر ہو جاوے گی (کہ بچے نے یہ معاملہ بچپن کی بے خبری میں کیا ہے یا دیدہ دانستہ کسی شوخی سے) آپ دو انگارے آگ کے اور دو موتی منگوا لیجئے اور دونوں کو ان کے سامنے کر دیجئے اگر یہ موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور آگ کے انگاروں سے بچیں تو آپ سمجھ لیں کہ اس کے افعال عقل وشعور سے دیدہ و دانستہ ہیں اور اگر اس نے موتیوں کے بجائے انگارے ہاتھ میں اٹھا لئے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل وشعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی عقل والا انسان آگ کو ہاتھ میں نہیں اٹھا سکتا (فرعون نے اس آزمائش کو مان لیا) دو انگارے اور دو موتی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انگارے اٹھا لئے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے کہ جبرئیل امین نے ان کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) فرعون نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً ان کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے کہ ان کا ہاتھ نہ جل جائے (اب تو اہلیہ فرعون کی بات بن گئی) اس نے کہا کہ آپ نے واقعہ کی حقیقت کو دیکھ لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر یہ موت موسیٰ علیہ السلام سے ٹلا دی کیونکہ قدرتِ خداوندی کو ان سے آگے کام لینا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح فرعون کے شاہانہ اعزاز واکرام اور شاہانہ خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی حالت:

ان کے شاہی اکرام واعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم وجور اور تذلیل وتوہین کرنے کی ہمت نہ رہی جو اس سے پہلے آلِ فرعون کی طرف سے ہمیشہ بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔

ایک فرعونی کی موت:

ایک روز موسیٰ علیہ السلام شہر کے کسی گوشہ میں چل رہے تھے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جن میں سے ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر امداد کے لئے پکارا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی آدمی کی جسارت پر بہت غصہ آ گیا کہ اس نے شاہی دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے اعزاز واکرام کو جانتے ہوئے اسرائیلی کو ان کے سامنے پکڑ رکھا ہے جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں [illegible] ہیں اور لوگوں کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کا تعلق اسرائیلی لوگوں سے صرف رضاعت اور دودھ پینے کی وجہ سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کرا دیا ہو کہ یہ اپنی دودھ پلانے والی عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسرائیلی ہیں۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر اس فرعونی کے ایک مکا رسید کیا جس کو وہ برداشت نہ کر سکا اور وہیں مر گیا مگر اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موسیٰ علیہ السلام اور ان دونوں لڑنے والوں کے سوا موجود نہیں تھا، فرعونی تو قتل ہو گیا اسرائیلی اپنا آدمی تھا اس سے اسکا اندیشہ نہ تھا کہ یہ مخبری کر دے گا۔

جب یہ فرعونی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا **هذا من عمل الشيطان انه عدو مضل مبين**، یعنی یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے وہ کھلا دشمن گمراہ کرنے والا ہے (پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی) رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ، یعنی اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا (کہ یہ خطا قتل فرعونی کی مجھ سے سرزد ہو گئی) مجھے معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا کیونکہ وہ ہی بہت معاف کرنے والا اور بہت رحمت کرنے والا ہے۔

سرکاری اہلکاروں کی ناکامی:

موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد خوف و ہراس کے عالم میں یہ خبریں دریافت کرتے رہے (کہ اس کے قتل پر آلِ فرعون کا ردِ عمل کیا ہوا اور دربار فرعون تک یہ معاملہ پہنچا یا نہیں؟) معلوم ہوا کہ معاملہ فرعون تک اس عنوان سے پہنچا کہ کسی اسرائیلی نے آلِ فرعون کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے اسرائیلیوں سے اس کا انتقام لیا جائے اس معاملے میں ان کے ساتھ کوئی ڈھیل کا معاملہ نہ کیا جائے، فرعون نے جواب دیا کہ اس کے قاتل کو متعین کر کے مع شہادت کے پیش کرو۔ کیونکہ بادشاہ اگرچہ تمہارا ہی ہے مگر اس کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بغیر شہادت وثبوت کے کسی سے قصاص لے لے، تم اس کے قاتل کو تلاش کرو اور ثبوت مہیا کرو میں ضرور تمہارا انتقام بصورت قصاص اس سے لوں گا۔ آلِ فرعون کے لوگ یہ سن کر گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومنے لگے کہ کہیں اس کے قتل کرنیوالے کا سراغ مل جائے مگر ان کو کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

دوسرا واقعہ اور راز کا افشا:

اچانک یہ واقعہ پیش آیا کہ اگلے روز موسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے تو اسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعونی شخص سے مقاتلہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور پھر اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارا مگر موسیٰ علیہ السلام کل کے واقعہ پر ہی نادم ہو رہے تھے اور اس وقت اسی اسرائیلی کو پھر لڑتے ہوئے دیکھ

کہ اس پر ناراض ہوئے (کہ خطا اسی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑالو آدمی ہے اور لڑتا ہی رہتا ہے) مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ فرعونی شخص کو اس پر حملہ کرنے سے روکیں لیکن اسرائیلی کو بھی بطور تنبیہ کے کہنے لگے تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے تو ہی ظالم ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ آج بھی اسی طرح غصے میں ہیں جیسے کل تھے تو اس کو موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے یہ شبہ ہو گیا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فوراً بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو جیسے کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے مگر فرعونی شخص نے آلِ فرعون کے ان لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر یہ خبر پہنچا دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر دربار فرعون تک فوراً پہنچائی گئی، فرعون نے اپنے سپاہی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے بھیج دیئے۔

سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں:

یہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہم سے بچکر کہاں جائیں گے، اطمینان کے ساتھ شہر کی بڑی سڑک سے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع:

اس طرف ایک شخص کو موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے جو شہر کے کسی بعید حصہ میں رہتا تھا اس کی خبر لگ گئی کہ فرعونی سپاہی موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں بغرض قتل نکل چکے ہیں اس نے کسی گلی کوچے کے چھوٹے راستہ سے آگے پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔

پانچویں آزمائش

یہاں پہنچ کر پھر ابن عباسؓ نے ابنِ جُبیر کو خطاب کیا کہ اے ابن جبیر یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پر آ چکی تھی اللہ نے اس سے نجات کا سامان کر دیا۔

ہجرتِ مدین:

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سن کر فوراً شہر سے نکل گئے اور مدین کی طرف رخ پھر گیا، یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام نہ آیا تھا مصر سے نکل کھڑے ہوئے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا کہ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھا دیگا۔

عورتوں کی مدد:

جب شہر مدین کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اس پر اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اور دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو، انہوں نے جواب دیا کہ ہم سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ان سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لئے ہم اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچا ہوا پانی مل جائے گا اس سے ہم اپنا کام نکالیں گی۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کی شرافت دیکھ کر خود ان کے لئے کنویں سے پانی نکالنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بخشی تھی بڑی جلدی ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا، یہ عورتیں اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ، یعنی اے میرے پروردگار میں محتاج ہوں اس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں (مطلب یہ تھا کہ کھانے کا اور ٹھکانہ کا کوئی انتظام ہو جائے)

حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات:

یہ لڑکیاں جب روزانہ کے وقت سے پہلے بکریوں کو سیراب کر کے گھر پہنچیں تو ان کے والد کو تعجب ہوا اور فرمایا آج تو کوئی نئی بات ہے، لڑکیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پانی کھینچنے اور پلانے کا قصہ والد کو سنا دیا، والد نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ جس شخص نے یہ احسان کیا ہے اس کو یہاں بلا لاؤ، وہ بلا لائی، والد نے موسیٰ علیہ السلام سے ان کے حالات دریافت کئے اور فرمایا لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ، یعنی اب آپ خوف و ہراس اپنے دل سے نکال دیجئے، آپ ظالموں کے ہاتھ سے نجات پا چکے ہیں ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اس کا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہے۔

شادی کا انتظام:

اب ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ، یعنی ابا جان ان کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کے لئے بہترین آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی، والد کو اپنی لڑکی سے یہ بات سن کر غیرت آئی کہ میری لڑکی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی، اس لئے اس سے سوال کیا تمہیں ان کی قوت کا اندازہ کیسے ہوا اور ان کی امانتداری کس بات سے معلوم ہوئی لڑکی نے عرض کیا کہ ان کی قوت کا مشاہدہ تو ان کے کنویں سے پانی کھینچنے کے وقت ہوا کہ سب چرواہوں سے پہلے انہوں نے اپنا کام کر لیا دوسرا کوئی ان کے برابر نہیں آسکا اور امانت کا حال اس طرح معلوم ہوا جب میں ان کو بلانے کے لئے گئی اور اول نظر میں جب انہوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو اپنا سر نیچا کر لیا

اور اس وقت تک سر نہیں اٹھایا، جب تک کہ میں نے ان کو آپ کا پیغام نہیں پہنچا دیا، اس کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو مگر مجھے اپنے گھر کا راستہ پیچھے سے بتلاتی رہو اور یہ بات صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو امانتدار ہے، والد کو لڑکی کی اس دانشمندانہ بات سے مسرت ہوئی اور اس کی تصدیق فرمائی اور خود بھی ان کے بارے میں قوت و امانت کا یقین ہو گیا، اس وقت لڑکیوں کے والد نے (جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو یہ منظور ہے کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دوں جس کی شرط یہ ہوگی کہ آپ آٹھ سال تک ہمارے یہاں مزدوری کریں، اور اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو اپنے اختیار سے کر دیں، بہتر ہوگا مگر ہم یہ پابندی آپ پر عائد نہیں کرتے تاکہ آپ پر زیادہ مشقت نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو منظور فرما لیا جس کی رُو سے موسیٰ علیہ السلام پر صرف آٹھ سال خدمت بطور معاہدہ کے لازم ہو گئی باقی دو سال کا وعدہ اختیاری رہا، اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے وہ وعدہ بھی پورا کرا کر دس سال پورے کرا دیئے۔

دس سال قیام:

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا، اس نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں میں سے کون سی میعاد پوری فرمائی، میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ اس وقت تک ابن عباسؓ کی یہ حدیث مجھے معلوم نہ تھی اس کے بعد میں ابنِ عباسؓ سے ملا ان سے سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ آٹھ سال کی میعاد پورا کرنا تو موسیٰ پر واجب تھا اس میں کچھ کمی کرنے کا تو احتمال ہی نہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کا اختیاری وعدہ بھی پورا ہی کرنا منظور تھا اس لئے دس سال کی میعاد پوری کی، اس کے بعد میں اس نصرانی عالم سے ملا اور اس کو یہ خبر دی تو اس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات دریافت کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں، میں نے کہا کہ بیشک وہ بہت بڑے عالم اور ہم سب سے افضل ہیں۔

وطن واپسی اور عطائے نبوت

دس سال کی میعاد خدمت پوری کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر شعیب علیہ السلام کے وطن مَدیَن سے رخصت ہوئے، راستہ میں سخت سردی اندھیری رات، راستہ نامعلوم، بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اچانک کوہ طور پر آگ دیکھنے پھر وہاں جانے اور حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا و ید بیضاء اور اس کے ساتھ منصب نبوت و رسالت عطا ہونے کے بعد (جس کا پورا قصہ قرآن میں اوپر گزر چکا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فکر ہوئی کہ میں فرعونی دربار کا ایک مفرور ملزم قرار دیا گیا ہوں مجھ سے قبطی کا قصاص لینے کا حکم وہاں سے ہو چکا ہے اب اس کے پاس دعوتِ رسالت لے کر جانے کا حکم ہوا ہے، نیز اپنی زبان میں لکنت کا عذر بھی سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض پیش کی۔

شہر سے باہر استقبال:

حق تعالیٰ نے ان کی فرمائش کے مطابق ان کے بھائی حضرت ہارون کو شریکِ رسالت بنا کر ان کے پاس وحی بھیج دی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال کریں، اس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے، ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی دونوں بھائی (حسب الحکم) فرعون کو دعوتِ حق دینے کے لئے اس کے دربار میں پہنچے کچھ وقت تک تو ان کو دربار میں حاضری کا موقع نہیں دیا گیا یہ دونوں دروازے پر ٹھہرے رہے پھر بہت سے پردوں میں گزر کر حاضری کی اجازت ملی اور دونوں نے فرعون سے کہا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ، یعنی ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے قاصد او ر پیغامبر ہیں، فرعون نے پُوچھا فَمَنْ رَّبُّكُمَا (تو بتلاؤ تمہارا رب کون ہے) موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے وہ بات کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کر دیا قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی،

فرعون کی محبت:

اس پر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو اور ساتھ ہی قبطی مقتول کا واقعہ ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھیرایا (اور اپنے گھر میں ان کی پرورش پانے کا احسان جتلایا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب اور خطاب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا وہ جواب دیا جو قرآن میں مذکور ہے (یعنی مقتول کے معاملہ میں تو اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف کر کے ناواقفیت کا عذر ظاہر کیا اور گھر میں پرورش پر احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تم نے سارے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے ہو اسی کے نتیجہ میں بہ نیرنگِ تقدیر میں تمہارے گھر میں پہنچا دیا گیا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا اس میں تمہارا کوئی احسان نہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کر کے پوچھا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دو۔

معجزہ کا مطالبہ:

فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسول رب ہونے کی کوئی علامت ہے تو دکھلاؤ، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا زمین پر ڈالدی تو وہ عظیم الشان اژدہا کی شکل میں منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف

لیکی، فرعون خوفزدہ ہوکر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ مانگی کہ اس کو روک لیں، موسیٰ علیہ السلام نے اسکو پکڑ لیا، پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا یہ دوسرا معجزہ فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

فرعونیوں کا مکر:

فرعون نے ہیبت زدہ ہوکر اپنے درباریوں سے مشورہ کیا (کہ تم دیکھ رہے ہو یہ کیا ماجرا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے) درباریوں نے متفقہ طور پر کہا کہ (کچھ فکر کی بات نہیں) یہ دونوں جادوگر ہیں اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین دین و مذہب کو (جوان کی نظر میں فرعون کی پرستش کرنا تھا) یہ مٹانا چاہتے ہیں، آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں (اور کوئی فکر نہ کریں) کیونکہ آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں، آپ ان کو بلا لیجئے وہ اپنے جادو سے ان کے جادو پر غالب آ جائیں گے۔

جادوگروں سے مقابلہ

فرعون نے اپنی مملکت کے سب شہروں میں حکم دیدیا کہ جتنے آدمی جادوگری میں ماہر ہوں وہ سب دربار میں حاضر کردیئے جاویں، ملک بھی کے جادوگر جمع ہوگئے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ جس جادوگر سے آپ ہمارا مقابلہ کرانا چاہتے ہیں وہ کیا عمل کرتا ہے، اس نے بتلایا کہ وہ اپنی لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، جادوگروں نے بڑی بے فکری سے کہا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں، لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنادینے کے جادو کا تو جو کمال ہمیں حاصل ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، مگر یہ طے کردیجئے کہ اگر ہم اس پر غالب آ گئے تو ہمیں کیا ملے گا۔

فرعون نے کہا کہ تم غالب آ گئے تو تم میرے خاندان کا جز اور مقربین خاص میں داخل ہوجاؤ گے اور تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم چاہو گے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

ضعیفوں کی امداد اور خدمتِ خلق دین و دنیا کے لئے نافع اور مفید ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر مدین سے باہر کنویں پر دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے ضعف کی بنا پر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتی تھیں، یہ عورتیں بالکل اجنبی، اور موسیٰ علیہ السلام ایک مسافر تھے مگر ضعیفوں کی امداد و خدمت مقتضائے شرافت اور اللہ کے نزدیک محبوب عمل تھا اس لئے ان کے واسطے محنت اٹھائی، اور انکی بکریوں کو پانی پلا دیا اس کا اجر و ثواب تو اللہ کے پاس بڑا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی عمل کو مسافرانہ بے کسی اور بے سرو سامانی کا ایسا علاج بنادیا جو ان کی اگلی زندگی ان کی شان کے مطابق سنوارنے کا ذریعہ بن گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت اور ان کی دامادی کا شرف حاصل ہوا، جوان ہونے کے بعد جو کام ان کی والدہ کو کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے غربت کے عالم میں اپنے ایک نبی کے ہاتھ سے انجام دلوایا۔

دو پیغمبروں میں اجیر اور آجر کا معاملہ اور اس کی حکمتیں اور فوائد عجیبہ

موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان پر مہمان ہوکر فرعونی سپاہیوں کے خوف سے مطمئن ہوئے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی کے مشورہ پر ان کو اپنے یہاں اجیر رکھنے کا خیال ظاہر فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں اور خلق اللہ کے لئے اہم ہدایتیں ہیں۔

اول یہ کہ شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول تھے ایک مسافر غریب الوطن کی اتنی امداد ان سے کچھ مستبعد نہ تھی کہ کچھ عرصہ اپنے یہاں بلا کسی معاوضہ خدمت کے مہمان رکھ لیتے مگر غالباً انہوں نے پیغمبرانہ فراست سے موسیٰ علیہ السلام کا عالی حوصلہ ہونا معلوم کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ دیر تک مہمانی قبول نہ کریں گے اور کسی دوسری جگہ چلے گئے تو ان کو تکلیف ہوگی اس لئے بے تکلف معاملہ کی صورت اختیار کرلی جس میں دوسروں کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ کسی کے گھر جا کر اپنا بار اُس پر ڈالنا شرافت کے خلاف ہے۔

دوسرے اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے فائز کرنا چاہتے تھے جس کے لئے اگرچہ کوئی مجاہدہ و عمل نہ شرط ہے اور نہ وہ کسی عمل و مجاہدہ کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے وہ تو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور انعام ہوتا ہے مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو بھی مجاہدات اور محنت و مشقت کے دور سے گزارتے ہیں جو اخلاق انسانی کی تکمیل کا ذریعہ اور دوسروں کی اصلاح کا بڑا سبب بنتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس وقت تک شاہانہ اعزاز و اکرام میں گزری تھی آگے ان کو خلق خدا کے لئے ہادی و رہبر اور انکا مصلح بننا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ اس مزدوری و محنت کے معاہدہ میں ان کی اخلاقی تربیت کا راز بھی پوشیدہ تھا، عارف شیرازی نے اسی کو کہا ہے۔

شبان وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد
کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

تیسرے جو خدمت ان سے لی گئی وہ بکریاں چرانے کی تھی، یہ عجیب بات ہے کہ یہ کام اکثر انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے شاید اس میں یہ راز بھی ہو کہ بکری ایسا جانور ہے جو گلے سے آگے پیچھے بھاگنے کا عادی ہوتا ہے جس پر چرانے والے کو بار بار غصہ آتا ہے، اس غصہ کے نتیجہ میں اگر وہ اس بھاگنے والی بکری سے قطع نظر کرے تو بکری ہاتھ سے گئی وہ کسی بھیڑیئے کا لقمہ بنے گی

اور اپنی مرضی کے تابع چلانے کے لئے اس کو مار پیٹ کرے تو وہ کمزور اتنی ہے کہ ذرا چوٹ مارو تو ٹانگ ٹوٹ جائے اس لئے چرواہے کو بڑے صبر و حلم سے کام لینا پڑتا ہے۔ عام خلق خدا تعالیٰ کا بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی حال ہوتا ہے جس میں انبیاء نہ ان سے صرف نظر کر سکتے ہیں اور نہ زیادہ تشدد کر کے ان کو راستہ پر لا سکتے ہیں صبر و حلم ہی کو شیوہ بنانا پڑتا ہے۔

کسی کو کوئی عہدہ سپرد کرنے کا دستور العمل:

اس قصہ میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے جو اپنے والد کو یہ مشورہ دیا کہ ان کو ملازم رکھ لیا جائے اس مشورہ کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بہترین اجیر وہ شخص ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو، امین بھی، قوی سے مراد اس کام کی قوت و صلاحیت والا ہونا ہے جو کام اس کے سپرد کرنا ہے اور امین سے مراد یہ ہے کہ اس کی سابقہ زندگی کے حالات اس کی امانت و دیانت پر شاہد ہوں، آج کل مختلف ملازمتوں اور سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کے لئے انتخاب کا جو اصول رکھا جاتا ہے اور درخواست گزار میں جن اوصاف کو دیکھا جاتا ہے اگر غور کریں تو سب کے سب ان دو لفظوں میں جمع ہیں بلکہ ان کے تفصیلی شرائط میں بھی یہ جامعیت عموماً نہیں ہوتی، کیونکہ امانت و دیانت تو کہیں زیر غور ہی نہیں آتی۔ صرف علمی قابلیت کی ڈگریاں معیار ہوتی ہیں اور آجکل جہاں کہیں سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے نظام میں ابتری پائی جاتی ہے وہ بیشتر اسی اصول دیانت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قابل اور عاقل آدمی جب امانت و دیانت سے کورا ہوتا ہے تو پھر وہ کام چوری اور رشوت خوری کے بھی ایسے ایسے راستے نکال لیتا ہے کہ کسی قانون کی گرفت میں نہ آسکے۔ اسی نے آج دنیا کے بیشتر سرکاری و غیر سرکاری اداروں کو بیکار بلکہ مضر بنا رکھا ہے۔ اسلامی نظام میں اسی لئے اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے جس کے برکات دنیا نے صدیوں تک دیکھے ہیں۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ

اور تونے مار ڈالا ایک شخص کو پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اُس غم سے ☆

یہ پورا قصہ سورہ قصص میں آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جوان ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا، موسیٰ علیہ السلام ڈرے کہ دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ دونوں قسم کی پریشانی سے خدا تعالیٰ نے نجات دی، اُخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی جو قبول ہو گئی اور دنیوی سے اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کا نکاح ہو گیا۔ پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۟ۥ ق

اور جانچا ہم نے تجھ کو ایک ذرا جانچنا ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آزمائشیں اور کامیابی:

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرح جانچا۔ جس میں تم کھرے ثابت ہوئے (تنبیہ) اس موقع پر مفسرین نے حدیث الفتون کے عنوان سے ایک نہایت طویل روایت ابن عباسؓ کی نقل کی ہے جس کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں "**و هو موقوف من كلام ابن عباس و ليس فيه مرفوع الا قليل منه و كانه تلقاه ابن عباس رضى الله عنه مما ابيح نقله من الاسرائيليات من كعب الاحبار وغيره والله اعلم و سمعت شيخا الحافظ ابا الحجاج المزى يقول ذالك ايضا**"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ

پھر ٹھہرا رہا تو کئی برس مدین والوں میں پھر

جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰

آیا تو تقدیر سے اے موسیٰ ☆

قیام مدین اور وطن واپسی:

یعنی اب مدین سے نکل کر رات بھولا اور تقدیر سے یہاں پہنچ گیا جس کا تجھے وہم و گمان بھی نہ تھا سچ ہے وہ خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يٰمُوْسٰى دوبارہ فرما کر خطاب کرنے سے حضرت موسیٰ کو مانوس بنانا اور موسیٰ سے اپنی محبت کو ظاہر کرنا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس چیز کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ رواہ صاحب مسند الفردوس من حدیث ام المومنین عائشہؓ۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝۴۱ ج

اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے ☆

منصب نبوت عطاء کرنا:

یعنی اپنی وحی و رسالت کے لئے تیار کر کے اپنے خواص و مقربین میں داخل کیا اور جس طرح خود چاہا تیری پرورش کرائی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ اور میں نے تم کو اپنے لیے منتخب کر لیا یعنی تمہاری تربیت اپنے لیے کی اور اپنے لیے تم کو چن لیا تا کہ میرے علاوہ تم کسی اور سے دل نہ لگاؤ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو مکارم

اخلاق کے لیے بنایا ہے اور اس طرح تربیت دی ہے کہ تم مجھ سے خطاب کرنے میرے قریب آنے اور میرا پیام پہنچانے کے قابل ہو گئے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ

جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر اور سستی نہ کرو میری یاد میں☆

دعوت وتبلیغ کا فریضہ:

یعنی جس کام کے لئے بنائے گئے ہو، وقت آ گیا ہے کہ اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر اس کے لئے نکل کھڑے ہو اور جو دلائل و معجزات تم کو دیے گئے ہیں ضرورت کے وقت ظاہر کرو۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام پیشتر دعاء کرتے وقت کہہ چکے تھے کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا یہاں وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ کہہ کر وہ بات یاد دلا دی یعنی اللہ کے نام کی تبلیغ میں پوری مستعدی دکھلاؤ اور تمام احوال و اوقات میں عموماً اور دعوت و تبلیغ کے وقت خصوصاً اللہ کو کثرت سے یاد کرو کہ اہل اللہ کے لئے کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلہ میں بہترین ہتھیار یہی ہے۔ حدیث میں ہے۔ وان عبدی کل عبدی الذی یذکرنی وھو مناجز قرنہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى

جاؤ طرف فرعون کی اُس نے بہت سر اُٹھایا☆

دعوت کا ہدف:

پہلے جانے کا حکم دیا تھا۔ اب مقام بتلا دیا کہ کہاں کس کے پاس جانا ہے اور یہ جملہ آگے آنیوالے کلام کی تمہید ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

سو کہو اُس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے☆

دعوت کے آداب:

یعنی دعوت وتبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت نرم، آسان، رقت انگیز اور بلند بات کہو، گو اس کے تمرد و طغیان کو دیکھتے ہوئے قبول کی امید نہیں۔ تاہم تم یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ کر نصیحت حاصل کر لے یا اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر ڈر جائے اور فرمانبرداری کی طرف جھک پڑے۔ گفتگو نرمی سے کرو۔ اس سے دُعاۃ و مبلغین کے لئے بہت بڑا دستور العمل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے۔ ''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (نحل۔ رکوع ۱۶) (تفسیر عثمانیؒ)

عکرمہ اور سدی نے کہا (نام نہ لینا بلکہ) کنیت کہہ کر کلام کرنا، فرعون کی کنیت ابوالعباس یا ابوالولید تھی۔

ایسا کلام دعوتِ ایمان ہے مگر بطور مشورہ نرم کلامی کے حکم کی وجہ یہ تھی کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں فرعون پر حمیت جاہلیت سوار نہ ہو جائے اور وہ دونوں پر حملہ نہ کر بیٹھے (اور بات بھی نہ سنے) بعض نے کلام میں نرمی اختیار کرنے کے حکم کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ فرعون کے زیر پرورش موسیٰ رہ چکے تھے اس کو حق تربیت حاصل تھا۔

نرم کلام کا اثر:

سدی نے کہا نرم کلام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر تم ایمان لے آئے تو تم کو دوبارہ ایسی جوانی مل جائے گی جو کبھی پیری میں تبدیل نہیں ہوگی اور مرتے دم تک تمہاری حکومت قائم رہے گی اور کھانے پینے کی لذت اور صنفی مقاربت کی کیفیت وقت موت تک تم کو حاصل ہوتی رہے گی اور مرنے کے بعد جنت ملے گی۔ فرعون کو موسیٰ کی یہ بات پسند آئی لیکن ہامان کے مشورے کے بغیر وہ کوئی بات طے نہیں کرتا تھا۔ ہامان اس وقت موجود نہ تھا جب آیا اور فرعون نے اس سے موسیٰ کی باتیں نقل کیں اور مشورہ لیا اور قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہامان نے کہا، میں آپ کو دانش مند اور صاحب رائے سمجھتا تھا، آپ رب ہو کر کیا مربوب بننا چاہتے ہیں اب تک آپ کی پوجا ہوتی ہے تو کیا اب آپ دوسرے کی عبادت کرنے کے خواستگار ہیں، غرض ہامان نے فرعون کی رائے پلٹ دی۔

لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى شاید وہ (برغبت) نصیحت پذیر ہو جائے یا (عذاب خداوندی سے) ڈر جائے۔ یعنی اگر تم دونوں کی سچائی اس پر ظاہر ہو گئی تو شاید نصیحت مان لے اور سچائی ظاہر نہ ہوئی اور نصیحت پذیر نہ ہوا تب بھی کم سے کم اتنا تو شاید ہو جائے کہ وہ ڈر جائے، اللہ کو تو کوئی شک نہ تھا اس کو معلوم ہی تھا کہ فرعون نصیحت پذیر نہ ہوگا۔ یہ شک کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے علم کی مناسبت سے استعمال کیا یعنی تم دونوں امید رکھو کہ شاید وہ مان لے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى

بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھبک پڑے ہم پر یا جوش میں آ جائے☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی اس کے ڈرنے کی امید تو بعد کو ہوگی، فی الحال اپنی بے سروسامانی اور اس کے جاہ و جلال پر نظر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ وہ ہماری بات سننے کیلئے بھی آمادہ ہوگا یا نہیں۔ ممکن ہے ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی وہ بھبک پڑے یا سننے کے بعد غصہ میں بپھر جائے اور تیری شان میں زیادہ گستاخی کرنے لگے۔ یا ہم پر دست درازی کرے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔ (تنبیہ) موسیٰ علیہ

السلام کے اس خوف اور شرح صدر میں کچھ منافات نہیں۔ کاملین بلاء کے نزول سے پہلے ڈرتے ہیں اور استعاذہ کرتے ہیں۔ لیکن جب آپڑتی ہے اس وقت پورے حوصلہ اور کشادہ دلی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾

فرمایا نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ☆

گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں:

یعنی جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہونگی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں میں کسی وقت تم سے جدا نہیں، میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہے گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَسْمَعُ وَاَرٰی میں (تمہاری پکار کو) سنوں گا اور (جو حرکت تمہارے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا جائے گا اس کو) دیکھتا رہوں گا، یعنی میں تم دونوں سے غافل نہیں ہوں تم پروا نہ کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے اور فرعون کے درمیان کیا گفتگو ہوگی کیا عمل اور سلوک ہوگا۔ بہر حال میں اس کو سنوں گا اور دیکھوں گا اور تمہاری مناسب مدد کروں گا تم پر دکھ نہ آنے دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا

سو جاؤ اُسکے پاس اور کہو ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے سو بھیجدے ہمارے ساتھ

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ

بنی اسرائیل کو اور مت ستا اُن کو ☆

فرعون کی تین چیزوں کی دعوت:

اس میں تین چیزوں کی طرف دعوت دی گئی (۱) فرعون کا اور سب مخلوقات کا کوئی رب ہے جو رسول بھیجتا ہے۔ (۲) ہم دونوں اس کے رسول ہیں لہٰذا ہماری اطاعت اور رب کی عبادت کرنی چاہئے۔ گویا اس جملہ میں اصل ایمان کی دعوت دی گئی۔ اسی کو "نازعات" میں اس طرح ادا کیا ہے۔ "فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی ﴿ۙ﴾ وَاَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی" آگے (۳) تیسری چیز وہ ہے جس کی اس وقت خاص ضرورت تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی ذلت آمیز اور دردانگیز غلامی سے نجات دلانا۔ مطلب یہ ہے کہ اس شریف و نجیب الاصل خاندان پر ظلم و ستم مت توڑ اور ذلیل ترین غلامی سے آزادی دے کر ہمارے ساتھ کر دے۔ جہاں چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں۔ (تفسیر عثمانی)

سیدی حضرت حکیم الامۃ اسی بنا پر مشترک ہندوستان میں جبکہ مسلمان اور ہندو دونوں انگریز کی حکومت میں رہتے تھے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہ رکھتے تھے کہ وہ کسی ہندو کی جان و مال پر ظلم کرے۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی ☆

یعنی ہمارا دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں۔ بلکہ اپنی صداقت پر خدائی نشان لے کر آئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ

اور سلامتی ہو اُسکی جو مان لے راہ کی بات ہم کو

اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

حکم ملا ہے کہ عذاب اُس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیر لے ☆

دعویٰ کی دلیل:

یعنی جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں سلامتی ہے۔ اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لئے عذاب یقینی ہے۔ خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ اب تم اپنا انجام سوچ کر جو راستہ چاہو اختیار کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کے پاس جانے کی دُعاء:

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی کہ مجھے وہ دعا تعلیم فرمائی جائے جو میں فرعون کے پاس جاتے ہوئے پڑھ لیا کروں تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی هیا شر اهیا جس کے معنی عربی میں انا الحی قبل کل شیء و الحی بعد کل شیء یعنی میں ہی ہوں سب سے پہلے زندہ اور سب سے بعد بھی زندہ۔

تبلیغ کیلئے بار بار جانا:

پھر نہیں بتلایا گیا کہ یہ فرعون کو کیا کہیں؟ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ گئے دروازے پر ٹھیرے، اجازت مانگی، بڑی دیر کے بعد اجازت ملی۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ دونوں پیغمبر دو سال تک روزانہ صبح شام فرعون کے ہاں جاتے رہے۔ دربانوں سے کہتے رہے کہ ہم دونوں پیغمبروں کی آمد کی خبر بادشاہ سے کرو لیکن فرعون کے ڈر کے مارے کسی نے خبر نہ کی۔ دو سال کے بعد ایک روز اس کے ایک بے تکلف دوست نے جو بادشاہ سے ہنسی دل لگی بھی کر لیا کرتا تھا کہا کہ آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے اور ایک عجیب مزے کی بات کہہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ کے سوا اس کا کوئی اور رب ہے اور اس کے رب نے اسے آپ کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے کہا کیا میرے دروازے پر وہ ہے؟ اس نے کہا ہاں، حکم دیا کہ اندر بلا لو۔ چنانچہ آدمی گیا اور دونوں پیغمبر دربار میں آئے۔

فرعون سے گفتگو:

حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ فرعون نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ تو موسیٰ ہے، سدیؒ کا بیان ہے کہ آپ مصر میں اپنے ہی گھر ٹھہرے تھے۔ ماں نے اور بھائی نے پہلے تو آپ کو پہچانا نہیں۔ گھر میں جو پکا تھا وہ مہمان سمجھ کر ان کے پاس لا رکھا، اس کے بعد پہچانا سلام کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خدا تعالیٰ کا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں اور تمہاری نسبت فرمان ہوا ہے کہ تم میری تائید کرو۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا پھر بسم اللہ کیجئے۔ رات کو دونوں صاحب بادشاہ کے ہاں گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لکڑی سے کواڑ کھٹکھٹائے، فرعون آگ بگولا ہوگیا کہ اتنا بڑا دلیر آدمی کون آ گیا؟ جو یوں بے ساختہ دربار کے آداب کے خلاف اپنی لکڑی سے مجھے ہوشیار کر رہا ہے؟ درباریوں نے کہا حضرت کچھ نہیں یونہی ایک مجنون آدمی ہے، کہتا پھرتا ہے کہ میں رسول ہوں، فرعون نے حکم دیا کہ اسے میرے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ حضرت ہارون کو لئے ہوئے آپ اس کے پاس گئے اور اس سے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے۔ انہیں سزائیں نہ کر۔ ہم رب العالمین کی طرف سے اپنی رسالت کی دلیلیں اور معجزے لے کر آئے ہیں اگر تو ہماری بات مان لے تو تجھ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہوگی۔

شاہ روم کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط:

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو خط شاہِ روم ہرقل کے نام لکھا تھا، اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے شاہِ روم ہرقل کے نام ہے جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد یہ کہ تم اسلام قبول کر لو تو سلامت رہو گے، اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عنایت فرمائے گا۔

مسیلمہ کذاب کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خط:

مسیلمہ کذاب نے صادق مصدوق ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں تحریر تھا کہ یہ خط خدا کے رسول مسیلمہ کی جانب سے خدا کے رسول محمد کے نام ہے، آپ پر سلام ہوں، میں نے آپ کو شریک کار کر لیا ہے۔ شہری آپ کے لئے اور دیہاتی میرے لئے۔ یہ قریشی تو بڑے ہی ظالم لوگ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا کہ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام ہے۔ سلام ہو ان پر جو ہدایت کی تابعداری کریں۔ سن لے زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا تا ہے۔ انجام کے لحاظ سے بھلے لوگ وہ ہیں جن کے دل خوف خدا تعالیٰ سے پُر ہوں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾
بولا پھر کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ ☆

فرعون کا عقیدہ:

یعنی تم اپنے کو جس رب کا بھیجا ہوا بتلاتے ہو وہ رب کون ہے اور کیسا ہے؟ اس سوال سے مترشح ہوتا ہے کہ فرعون دہری عقیدہ کی طرف مائل ہوگا یا محض دق کرنے کے لئے ایسا سوال کیا ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فرعون دہری عقیدہ کا تھا منکرِ خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا، اور یہ سمجھتا تھا یہ کارخانہ عالم خود رو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوئے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں، سارے عالم کو خود رو گھاس کی طرح سمجھتا تھا۔ کہ خود بخود موسم برسات میں اُگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہو گیا۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾
کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اُس کی صورت پھر راہ سجھائی ☆

فرعون منطق کا جواب:

یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل صورت قویٰ، خواص وغیرہ عنایت فرمائے۔ اور کمال حکمت سے جیسا بنانا چاہئے تھا بنایا۔ پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقاء کے لئے جن سامانوں کی ضرورت تھی، مہیا کئے اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ سجھائی۔ پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہئے۔ فللہ الحمد والمنہ، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کھانے پینے کو ہوش دیا۔ بچہ کو دودھ پینا وہ نہ سکھائے تو کوئی نہ سکھا سکے"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مجاہد نے آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا اللہ نے ہر چیز کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی آدمی کی شکل جانوروں جیسی اور جانوروں کی شکل انسان جیسی نہیں بنائی پھر کھانے پینے اور قربتِ صنفی کرنے کی طرف اس کی راہنمائی کی۔

سعید بن جبیر نے کہا خلق سے مراد ہے ہر چیز کو اس کا ہم جنس جوڑا دیا مرد کو عورت اونٹ کو اونٹنی، گدھے کو گدھی اور گھوڑے کو گھوڑی، پھر صنفی قربت کا طریقہ اس کو فطرتاً بتا دیا۔

مطلب آیت یہ ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرما دی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آ سکتی تھی پھر اس کو وہ طریقہ بتا دیا جس

سے وہ منفعت اندوز ہو سکے اور اپنی ہستی کی بقاء اور تکمیل تک بالا رادہ یا بلا اختیار پہنچ سکے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا

بولا پھر کیا حقیقت ہے اُن پہلی جماعتوں کی کہا اُن کی خبر

عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

میرے رب کے پاس لکھی ہوئی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے☆

فرعون کا فضول سوال:

یعنی اگر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہو چکی ہیں اور جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو، وہ حق ہے تو گزشتہ اقوام کے متعلق کچھ بیان کرو، آخر ان میں سے بہتوں نے ایسی واضح دلائل کی موجودگی میں حق کو کیوں قبول نہ کیا؟ اور قبول نہ کرنے کی صورت میں کیا وہ سب کی سب تباہ کر دی گئیں۔ اگر تم پیغمبر ہو تو سب اقوام کے تفصیلی حالات تم کو ضرور معلوم ہونے چاہئیں یہ سب لایعنی اور دوراز کار قصے فرعون نے اس لئے چھیڑے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مضامین ہدایت کو ان فضول باتوں میں رلا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمادیا کہ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا ضروری نہیں؟ ہر قوم کے حالات کا تفصیلی علم حق تعالیٰ کو ہے جو بعض مخفی مصالح کی بنا پر کتاب (لوح محفوظ میں ثبت بھی کر دیا گیا۔ اللہ کے علم سے نہ کوئی چیز ابتداءً غائب ہو سکتی ہے اور نہ علم میں آئی ہوئی چیز کو ایک سیکنڈ کے لئے بھول سکتا ہے۔ جو اعمال کسی قوم نے کسی وقت کئے ہیں سب کا ذرہ ذرہ حساب لکھا ہوا موجود ہے جو وقت پر پیش کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ

وہ ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے زمین کو بچھونا اور چلائیں

لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا

تمہارے لئے اُس میں راہیں☆

یعنی وادیوں دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے زمین پر راہیں نکال دیں جن پر چل کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ

اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اُس سے

اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

طرح طرح کی سبزی☆

انعاماتِ خداوندی:

یعنی پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی سبزیاں، غلے اور پھل پھول پیدا کر دیئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

زیادہ ظاہر اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی کلام ہے جو اللہ نے نقل فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ نے بادل سے پانی نازل فرمایا اور احسان وانعام کے طور پر فرمایا کہ ہم نے اس پانی سے طرح طرح کی سبزیاں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے پیدا کی ہیں، سو تم بھی کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ، یعنی اس کا شکر کرو۔ (تفسیر مظہریؒ)

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ

کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو☆

یعنی عمدہ غذائیں تم کھاتے ہو، جو تمہارے کام کی نہیں وہ اپنے مویشیوں کو کھلاتے ہو جن کی محنت سے ساری پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿۵۴﴾

البتہ اُس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو☆

عقل والوں کیلئے نشانیاں:

یہ فرمایا ہے دہریوں کی آنکھ کھولنے کو یعنی اس کی تدبیریں اور قدرتیں دیکھو۔ اگر عقل ہے تو سمجھ لو گے کہ یہ مضبوط ومحکم انتظامات یوں ہی بخت واتفاق سے قائم نہیں ہو سکتے۔ گویا ان آیات میں وجود باری اور توحید کی طرف توجہ دلائی۔ آگے معاد کا ذکر ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا

اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے

نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

نکالینگے تم کو دوسری بار☆

انسان کی پیدائش:

سب کے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے۔ دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور (قیامت کے دن) پھر اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

یعنی تمہارے باپ آدم کو اور تمہارے جسمانی مادہ کو ہم نے زمین کی مٹی سے بنایا نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے، پس ہر آدمی کے مادہ تخلیق کی پیدائش زمین سے ہی ہوتی ہے۔

آدمی اپنی قبر کی مٹی سے بنتا ہے:

بغوی نے عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے۔ پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے عطاء کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ضرور ہوتی ہے جس سے اس کی پیدائش ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی بدترین عمر (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے تو جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوتی ہے اسی کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے اور اسی میں دفن کیا جاتا ہے میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور اسی میں دفن کیے جائیں گے، یہ حدیث خطیب نے بیان کی ہے اور اس کو غریب کہا ہے اور ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ شیخ مرزا محمد حارثی بدخشانی نے کہا کہ حضرات ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے اس حدیث کے تائیدی اقوال (شواہد) منقول ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی تائید کر رہا ہے اس لیے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کی تقویت مندرجہ ذیل اقوال و روایات سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر و عمرؓ کی مٹی:

عینی نے صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ محمد بن سیرین نے فرمایا اگر میں قسم کھا کر کہوں تو میری قسم جھوٹی نہ ہوگی نہ مجھے اس میں کوئی شک ہے نہ استثناء کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکرؓ کو اور عمرؓ کو ایک ہی مٹی سے بنایا تھا۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے مبارک اور خوشگوار ہو کہ تو میرے خمیر سے پیدا کیا گیا اور تیرا باپ ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اڑتا ہے۔

مسند الفردوس میں دیلمی نے اور ابن النجار نے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ (باندی غلام کو) آزاد کرنے والے کا خمیر میری مٹی کا ہے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کسی آزاد کرنے والے سے فرمایا تھا، مذکورہ بالا احادیث اور عطاء کی تفسیر مذکور سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ بعض آدمیوں کی تخلیق انبیاء کے خمیر سے ہوتی ہے صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو اصالۃ الطینۃ کہتے ہیں بلکہ بعض کی تخلیق رسول اللہ کی مٹی سے بھی خصوصیت کے ساتھ ہوئی ہے (اور ہوتی ہے) اصطلاح صوفیہ میں یہ اصالت کبریٰ ہے۔

انسانی خمیر کی تحقیق:

میں کہتا ہوں اللہ نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا اسی روز زمین کے بعض اجزاء کو بعض انسانوں کی اور بعض اجزا کو دوسرے بعض انسانوں کی تخلیق کے لیے تیار کر دیا (غرض ہر حصہ زمین میں مختلف اشخاص کو پیدا کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھدی) جس مٹی میں کسی پیغمبر کی تخلیق کی صلاحیت رکھی تھی جو انوار و برکات اور تجلیات ذاتیہ اس پیغمبر کے لیے مخصوص کر دی گئی تھیں۔ شاید ان انوار و برکات کا نزول اس حصہ زمین پر بھی مسلسل ہوتا رہا جس سے اس نبی کی تخلیق ہونی تھی تاکہ نبی کے مبارک جسم کا خمیر اس مٹی سے ہو سکے اس کے بعد جب جسم نبی کی تخمیر ہو چکی تو اس مبارک مٹی کا کچھ حصہ باقی رہنا ناممکن نہ تھا پس ہو سکتا ہے کہ تخمیر نبی سے جو حصہ بچ رہا ہو اس سے کسی دوسرے کی تخلیق کر دی جائے اس طرح خمیر نبوت کی برکت غیر نبی میں پیدا ہو جائے درخت کھجور والی حدیث سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنی پھوپھی یعنی درخت کھجور کی عزت کرو، اس کی تخلیق تمہارے باپ آدم کے خمیر سے پس ماندہ مٹی سے ہوئی ہے اللہ کے نزدیک کوئی درخت اس درخت سے زیادہ عزت والا نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تھا تم اپنی عورتوں اور بچوں کو کھجوریں کھلاؤ اور کھجوریں نہ ملیں تو چھوارے دو۔ یہ حدیث ابویعلی موصلی نے مسند میں ابونعیم نے الطب میں بخاری نے تاریخ میں نیز ابن ابی حاتم اور عقیلی اور ابن عدی اور ابن السنی اور ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

انار، کھجور اور انگور کا خمیر:

ابن عساکر نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، درخت کھجور اور انار اور انگور کی تخلیق آدم کے خمیر کے پس ماندہ حصہ سے ہوئی ہے۔

شیخ احمد مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی تیسری جلد کے ننانویں مکتوب میں اپنے کشف سے اصالت کبریٰ کا دعویٰ کیا ہے اس دعویٰ پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا خواہ نادانی کی وجہ سے یا جذبہ عناد کی کارفرمائی سے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہریؒ)

سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کے دفن کے بعد اس کی قبر پر مٹی دیتے ہوئے پہلی بار فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ دوسری لپ ڈالتے ہوئے فرمایا وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ تیسری بار فرمایا وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى"۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

امام قرطبی نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے عمل میں آئی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث اس پر شاہد ہے

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جزء ڈالا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے، یہ حدیث ابونعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا ہے لہٰذا حدیث غریب من حدیث عون لم نکتبہ الامن حدیث عاصم بن نبیل و ہواحد الثقات الاعلام من اہل بصرہ، اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے اور عطاء خراسانی نے فرمایا کہ جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے تو جو فرشتہ اس کی تخلیق پر مامور ہے وہ جا کر اس جگہ کی مٹی لاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا مقرر ہے اور یہ مٹی اس نطفہ میں شامل کر دیتا ہے اس لئے تخلیق نطفہ اور مٹی دونوں سے ہوتی ہے اور اسی آیت سے استدلال کیا، مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ (قرطبی)

وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور ہم نے فرعون کو دکھلا دیں اپنی سب نشانیاں پھر اُس نے جھٹلایا اور نہ مانا ☆

فرعون کی بدبختی:

یعنی جو آیات اس کو دکھلانا منظور تھیں، سب دکھلا دیں مثلاً القائے عصاء اور ید بیضاء وغیرہ مع اپنے متعلقات وتفاصیل کے۔ اس پر بھی بدبخت نہ مانا اور جحود وتکذیب پر اڑا رہا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا

بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے

بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى

اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ ☆

فرعون کا قوم کے ساتھ فراڈ:

فرعون نے یہ بات اپنی قوم "قبط" کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کے لئے کہی یعنی موسیٰ کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جادو کے زور سے ہم کو نکال باہر کرے اور ساحرانہ ڈھونگ بنا کر عوام کی جمعیت اپنے ساتھ کر لے اور اس طرح قبطیوں کے تمام املاک واموال پر قابض ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ

سو ہم بھی لائینگے تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں

مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں ☆

جادو کے ذریعہ مقابلہ:

یعنی تو اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہمارے یہاں بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ان سے مقابلہ ہو جائے۔ پس کوئی دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہے تجھے اس کی تعیین کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ جو وقت معین ہو جائے اس سے کوئی فریق گریز نہ کرے اور جگہ ایسی ہو جہاں فریقین کو آنے اور بیٹھنے میں یکساں سہولت حاصل ہو، نشست وغیرہ میں راعی ورعایا یا حاکم ومحکوم اور بڑے چھوٹے کا کوئی سوال نہ ہو، ہر ایک فریق آزادی سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکے اور میدان بھی کھلا ہوا ہموار اور صاف ہو کہ تماشا دیکھنے والے سب بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

مقابلہ کا مقام اور وقت:

مَكَانًا سُوًى، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے جو آلِ فرعون اور حضرت موسیٰ وبنی اسرائیل کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تا کہ کسی فریق پر زیادہ دُور جانے کی مشقت نہ پڑے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح فرما دی قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى، یعنی یہ مقابلہ یوم الزینۃ میں ہونا چاہئے مراد عید یا کسی میلے وغیرہ کے اجتماع کا دن ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون سا دن تھا، بعض نے کہا کہ آلِ فرعون کی کوئی عید مقرر تھی جس میں وہ زینت کے کپڑے پہن کر شہر سے باہر نکلنے کے عادی تھے، بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا کسی نے کہا کہ یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن تھا جس کی یہ لوگ تعظیم کرتے تھے، بعض نے کہا کہ وہ عاشورا یعنی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دن اور وقت کی تعیین میں بڑی حکمت سے کام لیا کہ دن ان کی عید کا تجویز کیا جس میں سب چھوٹے بڑے ہر طبقے کے لوگوں کا اجتماع پہلے سے متعین تھا جس کا نتیجہ لازمی یہ تھا کہ یہ اجتماع بہت بڑا پورے شہر کے لوگوں پر مشتمل ہو جائے اور وقت ضحیٰ یعنی چاشت کا رکھا جو آفتاب کے بلند ہونے کے بعد ہوتا ہے جس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ سب لوگوں کو اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اس میدان میں آنا آسان ہو، دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ وقت روشنی اور ظہور کے اعتبار سے سارے دن میں بہتر ہے ایسے ہی وقت میں دلجمعی اور سکون کے ساتھ اہم کام کئے جاتے ہیں اور ایسے وقت کے اجتماع سے جب لوگ منتشر ہوتے ہیں تو بات دُور دُور تک پھیل جاتی ہے چنانچہ اس روز جب حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی ساحروں پر غلبہ عطا فرمایا تو ایک ہی دن میں پورے شہر میں بلکہ دُور دُور تک اس کی شہرت ہوگئی۔ (معارف القرآن)

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ

کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ

يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

جمع ہوں لوگ دن چڑھے☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج قبول کرلیا:

پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس و تلمیع نہیں ہوتی، ان کا معاملہ کھلم کھلا صاف صاف ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر ہے جو بڑا میلہ اور جشن تمہارے یہاں ہوتا ہے اسی روز جب دن چڑھ جائے اس وقت میدان مقابلہ قائم ہو یعنی میلہ میں جہاں زیادہ سے زیادہ مخلوق جمع ہوگی اور دن کے اجالے میں یہ کام کیا جائے اور دیکھنے والے بکثرت ہوں اور روز روشن میں کسی کو اشتباہ والتباس نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''دنگل میں مقابلہ کرنے سے دونوں کی غرض تھی۔ وہ چاہے ہے کہ ان کو ہرادے سب کے روبرو، یہ چاہیں کہ وہ ہارے، جشن کا دن سارے مصر کے شہروں میں مقرر تھا فرعون کی سالگرہ کا''۔ (تفسیر عثمانی)

بعض لوگ کہتے ہیں مصریوں کے تیوہار کا دن نوروز کا ہوتا تھا، حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر نے فرمایا محرم کی دس تاریخ کو وہ تیوہار مناتے تھے۔ میلہ کا دن حضرت موسیٰ نے اس لیے مقرر کیا کہ تمام لوگوں کے سامنے حق کا ظہور ہو جائے اور باطل کو شکست ہو جائے اور اسطرح اطراف ملک میں یہ خبر پھیل جائے۔

ضحیٰ، چاشت کے وقت دن چڑھے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور کسی کو شک نہ رہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کی زینت اور عید کا دن عاشورے کا دن تھا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

پھر الٹا پھرا فرعون پھر جمع کیے اپنے سارے داؤ پھر آیا☆

فرعون کی تیاریاں:

یعنی یہ طے کر کے فرعون مجلس سے اٹھ گیا اور ساحروں کو جمع کرنے اور مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور داؤ گھات کرنے لگا۔ اور آخر کار مکمل تیاری کے بعد پوری طاقت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں حاضر ہو گیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی، انعام واکرام کے وعدے ہو رہے تھے اور ہر طرح موسیٰ کو شکست دینے اور حق کو مغلوب کر لینے کی فکر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَجَمَعَ كَيْدَهٗ فرعون نے اپنے کید یعنی مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کی تدبیریں ساحروں اور ان کے آلات کو جمع کرلیا۔

جادوگروں کی تعداد:

حضرت ابن عباسؓ سے ان ساحروں کی تعداد بہتر منقول ہے اور دوسرے اقوال ان کی تعداد میں بہت مختلف ہیں، چار سو سے لے کر نو لاکھ تک ان کی تعداد بتلائی گئی ہے اور یہ سب اپنے ایک رئیس شمعون کے ماتحت اس کے حکم کے مطابق کام کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کا رئیس ایک اندھا آدمی تھا (قرطبی) واللہ اعلم۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

کہا ان کو موسیٰ نے کم بختی تمہاری جھوٹ نہ بولو

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ

اللہ پر پھر غارت کردے تم کو کسی آفت سے

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾

اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا☆

جادوگروں کو نصیحت:

معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کے حسب حال نصیحت فرمائی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے والے تھے، ان کو تنبیہ کردی کہ دیکھو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ خدا کے نشانوں اور انبیاء کے معجزات کو سحر بتلانا اور بے حقیقت چیزوں کو ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں پیش کرنا گویا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ جھوٹ باندھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کوئی آسمانی آفت آپڑے۔ جو ان کی بیخ و بنیاد تک نہ چھوڑے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کیا مشورہ☆

جادوگروں میں کھلبلی مچ گئی:

موسیٰ علیہ السلام کی تقریر نے ساحروں کی جماعت میں کھلبلی ڈال دی آپس میں جھگڑنے لگے کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے۔ اس کی باتیں ساحروں جیسی معلوم نہیں ہوتیں۔ غرض باہم بحث ومناظرہ کرتے رہے اور سب سے الگ ہو کر انہوں نے مشورہ کیا۔ آخر اختلاف ونزاع کے بعد فرعون کے اثر سے متاثر ہو کر وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

محمد بن اسحاق نے کہا جب حضرت موسیٰ نے ان کو مذکورہ بالا نصیحت کی تو

جادوگروں نے باہم کہا یہ کلام تو جادوگر کا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ

بولے مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ

يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور موقوف کرادیں

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

تمہارے اچھے خاصے چلن کو☆

یعنی تمہارا جو دین اور رسوم پہلے سے چلی آتی ہیں ان کو مٹا کر اپنا دین اور طور وطریق رائج کردیں اور جادو کے فن کو بھی جس سے ملک میں تمہاری عزت اور کمائی ہے، چاہتے ہیں کہ دونوں بھائی تم سے لے اڑیں اور تن تنہا خود اس پر قابض ہوجائیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جادوگروں کی تدبیریں:

حضرت ابن عباسؓ اور علی مرتضیٰؓ سے اس جگہ طریقہ کی یہی تفسیر منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کردیں، اس لئے تم لوگوں کو چاہیئے کہ مقابلہ کیلئے اپنی پوری تدبیر وتوانائی صرف کرو اور سب جادوگر صف بستہ ہوکر یکبارگی ان کے مقابلے پر عمل کرو (فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا) صف بستہ ہونے کو مقابل پر رعب ڈالنے کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اس لئے جادوگروں نے صف بندی کر کے مقابلہ کیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ

سو مقرر کرلو اپنی تدبیر پھر آؤ قطار باندھ کر

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

اور جیت گیا آج جو غالب رہا☆

یعنی موقع کی اہمیت کو سمجھو، وقت کو ہاتھ سے نہ دو، پوری ہمت وقوت سے سب مل کر ان کے گرانے کی تدبیر کرو۔ اور دفعۃً ایسا متفقہ حملہ کردو کہ پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں کہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے، آج کی کامیابی دائمی کامیابی ہے۔ جو فریق آج غالب رہے گا وہ ہمیشہ کے لئے منصور ومفلح سمجھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَاَجْمِعُوْا (مصدر اجماع باب افعال) کو بعض لوگوں نے ثلاثی مجرد۔ یعنی اِجْمَعُوْا کا ہم معنی قرار دیا ہے یعنی اپنی تدبیریں ساری جمع کرلو۔ عرب کہتے ہیں اَجْمَعْتُ الشیء اور جَمَعْتُ الشیء دونوں کو ہم معنی کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اجماع کا معنی ہے متفق الرائے ہوجانا کسی رائے پر اتفاق کرلینا، مطلب یہ ہے کہ اپنی تدبیر پر متفق ہوجاؤ۔ پختہ ارادہ کرلو، باہم اختلاف نہ کرو ورنہ کام بگڑ جائے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ

بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا

نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ

ہم ہوں پہلے ڈالنے والے کہا نہیں تم ڈالو☆

جادوگروں کی نفسیاتی تدبیر:

موسیٰ علیہ السلام نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ نہیں، تم پہلے اپنے حوصلے نکال لو اور اپنے کرتب دکھالو۔ تا باطل کی زور آزمائی کے بعد حق کا غلبہ پوری طرح نمایاں ہو۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا وہاں کے فوائد ملاحظہ کرلئے جائیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جادوگروں نے اپنی بےفکری اور بے پروائی کا مظاہرہ کرنے کیلئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے کہا کہ پہل آپ کرتے ہیں یا ہم کریں یعنی پہلے آپ اپنا عمل کرتے ہیں یا ہم کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا بل القوا یعنی پہلے تمہیں ڈالو اور اپنے جادو کا کرشمہ دکھلاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب میں بہت سی حکمتیں مضمر تھیں، اول تو ادب مجلس کہ جب جادوگروں نے اپنا یہ حوصلہ دکھلایا کہ مخالف کو پہلے حملہ کرنیکی اجازت دی تو اس کا شریفانہ جواب یہی تھا کہ ان کی طرف سے اس سے زیادہ حوصلے کے ساتھ ان کو ابتداء کرنے کی اجازت دی جائے، دوسرے یہ کہ جادوگروں کا یہ کہنا اپنے اطمینان اور بےفکری کا مظاہرہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ہی کو ابتداء کرنے کا موقع دے کر اپنی بےفکری اور اطمینان کا ثبوت دیدیا، تیسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان کے جادو کے سب کرشمے آجاویں اس کے بعد اپنے معجزات کا اظہار کریں تو بیک وقت غلبہ حق کا ظہور واضح طور پر ہوجائے۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد پر اپنا عمل شروع کردیا اور اپنی لاٹھیاں اور رسیاں جو بڑی تعداد میں تھیں بیک وقت زمین پر ڈالدیں اور وہ سب کی سب بظاہر سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ

پھر تبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں

اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿۶۶﴾
آئیں ان کے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں☆

جادوگروں کی نظر بندی:

یعنی ساحرین کی نظر بندی سے موسیٰ علیہ السلام کو یوں خیال ہونے لگا کہ گویا رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں، اور واقع میں ایسا نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یُخَیَّلُ اِلَیۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونی جادوگروں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی تھی جو مسمریزم کے ذریعہ بھی ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کو یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں، وہ حقیقتاً سانپ نہ بنی تھیں، اور اکثر جادو اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى ﴿۶۷﴾
پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف:

کہ جادوگروں کا یہ سوانگ دیکھ کر کہیں بیوقوف لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں او سحر و معجزہ میں فرق نہ کر سکیں۔ ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہوگا۔ خوف کا یہ مطلب آگے جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ﴿۶۸﴾
ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہیگا غالب☆

غلبہ کی بشارت:

یعنی ڈر کو دل سے نکال دو۔ اس قسم کے وسوسے مت لاؤ۔ اللہ تعالیٰ حق کو غالب اور سربلند رکھنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ
اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا☆

حضرت موسیٰ کا عصاء:

یعنی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو جو ان کے بنائے ہوئے سوانگ کا ایک دم لقمہ کر جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾
اُن کا بنایا ہوا تو فریب ہے جادوگر کا اور بھلا نہیں ہوتا جادوگر کا جہاں ہو☆

جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا:

یعنی جادوگر کے ڈھکوسلے چاہے کہیں ہوں اور کسی حد تک پہنچ جائیں، حق کے مقابل کامیاب نہیں ہو سکتے نہ جادوگر کبھی فلاح پا سکتا ہے اسی لئے حدیث میں ساحر کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى، اور جادوگر کہیں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جادوگر زمین کے جس حصہ میں ہو اور جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے اَتٰی کا ترجمہ اختیال کیا ہے یعنی جو تدبیر جہاں کرے کامیاب نہیں ہوتا۔ ابن حاتم اور ترمذی نے حضرت جندب بن عبداللہ بجلی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب تم جادوگر کو پاؤ تو اس کو قتل کر دو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ
پھر گر پڑے جادوگر سجدہ میں بولے ہم یقین لائے رب پر
هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰى ﴿۷۰﴾
ہارون اور موسیٰ کے☆

جادوگر حقیقت کے سامنے جھک پڑے:

ساحرین فن کے جاننے والے تھے۔ اصول فن کے اعتبار سے فوراً سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں ہو سکتا یقیناً سحر سے اوپر کوئی اور حقیقت ہے دل میں ایمان آیا اور سجدہ میں گر پڑے۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (یہ دیکھتے ہی) جادوگر فوراً سجدہ میں گر گئے کلام میں کچھ اختصار کر دیا گیا ہے (رفتار کلام محذوفات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے) اصل کلام اس طرح تھا پس موسیٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے لاٹھی زمین پر ڈال دی وہ فوراً اژدہا بن گئی اور جو کچھ جادوگروں نے کارستانی کی تھی سب کو نگلنے لگی اس وقت جادوگر پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ خداداد معجزہ ہے اتنا پہچاننے کے بعد فوراً توبہ کی اور سجدے میں گر گئے یا معجزے کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لیے سجدے میں گر گئے اور خود نہ گرے بلکہ عرفان حق (اور تعظیم معجزہ) نے بے اختیار کر کے ان کو سجدہ میں گرا دیا گویا وہ گرا دیئے گئے۔ (تفسیر مظہریؒ)

جادو کی حقیقت:

جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخیل اور نظر بندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الٰہی بسا اوقات اثر بھی

کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شی کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی شعبدہ بازی یہ بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ بھی ایک قسم کا شعبدہ ہے جو قوتِ خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال بندی کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخیل اور نظر بندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

ساحروں اور پیغمبروں کے معاملات میں کھلا ہوا فرق:

فرعون نے جن جادوگروں کو جمع کیا تھا اور پورے ملک وقوم کا خطرہ ان کے سامنے رکھ کر کام کرنے کو کہا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خود اپنا کام سمجھ کر اس خدمت کو دل و جان سے انجام دیتے مگر وہاں ہوا یہ کہ خدمت شروع کرنے سے پہلے سودے بازی شروع کر دی کہ ہمیں کیا ملے گا۔

اس کے بالمقابل تمام انبیاء علیہم السلام کا عام اعلان یہ ہوتا ہے مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ۔ یعنی میں تم سے اپنی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ و دعوت کے موثر ہونے میں ان کے اس استغناء کا بڑا دخل ہے۔ جب سے علماء دین اہلِ فتویٰ اہلِ خطابت و وعظ کی خدمت کا انتظام اسلامی بیت المال میں نہیں رہا، ان کو اپنی تعلیم اور وعظ و امامت پر تنخواہ لینے کی مجبوری پیش آئی وہ اگرچہ متاخرین فقہاء کے نزدیک بدرجہ مجبوری جائز قرار دی گئی مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس معاوضہ لینے کا اثر تبلیغ و دعوت اور اصلاحِ خلق پر نہایت برا ہوا جس نے ان کی کوششوں کا فائدہ بہت ہی کم کر دیا۔

فرعونی جادوگروں کے جادو کی حقیقت:

ان لوگوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو بظاہر سانپ بنا کر دکھلایا تھا کیا وہ واقعی سانپ بن گئی تھیں اس کے متعلق الفاظ قرآن يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقۃً سانپ نہیں بنی تھی بلکہ یہ ایک قسم کا مسمریزم تھا جس نے خیالات حاضرین پر تصرف کر کے ایک قسم کی نظر بندی کر دی کہ حاضرین کو وہ چلتے پھرتے سانپ دکھائی دینے لگے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی جادو سے کسی شئے کی حقیقت تبدیل ہی نہیں ہو سکتی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان جادوگروں کا جادو تبدیل حقیقت کے

درجہ کا نہیں تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ

بولا فرعون تم نے اُس کو مان لیا میں نے ابھی حکم نہ دیا تھا وہ ہی

لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ

تمہارا بڑا ہے جس نے سکھلایا تم کو جادو☆

فرعون کی چالاکی:

یعنی ہم سے بے پوچھے ہی ایمان لے آئے۔ ہمارے فیصلہ کا بھی انتظار نہ کیا۔ معلوم ہوگیا کہ یہ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت ہے۔ جنگ زرگری کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جیسا کہ سورہ اعراف میں گذرا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ

سو اب میں کٹواؤنگا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں☆

دھمکی: یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں، یا بایاں ہاتھ داہنا پاؤں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ

اور سولی دونگا تم کو کھجور کے تنہ پر☆

تا کہ تمہارا حال دیکھ کر سب عبرت حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾

اور جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیر تک رہنے والا☆

یعنی تم ایمان لا کر سمجھتے ہو کہ ہم ہی ناجی ہیں اور دوسرے لوگ (یعنی فرعون اور اسکے ساتھی) سب ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ سو ابھی تم کو معلوم ہوا چاہتا ہے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ

وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اُس چیز سے جو پہنچی ہم کو

الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ

صاف دلیل اور اُس سے جس نے ہم کو پیدا کیا سو تو کر گذر جو تجھ کو

قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾

کرنا ہے تو یہی کریگا اس دنیا کی زندگی میں

اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا

ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ بخشے ہم کو ہمارے گناہ اور جو تو نے زبردستی کروایا

عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ

ہم سے یہ جادو☆

جادوگروں کی استقامت:

یعنی ہم ایسے صاف دلائل کو تیری خاطر سے نہیں چھوڑ سکتے اور اپنے خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری کچھ پروا نہیں کر سکتے۔ اب جو تو کر سکتا ہے کرگذر۔ تیرا بڑا زور یہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے۔ سو کچھ مضائقہ نہیں، ہم پہلے ہی دار الفناء کے مقابلہ میں دار القرار کو اختیار کر چکے ہیں۔ ہم کو اب یہاں کے رنج و راحت کی فکر نہیں۔ تمنا صرف یہ ہے کہ ہمارا مالک ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے عام گناہوں کو خصوصاً اس گناہ کو جو تیری حکومت کے خوف سے زبردستی کرنا پڑا (یعنی حق کا مقابلہ جادو سے) معاف فرمادے۔ کہتے ہیں کہ جادوگر حضرت موسیٰ کے نشان دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ یہ جادو نہیں۔ مقابلہ نہ کرنا چاہئے پھر فرعون کے ڈر سے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ فرعون نے جو دھمکی جادوگروں کو دی تھی اس کے مطابق اس نے جادوگروں کو ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر لٹکوا بھی دیا۔ (ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے یہ روایت نقل کی ہے)

مقابلہ سے پہلے جادوگر شکست مان چکے تھے:

عبدالعزیز بن ابان نے کہا کہ جادوگروں نے فرعون سے درخواست کی پہلے ہم کو موسیٰ کو سوتے میں دکھادیجئے (پھر کچھ رائے قائم کریں گے) چنانچہ حضرت موسیٰ جب سو رہے تھے اور لاٹھی آپ کا پہرا دے رہی تھی اس وقت فرعون نے جادوگروں کو بلوا کر حضرت موسیٰ کا معاینہ کرادیا جادوگر دیکھ کر کہنے لگے یہ تو سحر نہیں ہے جادوگر سوجاتا ہے تو اس کا جادو بھی ختم ہوجاتا ہے (لیکن لاٹھی تو موسیٰ کی سوتے میں نگرانی کر رہی ہے، یہ جادو نہیں ہوسکتا) فرعون نے جادوگروں کی بات نہیں مانی اور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ کا یہی مطلب ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ جادوگروں نے اب فرعون پر یہ الزام لگایا کہ ہمیں جادوگری پر تو نے ہی مجبور کر رکھا تھا ورنہ ہم اس لغو کام کے پاس نہ جاتے، اب ہم ایمان لا کر اللہ سے اس جادو کے گناہ کی بھی معافی مانگتے ہیں۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ یہ جادوگر تو خود اپنے اختیار سے مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے اور اس مقابلہ کی سودا بازی ابھی فرعون سے کر چکے تھے کہ ہم غالب آئیں گے تو کیا ملے گا، پھر ان کا فرعون پر یہ الزام لگانا کہ تو نے ہمیں جادو کرنے پر مجبور کر رکھا تھا یہ کیسے صحیح ہوگا؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ جادوگر شروع میں تو شاہی انعام و اکرام کے لالچ میں مقابلہ کے لئے تیار تھے بعد میں ان کو کچھ احساس ہوا کہ ہم معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس وقت فرعون نے ان کو مجبور کیا، دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے اپنے ملک میں جادوگری کی تعلیم کو جبری بنایا ہوا تھا اس لئے ہر شخص جادو سیکھنے پر مجبور تھا (روح)

اہلیہ فرعون آسیہ کا انجام خیر:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق و باطل کے اس معرکہ کے وقت فرعون کی بیوی برابر خبر رکھتی رہی کہ انجام کیا ہوا، جب اس کو یہ بتلایا گیا کہ موسیٰ و ہارون غالب آگئے تو فوراً اس نے اعلان کر دیا کہ میں بھی رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لے آئی، فرعون کو اپنے گھر کی خبر لگی تو حکم دیا کہ ایک بڑے پتھر کی چٹان اٹھا کر اس کے اوپر ڈال دو، آسیہ نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اللہ سے فریاد کی، حق تعالیٰ نے پتھر اس کے اوپر گرنے سے پہلے اس کی روح قبض کر لی پھر پتھر اس بے جان جسم پر گرا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو۔ اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾

اور اللہ بہتر ہے اور سدا باقی رہنے والا☆

یعنی جو انعام و اکرام تو ہم کو دیتا اس سے کہیں بہتر اور پائدار اجر مومنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ

بات یہی ہے کہ جو کوئی آیا اپنے رب کے پاس گناہ لیکر، سو اس کے واسطے دوزخ ہے

لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰى ﴿۷۴﴾

نہ مرے اس میں نہ جیے☆

یعنی انسان کو چاہئے کہ اول آخرت کی فکر کرے۔ لوگوں کا مطیع بن کر خدا کا مجرم نہ بنے۔ اس کے مجرم کا ٹھکانہ بہت برا ہے جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شاق ہوں موت آکر سب کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن کافر کو دوزخ میں موت بھی نہیں آئے گی جو تکالیف کا خاتمہ کر دے اور جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہوگا، زندگی ایسی ہوگی کہ موت کو ہزار درجہ اس پر ترجیح دے گا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

فرعونی جادوگروں میں عجیب انقلاب:

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ الٰی وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى یہ کلمات اور

حقائق جن کا تعلق خالص اسلامی عقائد اور عالمِ آخرت سے ہے ان جادوگروں کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں اور اسلامی عقائد و اعمال کی کوئی تعلیم ان کو ملی نہیں، یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کی برکت اور ان کے اخلاص کا اثر تھا کہ حق تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام حقائق آن کی آن میں ایسے کھول دیئے کہ ان کے مقابلے میں نہ اپنی جان کی پرواہ رہی نہ کسی بڑی سے بڑی سزا اور تکلیف کا خوف رہا، گویا ایمان کے ساتھ ساتھ ہی ان کو ولایت کا بھی وہ مقام حاصل ہو گیا جو دوسروں کو عمر بھر کے مجاہدوں ریاضتوں سے بھی حاصل ہونا مشکل ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور عبید بن عمیرؓ نے فرمایا کہ قدرتِ حق کا یہ کرشمہ دیکھو کہ یہ لوگ شروع دن میں کفار جادوگر تھے اور آخر دن اولیاء اللہ اور شہداء (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ
اور جو آیا اس کے پاس ایمان لے کر نیکیاں کر کر
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ
سو ان لوگوں کیلئے ہیں درجے بلند باغ ہیں
عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں، ہمیشہ رہا کریں گے ان میں☆

مجرمین کے بالمقابل یہ مطیعین کا انجام بیان فرما دیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی جو شخص ایمان کی حالت میں مرے گا اور اس نے دنیا میں اعمال صالحہ کیے ہوں گے اس کو رہنے کے لیے باغ ملیں گے عدن بمعنی قیام و سکونت یہ جنات بڑے اونچے درجات ہوں گے۔ (تفسیر مظہریؒ)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اصلی جہنمی تو جہنم میں پڑے رہیں گے، نہ وہاں انہیں موت آئے نہ آرام کی زندگی ملے۔ ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے جان نکل جائے گی، پھر شفاعت کی اجازت کے بعد ان کا چورا نکالا جائے گا اور جنت کی نہروں کے کناروں پر بکھیر دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو۔ تو جس طرح تم نے نہر کے کنارے کے کھیت کے دانوں کو اگتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح وہ اگیں گے۔ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگے حضور نے مثال تو ایسی دی ہے گویا آپ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔

جنت کے درجے:

اور حدیث میں ہے کہ خطبے میں اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا اور جو خدا سے قیامت کے دن ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جا ملا اس سے اونچے بالا خانوں والی ملے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کے سو درجے ہیں۔ ہر درجہ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین آسمان میں۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اسی سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اس کی چھت رحمٰن کا عرش ہے تم اللہ تعالیٰ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو (ترمذی وغیرہ)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر درجے کے پھر سو درجے ہیں۔ دو درجوں میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان و زمین میں۔ ان میں یاقوت اور موتی ہیں اور زیور بھی۔ ہر جنت میں امیر ہے جس کی فضیلت اور سرداری کے دوسرے قائل ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اعلیٰ علیین والے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا پھر یہ بلند درجے تو نبیوں کیلئے ہی مخصوص ہوں گے؟ فرمایا سنو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے نبیوں کو سچا جانا۔ سنن کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ انہی میں سے ہیں اور کتنے ہی اچھے مرتبے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾
اور یہ بدلہ ہے اس کا جو پاک ہوا☆

یعنی پاک ہوا، گندے خیالات، فاسد عقائد رذیل اخلاق اور برے اعمال سے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

امام احمد ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحیح سند سے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونچے درجات والوں کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابوبکرؓ انہیں میں سے ہوں گے اور عمرؓ (بھی) یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر و حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کی راویت سے حدیث مذکورہ مرفوعاً اس طرح نقل کی ہے کہ اہلِ جنت اوپر والے کمروں والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح (آسمان کے) مشرقی یا مغربی افق میں ڈبڈباتے چمکتے ستارے کو تم لوگ دیکھتے ہو اس کی وجہ ان کے باہم درجات کا تفاوت ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر انبیاء کے مراتب کو تو ان کے علاوہ کوئی اور پہنچے گا ہی نہیں فرمایا کیوں نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی (وہ بھی انبیاء کے ساتھ ہوں گے) (تفسیر مظہریؒ)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ
اور　ہم نے حکم بھیجا　موسیٰ کو　کہ لے نکل

بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ
میرے بندوں کو رات سے، پھر ڈال دے　ان کے لئے　سمندر میں رستہ

يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ
سوکھا　نہ خطرہ کر آ پکڑنے کا اور نہ ڈر ڈوبنے سے　پھر پیچھا کیا ان کا

فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾
فرعون نے اپنے لشکروں کو لے کر پھر ڈھانپ لیا ان کو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا☆

بنی اسرائیلیوں کی آزادی کی ابتداء:

جب فرعونیوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہوگئے۔ بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے سالہا سال تک اللہ تعالیٰ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کردی۔ اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ تب حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تا اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو۔ راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو۔ جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آ پکڑے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاٹھی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا۔ خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کردے۔ چنانچہ آناً فاناً سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہوگیا جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے۔ " فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ " بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گذر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آ رہا تھا۔ خشک راستہ دیکھ کر ادھر ہی گھس پڑا۔ جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستہ کے بیچوں بیچ پہنچا، خدا تعالیٰ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے۔ پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کا ستیاناس کردینا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دیدینے کا اس نے ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ ان لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے باہر نکل جاؤ۔ (تفسیر مظہریؒ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر لاٹھی ماری تو اس میں بارہ سڑکیں اس طرح بن گئیں کہ پانی کے تودے بحر منجمد کی طرح دونوں طرف پہاڑ کی برابر کھڑے رہے اور درمیان سے راستے خشک نکل آئے جیسا کہ سورہ شعراء میں ہے فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ، اور درمیان میں جو یہ پانی کی دیواریں ان بارہ سڑکوں کے درمیان تھیں ان کو قدرت نے ایسا بنادیا کہ ایک سڑک سے گزرنے والے دوسری سڑکوں سے گزرنے والوں کو دیکھتے بھی جاتے تھے اور باہم باتیں بھی کررہے تھے تاکہ ان کے دلوں میں یہ خوف و ہراس بھی نہ رہے کہ ہمارے دوسرے قبیلوں کا کیا حال ہوا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

قبائلی تقسیم معاشرتی معاملات کی حد تک کوئی مذموم عمل نہیں:

اسلام نے وطنی، لسانی، نسبی، قبائلی تقسیموں کو قومیت کی بنیاد بنانے پر سخت نکیر کیا ہے اور ان تفرقوں کو مٹانے کی ہر قدم ہر کام میں کوشش کی ہے بلکہ اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد ہی اسلام کی دینی قومیت ہے۔ جس میں عربی، عجمی، حبشی، فارسی، ہندی، سندھی سب ایک قوم کے افراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے سب سے پہلا کام مہاجرین وانصار میں یگانگت اور مواخات قائم کرنے سے شروع فرمایا تھا اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں قیامت تک کے لئے یہ دستور العمل دیدیا تھا کہ علاقائی اور نسبی اور لسانی امتیازات سب بُت ہیں جن کو اسلام نے توڑ ڈالا ہے، لیکن معاشرتی معاملات میں ایک حد تک ان امتیازات کی رعایت کو گوارا کیا گیا ہے کیونکہ کھانے پینے رہنے سہنے کے طریقے مختلف قبائل اور مختلف اوطان کے الگ الگ ہوتے ہیں اس کے خلاف کرنا تکلیفِ شدید ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن بنی اسرائیلیوں کو مصر سے ساتھ لے کر نکلے تھے ان کے بارہ قبیلے تھے، حق تعالیٰ نے ان قبیلوں کے امتیاز کو معاشرتی معاملہ میں جائز رکھا اور دریا میں بھی جو راستے بطور معجزہ پیدا فرمائے تو بارہ راستے الگ الگ ہر قبیلے کے لئے پیدا فرمائے، اسی طرح وادی تیہ میں جس پتھر سے بطور معجزہ پانی کے چشمے جاری ہوتے تھے وہ بھی بارہ ہوتے تھے۔ تاکہ قبائل میں مزاحمت نہ ہو، ہر ایک قبیلہ اپنا مقررہ پانی حاصل کرے۔ واللہ اعلم

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾
اور　بہکایا　فرعون نے　اپنی قوم کو　اور　نہ　سمجھایا☆

صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے:

یعنی دعویٰ تو زبان سے بہت کیا کرتا تھا "وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ" لیکن اس نیا پنی قوم کو کیسا اچھا راستہ بتلایا۔ وہ ہی مثال سچی کردی کہ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے"۔ جو حال دنیا میں ہوا تھا وہ ہی آخرت میں ہوگا۔

یہاں سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا تھا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں گرے گا۔ "یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ" (ھود۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ

اے اولاد اسرائیل چھڑا لیا ہم نے تم کو

عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ

تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے داہنی طرف پہاڑ کی

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ﴿۸۰﴾

اور اتارا تم پر من اور سلویٰ

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْہِ

کھاؤ ستھری چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہ کرو اس میں زیادتی ☆

آزادی کے بعد بنی اسرائیل کو نصیحت:

یہ حق تعالیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان وانعام کئے، چاہئے کہ ان کا حق ادا کرو۔ کیا یہ تھوڑی بات ہے، کہ ایسے سخت جابر وقاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو کیسے عبرتناک طریقہ سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ پھر بتوسط حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ "طور" کا جو مبارک ومیمون حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تو تم کو "تورات" عطا کی جائے گی۔ "تیہ" کے لق ودق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من وسلویٰ اتارا گیا (جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے) ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب لذیذ اور ستھری چیزیں عنایت فرمائی ہیں انہیں شوق سے استعمال کرو۔ لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گزرو مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگو۔ یا اس فانی تنعم پر اترانے لگو۔ یا اس میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو۔ یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو۔ یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ، غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان وعصیان کا آلہ نہ بناؤ۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری میں ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیاب کیا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تو ہمیں بہ نسبت تمہارے ان سے زیادہ قرب ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ وَمَنْ

پھر تو اترے گا تم پر میرا غصہ اور جس پر

یَّحْلِلْ عَلَیْہِ غَضَبِیْ فَقَدْ ھَوٰی ﴿۸۱﴾

اترا میرا غصہ سو وہ پڑا گیا ☆

یعنی زیادتی کرو گے تو اللہ کا غضب تم پر نازل ہو گا اور ذلت وعذاب کے تاریک غاروں میں پٹک دیے جاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کرے

صَالِحًا ثُمَّ اھْتَدٰی ﴿۸۲﴾

بھلا کام پھر راہ پر رہے ☆

مغضوبین کے بالمقابل یہ مغفورین کا بیان ہوا۔ یعنی کتنا ہی بڑا مجرم ہو اگر سچے دل سے تائب ہو کر ایمان وعمل صالح کا راستہ اختیار کرلے اور اسی پر موت تک مستقیم رہے تو اللہ کے یہاں بخشش اور رحمت کی کمی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن جبیر نے کہا سنت اور جماعت کے مسلک پر قائم رہا۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میرے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تک پہنچنے اور مقام قرب تک چڑھنے کی اس کو راہ مل گئی اور یہ رسائی وعروج ہر کیفیت سے بالاتر ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَآ اَعْجَلَکَ عَنْ قَوْمِکَ یٰمُوْسٰی ﴿۸۳﴾ قَالَ

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ بولا

ھُمْ اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی ﴿۸۴﴾

وہ یہ آ رہے ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے رب تا کہ تو راضی ہو ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طور پر روانگی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ نہایت اشتیاق کے ساتھ کوہ طور پہنچے۔ شاید قوم کے بعض نقباء کو بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہوگا وہ ذرا پیچھے رہ گئے۔ حضرت موسیٰ شوق میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری خوشنودی کے لئے جلد حاضر ہو گیا اور قوم بھی کچھ زیادہ دور نہیں یہ میرے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ **کذا فی التفاسیر و یحتمل غیر**

ذلک و اللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ نے طور پر لے جانے کے لیے بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا تاکہ طور پر پہنچ کر حسب وعدہ اللہ کی کتاب حاصل کرلیں پھر ان کو پیچھے چھوڑ کر دیدار الٰہی کے شوق میں خود پہلے آگئے اور ان سے کہہ دیا تم لوگ پیچھے آجانا اللہ نے حضرت موسیٰ سے یہی سوال کیا ہے کہ تم قوم سے پہلے کیسے چلے آئے۔ میں کہتا ہوں یہ سوال (طلب علم کے لیے نہیں ہے نہ انکاری ہے بلکہ) تقریری ہے، جس طرح محبوب جب اپنے عاشق کے والہانہ شوق اور شیفتگی کو دیکھتے ہوئے چاہتا ہے کہ عاشق اپنے منہ سے اپنی محبت کا اظہار کرے اس لیے کہتا ہے کہ آپ کیسے آئے کیوں آئے؟

اِلَیۡکَ، آپ کی طرف یعنی اس مقام کی طرف جہاں عزتِ قرب عطا فرمانے اور تجلیات نازل کرنے اور کلام کرنے کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔

لِتَرۡضٰی، تاکہ آپ زیادہ خوش ہوں بعض لوگوں نے کہا تعمیل حکم میں جلدی اور وعدے کی وفا میں سبقت زیادتی خوشی کا موجب تھی، یہی حضرت موسیٰ کے کہنے کا مطلب تھا میں کہتا ہوں لِتَرۡضٰی کا مطلب یہ ہے کہ محبت و شوق کی زیادتی دیدار کی تمنا اور کلام سننے کی بے پایاں خواہش موجب تھی زیادتی مرضی کے حصول کی۔ اسی لیے موسیٰ نے لِتَرۡضٰی کہا۔

رسالت کے دو مقصد:

میں کہتا ہوں پیغمبروں کی رسالت کے دو مقصد ہیں (۱) وہ لوگوں کو اسلام اور اللہ کے احکام سکھائیں اور تعمیل کی دعوت دیں۔ (۲) لوگوں کو اپنی باطنی کشش کی قوت سے اللہ کی طرف کھینچیں اور ایمان و معرفت کا نور ان کے دلوں میں ڈالیں تاکہ ان کے سینے روشن ہوجائیں اور وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیں۔ لیکن انبیاء کے اس فریضہ کی مکمل ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جب وہ مخلوق کی طرف کامل طور پر متوجہ ہوں حضرت موسیٰ پر بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شوق اور ہم کلامی کی محبت کا اس وقت غلبہ تھا اور سکر کی حالت تھی اس لیے ان کی باطنی توجہ امت کی طرف باقی نہیں رہی تھی یہی وجہ تھی کہ بنی اسرائیل فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہوگئے۔

اگر یوں کہا جائے تب بھی غلط نہ ہوگا کہ حقیقت میں مخلوق کی طرف توجہ کرنے کی حالت میں بھی وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے حکم اذن اور مرضی سے ہی وہ خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لیے اس سیر نزولی کو سیر من اللہ باللہ (اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضی اور حکم کے ساتھ سیر) کہتے ہیں۔ ہم نے اس مسئلے کی تنقیح پورے طور پر سورہ الم نشرح کی آیت فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

نبوت اور ولایت:

تحقیق وہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔ ولایت کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہر صورت اس کا مرتبہ نبوت سے نچلا ہے کیونکہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی کا اور نبوت عکس ہے تجلیات ذاتیہ کا۔ حضرت مجدد نے فرمایا، نبوت ہو یا ولایت ہر ایک کے دو رخ ہیں عروج و نزول بالائی رخ کی طرف اٹھنا اور زیریں رخ کی طرف اترنا۔ نبی ہو یا ولی مرتبہ عروج میں اس کی توجہ خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَکَ
فرمایا ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو
مِنۡۢ بَعۡدِکَ وَ اَضَلَّہُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾
تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے

سامری کا فتنہ:

یعنی تم تو ادھر آئے اور ہم نے تیری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا، جس کا سبب عالم اسباب میں سامری بنا ہے۔ کیونکہ اسی کے اغوا و اضلال سے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بچھڑا پوجنا شروع کردیا تھا۔ جس کا قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے۔ (تنبیہ) سامری کا نام بھی بعض کہتے ہیں موسیٰ تھا۔ بعض کے نزدیک یہ اسرائیلی تھا بعض کے نزدیک قبطی۔ بہرحال جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا منافق تھا اور منافقین کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا ابن کثیر کی روایت کے موافق کتب اسرائیلیہ میں اس کا نام ہارون ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صاحبِ قاموس نے لکھا ہے کہ سامری مقام سامرہ کی طرف منسوب ہے یہ ایک کرمان کا رہنے والا کافر تھا یا بنی اسرائیل کا کوئی سردار تھا، بیضاوی نے لکھا ہے سامرہ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا جس کی طرف سامری منسوب تھا سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، یہ منافق تھا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھی جب دریا میں ڈوب گئے تو دریا نے ان کا زیور باہر پھینک دیا بنی اسرائیل نے بطور مال غنیمت اس کو لے لیا لیکن مالِ غنیمت ان کیلئے جائز نہ تھا اس لیے انہوں نے اس کو بوجھ ہی کہا۔ (مظہری)

سامری کی پرورش:

مشہور یہ ہے کہ سامری کا نام موسیٰ ابن ظفر تھا۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ سامری پیدا ہوا تو فرعون کی طرف سے تمام اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم جاری تھا اس کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونی سپاہی اس کو قتل کردیں گے تو بچہ کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھنے کی مصیبت سے یہ بہتر سمجھا

کہ اس کو جنگل کے ایک غار میں رکھ کر اوپر سے بند کر دیا (کبھی کبھی اس کی خبر گیری کرتی ہوگی) ادھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور کر دیا وہ اپنی ایک انگلی پر شہد ایک پر مکھن ایک پر دودھ لاتے اور اس بچہ کو چٹا دیتے تھے یہاں تک کہ یہ غار ہی میں پل کر بڑا ہو گیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ کفر میں مبتلا ہوا اور بنی اسرائیل کو مبتلا کیا پھر قہر الٰہی میں گرفتار ہوا۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے دو شعروں میں اس طرح ضبط کیا ہے۔ (از روح المعانی)

اذاالمرء لم یخلق سعید اتحیر تعقول مربیه و خاب المؤمل

فموسی الذی رباه جبریل کافرو موسی الذی رباه فرعون مرسل

ترجمہ: جب کوئی شخص اصل پیدائش میں نیک بخت نہ ہو تو اس کے پرورش کرنے والوں کی عقلیں بھی حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے امید کرنے والا محروم ہو جاتا ہے۔ دیکھو جس موسیٰ کو جبرئیل امین نے پالا تھا وہ تو کافر ہو گیا اور جس موسیٰ کو فرعون لعین نے پالا تھا وہ خدا کا رسول بن گیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ
پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا پچھتاتا ہوا
قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۙ
کہا اے قوم کیا تم سے وعدہ نہ کیا تھا تمہارے رب نے اچھا وعدہ
اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ
کیا طویل ہوگئی تم پر مدت یا چاہا تم نے کہ اترے تم پر
غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾
غضب تمہارے رب کا اس لئے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوش:

یعنی میرے اتباع میں تم کو دینی و دنیوی ہر طرح کی بھلائی پہنچے گی۔ چنانچہ بہت سی عظیم الشان بھلائیاں ابھی ابھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور جو باقی ہیں وہ عنقریب ملنے والی ہیں۔ کیا اس وعدہ کو بہت زیادہ مدت گذر گئی تھی کہ تم پچھلے احسانات کو بھول گئے اور اگلے انعامات کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہو؟ یا جان بوجھ کر تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟ اور دین توحید پر قائم نہ رہ کر خدا کا غضب مول لیا (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ) یا یہ مطلب لیا جائے کہ تم سے حق تعالیٰ نے تیس چالیس روز کا وعدہ کیا تھا کہ اتنی مدت موسیٰ علیہ السلام "طور" پر معتکف رہیں گے، تب تورات شریف ملے گی۔ تو کیا بہت زیادہ مدت گذر گئی کہ تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے؟ اور گوسالہ پرستی اختیار کر لی، یا عمداً یہ حرکت کی ہے تا غضب الٰہی کے مستحق بنو۔

اور "اَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ" سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا کہ آپ ہم کو خدا کی کتاب لا دیجئے ہم اس پر عمل کیا کریں گے۔ اور آپ کے اتباع پر مستقیم رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا
بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے ولیکن
حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا
اٹھوایا ہم سے بھاری بوجھ قوم فرعون کے زیور کا سو ہم نے اس کو پھینک دیا
فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾
پھر اس طرح ڈھالا سامری نے

قوم کی معذرت:

یعنی ہم نے اپنے اختیار سے ازخود ایسا نہیں کیا، یہ حرکت ہم سے سامری نے کرائی۔ صورت یہ ہوئی کہ قوم فرعون کے زیورات کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں۔ وہ ہم نے باہمی مشورہ کے بعد اپنے سے اتار پھینکا۔ اس کو آگ میں پگھلا کر سامری نے ڈھال لیا اور بچھڑے کی صورت بنا کر کھڑی کر دی۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں گذر چکا ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تنبیہ) قوم فرعون کے یہ زیورات کس طرح بنی اسرائیل کے ہاتھ آئے تھے؟ یا ان سے مستعار لئے تھے۔ یا مال غنیمت کے طور پر ملے یا اور کوئی صورت ہوئی۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی صورت بھی ہو بنی اسرائیل ان کا استعمال اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن غضب ہے کہ اس کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ ۔لفظ اوزار وزر کی جمع ہے جس کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں انسان کے گناہ بھی چونکہ قیامت کے روز اس پر بوجھ بن کر لادے جائیں گے اس لئے گناہ کو وزر اور گناہوں کو اوزار کہا جاتا ہے۔ زِيْنَةِ الْقَوْمِ لفظ زینت سے مراد زیور ہے اور قوم سے مراد قوم فرعون (قبط) ہے جن سے بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے کچھ زیورات مستعار لے لئے تھے اور وہ پھر ان کے ساتھ رہے۔ ان کو اوزار بمعنی گناہوں کا بوجھ اس لئے کہا کہ عاریت کا نام کر کے ان لوگوں سے لئے تھے جس کا حق یہ تھا کہ ان کو واپس کئے جاویں چونکہ واپس نہیں کئے گئے تو اس کو گناہ قرار دیا۔ اور حدیث فتون کے نام سے جو مفصل حدیث اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا اور ایک گڑھے میں یہ سب زیورات ڈال دینے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سامری نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو کہا کہ یہ زیورات دوسروں کا مال ہے تمہارے

لئے اس کا رکھنا وبال ہے اس کے کہنے سے گڑھے میں ڈالے گئے۔

کفار کا مال مسلمان کیلئے کس صورت میں حلال ہے:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار جو اہلِ ذمہ یعنی مسلمانوں کی حکومت میں ان کے قانون کی پابندی کر کے بستے ہیں اسی طرح وہ کفار جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ جان و مال وغیرہ کے امن کا ہو جائے ان کافروں کا مال تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں لیکن جو کافر نہ مسلمانوں کا اہلِ ذمہ ہے نہ اس سے انکا کوئی عہدہ معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہا جاتا ہے ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں پھر ہارون علیہ السلام نے ان کو وزرو گناہ کیسے قرار دیا اور ان کے قبضہ سے نکال کر گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیوں دیا، اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عامہ مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال بحکم مالِ غنیمت ہے اور مالِ غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو اس کا جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال اور اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تھا بلکہ مالِ غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھدیا جاتا تھا اور آسمانی آگ (بجلی وغیرہ) آ کر اس کو کھا جاتی تھی یہی علامت ان کے جہاد قبول ہونے کی تھی اور جس مالِ غنیمت کو آسمانی آگ نہ کھائے وہ علامت اس کی تھی کہ جہاد مقبول نہیں اس لئے وہ مال بھی منحوس سمجھا جاتا اور کوئی اس کے پاس نہ جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مالِ غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا مالِ غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا اسی وجہ سے اس مال کو اوزار کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور حضرت ہارون کے حکم سے اس کو ایک گڑھے میں ڈالدیا گیا۔

فَقَذَفْنٰهَا، یعنی ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا، حدیث فتون مذکورہ کی رو سے یہ عمل حضرت ہارون علیہ السلام کے حکم سے کیا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ سامری نے ان کو بہکا کر زیورات گڑھے میں ڈلوادیئے اور دونوں باتیں جمع ہو جائیں یہ بھی کوئی مستبعد نہیں۔

سامری کی چالاکی:

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ، حدیث فتون مذکورہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوادیئے اور اس میں آگ جلوادی کہ سب زیورات پگھل کر یک جسم ہو جائیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اس کا معاملہ طے کیا جائے گا کہ کیا کیا جائے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے زیورات اس میں ڈال چکے تو سامری بھی مٹھی بند کئے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں بھی ڈالدوں، حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا، فرمایا کہ ڈالدو، اس وقت سامری نے ہارون علیہ السلام سے کہا میں جب ڈالوں گا کہ آپ یہ دعا کریں کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے، ہارون علیہ السلام کو اس کا نفاق و کفر معلوم نہیں تھا، دعاء کردی، اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اس نے جبرئیل امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے کہیں یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھا لیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشو و نما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس نے سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں، شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ یہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کر کے دکھلاوے، بہرحال اس مٹی کا ذاتی اثر ہو یا حضرت ہارون علیہ السلام کی دعاء کا کہ یہ سونے چاندی کا پگھلا ہوا ذخیرہ اس مٹی کے ڈالنے اور ہارون علیہ السلام دعاء کرنے کے ساتھ ایک زندہ بچھڑا بن کر بولنے لگا جن روایات میں ہے کہ سامری ہی نے بنی اسرائیل کو زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا ان میں یہ بھی ہے کہ اس نے زیورات کو پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت تیار کر لی تھی مگر اس میں کوئی زندگی نہیں تھی، پھر یہ جبرئیل امین کے نشانِ قدم کی مٹی ڈالنے کے بعد اس میں حیات پیدا ہوگئی (یہ سب روایات تفسیر قرطبی وغیرہ میں مذکور ہیں اور ظاہر ہے کہ اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر ان کو غلط کہنے کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں، **فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ**، یعنی نکال لیا سامری نے ان زیورات سے ایک بچھڑے کا جسم جس میں گائے کی آواز (خوار) تھی لفظ جسدا سے بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ محض ایک جسد اور جسم تھا زندگی اس میں نہیں تھی اور آواز بھی ایک خاص صفت کے سبب اس سے نکلتی تھی، عامہ مفسرین کا قول وہی ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس میں آثار زندگی کے تھی۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

> **فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ**
>
> پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا ایک دھڑ جس میں آواز گائے کی،
>
> **فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾**
>
> پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود ہے موسیٰ کا سو وہ بھول گیا☆

یعنی موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوئی کہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے

لئے طور پر گئے۔ خدا تو یہاں موجود ہے۔ یعنی یہ ہی بچھڑا العیاذ باللہ۔ شاید یہ قول ان میں سے سخت غالیوں کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ

بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو

قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا ان کے برے کا اور نہ بھلے کا ☆

قوم کی بے عقلی:

یعنی اندھوں کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی کہ جو مورتی نہ کسی سے بات کر سکے نہ کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچانے کا اختیار رکھے وہ معبود یا خدا کس طرح بن سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صفت کلام

کلام ربانی اور وحی رحمانی کا اعلان یہ بھی ہے کہ صفت کلام سے محروم ہونا بھی بہت بڑا نقص ہے شرمناک عیب ہے۔ ناممکن ہے کہ معبود برحق ہو اور کلام نہ کر سکے۔ اور ان سے زیادہ بدعقل اور کج فہم کوئی نہیں ہو سکتا ہے جو کسی ایسے کو معبود تصور کر لیں جو کلام نہ کر سکے۔ پکارنے والے اور گفتگو کرنے والوں کو بات کا جواب نہ دے سکے۔

ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلہ کشی اور کلام ربانی کے لئے پہاڑ پر تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے بنو اسرائیل نے گوسالہ کی پوجا شروع کی۔ کیونکہ سامری نے سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے میں ایک قسم کی آواز پیدا کر کے ان عجائب پرستوں سے کہہ دیا۔ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (طٰہٰ)

یہ تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی یہ موسیٰ کی بھول ہے کہ اپنے پاس کے خدا کو چھوڑ کو کسی بن دیکھے خدا کو تلاش کرنے پہاڑ کی چوٹی پر گیا ہے۔

وحی خداوندی ایک استفہام انکاری کے پیرایہ میں خود گوسالہ پرستوں کے نظر وفکر اور فہم و دانش کو بیدار کرتے ہوئے سامری کے فریب و مغالطہ کی تردید اس طرح کرتی ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (طٰہٰ)

کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں کہ یہ گوسالہ نہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے نہ ان کے نفع ونقصان کا مالک ہے۔

منشاء مبارک یہ ہے کہ کسی جسم سے آواز نکلنا کوئی کمال نہیں ہے۔ اصل چیز ہے کلام کر سکنا' سائل کو جواب دینا' مضطر کو مطمئن بنانا' گم گشتگانِ راہ کو راستہ بتانا' نفع ونقصان کا خالق و مالک ہونا۔ (از افادات حضرت مدنی رحمہ اللہ)

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

اور کہا تھا ان کو ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ

پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس بچھڑے سے، اور

رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

تمہارا رب تو رحمٰن ہے، سو میری راہ چلو اور مانو بات میری ☆

حضرت ہارونؑ کی نصیحت:

یعنی حضرت ہارون نرمی سے زبانی فہمائش کر چکے تھے کہ جس بچھڑے پر تم مفتون ہو رہے ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا پروردگار اکیلا رحمان ہے۔ جس نے اب تک خیال کرو کس قدر رحمتوں کی بارش تم پر کی ہے۔ اسے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو۔ میں موسیٰ کا جانشین ہوں اور خود نبی ہوں۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو لازم ہے کہ میری راہ چلو اور میری بات مانو۔ سامری کے اغواء میں مت آؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى

بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک

يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾

لوٹ کر آئے ہمارے پاس موسیٰ ☆

قوم کا جواب:

یعنی موسیٰ کے واپس آنے تک تو ہم اس سے ٹلتے نہیں ان کے آنے پر دیکھا جائے گا جو کچھ مناسب معلوم ہوگا کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰكِفِيْنَ قائم رہیں گے، جمے رہیں گے اس جواب کے بعد حضرت ہارون اپنے ساتھ بارہ ہزار اشخاص کو لے کر باقی جماعت سے الگ ہو گئے، حضرت موسیٰ واپس آئے تو آپ نے دور سے کچھ شور وغل کی آواز سنی کیونکہ لوگ بچھڑے کے گرد ناچ کود رہے تھے اور شور بپا تھا، حضرت کے ساتھ جو ستر آدمی گئے تھے انہوں نے عرض کیا یہ آواز تو کسی فتنہ کی محسوس ہو رہی۔ یہ کوئی فتنہ بپا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے آ کر لوگوں کو بچھڑے کے آس پاس ناچتے دیکھا تو غضبناک ہو کر دائیں ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے داڑھی پکڑ لی۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ

کہا موسیٰ نے اے ہارون کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ

ضَلُّوْا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾

وہ بہک گئے کہ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی:

یعنی میں تم کو اپنا خلیفہ بنا کر اور حکم کر کے گیا تھا کہ میری غیبت میں ان کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستہ پر نہ چلنا۔ پھر تم نے کیا اصلاح کی؟ کیوں اپنے موافقین کو ساتھ لے کر ان گوسالہ پرستوں کا سختی سے مقابلہ نہ کیا؟ اگر یہ نہ ہوسکتا تھا تو ان سے منقطع ہو کر میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ غرض تم نے ایسی صریح گمراہی کو دیکھ کر میرے طریق کار کی پیروی کیوں نہیں کی؟ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میرے پیچھے آتے اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینے سے کیا مانع ہوا، تم نے ایسا کیوں نہیں کیا (اس مطلب پر اتباع سے مراد ہوگا حضرت موسیٰ کے پیچھے آنا اور اطلاع دینا)۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ہارونؑ کا اجتہاد:

حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور تفرقہ قائم ہو جائے گا اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے۔ دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، ایمان اور توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اس کی تدبیر سمجھا، دوسرے نے اصلاح حال کی امید تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا، دونوں جانبین اہلِ عقل وفہم اور فکر ونظر کے لئے محل غور وفکر ہیں۔ کسی کو خطا کہنا آسان نہیں مجتہدین امت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں ان میں کسی کو گناہ گار یا نافرمان نہیں کہا جا سکتا۔ رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ کے لئے شدت وغضب کا اثر تھا کہ تحقیقِ حال سے پہلے انہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا اور جب ان کا عذر معلوم ہوگیا تو پھر اپنے لئے اور ان کے لئے دعا مغفرت فرمائی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

جماعتی انتظام کیلئے خلیفہ اور نائب بنانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک مہینے کے لئے اپنی قوم سے الگ ہو کر کوہِ طور پر عبادت میں مشغول ہونا چاہا تو ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر سب کو ہدایت کی کہ میرے پیچھے سب ان کی اطاعت کرنا تاکہ آپس میں اختلاف ونزاع نہ پھوٹ پڑے اس سے معلوم ہوا کہ کسی جماعت یا خاندان کا بڑا اگر کہیں سفر پر جائے تو سنت انبیاء یہ ہے کہ کسی کو اپنا قائم مقام خلیفہ بنا جائے جو ان کے نظم وضبط کو قائم رکھے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ۚ

وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرطِ جوش میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے۔ اس کی مفصل بحث سورہ اعراف کے فوائد میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات ☆

یعنی میری سمجھ میں یہ ہی آیا کہ تمہارے آنے کا انتظار کرنا اس سے بہتر ہے کہ تمہارے پیچھے کوئی ایسا کام کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر مقابلہ یا انقطاع ہوتا تو کچھ لوگ میرے ساتھ ہوتے اور بہت سے مخالف رہتے۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم آ کر یہ الزام نہ دو کہ میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ اور قوم میں ایسا تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "چلتے وقت موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیوں، اس لئے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا۔ زبان سے البتہ سمجھایا وہ نہ سمجھے" بلکہ ان کے قتل پر تیار ہونے لگے۔ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا بِرَأْسِيْ، یعنی میرے سر کے بال پکڑ کر نہ کھینچئے، حضرت موسیٰ نے شدتِ غضب میں حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچے تھے۔ اِنِّيْ خَشِيْتُ، یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان گوسالہ پرستوں سے سختی کروں گا اور قتل وقتال سے کام لوں گا تو لامحالہ ان کے دو فرقے ہو جائیں گے ایک میرا حامی اور دوسرا وہ جس سے میں قتال کرتا اور پھر آپ کہتے کہ بنی اسرائیل کے تو نے دو ٹکڑے کر دیئے وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ اور میری بات کا لحاظ نہیں رکھا، میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میری جگہ تو ان کی درستی اور اصلاح کرتے رہنا اور ظاہر ہے کہ اصلاح نرمی سے سمجھانے سے ہی ممکن ہوسکتی تھی اس لیے میں نے نرمی سے ان کو سمجھایا خوں ریزی نہیں کی۔ (تفسیر مظہریؒ)

مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ سے بچنے کے لئے بڑی سے بڑی برائی کو وقتی طور پر برداشت کیا جا سکتا ہے

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری کے وقت جو

گوسالہ پرستی کا فتنہ پھوٹا اور ان کے تین فرقے ہوگئے حضرت ہارون علیہ السلام نے سب کو دعوتِ حق تو دی مگر ان میں سے کسی فرقہ سے عملی اجتناب اور بیزاری و علیحدگی کا موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک اعلان نہیں کیا، اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہوئے تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا میں تشدد کرتا تو بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجاتے ان میں تفرقہ پھیل جاتا، إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي، یعنی میں نے اس لئے کسی بھی فرقہ سے علیحدگی اور بیزاری کا شدت سے اظہار نہیں کیا کہ کہیں آپ واپس آکر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری ہدایت کی پابندی نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے عذر کو غلط نہیں قرار دیا بلکہ صحیح تسلیم کر کے ان کے لئے دعاء و استغفار کیا اس سے یہ ہدایت نکلتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ سے بچنے کے لئے وقتی طور پر اگر کسی برائی کے معاملے میں نرمی برتی جائے تو درست ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام کی جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں ان کے آخر میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجنے کا حکم ایک خاص ہدایت کے ساتھ دیا گیا ہے یعنی فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری ☆

سامری کو ڈانٹ:

ادھر سے فارغ ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ بتلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا

بولا میں نے دیکھ لیا جو اوروں نے نہ دیکھا

بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ

پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے،

فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿۹۶﴾

پھر میں نے وہی ڈالدی اور یہی صلاح دی مجھ کو میرے جی نے ☆

سامری کا جواب:

سامری نے کہا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی، یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبریل) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اس وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا اس حالت میں جبریل دونوں جماعتوں کے درمیان میں کھڑے ہوگئے تا ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہرحال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبریل ہیں ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ وہ ہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی، کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پا میں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہوگی۔

حق و باطل کا کرشمہ:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے، اس میں مٹی پڑی برکت کی، حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح کی روح اور آواز اس میں ہوگئی"۔ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے۔ اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔ (تنبیہ) آیت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی، صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہ ہی منقول ہے، بعض زائغین نے اس پر جو طعن کئے ہیں اور آیت کی دور از صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے۔ یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شاء فلیرا جعہ۔ (تفسیر عثمانی)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سامری نے وہ خاک حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے ٹاپوں کے نیچے سے اٹھائی تھی، کیونکہ اس کی پیدائش اس سال ہوئی تھی۔ جس سال بنی اسرائیل کے نوزائدہ قتل کیے جارہے تھے سامری کی ماں نے اس کو لے جا کر ایک غار میں رکھدیا تھا اللہ نے اس کی پرورش کے لیے حضرت جبرئیل کو مامور فرمادیا کیونکہ اس کے ہاتھوں سے ایک فتنہ بنی اسرائیل میں بپا کرانا تھا، جبرئیل اس کی غذائی پرورش کرتے رہے یہاں تک کہ یہ خود اپنے پروں کا ہوگیا اس وقت سے یہ جبرئیل کو پہچانتا تھا (اور ان کے گھوڑے کے قدموں کے نیچے کی خاک کی حیات بخشی سے بھی واقف تھا وہی خاک اس کے پاس تھی جو اس نے بچھڑے کے کالبد کے منہ میں ڈال دی اور بچھڑا چیخنے لگا)

وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي اور میرے دل نے یہی بات پسند کی اور میری نظر میں اس فعل کو پسندیدہ بنادیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَن تَقُولَ لَا مِسَاسَ

کہا موسیٰ نے دور ہو تیرے لئے زندگی بھر تو اتنی سزا ہے کہا کرے مت چھیڑو ☆

سامری کی سزا:

یعنی مجھے ہاتھ مت لگاؤ مجھ سے علیحدہ رہو (چونکہ اس نے بچھڑے کا ڈھونگ بنایا تھا حب جاہ وریاست سے کہ لوگ اس کے ساتھ ہوں اور سردار

مانیں اس کے مناسب سزا ملی کہ کوئی پاس نہ پھٹکے، جو قریب جائے وہ خود دُور رہنے کی ہدایت کر دے۔ اور دنیا میں بالکل ایک ذلیل، اچھوت اور وحشی جانور کی طرح زندگی گذارے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

میں کہتا ہوں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اللہ نے اس کے دل میں انسانوں سے وحشت پیدا کر دی ہو اسی لیے وہ جنگلوں اور ویرانوں میں مارا مارا پھرتا تھا اسی حالت میں مر گیا، بغوی نے لکھا حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیدیا تھا کہ اس سے میل جول نہ رکھنا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ حضرت ابن عباس نے لامساس کی تفسیر میں فرمایا نہ تجھے چھونا ہے نہ تیری اولاد کو (یعنی نہ تجھے کوئی چھوئے گا نہ تیری اولاد کو) **مَوْعِدًا**، یعنی آخرت میں عذاب کا اللہ کی طرف سے مقرر وعدہ ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

سامری کی سزا میں ایک لطیفہ:

روح المعانی میں بحوالہ بحر محیط نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے سخی اور لوگوں کی خدمت کرنے کی وجہ سے قتل کی سزا سے منع فرما دیا (بیان القرآن) (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ

اور تیرے واسطے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا☆

دوسری سزا: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "دنیا میں اس کو یہ ہی سزا ملی کہ لشکر بنی اسرائیل سے باہر الگ رہتا۔ اگر وہ کسی سے ملتا یا کوئی اس سے تو دونوں کو تپ چڑھتی، اسی لئے لوگوں کو دُور دُور کرتا اور یہ جو فرمایا کہ ایک وعدہ ہے جو خلاف نہ ہوگا۔ شاید مراد عذاب آخرت ہے اور شاید دجال کا نکلنا، وہ بھی یہود میں سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا۔ جیسے ہمارے پیغمبر مال بانٹتے تھے، ایک شخص نے کہا انصاف سے بانٹو۔ فرمایا "اس جنس کے لوگ نکلیں گے" وہ خارجی نکلے کہ اپنے پیشواؤں پر لگے اعتراض پکڑنے، جو کوئی دین کے پیشواؤں پر طعن کرے ایسا ہی ہے"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ

اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو

عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝۹۷

معتکف رہتا تھا ہم اس کو جلا دیں گے، پھر بکھیر دینگے دریا میں اڑا کر☆

جھوٹے معبود کا حشر:

یعنی تیری سزا تو یہ ہوئی۔ اب تیرے جھوٹے معبود کی قلعی بھی کھولے دیتا ہوں۔ جس بچھڑے کو تو نے خدا بنایا اور دن بھر وہاں دل جمائے بیٹھا رہتا تھا، ابھی تیری آنکھوں کے سامنے توڑ پھوڑ کر اور جلا کر راکھ کر دوں گا۔ پھر راکھ کو دریا میں بہا دوں گا۔ تا اس کے پجاریوں کو خوب واضح ہو جائے کہ وہ دوسروں کو تو کیا نفع نقصان پہنچا سکتا، خود اپنے وجود کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِلٰهِكَ، یعنی تیرے باطل خیال میں جو تیرا معبود تھا اس کو دیکھ **لَنُحَرِّقَنَّهٗ** ہم اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے یا ریتی سے بالکل گھس ڈالیں گے۔ تحرق ریتی سے گھس ڈالا، باب افعال میں حرق کو لے گئے، تو گھسنے میں مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا، بالکل گھس ڈالنا، **لَنَنْسِفَنَّهٗ**' خاک اور راکھ کو یا گھسے ہوئے چورے کو بکھیر دیں گے، اڑا دیں گے، دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے، پھر اس کی خاک کا کوئی ذرہ بھی ہاتھ نہیں لگے گا۔ ان بیوقوفوں کی حماقت کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت موسیٰ نے ایسا کیا بھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ

تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں

وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۹۸

سب چیز سما گئی ہے اس کے علم میں☆

معبود فقط اللہ ہے:

باطل کو مٹانے کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حق کی طرف بلاتے جاتے ہیں یعنی بچھڑا تو کیا چیز ہے کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی معبود نہیں بن سکتی، سچا معبود تو وہ ہی ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی عقلاً ونقلاً وفطرۃً روا نہیں اور جس کا لامحدود علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حقیقت میں تمہارا معبود یعنی تمہاری عبادت کا مستحق صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں (کیونکہ علم کی ہمہ گیری اور کمالِ قدرت میں کوئی اس جیسا نہیں بلکہ اس کی برابری کے قریب نہیں پہنچ سکتا) اس کا علم ہر چیز کو (اپنے اندر) سمائے ہوئے ہے۔ یہ بچھڑا معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ جس کو اول سونے چاندی کو پگھلا کر ڈھالا گیا بنایا گیا پھر اس کو جلا کر خاک بنایا جائے گا اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو اتنا بے وقوف ہوتا کہ لوگ بیوقوفی میں اس کو ضرب المثل بناتے (اور کہتے یہ بیل ہے) (تفسیر مظہریؒ)

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے احوال جو پہلے گذر چکے☆

یعنی موسیٰ وفرعون کی طرح اور بہت سی گذشتہ اقوام کے واقعات ہم تجھ کو اور تیرے ذریعہ سے تمام دنیا کو سناتے رہتے ہیں، جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً علم کی توفیر، معجزات کی تکثیر، پیغمبر اور مسلمانوں کی تسلی عقلمندوں کے لئے عبرت و تذکیر اور معاندین کے حق میں تہدید وترہیب کا سامان ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾

اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب ☆

یعنی قرآن کریم جو ان عبرت آموز واقعات وحقائق پر مشتمل ہے۔
(تفسیر عثمانی)

عارف رومی فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ کے ہے کہ افعال کفر یہ کونگل جائے گا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی صادقی ہم فرقہ موسیستی

اے ہمارے رسول آپ جادو نہیں بلکہ آپ سچے ہیں اور موسیٰ کے ہم فرقہ اور ہم مشرب ہیں۔

ہست قرآن مرترا ہمچو عصا کف ہا درکشد چون اژدھا

یہ قرآن آپ کے لئے عصاء موسیٰ کی طرح ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا۔

تو اگر در زیر خاکے خفتہء چوں عصائش داں تو آنچہ گفتہ

اگر آپ زیر خاک بھی خواب استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰ کی طرح آپ کے دین کا پاسبان اور نگہبان ہوگا۔ آپ موسیٰ کے بھائی ہیں آپ کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ جب یہ آیت پڑھتے تو یہ دعا کرتے اللھم زدنی علما و ایمانا و یقینا اے اللہ میرے علم میں اور میرے ایمان میں اور میرے یقین میں زیادتی فرما کہ ہر لحہ علم اور معرفت اور ایمان اور ایقان میں اضافہ اور ترقی ہوتی رہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ **اللھم انفعنی بما علمتنی و علمنی ما ینفعنی وزدنی علماً والحمد للہ علی کل حال** اور ایک حدیث میں اس دعاء کے اخیر میں اتنا لفظ اور زیادہ آیا ہے۔ **و اعوذ باللہ من حال اھل النار.** (معارف کاندھلویؒ)

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

جو کوئی منہ پھیر لے اس سے سو وہ اٹھائے گا

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ

دن قیامت کے ایک بوجھ سدا رہیں گے اس میں

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾

اور برا ہے ان پر قیامت میں وہ بوجھ اٹھانے کا ☆

قرآن چھوڑنے کی سزا:

یعنی اعراض وتکذیب سے جو گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ان پر لادا جائے گا، کبھی ہلکا نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس کے نیچے دبے رہیں گے۔ پھر اس کا اٹھانا کوئی ہنسی کھیل نہیں جب اٹھائیں گے تو پتہ چلے گا کہ کیسے برے اور سخت بوجھ کے نیچے دبائے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

گناہوں کا بوجھ:

وِزْرًا یعنی گناہوں کا بھاری بوجھ۔ سورہ مریم کی آیت يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی تشریح میں عمر بن قیس ملائی کی روایت کردہ حدیث ہم نے ذکر کردی ہے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر کے سامنے اس کا برا عمل بہت ہی مکروہ شکل اور سڑاند کے ساتھ آئے گا اور کافر سے کہے گا کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کافر جواب دے گا۔ نہیں، صرف اتنا جانتا ہوں کہ اللہ نے تیری شکل بڑی مکروہ اور تیری بو بہت سڑی ہوئی بنائی ہے، عمل کہے گا میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا عمل ہوں دنیا میں طویل مدت تک تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ گناہ کو ایک بھاری بوجھ قرار دیا کیونکہ جس طرح بھاری بوجھ اگر پشت پر لدا ہو تو کمر ٹوٹنے لگتی ہے اسی طرح گناہوں کا عذاب بھی ناقابل برداشت ہوگا، جس پر پڑے گا اس کو اٹھانے میں انتہائی دشواری ہوگی۔ فِيْهِ یعنی بار گناہ کی سزا میں۔

ناجائز مال کا بوجھ:

آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا جو دنیا میں اس نے ناجائز طور پر بغیر استحقاق کے لیا ہوگا۔ رسول اللہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز دنیا کی اپنے حق کے بغیر نہ لے اور نہ جب اللہ کے سامنے وہ جائے گا تو وہ چیز قیامت کے دن اس کے اوپر سوار ہوگی میں تم میں سے کسی شخص کو اللہ کے سامنے اپنے اوپر بلبلاتے اونٹ ڈونکتی گائے اور منمناتی بکری کو لادے ہوئے نہ پاؤں، رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی حمید الساعدی۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی قیامت کے دن اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت حکم بن حارث سلمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسلمانوں کے راستہ کی بالشت بھر زمین لی وہ سات زمینوں سے اس کو اپنے اوپر لادے ہوئے (قیامت کے دن) آئے گا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلی بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی اللہ اس کو مکلف کرے گا کہ بالشت بھر کا گڑھا ساتوں زمینوں میں (یعنی اوپر سے ساتویں زمین تک) کھودے، پھر قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق گلے میں پڑا رہے گا۔

طبرانی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی، وہ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنے ہوئے آئے گا۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ (ایک روز خطاب کرنے کے لیے) کھڑے ہوئے اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی پھر فرمایا ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ بلبلاتے اونٹ کو اپنی گردن پر سوار کیے آرہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد کیجئے، میں کہہ دوں گا کہ اللہ کے مقابلہ میں، میں تیرے لیے (اب) کچھ نہیں کرسکتا۔ میں نے تجھے پیام پہنچا دیا حضور نے اس حدیث میں اسی طرح گردن پر ہنہناتے گھوڑے اور منمناتی بکری کے سوار ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا، ابویعلی اور بزار نے حضرت عمر بن خطاب کی راویت سے بھی اسی طرح یہ حدیث بیان کی ہے مال زکوۃ وصول کرنے والے اگر اس میں خیانت کریں تو اسی مضمون کی حدیث سعد بن عبادہؓ کی روایت سے امام احمد نے اور حضرت ابن عمر و حضرت عائشہ کی روایت سے بزار نے اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت عبادہ بن صامتؓ و حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے طبرانی نے بیان کی ہے۔

ضرورت سے زائد مکان:

ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی مکان بنایا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اس کو اپنے کندھے پر اٹھائے، ابوداؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ کسی انصاری کے (تعمیر کردہ) ایک قبہ (گول کمرہ) کی طرف سے گذرے اور دست مبارک سے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، جو عمارت اس سے زائد ہوگی وہ قیامت کے دن اس عمارت کے مالک کے لیے مصیبت ہوگی۔ اس مکان کے مالک کو یہ اطلاع پہنچی (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے) تو انہوں نے اسی عمارت کو ڈھا دیا۔ طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

کنوئیں کا حق:

منذری نے کہا اس حدیث کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں کی طرف سے جس سے پانی کھینچا جا رہا تھا، گذرے فرمایا اس کنویں کا مالک اگر اس کا حق ادا نہیں کرے گا۔ تو قیامت کے دن اس کو یہ کنواں اپنے اوپر لادنا ہوگا۔ (تفسیر مظہریؒ)

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ
جس دن پھونکیں گے صور میں اور گھیرلائینگے ہم
الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾
گناہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں ☆

محشر میں مجرموں کی حالت:

یعنی محشر میں لائے جانے کے وقت اندھے ہوں گے۔ یا شاید یوں ہی آنکھیں نیلی ہوں بدنمائی کے واسطے، بہر حال اگر پہلے معنی لئے جائیں تو یہ ایک خاص وقت کا ذکر ہے۔ پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی تاکہ دوزخ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ الآیہ (الکھف۔ رکوع ۷)

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

صور کیا ہے؟

مسدد نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ زُرْقًا سے مراد ہے نیلی آنکھوں والے، آنکھ کی سیاہی میں سبزی کی آمیزش کو زرقت کہتے ہیں عرب کے نزدیک ایسے رنگ کی آنکھ بہت بدنما اور بری مانی جاتی ہے رومیوں کی آنکھیں اسی رنگ کی ہوتی تھیں اور رومی عربوں کے دشمن تھے، قیامت کے دن کافروں کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زرقا سے مراد ہیں نابینا آنکھوں والے نابینا کی آنکھ ازرق ہوجاتی ہے، دوسری آیت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى. بعض نے کہا زرقا سے مراد ہے پیاسے۔ (تفسیر مظہریؒ)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سینگ ہوگا جس کے اندر پھونکا جائے گا، رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم والبیہقی وابن المبارک، نسائی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾
چپکے چپکے کہتے ہونگے آپس میں تم نہیں رہے مگر دس دن ☆

دنیا کی زندگی کی حقیقت:

یعنی آخرت کا طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ گویا ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہیں رہے۔ بڑی جلدی دنیا ختم ہوگئی یہاں کے مزے اور لمبی چوڑی امیدیں سب بھول جائیں گے۔ بیہودہ عمر ضائع کرنے پر ندامت ہوگی۔ یا شاید معذرت کے طور پر ایسا کہیں گے یعنی دنیا میں بہت ہی کم ٹھہرنا ہوا۔ موقع نہ ملا کہ آخرت کے لئے کچھ سامان کرتے جیسے دوسری جگہ فرمایا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۔ الی آخرہ (روم۔ رکوع ۶) (تفسیر عثمانیؒ)

جو مدت گذر گئی وہ ان کو قلیل ہی معلوم ہوگی، اور آخرت کے مقابلہ میں تو ان کو دنیا کا قیام خصوصیت کے ساتھ قلیل محسوس ہی ہوگا، یا یوں کہا جائے کہ شدائد آخرت سامنے آنے کے بعد ان کو افسوس ہوگا کہ ہم نے دنیوی زندگی، نفسانی خواہشات پوری کرنے میں کھودی اور چند روزہ زندگی کو بیکار ضائع کردیا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ قبروں کے اندر ٹھہرنے کو وہ دس روزہ قیام سے تعبیر کریں گے۔ بعض نے کہا کہ صور فنا اور صور بعث کے درمیان مدت چالیس سال کی ہوگی اور ان دونوں صوروں کے درمیان ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا (اور آرام کی مدت قلیل ہی معلوم ہوتی ہے اس لیے وہ چالیس سال کو دس روز کہیں گے) (تفسیر مظہریؒ)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

ہم کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں ☆

یعنی چپکے کہنا ہم سے نہیں چھپتا۔ وہ آپس میں جو سرگوشیاں کریں گے ہم کو خوب معلوم ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

جب بولے گا ان میں اچھی راہ روش والا تم نہیں رہے مگر ایک دن ☆

ان کے عقلمند کی رائے:

یعنی جو ان میں زیادہ عقلمند، صائب الرائے اور ہوشیار ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میاں دس دن بھی کہاں؟ صرف ایک ہی دن سمجھو۔ اس کو زیادہ عقلمند اور اچھی راہ روش والا اس لئے فرمایا کہ دنیا کے زوال وفنا اور آخرت کی بقاء و دوام اور شدت ہول کو اس نے دوسروں سے زیادہ سمجھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اور حدیث میں ہے کہ اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمینوں کے ہے۔ حضرت اسرافیل اسے پھونکیں گے اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں کیسے آرام حاصل کروں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور کا لقمہ بنالیا ہے۔ پیشانی جھکا دی ہے اور انتظار میں ہے کہ کب حکم دیا جائے۔ لوگوں نے کہا پھر حضور ہم کیا پڑھیں؟ فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ ان کو بکھیر دیگا

رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

میرا رب اڑا کر پھر کر چھوڑے گا زمین کو صاف میدان ☆

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

نہ دیکھے تو اس میں موڑ اور نہ ٹیلا ☆

قدرت الٰہی کے سامنے پہاڑ کچھ نہیں:

یعنی قیامت کے ذکر پر منکرین حشر استہزاء کہتے ہیں کہ ایسے ایسے سخت اور عظیم الشان پہاڑوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے؟ اس کا جواب دیا کہ حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کے سامنے پہاڑوں کی کیا حقیقت ہے ان سب کو ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں اڑا دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف و ہموار کر دیجائیگی جس میں کچھ ایچ پیچ اور اونچ نیچ نہ رہے گی پہاڑوں کی رکاوٹیں ایک دم میں صاف کر دی جائیں گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ

اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑھی نہیں جس کی بات ☆

سب اسرافیل کی آواز کے تابع ہوں گے:

یعنی جدھر فرشتہ آواز دے گا یا جہاں بلائے جائیں گے سیدھے تیر کی طرح ادھر دوڑے جائیں گے۔ نہ بلانے والے کی بات ٹیڑھی ہوگی اور نہ دوڑنے والوں میں کچھ ٹیڑھا ترچھا پن رہے گا۔ کاش یہ لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا۔ پر یہاں اپنی بدبختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

الدَّاعِيَ یعنی اسرافیل میدان حشر کی طرف سب کو بلائیں گے اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے پکار کر کہہ رہے ہوں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو، اے ٹوٹے بالو! تم کو اللہ فیصلے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے (سب آجاؤ) ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ لَا عِوَجَ لَهٗ یعنی پکارے جانے پر بلانے والے سے دائیں بائیں طرف کو نہیں مڑیں گے بلکہ سیدھے تیزی کے ساتھ داعی کی دعوت پر آئیں گے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اور دب جائیں گی آوازیں رحمٰن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر کھسی آواز☆

سب پر خوف طاری ہوگا:

یعنی محشر کی طرف چلنے کی کھسکھساہٹ کے سوا اس وقت رحمان کے خوف وہیبت کے مارے کسی کی آواز نہ سنائی دی گی، اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ اور رحمٰن کی ہیبت سے آوازیں پست ہوجائیں گی دب جائیں گی۔

فَلَا تَسْمَعُ ف سببیہ ہے اور خطاب ہر شخص کو ہے یعنی اسی سبب سے اے مخاطب تو کسی کی آواز نہ سن پائے گا۔ ہمس خفیف آواز جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے مس خفیف آواز جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ہمس کا معنی ہے چپکے چپکے بات کرنا اور پست آواز سعید بن جبیر نے اس کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کیے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) ابن ابی جارود نے بحوالہ ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ بغیر بات کیے لب ہلانا (کہ کوئی بات ادا نہ ہو) (تفسیر مظہریؒ)

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ

اس دن کام نہ آئیگی سفارش مگر جس کو

اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

اجازت دی رحمٰن نے اور پسند کی اس کی بات☆

سفارش کا اصول:

یعنی اس کی سفارش چلے گی جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سفارش کی اجازت ملے اس کا بولنا خدا کو پسند ہو۔ اور بات ٹھکانے کی کہے اور ایسے شخص کی سفارش کرے جس کی بات (لا الٰہ الا اللہ) خدا کو پسند آچکی ہے کافر کے حق میں کوئی سعی سفارش نہیں چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

وہ جانتا ہے جو کچھ ہے ان کے آگے اور پیچھے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور یہ قابو میں نہیں لاسکتے اس کو دریافت کرکر☆

یعنی خدا کا علم سب کو محیط ہے لیکن بندوں کا علم اس کو یا اس کی معلومات کو محیط نہیں۔ اس لئے وہ ہی اپنے علم محیط سے جانتا ہے کہ کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی سفارش کرنے والوں اور جن کی سفارش ہوگی، ان کے آگے آنیوالے احوال کو اللہ جانتا ہے، وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی دنیا میں اور قبروں میں جو احوال ان کے تھے انکو بھی اللہ جانتا ہے۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا یعنی ان کا علم اللہ کے معلومات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط

اور رگڑتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے والے کے☆

سب کے سر اللہ کے سامنے جھکے ہوں گے

یعنی اس روز بڑے بڑے سرکش متکبروں کے سر بھی علانیہ اسی حی وقیوم کے سامنے ذلیل قیدیوں کی طرح جھکے ہوں گے جنہوں نے کبھی خدا کے آگے پیشانی نہ ٹیکی تھی اس وقت بڑی عاجزی سے گردن جھکائے چلے آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حیٌّ و قیُّوم:

الحی وہ ذات جو کبھی نہیں مرے گی اور اس پر موت نہ آنی ہی چاہئے، کیونکہ جس پر موت کا طاری ہونا ممکن ہو وہ حقیقت میں میت (یعنی معدوم الاصل) ہی ہوتا ہے اور اللہ معدوم الاصل نہیں اس لیے اس پر موت آنا ناممکن ہے۔ القیوم تھامے ہوئے۔ ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اس کے تمام اعمال کو تھامے ہوئے اور ساری مخلوق کے انتظام کو تھامے ہوئے۔ چہروں سے مراد ہیں چہروں والے۔ لفظ الوجوہ بظاہر تمام چہروں کو شامل ہے، یعنی ہر شخص اللہ کے سامنے جھکا ہوگا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ صرف مجرموں کے چہرے مراد ہوں اور الوجوہ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض لایا گیا ہو، یعنی وجوه المجرمين.

طلق بن حبیب کے نزدیک عناء سے مراد ہے سجدہ کرنا اس تفسیر پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا تمام چہرے حی و قیوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو شخص شرک کرے اور اللہ کو سجدہ نہ کرے وہ ناکام رہے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا☆

ظالم کی ہلاکت:

یعنی ظالم کا حال کچھ نہ پوچھو کیسا خراب ہوگا۔ ظلم کے لفظ میں شرک اور دوسرے معاصی بھی داخل ہیں۔ جیسے فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان رکوع ۲) اور وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ الخ (آل عمران۔ رکوع ۱۴)

ہر ایک ظالم کی خرابی اس کے درجہ ظلم کے موافق ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا، اور ایسا شخص (ہر طرح) ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہوگا۔ ظلم سے مراد ہے شرک حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تشریح میں فرمایا گھاٹے میں رہے گا جس نے اللہ کا کسی کو شریک قرار دیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیاں،

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا ☆

اللہ کے ہاں ناانصافی نہیں ہے:

بے انصافی یہ کہ کوئی نیکی ضائع کر دی جائے یا ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔ اور نقصان پہنچنا یہ کہ استحقاق سے کم بدلہ دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے نہ اس کو نیکیوں کے ثواب میں کمی ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اور نہ اس امر کا خوف ہوگا کہ دوسرے گناہگار کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں۔ ضحاک نے کہا اس کو ناکردہ گناہ میں پکڑے جانے کا اندیشہ نہ ہوگا اور نہ کسی عمل کی اچھائی تلف ہونے کا خطرہ۔ هَضْمٌ کا لغوی معنی ہے کم کرنا اور توڑنا هضم الطعام اسی سے بنا ہے (معدہ کے اندر کھانے کا ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جانا) (تفسیر مظہریؒ)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان کا

وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

اور پھیر پھیر کر سنائی ہم نے اس میں ڈرانے کی باتیں تاکہ

يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

وہ پرہیز کریں یا ڈالے ان کے دل میں سوچ ☆

قرآن اور اس کی نصیحت:

یعنی جیسے یہاں حشر کے احوال اور نیک و بد کے نتائج صاف صاف سنا دیئے اسی طرح ہم نے پورا قرآن صاف زبان عربی میں نازل کیا تا جو لوگ اس کے اولین مخاطب ہیں اس کو پڑھ کر خدا سے ڈریں۔ اور تقویٰ کی راہ اختیار کریں اور اتنا نہ ہو تو کم از کم ان کے دلوں میں اپنے انجام کی طرف سے کچھ سوچ تو پیدا ہو جائے۔ ممکن ہے یہی سوچ اور غور و فکر آگے بڑھتے بڑھتے ہدایت پر لے آئے اور انکے ذریعہ سے دوسروں کو ہدایت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا ☆

اللہ کی بلند شان:

جس نے ایسا عظیم الشان قرآن اتارا، اور اپنی رعایا کو ایسی سچی اور کھری باتیں ان کے فائدہ کے لئے سنائیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ، سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے بڑا عالی شان ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ، یعنی جس طرح اللہ اپنی ذات و صفات میں مشابہت مخلوق سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ اور بالا ہے پس وہ برتر اور منزہ ہے مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے۔ میں کہتا ہوں، بلکہ وہ ان لوگوں کے بیان سے بھی برتر و بالا ہے جو اس کے اوصاف کامل طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی اس کی ذات وصفات کو پورا پورا بیان نہیں کر سکتا۔ اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ عَلٰی مَا اَرَدْتَ.

الْمَلِكُ، یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے جس کا حکم نافذ ہے جس کی حکومت ہمیشہ سے ہے جس کا غلبہ ہمہ گیر اور عظیم الشان ہے۔ الْحَقُّ یعنی اس کا وجود تمام صفات اور اقتدار ذاتی ہے (کسی کا عطا کردہ نہیں ہے) فنا، بگاڑ اور زوال کا اس کے اقتدار، حکومت اور صفات و ذات میں کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک

يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

پورا نہ ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ ☆

عجلت کی ضرورت نہیں قرآن کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے:

یعنی جب قرآن ایسی مفید و عجیب چیز ہے تو جس طرح ہم اس کو بتدریج آہستہ آہستہ اتارتے ہیں، تم بھی اس کو جبریل سے لینے میں جلدی نہ کیا کرو۔ جس وقت فرشتہ وحی پڑھ کر سنائے تم عجلت کر کے اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو، ہم ذمہ لے چکے ہیں کہ قرآن تمہارے سینے سے نکلنے نہ پائے گا۔ پھر اس فکر میں کیوں پڑتے ہو کہ کہیں بھول نہ جاؤں اس فکر کے بجائے یوں دعاء کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ دیکھو آدم نے ایک چیز میں بے موقع تعجیل کی تھی اس کا انجام کیا ہوا (حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "جبریل جب قرآن لاتے

حضرت ان کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی پڑھنے لگتے کہ بھول نہ جاؤں اس کو پہلے منع فرمایا تھا سورہ قیامۃ میں ''مَعَاذِیْرَہٗ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ'' اور تسلی کر دی تھی کہ اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارے ذمہ ہے لیکن بندہ بشر ہے، شاید بھول گئے ہوں اس لئے پھر اس آیت سے تقید کیا اور بھولنے پر آگے مثل بیان فرمائی آدم کی۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور قتادہ نے آیت کا تفسیری مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کو قرآن پڑھانا اور لکھوانا اس وقت تک شروع نہ کیجئے جب تک آپ کے لئے اس کا مطلب اور معنی واضح نہ ہو جائے گویا مکمل بیان آنے سے پہلے مجمل آیات کی تبلیغ (اور توضیح) کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ جلدی کرنے کی جگہ آپ زیادتی علم کی درخواست کیجئے اور دعا کیجئے کہ پروردگار جو علم تو نے مجھے عنایت کیا ہے اس میں اور ترقی عطا کر اس کی وجہ یہ ہے کہ جو وحی آ گئی وہ تو بہرحال پوری آکر رہے گی (اور یاد بھی ہو جائے گی اس میں عجلت بے سود ہے) (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آسانی ہوگئی:

حدیث میں کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ جس میں آپ کو دقت ہوتی تھی۔ جب یہ آیت اتری آپ اس مشقت سے چھوٹ گئے اور اطمینان ہو گیا کہ وحی خداوندی جتنی نازل ہوگی مجھے یاد ہو جایا کرے گی، ایک حرف بھی نہ بھولوں گا کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا۔ یہی فرمان یہاں ہے کہ فرشتے کی قراءت چپکے سے سنو جب وہ پڑھ چکے پھر تم پڑھو اور مجھ سے اپنے علم کی زیادتی کی دعا کیا کرو۔ چنانچہ آپ نے دعا کی خدا تعالیٰ نے قبول کی اور انتقال تک علم میں بڑھتے ہی رہے۔ حدیث میں ہے کہ وحی برابر پے در پے آتی رہی، یہاں تک کہ جس دن آپ فوت ہونے کو تھے اس دن بھی بکثرت وحی اتری، ابن ماجہ کی حدیث میں حضورؐ کی یہ دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا يَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ. ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور آخر میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ. (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓی اِلَيْكَ وَحْيُهٗ صحیح حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابتداء وحی میں جب جبرئیل امین کوئی آیت قرآن لے کر آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تو آپ ان کے ساتھ ساتھ آیت کو پڑھنے کی بھی کوشش فرماتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یاد سے نکل جائے اس میں آپ پر دوہری مشقت ہوتی تھی اول قرآن کو جبرئیل سے سننے اور سمجھنے کی اس کے ساتھ اس کو یاد رکھنے کے لئے اپنی زبان سے ادا کرنے کی حق تعالیٰ نے اس آیت میں نیز سورہ قیامہ کی آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ میں آپ کے لئے آسانی یہ پیدا فرما دی کہ جو آیات قرآن آپ پر نازل کیجاتی ہیں ان کا یاد رکھنا آپ کی ذمہ داری نہیں وہ ہمارے ذمہ ہے ہم خود آپ کو یاد کرا دیں گے اس لئے آپ کو جبرئیل امین کے ساتھ ساتھ پڑھنے اور زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں آپ اس وقت صرف اطمینان کے ساتھ سنا کریں البتہ یہ دعا کرتے رہیں کہ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا، یعنی اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا دیجئے اس جامع دعا میں نازل شدہ قرآن کا یاد رکھنا بھی داخل ہے اور غیر نازل شدہ کی طلب بھی اور اس کے سمجھنے کی توفیق بھی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

جمع و ترتیب

وحی الٰہی یہ ہی ظاہر کرتی ہے کہ قرآن حکیم کی جمع و ترتیب سب کچھ من جانب اللہ ہے اور نہ صرف اتفاقی طور پر بلکہ اللہ رب العزت نے اس کی جمع و ترتیب کا بذات خود تکفل فرمایا ہے۔ چنانچہ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ جلد جلد ان الہامی الفاظ کو زبان مبارک سے بار بار ادا کر لیں تاکہ محفوظ رہ جائیں۔ اس طرح توجہ عالی حفظ الفاظ کی طرف منعطف ہو جایا کرتی تھی وحی الٰہی نے ہدایت فرمائی کہ آپ اس فکر میں نہ پڑیں۔ جس ذات برحق کا یہ کلام ہے جو اس کو نازل فرما رہا ہے وہ اس کی جمع و ترتیب اور اس کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہے۔

ارشاد ربانی ہوا: لا تعجل بالقران من قبل ان یقضی الیک وحیه وقل رب زدنی علما (طٰہٰ)

تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو چکے اس کا اترنا (اور یاد رکھنے کی فکر و پریشانی کا علاج یہ ہے اللہ سے دعا کرو) اے رب زیادہ کر میرا علم۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ
اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اس سے پہلے
فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾
پھر بھول گیا، اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت ﴿۱۱۵﴾

حضرت آدمؑ کی جلدی:

وہ ہی جو دانہ کھالیا تھا۔ بھول گئے یعنی قائم نہ رہے، آگے اس قصہ کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَنَسِیَ، یعنی وہ حکم کو بھول گیا اور درخت سے بچے رہنے کا جو اس کو حکم دیا گیا تھا اس کو چھوڑ بیٹھا۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور حکم کو یاد رکھنے کی کوشش ہم نے اس کے اندر نہیں پائی یا جس چیز سے روکا گیا اس سے باز رہنے پر صبر اس کے اندر نہیں پایا۔ لغت میں عزم کا معنی ہے کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ .... وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ .... وَاِنْ عَزَمُوا

الطلاق، تینوں آیات میں عزم کا معنی پختہ ارادہ ہی ہے۔ قاموس میں ہے عزم علیہ اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ بالکل طے کرلیا کہ ایسا کرنا ہے۔ یا اس کام کی کوشش کی (دونوں معنی آتے ہیں) نہایہ میں ہے، عزم کوشش اور صبر۔ میں کہتا ہوں اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیا تو اس کا تقاضا ہے کہ اسکو کرنے کی کوشش کیجائے اور جو دشواریاں اور مشکلات راستہ میں آئیں ان پر صبر کیا جائے۔

بعض اہل تفسیر نے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ہم نے آدم کے دل میں نافرمانی کرنے کا ارادہ نہیں پایا یا وہ بھول گیا اس سے چوک ہوگئی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ
تو سجدہ میں گر پڑے، مگر نہ مانا ابلیس نے پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم
اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا سو
يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾
نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے، پھر تو پڑ جائے تکلیف میں ☆

دنیاوی زندگی کی مشقت:

ظاہر ہے بہشت کا آرام دوسری جگہ کہاں مل سکتا ہے۔ آخر کھانے پہننے، رہنے سہنے کی تدبیریں کرنی پڑیں گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ فوراً سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کردیا۔ ہم نے کہا آدم یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکالدے (نکالدینے کا سبب بن جائے) پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔

یعنی ہم نے آدم اور ان کی بیوی کو جنت میں داخل کردیا پھر ہم نے کہا ھذا یعنی ابلیس فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا ظاہر یہ ابلیس کے لیے ممانعت ہے مگر حقیقت میں ممانعت کا رخ آدم اور ان کی بیوی کی طرف ہے کہ دونوں (ہوشیار رہیں) ابلیس کا کہنا نہ مانیں ورنہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکالدے گا، یعنی تم دونوں کے جنت سے خارج کردیئے جانے کا سبب بن جائے گا۔ اس کے بہکاوے کی وجہ سے اللہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے گا، فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا میں ف سببی ہے عداوتِ ابلیس چاہتی ہے کہ اس کا کہنا نہ مانا جائے فَتَشْقٰى، پھر تھک جاؤ گے، تعب میں پڑ جاؤ گے خود اپنے ہاتھ سے کما کر چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہا کر زمین کھود کر اس میں بیج بکھیر کر پھر کھیتی کاٹ کر دانہ پیس کر گوندھ کر پکا کر کھانا ہوگا۔

حضرت آدم کا بیل:

بغوی نے بحوالہ سعید بن جبیر لکھا ہے کہ آدم کے لیے ایک سرخ بیل بھی پیدا کیا گیا جس کے ذریعہ سے وہ زمین کھودتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے یہی فَتَشْقٰى کا مفہوم ہے۔

حضرت حواء کی مشقت:

چونکہ آدم کا مصیبت میں پڑ جانا بیوی کے دکھ اور تکلیف کو بھی مستلزم ہے۔ آدم کے دکھ کے بعد بیوی کو سکھ کہاں مل سکتا تھا اس لیے فَتَشْقٰى سے (براہ راست) خطاب صرف آدم کو کیا گیا (بیوی سے خطاب ضمنی ہوگیا) یا یوں کہا جائے کہ شقاء سے مراد ہے روزی کی تلاش میں تھکنا اور یہ کام صرف آدم کا تھا بیوی کا نہ تھا اس لیے صرف آدم کو خطاب کیا۔

ابن زید نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ نے جو آدم کو بتادیا تھا کہ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے آدم ابلیس کی عداوت کو اور اللہ کی اس نصیحت کو بھول گئے۔ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ اللہ نے فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا فرما کر خود ہی آدم کا عذر پیش کردیا۔

حضرت آدمؑ کی بھول:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کردیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے ہر وہ نفس جس کو آدمی کی نسل سے قیامت تک اللہ پیدا کرنے والا ہے آدم کی پشت سے نکل پڑا اور ہر شخص کی دونوں آنکھوں کے درمیان اللہ نے نور کی ایک چمک پیدا کردی پھر سب کو آدم کے سامنے لایا آدم نے پوچھا اے میرے رب یہ کون ہیں اللہ نے فرمایا یہ تیری نسل ہے آدم نے ان میں ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں آنکھوں کی درمیانی چمک آپ کو بہت اچھی لگی پوچھا اے میرے رب یہ کون ہے اللہ نے فرمایا داؤد۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے، اللہ نے فرمایا ساٹھ برس، آدم نے عرض کیا اے میرے رب میری عمر میں سے چالیس برس لے کر اس کی عمر بڑھادے رسول اللہ نے فرمایا جب آدم کی عمر ختم ہوگئی اور (وہی) چالیس برس رہ گئے (جو آپ نے داؤد کو دیدئے تھے) تو موت کا فرشتہ آ گیا، آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر کے چالیس برس باقی نہیں ہیں، فرشتے نے کہا کیا آپ نے وہ چالیس برس اپنے بیٹے داؤدؑ کو دے نہیں دیئے تھے، آدمؑ نے انکار کردیا، یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدم بھول گئے اور انہوں نے درخت (ممنوعہ) میں

سے کھالیا یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی بھولتی ہے اور آدم نے خطا (چوک) کی یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾

تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا

وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں اور نہ دھوپ☆

ضروریات زندگی:

انسان کی یہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا پینا، پہننا اور رہنے کے لئے مکان جس میں دھوپ بارش کا بچاؤ ہو، جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں۔ ہر طرح راحت ہی راحت ہے، ع

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا۔ صرف تکلیفوں کی نفی کی شاید متنبہ کرنے کیلئے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اٹھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا عیش:

جنت میں تو تمہارے لیے یہ بات ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے نہ ننگے اور یقیناً یہاں نہ پیاسے ہو گے نہ دھوپ میں تپو گے۔ عکرمہؓ نے کہا وَلَا تَضْحٰى کا یہ مطلب ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت کے اندر دھوپ ہی نہیں ہر وقت سایہ پھیلا رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کے اندر تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں بھوک دور کرنے کے لئے کھانا پیاس کے لیے پانی برہنگی کے لیے لباس اور سایہ دار مکان۔ نہ کمانے کی تکلیف نہ سامان زندگی فراہم کرنے کے لیے کوشش۔ ہر چیز خداداد موجود ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ

پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے کہا اے آدم

اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

بتاؤں تجھ کو درخت سدا زندہ رہنے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو☆

یعنی ایسا درخت بتاؤں جس کے کھانے سے کبھی موت نہ آئے اور لازوال بادشاہت ملے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا

پھر دونوں نے کھالیا اس میں سے، پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر پتے جنت کے☆

یہ سب قصہ سورہ اعراف وغیرہ میں مفصل گذر چکا ہے۔ وہاں کے فوائد میں ہم اس کے اجزاء پر نہایت کافی وشافی کلام کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پھر نواز دیا اس کو اس کے رب نے، پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا☆

حضرت آدمؑ کی توبہ:

یعنی جب حکم الٰہی کے امتثال میں غفلت وکوتاہی ہوئی تو اپنی شان کے موافق عزم واستقامت کی راہ پر ثابت قدم نہ رہے۔ اسی کو غوایت وعصیان سے تغلیظاً تعبیر فرمایا ہے بقاعدہ "حسنات الابرا سیئات للمقربین" اس کی بحث بھی پہلے گزر چکی۔ یعنی شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا۔ بلکہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی، خلعت قبول سے نوازا، اور بیش از بیش مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر قائم کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا لباس اتر گیا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ، سو (اس کے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھالیا، فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔

انجیر کا درخت:

دونوں نے کھالیا یعنی آدم حوا نے۔ وَرَقِ الْجَنَّةِ سے مراد ہیں انجیر کے درخت کے پتے، وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ، یعنی آدم منزل مقصود سے بھٹک گئے صحیح راستہ کھو دیا اور ناکام ہو گئے درخت کا پھل کھانے سے دوامی زندگی کے طلبگار ہوئے، حالانکہ وہ درخت سبب زوال تھا یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس سے کٹ گئے کج راہ ہو گئے یا ابلیس سے فریب کھا گئے اس لیے سیدھے راستہ سے ہٹ گئے۔

ابن اعرابی نے فَغَوٰى کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی آرام کی زندگی بگڑ گئی، عزت سے ذلت کی طرف اور سکھ سے دکھ کی طرف چلے گئے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مباحثہ:

مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب کے سامنے آدم اور موسیٰ کا باہم کچھ مباحثہ ہوا، اور آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ موسیٰ نے آدم سے کہا آپ آدم ہیں آپ کو اللہ نے اپنے (خاص) دست قدرت سے بنایا آپ کے اندر اپنی روح پھونکی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں رکھا، پھر آپ نے اپنے قصور کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے زمین پر اتروا دیا، آدم نے کہا آپ موسیٰ ہیں آپ کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا اور آپ کو (توریت کی) تختیاں عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو ہم کلام بنانے کے لیے اپنا قرب عنایت کیا گیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے اللہ نے توریت لکھدی تھی۔ موسیٰ نے کہا چالیس برس پہلے آدم نے کہا کیا اس میں یہ بھی تھا کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ موسیٰ نے کہا ہاں، آدم نے کہا پھر آپ مجھے ایسا کام کرنے پر ملامت کر رہے ہیں جس کا مجھ سے صادر ہونا اللہ نے میری پیدائش سے چالیس برس پہلے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا، پس آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔

بغوی کی روایت میں حدیث کے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں، موسیٰ نے کہا آدم آپ ہمارے باپ آپ ہی نے ہم کو جنت سے نکلوایا آدم نے کہا، اللہ نے آپ کو اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عطا فرمائی۔ کیا آپ مجھے ایسے عمل پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ نے میرے لیے مقرر کر دیا تھا۔ پس آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔

بھول چوک معاف:

اس امت کے لیے نسیان ناقابلِ مواخذہ قرار پایا ہے۔ ہر امت اور ہر شخص کے لیے نسیان کا یہ حکم نہیں ہے۔ طبرانی نے حضرت ثوبانؓ و حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت سے بھول چوک اور وہ فعل جو کسی کو مجبور کر کے زبردستی کرایا گیا اٹھا لیا گیا ہے (یعنی معاف کر دیا گیا ہے) اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اور ہر امت کے لئے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے (بلکہ صراحۃً صرف اس امت کا ذکر کیا گیا ہے) ہاں مجنون وغیرہ کے متعلق (اس امت ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ عموماً بلا کسی کا نام لیے) فرمایا ہے قلم اٹھا لیا گیا دیوانے مغلوب العقل سے جب تک وہ تندرست ہو اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک ہو بیدار ہو اور بچہ سے جب تک وہ بالغ ہو۔ ہم نے سورہ بقرہ کی آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا کی تفسیر کے ذیل میں لکھدیا ہے کہ بھول چوک پر گرفت عقلاً ممنوع نہیں ہے گناہ ایک زہر ہے زہر قصداً کھایا جائے یا بھول چوک سے اپنا ہلاکت آفریں اثر ضرور کرے گا اسی طرح گناہ بھی قصداً ہو یا بھول کر اپنا نتیجہ ضرور پیدا کرے گا اور گناہگار بہرحال عذاب اور سزا میں مبتلا ہوگا۔

خواص کی بھول:

اہل تقویٰ کی نیکیاں بھی اہلِ قرب کے لیے گناہ ہیں۔ عام لوگوں کی بھول چوک پر آخرت میں پکڑ نہ ہوگی اور دوزخ کا عذاب نہ ہوگا لیکن خواص کا حکم اور ہے وہ بھول چوک پر آخرت میں دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہیں ان کا درجہ بلند ہے وہ اہل قرب ہیں اس لیے بھول چوک کی پاداش میں ان کے دلوں پر زنگ آ جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ان کے معاملات قرب کے نہیں رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میرے دل پر بھی میل آ جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ معافی کا طلبگار رہتا ہوں۔ رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی۔

اِجْتَبٰهُ (افتعال) اپنے پاس جمع کر لینا اپنے قرب میں لے آنا مراد چن لینا برگزیدہ بنا دینا مقرب بنا لینا یعنی آدم کو توبہ پر آمادہ کیا جب انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ نے ان کو چن لیا۔ مقرب بنا لیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ اللہ رحمت اور مغفرت کیساتھ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

هَدٰى انکو توبہ کا راستہ بتا دیا، اللہ ہی کی ہدایت و توفیق سے انہوں نے دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ اور اللہ نے انکو درجات قرب تک پہنچنے کا بھی راستہ بتا دیا۔

آدم کو خطاب مع ذریات کے ہوا اور جمیعاً کے لفظ سے اس مضمون کو پختہ کر دیا۔ ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، یعنی تم دونوں کی نسل میں باہم دنیوی عداوت بھی ہوگی اور دینی و مذہبی بھی (کوئی موحد ہوگا کوئی مشرک، کوئی منکر)۔ (تفسیر مظہریؒ)

> قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
>
> فرمایا اترو یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن ☆

یہ خطاب کس کو ہے: اگر یہ خطاب صرف آدم وحوا کو ہے تو یہ مراد ہوگی کہ ان کی اولاد آپس میں ایک دوسرے کی دشمن رہے گی۔ جیسا رفاقت کر کے گناہ کیا تھا اس رفاقت کا بدلہ یہ ملا کہ اولاد آپس میں دشمن ہوئی اور اگر خطاب آدم وابلیس کو ہے تو یہ مطلب ہوگا کہ دونوں کی ذریت میں یہ دشمنی برابر قائم رہے گی۔ شیاطین ہمیشہ بنی آدم کو ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

> فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ
>
> پھر اگر پہنچے تم کو میری طرف سے ہدایت ☆

یعنی نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

> فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾
>
> پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سو نہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا ☆

ہدایت یافتہ لوگ:

یعنی نہ جنت کے راستہ سے بہکے گا نہ اس سے محروم ہو کر تکلیف اٹھائے گا۔ جس وطن اصلی سے نکل کر آیا تھا، بے کھٹکے پھر وہیں جا پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو (تم میں سے) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا نہ (آخرت میں) نامراد۔

بغوی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے گا اور جو تعلیم اس میں ہے اس پر چلے گا اللہ اس کو دنیا میں بھی گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر چلائے گا اور قیامت کے دن بھی حساب کی خرابی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ نے خود فرمادیا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ شعبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قرآن کی پیروی کرنے والے کو اللہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدنصیب ہونے سے محفوظ رکھے گا، پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا، اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا۔ عَن ذِكْرِي، یعنی اس ہدایت سے جو میری یاد دلاتی ہے یا اس بلانے والے سے جو میری یاد کی طرف بلاتا ہے اعراض کرے گا، ضَنكًا، بہت تنگ۔ بطور مبالغہ معیشت کی صفت قرار دیا ہے ورنہ ضَنكًا مصدر ہے (زندگی تنگی والی یعنی تنگ ہوتی ہے خود تنگی نہیں ہوتی) چونکہ یہ لفظ مصدر ہے اس لیے مونث کی بھی صفت بن سکتا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَعِيشَةً ضَنكًا سے مراد ہے عذاب قبر، بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَعِيشَةً ضَنكًا عذاب قبر ہے۔ حضرت ابوسعید نے فرمایا زمین اس کو دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی۔ بعض مسند احادیث میں مرفوعاً آیا ہے کہ اس پر قبر اس طرح سمٹے گی کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر نکل جائیں گی اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت تک برابر یہ عذاب اس پر ہوتا رہے گا، یہ حدیث سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا

اور جس نے منہ پھیرا | میری یاد سے | تو اس کو ملنی ہے گزران | تنگی کی ☆

قرآن چھوڑنے کا نتیجہ:

جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گزران مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے۔ گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش و عشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت، توکل سے خالی ہونے کی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے کسی وقت ننانوے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا، موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر متنعمین کو دیکھ لیجئے کہ کو رات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہو گا، بڑے بڑے کروڑ پتی دنیا کے مخصوصوں سے تنگ آکر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ "أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" لیکن ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی"۔ بعض مفسرین نے "مَعِيشَةً ضَنكًا" کے معنی لئے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدمست ہے اس کا سارا مال دولت اور سامان عیش و تنعم آخرکار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے۔ بعض مفسرین نے "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے یعنی قیامت سے پہلے اس پر سخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جائیگی۔ "مَعِيشَةً ضَنكًا" کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بہرحال "مَعِيشَةً ضَنكًا" کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قبر کی تنگی کے اسباب:

میں کہتا ہوں، حرام رزق، ناپاک کمائی اور بدبختی قبر کی تنگی یا دوزخ کی طرف لے جانے والی چیزیں ہیں اللہ نے فرمایا ہے إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ۔

تنگ حالی:

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ بندہ کو جو مال بھی دیا جائے تھوڑا ہو یا بہت اور وہ اس میں تقویٰ نہ اختیار کرے تو ایسے مال میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی یہی مَعِيشَةً ضَنكًا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ پر بدگمانی ہوتی ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ (اگر یہ مال خرچ یا تلف ہو گیا تو) اللہ اس کی جگہ ان کو دوسری معاش (مال) عطا نہیں فرمائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس سے قناعت چھین لیتے ہیں کہ کسی طرح وہ مال سے سیر ہی نہیں ہوتا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس کا اصلی مقصد منتہائے خواہش اور مطمع نظر صرف دنیا کا مال و متاع ہوتا ہے ہر وقت مال کی ترقی کی فکر میں ڈوبا رہتا ہے اور گھاٹے سے اپنی جگہ ڈرتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن کی حالت ہوتی ہے جو آخرت کا طلبگار ہوتا

ہے۔ اللہ جو کچھ عطا فرما دیتا ہے وہ اس پر قانع اور شکر گذار ہوتا ہے اس کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے اسی لیے اس کی زندگی خوشگوار اور پاکیزہ ہوتی ہے۔

مسلمان بھی تنگ حالی کا شکار ہوسکتا ہے:

میں کہتا ہوں اس مطلب پر ذکر خدا سے اعراض کرنے والے صرف کافر ہی نہیں ہوں گے اور آیت میں صرف کافر ہی مراد نہ ہوں گے بلکہ جو شخص بھی اللہ کے ذکر کی کثرت سے گریز کرتا ہے وہ مراد ہوگا کافر ہو یا مسلمان بہت سے مسلمان بھی دنیا کی طلب میں ڈوبے رہتے ہیں ان کو بھی مالی کمی کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔ کثرت ذکر خدا سے اعراض کرنے والا صرف دنیوی مال و متاع کو اپنا مقصد اول بنالیتا ہے ایسے شخص کی زندگی تاریک ہوجاتی ہے اور احوالِ زندگی پراگندہ رہتے ہیں۔

انبیاء وصلحاء کے مصائب:

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مَعِيشَةً ضَنكًا سے مراد اگر دنیوی تنگی اور شدت مصائب ہے تو اس میں کافروں فاسقوں کی ہی کیا خصوصیت ہے انبیاء اور صلحاء تو بہت زیادہ تنگ حال اور مبتلائے مصائب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سب سے زیادہ سخت مبتلاء (مصائب) انبیاء ہوتے ہیں، ان کے بعد وہ لوگ جو دوسرے سے افضل ہوں پھر ان کے بعد وہ لوگ جو ما بقی سے افضل ہوں۔ دین کے مطابق آدمی مبتلاء مصیبت ہوتا ہے اگر وہ دین میں ٹھوس (یعنی پختہ اور کامل) ہوتا ہے تو اس کی جانچ بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کچھ نرمی (کمزوری) ہوتی ہے تو دین کے مطابق اس کی جانچ ہوتی ہے (یعنی مبتلاء مصیبت ہوتا ہے) رواہ احمد والبخاری فی الصحیح والترمذی وابن ماجہ عن سعد طبرانی نے حضرت حذیفہ کی بہن کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ، مومن پر جو دکھ آتا ہے اس سے اس کے گناہ مٹتے اور درجات کی ترقی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے واضح ہے یہ دکھ بظاہر تنگی معیشت کی شکل میں رونما ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے سینہ کی کشائش اور انشراح باطن حاصل ہوتا ہے البتہ کافر کا دکھ اس دنیا میں اس کے لیے موجب ضیق بھی ہے اور عذاب آخرت کا نمونہ بھی ہے۔ اللہ کی محبت موجود ہونے کی صورت میں جو دکھ بھی اللہ کی طرف سے آتا ہے مومن کو اس میں لذت آتی ہے۔ دل کو فرحت ہوتی ہے محبوب کی ضرب میں بھی مٹھاس ہوتی ہے۔

ابن ماجہ، عبدالرزاق اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے جو حدیث مذکور نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں سب سے زیادہ شدید البلاء انبیاء ہوتے ہیں ان کے بعد دوسرے نیک لوگ۔ ان میں سے بعض لوگ اس قدر فقر میں مبتلا رہے کہ سوائے تن پر پہنے ہوئے عباء کے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور اسمیں بھی اتنی جوئیں تھیں کہ قتل کیے ڈالتی تھیں لیکن اس مصیبت سے وہ اتنے زیادہ خوش ہوتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ عطیات (ملنے) سے اتنے خوش نہیں ہوتے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قبر کی حالت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کی قبر ہرا بھرا سرسبز باغیچہ ہے۔ ستر ہاتھ کی کشادہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا چاند اس میں ہے۔ خوب نور اور روشنی پھیل رہی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند چڑھا ہوا اس آیت کا شان نزول معلوم ہے؟ کہ میرے ذکر سے منہ پھیرنے والوں کی معیشت تنگ ہے' اس سے مراد کافر کی قبر میں اس پر عذاب ہے، خدا تعالیٰ کی قسم اس پر ننانوے اژدہے مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے سات سات سر ہوتے ہیں جو اسے قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل منکر ہے۔ ایک عمدہ سند سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ یہ قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھایا جائے گا سوائے جہنم کے کوئی چیز اسے نظر نہ آئے گی۔ نابینا ہوگا اور میدان حشر کی طرف چلا جائے گا اور جہنم کے سامنے کھڑا کر دیا جائیگا۔ جیسے فرمان ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ یعنی ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے گونگے بہرے بنا کر حشر میں لے جائیں گے۔ ان کا اصلی ٹھکانا دوزخ ہے، یہ کہیں گے کہ میں تو دنیا میں آنکھوں والا خوب دیکھتا بھالتا تھا، پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ جواب ملے گا کہ یہ بدلہ ہے خدا کی آیتوں سے منہ موڑ لینے کا اور ایسا ہو جانے کا گویا خبر ہی نہیں۔ پس آج ہم بھی تیرے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے کہ جیسے تو ہماری یاد سے اتر گیا، جیسے فرمان ہے فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا، آج ہم انہیں ٹھیک اسی طرح بھلا دیں گے جیسے انہوں نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ پس یہ برابر کا اور عمل کی طرح کا بدلہ ہے۔

قرآن بھولنے کا گناہ:

قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے احکام کے عامل ہوتے ہوئے۔ کسی شخص پس اگر اس کے الفاظ حفظ سے نکل جائیں تو وہ اس وعید میں داخل نہیں اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے جذامی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي۔ یہاں ذکر سے مراد قرآن بھی ہوسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک بھی جیسا کہ دوسری آیات میں ذِكْرًا رَّسُولًا آیا ہے دونوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قرآن سے یا رسول

سے اعراض کرے یعنی قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اعراض کرے اس کا انجام یہ ہے کہ فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ، یعنی اس کی معیشت تنگ ہوگی اور قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ پہلا عذاب دنیا ہی میں اس کو مل جائے گا اور دوسرا یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

کافر اور بدکار کی زندگی دنیا میں تلخ اور تنگ ہونے کی حقیقت:

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں، مومنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں، صحیح بخاری اور تمام کتب حدیث میں بروایت سعدؓ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے اسی کی مناسبت سے اس کو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں، اس کے بالمقابل عموماً کفار و فجار کو خوشحال اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے تو ہوسکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾

اور لائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا☆

محشر کے اندھے:

یعنی آنکھوں سے اندھا کر کے محشر کی طرف لایا جائے گا۔ اور دل کا بھی اندھا ہوگا کہ کسی جہت کی طرف رستہ نہ پائے گا۔ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے پھر آنکھیں کھول دی جائیں گی۔ تا دوزخ وغیرہ احوال محشر کا معائنہ کرے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول صحیح ہے اور آیت زیر تفسیر میں اَعْمٰی سے مراد کور بصر۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی سند سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا حضرت اللہ نے فرمایا ہے: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا اس کا کیا مطلب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا قیامت کے دن وہ ایک حالت میں۔ کرنجے ہوں گے اور دوسری حالت میں نابینا۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ

وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور

كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾

میں تو تھا دیکھنے والا☆

یعنی جو کافر دنیا میں ظاہری آنکھیں رکھتا تھا تعجب سے سوال کرے گا کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا جو آنکھیں چھین لی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ

فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تو نے انکو بھلا دیا

وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾

اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دینگے☆

قرآن سے بے پرواہی کا انجام:

یعنی دنیا میں ہماری آیات دیکھ سن کر یقین نہ لیا نہ ان پر عمل کیا۔ ایسا بھولا رہا کہ سب سنی ان سنی کر دی۔ آج اسی طرح تجھ کو بھلایا جا رہا ہے۔ جیسے وہاں اندھا بنا رہا تھا۔ یہاں اسی کے مناسب سزا ملنے اور اندھا کر کے اٹھائے جانے پر تعجب کیوں ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ

اور اسی طرح بدلہ دینگے، ہم اس کو جو حد سے نکلا اور یقین نہ لایا اپنے رب کی باتوں پر☆

یعنی اسی طرح ہر ایک مجرم کو اس کے مناسب حال سزا دیجائیگی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾

اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا☆

اس لئے بڑی حماقت ہوگی کہ یہاں کی تکلیف سے گھبرائیں اور وہاں کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی یہ عذاب اندھا ہونے کا حشر میں ہے اور دوزخ میں اور زیادہ"۔ (تفسیر عثمانیؒ)

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم

سو کیا ان کو سمجھ نہ آئی اس بات سے کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلی

مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۗ

جماعتیں یہ لوگ پھرتے ہیں ان کی جگہوں میں☆

تاریخی واقعات سے سبق:

یعنی آخرت میں جو سزا ملے گی اگر اس پر یقین نہیں آتا تو کیا تاریخی واقعات سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے ان ہی مکہ والوں کے آس پاس کتنی قومیں اپنے کفر وطغیان کی بدولت تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے افسانے لوگوں کی زبان پر باقی ہیں اور جن میں سے بعض کے کھنڈرات پر ملک شام وغیرہ کا

سفر کرتے ہوئے خود ان کا گذر بھی ہوتا ہے جنہیں دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی یاد تازہ ہو جانا چاہئے کہ کس طرح انہی مکانوں میں چلتے پھرتے ہلاک کر دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۱۲۸﴾ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ

اس میں خوب نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو، اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ

سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی ﴿۱۲۹﴾

نکل چکی تیرے رب کی طرف سے تو ضرور ہو جاتی مڈھ بھیڑ اور اگر نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا☆

اللہ تعالیٰ کا رحیمانہ معاملہ:

یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لئے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرما دیا ہے "وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡہِمۡ الخ" اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستاصل کو اس امت سے اٹھا لیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آ گھیرتا۔ کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیئے جائیں۔ صرف مصالح مذکورہ بالا مانع ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزا چکھنا پڑے گا، اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی اس گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈ بھیڑ ہوئی تو تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ ایک بات جو پہلے طے کر دی گئی ہے، یعنی یہ پہلے سے اللہ نے طے کر دیا ہے کہ اس امت کے کافروں پر عذاب قیامت کے دن ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعلمین ہونے کی وجہ سے کافروں پر بھی اس دنیا میں ایسا عذاب نہیں آئے گا جو ان کی جڑا کھاڑ کر پھینک دے۔

لَکَانَ لِزَامًا، تو ان کافروں کو گزشتہ انبیاء کی کافر امتوں کی طرح بالکل ہلاک کر دینا بھی لازم ہو جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ

سو تو سہتا رہ جو وہ کہیں☆

صبر ضروری ہے:

یعنی عذاب اپنے وقت پر ہو کر رہے گا، تاخیر و امہال کو دیکھ کر یہ لوگ جو کچھ بکیں بکنے دو۔ آپ فی الحال ان کی باتوں کو سہتے رہیے اور صبر و سکون سے آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے۔ ان کے کلمات کفر پر حد سے زیادہ مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصۡبِرۡ سے خطاب رسول اللہ کو ہے یعنی کفار کے عذاب کی ایک میعاد مقرر ہے جب وہ دن آئے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اب جو آپ کے متعلق (دکھ پہنچانے والی) باتیں وہ کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے۔ وَسَبِّحۡ اور پاکی بیان کیجئے یعنی نماز پڑھیے۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ، اہل مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تلاش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے برے کلمات سے یاد کرتے تھے، کوئی ساحر کوئی شاعر کوئی کاذب کہتا تھا، ان کی ایذاؤں کا علاج قرآن کریم نے اس جگہ دو چیزوں سے بتلایا ہے اول یہ کہ آپ ان کے کہنے کی طرف التفات نہ کریں بلکہ صبر کریں، دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانا ہے جو اگلے جملے میں وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کا علاج:

دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے، اچھے برے انسان کو نجات نہیں ملتی، ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی حقیر و ضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے، زبانی گالی گلوچ ہی سہی، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی، اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے، اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی اور بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اس کیلئے بن جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ

اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے

وَ قَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ۚ

اور غروب ہونے سے پہلے☆

فجر اور عصر کی نماز: یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہوئیں۔ یعنی احمقوں اور شریروں کی باتوں پر دھیان نہ کرو۔ صبر و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ کیونکہ خدا کی مدد صبر و صلوٰۃ دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ"۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پڑھا کر☆

مغرب وعشاء

اس میں مغرب وعشاء بلکہ بعض تفاسیر کے موافق نماز تہجد بھی داخل ہے۔(تفسیر عثمانی)

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

اور دن کی حدوں پر☆

ظہر کی نماز:

یہ ظہر کی نماز ہوئی، کیونکہ اس وقت دن کے نصف اول اور نصف آخر کی حدیں ملتی ہیں۔ بلکہ صحاح وقاموس وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ "طرف" "طائفۃ من الشئ" یعنی کسی شئے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ خاص حد اور کنارہ کے معنی نہیں اس صورت میں نہار کو جنس مان کر ہر دن کا ایک خاص حصہ مراد ہوسکتا ہے، جہاں دن کی تنصیف ہوتی ہے۔(تفسیر عثمانی)

یہ بھی ممکن ہے کہ اطراف النہار سے صرف ظہر مراد ہو کیونکہ ظہر کا وقت دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوئم کا آغاز ہوتا ہے پس یہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوئم کا بھی۔(تفسیر مظہریؒ)

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

شاید تو راضی ہو☆

دنیا وآخرت کی رضا کا عمل:

یعنی ایسا طرز عمل رکھو گے تو ہمیشہ دنیا وآخرۃ میں راضی رہو گے، اس عمل کا بڑا بھاری اجر ملے گا اور امت کی مدد ہوگی دنیا میں اور بخشش ہوگی آخرت میں آپ کی سفارش سے جسے دیکھ کر آپ خوش ہوں گے۔(تفسیر عثمانی)

لَعَلَّكَ تَرْضٰى، یعنی اوقات مذکورہ میں نماز پڑھو تا کہ اللہ کی طرف سے تم کو وہ ثواب مل جائے جس سے تم خوش ہو جاؤ (تمہاری پسند کے مطابق ہو) بعض نے لَعَلَّكَ تَرْضٰى کا مطلب یہ بیان کیا ہے تا کہ تم کو اللہ پسند کرلے جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے کان عند ربہ مرضیا بعض نے خوش ہونے سے مراد لیا ہے شفاعت کرنے سے خوش ہونا، تم شفاعت (کا حق حاصل ہونے) سے خوش ہو جاؤ۔(تفسیر مظہریؒ)

نماز کی پابندی کا اجر:

بخاری ومسلم میں ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے، جس طرح اس چاند کو بغیر مزاحمت اور تکلیف کے دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم سے ہوسکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز کی پوری طرح حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ان دونوں وقتوں کی نماز پڑھنے والا آگ میں نہ جائے گا۔ مسند اور سنن میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار برس کی راہ تک اپنی ہی اپنی ملکیت دیکھے گا۔ سب سے دور کی چیز بھی اس کے لئے ایسی ہی ہوگی جیسے سب سے نزدیک کی اور سب سے اعلیٰ منزل والے تو دن میں دو دو دفعہ دیدار خدا کریں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ رات کے وقتوں میں بھی تہجد پڑھا کر بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب وعشاء کی نماز ہے اور دن کے وقتوں میں بھی خدا کی پاکیزگی بیان کیا کر۔ تا کہ خدا کے اجر وثواب سے تو خوش ہو جا، جیسے فرمان ہے کہ عنقریب تیرا خدا تجھے وہ دے گا کہ تو خوش ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! وہ کہیں گے لبیک ربنا و سعدیک. اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم خوش ہوگئے؟ وہ کہیں گے خدایا ہم بہت ہی خوش ہیں، تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمارکھی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم راضی نہ ہوں۔ جناب باری ارحم الراحمین فرمائے گا، لو میں تمہیں ان سب سے افضل چیز دیتا ہوں۔ پوچھیں گے بارِ الٰہا! اس سے افضل چیز کیا ہے؟ فرمائے گا میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ اسے پورا کرنے والا ہے۔ کہیں گے خدا تعالیٰ کے سب وعدے پورے ہوئے ہمارے چہرے روشن ہیں۔ ہماری نیکیوں کا پلہ گراں رہا۔ ہمیں دوزخ سے ہٹا دیا گیا۔ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اب کونسی چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب اٹھ جائیں گے اور دیدارِ خدا تعالیٰ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی قسم اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہ ہوگی۔ یہی زیادتی ہے؟ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ

اور مت پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

ان کے جانچنے کو اور تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی☆

کافروں کا مال ودولت:

یعنی دنیا میں قسم قسم کے کافروں مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوس وغیرہ

کو ہم نے عیش و تنعم کے جو سامان دیئے ہیں ان کی طرف آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسے اب تک نہیں دیکھا) یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان کا امتحان کرتے ہیں کہ کون احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے، جو عظیم الشان دولت حق تعالیٰ نے (اے پیغمبر) آپ کے لئے مقدر کی ہے مثلاً قرآن کریم، منصب رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفع ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب اس کے سامنے ان فانی اور حقیر سامانوں کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کے حصہ میں جو دولت آئی وہ ان کی دولتوں سے کہیں بہتر ہے اور بذاتِ خود یا اپنے اثر کے اعتبار سے ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بہرحال آپ نہ انکی تکذیب و اعراض سے مضطرب ہوں نہ ان کے ساز و سامان اور مال و دولت کی طرف التفات اٹھائیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

شانِ نزول:

ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ، بزار اور ابویعلی نے حضرت ابو رافع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آ کر اترا آپ نے مجھے ایک یہودی کے پاس آٹا قرض خریدنے کے لیے بھیجا، دوسری روایت میں آیا ہے، اتنا اتنا آٹا۔ یا یہ فرمایا کہ مجھے رجب کا چاند دیکھنے (یعنی پہلی تاریخ) تک کے لیے آٹا دیدو یہودی نے کہا بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا، میں نے حاضر خدمت ہو کر یہودی کا جواب عرض کر دیا، ارشاد فرمایا، اگر وہ میرے ہاتھ بیچ ڈالتا یا فرمایا قرض بیچ ڈالتا تو میں (قیمت) ضرور ادا کرتا اور میں بلاشبہ آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں، جاؤ میری لوہے کی زرہ اس کے پاس لے جاؤ۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکلنے نہ پایا تھا کہ آیت ذیل نازل ہوئی۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔

نہ دیکھنے کا مطلب:

آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی دولت و ثروت کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں اور یہ خواہش نہ کریں کہ آپ کو بھی یہ مل جائے۔ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ، یعنی کافروں کے مختلف گروہوں کو، لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ، تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں یا ہم ان کو کفر و گمراہی میں چھوڑے رکھیں تاکہ وہ مزید سرکشی کریں یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کو یہ دنیا کی رونق اس لیے دی ہے کہ آخرت میں اس کے سبب سے ہم ان کو عذاب میں مبتلا کریں۔

حضرت ابی بن کعب نے فرمایا، اللہ کی تسکین دہی اور اطمینان بخشی سے اگر کسی کو تسکینِ قلبی اور اطمینانِ خاطر حاصل نہ ہو تو اس کا سانس حسرتِ دنیا میں ہی نکلتا ہے، اور جو لوگوں کے مال کی طرف چشمِ تمنا سے دیکھتا ہے اس پر غم چھایا رہتا ہے اور جو شخص خیال کرتا ہے کہ کھانا پینا اور لباس ہی اللہ کی نعمت ہے (ہدایت ایمان اور جنت نعمت خداوندی نہیں ہے) تو اس کے اعمال (حسنہ) کم ہو جاتے ہیں اور عذاب سامنے آموجود ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

دولتِ دنیا مقبولیت کی علامت نہیں:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور دراصل ہدایت کرنا امت کو ہے کہ دنیا کے مالداروں سرمایہ داروں کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں، آپ ان کی طرف نظر بھی نہ اٹھایئے کیونکہ یہ سب عیش فانی اور چند روزہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو اور آپ کے واسطے سے مومنین کو عطا فرمائی ہے وہ بدرجہا ان کی اس چند روزہ رونقِ حیات سے بہتر ہے۔

دنیا میں کفار و فجار کی عیش و عشرت اور دولت و حشمت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لئے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض اور ذلیل ہیں تو ان کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں ہیں، اور اطاعت شعار مومنین کی غربت و افلاس کیوں، یہاں تک کہ فاروقِ اعظمؓ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا جس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے جس میں آپ خلوت گزیں تھے اور یہ دیکھا کہ آپ ایک موٹی موٹی تیلیوں کے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں اور ان تیلیوں کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر کھڑے ہو گئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر اور ان کے امراء کیسی کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ کے منتخب رسول اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تم اب تک شک و شبہ میں مبتلا ہو۔ یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات و محبوبات اللہ نے اسی دنیا میں ان کو دے دی ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے (اور مومنین کا معاملہ برعکس ہے) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے تھے باوجودیکہ آپ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اپنے لئے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کر لیں، اور جب کبھی دنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت مشقت اور سعی و طلب کے آ بھی جاتی تھی تو فوراً اللہ کی راہ میں غرباء فقراء پر اس کو خرچ کر ڈالتے تھے اور اپنے واسطے کل کے لئے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ اس پر ☆

یعنی اپنے متعلقین اور اتباع کو بھی نماز کی تاکید فرماتے رہیئے۔ حدیث میں آپ نے فرمایا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو (عادت ڈالنے کے لئے) نماز پڑھواؤ۔ جب دس برس کا ہو تو مار کر پڑھاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

اہل وعیال اور متعلقین کو نماز کی تاکید کی حکمت:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، یعنی آپ اپنے اہل کو بھی نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس پر جمے رہیئے۔ یہ بظاہر دو حکم الگ الگ ہیں، ایک اہل وعیال کو نماز کی تاکید دوسرے خود اس کی پابندی لیکن غور کیا جائے تو خود اپنی نماز کی پوری پابندی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ کا ماحول آپ کے اہل وعیال اور متعلقین نماز کے پابند ہوں کیونکہ ماحول اس کے خلاف ہوا تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

لفظ اہل میں بیوی، اولاد اور متعلقین سبھی داخل ہیں جن سے انسان کا ماحول اور معاشرہ بنتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ (قرطبی)

اور حضرت عروہ بن زبیرؓ جب کبھی امراء وسلاطین کی دولت وحشمت پر ان کی نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر لوٹ جاتے اور گھر والوں کو نماز کے لئے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے۔ اور یہی آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ (قرطبی)

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ
ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾
اور انجام بھلا ہے پرہیزگاری کا ☆

عبادات اور معاش:

دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کمواتے ہیں، وہ مالک بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (کذا فی الموضح) غرض ہماری نماز سے اس کا کچھ فائدہ نہیں، البتہ ہمارا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غائلہ روزی ملتی ہے "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (طلاق رکوع ۱) اس لئے اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض ہو تو اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دیتا کہ کسب معاش کے مقابلہ میں نماز ترک کر دو۔ نماز بہر حال ادا کرنی ہے۔ روزی پہنچانے والا وہ ہی خدا ہے جس کی نماز پڑھتے ہیں الحاصل کسب معاش کے ان ذرائع کا خدا تعالیٰ نے حکم نہیں دیا جو ادائے فرائض عبودیت میں مخل ومزاحم ہوں۔ انسان کو چاہئے کہ پرہیزگاری اختیار کرے۔ انجام کار دیکھ لے گا کہ خدا کس طرح اس کی مدد کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ نَرْزُقُكَ، یعنی ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور آپ کو بھی، پس امر آخرت کے لیے آپ کو فارغ البال اور مطمئن ہو کر کام کرنا چاہیے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى، یعنی اچھا انجام تو اہل تقویٰ کا ہے۔ عمل صالح کے بعد جو اچھا نتیجہ اور ثواب حاصل ہوگا اس کو عاقبت کہا جاتا ہے جس طرح عقاب اس عذاب کو کہتے ہیں جو برے عمل کے بعد آنے والا ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جن لوگوں نے آپ کو سچا جانا اور مانا اور آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے اور مجھ سے ڈرتے رہے ان کا انجام اچھا ہے۔ سعید بن منصور نے سنن میں اور طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے الحلیہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا تھا تو آپ ان کو نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا تھا اور ایک بالا خانے میں مقیم تھے۔ حضرت عمرؓ جب وہاں پہنچے تو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھرے بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چمڑے کا ایک ٹکڑا ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ اور کچھ مشکیں لٹک رہی تھیں، یہ بے سروسامانی کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیسے رو دیئے؟ جواب دیا کہ حضور یہ قیصر وکسریٰ کس قدر عیش وعشرت میں ہیں اور آپ باوجود ساری مخلوق میں سے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ہونے کے کس حالت میں ہیں؟ آپ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے! کیا اب تک تم شک میں ہی ہو؟ ان لوگوں کی اچھائیوں نے دنیا میں ہی جلدی کر لی ہے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باوجود قدرت اور دسترس کے دنیا سے نہایت ہی بے رغبت تھے۔ جو ہاتھ لگتا اسے راہ للہ دے دیتے اور اپنے لئے ایک پیسہ بھی نہ اٹھا رکھتے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

جو آدمی نماز اور اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کیلئے رزق کا معاملہ آسان بنا دیتے ہیں

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا، یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم اپنا اور اپنے اہل وعیال کا رزق اپنے زور علم وعمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے ذمہ رکھا ہے کیونکہ رزق کی تحصیل دراصل انسان کے بس میں ہے ہی نہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ زمین کو نرم قابل کاشت بنائے اور کچھ دانے اس میں ڈال دے مگر دانہ کے اندر سے درخت نکالنا اور پیدا کرنا اس

میں تو اس کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں وہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ درخت نکل آنے کے بعد بھی انسان کا سارا عمل اس کی حفاظت کرنا اور جو پھل پھول قدرت نے اس کے اندر پیدا فرمائے ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ یہ بارِ محنت بھی اس کے لئے آسان اور ہلکا کر دیتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقول اللّٰہ تعالیٰ یا ابن ادم تفرّغ لعبادتی املاء صدرک غنی واسد فقرک و ان لم تفعل ملاءت صدرک شغلا و لم اسد فقرک. (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابنِ آدم تو میری عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلے تو میں تیرے سینے کو غناء واستغناء سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو دُور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ فکر اور شغل سے بھر دوں گا۔ اور محتاجی دور نہ کروں گا (یعنی جتنا مال بڑھتا جائے گا حرص بھی اتنی ہی بڑھتی جائے گی، اس لئے ہمیشہ محتاج ہی رہے گا۔)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

من جعل هومومه هما واحدا همّ المعاد كفاه الله هم دنياه و من تشعبت به الهموم فى احوال الدنيا لم يبال الله فى اى اودية هلك رواه ابن ماجه. (ابن کثیر)

جو شخص اپنے سارے فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے فکروں کی خود کفالت کر لیتا ہے اور جس کے فکر دنیا کے مختلف کاموں میں لگے رہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان فکروں کے کسی جنگل میں ہلاک ہو جائے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب سے ☆

یعنی کوئی ایسی کھلی نشانی کیوں نہیں دکھلاتے جسکے بعد ہمکو انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔ ورنہ اس روز روز کی تہدید وتخویف سے کیا فائدہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی کیا ابھی تک ان مشرکوں نے آپ کے دعویٰ نبوت کی سچائی کو نہیں پہچانا اور کیا توریت، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے مضامین کا بیان قرآن کی صورت میں نہیں آ گیا، قرآن کے اندر تو ان تمام عقائد و احکام عامہ کا خلاصہ اور نچوڑ موجود ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں آئے ہیں اور یہ پیش کرنے والا ایک ناخواندہ شخص ہے جس نے نہ آسمانی کتابوں کو خود پڑھا نہ کسی سے سیکھا کیا یہ صداقتِ نبوت کی روشن نشانی نہیں ہے، آیت میں ایک مخفی تنبیہ ہے اس بات پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل وہ قرآن ہے۔ جس کے صحیح ہونے کی شہادت گزشتہ کتابوں کے مضامین دے رہے ہیں جن کو قرآن نے بطور معجزہ (بغیر کسی انسان کی تعلیم کے) بیان کیا ہے، لیکن دوسری آسمانی کتابیں ایسی نہیں ہیں ان کی صحت کا ثبوت شہادت پر موقوف ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

کیا پہنچ نہیں چکی ان کو نشانی اگلی کتابوں میں کی

سب سے بڑی نشانی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "یعنی اگلی کتابوں میں خبر ہے رسول آخر الزماں کی۔ یا یہ معنی کہ پہلے پیغمبروں کی نشانی کافی ہے۔ یہ پیغمبر بھی اصولاً ان ہی باتوں کا تقید کرتا ہے کوئی انوکھی بات نہیں کہتا۔ یا یہ نشانی کہ اگلی کتابوں کے موافق واقعات بیان کرتا ہے؟ اور بہترین تفسیر میرے نزدیک وہ ہے جو ابن کثیر وغیرہ نے اختیار کی یعنی یہ لوگ ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہیں لایا۔ کیا اور سینکڑوں نشانات کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آ چکا جو اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے بطور حجت اور گواہ کے ہے اور جس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(عنکبوت۔ رکوع ۵) (تفسیر عثمانیؒ)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو ایسے معجزے ملے کہ انہیں دیکھ کر لوگ ان کی نبوت پر ایمان لے آئے لیکن مجھے جیتا جاگتا زندہ اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب قرآنِ مجید جو بذریعۂ وحی کے مجھ پر اتری ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن تمام نبیوں کے تابعداروں سے میرے تابعدار زیادہ ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

اور اگر ہم ہلاک کر دیتے ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام دیکر کہ ہم چلتے

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

تیری کتاب پر ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے

قُلۡ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ

تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم بھی راہ دیکھو آئندہ جان لوگے کون

اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهۡتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے راہ پائی ☆

منکرین کے حیلے بہانے:

یعنی ایسا عظیم الشان نشان دیکھنے کے بعد تو کہتے ہیں کہ کوئی نشان کیوں نہ لایا اور فرض کرو ہم یہ نشان نہ دکھاتے، یعنی قرآن نازل نہ کرتے، بس انزال کتاب اور ارسال رسول سے پہلے ہی کفر و شرک کی سزا میں ان کو دھر گھسیٹتے، تو شور مچاتے کہ صاحب! سزا دینے سے پیشتر ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا تو بھیجنا تھا کہ ہم کو ذلت و رسوائی اٹھانے سے قبل آگاہ کر دیتا۔ پھر دیکھتے کہ ہم آپ کے کہنے پر کیسا چلتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے، اب آیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصود ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں۔ فضول حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ سو خیر ان سے کہہ دو کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں کہ عنقریب پردہ غیب سے کیسا مستقبل سامنے آتا ہے۔ اس وقت سب حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ کس جماعت کا راستہ سیدھا ہے؟ اور کون اس راستہ پر ٹھیک چل رہا ہے؟ تم سورۃ طه بتوفيقه و عونه فله الحمد اولاً و آخراً و على نبيه الصلوٰة والتسليم وافراً متكاثراً. (تفسیر عثمانیؒ)

سورۂ طٰه کی فضیلت:

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ معقل بن یسار کی روایت سے اور بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورۃ بقرہ ذکر اول سے اور طہ اور طسم والی سورتیں اور حم والی سورتیں موسیٰ کی الواح (توریت) سے اور فاتحہ الکتاب (سورۃ الحمد) اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات زیر عرش سے عطا کی گئی ہیں اور مفصلات (مجھے) زائد (عطا کی گئی) ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی اور ابن ماجہ نے حضرت امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کا وہ اسم اعظم کہ اگر اس کو لے کر دعا کی جائے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے تین سورتوں میں ہے سورۃ البقرۃ اور آل عمران اور طٰہٰ۔ (تفسیر مظہریؒ)

تم سورۃ طٰہٰ وللہ الحمد والمنۃ

سورۃ الانبیاء

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے متعلق لوگوں میں نیک گمانی رہے گی۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

قدیم دولت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورہ کہف اور مریم اور طٰہٰ اور انبیاء یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری یہ قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں (قرطبی)

سورۂ انبیاء کے مضامین

اس سورۃ میں پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کافروں نے کس طرح ان کو ایذائیں دیں اور انہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے ان کو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت خیز انجام ہوا اور یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے۔ جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

دُنیا سے بے رغبت کرنے والی سورۃ

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب مہمان بن کے آئے انہوں نے بڑے اکرام اور احترام سے انہیں اپنے ہاں اتارا اور ان کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سفارش کی۔ ایک دن یہ بزرگ مہمان ان کے پاس آئے اور کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فلاں وادی عطا فرمادی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس بہترین زمین کا ایک ٹکڑا میں آپ کے نام کردوں کہ آپ کو بھی فارغ البالی رہے اور آپ کے بعد آپ کے بال بچے بھی آسودگی سے گزر کریں۔ حضرت عامرؓ نے جواب دیا کہ بھائی مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں آج ایک سورت نازل ہوئی ہے کہ ہمیں تو دنیا کڑوی معلوم ہونے لگی ہے، پھر آپ نے یہی اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ کی تلاوت فرمائی۔

خالص اور محفوظ کتاب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں تمہیں اہل کتاب کی کتابوں کی باتوں کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے تو کتاب خدا میں بہت کچھ ردوبدل کرلیا تحریف اور تبدیل کرلی کمی زیادتی کرلی اور تمہارے پاس تو خدا کی ابھی کی اتاری ہوئی خالص کتاب موجود ہے جس میں کوئی ملونی نہیں ہونے پائی۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے مزار کا گنبد

حضرت داؤد علیہ السلام کا مدفن

حضرت زکریا علیہ السلام کا مدفن

دمشق میں جامع مسجد بنی امیہ یہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر دفن ہے

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ انبیاء مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ

نزدیک آ گیا　لوگوں کے　ان کے حساب کا وقت

وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

اور　وہ　بے خبر　ٹلا رہے ہیں ☆

غفلت کے شکار:

یعنی حساب و کتاب اور مجازات کی گھڑی سر پر کھڑی ہے لیکن یہ لوگ (مشرکین وغیرہ) سخت غفلت و جہالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی تیاری قیامت کی جوابدہی کے لئے نہیں کرتے۔ اور جب آیات اللہ سنا کر خوابِ غفلت سے چونکائے جاتے ہیں تو نصیحت سن کر نہایت لاپروائی کیساتھ ٹلا دیتے ہیں۔ گویا کبھی ان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور حساب دینا ہی نہیں۔ سچ ہے "اَلنَّاسُ فِیْ غَفَلَاتِهِمْ وَرَحَى الْمَنِيَّةِ تَطْحَنُ"۔ (تفسیر عثمانی)

اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ،امر خدا آ گیا اب کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ الخ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا الخ، ابونواس شاعر کا ایک شعر ٹھیک اسی معنی کا یہ ہے

اَلنَّاسُ فِیْ غَفَلَاتِهِمْ　وَرَحَى الْمَنِيَّةِ تَطْحَنُ

موت کی چکی زور زور سے چل رہی ہے اور لوگ غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

صحابہ کرام کا ایک مجمع مسجد میں تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ اتنے میں عبداللہ ابن ابی بن سلول منافق آیا اپنی گدی بچھا کر اپنا تکیہ لگا کر وجاہت سے بیٹھ گیا، تھا بھی گورا چٹا بڑھ بڑھ کر فصاحت کے ساتھ باتیں بنانے والا، کہنے لگا ابوبکرؓ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ آپ کوئی نشان ہمیں دکھائیں جیسے کہ آپ سے پہلے کے انبیاء نشانات لائے تھے، مثلاً موسیٰ علیہ السلام تختیاں لائے داؤد زبور لائے صالح اونٹنی لائے۔ عیسیٰ انجیل لائے اور آسمانی دسترخوان حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سن کر رونے لگے، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو آپ نے دوسرے صحابہؓ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اس منافق کی فرمائش دربارِ رسالت میں پہنچاؤ۔ آپ نے ارشاد فرمایا سنو میرے لیے کھڑے نہ ہو جایا کرو صرف اللہ ہی کے لیے کھڑے ہوا کرو۔ صحابہؓ نے کہا حضور ہمیں اس منافق سے بڑی ایذا پہنچتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ باہر جاؤ اور لوگوں کے سامنے اپنے ان فضائل کا اظہار کرو اور ان نعمتوں کا بیان کرو جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہیں میں ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھے حکم ہوا ہے کہ میں جنات کو بھی پیغام خدا پہنچا دوں، مجھے میرے رب نے اپنی پاک کتاب عنایت فرمائی ہے حالانکہ میں محض بے پڑھا ہوں، میرے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے ہیں میرا نام اذان میں رکھا ہے میری مدد فرشتوں سے کرائی ہے مجھے اپنی امداد و نصرت عطا فرمائی ہے۔ رعب میرا میرے آگے آگے کر دیا ہے مجھے حوضِ کوثر عطا فرمایا ہے جو قیامت کے دن تمام اور حوضوں سے بڑا ہوگا مجھے خدا تعالیٰ نے مقامِ محمود کا وعدہ دیا ہے اس وقت جب کہ سب لوگ حیران و پریشان سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ مجھے خدا نے اس پہلے گروہ میں کیا ہے جو لوگوں سے نکلے گا، میری شفاعت سے میری امت کے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے مجھے غلبہ اور سلطنت عطا فرمائی ہے مجھے جنت نعیم کا وہ بلند و بالا اعلیٰ بالا خانہ ملے گا کہ اس سے اعلیٰ منزل کسی کی نہ ہوگی میرے اوپر صرف وہ فرشتے ہونگے جو خدا تعالیٰ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہونگے میرے اور میری امت کے لیے غنیمتوں کے مال حلال کیے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے وہ کسی کے لیے حلال نہ تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قیامت قریب آ چکی ہے:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ، یعنی وہ وقت قریب آ گیا جبکہ لوگوں سے ان کے اعمال کا حساب لیا جاویگا مراد اس سے قیامت ہے اور اس کا قریب آ جانا دنیا کی پچھلی عمر کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہ امت آخر الامم ہے اور اگر حساب عام مراد لیا جائے تو حسابِ قبر بھی اس میں شامل ہے جو ہر انسان کو مرنے کے فوراً بعد دینا ہوتا ہے اور اسی لئے ہر انسان کی موت کو اسکی شخصی قیامت کہا گیا ہے من مات فقد قامت قیامته، یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہوگئی، اس معنی کے اعتبار سے حساب کا وقت قریب ہونا تو بالکل ہی واضح ہے کہ ہر شخص کی موت خواہ کتنی ہی عمر ہو کچھ دور نہیں خصوصاً جبکہ عمر کی انتہا نا معلوم ہے تو ہر دن ہر گھنٹہ موت کا خطرہ سامنے ہے۔

آیت کا مقصد:

مقصود اس آیت سے غفلت شعار لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جس میں سب مومن و کافر داخل ہیں، کہ دنیا کی خواہشات میں مشغول ہو کر اس حساب کے دن کو نہ بھلائیں کیونکہ اس کو بھلا دینا ہی ساری خرابیوں اور گناہوں کی بنیاد ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم

کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے رب سے

مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ

نئی مگر اس کو سنتے ہیں

يَلْعَبُونَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ

کھیل میں لگے ہوئے کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے ☆

غافل دل:

یعنی قرآن کی بڑی بیش قیمت نصیحتوں کو محض ایک کھیل تماشہ کی حیثیت سے سنتے ہیں جن میں اگر اخلاص کے ساتھ غور کرتے تو سب دین و دنیا درست ہو جاتی لیکن جب دل ہی ادھر سے غافل ہیں اور کھیل تماشہ میں پڑے ہیں تو غور کرنے کی نوبت کہاں سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۔ (قرآن مین غور کرنے اور انجام کو سوچنے سے) ان کے دل بے فکر ہیں، ابوبکر وراق نے لاهية کا مطلب بیان کیا کہ ان کے دل دنیوی سجاوٹ و بناوٹ میں مشغول ہیں آخرت اور اس کی ہولنا کیوں سے غافل ہیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور چھپا کر مصلحت کی بے انصافوں نے

هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

یہ شخص کون ہے ایک آدمی ہے تم ہی جیسا

أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝

پھر کیوں پھنستے ہو اس کے جادو میں آنکھوں دیکھتے ☆

کافروں کی سازشیں:

جب نصیحت سنتے سنتے تنگ آ گئے تو چند بے انصافوں نے خفیہ میٹنگ کر کے قرآن اور پیغمبر کے متعلق کہنا شروع کیا کہ یہ پیغمبر تو ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں، نہ فرشتہ ہیں، نہ ہم سے زیادہ کوئی ظاہری امتیاز رکھتے ہیں۔ البتہ ان کو جادو آتا ہے۔ جو کلام پڑھ کر سناتے ہیں، وہ ہو نہ ہو جادو کا کلام ہے۔ پھر تم کو کیا مصیبت نے گھیرا کہ آنکھوں دیکھتے ان کے جادو میں پھنستے ہو۔ لازم ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔ قرآن کو جادو شاید اس کی قوت تاثیر اور حیرت انگیز تصرف کو دیکھ کر کہا۔ اور خفیہ میٹنگ اس لئے کی کہ آئندہ حق کے خلاف جو تدابیر کرنے والے تھے۔ یہ اس کی تمہید تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ہشیار دشمن اپنی معاندانہ کاروائیوں کو قبل از وقت طشت از بام کرنا پسند نہیں کرتا اور اندر ہی اندر آپس میں پروپیگنڈا کیا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غالباً ان کا خیال تھا کہ پیغمبر کو پیغامبر بنا کر بھیجنے والے کا ہم جنس ہونا چاہیے اور ان کے گمان کے موافق ملائکہ اللہ کے ہم جنس تھے اسی لیے فرشتوں کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے تھے پس پیغمبر کا فرشتہ ہونا لازم ہے، حق بات یہ ہے کہ رسول کو ان کا ہم جنس ہونا چاہیے جن کے پاس رسول کو بھیجا گیا ہوتا کہ اس کی ہدایت سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکے اللہ تو کسی کا ہم جنس نہیں اس کی مثل تو کوئی نہیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ، کیا تم پھر بھی دیدہ و دانستہ جادو کی بات سننے جاؤ گے۔ یعنی یہ شخص رسول نہیں ہے آدمی ہے اور یہ جو کچھ غیر معمولی عاجز کن چیزیں قرآن جیسی پیش کر رہا ہے تو یہ جادو ہے پس آنکھوں سے جادو دیکھتے ہوئے کیا تم جادو کی پیروی کرنے لگو گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو قرار دینے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی نہ کوئی ثبوت پیش کر سکتے تھے اس لیے مجبوراً وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ کہا یعنی بداہت کا دعویٰ کیا اور ایسا جادو قرار دیا جس کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ باہم مشورہ کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ باہم متفق طور پر ایک ایسے فیصلہ پر پہنچنے کے خواستگار تھے اور ایسے قول پر اتفاق کرنا چاہتے تھے جس سے نبوت کا مقابلہ کر سکیں اور قصر نبوت کو ڈھا دیں جس کو سن کر سننے والے نبوت کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جائیں وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ تو اپنا نور پورا پورا پھیلانے والا تھا خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ

اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی آسمان ہو

وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

یا زمین میں اور وہ ہے سننے والا جاننے والا ☆

اللہ سازشوں سے واقف ہے:

پیغمبر نے فرمایا کہ تم کتنے ہی چھپا کر مشورے کرو، اللہ کو سب خبر ہے وہ تو آسمان و زمین کی ہر بات کو جانتا ہے پھر تمہارے راز اور سازشیں اس سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ

اس کو چھوڑ کر کہتے ہیں بیہودہ خواب ہیں

بَلِ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ

نہیں جھوٹ باندھ لیا ہے نہیں، شعر کہتا ہے

فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾

پھر چاہئے لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لے کر آئے ہیں پہلے☆

کافروں کی بدحواسی:

قرآن سن کر ضد اور ہٹ دھرمی سے ایسے بدحواس ہو جاتے تھے کہ کسی ایک رائے پر قرار نہ تھا، کبھی اسے جادو بتاتے، کبھی پریشان خوابیں کہتے، کبھی دعویٰ کرتے کہ آپ اپنے جی سے کچھ باتیں جھوٹ گھڑ لائے ہیں۔ جن کا نام قرآن رکھ دیا ہے۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ آپ ایک عمدہ شاعر ہیں اور شاعروں کی طرح تخیل کی بلند پروازی سے کچھ مضامین مؤثر اور مسجع عبارت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر واقع میں ایسا نہیں تو چاہئے کہ آپ کوئی ایسا کھلا معجزہ دکھلائیں جیسے معجزات پہلے پیغمبروں نے دکھلائے تھے۔ یہ کہنا بھی محض عناد سے دق کرنے کیلئے تھا۔ کیونکہ اول تو مکہ کے یہ جاہل مشرک پہلے پیغمبروں اور ان کے معجزات کو کیا جانتے تھے، دوسرے آپ کے بیسیوں کھلے کھلے نشان دیکھ چکے تھے جو انبیائے سابقین کے نشانات سے کسی طرح کم نہ تھے۔ جن میں سب سے بڑھ کر یہ ہی قرآن کا معجزہ تھا۔ وہ دل میں سمجھتے تھے کہ نہ یہ جادو کی مہمل عبارتیں ہیں، نہ بیہودہ خواب ہیں، نہ شاعری ہے، اسی لئے جب کوئی ایک بات چسپاں نہ ہوتی تو اسے چھوڑ کر دوسری بات کہنے لگتے تھے۔ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا (فرقان رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ (پھر کہنے لگے یہ خالی دروغ بندی اور کذب تراشی ہی نہیں) بلکہ یہ شخص شاعر ہے (یہ اس کی شاعری کی بلند پردازی اور کمالِ شعری ہے) پہلے قرآن کو دروغ بندی قرار دیا تھا پھر اس سے گریز کیا اور اللہ کے کلام کو شعر کہنے لگے۔

بغوی نے لکھا ہے مراد یہ ہے کہ کچھ مشرکوں نے کتاب اللہ کو پراگندہ خواب کہا کچھ لوگوں نے من گھڑت دروغ بندی قرار دیا اور بعض نے قرآن کو شعر کہا اور رسول اللہ کو شاعر۔

مفتری اور شاعر کا فرق:

مفتری اور شاعر میں فرق یہ ہے کہ افتراء کرنے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جھوٹی بات کہہ کر سننے والے کو اس کے سچ ہونے کا یقین دلا دے۔ اور شعر ان مقدمات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے سننے والے اور پڑھنے والے کے دل میں خوف یا رغبت یا شوق یا خوشی یا غم یا تعظیم یا تحقیر یا کوئی اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے شعر کی غرض صرف جذبات کو برانگیختہ کرنا ہوتا ہے تصدیق کرانی مقصود نہیں ہوتی (گویا شعر کلام خبری نہیں ہوتا انشائی ہوتا ہے (اور افتراء کلام خبری کا نام ہے) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر مقدمات شعریہ کے ساتھ کچھ واقعات بھی بیان کرتا ہے (خواہ کلام سچا ہو یا جھوٹا مگر واقعات کی تصویر کشی ضرور ہوتی ہے اس صورت میں شعر کے اندر شعریت اور انشائیت بھی ہوتی ہے اور خبریت بھی) جیسے مثنوی میں ہوتا ہے محض انشاء (یعنی ترہیب و ترغیب، تعظیم وتحقیر وغیرہ) غزل میں ہوتی ہے اور مثنوی میں انشاء کے ساتھ اخبار بھی ہوتا ہے، کافروں کے یہ پراگندہ اقوال دلالت کر رہے ہیں کہ ان کو کسی بات کا یقین نہ تھا کبھی قرآن کے متعلق کچھ کہتے تھے کبھی کچھ۔

آیتِ ذیل کا شانِ نزول

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا آپ اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اس سوال کے بعد فوراً اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل آئے انہوں نے کہا اگر آپ چاہتے ہوں تو آپ کی قوم کا سوال پورا کر دیا جائے (اور کوہ صفا کو سونے کا کر دیا جائے) لیکن اس کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر (سب کو ہلاک کر دیا جائے گا) مہلت نہیں دی جائیگی اور آپ چاہیں تو میں آپ کی قوم کو ڈھیل دوں اور (مزید سوچنے سمجھنے اور ایمان لانے کی) مہلت دیدوں رسول اللہ نے فرمایا میں اپنی قوم کے لیے درخواست مہلت کرتا ہوں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ

نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے

اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

جن کو غارت کردیا ہم نے کیا اب یہ مان لیں گے☆

فرمائشوں کے متعلق قانون الٰہی:

یعنی پہلی قوموں کو فرمائشی نشان دکھلائے گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بھی نہ مانے آخر سنت اللہ کے موافق ہلاک کئے گئے۔ اگر ان مشرکین مکہ کی فرمائشیں پوری کی جائیں تو ظاہر ہے یہ ماننے والے تو ہیں نہیں۔ لامحالہ حق تعالیٰ کی عام عادت کے موافق تباہ کئے جائیں گے اور ان کی بالکلیہ تباہی مقصود نہیں۔ بلکہ حکمت الٰہیہ فی الجملہ ان کے باقی رکھنے کو مقتضی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ

اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ وحی بھیجتے تھے ہم

اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

ان کو سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اگر تم نہیں جانتے ☆

مشرکین کے اعتراض کا جواب:

یہ ان کے قول ''هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کا جواب ہوا۔ یعنی پہلے بھی جو پیغمبر آئے جن کی مانند نشانیاں دکھلانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بشر تھے فرشتے نہ تھے۔ اگر اتنی مشہور و مستفیض بات کی بھی اپنی جہالت کی وجہ سے تم کو خبر نہیں، تو خبر رکھنے والوں سے دریافت کرلو۔ آخر یہود و نصاریٰ اہل کتاب سے تمہارے تعلقات ہیں، اتنی موٹی بات ان سے ہی پوچھ لینا کہ پہلے زمانوں میں جو انبیاء و رسل تشریف لائے وہ بشر تھے یا آسمان کے فرشتے۔ (تفسیر عثانی)

اہل علم کی فضیلت:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ، اہل الذکر سے مراد اس جگہ علماء تورات وانجیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں پچھلے انبیاء کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو علماء تورات وانجیل سے معلوم کرلو کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ سب انبیاء سابقین انسان ہی کی نوع سے تھے اس لئے اگر یہاں اہل الذکر سے مطلق اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہی مراد ہوں تو بعید نہیں کیونکہ اس معاملے کے سبھی شاہد ہیں۔ خلاصہ تفسیر میں اسی احتمال کو اختیار کر کے تشریح کی گئی ہے۔

مسئلہ: تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جاہل آدمی جس کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں اس پر عالم کی تقلید واجب ہے کہ عالم سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ

اور نہیں بنائے تھے ہم نے ان کے ایسے بدن کہ کھانا نہ کھائیں

الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے ☆

ہر پیغمبر انسان تھا:

یعنی بشری خصائص ان میں موجود تھیں، نہ فرشتوں کی طرح ان کا بدن ایسا تھا کہ کبھی کھانا نہ کھا سکتے نہ وہ خدا تھے کہ کبھی موت اور فنا نہ آئے ہمیشہ زندہ رہا کریں۔ (تفسیر عثانی)

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

پھر سچا کردیا ہم نے ان سے وعدہ سو بچادیا ان کو

وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

اور جس کو ہم نے چاہا اور غارت کردیا حد سے نکلنے والوں کو ☆

انبیاء کا امتیاز:

ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لئے کھڑے کئے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت و نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ انکو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جوان سے ٹکرائے تباہ و غارت کر دیئے گئے۔ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت و حمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے ان کے مخالفین کو چاہئے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔ (تفسیر عثانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ

ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اس میں

ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ☆

ذلت وعذاب سے بچاؤ کی تدبیر سوچو:

یعنی قرآن کے ذریعہ سے تم کو ہر قسم کی نصیحت و فہمائش کر دی گئی اور سب برا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اگر کچھ بھی عقل ہوگی تو عذاب الٰہی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو فی الحقیقت تمہارے مجد و شرف کی ایک بڑی دستاویز ہے۔ کیونکہ تمہاری زبان میں اور تمہاری قوم کے ایک فرد کامل پر اترا اور دنیا میں تم کو شہرت دائمی عطا کی۔ اگر اپنے ایسے محسن کو نہ مانو گے تو دنیا میں ذلیل ہو گے اور آخرت کا عذاب الگ رہا آگے ان قوموں کا دنیوی انجام بیان فرماتے ہیں جنہوں نے انبیاء سے دشمنی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کئے تھے۔ (تفسیر عثانی)

قرآن کریم عربوں کیلئے عزت وفخر ہے:

کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ، کتاب سے مراد قرآن ہے اور ذکر اس جگہ معنی شرف وفضیلت اور شہرت کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ قرآن جو تمہاری زبان عربی میں نازل ہوا تمہارے لئے ایک بڑی عزت اور دائمی شہرت کی چیز ہے تمہیں اس کی قدر کرنا چاہئے جیسا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہل عرب کو حق تعالیٰ نے قرآن کی برکت سے ساری دنیا پر غالب اور فاتح بنا دیا اور پورے عالم میں ان کی عزت وشہرت کا ڈنکا بجا، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یہ عربوں کی مقامی یا قبائلی یا لسانی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ صرف قرآن کی بدولت ہوا، اگر قرآن نہ ہوتا تو شاید آج کوئی عرب قوم کا نام لینے والا بھی نہ ہوتا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

(اے گروہِ قریش) ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا ہے جس کے اندر تمہارا ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

ذکر یعنی تمہاری فضیلت اور بزرگی قرآن کے اندر ہے بشرطیکہ تم اس کو سمجھو (اور مانو) یا یہ مطلب ہے کہ قرآن میں تمہارے لیے شرف ہے کہ تمہاری زبان میں اتارا گیا۔ یا ذکر سے مراد ہے اللہ کا ذکر اور ضروری دینی امور کا تذکرہ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذکر سے مراد ہے اچھا ذکر اور شہرت ونا موری۔ یا نصیحت یا وہ اعلیٰ اخلاق جن سے تم کو اچھا ذکر حاصل ہو۔ مجاہد کے نزدیک ذکر سے اس جگہ مراد ہیں باتیں۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے ذکر اور تذکار کسی چیز کو یاد رکھنا۔ ذکر کرنا زبان پر جاری کرنا، شہرت، تعریف، شرف، نماز۔ دعاء وہ کتاب جس میں قرض کی تفصیل ہوتی ہے اور مالی حساب ہوتا ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، میں ہمزہ انکاری ہے یعنی کیا تم اس کے اندر وہ باتیں نہیں سمجھتے جن سے تمہاری بہبودی اور شرف وابستہ ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ
اور کتنی پیس ڈالیں ہم نے بستیاں جو تھیں
ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾
گنہگار اور اٹھا کھڑے کیے ان کے پیچھے اور لوگ ☆

یعنی یہ نہیں کہ ان کے نیست ونابود کر دینے سے اللہ کی زمین اجڑ گئی۔ وہ گئے دوسروں کو ان کی جگہ بسا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ماضی میں تباہ شدہ قومیں:

ان آیات میں جن بستیوں کے تباہ کرنے کا ذکر ہے بعض مفسرین نے ان کو یمن کی بستیاں حضوراء اور قلابہ قرار دیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک رسول بھیجا تھا۔ جس کے نام میں روایات مختلف ہیں بعض میں موسیٰ بن میشا اور بعض میں شعیب ذکر کیا گیا ہے اور اگر شعیب نام ہے تو وہ مدین والے شعیب علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہیں ان لوگوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر ڈالا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک کافر بادشاہ بُخت نصر کے ہاتھوں تباہ کرایا، بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا جیسا کہ بنی اسرائیل نے جب فلسطین میں بے راہی اختیار کی تو ان پر بخت نصر کو مسلط کر کے سزا دی گئی تھی مگر صاف بات یہ ہے کہ قرآن نے کسی خاص بستی کو معین نہیں کیا اس لئے عام ہی رکھا جائے اس میں یہ یمن کی بستیاں بھی داخل ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا
پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے
يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى
ایڑ کرنے ایڑ مت کرو اور لوٹ جاؤ
مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں
لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾
شاید کوئی تم کو پوچھے ☆

عذاب سے کوئی تدبیر نہ بچا سکی:

یعنی جب عذاب الٰہی سامنے آ گیا تو چاہا کہ وہاں سے نکل بھاگیں اور بھاگ کر جان بچالیں۔ اس وقت تکوینی طور پر کہا گیا کہ بھاگتے کہاں ہو، ٹھہرو، اور ادھر ہی واپس چلو جہاں عیش کئے تھے اور جہاں بہت سے سامان تنعم جمع کر رکھے تھے۔ شاید وہاں کوئی تم سے پوچھے کہ حضرت! وہ مال و دولت اور زور وقوت کا نشہ کیا ہوا؟ وہ سامان کدھر گئے؟ اور جو نعمتیں خدا نے دے رکھی تھیں ان کا شکر کہاں تک ادا کیا تھا؟ یا یہ کہ آپ بڑے آدمی تھے جن کی ہر موقع پر پوچھ ہوتی تھی۔ اب بھی وہیں چلیے۔ بھاگنے کی ضرورت نہیں تا لوگ اپنے مہمات میں آپ سے مشورے کر سکیں اور آپ کی رائیں دریافت کر سکیں (یہ سب باتیں تحکماً کہیں گئی ہیں) (تفسیر عثمانیؒ)

اَحَسُّوْا یعنی جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بَاْسَنَا ہمارے عذاب کی شدت کو۔ یَرْکُضُوْنَ گھوڑوں کو ایڑ لگا کر تیزی سے بھاگنے لگے، یا یوں کہا جائے کہ سوار گھوڑے کو ایڑ مار کر تیزی سے بھگاتا ہے اور بستی والے بھی تیزی سے بھاگنے لگے اس لیے ان کو ایڑ مارنے والے سواروں سے تشبیہ دی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم سے قتل نبی کے متعلق باز پرس کی جائیگی۔

یمن کی ایک بستی کے باشندے:

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول حضوراء کے باشندوں کے حق میں ہوا، حضوراء، یمن کی ایک بستی تھی جس کے باشندے عرب تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک نبی کو مبعوث فرمایا، پیغمبر نے ان کو توحید کی دعوت دی اہلِ حضوراء نے نبی کی تکذیب کی اور اس کو قتل کر دیا، اللہ نے (بطور سزا) شاہ بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا، بخت نصر نے ان کو قتل اور قید کیا جب عام طور پر لوگ قتل ہونے لگے تو پشیمان ہوئے اور (بستی چھوڑ کر) بھاگ کھڑے ہوئے فرشتوں نے ان کو آواز دی بھاگو مت، اپنے گھروں اور مالوں کی طرف لوٹو شاید تم سے (کچھ) مانگا جائے، قتادہ نے (اس تشریح میں) کہا شاید تم سے کچھ دنیوی مال و متاع مانگا جائے اور پھر جس کو چاہو تم دو اور جس کو چاہو نہ دو، تم بڑے مالدار اور اہلِ ثروت ہو، غرض بخت نصر نے ان کا تعاقب کیا اور بے دریغ قتل کیا اور کسی ہاتف نے اوپر سے آواز دی انبیاء کا انتقام۔ یہ حالت دیکھ کر ان کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی۔ لیکن اقرارِ قصور نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض سے کہا بھاگو نہیں لوٹ کر گھروں کو چلو شاید تم سے بطور تاوان مال طلب کیا جائے اور تم مال دے کر قتل ہونے سے بچ جاؤ اس وقت آسمان سے ندا آئی انبیاء کا انتقام۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا
کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے بیشک گناہگار پھر
زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ
برابر یہی رہی ان کی فریاد یہاں تک کہ
حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾
ڈھیر کر دیے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے ☆

بے وقت پچھتانا فضول ہے:

یعنی جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لیا تب اپنے جرموں کا اعتراف کیا اور برابر یہ ہی چلاتے رہے کہ بیشک ہم ظالم اور مجرم ہیں۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" یہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا۔ اعتراف وندامت اس وقت سب بیکار چیزیں تھیں آخر اس طرح ختم کر دیئے گئے جیسے کھیتی ایک دم میں کاٹ کر ڈھیر کر دی جاتی ہے یا آگ میں جلتی ہوئی لکڑی بجھ کر راکھ رہ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عذاب نے جلا کر راکھ کر دیا:

کہنے لگے ہائے ہماری تباہی (آ گئی) ہم بلا شبہ ظالم تھے، وہ برابر یونہی پکار مچاتے رہے آخر ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی (کی طرح تباہ اور) مردہ کر دیا۔ یعنی وہ برابر يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کی رٹ لگاتے رہے گویا وہ اپنی موت کو بلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے موت تو کہاں ہے آجا اس وقت تیری ضرورت ہے۔ حَصِيْدًا کٹی ہوئی کھیتی۔ خٰمِدِيْنَ مردے، بجھے ہوئے خمودِ نار آگ کا بجھنا۔ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ، دونوں کا مجموعہ ہے، ایک اسم کی طرح ہو کر جعلنا کا مفعول دوئم ہے، یعنی ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بھی ہم نے کر دیا اور بجھی ہوئی آگ کی طرح بھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا
اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾
ان کے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے ☆

پیدائش عالم کو سمجھو:

یعنی جس میں کوئی معتد بہ حکمت اور غرض صحیح نہ ہو۔ اس لئے عقلمند کو چاہئے کہ آفرینش عالم کی غرض کو سمجھے اور دنیا کو محض کھیل تماشا سمجھ کر انجام سے غافل نہ ہو، بلکہ خوب سمجھ لے کہ دنیا آخرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر نیک و بد کی جزا ملنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ
اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا تو بنالیتے ہم
مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ
اپنے پاس اگر ہم کو کرنا ہوتا یوں نہیں
نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ
پر ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑ ڈالتا
فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾
ہے، پھر وہ جاتا رہتا ہے اور تمہارے لیے خرابی ہے ان باتوں سے جو تم بتاتے ہو ☆

دنیا کھیل تماشہ نہیں ہے:

یعنی اگر ایسے لہو ولعب کے کام بالفرض ہماری شان کے لائق ہوتے اور ہم ارادہ بھی کرتے کہ یوں ہی کوئی مشغلہ اور کھیل تماشا بنا کر کھڑا کر دیں تو یہ چیز ہم بذات خود اپنی قدرت سے کر گزرتے۔ تمہاری دارو گیر اور پکڑ دھکڑ

سے اس کو کچھ سروکار نہ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا محض کھیل تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ جہاں حق و باطل کی جنگ ہوتی ہے حق حملہ آور ہو کر باطل کا سر کچل ڈالتا ہے۔ اسی سے تم اپنی مشرکانہ اور سفیہانہ باتوں کا انجام سمجھ لو کہ حق وصداقت کا گولا جب پوری قوت سے تم پر گرے گا اس وقت کیسی خرابی اور بربادی تمہارے لئے ہوگی۔ اور کونسی طاقت بچانے آئیگی۔ (تنبیہ) "لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا" الی آخرہ کی تقریر کئی طرح کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک سباق ولحاق کے اعتبار سے جو معنی زیادہ قریب اور صاف تھے وہ اختیار کئے ہیں۔ اور مِنْ لَّدُنَّآ اور اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ کی قیود کے فوائد کی طرف لطیف اشارے کردیئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانیؒ)

بیوی بچے:

عطاء کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لہو سے مراد عورت ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے، جماع کو لغت میں لہو کہتے ہیں اور عورت محل جماع ہے، کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ لہو سے مراد اولاد ہے۔ سدی کا بھی یہی قول ہے، آدمی اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتا اور دل بہلاتا ہے۔

عیسائیوں کی تردید:

لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم لہو کرنے والے ہی ہوتے تو اپنی شان کے مناسب ان چیزوں کو ذریعہ لہو بناتے جو ہماری ذات کے مناسب ہوتی، مثلاً وہ مخلوق جو مادہ سے خالی ہے (مجردات، ملائکہ) ہر چیز کا جوڑا اور ہر شخص کی اولاد اس کی ہم جنس ہوتی ہے اور اللہ کا ہم جنس کوئی نہیں ہے اس لیے اس کا جوڑا یا اولاد ہونا محال ہے اور ناممکن چیز سے اللہ کے ارادے کا تعلق ہوجائے یہ بھی محال ہے (موقوف علی المحال محال ہوتا ہے) اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدے کی تردید ہے جو مسیح کو اللہ کا بیٹا اور مسیح کی ماں کو اللہ کی بیوی قرار دیتے ہیں۔

حق و باطل کا مقابلہ:

مطلب یہ ہے کہ ہم کھیل کرنیوالے نہیں۔ بلکہ باطل کو حق پردے مارتے ہیں۔ حق سے مراد ہیں وہ آیات جو اللہ کی تنزیہ اور پاکی کو ثابت کررہی ہیں اور اللہ کا بیوی بچوں سے پاک ہونا جن سے ظاہر ہورہا ہے، قذف کا معنی ہے دے پٹکنا، پھینک مارنا۔ الباطل سے مراد ہے کفر اور جھوٹ اور یہ قول کہ اللہ کے بیوی بچے ہیں۔ یدمغ یعنی اس کو فنا کردیتا ہے، دمغ سر توڑ دینا، بھیجا کچل دینا جس سے ہلاکت واقع ہوجائے۔ مجازاً مراد ہے فنا کردینا، حق کو قائم کرنا اور باطل کو تباہ کردینا۔ قذف کا لفظ بتا رہا ہے کہ جس چیز کو پھینک مارا گیا وہ بھاری اور ٹھوس ہے۔ ابطال باطل کو دمغ کہنا بطور مبالغہ ہے زَاهِقٌ ہلاک ہونے والا جس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ قاموس میں ہے زَاهِقٌ الباطل باطل نابود ہوگیا، زهق الشي وہ چیز تباہ اور ہلاک ہوگئی۔ بعض نے کہا زھوق کا معنی ہے جان نکل جانا۔ (تفسیر مظہریؒ)

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ، قذف کے لغوی معنی پھینکنے اور پھینک مارنے کے، یدمغ کے معنی دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں اور زاہق کے معنی جانے والا اور بے نام ونشان ہوجانیوالا۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ زمین وآسمان کی عجیب وغریب کائنات ہم نے کھیل کے لئے نہیں بلکہ بڑی حکمتوں پر مبنی کرکے بنائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ حق وباطل کا امتیاز ہوتا ہے، مصنوعات قدرت کا مشاہدہ انسان کو حق کی طرف ایسی رہبری کرتا ہے کہ باطل اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اسی مضمون کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ حق کو باطل کے اوپر پھینک مارا جاتا ہے، جس سے باطل کا دماغ (بھیجا) نکل جاتا ہے اور وہ بے نام ونشان ہوکر رہ جاتا ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ، یعنی ہمارے جو بندے ہمارے پاس ہیں مراد اس سے فرشتے ہیں وہ ہر وقت ہماری عبادت میں بغیر کسی وقفہ کے ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اگر تم ہماری عبادت نہ کرو تو ہماری خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں ☆

پھر وہ تباہ کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کہاں پناہ مل سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے

عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ

اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی یاد کرتے ہیں

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

رات اور دن نہیں تھکتے ☆

فرشتوں کی فرمانبرداری:

یعنی فرشتے باوجود مقربین بارگاہ ہونے کے ذرا شیخی نہیں کرتے۔ اپنے پروردگار کی بندگی اور غلامی کو فخر سمجھتے ہیں۔ وظائف عبودیت کے ادا کرنے میں بھی سستی یا کاہلی کو راہ نہیں دیتے۔ شب وروز اس کی تسبیح اور یاد میں لگے رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ بلکہ تسبیح وذکر ہی ان کی غذا ہے۔ جس طرح ہم ہر

وقت سانس لیتے ہیں اور دوسرے کام بھی کرتے رہتے ہیں، یہی کیفیت ان کی تسبیح وذکر کی سمجھو، وہ کسی کام پر مامور ہوں، کسی خدمت کو بجالا رہے ہوں ایک منٹ ادھر سے غافل نہیں ہوتے۔ جب معصوم مقرب فرشتوں کا یہ حال ہے تو خطا کار انسان کو کہیں زیادہ اپنے رب کی طرف جھکنے کی ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی عبادت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے مجمع میں تھے کہ فرمایا لوگو! جو میں سنتا ہوں کیا تم بھی سنتے ہو؟ سب نے جواب دیا کہ حضرت! ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آسمانوں کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور حق تو یہ ہے کہ اسے چرچرانا ہی چاہیے اس لیے کہ اس میں ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کا سر سجدے میں نہ ہو۔

فرشتوں کو کوئی کام تسبیح سے نہیں روکتا:

عبداللہ بن حارث بن نوفل فرماتے ہیں میں حضرت کعب احبارؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت میں چھوٹی عمر کا تھا میں نے ان سے اس آیت کا مطلب پوچھا کہ بولنا چالنا خدا کا پیغام لے کر جانا عمل کرنا یہ بھی انہیں تسبیح سے نہیں روکتا؟ میرے اس سوال پر چونکنے ہو کر آپ نے فرمایا۔ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا بنو عبدالمطلب میں سے ہے۔ آپ نے میری پیشانی چوم لی اور فرمایا پیارے بچے! تسبیح ان فرشتوں کے لیے ایسی ہی ہے جیسے ہمارے لیے سانس لینا، دیکھو چلتے پھرتے، بولتے چالتے تمہارا سانس برابر آتا جاتا رہتا ہے اسی طرح فرشتوں کی تسبیح ہر وقت جاری رہتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبارؓ سے پوچھا کہ کیا فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر ہے تو پھر دوسرے کاموں کے ساتھ ہر وقت کی تسبیح کیسے جاری رہتی ہے۔ کعب نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تمہارا کوئی کام اور مشغلہ تمہیں سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مخل (مانع ہوتا ہے) حقیقت یہی ہے کہ تسبیح فرشتوں کے لئے ایسی ہے جیسے ہمارا سانس یا آنکھ جھپکنا کہ یہ دونوں چیزیں ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہیں اور کسی کام میں مانع اور مخل نہیں ہوتیں (قرطبی و بحر محیط) (معارف مفتی اعظم)

اللہ تعالیٰ کا قرب:

وَمَنْ عِنْدَهٗ، اور جو اس کے مقرب ہیں وہ بھی اسی کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں، یعنی ملائکہ انبیاء اور دوسرے اہلِ قربت بھی اسی کے ہیں، اللہ کا قرب (جسمانی نہیں) بے کیف ہے (اس کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی)۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ کو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے الگ مستقل طور پر بصورت عطف اس لیے بیان کیا کہ بعض ملائکہ مثلاً حاملینِ عرش اور انبیاء و ملائکہ کی حقائق اور دائرہ ظلال (یعنی حقائق امکانیہ اور اعیان ثابتہ) کا کوئی مکان نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔

فرشتے نہ تھکتے ہیں نہ اُکتاتے ہیں:

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ، اور ان میں سے اللہ کے نزدیک جو (بڑے مقبول و مقرب) ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔

استحسار تھکنا، ماندہ ہو جانا، استحسار کے معنی میں حسور کے معنی سے زیادہ زور ہے، آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی عبادت گو ثقیل ہے، دوام عبادت دشوار ہے مقرب ملائکہ کو تھک جانا چاہیے لیکن وہ سست نہیں پڑتے کیونکہ ان کو عبادت میں لذت حاصل ہوتی ہے اس لیے ہر وقت عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں ترکِ عبادت کو اپنی ہلاکت جانتے ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ، رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے (اور تعظیم الٰہی کا اظہار کرتے) ہیں سست نہیں پڑتے۔ کعب احبارؓ نے کہا ملائکہ کے لیے تسبیح خداوندی ایسی ہے جیسے آدمی کیلئے سانس (سانس لینا باعث حیات ہے اور سانس لینے سے آدمی کسی وقت نہیں تھکتا فرشتوں کے لیے تسبیح باعثِ حیات ہے وہ پاکی بیان کرنے سے نہیں تھکتے)

لَا يَفْتُرُوْنَ، کمزور نہیں پڑتے نہیں اکتاتے۔ وہ عبادت جس میں اہل قربت ہر وقت غرق رہتے ہیں اس سے مراد ذکر خفی اور ہر وقت اللہ کی طرف توجہ ہے جس طرح بڑی حیوان کے لیے ہوا میں سانس لینا اور بحری جانور کے لیے پانی میں سانس لینا ہر وقت ضروری ہے اور یہی بقاء حیات کا سبب ہے اسی طرح اہل قربت کے لیے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان ہر دم اللہ کی طرف توجہ رکھنی لازم ہے (یہی ان کی زندگی ہے)

ذکر خداوندی کا استغراق:

ذکر خداوندی کے استغراق کی حالت میں بندہ جو کچھ کرتا ہے حقیقت میں وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ ایسا شخص اللہ کی طاعت و عبادت کی قوت حاصل کرنے کے لیے کھاتا پیتا اور سوتا ہے نکاح کرتا ہے تو اس کا مقصد ہوتا ہے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ امت اسلامیہ کی تعداد میں اضافہ۔ اور حضور کے اس فرمان کی تعمیل کہ نکاح کرو۔ تمہاری کثرت کے سبب میں دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ چونکہ ہر دم استغراق رکھنے والا شخص کسی وقت یاد سے غافل نہیں ہوتا اس لیے اکثر اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کو فوراً پشیمانی ہو جاتی ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اس طرح اللہ اس کی خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے یہی بنیاد ہے اس قول کی کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے ایسے ہی لوگوں کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تھکتے نہیں رات دن اللہ کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں سست نہیں پڑتے۔ (تفسیر مظہری)

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا ٹھہرائے انہوں نے اور معبود زمین میں کے کہ وہ جلا اٹھائینگے ان کو ☆

خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے:

یعنی آسمان والے فرشتے تو اس کی بندگی سے کتراتے نہیں بلکہ ہمہ وقت اس کی یاد اور بندگی میں مشغول رہتے ہیں، پھر کیا زمین میں کچھ ایسی ہستیاں ہیں جن کو خدا کے بالمقابل معبود ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ اور جب خدا ان کے پجاریوں کو اپنے عذاب سے مار ڈالے تو وہ ان کو پھر جلا اٹھائیں یا ہلاکت سے بچالیں؟ ہرگز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اندھی تحقیق:

اول مشورہ کر کے کہنے لگے یہ تو بس تم جیسا ہی آدمی ہے (اور اسی کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ کہنے لگے یہ پراگندہ خواب ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہنے لگے اس نے ازخود بنا کر اور اپنے دماغ سے تراش کر خدا کی طرف نسبت کردی ہے (پھر کہنے لگے نہیں یہ بھی نہیں ہے) بلکہ یہ شاعر ہے اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کے متعلق (تاویلیں کرنے میں) حد سے آگے بڑھ گئے اور فقط نبوت و قرآن کے معاملہ میں ہی انہوں نے حق سے تجاوز نہیں کیا بلکہ (اللہ کے ساتھ) انہوں نے دوسروں کو معبود بھی بنالیا ہے اور معبود بھی وہ جو زمین کی پیداوار ہیں ،زمین کی چیزوں سے بنائے گئے ہیں۔ پتھر سونا چاندی (پیتل) وغیرہ، ان معبودوں کا مادہ صنعت ہے۔ مِّنَ الْاَرْضِ کہنے سے تخصیص مقصود نہیں (کیونکہ ان کے معبود ستارے اور جن وغیرہ بھی تھے) بلکہ معبودوں کی تحقیر مقصود ہے (کہ ان کے معبود ایسے حقیر و ذلیل ہیں جو موجودات ارضی سے بنائے گئے ہیں)۔

انتہائی جہالت:

هُمْ يُنْشِرُوْنَ وہ معبود مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے، اس فقرے میں مشرکوں کی انتہائی جہالت کا اظہار، استہزائیہ طرز کے ساتھ ہے، مستحق عبادت صرف وہی ہوسکتا ہے جو زندہ کرنے، مارنے اور کامل نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور جب مشرک بتوں کو بھی معبود قرار دیتے ہیں تو گویا اس بات کے مدعی ہیں کہ بت بھی زندہ کرنے مردہ کرنے اور نعمتیں عطا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور یہ دعویٰ واقعیت کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہوجاتے ☆

توحید کی محکم دلیل:

تعدد آلہہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو عبادت نام ہے کامل تذلل کا۔ اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم ''اللہ'' یا ''خدا'' کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہونگے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کامل طور پر سرانجام کرسکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لئے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں یا ایک مغلوب ہوکر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہوسکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیگی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان و زمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَفَسَدَتَا سے مراد یہ ہے کہ شروع سے ہی بگاڑ ہو جاتا اور دونوں پیدا ہی نہ ہوتے کیونکہ چند الٰہوں کا اگر مقصد میں اتفاق ہوتا تو سب کی باہمی قدرت میں ٹکراؤ ہونا یقینی ہوتا اور اگر آلہہ کے مقصد و مراد میں اختلاف ہوتا تب تو وجود کائنات میں رکاوٹ پڑ جانا لازم ہی تھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں ☆

اللہ تعالیٰ شریک سے پاک ہے:

جو عرش (تخت شاہی) کا اکیلا مالک ہے، اس کے ملک میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں۔ دو خود مختار بادشاہ جب ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے جن کی خود مختاری بھی محض مجازی ہے تو دو مختار کل اور قادر مطلق خدا ایک قلمرو میں کیسے شریک ہوسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میں اللہ کی کامل پاکی بیان کرتا ہوں جو عرش کا رب (حاکم و مالک) ہے۔ عرش تمام اجسام کو محیط ہے۔ انتظامات عالم کا مرکز اور تمام مقادیر کا سرچشمہ ہے اس عالم میں عرش کی حالت ایسی ہے جیسے انسانی جسم میں دماغ کی۔ عَمَّا یَصِفُوْنَ، یعنی مشرک جو اللہ کی بیوی بچے اور شرکاء ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، میں ان کے اس بیان سے اللہ کے کامل طور پر پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے ☆

خدا سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا:

یعنی ''خدا'' تو اس ہستی کا نام ہے جو قادر مطلق اور مختار کل ہو۔ اس کی قدرت و مشیت کو روکنا تو کجا کوئی پوچھ پاچھ بھی نہیں کرسکتا کہ آپ نے فلاں کام اس طرح کیوں کیا۔ ہاں اس کو حق ہے کہ وہ ہر شخص سے مواخذہ اور باز پرس کرسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی اللہ کی عظمت، اقتدار کی قوت، الوہیت میں یکتائی اور ذاتی حکومت کی وجہ سے اس سے باز پرس کرنیوالا کوئی نہیں ہوگا۔ باز پرس نہ کی جاسکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا ہر فعل اپنی ملکیت میں تصرف ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جیسا چاہے تصرف کرسکتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور مخلوق کا تصرف اپنی ملک میں تصرف نہیں مخلوق کسی چیز کی حقیقی مالک ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کی ملک میں تصرف ہے اور اللہ کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، لہٰذا اللہ کی ملک میں تصرف کرنے والوں سے باز پرس کی جائے گی۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ

کیا ٹھہرائے انہوں نے اس سے ورے اور معبود تو کہہ

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ

لاؤ اپنی سند ☆

مشرکین سے دلیل کا مطالبہ:

پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کئے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام وظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی تھی، نہ نقلی جسے پیش کرسکتے۔ کذا قال المفسر ون۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے دو حاکم ہوتے تو جہان خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور نائبین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سو ان کو مالک کی سند چاہئے۔ بلاسند بغیر نائب کیونکر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کرو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں اس جملہ کو دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے مقصود ہے کفر کی برائی کی عظمت کا بیان اور کافروں کی جہالت کا مزید اظہار تکرار کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کے پاس باطل معبودوں کو الٰہ قرار دینے کی کوئی عقلی دلیل نہیں کیا وہ مردوں کو زندہ کردیں گے اور دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھاویں گے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان کو الوہیت کا عقلاً کوئی استحقاق نہیں۔ پھر دوبارہ اسی جملہ کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی کسی کو اللہ کا شریک قرار دینے کی اجازت نہیں، اس لیے شرک کی کوئی نقلی دلیل بھی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی بات ہے مجھ سے

قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ

پہلوں کی کوئی نہیں، پر وہ بہت لوگ نہیں سمجھتے

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

سچی بات سو ٹلا رہے ہیں ☆

تمام امتیں توحید پر متفق رہی ہیں:

یعنی میری امت اور پہلی خدا پرست امتوں کی یہ ہی ایک بات ہے کہ اس رب العرش کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ جس کی عقلی دلیل پہلے بیان ہوچکی۔ تم اگر ملل سماویہ کے اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل رکھتے ہو تو پیش کرو۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امت اور پہلی امتیں اس امت کی کتاب (قرآن کریم) اور پہلی امتوں کی آسمانی کتابیں (تورات وانجیل وغیرہ) سب اس دعوائے توحید پر متفق رہی ہیں۔ چنانچہ آج بھی باوجود بیشمار تحریفات کے پہلی کتابوں کی ورق گردانی کرو تو توحید کا اعلان اور شرک کا رد صاف صاف پاؤ گے مگر یہ جاہل اس بات کو کیا سمجھیں، اگر سمجھ ہوتی تو حق بات کو سن کر ہرگز نہ ٹلاتے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول

اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

سو میری بندگی کرو☆

تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع:

یعنی تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے۔ کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہ ہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوائے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ

اور کہتے ہیں رحمٰن نے کرلیا کسی کو بیٹا وہ ہرگز اس لائق نہیں☆

اللہ کا کوئی بیٹا، بیٹی نہیں ہے:

عرب کے بعض قبائل ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، سو بتلا دیا کہ یہ خدا کی شان رفیع کے لائق نہیں کہ بیٹے بیٹیاں بنائے۔ اسی میں نصاریٰ کا رد بھی ہوگیا۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے ہیں۔ نیز یہود کے اس فرقہ کا جو حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اس کلام کا عطف اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً من الارض کے مضمون پر ہے یعنی کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بل عباد بلکہ بندے ہیں یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ خدا ان کا باپ نہیں، خالق ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی ہے اس سے بڑھ کر نہیں

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں☆

سب اللہ کے بندے ہیں:

یعنی جن برگزیدہ ہستیوں کو تم خدا کی اولاد بتلاتے ہو وہ اولاد نہیں۔ ہاں اس کے معزز بندے ہیں اور باوجود انتہائی معزز ومقرب ہونے کے ان کے ادب و اطاعت کا حال یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی اور اجازت نہ پائیں اس کے سامنے خود آگے بڑھ کر لب نہیں ہلا سکتے اور نہ کوئی کام اس کے حکم کے بدون کر سکتے ہیں۔ گویا کمال عبودیت و بندگی ہی ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتے تو اللہ سے خائف ہیں:

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ. یعنی فرشتے حق تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ تعالیٰ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں اس کے خلاف کبھی کچھ کرتے ہیں، قول میں سبقت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی ارشاد نہ ہو خود کوئی کلام کرنے میں مسابقت کی ہمت نہیں کرتے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں کوئی بات آئے تو جو اس مجلس کا بڑا ہے اس کے کلام کا انتظار کیا جائے پہلے ہی کسی اور کا بول پڑنا خلافِ ادب ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اس کو معلوم ہے جو ان کے آگے ہیں اور پیچھے☆

علم الٰہی سب کو محیط ہے:

حق تعالیٰ کا علم ان کے تمام ظاہری و باطنی احوال کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں چنانچہ وہ مقرب بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

اور سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو☆

بغیر اجازت سفارش نہ کریں گے:

یعنی اس کی مرضی معلوم کیے بدون کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لیے ان کے حق میں دنیا و آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور بجز اس کے جس کے لیے شفاعت کرنے کی، خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یعنی ہیبتِ الٰہیہ کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ فقط انہی لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں جن کے حق میں شفاعت کو اللہ پسند فرماتا ہے اور (یہ شفاعت بھی) ڈرتے ڈرتے کرتے ہیں، عظمت الٰہیہ کا خوف ان پر چھایا رہتا ہے۔ تعظیم آمیز خوف کو خشیۃ کہا جاتا ہے اس لیے خشیۃ کو علماء کے لیے

مخصوص فرمادیا ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں ☆

وہ خدا کی اولاد سے کیسے ہوسکتے ہیں:

پھر ان کو خدا کیسے کہا جاسکتا ہے۔ جب خدا نہیں تو خدا کے بیٹے یا بیٹیاں بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ صحیح اولاد جنس والدین سے، ہونی چاہئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اشفاق کا معنی ہے ڈرنا، خوف کھانا، اگر اس کے بعد لفظ من آتا ہے تو کسی سے خوف کرنا اور ڈرنا مراد ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد علیٰ آتا ہے تو کسی کو نقصان پہنچتے اور دکھ پانے سے ڈرنا اور اس پر رحم کھانا مراد ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ

اور جو کوئی ان میں کہے کہ میری بندگی ہے

دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ

اس سے ورے سو اس کو ہم بدلہ دینگے دوزخ

كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو ☆

جو خدائی کا دعویٰ کرے جہنم میں جلے گا:

یعنی جن کو تم خدا کی اولاد یا خدا بنا رہے ہو اگر بفرض محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ گذرے تو وہ ہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والے ظالموں کو ملتی ہے، ہم ان کو بھی دینگے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہوسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عارف جامیؒ فرماتے ہیں

گر خدا بودے از یکے افزوں	کے بماندے جہاں بدیں قانون
در فیضِ وجود بستہ شدے	تار و پودِ بقا گستہ شدے
ہمہ عالم عدم شدے باہم	بلکہ بیرون نیامدے زعدم
داند آن کش زعقل باشد بہر	کہ دو دشہ را چو جاشود یک شہر
سلک جمعیت از نظام افتد	رخنہ درکار خاص و عام افتد

امام غزالیؒ کی تقریر:

امام غزالی فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، یعنی کوئی اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں۔ چنانچہ آفتاب کو اسی معنی کر واحد کہہ سکتے ہیں کہ وہ روشنی میں یکتا ہے اور جو چیز کسی کمال میں یکتا ہو اس پر واحد کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔

اسی طرح جب خدا کو واحد کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ صفات کمال اور سمات جلال و جمال میں یکتا ہے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ شریک نہیں۔

پس اگر اس کا کوئی شریک ہو تو تین احتمال ہیں (۱) یا تو وہ جملہ صفات کمال میں ہر اعتبار سے اور ہر طرح سے اس کا مساوی یعنی اس کے برابر اور ہمسر اور اس کا ہم پلہ ہوگا۔ (۲) یا اس سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا۔ (۳) یا اس سے کم ہوگا۔ اور تینوں باتیں باطل ہیں۔ پہلی شق تو اس لئے باطل ہے کہ جن دو چیزوں پر لفظ دو کا بولا جائے ان کا باہم متغایر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ دو کہنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ تغایر کیلئے باہمی تمایز ضروری ہے۔

پس خدا کا شریک تمام صفات اور سمات میں من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خدا کے مماثل اور مساوی اور برابر ہوا تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا اور بغیر امتیاز کے تغایر ممکن نہیں لہٰذا دوسرے کو خدا کہنا غلط ہوگا۔ اور جب اثنینیت (دوئی) ختم ہوئی تو وحدت اور وحدانیت لازم آگئی اور دوسری شق اس لئے باطل ہے کہ خدا کا شریک خدا سے اس لئے اعلیٰ نہیں ہوسکتا کہ خدا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو جملہ کمالات میں اپنے کل ماسوا سے فائق اور اعلیٰ اور بالا ہو۔ کسی صفت میں بھی کسی موجود سے بھی کم یا اس کے مساوی نہ ہو پس جس کا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں۔ حقیقت میں خدا وہی ہے جس کو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں اس لئے کہ اس پر خدا کی تعریف صادق نہیں آتی، دونوں میں جو اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا وہی خدا ہوگا اور جو کمتر اور ناقص ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا اور تیسری شق اس سے باطل ہے کہ جو شریک اس سے کم ہوگا وہ اس کا شریک نہیں کہلا سکتا تو اس صورت میں خدا ایک ہی رہے گا۔ (دیکھو کتاب الاقتصاد للامام الغزالی)۔ (معارف کاندھلویؒ)

ابلیس کا دعویٰ:

قتادہ نے کہا وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ سے مراد ابلیس ہے۔ جو حقیقۃً یا حکماً ملائکہ میں سے تھا فرشتوں کے ساتھ اس کو شامل کر دیا گیا ہے، ابلیس نے غرور کیا اور اپنی عبادت کی لوگوں کو دعوت دی۔ دوسرا فرشتہ اس کا قائل نہی ہوسکتا، علماء کا اس پر اتفاق ہے، (گویا قتادہ کے نزدیک آیت میں ایک واقعہ کا اور اس کی سزا کا اظہار کیا گیا ہے محض فرض پر کلام کی بناء نہیں ہے) (تفسیر مظہریؒ)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے انکو کھولدیا ☆

آسمانوں کی تخلیق وترتیب:

''رتق'' کے اصل معنی ملنے اور ایک دوسرے میں گھسنے کے ہیں۔ ابتداءً زمین وآسمان دونوں ظلمت عدم میں ایک دوسرے سے غیر متمیز پڑے تھے۔ پھر وجود کے ابتدائی مراحل میں بھی دونوں خلط ملط رہے، بعدہ قدرت کے ہاتھ نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ اس تمیز کے بعد ہر ایک کے طبقات الگ الگ بنے، اس پر بھی منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے روئیدگی، آخر خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کیلئے دونوں کے منہ کھول دیے، اوپر سے پانی کا دہانہ کھلا، نیچے سے زمین کے مسام کھل گئے، اسی زمین میں سے حق تعالیٰ نے نہریں اور کانیں اور طرح طرح کے سبزے نکالے، آسمان کو کتنے بے شمار ستاروں سے مزین کر دیا جن میں سے ہر ایک کا گھر جدا اور چال جدی رکھی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبداللہ بن عباس کی قرآن دانی:

تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی حاتم کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس شیخ کے پاس جاؤ ان سے دریافت کرو اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی اس کی اطلاع کرو یہ شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ اس آیت میں رتقا اور فتقنا سے کیا مراد ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے آسمان بند تھے بارش نہ برساتے تھے اور زمین بند تھی کہ اس میں نباتات نہیں اگتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو آسمان کی بارش کھولدی اور زمین کا نشوونما۔ یہ شخص آیت کی تفسیر معلوم کر کے حضرت ابن عمرؓ کے پاس واپس گیا اور جو کچھ ابن عباسؓ سے سنا تھا وہ بیان کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اب مجھے ثابت ہو گیا کہ واقعی ابن عباسؓ کو قرآن کا علم عطا کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے میں تفسیر قرآن کے بارے میں ابن عباسؓ کے بیانات کو ایک جراءت سمجھا کرتا تھا جو مجھے پسند نہ تھی اب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم قرآن کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے انہوں نے رتق وفتق کی تفسیر صحیح فرمائی ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

ابن کثیر نے امام احمد کی سند سے بروایت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ میں جب آپ کی زیارت کرتا ہوں تو میرا دل باغ باغ اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، آپ مجھے ہر شئے (کی تخلیق) کے بارے میں بتلا دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جس پر عمل کرنے سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، آپ نے فرمایا:

افش السلام و اطعم الطعام وصل الارحام و قم بالليل والناس نيام ثم ادخل الجنة بسلام تفرد به احمد و هذا اسناد على شرط الشيخين الخ

ترجمہ: سلام کرنے کو عام کرو (خواہ مخاطب اجنبی ہو) اور کھانا کھلایا کرو (اس کو بھی حدیث میں عام رکھا ہے کھانا کھلانا ہر شخص کو خواہ کافر فاسق ہی ہو ثواب سے خالی نہیں) اور صلہ رحمی کیا کرو اور رات کو تہجد کی نماز پڑھا کرو جب سب لوگ سوتے ہوں تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

آسمان کا وجود:

از روئے نصوص شریعت آسمان زمین سے پانچسو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے، موجودہ دوربین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نظر آتا یہ اس کے جسم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی میں عکس جسم ہی کا نظر میں آسکتا ہے۔ محض ظلمت اور تاریکی کا کوئی عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود — آنکہ پائندہ باقی است خدا خواہد بود

(معارف کاندھلویؒ)

حضرت سعیدؒ کی تفسیر ہے کہ یہ دونوں پہلے ایک ہی تھے پھر الگ الگ کر دیئے گئے زمین وآسمان کے درمیان خلا رکھ دیا گیا پانی کو تمام جانداروں کی اصل بنا دی۔

آسمان کیا ہے:

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ آسمان کیا ہے، آپؐ نے فرمایا رکی ہوئی موج ہے یہ روایت سنداً غریب ہے۔

آسمان میں غور وفکر:

بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ایک نے اپنی تیس سال کی مدت عبادت پوری کر لی مگر جس طرح اور عابدوں پر تیس سال کی عبادت کے بعد ابر کا سایا ہو جایا کرتا تھا اس پر نہ ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے یہ حال بیان کیا، اس نے کہا بیٹے تم نے اپنی اس عبادت کے زمانے میں کوئی گناہ کر لیا ہوگا؟ اس نے کہا اماں ایک بھی نہیں۔ کہا پھر تم نے کسی گناہ کا پورا قصد کیا ہوگا جواب دیا کہ ایسا بھی مطلقاً نہیں ہوا۔ ماں نے کہا بہت ممکن ہے کہ تم نے آسمان کی طرف نظر کی ہو اور غور وتدبر کے بغیر ہی ہٹالی ہو عابد نے جواب دیا ایسا تو برابر ہوتا رہا۔ فرمایا بس یہی سبب ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے☆

جوہر حیات:

یعنی عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ و بلاواسطہ پانی سے

بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہوگی۔ تاہم للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ اس کا عطف فتقنا پر ہے یعنی ہم نے آسمان میں سوراخ کر دیئے اور اس سے بارش نازل کی اور زمین میں سوراخ کر دیئے اور اس سے سبزہ اگا دیا اور ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ اس مطلب پر رابط محذوف ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان و زمین کے درمیان ہے پانی سے پیدا کیا۔

جَعَلْنَا، ہم نے پیدا کیا (جعل بسیط جو صرف ایک مفعول چاہتا ہے) اس وقت من الماء کا تعلق جَعَلْنَا سے ہوگا اور کل شی حی مفعول ہوگا، جَعَلْنَا کا دوسرا ترجمہ ہے ہم نے کر دیا پانی سے مخلوق ہر چیز کو (جعل مرکب جو دو مفعول چاہتا ہے) اس صورت میں کل شی مفعول اول ہوگا اور مِنَ الْمَآءِ کا تعلق کائنا یا مخلوقاً محذوف سے ہوگا یعنی ہم نے پانی سے مخلوق کر دیا ہر چیز کو۔ (تفسیر مظہری)

نباتات بلکہ جمادات میں روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق وایجاد اور ارتقاء میں بڑا دخل ہے۔

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾
پھر کیا یقین نہیں کرتے ☆

اب بھی ایمان نہیں لاتے:

یعنی قدرت کے ایسے کھلے نشان اور محکم انتظامات کو دیکھ کر بھی کیا لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ
اور رکھ دیئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی ان کو لے کر جھک پڑے ☆

اس کی تقریر سورہ نحل میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾
اور رکھیں اس میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں ☆

بین الاقوامی رابطے:

یعنی ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک والوں سے مل سکیں اگر پہاڑ ایسے ڈھب پر پڑتے کہ راہیں بند ہو جاتیں تو یہ بات کہاں ہوتی (کذا فی الموضح) ان ہی کشادہ راہوں کو دیکھ کر انسان حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور توحید کی طرف راہ پا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا
اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ ☆

زمین کی چھت:

یعنی نہ گرے نہ ٹوٹے پھوٹے نہ بدلی جائے اور شیاطین کے استراق سمع سے بھی محفوظ ہے۔ اور چھت اس لئے کہا کہ دیکھنے میں چھت کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾
اور وہ آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے ☆

کہ کیسی مضبوط ومحکم اور وسیع وبلند چھت اتنی مدت سے بدون ستون اور کھمبے کے کھڑی ہے۔ ذرا سا رنگ وروغن اور پلاسٹر بھی نہیں جھڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور وہ ہی ہے جس نے بنائے رات اور دن

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
اور سورج اور چاند ☆

یہ ان ہی آسمانی نشانیوں کی قدرے تفصیل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مفسر نے کہا، میں کہتا ہوں فلک آسمان ہی ہے۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾
سب اپنے اپنے گھیر میں پھرتے ہیں ☆

سیاروں کا نظام:

یعنی سورج چاند بلکہ ہر سیارہ اپنے مدار پر بڑا چکر کھا رہا ہے۔ "یسبحون" کے لفظ سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیارات اللہ کے حکم سے بذات خود چلتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

آسمان دنیا ہی پر سب ستارے چلتے ہیں، اور فلکٍ کی تنوین بتا رہی ہے کہ ہر ستارہ ایک دائرہ میں چل رہا ہے تمام ستاروں کے مدار مختلف متعدد گھیروں پر ہیں باوجود مدار کے تعدد فلک کو بصیغہ واحد ذکر کرنا عربی محاورے کے مطابق ہے عرب بولتے ہیں امیر نے ان سب کو خلعت پہنایا (یعنی ہر ایک کو ایک ایک خلعت پہنایا)۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو

الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا، پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ

ہر جی کو چکھنی ہے موت☆

انسانی زندگی بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے:

یعنی جس طرح مذکورہ بالا مخلوقات کا وجود حق تعالیٰ کی ایجاد سے ہوا۔ تمام انسانوں کی زندگی بھی اسی کی عطا کردہ ہے جس وقت چاہے گا چھین لے گا۔ موت ہر ایک پر ثابت کردے گی کہ تمہاری ہستی تمہارے قبضہ میں نہیں۔ چند روز کی چہل پہل تھی جو ختم ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کافر حضور کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم محض اس شخص کے دم تک ہے یہ دنیا سے رخصت ہوئے پھر کچھ نہیں' اس سے اگر ان کی غرض یہ تھی کہ موت آنا نبوت کے منافی ہے تو اس کا جواب دیا "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ" یعنی انبیاء ومرسلین میں سے کون ایسا ہے جس پر کبھی موت طاری نہ ہو ہمیشہ زندہ رہے۔ اور اگر محض آپ کی موت کے تصور سے اپنا دل ٹھنڈا کرنا ہی مقصود تھا تو اس کا جواب "انک میت فهم الخالدون" میں دیدیا یعنی خوشی کاہے کی؟ کیا آپ کا انتقال ہوجائے تو تم کبھی نہیں مرو گے، قیامت کے بورے سمیٹو گے؟ جب تم کو بھی آگے پیچھے مرنا ہے تو پیغمبر کی وفات پر خوش ہونے کا کیا موقع ہے۔ اس راستہ سے تو سب کو گذرنا ہے کون ہے جس کو کبھی موت کا مزا چکھنا نہیں پڑے گا گویا توحید اور دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد اس آیت میں مسئلہ نبوت کی طرف روئے سخن پھیر دیا گیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ میری موت کے آرزومند ہیں تو کیا اس بارے میں میں ہی اکیلا ہوں یہ وہ ذائقہ نہیں جو کسی کو چھوڑ دے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کسی بشر کے لیے ہمیشہ زندہ رہنا تجویز نہیں کیا پھر اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔

شانِ نزول:

خلد دنیا میں ہمیشہ رہنا۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب کافروں نے کہا تھا ہم تو اس وقت کے منتظر ہیں جب محمد پر موت کا چکر پڑے (اور وہ مر جائیں) مطلب یہ ہے کہ آپ ہمیشہ رہنے والے نہیں یہ بات طے شدہ ہے پھر آپ کے بعد کیا یہ لوگ ہمیشہ یہاں رہنے والے ہیں۔ (ایسا ہرگز نہ ہوگا) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے بدن سے روح کے جدا ہونے کی تلخی سب کو چکھنی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

بُلینا بالضراء، فصبرنا و بلینا بالسراء فلم نصبر (روح المعانی)

ترجمہ: یعنی ہم تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے اس پر تو ہم نے صبر کرلیا لیکن جب راحت وعیش میں مبتلا کئے گئے تو اس پر صبر نہ کرسکے یعنی اس کے حقوق ادا کرنے پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

موت کی تکلیف:

لفظ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ سے اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جیسا اتصال بدن کے ساتھ ہے اس کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم کا احساس اور امر طبعی ہے۔ رہا بعض اہل اللہ کا یہ معاملہ کہ ان کو موت سے لذت و راحت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آ گیا، تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت بدن کی طبعی تکلیف کے منافی نہیں کیونکہ جب کوئی بڑی راحت اور بڑا فائدہ سامنے ہوتا ہے تو اس کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بعض اہل اللہ نے دنیا کے غم ورنج اور مصیبتوں کو بھی محبوب قرار دیا ہے کہ "از محبت تلخہا شیریں شوند"

غم چہ استادہ تو بردرِ ما اندر آیارِ ما برادرِ ما

اور مولانا رومی نے فرمایا۔

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ گرز گلہ تو تیائے چشم گرگ

(معارف مفتی اعظمؒ)

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ

اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو☆

دنیاوی زندگی کی آزمائش:

یعنی دنیا میں سختی نرمی، تندرستی، بیماری تنگی فراخی اور مصیبت وعیش وغیرہ مختلف احوال بھیج کر تم کو جانچا جاتا ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہوجائے اور علانیہ ظاہر ہوجائے کہ کون سختی پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور کتنے لوگ ہیں جو مایوسی یا شکوہ شکایت اور ناشکری کے مرض میں مبتلا ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہماری طرف پھر کر آجاؤ گے☆

اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا:

جہاں تمہارے صبر وشکر اور ہر نیک و بد عمل کا پھل دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ اور ہماری ہی طرف تم کو لوٹا کر لایا جائے گا، پس ہم ہی تم کو صبر و بے صبری اور شکر و ناشکری کی جزا و سزا دیں گے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ پیدا کرنے کی اصل غرض جانچ کرنا اور عذاب و ثواب دینا ہے اس جملہ میں آیت نبلوکم کے مضمون کی تائید ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے تو کوئی

يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ

کام نہیں ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھا کرنا کیا یہی شخص ہے جو

يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا اور وہ رحمٰن کے نام سے

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

منکر ہیں ☆

مشرک قابل ہنسی ہے:

یعنی انجام سے بالکل بے فکر ہو کر یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی ہنسی اڑاتے ہیں اور ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ استہزاء و تحقیر سے کہتے ہیں" اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ " کیا یہ ہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرتا ہے' انہیں شرم نہیں آتی کہ حقیقی معبود کے ذکر اور" الرَّحْمٰن " کے نام تک سے چڑتے ہیں اس کی سچی کتاب کے منکر ہیں، اور جھوٹے معبودوں کی برائی سن کر چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ اندریں صورت ہنسی کے قابل ان کی حالت ہوئی یا فریق مقابل کی؟ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل کی شرارت:

ابن حاتم نے بروایت سدی بیان کیا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل اور ابوسفیان کی طرف سے گذرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ابوجہل ہنسنے لگا اور ابوسفیان سے بولا یہ ہے بنی عبدِ مناف کا نبی ابوسفیان کو اس بات سے غصہ آ گیا اور کہنے لگا بنی عبد مناف میں پیغمبر ہونا تم کو کیوں ناگوار ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی اور پلٹ کر ابوجہل کو ڈرایا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تو اس وقت تک باز نہیں آئے گا جب تجھ پر وہ مصیبت نہ آ پڑے جو تیرے چچا پر پڑی تھی۔ (تفسیر مظہری)

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ

بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھلاتا ہوں تم کو

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

اپنی نشانیاں سو مجھ سے جلدی مت کرو ☆

طبعی جلد بازی نہ کرو:

شاید کفار کے سفیہانہ استہزاء و تمسخر کو سن کر بعضوں کا جی چاہا ہوگا کہ ان بے حیاؤں پر فوراً عذاب آ جائے تو اچھا ہو اور خود کفار بھی بطور استہزاء جلدی مچایا کرتے تھے کہ اگر واقعی ہم تمہارے نزدیک مستحق عذاب ہیں تو وہ عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے۔ دونوں کو بتلایا کہ انسان بڑا جلد باز ہے گویا اس کے خمیر میں جلدی پڑی ہے، چاہئے کہ تھوڑا سا صبر کرو عنقریب میں اپنے قہر و انتقام کی نشانیاں تم کو دکھلا دوں گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

انسان کی جلد بازی:

انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی پیدائش کے بعد حضرت آدم کو پیدا کرنا شروع کیا شام کے قریب جب ان میں روح پھونکی گئی سر آنکھ اور زبان میں جب روح آ گئی تو کہنے لگے الٰہی مغرب سے پہلے ہی میری پیدائش مکمل ہو جائے۔ (ابن کثیر)

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ انسان جلدی ہی کے خمیر کا بنا ہوا ہے۔ یعنی عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے انسان اتنا عجلت پسند اور بے صبرا واقع ہوا ہے کہ گویا اس کے خمیر میں عجلت داخل ہے، اگر کسی شخص سے کسی بات کا صدور کثرت سے ہوتا رہے تو محاورے میں کہا جاتا ہے اس کی تو سرشت میں یہ بات داخل ہے۔

فلانٌ خلق من غضب. خلق فلانٌ من الكرم، فلاں شخص کا خمیر ہی غصہ کا ہے فلاں شخص کی سرشت ہی سخاوت سے ہوئی ہے، ایسا کلام بطور مبالغہ کے کہا جاتا ہے اور مجازی معنی پر محمول ہوتا ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی نے بیان کیا کہ جب حضرت آدم کے سر اور آنکھوں میں روح داخل ہو گئی تو جنت کے پھلوں پر فوراً نظر پڑی اس کے بعد روح پیٹ کے اندر پہنچی تو آپ کو کھانے کی اشتہاء پیدا ہو گئی اور فوراً ٹانگوں تک روح پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھل لینے کے لیے اٹھنے لگے، لیکن اٹھ نہ سکے اور گر پڑے، اسی لیے کہا گیا ہے، خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ، اس آیت میں الانسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں آپ ہی کی عجلت پسندی آپ کی اولاد میں بطور توارث منتقل ہو کر آئی ہے آدمی کی یہ عجلت پسندی ہی ہے کہ کفر کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور عذاب

کی اس کو وعید سنائی جاتی ہے تو فوراً نزول عذاب کا طلبگار ہو جاتا ہے۔

انسانی عجلت پسندی کا منبع:

میں کہتا ہوں صوفیہ صافیہ کے قول کے مطابق تمام عالم اللہ کے اسماء و صفات کا پرتو اور سایہ ہے اور یہ صفاتِ الٰہیہ تعیناتِ خلائق کے مبادی ہیں اور اللہ کی صفات متضاد ہیں (وہ رحیم بھی ہے اور قہار بھی) پس جس طرح صبوز اس کا وصفی نام ہے اسی طرح وہ سریع الحساب بھی ہے عجلت پسندی بھی اس کی ایک صفت ہے اور انسان کے اندر صفت عجلت پسندی کا یہی مبدء ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان کی سرشت اور تخلیق میں عجلت داخل ہے۔

بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ عجل کا معنی ہے گیلی مٹی، کیچڑ، صاحب قاموس نے لکھا ہے۔ عجل بفتح عین وجیم کیچڑ یالیسدار دلدل۔ ایک شاعر کا قول ہے

والنبع في الضخرة الصماء منبته والنخل تنبت من ماء و من عجل

درخت نبع کی پیدائش کا مقام ٹھوس پتھروں میں ہوتا ہے اور کھجور کا درخت پانی اور کیچڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾
سچے ہو☆

قیامت کب آئے گی:

یعنی کہتے رہتے ہو کہ قیامت آئے گی اور سب کافر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلیں گے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر سچے ہو تو قیامت اور جہنم کو ابھی کیوں نہیں بلا لیتے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ
اگر جان لیں یہ منکر اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے
عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ
اپنے منہ سے آگ اور نہ اپنی پیٹھ سے
وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً
اور نہ ان کو مدد پہنچے گی کچھ نہیں وہ آئیگی ان پر ناگہاں
فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ
پھر ان کے ہوش کھودے گی پھر نہ پھیر سکیں گے اس کو اور

لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾
نہ ان کو فرصت ملے گی☆

مشرک قیامت کی حقیقت سے بے خبر ہیں:

یعنی اگر ان پر حقیقت منکشف ہو جائے اور اس ہولناک گھڑی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو کبھی ایسی درخواست نہ کریں۔ یہ باتیں اس وقت بے فکری میں سوجھ رہی ہیں، جب وہ وقت سامنے آجائے گا کہ آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی تو نہ کسی طرف سے اسکو دفع کر سکیں گے، نہ کہیں سے مدد پہنچے گی، نہ مہلت ملے گی، نہ پہلے سے اس کا کامل اندازہ ہوگا، اس کے اچانک سامنے آجانے سے ہوش باختہ ہو جائینگے تب پتہ چلے گا کہ جس چیز کی ہنسی کرتے تھے وہ حقیقت ثابتہ تھی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں رسولوں سے تجھ سے پہلے
فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا
پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے وہ چیز
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾
جس کا ٹھٹھا کرتے تھے☆

ہنسی الٹی پڑتی ہے:

یعنی جس چیز سے ٹھٹھا کرتے تھے اس کی سزا نے گھیر لیا اور ان کی ہنسی ان ہی پر الٹ دی گئی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ
تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے☆

تمہارا محافظ کون ہے؟

یعنی رحمان کے غصہ اور عذاب سے تمہاری حفاظت کرنے والا دوسرا کون ہے؟ محض اس کی رحمت واسعہ ہے جو فوراً عذاب نازل نہیں کرتا لیکن ایسے رحمت والے حلیم و بردبار کے غصہ سے ڈرنا بھی بہت چاہئے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان استہزاء کرنے والوں سے) کہئے کہ رات اور دن میں رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری کون حفاظت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر

میں فرمایا یعنی اگر رحمٰن تم کو عذاب دینا چاہے گا تو تمہارا بچاؤ کون کرے گا یا یہ مطلب ہے کہ اگر رحمٰن کا عذاب تم پر نازل ہوگا تو کون تم کو بچائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب سے دنیا میں بچانے والا سوائے اللہ کی رحمت عامہ کے اور کوئی نہیں۔ اور عذاب کا دفاع اسی وقت ہوگا جب اللہ ہی مہلت دے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں☆

منکر غفلت میں ہیں:

یعنی رحمان کی حفاظت کا ان کو احساس واعتراف نہیں۔ عیش وتنعم اور پر امن زندگی نے پروردگار حقیقی کی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔ اسی لئے جب اس کی طرف سے کوئی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں کہ یہ کہاں کی باتیں شروع کر دیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت شبلیؒ کا معاملہ:

شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یہ فرمایا۔

حاسبو نا قدققوا ثم منوا فاعتقوا
هكذا سمة الملوك المبارک ترفتوا

یعنی انہوں نے ہم سے حساب لیا پس ذرہ ذرہ کا حساب لیا۔ پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔ اسی طرح بادشاہوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے غلاموں پر نرمی کیا کرتے ہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ

کیا ان کے واسطے کوئی معبود ہیں کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا

وہ اپنی بھی مدد نہیں کرسکتے اور نہ

هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کی ہماری طرف سے رفاقت ہو☆

باطل معبود اپنی حفاظت سے عاجز ہیں:

یعنی کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو درکنار خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لئے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری امداد ورفاقت حاصل کرلیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ اور نہ ان کے ساتھ ہماری مدد ہوسکتی ہے جس طرح ان لوگوں کے ساتھ ہوگی جو گناہگار اہل ایمان کی شفاعت کریں گے یعنی انبیاء اولیاء ملائکہ جو گناہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے ان کے ساتھ تو ہماری مدد ہوگی اور ان بتوں کے ساتھ (جن کو کافر اپنا شفیع سمجھتے ہیں) نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہریؒ)

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

کوئی نہیں پر ہم نے عیش دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ

بڑھ گئی ان پر زندگی☆

خدائی مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھانا:

یعنی رحمان کی کلاءت وحفاظت اور بتوں کا عجز وبیچارگی ایسی چیز نہیں جس کو یہ لوگ سمجھ نہ سکیں۔ بات یہ ہے کہ پشتہا پشت سے یہ لوگ بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ کوئی جھٹکا عذاب الٰہی کا نہیں لگا اس پر مغرور ہوگئے اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر حق تعالیٰ کا پیغام اور پیغمبروں کی نصیحت قبول کرنے سے منہ موڑ لیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

اس کے کناروں سے اب کیا وہ جیتنے والے ہیں☆

کیا انہیں حق کی اشاعت نظر نہیں آتی؟

یعنی عرب کے ملک میں اسلام پھیلنے لگا ہے اور کفر گھٹنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہاں کی زمین کافروں پر تنگ ہوتی جارہی ہے۔ ان کی حکومتیں اور سرداریاں ٹوٹتی جارہی ہیں۔ کیا ایسے کھلے ہوئے آثار وقرائن دیکھ کر بھی انہیں اپنا انجام نظر نہیں آتا۔ اور کیا ان مشاہدات کے باوجود وہ اسی کے امیدوار ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں پر ہم غالب ہو نکلیں۔ اگر چشم عبرت ہے تو چاہئے کہ عقل سے کام لیں اور قرائن واحوال سے مستقبل کا اندازہ کریں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کے گرد وپیش کی بستیاں انبیاء کی تکذیب

وعداوت کی سزا میں تباہ کی جا چکی ہیں اور ہمیشہ آخر کار خدا کے وفاداروں کا مشن کامیاب رہا ہے۔ پھر سید المرسلین اور مومنین کاملین کے مقابلہ میں غالب آنے کی انکو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (احقاف۔ رکوع۴) (تنبیہ) اس مضمون کی آیت سورہ رعد کے آخر میں گذر چکی وہاں کے فوائد ملاحظہ کیے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ

تو کہہ میں جو تم کو ڈراتا ہوں سو حکم کے موافق، اور سنتے نہیں

الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

بہرے پکارنے کو جب کوئی ان کو ڈر کی بات سنائے☆

اپنی غفلت کا انجام خود بھگتیں گے:

یعنی ہمارا کام وحی الٰہی کے موافق نصیحت سنا دینا اور انجام سے آگاہ کر دینا ہے۔ دل کے بہرے اگر اس پکار کو نہ سنیں تو ہمارا قصور نہیں۔ وہ خود اپنے بہرے پن کا خمیازہ بھگتیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ

اور کہیں پہنچ جائے ان تک ایک بھاپ

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ

تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہائے کمبختی ہماری

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

بیشک ہم تھے گنہگار☆

ذرا عذاب آئے تو آنکھیں کھلیں گی:

یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے، صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر و انتقام کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھوگئی تو آنکھ کان سب کھل جائینگے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے نفحۃ کا ترجمہ کیا کنارہ بعض نے کہا تھوڑا سا۔ ابن جریج نے کہا نفحۃ یعنی ایک حصہ نَفَحَ فُلَانٌ لِفُلَانٍ، فلاں نے فلاں کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا۔ بعض نے نفحۃ کا ترجمہ کیا مارنا نفحت الذابۃ برجلھا، گھوڑے نے اپنی ٹانگ ماری۔ لغوی اعتبار سے نفحہ خوشبو کی لپٹ کو کہتے ہیں۔

مس، چھو جانا نفحۃ ایک ادنیٰ جھونکا ذرا سی لپٹ۔ اس میں تاوحدت کی ہے، ان دونوں لفظوں سے مبالغہ کا اظہار کیا ہے کہ بڑا عذاب آنا اور پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو در کنار ایک ذرا سی لپٹ ان کو چھو بھی جائے تو موت کو پکارنے لگیں گے اور اپنے ظالم ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ

پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر

حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ

رائی کے دانہ کی تو ہم لے آئینگے اس کو☆

یعنی رائی کے دانہ کی برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا۔ نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائیگی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائیگا (تنبیہ) ''موازین'' میزان کی جمع ہے شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو مگر مختلف اعمال وعمال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق پہلے سورہ ''اعراف'' میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

انصاف کی ترازو:

قسط کے معنی عدل وانصاف کے ہیں معنی یہ ہیں کہ یہ میزان عدل وانصاف کے ساتھ وزن کرے گی۔ ذرا کمی بیشی نہ ہوگی۔ مستدرک حاکم میں بروایت حضرت سلمانؓ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جو میزان وزن اعمال کے لئے رکھی جائے گی اتنی بڑی اور وسیع ہوگی کہ اس میں آسمان و زمین کو تولنا چاہیں تو وہ بھی اس میں سما جائیں۔ (مظہری)

میزان پر ہر ایک کا اعلان ہوگا:

حافظ ابوالقاسم لالکائی نے اپنی سنن میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزان پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور ہر انسان کو اس میزان کے سامنے لایا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو فرشتہ منادی کرے گا جس کو تمام اہل محشر سنیں گے کہ فلاں شخص کامیاب ہوگیا اب کبھی اس کو محرومی نہیں ہوگی، اور اگر نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو یہ فرشتہ منادی کرے گا کہ فلاں شخص شقی اور محروم ہوگیا اب کبھی کامیاب بامراد نہیں ہوگا۔ اور حافظ مذکور نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ جو میزان پر مقرر ہوگا حضرت جبریل امین ہیں۔ (قرطبی)

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا، یعنی یوم حساب اور میزان اعمال کے وقت انسان کے سارے چھوٹے بڑے اچھے برے اعمال حاضر کئے جائیں گے تاکہ حساب اور وزن میں شامل ہوں۔

وزن اعمال کی صورت:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمالنامے تولے جائیں جیسا کہ حدیث بطاقہ سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عین اعمال کو وہاں جواہر مستقلہ کی شکل دے دی جائے اور ان کا وزن کیا جائے عام طور سے روایات اسی پر شاہد ہیں اور جمہور علماء نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔ قرآن مجید میں وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وغیرہ آیات اور بہت سی روایات حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اعمال کا محاسبہ:

ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھا اور بیان کیا یا رسول اللہ میرے دو غلام ہیں جو مجھے جھوٹا کہتے ہیں اور معاملات میں خیانت کرتے ہیں اور میرے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں میں ان کو زبان سے بھی برا بھلا کہتا ہوں اور ہاتھ سے مارتا بھی ہوں، تو میرا اور ان غلاموں کا انصاف کس طرح ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی نافرمانی اور خیانت اور سرکشی کو تولا جائے گا، پھر تمہارے سب وشتم اور مار پیٹ کو تولا جائے گا اگر تمہاری سزا اور ان کا جرم برابر برابر ہوئے تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔ اور تمہاری سزا ان کے جرم سے کم رہی تو وہ تمہارا احسان شمار ہوگا اور اگر ان کے جرم سے بڑھ گئی تو جتنی تم نے زیادتی کی ہے اس کا تم سے انتقام اور قصاص لیا جاویگا۔ یہ شخص یہاں سے اٹھ کر الگ بیٹھ گیا اور رونے لگا، آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ، اس نے عرض کیا کہ اب تو میرے لئے اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ میں ان کو آزاد کر کے اس حساب کے غم سے بے فکر ہو جاؤں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظمؒ)

کچھ علماء نے کہا (میزان سے حقیقی ترازو مراد نہیں ہے بلکہ) ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور اعمال کے مطابق بدلہ دینے کا موازنہ مراد ہے، یعنی بطور تمثیل وتشبیہ مجازاً صحیح طور پر ٹھیک ٹھیک حساب فہمی اور معاوضہ اعمال کو میزان عدل قرار دیا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تاویل درست نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ میزان عدل بصورت ترازو حقیقتاً قائم ہوگی۔ ابن مبارکؒ نے الزہد میں اور آجریؒ نے الشریعۃ میں حضرت سلمان کی موقوف روایت بیان کی ہے۔ اور ابن حبان نے اپنی تفسیر میں بروایت کلبی از ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے اللہ نے آسمان وزمین کی مثل میزان کے دو پلڑے پیدا کیے ہیں۔ الحدیث۔

میزان ایمان کا حصہ ہے:

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے حضرت عمرؓ کا بیان حدیث جبرئیل کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جبرئیل نے کہا محمد! ایمان کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان یہ ہے) کہ تم اللہ کو اس کے ملائکہ کو اس کے پیغمبروں کو جنت اور دوزخ کو اور میزان کو مانو اور مرنے کے بعد اٹھنے پر بھی یقین رکھو اور اچھی بری تقدیر کو بھی عقیدے کے ساتھ تسلیم کرو۔ جبرئیل نے کہا اگر میں ایسا کرلوں گا (یعنی ان تمام چیزوں کو مان لوں گا) تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں جبرئیل نے کہا آپ نے سچ کہا۔

ترازو کی وسعت:

حاکم نے مستدرک میں برشرط مسلم بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سلمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی۔ اگر اس میں آسمانوں کو اور زمین کو تولا جائے گا تو ان کی بھی اس کے اندر سمائی ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

ترمذی اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی راویت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ حضور قیامت کے دن میرے لیے شفاعت فرمائیں، ارشاد فرمایا، میں ایسا کروں گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا سب سے پہلے مجھے صراط پر تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اگر میں وہاں آپ کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا۔ میں نے عرض کیا اگر میزان کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاؤں۔ فرمایا تو حوض کے پاس تلاش کرنا۔ ایسا نہ ہوگا کہ ان تینوں مقامات میں سے کسی ایک جگہ نہ ملوں۔

تین مقام جہاں کوئی کسی کو یاد نہ ہوگا:

حاکم بیہقی اور آجری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا کیا آپ لوگ (یعنی مرد) اپنی بیویوں کو قیامت کے دن یاد کریں گے فرمایا تین مقامات ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

(۱) اس جگہ جہاں میزان قائم کی جائے گی تاوقتیکہ اس کو اپنی میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا معلوم نہ ہو جائے۔

(۲) اس جگہ جہاں صراط قائم کی جائے گی تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ صراط سے نجات پاتا ہے یا نہیں۔

(۳) اس جگہ جہاں اعمالنامے اڑتے ہوں گے تاوقتیکہ اس کو معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا اعمالنامہ کہاں آ کر پڑتا ہے دائیں ہاتھ میں بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے۔

ایسی احادیث بکثرت ہیں جن میں میزان کا ذکر آیا ہے۔ سورت القارعہ کی آیت فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِي عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ کی تفسیر میں کچھ نقل کی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بے ہوشی:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت داود نے اپنے رب سے درخواست کی کہ مجھے میزان دکھادی جائے اللہ نے ان کو میزان (اس حالت میں) دکھادی کہ اس کا ہر پلڑا اتنا تھا کہ مشرق سے مغرب اس کی وسعت تھی حضرت داؤد بیہوش ہوگئے، جب ہوش آیا تو عرض کیا الٰہی ایسا کون ہے جو اپنے نیکیوں کے پلڑے کو بھر سکے، اللہ نے فرمایا داؤد جب میں اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک چھوارے (کو خیرات کرنے سے) اس کی نیکیوں کے پلڑے بھر دوں گا۔

وزن اعمال کے نتائج:

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے، قیامت کے دن لوگوں کا محاسبہ کیا جائے گا، جس کی نیکیوں کی تعداد برائیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کے گناہوں کی تعداد نیکیوں سے ایک بھی زائد ہوگی وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ایک دانہ کے وزن سے میزان ہلکی یا بھاری ہو جائے گی اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا اور اس کو صراط پر روک لیا جائے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾
اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ☆

اللہ کا حساب فیصلہ کن ہوگا:

یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کسی مددگار کی ضرورت ہے۔ آگے بتلایا کہ انذار و تخویف کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے آج جن باتوں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے ہیں انبیاء سابقین بھی ان سے ڈراتے چلے آئے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

پچھلی امتوں کے انجام:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کیے ہیں کہ ہم کفر پر اسلام کو غالب کرتے چلے آئے ہیں کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر رہا ہے اور کس طرح جھٹلانے والی اگلی امتوں کو اس نے ملیا میٹ کر دیا اور مومن بندوں کو نجات دے دی۔

کلمہ شہادت کا وزن:

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں وزن دار ہیں خدا کو بہت پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

دو عظیم کلمے:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے اپنے پاس بلائے گا اور اس کے گناہوں کے ایک کم ایک سو دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے جہاں تک نگاہ کام کرے وہاں تک کا ایک ایک دفتر ہوگا پھر اس سے جناب باری دریافت فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنے کیے ہوئے ان گناہوں میں سے کسی کا انکار ہے؟ میری طرف سے جو محافظ فرشتے تیرے اعمال لکھنے پر مقرر تھے انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ جواب دے گا خدایا نہ انکار کی گنجائش ہے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظلماً لکھا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تیرے پاس کوئی عذر ہے یا کوئی نیکی ہے؟ وہ گھبرایا ہوا ہوگا کہے گا کوئی نہیں، پروردگارِ عالم فرمائے گا کیوں نہیں بے شک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا اب ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پیش کرو وہ کہے گا خدایا یہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا کرے گا؟ جناب باری فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اب تمام کے تمام دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اس پرچہ کا وزن ان تمام دفتروں سے بڑھ جائے گا۔ یہ جھک جائے گا اور وہ اونچے ہو جائیں گے اور خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں بھی یہ روایت ہے۔

کلمہ طیبہ کا وزن:

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جب ترازوئیں رکھی جائیں گی پس ایک شخص کو لایا جائیگا اور ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اس پر شمار کیا

گیا ہے وہ بھی رکھا جائے گا تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ ابھی اس نے پیٹھ پھیری ہی ہوگی جو خدا کی طرف سے ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا اور کہے گا جلدی نہ کر و ایک چیز اس کی باقی رہ گئی ہے۔ پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں 'لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' ہوگا وہ اس شخص کے ساتھ ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا اور پلڑا نیکی کا جھک جائے گا۔

ایک صحابی کا غلاموں کے ساتھ معاملہ:

مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں میری خیانت بھی کرتے ہیں میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں بھی انہیں مارتا پیٹتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں، اب فرمایئے مارا ان کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا ان کی خیانت نافرمانی جھٹلانا وغیرہ جمع کیا جائے گا اور تیرا مارنا پیٹنا برا کہنا بھی، اگر تیری سزا ان کی خطاؤں کے برابر ہوئی تو تو چھوٹ گیا نہ عذاب نہ ثواب ہاں اگر تیری سزا کم رہی تو تجھے خدا کا فضل وکرم ملے گا اور اگر تیری سزا ان کے کرتوتوں سے بڑھ گئی تو تجھ سے اس بڑھی ہوئی سزا کا انتقام لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابی رونے لگے اور چیخنا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کیا ہوگیا؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یہ سن کر اس صحابی نے کہا یا رسول اللہ ان معاملات کو سن کر تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں، آپ گواہ رہیے کہ یہ سب راہ خدا میں آزاد ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو فیصلے چکانے والی کتاب

وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور روشنی اور نصیحت ڈرانے والوں کو ☆

تورات شریف:

یعنی تورات شریف جو حق و باطل، ہدایت وضلالت اور حلال وحرام کے قضیے چکانے والی اور جہل وغفلت کی اندھیریوں میں روشنی پہنچانے والی اور خدا سے ڈرنے والوں کو نصیحت سنانے والی کتاب تھی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَضِيَآءً عظیم الشان روشنی، جو لوگ حیرت وجہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کو روشنی عطا کرنے والی۔ ذکرا متقیوں کے لیے ہدایت نامہ یادداشت جس سے اہل تقویٰ نصیحت حاصل کرتے تھے یا ذکر سے مراد یہ ہے کہ اس میں ضوابط شرعیہ بیان کیے گئے تھے۔ غرض یہ کہ توریت میں یہ تینوں اوصاف تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے

وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں ☆

متقی لوگ: قیامت کا خطرہ بھی اسی لئے رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں خدا کا ڈر ہے۔ ہر وقت دل میں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے وہاں کیا صورت پیش آئے گی۔ کہیں العیاذ باللہ حق تعالیٰ کی ناراضی اور عذاب کے مورد نہ بن جائیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ نصیحت سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے اتاری

اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

سو کیا تم اس کو نہیں مانتے ☆

قرآن شریف:

یعنی ایک نصیحت کی کتاب یہ قرآن تمہارے سامنے موجود ہے جس کا جلیل القدر عظیم النفع اور کثیر الخیر ہونا، تورات سے بھی زیادہ روشن ہے۔ کیا ایسی واضح اور روشن کتاب کے تم منکر ہوتے ہو جہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اس کی نیک راہ ☆

حکمت ابراہیمی:

یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام سے پیشتر ہم نے ابراہیم کو اس کی اعلیٰ قابلیت وشان کے مناسب رشد وہدایت دی تھی، بلکہ جوانی سے پہلے ہی بچپن میں اس نیک راہ پر ڈال دیا تھا جو ایسے اولوالعزم انبیاء کی شایان شان ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بعض اہل تفسیر نے من قبل کی تشریح کی ہے بالغ ہونے سے پہلے جب کہ حضرت ابراہیمؑ بچہ ہی تھے اور غار سے باہر آئے تھے اور سورج و چاند سے روگرداں ہو کر اللہ ہی کی طرف رخ کیا تھا اور اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ الخ کہا تھا اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے بچپن میں ہی ابراہیمؑ کو نبوت عطا کر دی تھی۔ اسی طرح حضرت یحییٰ

ں کے متعلق فرمایا ہے اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر ☆

یعنی اس کی استعداد و اہلیت اور کمالات علمیہ وعملیہ کی پوری خبر ہم ہی رکھتے ہیں۔ اسلیئے جو رشد و ہدیٰ اس کے حسب حال تھی ہم نے عطا کر دی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ

جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیسی

التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو ☆

بت پرستی پر تنقید: یعنی ذرا ان کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو۔ آخر پتھر کی خود تراشیدہ مورتیاں خدا کس طرح بن گئیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ☆

بے دلیل مذہب: یعنی عقل وفطرت اور نقل معتد بہ کی کوئی شہادت ہماری تائید میں نہیں ہے نہ سہی لیکن بڑی بھاری دلیل بت پرستی کے حق وصواب ہونے کی یہ ہے کہ اوپر سے ہمارے باپ دادا ان ہی کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر ہم اپنے بڑوں کا طریقہ کیسے چھوڑ دیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

بولا مقرر رہے تم اور تمہارے باپ دادے

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

صریح گمراہی میں

چھوٹے بڑے سب گمراہ:

یعنی اس دلیل سے تمہاری حقانیت اور عقلمندی ثابت نہ ہوئی۔ ہاں یہ ثابت ہوا کہ تمہارے باپ دادا بھی تمہاری طرح گمراہ اور بیوقوف تھے جن کی کورانہ تقلید میں تم تباہ ہو رہے ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

بولے کیا تو ہمارے پاس لایا ہے سچی بات یا تو کھلاڑیاں کرتا ہے ☆

قوم میں اضطراب: تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا خیال او رعقیدہ یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بولا نہیں رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ

جس نے ان کو بنایا اور میں اسی بات

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

کا قائل ہوں ☆

حضرت ابراہیم کا استقلال:

یعنی میرا عقیدہ ہی یہ ہے اور پورے یقین وبصیرت سے اس کی شہادت دیتا ہوں کہ میرا تمہارا سب کا رب وہ ہی ایک خدا ہے جس نے آسمان زمین پیدا کئے اور ان کی دیکھ بھال رکھی۔ کوئی دوسری چیز اس کی خدائی میں شریک نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَطَرَهُنَّ، یعنی بغیر سابقہ نظیر کے اللہ نے ان کو نیست سے ہست کیا ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے بعد فَطَرَهُنَّ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جاہل لوگ رب کا اطلاق بادشاہ (اور ہر سرپرست) پر بھی کرتے ہیں اور نمرود نے تو کہا ہی تھا اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ، اس خیال کو دفع کرنے کے لیے فرمایا، اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا ایسا رب ہے کہ اسی نے ان کو پیدا کیا اور وہی عدم محض سے وجود میں لایا ہے۔ بل کے لفظ سے گریز ہے یعنی میں تفریح کے لیے ایسی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ زمین وآسمان شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، یہ سب ممکن اور محل حوادث ہیں یہ اپنی ہستی میں ایسے واجب الوجود کے محتاج ہیں جو وحدہ لاشریک اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے پس وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ میں بھی ان خاموش شہادت دینے والوں میں سے ہوں، اور زبان اور دل سے اس کی توحید ذاتی وصفاتی کی شہادت دے رہا ہوں۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ

اور قسم اللہ کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب

تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر ☆

قوم کو چیلنج:

یہ بات ذرا آہستہ کہی کہ بعض نے سنی، بہتوں نے نہ سنی، جنہوں نے سنی اس کی کچھ پروانہ کی، کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ تنہا ایک نوجوان ساری قوم کے معبودوں کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی:

سدی نے کہا قوم نمرود کا سالانہ تہوار پر ایک میلہ ہوتا تھا جب وہ میلہ سے واپس آتے تھے تو سیدھے بتوں کے پاس آتے تھے ان کو سجدے کرتے تھے پھر گھروں کو جاتے تھے حسب معمول جب میلہ کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم سے ان کے باپ نے کہا تم بھی اگر ہمارے ساتھ میلے کو چلو تو بہتر ہے ہمارا دین (رواج، مذہبی دستور) تم کو پسند آئے گا۔ باپ کے کہنے سے حضرت ابراہیم ان کے ساتھ ہو لیے کچھ راستہ طے کیا تھا کہ آپ نے خود اپنے کو زمین پر گرا لیا اور کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاؤں میں چوٹ آگئی ہے جب سب لوگ چلے گئے اور صرف کمزور لوگ پیچھے رہ گئے تو حضرت نے پکار کر وہ الفاظ کہے جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے لوگوں نے آپ کے الفاظ سن لیے پھر حضرت ابراہیم لوٹ آئے اور بت خانہ کی طرف پہنچے تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار بندر کھے ہوئے تھے بت خانہ کے دروازہ کے سامنے سب سے بڑا بت تھا اس کی برابر اس سے چھوٹا پھر اس کی برابر اس سے بھی چھوٹا اسی طرح سب کی قطار تھی اور سب کے سامنے تیار کھانا بھی رکھا ہوا تھا کھانا اس لیے سب کے سامنے چنا گیا تھا کہ بتوں کی وجہ سے کھانے میں برکت آجائے اور میلہ سے واپس آکر سب لوگ اس کو کھائیں۔ حضرت ابراہیم نے بطور استہزاء بتوں سے فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں جب کوئی جواب نہیں ملا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا تم بولتے کیوں نہیں اس کے بعد بتوں کی طرف مڑے اور دائیں ہاتھ سے اس قسم کی وجہ سے جو بتوں کو توڑنے کے سلسلے میں آپ نے کھائی تھی اور فرمایا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بتوں پر ضرب لگائی (آیت میں آیا ہے فراغ علیهم ضربا بالیمین اور یمین دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قسم کو بھی (مترجم) (تفسیر مظہریؒ)

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ
پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید
اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾
اس کی طرف رجوع کریں ☆

بڑے بت کی توہین:

جب وہ لوگ شہر سے باہر ایک میلہ میں گئے تب ابراہیم نے بتخانہ میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ صرف ایک بت کو باقی رہنے دیا جو باعتبار جثہ کے یا تعظیم و تکریم کے ان کے نزدیک سب سے بڑا تھا، اور جس کلہاڑی سے توڑا تھا وہ اس بڑے کے گلے میں لٹکا دی، تا وہ لوگ جب واپس آ کر یہ صورت حال دیکھیں تو قدرتی طور پر ان کا خیال اس بڑے بت کی طرف ہو یا الزاماً اس کی طرف رجوع کرایا جا سکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ ، پس ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا مگر بڑے بت کو بغیر توڑے ان کے لیے چھوڑ دیا۔ جُذٰذًا بروزن فعال بمعنی مفعول ہے جیسے حُطام، یہ جَذّ سے ماخوذ ہے جَذّ کا معنی ہے کاٹنا، بعض اہل لغت کہتے ہیں جُذٰذًا جمع کا صیغہ ہے لیکن اس کا کوئی مفرد نہیں، کبیر سے مراد ہے بڑا بت جس کو حضرت ابراہیمؑ نے نہیں توڑا اور اس کے کاندھے پر تبر رکھدیا۔ فَجَعَلَهُمْ میں جمع مذکر کی ضمیر اس لیے ذکر کی کہ بت پرستوں کے خیال میں ان کے بت ذی علم تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ
کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ وہ تو
لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾
کوئی بے انصاف ہے ☆

قوم والوں کی حیرت:

یعنی یہ گستاخی اور بے ادبی کی حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کی۔ یقیناً جس نے یہ کام کیا بڑا ظالم اور شریر ہے (استغفر اللہ) یہ شاید ان لوگوں نے کہا ہوگا جن کے کان تک "واللہ لاکیدن اصنامکم" کی آواز نہ پہنچی تھی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ
وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کو کچھ کہا کرتا ہے اس کو کہتے
لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾
ہیں ابراہیم ☆

حضرت ابراہیم بارے قیاس آرائیاں:

یہ کہنے والے وہ لوگ ہونگے جو حضرت ابراہیم کے جملے سن چکے تھے۔ یعنی وہ ہی ایک شخص ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر برائی سے کیا کرتا ہے، یقیناً یہ کام اسی نے کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ
وہ بولے اس کو لے آؤ لوگوں کے سامنے

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾
شاید وہ دیکھیں ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طلبی:

یعنی اس کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے۔ تا معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر اور خود اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائی گی۔ بیشک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم کا مقصود بھی یہ ہی ہوگا کہ مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین ک عاجز و مبہوت کریں اور علیٰ رؤس الاشہاد غلبہ حق کا اظہار ہو۔ (تفسیر عثانی)

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اَعْيُنِ سے مراد ہیں سردار۔ یعنی سرداران قوم اور حکام کے سامنے اس کو لاؤ، محمد بن اسحاق نے کہا يَشْهَدُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ اس کو ہم کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ غرض جب لوگ ابراہیمؑ کے پاس آئے تو۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ
اے ابراہیم بولا نہیں پر یہ کیا ہے ان کے اس بڑے نے
هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾
سو ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں ☆

حضرت ابراہیم کی برسرِ عام تقریر:

یعنی مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس بڑے گرو گھنٹال نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ بھی اس کے پاس موجود ہے، یہ کام کیا ہوگا۔ لیجیے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام و تبکیت میں یہ دعویٰ کیے لیتا ہوں کہ بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا۔ اب آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ کیا دنیا میں ایسا ہوتا نہیں کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو، بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں، اس لئے بہترین صورت میرے تمہارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے ان معبودوں ہی سے دریافت کر لو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا، اگر یہ کچھ بول سکتے ہیں تو کیا ایسے اہم معاملہ میں بول کر میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کر دینگے؟ (تنبیہ) ہماری تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہنا خلاف واقعہ خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقۃً جھوٹ کہا جائے۔ بلکہ ان کی تحقیق و تجہیل کے لئے ایک فرضی احتمال کو بصورت دعویٰ لے کر بطور تعریض و الزام کلام کیا گیا تھا جیسا کہ عموماً بحث و مناظرہ میں ہوتا ہے اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں بظاہر صورت جھوٹ کی معلوم ہوتی ہے اسی لئے بعض احادیث میں اس پر لفظ کذاب کا اطلاق صورۃً کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کی توجیہ میں اور بھی کئی محمل بیان کیے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ ہی تقریر زیادہ صاف بے تکلف اور اقرب الی الروایات ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثانی)

بڑے بت پر الزام کی وجہ:

قال بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ، ابراہیم نے کہا بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے تم ان بتوں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بول سکیں گے (تو بتا دیں گے)

حضرت ابراہیمؑ کو بڑے بت پر بڑا غصہ تھا اور اس سے آپ کو نفرت زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس کی تعظیم زیادہ کرتے تھے اسی لیے بت شکنی کی نسبت آپ نے بڑے بت کی طرف مجازاً کر دی۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ نے بت شکنی پر تعریضِ اقرار نما کی استہزاء کے طرز میں خود بت توڑنے کا اقرار کر لیا۔ جیسے اگر آپ کسی ایسے آدمی کی جو خوشخط نہ ہو کوئی خوشخطی کی تحریر دیکھ کر کہیں کیا یہ تم نے لکھا ہے اور وہ جواب دے میں نے نہیں بلکہ آپ نے لکھا ہے یہ تعریضی اقرار ہے گویا حضرت ابراہیمؑ نے یوں جواب دیا میں نے نہیں کی بلکہ اس بڑے بت نے کی۔ یا یوں کہا جائے کہ بت پرستوں کا یہ اعتقاد تھا کہ بڑے بت کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کی پوجا سے بڑا بت ناراض ہوتا ہے آپ نے ان کے عقیدہ کی نقل کر دی۔

حضرت ابراہیمؑ کی تین باتیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ابراہیم نے تین بار کے علاوہ (صورۃً بھی) جھوٹ نہیں بولا دو بار ذات خداوندی کے متعلق (۱) انی سقیم کہا تھا۔ (۲) اور بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کہا تھا اور (تیسری بار کا واقعہ یہ ہوا کہ کسی روز ابراہیم اور سارہ کا گذر کسی ظالم بادشاہ کی طرف سے ہوا بادشاہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک شخص (نو وارد) ہے جس کے ساتھ بہت ہی حسین عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو بلوایا اور دریافت کیا کہ یہ کون عورت ہے ابراہیم نے کہا میری بہن ہے پھر (واپس آ کر) سارہ سے کہا اگر اس ظالم کو معلوم ہو جاتا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم کو مجھ سے چھین لیتا اب اگر تم سے وہ دریافت کرے تو تم یہی کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو بلوایا اور ابراہیمؑ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ کو اس ظالم کے پاس پہنچایا تو اس نے سارہ پر دست درازی کرنی چاہی لیکن فوراً پکڑ لیا گیا (یعنی غیبی پکڑ ہو گئی)

یہاں تک کہ پاؤں زمین پر پٹکنے لگا اور سارہ سے درخواست کی میرے لیے اللہ سے دعا کر دے، میں تجھے (اچھا ہو کر) کوئی دکھ نہیں دوں گا سارہ نے اللہ سے دعا کی اللہ نے بندش کھول دی دوبارہ پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ پکڑا گیا۔ اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور ضرر نہ پہنچانے کا وعدہ کیا سارہ نے پھر دعا کی اور اللہ نے رہائی دیدی رہائی کے بعد بادشاہ نے کسی دربان کو بلایا اور کہا تو میرے پاس انسان کو نہیں بلکہ جن کو لے کر آیا ہے اس کے بعد اس نے ہاجرہ کو خادمہ کے طور پر سارہ کو دے کر رخصت کر دیا سارہ ابراہیمؑ کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے آپ نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا خبر ہے۔ سارہ نے کہا اللہ نے کافر کے فریب کو اسی کے سینہ پر پلٹ دیا اور اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ (مجھے) دی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا اے ماء السماء کی اولاد (آسمانی پانی مراد خالص نسب کا دعویٰ کرنے والا) یہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعریضات (اور ابہام) کو کذب مجازاً فرمایا کیونکہ بظاہر تعریض کذب کے مشابہ تھی اللہ نے (مشابہت صوری کی وجہ سے) جزاء سیئہکو سیئہ فرمایا ہے، حضرت ابراہیم نے خود صراحۃً فرمادیا کہ تم میری دینی بہن ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نے تعریضی الفاظ بولے تھے (جو بظاہر جھوٹ معلوم ہوتے ہیں اور حقیقت میں سچ ہیں ہر لفظ کے دو معنی ہیں ایک قریب الفہم دوسرے گہرے اور بعید از فہم حضرت ابراہیم کی مراد گہرے معنی تھا جو ان کا مخاطب نہ سمجھ سکا وہ قریب الفہم معنی سمجھ کر دھوکہ میں پڑ گیا)۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ
پھر سوچے اپنے جی میں پھر بولے لوگو
اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾
تم ہی بے انصاف ہو ☆

قوم والوں کا افسوس:

یعنی سمجھے کہ بیکار پتھر پوجنے سے کیا حاصل یا یہ مطلب ہو کہ تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا کہ باوجود ابراہیم کی دھمکی سننے کے یوں ہی لاپروائی سے بتخانہ کھلا چھوڑ کر چلے گئے اپنے معبودوں کی حفاظت کا کوئی سامان کر کے نہ گئے۔ کذا قال ابن کثیرؒ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ
پھر اوندھے ہو گئے سر جھکا کر ☆

احساس شرمندگی:

یعنی شرمندگی سے آنکھ نہیں ملا سکتے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ

پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو جھکا لیا اور (بولے) ابراہیم تم کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ (بت) کچھ بولتے نہیں ہیں۔ یعنی کچھ دیر کے لیے تو عقلوں کی طرف انہوں نے رجوع کر لیا تھا اور سمجھے تھے کہ ابراہیم کی بات درست ہے اور ہم غلطی پر ہیں لیکن پھر کفر کی طرف پلٹ گئے اور جھگڑا کرنے کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے تم یہ بات تو یقیناً جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں ہیں، بات نہیں کرتے، کفر کی طرف پلٹنے کو کسی چیز کو سرنگوں کرنے سے تشبیہ دی سر نیچے ٹانگیں اوپر اعلیٰ کو اسفل اور نچلے کو الٹ کر اونچا کر دینا حق کو نچلا اور کفر کو سر بلند کر دینا ہے۔ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ یعنی یہ بت بات نہیں کر سکتے نہیں تو ہم ان سے دریافت کیا کریں۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾
تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں ☆

یعنی جان بوجھ کر ہم سے ایسی ناممکن بات کا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہیں پتھر بھی بولے ہیں؟ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا
بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے
لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ
ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا بیزار ہوں میں تم سے
وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا کیا تم کو سمجھ نہیں ☆

حضرت ابراہیمؑ کی تعریض:

یعنی پھر تم کو ڈوب مرنا چاہئے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آ سکے، ذرہ برابر نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ مثنوی مولانا روم سے:

عارف رومیؒ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا کہ جو اس بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا۔ اسی اثناء میں ایک بچہ والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا اس بت کو سجدہ کرو عورت مؤمنہ تھی اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین کر آگ میں ڈالدیا گیا کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے بت کو سجدہ کرے پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا اور بچہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بیتاب ہوگئی۔ یکا یک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی کہ اے ماں تم بھی یہاں آجاؤ یہ تو عشرت کدہ ہے یہاں تو خدا کی رحمت جلوہ گر ہو رہی ہے اندر آکر ابراہیم علیہ السلام کے اسرار کا جلوہ دیکھو جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آجا یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوان کرم بچھا ہوا ہے اور اے مسلمانو! تم سب اندر آجاؤ اور پروانہ کرو جس طرح ہو اس آگ میں کود پڑو اور ماں اپنے بچہ کا یہ کلام سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو تم بھی اسی باغ میں آجاؤ۔ یہ سنتے ہی لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے نوبت بایں جارسید کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا، وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے برگشتہ کرے لیکن تقدیر الٰہی نے اس کی تدبیر کو بالکل الٹ دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آگیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

عتاب کردن جهود آتش را　　　　که چرانمی سوزی وجواب او

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب:

رو بآتش کردشه کالے تندخو　　　　آن جهان سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غیظ وغضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہوکر بولا اے تندخو تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی۔

چوں نمی سوزی چه شد خاصیت　　　　یاز بخت ما دگرشد نیست

تو جلاتی کیوں نہیں۔ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدقسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہیں رہی۔

می نه بخشائی تو به آتش پرست　　　　آنکه نه پرستد ترا او چوں برست

اے آگ تو تو اپنے پرستش کرنے والے پر بھی رحم نہیں کرتی۔ پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیونکر بچ گیا۔

هرگز ای آتش تو صابر نیستی　　　　چون نسوزی چیست قادر نیستی

اے آگ تو کسی حال میں بھی صابر نہیں کہ جلانے سے صبر کرے پھر کیا وجہ ہے کہ تو نہیں جلاتی۔ کیا تو جلانے پر قادر نہیں رہی۔

چشم بنداست اے عجب یا ہوش بند　　　　چوں نسوز اند چنیں شعله بلند

اے آگ بڑے تعجب کی بات ہے اور عجب قصہ ہے یہ کیا نظر بندی ہے یا ہوش بندی ہے کہ اتنا بلند شعلہ جلاتا کیوں نہیں۔

جادوئے کردت کسے یا سیمیاست　　　　یا خلاف طبع تو از بخت ما است

اے آگ کیا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی طلسم اور شعبدہ ہے یا ہماری بدقسمتی سے تیرے مقتضائے طبیعت کے خلاف یہ کام ہو رہا ہے۔

گفت آتش من ہانم آتشم　　　　اندر آتا به بنی تا بشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا کہ میں وہی آگ ہوں۔ میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔

طبع من دیگر نگشت وعنصرم　　　　تیغ حقم هم بدستوری برم

میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی۔ میں حق کی تلوار ہوں اس کی اجازت سے کاٹتی ہوں جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بلکہ شمشیر زن کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلاسکوں۔

بر درخرگه سگاں ترکمان　　　　چاپلوسی کرده پیش مہمان

تم نے دیکھا ہوگا کہ ترکمان کے دروازہ پر کتا بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ کتا مہمان کے آگے خوشامد کرنے لگتا ہے اور دم ہلانے لگتا ہے۔

در بخرگه بگذرد بیگانه او　　　　حمله بنیداز سگاں شیرانه او

اور اگر کتا خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گذرتا ہوا دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے

من زسگ کم نیستم در بندگی　　　　کم زتر کی نیست حق درزندگی

اور اگر کتا کے خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گذرتا ہوا دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔

آگ نے کہا کہ میں بندگی اور فرمانبرداری میں کتے سے کم نہیں اور خداوند حی وقیوم زندہ ہونے میں ترکی سے کم نہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا ہے حاصل یہ ہے کہ تم اسباب اور مسببات بالذات اور بالطبع کسی چیز میں موثر نہیں اسباب کے سببیت اور اشیاء کی خاصیت سب اس کے حکم

کے تابع ہے۔

لیکن سبب را آں سبب آورد پیش بے سبب کے شد سبب ہرگز زخویش

ایں سبب را آں سبب عامل کند باز گاہے بے بر دعاطل کند

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا وہ قادر مطلق ہے جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بنا تا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بیکار بنا دیتا ہے۔ جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس کے اختیار میں ہیں۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لئے مثنوی مولانا روم ص ۷۰ دفتر اول دیکھیں

بادہ خاک و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ

حضرت ابومسلم خولانی کا واقعہ:

ایک واقعہ (بطور نمونہ) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تبعین یعنی بعض صحابہؓ کے ساتھ پیش آیا اور وہ حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ابومسلمؒ کو بلایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا یعنی میں نہیں گواہی دیتا۔ اس پر اسود عنسی نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے چنانچہ آگ جلائی گئی اور اس میں ابومسلم کو ڈال دیا گیا۔ پھر اس کو خبر دی گئی کہ وہ اس میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر اسود عنسی خوف زدہ ہو گیا وہ آگ آپ پر بردو سلام بنادی گئی۔ پھر ابومسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور ابوبکر خلیفہ تھے۔ جب مدینہ پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں ابوبکرؓ کے پہلو میں عمر بھی بیٹھے تھے۔ ابومسلم کو دیکھ کر فاروقِ اعظم کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہہ کر ان کو اپنے اور ابوبکر کے درمیان بٹھلایا اور کہا کہ الحمد للہ کہ جس نے موت سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسا شخص دکھلا دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (معارف کاندھلویؒ)

حضرت ابراہیمؑ کا خطاب:

یعنی ابراہیم نے کہا کیا یہ بات جاننے کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں تم ان کو پوجتے ہو نہ بول سکنا اور اپنے پرستاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکنا اور پرستش نہ کرنے والوں کو ضرر پہنچانے کی طاقت نہ رکھنا ایسی کمزوری ہے جو الوہیت کے منافی ہے، تمہاری حالت پر افسوس ہے کہ باطل پر جمے ہوئے ہو باوجودیکہ تمہاری نظر میں بھی اس کا باطل ہونا واضح ہو گیا اور ان معبودوں کی حالت بھی قابل نفرت وافسوس ہے کہ باوجود استحقاق نہ ہونے کے ان کو معبود بنایا جا رہا ہے کیا تم یہ باتیں دیکھتے ہو پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بت قابل پرستش نہیں واجب العبادت اور مستحق معبودیت صرف اللہ ہے۔

تم پر اُف ہے:

اُف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے کراہت کرنے والا اور اکتا جانے والا اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کسی چیز کی تحقیر کے لیے یا بدبو محسوس کر کے جو آواز نکلتی ہے اس کو اف کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک میں ایک مرتبہ کسی طرح بدبو آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدبو محسوس کر لی تو فرمایا اُفِ اُف اور کپڑا ناک کو لگا لیا۔ بیضاوی نے لکھا اُف کا معنی ہے قبح اور بدبو جب وہ لوگ عاجز ہو گئے (اور کوئی جواب بن نہ پڑا) تو آزار اور دکھ دینے کے درپے ہو گئے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ
بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی
إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾
اگر کچھ کرتے ہو ☆

حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کا فیصلہ:

یعنی بحث ومناظرہ میں تو اس سے جیت نہیں سکتے۔ اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ (جو معبود ہماری بلکہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے) ہم ان کی مدد کریں اور ان کے دشمن کو سخت ترین سزا دیں۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو ہم نے کچھ کام نہ کیا۔ چنانچہ اس مشورہ کے موافق حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے کی سزا تجویز ہوئی۔ گویا جس طرح ابراہیمؑ نے بت توڑ کر ان کے دل جلائے تھے، یہ ان کو آگ میں جلا ڈالیں، آخر ظالموں نے جمع ہو کر نہایت اہتمام اور بے رحمی کے ساتھ حضرت ابراہیم کو سخت بھڑکتی ہوئی آگ کے نذر کر دیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِنْ كُنْتُمْ شرط ہے کلام سابق جزاء پر دلالت کر رہا ہے اس لیے آگے جزاء کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بات ایک شخص نے کہی جس کا نام ہنون کہا گیا ہے اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔ بعض نے کہا یہ بات نمرود نے کہی تھی۔ جب نمرود اور اس کی قوم کا باتفاق آراء فیصلہ ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کو آگ میں جھونک دیا جائے تو آپ کو گرفتار کر کے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور باڑہ کی طرح کا ایک احاطہ بنایا یا قریہ کوثی میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور ٹھوس قسم کی لکڑیاں آپ کو جلانے کے لیے وہاں اکٹھی کیں اور عام جوش اس حد تک پہنچ گیا کہ بیمار منت مانتا تھا کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں دوں گا۔ عورتیں اگر مراد مانگتی تھیں تو کہتی تھیں اگر ہماری مراد پوری ہو گئی تو ہم

ابراہیمؑ کو جلانے والی آگ میں لکڑیاں ڈالیں گے لوگ وصیت کرتے تھے کہ ہمارے بعد لکڑیاں خرید کر ڈھیر میں شامل کر دینا عورتیں چرخہ کات کر اس کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر بامید ثواب ڈھیر میں شامل کرتی تھیں۔

حضرت ابراہیمؑ آگ میں:

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب لوگوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لیے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تو آپ نے کہا لا الٰہ الا انت سبحانک لک الحمد و لک الملک لا شریک لک اس کے بعد منجنیق میں رکھ کر آپ کو آگ کی طرف پھینک دیا گیا اسی دوران میں جبرئیل نے سامنے سے آ کر کہا ابراہیم اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو تو میں موجود ہوں حضرت ابراہیم نے کہا مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں، جبرئیل نے کہا تو پھر اپنے رب سے درخواست کیجئے، حضرت ابراہیم نے کہا مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے۔ میری حالت کا اس کو علم ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔

گرگٹ کی مذمت:

کعب احبار کا بیان ہے ہر چیز نے ابراہیمؑ کی آگ بجھانے میں حصہ لیا سوائے گرگٹ کے یہ آگ کو پھونکیں مار رہا تھا (تاکہ مزید اشتعال پیدا ہو)

بغوی نے بوساطت سعید بن مسیب حضرت ام شریک کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا یہ ابراہیمؑ پر (بھڑکتی آگ میں) پھونکیں مار رہا تھا (اور آگ کو بھڑکا رہا تھا)

شیخین نے صحیحین میں اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث نقل کی ہے گرگٹ کو قتل کر دو خواہ کعبہ کے اندر ہی ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو فُوَیسق (فاسق بچہ) فرمایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے گرگٹ کو برچھے کی پہلی ضرب سے قتل کیا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دوسری ضرب سے قتل کیا اس کے لیے اس سے کم (نیکیاں) لکھی جائیں گی اور جس نے تیسری ضرب سے قتل کیا اس کے لیے اس سے بھی کم (نیکیاں لکھی جائیں گی) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہریؒ)

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈک ہو جا اور آرام ابراہیم پر ☆

آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم:

یعنی تکویناً آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا، لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ برودت سے تکلیف پہنچنے لگے۔ ایسی معتدل ٹھنڈک ہو جو جسم و جان کو خوشگوار معلوم ہونے لگے (تنبیہ) آگ کا ابراہیمؑ پر ٹھنڈا ہو جانا ان کا معجزہ تھا۔ معجزہ کی حقیقت یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عام عادت کے خلاف سبب عادی کو مسبب سے یا مسبب کو سبب سے جدا کر دے، یہاں احراق کا سبب (آگ) موجود تھی، مگر مسبب اس پر مرتب نہ ہوا۔ معجزہ وغیرہ کے متعلق مفصل کلام ہم نے ایک مستقل تحریر میں کیا ہے جو رسالہ ''الحمود'' کے کئی نمبروں میں چھپ چکی۔ فلیراجع (تفسیر عثمانی)

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ، ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہو جا ابراہیم کے لیے (حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ سَلٰمًا نہ فرماتا تو آگ کی (انتہائی) سردی کی وجہ سے ابراہیم مر جاتے بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ سَلٰمًا (کُونی کی خبر نہیں ہے بلکہ) فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو کامل طور پر سالم رکھا۔

دُنیا بھر کی آگ بجھ گئی:

بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ اس روز تمام روئے زمین کی آگ بجھ گئی۔ دنیا بھر میں کوئی اس روز آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اگر اللہ علیٰ ابراہیمؑ نہ فرماتا تو ہمیشہ کے لیے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔

میں کہتا ہوں بظاہر آگ کی خاصیت سلب نہیں ہوئی تھی جلانے کی خاصیت حسب معمول موجود تھی لیکن حضرت ابراہیمؑ کے لیے وہ ضرر رساں نہیں رہی تھی۔ علیٰ ابراہیم کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

آگ میں چشمہ اور پھول:

سدی نے کہا ملائکہ نے حضرت ابراہیم کے بازو پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا، آپ نے وہاں اچانک شیریں پانی کا چشمہ اور خوب صورت سرخ گلاب کے پھول (اپنی نظر کے سامنے) دیکھے کعب کا بیان ہے آگ سے حضرت کے جسم کا کوئی حصہ متاثر نہیں ہوا صرف بندھن کی رسی جل گئی۔

آگ میں رہنے کے دن:

اہلِ روایت نے کہا ہے ابراہیمؑ وہاں سات روز رہے۔ منہال بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہا جس آرام اور راحت کے ساتھ میں چند روز آگ میں رہا اتنے آرام سے کبھی نہیں رہا۔

جنت کے تحفے:

ابن یسار نے کہا اللہ نے سایہ کے موکل کو ابراہیمؑ کی صورت عطا فرما کر بھیجا جو آ کر ابراہیمؑ کے پہلو میں آپ کی وحشت دور کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ اور بحکم خدا حضرت جبرئیل جنت کا ایک قمیص اور مسند لے کر آئے قمیص حضرت ابراہیم کو پہنایا اور مسند پر بٹھایا اور خود بھی آپ کے ساتھ مسند پر باتیں کرنے

کے لیے بیٹھ گئے اور اللہ کی طرف سے پیام پہنچایا اور کہا آپ کا رب فرماتا ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میرے دوستوں کو آگ ضرر نہیں پہنچایا کرتی ہے۔

آگ ہی میں نمرود کے ساتھ گفتگو:

کچھ مدت کے بعد نمرود نے ایک اونچی عمارت کے اوپر سے حضرت ابراہیمؑ کو جھانک کر دیکھا اور آپ کو باغ میں بیٹھا پایا اور ایک فرشتہ کو (بصورتِ انسان) آپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا اور آپ کے چاروں طرف آگ ہی آگ تھی جو لکڑیوں کو جلا رہی تھی یہ منظر دیکھ کر پکار کر کہا ابراہیمؑ تیرا معبود بہت بڑا ہے جس کی قدرت اس حد تک ہے کہ وہ تیرے اور اس (آگ) کے درمیان حائل ہوا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم کیا تو اس سے نکل بھی سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں، نمرود نے کہا کیا تجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر وہاں رہے گا تو آگ تجھے دکھ پہنچائے گی؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا نہیں۔ نمرود نے کہا تو پھر اٹھ کر وہاں سے نکل آ حضرت ابراہیمؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگ میں قدموں سے چل کر باہر آ گئے۔ نمرود نے کہا ابراہیم! وہ کون آدمی تھا جو تمہارے پہلو میں میں نے بیٹھا دیکھا تھا؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا وہ سایہ کا موکل تھا، میرے رب نے آگ کے اندر میری وحشت دور کرنے کے لیے اس کو میرے پاس بھیجا تھا، نمرود نے کہا میں تیرے معبود کے لیے کچھ قربانی پیش کرنی چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کی قدرت اور طاقت کا ظہور تیرے معاملے میں دیکھ لیا ہے کہ جب تو نے اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے انکار کر دیا اور اس کی توحید پر قائم رہا تو اس نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ میں اس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں گا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب تک تو اپنا مذہب چھوڑ کر میرے مذہب کو نہ اختیار کر لے گا میرا رب تیری قربانی قبول نہیں کرے گا۔ نمرود نے کہا میں اپنی سلطنت تو نہیں چھوڑ سکتا (مذہب تبدیل کروں گا تو سلطنت چھوڑنا پڑے گی) ہاں قربانی ضرور پیش کروں گا۔ چنانچہ نمرود نے چار ہزار گایوں کی قربانی کر دی اور پھر ابراہیمؑ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اللہ نے ابراہیم کو محفوظ کر دیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝۷۰

اور چاہنے لگے اس کا برا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں ☆

ابراہیم کے مخالف خود ناکام ہو گئے:

یعنی ابراہیم کا برا چاہتے تھے۔ لیکن خود ناکامی، ذلت اور خسارہ میں پڑ گئے حق کی صداقت برملا ظاہر ہوئی اور اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ قال فی "البحر المحیط" قد اکثر الناس فی حکایة ما جرىٰ لابراهیم علیه السلام. والذی صح هو ما ذکره الله تعالیٰ من انه علیه السلام القی فی النار فجعلها الله علیه بردا و سلما"۔ (تفسیر عثمانی)

دشمن کے مقابلے کی دُعاء:

مروی ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا آپ نے فرمایا حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔

مروی ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تیری ذات پاک ہے تمام حمد و ثنا تیرے ہی لیے سزاوار ہے سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک و ساجھی نہیں۔ حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی، واللہ اعلم۔

حضرت ابراہیمؑ کا توکل علی اللہ:

بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب خدا کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈا کر دوں، لیکن براہ راست حکم خداوندی آگ ہی کو پہنچا کہ میرے خلیل پر تو سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

والد ابراہیم کا اچھا قول:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے اس وقت آپ کو اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔

گرگٹ کو مارنے کا حکم:

قتادہؒ فرماتے ہیں اس دن جو جانور نکلا وہ آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور اسے فاسق کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مار ڈالنے کے لیے۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے یہ اور پھونک رہا تھا پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

قوم نمرود کی ناکامی:

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ کی تشریح میں بعض لوگوں نے کہا کہ قوم نمرود کی مراد حاصل نہیں ہوئی چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے اور مہنگائی بڑھ گئی۔ بعض نے کہا اللہ نے مچھروں کی فوج بھیج دی جس نے نمرود کا گوشت کھالیا اور ایک مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا، جس کی وجہ سے نمرود ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابراہیم پر ایمان لانے والے اور آپ کی ہجرت:

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اللہ نے جب ابراہیمؑ کے لیے آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی بخش کر دیا تو یہ منظر دیکھ کر آپ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن نمرود اور اس کے حکام کا خوف تھا (اس لیے انہوں نے ایمان کا اعلان نہیں کیا) منجملہ ان کے آپ کے بھتیجے لوط بن ہاران بن تارخ بھی ایمان لے آئے حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا جو حضرت لوط کا دادا تھا تارخ بن ثالث تھا، ثالث کو ناخور بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی سارہ بنت ہاران بھی ایمان لے آئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے قریہء کوثی (علاقہ عراق) کو چھوڑ دیا اور لوط و سارہ کو ساتھ لیکر ترکِ وطن کر دیا۔ آپ کا یہ ترکِ وطن اللہ کے واسطے تھا اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی غرض سے تھا اور اطمینان سے اپنے رب کی عبادت کرنے کے لیے تھا، آپ نے فرمایا تھا اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ. لوط کے مومن ہونے کا ذکر اللہ نے آیۃ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ میں فرمایا ہے۔ کوثی سے چل کر آپ حران پہنچے کچھ مدت وہاں قیام کیا پھر وہاں سے چل کر مصر پہنچے پھر مصر سے شام کی طرف چل دیئے اور علاقہ فلسطین میں سبع کے مقام پر اترے یہاں سے موتفکات کی بستیاں وسدوم وغیرہ جو بحیرہ میت کے ساحل کی پانچ بستیاں تھی۔ مترجم) چوبیس گھنٹے کی مسافت پر تھیں حضرت لوط وہاں چلے گئے اور اللہ نے ان کو پیغمبر بنا کر وہاں بھیج دیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

اور بچا نکالا ہم نے اسکو اور لوط کو اس زمین کی طرف جس میں

بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے ☆

حضرت ابراہیمؑ کا مقامِ ہجرت اور اس کے فضائل:

یعنی حضرت ابراہیم کو مع حضرت لوطؑ کے صحیح سالم ملک شام میں لے گئے جہاں بہت سی ظاہری و باطنی برکات ودیعت کی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا تم مدینہ میں منتقل کیوں نہیں ہو جاتے وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ ہجرت ہے اور روضہء پاک بھی وہیں ہے۔ کعب نے کہا امیر المومنین! میں نے اللہ کی کتاب (توریت) میں پڑھا ہے کہ ارض شام تمام زمین میں اللہ کا خزانہ ہے اور وہیں اللہ کے (خاص) بندوں کا خزانہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ آئندہ ہجرت ہوگی (لوگ وطن چھوڑ چھوڑ کر بھاگیں گے) پس بزرگ مرتبہ والے لوگ ابراہیمؑ کے مقام ہجرت کی طرف چلے جائیں گے۔ دوسری روایت میں آیا ہے ابراہیمؑ کے مقام ہجرت سے جو لوگ چمٹے رہیں گے وہ زمین کے تمام باشندوں میں برگزیدہ ہوں گے اور (باقی) زمین پر برے لوگ رہ جائیں گے ان کی زمینیں ان کو باہر نکال پھینکیں گی اللہ ان سے نفرت کرے گا بندروں اور سوروں کے ساتھ ایک آگ ان کو ہنکائے گی جہاں وہ رات کو قیام کریں گے آگ بھی رات کو ان کے ساتھ رہے گی اور جہاں وہ دوپہر کو ٹھیریں گے آگ بھی دوپہر کو ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام کے لیے خوشی ہو ہم نے عرض کیا کس وجہ سے فرمایا، رحمت کے فرشتے اپنے پر پھیلائے اس پر سایہ فگن ہوں گے۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آگ حضرموت (یمن) کی طرف سے نکلے گی یا یہ فرمایا کہ حضرموت سے ایک آگ لوگوں کو ہنکا کر لائے گی ہم نے عرض کیا پھر حضور ہم کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا تمہارے اوپر شام (میں رہنا یا آجانا) لازم ہے۔ رواہ الترمذی

حضرت ابوجوالہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ تمہاری تین مجتمع فوجیں ہو جائینگی ایک فوج شام میں ایک فوج یمن میں اور ایک فوج عراق میں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں نے وہ زمانہ پالیا تو مجھے حکم دیجیے (میں اس وقت کیا کروں) فرمایا تیرے اوپر شام (میں رہنا یا آجانا) لازم ہے اللہ کی زمین میں شام کی سرزمین برگزیدہ ہے۔ برگزیدہ بندے ہی اس کی طرف آئیں گے اگر تم ایسا نہ کر سکو تو پھر یمن (میں رہنا یا اہلِ یمن کا ساتھ دینا) تم پر لازم ہے اللہ نے میرے لیے شام اور اہلِ شام کی ذمہ داری لی ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد

شریح بن عبید کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے سامنے اہلِ شام کا ذکر آیا اور لوگوں نے کہا امیر المومنین ان پر لعنت کیجیے، فرمایا نہیں، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہوں گے جب ان میں سے کوئی مرجائے گا تو کے بدل میں اللہ

کسی اور شخص کو مقرر فرما دے گا ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور انہیں کی وجہ سے دشمنوں پر فتح عطا کی جائے گی اور انہیں کے سبب سے اہل شام کی طرف سے عذاب کا رخ پھیر دیا جائے گا۔ رواہ احمد

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے اپنے سر کے نیچے سے نور کا ایک عمود نکلتا دیکھا یہ ستون جگمگاتا رہا یہاں تک (کہ اوپر اٹھنے کے بعد) شام میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ (رواہ البیہقی فی الدلائل) (تفسیر مظہریؒ)

ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔

قتادہؒ فرماتے ہیں آپ کو عراق کی سرزمین سے خدا نے نجات دی اور شام کے ملک میں پہنچایا شام ہی نبیوں کا ہجرت کدہ رہا۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام کی کمی فلسطین میں زیادتی ہوتی ہے۔ شام ہی محشر کی سرزمین ہے یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے یہیں دجال قتل کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ

اور بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب دیا انعام میں☆

بیٹا اور پوتا:

یعنی بڑھاپے میں بیٹا مانگا تھا، ہم نے پوتا بھی دیدیا۔ یعنی یعقوب علیہ السلام۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ، ابن زیدؒ اور قتادہؒ کا قول مروی ہے کہ نَافِلَةً صرف یعقوبؑ تھے نَافِلَةً کا معنی ہے زائد۔ حضرت ابراہیم نے اللہ سے بیٹا مانگا تھا اور دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور اسحاق بیٹا عطا فرمادیا اور مزید اپنی طرف سے (بلا طلب) پوتا یعقوب بھی عطا کردیا۔

اس صورت میں نَافِلَةً یعقوب سے حال ہوگا۔ اس کا قرینہ موجود ہے اس لیے عبارت میں کوئی کمزوری نہیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾

اور سب کو نیک بخت کیا☆

اعلیٰ درجہ کے صالح:

یعنی ابراہیم، لوط، اسحٰق یعقوب اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں ہیں۔ کیونکہ سب نبی ہوئے اور انبیاء سے بڑھ کر نیکی کس میں ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا

اور ان کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے تھے ہمارے حکم سے☆

یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ

اور کہلا بھیجا ہم نے ان کو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنا

الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ

نماز اور دینی زکوٰۃ☆

علمی کمال:

یعنی ان کی طرف وحی بھیجی جس میں ان امور کی تاکید تھی۔ یہ ان کا کمال علمی ہوا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿٧٣﴾

اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ہوئے☆

عملی کمال:

یعنی شب و روز ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے کسی دوسری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ یہ ہی انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ ان کا ہر کام خدا کی بندگی کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ یہ عملی کمال ہوا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ☆

حضرت لوط علیہ السلام کا علم ودانائی:

یعنی حکمت وحکومت اور علم وفہم جو انبیاء کی شان کے لائق ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ

اور بچا نکالا اسکو اس بستی سے جو کرتے تھے

الْخَبَائِثَ ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿٧٤﴾

گندے کام وہ تھے لوگ بڑے نافرمان☆

شہر سدوم:

بستی سے مراد "سدوم" اور اس کے ملحقات ہیں۔ وہاں کے لوگ خلاف فطرت افعال کے مرتکب اور بہت سے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ ان کا قصہ پہلے کئی جگہ گذر چکا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت لوط علیہ السلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر ان

آیات میں آیا ہے اس بستی کا نام سدوم تھا اس کے تابع سات بستیاں اور تھیں جن کو جبرئیل نے الٹ کر تہ و بالا کر ڈالا تھا صرف ایک بستی باقی چھوڑ دی تھی جس میں لوط علیہ السلام مع اپنے متعلقین مومنین کے رہ سکیں (قالہ ابن عباس۔ قرطبی)

سدوم والوں کی گندی عادت:

تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ، خبائث خبیثہ کی جمع ہے، بہت سی خبیث اور گندی عادتوں کو خبائث کہا جاتا ہے، یہاں ان کی سب سے بڑی خبیث اور گندی عادت جس سے جنگلی جانور بھی پرہیز کرتے ہیں لواطت (عمل قوم لوط) تھی، یعنی مرد کا مرد کے ساتھ شہوت پوری کرنا، یہاں اسی ایک عادت کو اس کے بڑے جرم ہونے کے سبب خبائث کہہ دیا گیا ہو تو یہ بھی بعید نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسری خبیث عادتیں ان میں ہونا بھی روایات میں مذکور ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں بحوالہ روح المعانی گزر چکا ہے اس لحاظ سے مجموعہ کو خبائث کہنا تو ظاہر ہی ہے۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظمؒ)

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی رحمت میں وہ ہے نیک بختوں میں ☆

لوط علیہ السلام پر رحمتِ خداوندی:

یعنی جب لوطؑ کی قوم پر عذاب بھیجا تو لوطؑ اور اس کے ساتھیوں کو ہم نے اپنی مہربانی اور رحمت کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ تا نیکوں کا اور بدوں کا انجام الگ الگ ظاہر ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ، اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا، کیونکہ وہ بلاشبہ نیکوں میں سے تھے۔

حرمت سے مراد ہے اہلِ رحمت یا جنت، میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ عالم مثال میں بنظر کشف اللہ کی صفات بصورت دائرہ دکھائی دیتی ہوں اور یہ بھی نظر آتا ہو کہ صوفی اپنی حقیت کے فناء اور صفاتِ الٰہی کے ساتھ بقاء کے مرتبے میں داخل ہو رہا ہے۔ (گویا نَجَّیْنٰهُ سے مراد یہ ہے کہ لوطؑ کو کثافت ذاتی سے ہم نے نکال دیا اور وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنی صفات کے دائرے میں اس کو داخل کر دیا) الصالحین یعنی وہ لوگ جن کے لیے پہلے سے ہی اللہ نے بھلائی مقدر کر دی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ

اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے

حضرت نوح علیہ السلام:

یعنی ابراہیم اور لوط سے پہلے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

پھر ہم نے قبول کر لی اس کی دعا سو بچا دیا اسکو اور اس کے گھر والوں کو

الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ

بڑی گھبراہٹ سے اور مدد کی اس کی

الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں وہ تھے

قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾

بُرے لوگ پھر ڈبا دیا ہم نے ان سب کو ☆

حضرت نوحؑ کی تکالیف:

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں سخت زہرہ گداز سختیاں اٹھائیں۔ آخر دعا کی "اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" (قمر رکوع ۱) اور "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا" (نوح رکوع ۲) حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ کافروں کو طوفان سے غرق کر دیا اور نوح کو مع ہمراہیوں کے طوفان کی گھبراہٹ اور کفار کی ایذا دہی سے بچا لیا۔ ان کا مفصل قصہ پہلے گذر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سخت غم سے نجات دی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، ڈوبنے سے اور قوم کی جانب سے تکذیب سے نجات دی۔ حضرت نوح کی عمر تمام انبیاء سے زیادہ ہوئی۔ اور سختیاں بھی آپ نے سب سے زیادہ برداشت کیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قوم والے حضرت نوح کو مارتے تھے اور اتنا مارتے تھے کہ اپنے خیال میں مردہ کر دیتے تھے پھر ایک نمدہ میں لپیٹ کر گھر میں ڈال دیتے تھے، لیکن دوسرے روز آپ پھر گھر سے برآمد ہو کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ عبید بن عمیر لیثی نے کہا مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ لوگ حضرت نوح کو پکڑ کر آپ کا گلا گھونٹتے کہ آپ بیہوش ہو جاتے پھر ہوش آتا تو کہتے میرے رب میری قوم کو بخش دے وہ ناواقف ہیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصل کرنے

الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ

کھیتی کا جھگڑا جب روند گئیں اس کو رات میں ایک قوم کی بکریاں

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا

اور سامنے تھا ہمارے ان کا فیصلہ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ

سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ

فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ☆

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا واقعہ:

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے صاحبزادے ہیں، اور خود نبی ہیں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حکومت وقوت فیصلہ اور علم وحکمت عنایت فرمائے تھے۔ حضرت سلیمان بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ کی باتیں کرتے تھے کہ سننے والے حیران رہ جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں کھیتی کا نقصان ہوا، حضرت داؤد نے یہ دیکھ کر کہ بکریوں کی قیمت اس مالیت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نقصان اٹھایا تھا۔ یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دیدی جائیں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پیئے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہوجائے تو بکریاں لوٹادیں اور کھیتی لے لیں اس میں دونوں کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤد نے بھی یہ فیصلہ سن کر تحسین فرمائی اور اپنے اجتہاد سے رجوع کیا۔ گویا اصول فقہ کی اصطلاح میں سلیمان علیہ السلام کے استحسان کو اپنے قیاس کے مقابلہ میں قبول فرمالیا۔ باپ بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شرکائے مقدمہ کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قوت اور سمجھ عنایت کی تھی۔ لیکن اصل گر کی بات اس نے سلیمان کو سجھادی وہ اس نتیجہ پر پہنچے جو اللہ کے نزدیک اصلح واصوب تھا، اور جسے آخر کار داؤد نے بھی قبول کیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بادشاہ ہوکر بھی مخلوق کے چھوٹے چھوٹے معاملات کی طرف اسی قدر توجہ فرماتے ہیں جیسے بڑے بڑے مہم کاموں کی طرف۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے، نَفَشَتْ کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے، اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں ھَمل کہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا۔ حضرت داؤد نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کیا اے نبی اللہ اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کردی جائیں وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکریوں والے کو دے دیا جائے یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہوجائیں انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آجائیں جس پر تھیں تو باغ والے کو یہ اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ (حضرت) سلیمان کو سمجھا دیا۔

قاضی کی ذمہ داری اور حضرت الیاس کا وہم:

مروی ہے کہ حضرت ایاس بن معاویہؒ سے جب کہ قاضی بننے کی درخواست کی گئی تو وہ حضرت حسنؒ کے پاس آئے اور رو دیئے، پوچھا گیا کہ اے ابوسعید آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا پھر بھی غلطی کی وہ جہنمی ہے اور جو خواہش نفس کی طرف جھک گیا وہ بھی جہنمی ہے ہاں جس نے اجتہاد کیا اور صحت پر پہنچ گیا وہ جنت میں پہنچا۔ حضرت حسن یہ سن کر فرمانے لگے سنو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی قضاۃ کا ذکر فرمایا ہے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکم ہوتے ہیں ان کے قول سے ان لوگوں کی باتیں رد ہوسکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی تعریف تو بیان فرمائی ہے لیکن حضرت داؤدؑ کی مذمت بیان نہیں فرمائی۔ پھر فرمانے لگے سنو تین باتوں کا عہد اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے لیا ہے ایک تو یہ کہ وہ احکام شرع دنیوی نفع کی وجہ سے بدل نہ دیں دوسرے یہ کہ اپنے دلی ارادوں اور خواہشوں کے پیچھے نہ پڑ جائیں تیسرے یہ کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اے داؤد ہم نے تجھے زمین کا خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کرتا رہ خواہش کے پیچھے نہ پڑ کہ راہ خدا سے بہک جائے۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب حاکم اجتہاد اور کوشش کرے پھر صحت تک بھی پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جب پوری کوشش کے بعد بھی غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت ایاس کو جو وہم تھا کہ باوجود پوری جدوجہد کے بھی خطا کر جائے تو دوزخی ہے یہ غلط ہے واللہ اعلم۔

تین قسم کے قاضی:

سنن کی اور حدیث میں ہے قاضی تین قسم کے ہیں ایک جنتی دو دوزخی۔ جس نے حق کو معلوم کرلیا اور اسی سے فیصلہ کیا وہ جنتی اور جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جہنمی اور جس نے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ دیا وہ بھی جہنمی۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے قریب ہی وہ قصہ ہے۔

دو عورتوں کے جھگڑے کا فیصلہ:

جو مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے بھیڑیا آ کر ایک بچے کو اٹھا لے گیا اب ہر ایک دوسری سے کہنے لگی کہ تیرا بچہ گیا اور جو ہے وہ میرا بچہ ہے آخر یہ قصہ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہوا آپ نے بڑی عورت کو ڈگری دے دی کہ یہ بچہ تیرا ہے یہ یہاں سے نکلیں، راستے میں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے آپ نے دونوں کو بلایا اور فرمایا چھری لاؤ میں اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا آدھا ان دونوں کو دے دیتا ہوں، اس پر بڑی تو خاموش ہو گئی لیکن چھوٹی نے واویلا شروع کر دیا کہ خدا آپ پر رحم کرے، آپ ایسا نہ کیجیے یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے اسی کو دید یجیے۔ حضرت سلیمانؑ اس معاملہ کو سمجھ گئے اور لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر باب باندھا ہے کہ حاکم کو جائز ہے کہ اپنا فیصلہ دل میں رکھ کر حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے اس کے خلاف کچھ کہے۔

ایک عورت پر الزام کا واقعہ:

ایسا ہی ایک واقعہ ابن عساکر میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت سے ایک رئیس نے ملنا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا اسی طرح تین اور شخصوں نے بھی اس سے بدکاری کا ارادہ کیا لیکن وہ باز رہی اس پر وہ رؤسا کڑھ گئے اور آپس میں اتفاق کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں جا کر سب نے گواہی دی کہ وہ عورت اپنے کتے سے ایسا کام کراتی ہے۔ چاروں کے متفقہ بیان پر حکم ہو گیا کہ اسے رجم کیا جائے۔ اسی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ حاکم بنے اور چار لڑکے ان لوگوں کی طرح آپ کے پاس اس مقدمے کو لائے اور ایک عورت کی نسبت یہی کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان چاروں کو الگ الگ کر دو پھر ایک کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیسا تھا؟ اس نے کہا سیاہ، پھر دوسرے کو تنہا بلایا اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سرخ، تیسرے نے کہا خاکی چوتھے نے کہا سفید۔ آپ نے اسی وقت فیصلہ دیا کہ عورت پر یہ نری تہمت ہے اور ان چاروں کو قتل کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

قاضی کے فیصلہ کی حیثیت اور اس کی ترمیم و تنسیخ:

اگر کسی قاضی نے نصوصِ شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اٹکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاقِ امت مردود و باطل ہے دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصولِ اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا جائے گا تو فسادِ عظیم ہو گا اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے گا اور روز حلال و حرام بدلا کریں گے۔ البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا ہے اب از روئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلے اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے تو اس کا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جو ایک مفصل خط حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام قضاء اور فصل مقدمات کے اصول پر مشتمل لکھا تھا اس میں اس کی تصریح ہے کہ فیصلہ دینے کے بعد اجتہاد بدل جائے تو پہلے فیصلہ کو بدل دینا چاہئے۔ یہ خط دار قطنی نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے، (قرطبی ملخصاً) اور شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط باب القضاء میں بھی یہ خط مفصل دیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی قاضیوں کو نصیحت:

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دو فریق کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ کسی بات پر صلح کرانے کی کوشش کریں اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں میں بغض و عداوت کا بیج قائم ہو جاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہیئے بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہو جاتی ہے (از معین الحکام)

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ، پس ہم نے (صحیح) فیصلہ یا فتویٰ سلیمانؑ کو سمجھا دیا (ان کی سمجھ میں ڈال دیا) اس جگہ کچھ کلام محذوف ہے، پورا کلام اس طرح تھا۔ ہمارے سمجھانے کے مطابق سلیمان نے فیصلہ کر دیا اور داؤدؑ نے اپنا فیصلہ منسوخ کر کے سلیمان کا فیصلہ جاری کر دیا۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر حاکم کی رائے بدل جائے تو حکم جاری کرنے سے پہلے وہ سابق فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔

کھیتی کے فیصلہ کی دوسری روایت:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ قتادہؒ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤد کے پاس آئے، ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ کھیت والے نے کہا اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں پڑ گئیں اور (سارا کھیت چر گئیں) کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ حضرت داؤدؑ نے فیصلہ کیا کہ کھیت کے عوض وہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں۔ حضرت داؤدؑ کے پاس سے دونوں حضرت سلیمان کے پاس آئے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا تم دونوں کے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا جو فیصلہ حضرت داؤدؑ نے کیا تھا دونوں نے بیان کر دیا، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اگر تمہارا مقدمہ میرے سپرد کر دیا جاتا تو میرا فیصلہ کچھ اور ہی ہوتا ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے یہ بھی کہا تھا کہ میرا فیصلہ دونوں کے لیے فائدہ بخش ہوتا۔ حضرت

سلیمانؑ کے اس قول کی اطلاع حضرت داؤدؑ کو بھی ہوگئی۔ آپ نے سلیمانؑ کو بلوا کر فرمایا، تم فیصلہ کرو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنی نبوت اور حق پدری کا واسطہ دیکر فرمایا مجھے بتاؤ وہ کیا فیصلہ ہے جو فریقین کے لیے سود مند ہے حضرت سلیمان نے کہا بکریاں کھیت والے کو دیدیجیے اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیجیے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ اُون اور نسل سے اتنی مدت تک فائدہ اندوز ہوتا رہے جتنی مدت تک کھیت بکریوں والے کی سپردگی میں رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج بکھیر دے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آ جائے تو تیار کھیت کھیت والے کو دیدے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤد نے فرمایا صحیح فیصلہ یہی ہے جو تم نے کیا پھر آپ نے یہ فیصلہ جاری کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ فیصلہ کرنے کے وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔

نقصان وتاوان پر فقہی بحث:

میں کہتا ہوں (امام ابوحنیفہ فقط اسی کے قائل نہیں کہ غلام کے آقا پر تاوان جنایت عائد کیا جائے گا اور عبد کو جنایت کے عوض میں صاحبِ حق کو دے دیا جائے گا بلکہ ان کے نزدیک تو غلام کا مالک اختیار رکھتا ہے خواہ جنایت عبد کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے یا غلام ہی کی ملکیت منتقل کر دے اور غلام کو ہی صاحبِ حق کی ملکیت میں دے دے۔ (مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ حضرت داؤدؑ کے فیصلے کی طرح نہیں ہے جس میں بکریوں کی ملکیت سے محروم کر دیا گیا تھا بلکہ امام کا فیصلہ اپنے اندر دونوں رخ رکھتا ہے، غلام کو ہی تاوان میں دیدیا جائے، یا غلام کا مالک اپنے پاس سے تاوان ادا کرے اور غلام کو اپنی ملکیت میں باقی رکھے۔)

عام طور پر رواج ہے کہ کھیت والا دن میں کھیتی کی رکھوالی کرتا ہے اور جانور بھی دن میں چرتے ہیں اور شام کو گھر واپس آ جاتے ہیں اس لیے دن میں کھیتی تلف ہو جانے کی ذمہ داری کھیتی کی حفاظت نہ کرنے والے پر ہے، اور رات میں کھیتی تلف کرنے کی ذمہ داری جانوروں کے مالک پر ہے کہ اس نے رات کو جانوروں کو باندھ کر نہیں رکھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھوٹے ہوئے جانوروں نے کسی کی کھیتی کو دن میں نقصان پہنچایا ہو یا رات میں مالک مویشی پر کوئی تاوان نہیں پڑے گا کیونکہ رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے۔ العجماء جرجها جبار رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد واصحاب السنن من حدیث ابی ہریرۃؓ۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے امام محمد نے فرمایا عجماء سے مراد ہیں چھوٹے ہوئے جانور (یعنی اگر چھوٹے ہوئے جانور کسی کو زخمی کر دیں تو اس کا کچھ معاوضہ نہیں) جمہور نے حرام بن سعد بن محیصہ کی راویت کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ کی اونٹنی نے کسی کے باغ (یا کھیت) میں داخل ہو کر کچھ نقصان کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا دن میں کھیتوں کی حفاظت ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور رات کو جانوروں نے کچھ نقصان کیا ہے تو جانوروں کے مالک پر اس کا تاوان پڑے گا۔ رواہ مالک فی الموطاء والشافعی واصحاب السنن الاربعۃ والدار قطنی وابن حبان والحاکم والبیہقی۔ امام شافعی نے فرمایا اسی حدیث سے ہم نے اپنے قول پر استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث متصل ہے اور اس کے راوی معروف ہیں۔

مسئلہ: اگر گھوڑے والا گھوڑے پر سوار ہو یا لگام پکڑے لیے جارہا ہو یا پیچھے سے ہنکا رہا ہو اور گھوڑا کسی کو لات مار دے یا روندڈالے یا سر مار دے یا کاٹ لے یا اندھا دھند چل پڑے یا کسی سے ٹکرا جائے یا کھڑا کھڑا کسی کو ٹکر مار دے اور وہ جگہ گھوڑے والے کی ملک ہو یا ٹھیکے وغیرہ کے ذریعہ سے اس کے قبضہ میں ہو تو سوائے اول الذکر صورت کے باقی کسی صورت میں گھوڑے والے پر تاوان عائد نہ ہوگا صرف پہلی صورت میں ضمان دینا پڑے گا کیونکہ سوار ہونے کی حالت میں اس کا بوجھ گھوڑے کی پشت پر پڑے گا ایسی حالت میں اگر گھوڑا کسی کو روند ڈالے گا تو گویا سوار بھی گھوڑے کے ساتھ روندنے میں شریک سمجھا جائے گا۔ پس اس حالت میں اس سوار کو مرتکب اتلاف قرار دیا جائے گا۔

حاکم کا اجتہاد:

حضرت عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا فرما رہے تھے جب حاکم اجتہاد کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے اور فیصلہ میں حق پر پہنچ جائے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوگا اور اگر اجتہادی فیصلہ میں اس سے غلطی ہو جائے تب اس کے لیے اکہرا اجر ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد واصحاب السنن الاربعۃ والترمذی عن ابی ہریرۃؓ۔

یہ حدیث صراحۃً بتا رہی ہے کہ مجتہد سے فیصلہ میں غلطی بھی ہو جاتی ہے او رکبھی اس کا فیصلہ حق بھی ہوتا ہے صواب وخطا یکجا جمع نہیں ہو سکتے یا فیصلہ صحیح ہوگا یا غلط لیکن فیصلہ میں غلطی ہو جائے تب بھی اس کو ایک اجر ضرور ملے گا، غلطی ہو جانے کی بناء پر نہیں بلکہ فکری کوشش اور اجتہاد پر اس کو اکہرا اجر ملے گا۔ اجتہاد بجائے خود عبادت ہے طلب حق کی کوشش موجب اجر ہے اجتہاد کے بعد غلطی قابل تسامح ہے اور صحت نتیجہ کی صورت میں دو اجر ہوں گے ایک طلب حق کی کوشش کا اور دوسرا حق پر پہنچ جانے کا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ

اور تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ، تسبیح پڑھا کرتے اور اڑتے جانور بھی

حضرت داؤدؑ کی خوش الحانی:

حضرت داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اس پر پیغمبرانہ تاثیر کی۔

حالت یہ ہوتی تھی کہ جب جوش میں آ کر زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتحمید کرتے تو پہاڑ اور پرند جانور بھی ان کے ساتھ آواز سے تسبیح پڑھنے لگتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خوش آوازی:

صحابہ کرام میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بہت خوش آواز تھے ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزران کی طرف ہوا تو آپ ان کی تلاوت سننے کے لئے ٹھہر گئے اور سنتے رہے پھر فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی حضرت داؤد علیہ السلام کی عطا فرمائی ہے۔ جب ابوموسیٰ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاوت سن رہے تھے تو عرض کیا کہ اگر مجھے آپ کا سننا معلوم ہو جاتا تو میں اور زیادہ سنوار کر پڑھنے کی کوشش کرتا (ابن کثیر)

حضرت ابوعثمان نہدیؒ فرماتے ہیں میں نے تو کسی بہتر سے بہتر باجے کی آواز میں بھی وہ مزہ نہیں پایا جو حضرت ابوموسیٰ کی آواز میں تھا پس اتنی خوش آوازی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد کی خوش آوازی کا ایک حصہ قرار دیا اب سمجھ لیجیے کہ خود داؤد علیہ السلام کی آواز کیسی ہوگی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن میں حسن صوت اور اچھا لہجہ جس سے دلکشی پیدا ہو ایک درجہ میں مطلوب و محبوب ہے بشرطیکہ آجکل کے قراء کی طرح اس میں غلو نہ ہو کہ صرف آواز ہی سنوارنے اور لوگوں کو لبھانے کی فکر رہ جائے تلاوت کا اصل مقصد ہی غائب ہو جائے واللہ اعلم۔

حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں کی تسبیح:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو جو داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔

کہا گیا ہے کہ داؤد جب ذکر کرتے کرتے سست پڑ جاتے تھے اور بدن میں کچھ کسل آ جاتا تھا تو آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھنے لگتے تھے تا کہ پہاڑوں کی تسبیح سن کر داؤد میں ذکر الٰہی کرنے کی تازہ چستی پیدا ہو جائے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔

پہاڑوں کی نماز اور چلنا:

وہب نے کہا حضرت داؤدؑ کی تسبیح کے جواب میں پہاڑ اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے اور پرندوں کا بھی یہی حال تھا۔ قتادہؒ نے کہا یعنی جب داؤدؑ نماز پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کیساتھ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، حضرت داؤدؑ درختوں اور پتھروں کی تسبیح کو سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ يُسَبِّحْنَ سباحت سے ماخوذ ہے (اور سباحت کا معنی ہے تیرنا چلنا) حضرت داؤدؑ چلتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ چلتے تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور یہ سب کچھ ہم نے کیا ☆

اللہ قادر ہے: یعنی تعجب نہ کرو کہ پتھر اور جانور کیسے بولتے اور تسبیح پڑھتے ہونگے۔ یہ سب کچھ ہمارا کیا ہوا تھا، بھلا ہماری لامحدود قدرت کے لحاظ سے یہ باتیں کیا مستبعد سمجھی جاسکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس

لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ

کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں ☆

حضرت داؤدؑ کی صنعت: حق تعالیٰ نے حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا۔ اسے موڑ کر نہایت ہلکی مضبوط، جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں۔ (تفسیر عثمانی)

لبوس ہر پہننے والی چیز کو کہتے ہیں عرفاً اس کا استعمال اسلحہ کے لیے ہوتا ہے اس جگہ لوہے کی زرہ مراد ہے قتادہ نے کہا حضرت داؤدؑ سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی، سب سے اول آپ نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔ حدیث صحیح پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت داؤدؑ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ (تفسیر مظہریؒ)

انبیاء کی صنعتکاریاں:

حضرت انبیاء علیہم السلام سے مختلف قسم کی صنعتوں کا عمل کرنا منقول ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے کھیتی بونے کاٹنے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو صنعتکار اپنی صنعت میں نیت نیک یعنی خدمت خلق کی رکھے اس کی مثال ام موسیٰ کی سی ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بچہ کو دودھ پلایا اور معاوضہ فرعون کی طرف سے مفت میں ملا۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

سو کچھ تم شکر کرتے ہو ☆

یعنی تمہارے فائدہ کیلئے ہم نے داؤد کے ذریعہ سے ایسی عجیب صنعت نکال دی، سوچو کہ تم اس قسم کی نعمتوں کا کچھ شکر ادا کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ

اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی

بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ

اس کے حکم سے اس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے ☆

ہوا حضرت سلیمانؑ کے تابع تھی:

حضرت سلیمان نے دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (ص رکوع ۳) اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جن ان کے لئے مسخر کر دیے۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک تخت تیار کرایا تھا جس پر مع اعیان دولت بیٹھ جاتے اور ضروری سامان بھی بار کر لیا جاتا، پھر ہوا آتی، زور سے اس کو زمین سے اٹھاتی، پھر اوپر جا کر نرم ہوا ان کی ضرورت کے مناسب چلتی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا "رخآءً حیث اصاب" (ص رکوع ۳) یمن سے شام کو اور شام سے یمن کو مہینہ کی راہ دوپہر میں پہنچا دیتی۔ تعجب ہے کہ آج عجیب وغریب ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی بہت سے زائغین اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ کیا یورپ جو کام اسٹیم اور الیکٹرک سے کر سکتا ہے خدا تعالیٰ ایک پیغمبر کی خاطر اپنی قدرت سے نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ، سلیمان کے حکم سے ہوا اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت عطا کی ہے۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ الی الارض میں الی بمعنی فی (میں) ہے یعنی ملک شام میں مراد یہ ہے کہ بحکم سلیمانؑ ہوا، آپ کو فرودگاہ شام سے اصل وطن کی طرف لے جاتی تھی۔ حضرت سلیمانؑ وطن سے صبح کو چل کر ملک شام میں جا کر فروکش ہوتے تھے اور پچھلے دن میں ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر شام سے اصل وطن کی طرف لوٹ آتے تھے۔ بعض نے کہا الی اس جگہ اپنے اصلی معنی پر ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

تفسیر ابن کثیر میں تخت سلیمان علیہ السلام جو ہوا پر چلتا تھا اس کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے لکڑی کا ایک بہت بڑا وسیع تخت بنوایا تھا جس پر خود مع اعیان سلطنت اور مع لشکر اور آلات حرب کے سب سوار ہو جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ اس عظیم الشان وسیع وعریض تخت کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا وہاں جا کر اتار دیتی تھی۔ یہ ہوائی تخت صبح سے دوپہر تک ایک مہینہ کی مسافت طے کرتا تھا اور دوپہر سے شام تک ایک مہینہ کی یعنی ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت ہوا کے ذریعہ طے ہو جاتی تھی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس تخت سلیمانی پر چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں جس میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اہلِ ایمان انسان سوار ہوتے تھے اور ان کے پیچھے اہلِ ایمان جن بیٹھتے تھے پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ وہ اس پورے تخت پر سایہ کر لیں تاکہ آفتاب کی تپش سے تکلیف نہ ہو پھر ہوا کو حکم دیا جاتا تھا وہ اس عظیم الشان مجمع کو اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا پہنچا دیتی تھی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس ہوائی سفر کے وقت پورے راستہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سر جھکائے ہوئے اللہ کے ذکر وشکر میں مشغول رہتے تھے دائیں بائیں کچھ نہ دیکھتے تھے اور اپنے عمل سے تواضع کا اظہار فرماتے تھے۔ (ابن کثیر)

ایک لطیفہ:

حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے تو حق تعالیٰ نے سب سے زیادہ سخت اور کثیف اجسام کو مسخر فرمایا جن میں پہاڑ اور لوہا جیسی سخت چیزیں شامل ہیں، اس کے بالمقابل سلیمان علیہ السلام کیلئے ایسے اجسام لطیفہ کو مسخر فرمایا جو دیکھنے میں بھی نہ آسکیں جیسے ہوا اور جنات اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ہر قسم کی مخلوقات پر حاوی ہونا واضح کیا گیا ہے (تفسیر کبیر للرازی) (معارف مفتی اعظمؒ)

وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے ☆

کہ کس کو کس قسم کا امتیاز دینا مناسب ہے اور ہوا وغیرہ عناصر سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت سلیمانؑ کی مجلس:

وہب نے کہا حضرت سلیمانؑ کی مجلس پر پرندے چھائے ہوئے ہوتے تھے، جن (صف بستہ) کھڑے ہوتے تھے اور اس شان کے ساتھ آپ جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت سلیمانؑ بڑے مرد مجاہد تھے دنیا کے جس حصہ میں کسی بادشاہ کے ہونے کی آپ کو اطلاع ملتی آپ فوراً وہاں پہنچ کر اس فرماں روا کو اطاعت پر مجبور کر دیتے تھے۔ اہلِ روایت کا قول ہے کہ آپ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ کے لیے پہلے تختے (بصورت تخت) بچھائے جاتے پھر اس پر خیمہ ڈیرہ قائم کیا جاتا پھر آپ اس پر آدمیوں کو جانوروں کو اور جنگی سامان کو چڑھواتے پھر حسب الحکم تُند ہوا تختوں کے نیچے آجاتی اور سب کو اوپر اٹھاتی اور اوپر پہنچ کر نرم بن جاتی تھی۔ اتنی نرم رفتار ہوتی کہ کسی کھیتی کی طرف سے گذرتی تو اس کی پتی بھی نہ ہلتی۔ اس کی رفتار سے گرد وغبار بالکل نہ اڑتا اور نہ کسی پرندے کو تکلیف ہوتی سبک سیر اتنی کہ ایک ماہ کی مسافت دن کے نصف اول میں اور ایک ماہ کی مسافت پچھلے دن میں طے کر لیتی تھی۔

سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں اگلی قطاروں میں آدمی اور آدمیوں کے پیچھے جنات بیٹھتے تھے پرندے اوپر سے سایہ کیے ہوتے تھے اور ہوا ان سب کو اٹھاتی تھی۔

ایک ساحلی مقام کا کتبہ:

وہب نے یہ بھی بیان کیا کہ دجلہ کے کسی ساحلی مقام پر ایک کتبہ تھا جس پر حضرت سلیمان کے کسی ساتھی نے لکھ دیا تھا۔ معلوم نہیں وہ ساتھی جن تھا یا آدمی۔ ہم یہاں اترے ہم رات کو یہاں نہیں رہے صبح اصطخر سے چلے تھے۔ دوپہر کو یہاں قیلولہ کیا پچھلے دن میں ان شاء اللہ یہاں سے چل دیں گے اور رات کو شام رہیں گے۔

اللہ کے لئے قربانی کا اجر:

حسن کا بیان ہے کہ جب پیغمبر خدا سلیمانؑ کی عصر کی نماز گھوڑوں کے معاینہ کی وجہ سے فوت ہوگئی تو آپ کو لوجہ اللہ غصہ آ گیا اور آپ نے سب گھوڑوں کو قتل کرادیا۔ پھر اللہ نے مقتول گھوڑوں کے عوض دوسرے بہتر گھوڑے عطا فرمادیئے۔ ہوا آپ کے حکم سے آپ کی مرضی کے مطابق تیزی کے ساتھ آپ کو اٹھا کر لے جاتی تھی۔ صبح کو ایلیا سے چلتے تو قیلولہ (دوپہر کا قیام) اصطخر میں کرتے پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چلتے تو شام بابل میں کرتے۔

حضرت سلیمانؑ کا تخت:

ابن زید نے بیان کیا تختوں سے بنی ہوئی آپ کی ایک سواری تھی جس کے ایک ہزار پائے تھے ہر پایہ (کھوکھلا تھا جس) کے اندر ہزار خانے تھے آپ کے ساتھ انس و جن سوار ہوتے تھے ہر پایہ کے نیچے (اٹھانیوالے) ایک ہزار جنات ہوتے تھے جو اس تخت کو اٹھائے ہوتے تھے، تخت اونچا ہوجاتا تو نرم ہوا آ کر اس تخت کو اٹھالیتی (صبح کو چل کر) آپ دوپہر کو ان لوگوں کے پاس قیام کرتے جو ایک ماہ کی مسافت کی دوری پر ہوتے تھے پھر شام ایسے لوگوں میں کرتے جن کی دوری ایک ماہ کی مسافت کے بقدر ہوتی۔ لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اچانک آپ لشکر سمیت آ پہنچے۔

مختلف ممالک کا ایک سفر:

روایت میں آیا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ عراق سے صبح کو چلے مرو میں دوپہر کو پہنچے وہاں قیام کیا پھر بلخ میں عصر کی نماز پڑھی پھر بلخ سے روانہ ہوکر ترکستان میں داخل ہوگئے پھر ترکستان سے سرزمین چین تک پہنچ گئے ہوا کے کندھوں پر یہ راستہ طے کیا اور پرندے سر پر سایہ فگن رہے۔ آپ صبح کے دن میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتے تھے اور شام کے دن میں بھی اتنی ہی دور پہنچ جاتے تھے، یہاں سے آپ نے مشرق کی طرف رخ کیا یہاں تک کہ قندھار پہنچ گئے پھر قندھار سے مکران اور کرمان پہنچے پھر یہاں سے گذر کر بلاد فارس میں پہنچے اور وہاں چند روز فروکش رہے پھر صبح کو یہاں سے روانہ ہوکر دوپہر کو کسکر پہنچے پھر شام تک ملک شام میں آ گئے آپ کی (اصل) قرارگاہ شہر تدمر میں تھی شام سے عراق کی طرف روانہ ہونے سے پہلے آپ نے جنات کو حکم دیا تھا کہ ایک عمارت بنائیں چنانچہ جنات نے پتھر کی چٹانوں اور ستونوں اور سفید و زرد مرمر سے ایک عمارت تیار کی تھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ
اور تابع کئے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے اسکے واسطے

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ
اور بہت سے کام بناتے اس کے سوائے ☆

حضرت سلیمان کیلئے جنوں کا کام:

شیاطین سے مراد سرکش جن ہیں، ان سے حضرت سلیمانؑ دریا میں غوطہ لگواتے تاکہ موتی اور جواہر اس کی تہ میں سے نکالیں اور عمارات میں بھاری کام کرواتے اور حوض کی برابر تانبے کے لگن اور بڑی عظیم الشان دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں بنوا کر اٹھواتے تھے اور سخت سخت کام ان سے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کے حیرت انگیز کام اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مادی قوتوں سے کرائے ہیں اس وقت مخفی اور روحی قوتوں سے کرائے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

شیاطین: وہ آگ کے بنے ہوئے اجسام لطیفہ ہیں جو عقل و شعور رکھتے ہیں اور انسان کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں اس نوع کے لئے اصل لفظ جن یا جنات استعمال ہوتا ہے ان میں جو ایمان قبول نہ کریں کافر ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تو سبھی جنات تھے خواہ مومن ہوں یا کافر، مگر مومنین تو تسخیر کے بغیر بھی سلیمان السلام کے احکام کی تعمیل ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے کرتے تھے ان کے لئے تسخیر کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾
اور ہم نے ان کو تھام رکھا تھا ☆

جنات سلیمانؑ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے:

یعنی ہم نے اپنے اقتدار کامل سے ان شیاطین کو سلیمانؑ کی قید میں اس طرح تھام رکھا تھا کہ جو چاہتے ان سے بیگار لیتے تھے اور وہ کوئی ضرر سلیمانؑ کو نہیں پہنچا سکتے تھے۔ ورنہ آدمی کی کیا بساط ہے کہ ایسی مخلوق کو اپنے قبضہ میں کرلے اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھ چھوڑے "وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ" (ص رکوع ۳) (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی آپ سے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی، صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہوجاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش فروش کرنے کا حکم دیتے پھر پردار گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کرلیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور خدا

کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا پھر جہاں آپ حکم دیتے وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی۔ اسی طرح سرکش جنات بھی خدا تعالیٰ نے آپ کے قبضے میں کر دیے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال لایا کرتے تھے اور بھی بہت سے کام کاج کرتے تھے جیسے فرمان ہے وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ الخ ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ خور اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے اور ہم ہی سلیمان کے محافظ و نگہبان تھے، کوئی شیطان انہیں برائی نہ پہنچا سکتا تھا بلکہ سب کے سب ان کے ماتحت، فرماں بردار اور تابع تھے کوئی ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا، آپ کی حکمرانی ان پر چلتی تھی جسے چاہتے قید کر لیتے جسے چاہتے آزاد کر دیتے، اسی کو فرمایا اور جنات تھے جو جکڑے رہا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

جنّات کے کام:

اور کچھ جنات سمندروں میں غوطے مار کر آپ کے لیے جواہر نکال کر لاتے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ جیسے اونچی اونچی عمارتیں اور مجسمے اور بڑے بڑے حوض اور ایک جگہ قائم رہنے والی دیگیں اور شہروں کی تعمیر اور عجیب عجیب نادر مصنوعات کی تخلیق وغیرہ۔

جنات سرکشی نہ کر سکتے تھے:

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ کا یہ مطلب ہے کہ ہم جنات کی نگرانی رکھے ہوئے تھے کہ کہیں سلیمانؑ کی اطاعت سے سرکشی نہ کرنے لگیں زجاج نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نگرانی رکھتے تھے کہ کہیں بنائی ہوئی چیزوں کو تباہ نہ کر دیں۔

بغوی نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرما دیتے جب اس کام سے یہ فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا ایسا نہ ہو کہ یہ کیے ہوئے کام کو برباد کر دے، جنات کی یہ عادت ہی تھی کہ جب کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام کو ہی تباہ کر دیتے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ

اور ایوب کو جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو کہ مجھ پر پڑی ہے

الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا

تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا پھر ہم نے سن لی

لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ

اس کی فریاد سو دور کر دی جو اس پر تھی تکلیف اور

اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ

عطا کیے اس کو اسکے گھر والے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ

حضرت ایوبؑ کی آزمائش:

حضرت ایوبؑ کو حق تعالیٰ نے دنیا میں سب طرح آسودہ رکھا تھا، کھیت، مواشی، لونڈی، غلام، اولاد صالح اور عورت مرضی کے موافق عطا کی تھی۔ حضرت ایوب بڑے شکر گزار بندے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں ڈالا، کھیت جل گئے، مواشی مر گئے، اور اولاد اکھٹی دب مری، دوست آشنا الگ ہو گئے، بدن میں آبلے پڑ کر کیڑے پڑ گئے، ایک بیوی رفیق رہی، آخر میں وہ بیچاری بھی اکتانے لگی۔ مگر حضرت ایوب جیسے نعمت میں شاکر تھے ویسے ہی بلا میں صابر رہے۔ جب تکلیف واذیت اور دشمنوں کی شماتت حد سے گذر گئی۔ بلکہ دوست بھی کہنے لگے کہ یقیناً ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے۔ جس کی سزا ایسی ہی سخت ہو سکتی تھی تب دعا کی "اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" رب کو پکارنا تھا کہ دریائے رحمت امنڈ پڑا اللہ تعالیٰ نے مری ہوئی اولاد سے دگنی اولاد دی، زمین سے چشمہ نکالا۔ اسی سے پانی پی کر اور نہا کر تندرست ہوئے۔ بدن کا سارا روگ جاتا رہا۔ اور جیسا کہ حدیث میں ہے سونے کی ٹڈیاں برسائیں، غرض سب طرح درست کر دیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ایوبؑ کا ذکر و شکر:

یزید بن میسرہؒ فرماتے ہیں جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی اہل وعیال مر گئے مال فنا ہو گیا کوئی چیز ہاتھ تلے باقی نہ رہی آپ خدا کے ذکر میں اور بڑھ گئے کہنے لگے اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے بڑے احسان کیے مال دیا اولاد دیں اس وقت میرا دل بہت مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے پاک کر دیا اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ مجھ سے بہت ہی حسد کرتا۔ ابلیس لعین اس قول سے اور اس وقت کی اس حمد سے جل بھن کر رہ گیا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی دعا تھی کہ خدایا! تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل وعیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم و ستم کیا میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم و گرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادتوں میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو اس لیے پیدا نہیں کیا گیا، تیری رضامندی کی طلب میں میں اپنی راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا تھا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ایوبؑ کی بیماری:

حضرت حسن اور قتادہ فرماتے ہیں سات سال اور کئی ماہ آپ مبتلا رہے بنو

اسرائیل کے کوڑے پھینکنے کی جگہ آپ کو ڈال رکھا تھا، بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے پھر اللہ نے آپ پر رحم وکرم کیا تمام بلاؤں سے نجات دی اجر دیا اور تعریفیں کیں۔

حضرت نوف کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب کے پیچھے پڑا تھا اس کا نام مبسوط تھا۔

حضرت ایوبؑ کی دُعاء اور صحت:

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صاحبہ عموماً آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ خدا سے دعا کرو لیکن آپ نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے ایک دن وہ ملنے کیلیے آئے۔لیکن جسم کی بدبو کی وجہ سے قریب نہ آسکے دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا۔ اس بات نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا اس وقت کہنے لگے خدایا کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر لیا ہو۔ پروردگار اگر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی اور وہ دونوں سن رہے تھے، پھر فرمایا پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیے ہوں اگر میں اس میں سچا ہوں تو تُو میری تصدیق آسمان سے کر۔ اس پر بھی آپ کی تصدیق ان کے سنتے ہوئے کی گئی۔ پھر دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ اے اللہ میں تو اب سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھ سے ان تمام مصیبتوں کو دور نہ کر دے جو مجھ پر نازل ہوئیں چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ سر اٹھائیں اس سے پہلے وہ تمام تکلیفیں اور بیماریاں آپ سے دور ہو گئیں جو آپ پر اتری تھیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (حضرت) ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے پھر ان کے دو دوستوں کے آنے کا اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری تو یہ حالت تھی کہ راستہ چلتے دو شخصوں کو جھگڑتا دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو کہ اس نے خدا کا نام بے حق کے لیا ہو۔ آپ اپنی اس بیماری میں اسقدر نڈھال ہو گئے تھے کہ آپ کی بیوی صاحبہ آپ کا ہاتھ تھام کر پاخانہ پیشاب کے لیے لے جاتی تھیں، ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی آپ کو سخت تکلیف ہوئی اسی وقت آسمان سے ندا آئی کہ اے ایوبؑ اپنی ایڑی زمین پر مار و اسی پانی کو پی بھی لو اور اسی سے نہا بھی لو۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل غریب ہے۔

صحت کے بعد بیوی آپ کو پہچان نہ سکیں

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جنتی حلہ نازل فرمادیا جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں کہ اے خدا کے بندے یہاں ایک بیمار و بے کس و بے بس تھے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ہوئے؟ کہیں انہیں بھیڑیے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں، تب آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ بیمار ایوب میں ہی ہوں، بیوی صاحبہ کہنے لگیں اے شخص تو دکھیا عورت سے ہنسی کر رہا ہے اور مجھے بنا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں مجھے خدا نے شفا دیدی اور یہ رنگ و روپ بھی۔ آپ کا مال آپ کو واپس دیا گیا آپ کی اولاد دو ہی آپ کو واپس ملی اور ان کے ساتھ ہی ویسی ہی اور بھی۔ وحی میں یہ خوشخبری بھی آپکو سنادی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ قربانی کرو اور استغفار کرو تیرے گھر والوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کر لی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی آسمان سے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں جنہیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنی شروع کر دیں تو آواز دی گئی کہ اے ایوب کیا تو اب تک آسودہ نہیں ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار تیری رحمت سے آسودہ کون ہو سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

واقعہ کی تفصیل:

حافظ ابن کثیر نے اس قصے کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ:

ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتدا میں مال و دولت اور جائداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور حشم و خدم بہت کچھ عطا فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور بدن میں بھی ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا وہ اس حالت میں زبان و قلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی وجہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کر کے آبادی سے باہر ایک کوڑا کچرہ ڈالنے کی جگہ پر ڈالدیا، کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا صرف ان کی بیوی ان کی خبر گیری کرتی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھی جس کا نام لیا بنت میشا ابن یوسف علیہ السلام بتلایا جاتا ہے۔ (ابن کثیر) مال و جائداد تو سب ختم ہو چکا تھا ان کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لئے رزق اور ضروریات فراہم کرتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔

مصائب وشدائد پر صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام ضرب المثل ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا صبر کے خلاف نہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام اس شدید بلاء میں کہ سب مال و جائداد اور دولت

دنیا سے الگ ہو کر ایسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ لوگ پاس آتے ہوئے گھبرائیں، بستی سے باہر ایک کوڑے کچرے کی جگہ پر سات سال چند ماہ پڑے رہے، کبھی جزع وفزع یا شکایت کا کوئی کلمہ زبان پر نہیں آیا، نیک بی بی لیا زوجہ محترمہ نے عرض بھی کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو فرمایا کہ میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت ودولت میں گزارے ہیں کیا اس کے مقابلے میں سات سال بھی مصیبت کے گزرنے مشکل ہیں۔ پیغمبرانہ عزم وضبط اور صبر وثبات کا یہ عالم تھا کہ دعا کرنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں صبر کیخلاف نہ ہو جائے (حالانکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور اپنی احتیاج وتکلیف پیش کرنا بے صبری میں داخل نہیں) بالآخر کوئی ایسا سبب پیش آیا جس نے ان کو دعا کرنے پر مجبور کر دیا اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے یہ دعا، دعاء ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق تعالیٰ نے ان کے کمالِ صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرمادی ہے فرمایا اِنَّا وَجدناہ صابرا، اس سبب کے بیان میں روایات بہت مختلف اور طویل ہیں اس لئے ان کو چھوڑا جاتا ہے۔

حضرت ایوبؑ کی اُولاد:

ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات لڑکے سات لڑکیاں تھیں اس ابتلاء کے زمانے میں یہ سب مر گئے تھے، جب اللہ نے ان کو عافیت دی تو ان کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کی اہلیہ سے نئی اولاد بھی اتنی ہی اور پیدا ہوگئی جس کو قرآن میں **و مثلھم معھم** فرمایا ہے۔ ثعلبی نے کہا کہ یہ قول ظاہر آیت قرآن کے ساتھ اقرب ہے۔ (قرطبی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ نئی اولاد خود اپنے سے اتنی ہی مل گئی جتنی پہلے تھی اور ان کے مثل اولاد سے مراد اولاد کی اولاد ہے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

حضرت ایوبؑ کا تعارف:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ ....اور ایوبؑ کا تذکرہ کیجئے، جب اس نے (مصائب میں) اپنے رب کو پکارا۔ اے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔ نَادٰى یعنی دعا کی۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت ایوب رومی تھے۔ آپ کا جدی نسب اس طرح تھا۔ ایوب بن احرص بن رازخ بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام آپ کی والدہ حضرت لوط بن لمدان کی اولاد میں سے تھیں۔

آپ اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے اللہ نے آپ کے لیے دنیا وسیع کر دی تھی، سرزمین شام میں ایک گھاٹی جس کے اندر میدانی زمین بھی تھی اور پہاڑی بھی آپ کی ملک تھی اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، گھوڑے گدھے ہر قسم کے بکثرت جانور آپ کے پاس تھے، پانچ جوڑ بیلوں کے کھیتی کرنے کے لیے بھی آپ کے پاس تھے۔ ہر جوڑ کا خادم ایک غلام تھا اور ہر غلام کے بیوی بچے بھی تھے۔ بیلوں کی ہر جٹ کا (یعنی کھیتی کرنے اور ہل جوتنے وغیرہ کا) سامان اٹھانے کے لیے ایک گدھی تھی اور ہر گدھی کے دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ اور اس سے زیادہ بچے تھے اللہ نے آپ کا اہل وعیال لڑکے اور لڑکیاں بھی عطا کی تھیں۔ آپ بڑے نیک پرہیزگار غریبوں پر رحم کرنیوالے، مسکینوں کو کھانا کھلانے والے، بیواؤں کی خبر گیری کرنیوالے یتیموں کی سرپرستی کرنیوالے اور بڑے مہمان نواز تھے، مسافروں کو خرچ دیکر وطن تک پہنچا دیتے تھے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ اور اللہ کا حق ادا کرتے رہتے تھے اللہ نے شیطان مردود سے آپ کو محفوظ کر دیا تھا۔ ابلیس دوسرے مالداروں اور عزت یاب لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل بنا دیتا ہے لیکن آپ اس کی دسترس سے باہر تھے۔ آپ کے پاس تین (خاص) آدمی تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے، ایک یمنی تھا جس کا نام الیفن تھا اور دو آپ ہی کی بستی کے رہنے والے تھے ایک کا نام بلدا اور دوسرے کا نام صافر تھا۔ یہ تینوں میانہ عمر کے آدمی تھے۔

شیطان کی کارروائی اور حضرت ایوبؑ کی کامیابی:

اس زمانہ میں ابلیس کی رسائی آسمانوں پر تھی، آسمانوں میں جہاں چاہتا ٹھہر سکتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد چار آسمانوں پر جانے کی اسے ممانعت کر دی گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر باقی آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا۔

شیطان کا حسد:

حضرت ایوب (اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے رہتے تھے) ایک بار جب آپ نے اللہ کا ذکر کیا اور حمد کی تو فرشتوں نے اس وقت مل کر آپ کے لیے دعائے رحمت کی، ابلیس نے فرشتوں کی دعا سن پائی، سن کر جل گیا اور فوراً آسمان پر چڑھ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا اور اللہ سے التجا کی اور کہا الٰہی میں نے تیرے بندے ایوب کے معاملہ پر غور کیا، میں نے دیکھا کہ تو نے اپنے بندے کو نعمتوں سے نوازا ہے اس نے اس لئے تیرا شکر کیا تو نے اس کو عافیت عطا کی اس لیے اس نے تیری حمد کی تو نے جو کچھ اس کو مرحمت کیا ہے اگر تو اس سے لے لے اور اس کو مصیبت میں مبتلا کر دے تو یہ مصیبت اس کو عبادت وحمد سے روک دے گی اور تیری طاعت سے نکل جائے گا۔ اللہ نے فرمایا جا میں نے اس کے مال پر تجھے دسترس عطا کر دی۔

حضرت ایوبؑ کے اونٹ جل گئے:

دشمنِ خدا ابلیس یہ اختیار لے کر آسمان سے زمین کی طرف آیا پھر خبیث جنات اور سرکش شیطانوں کو جمع کر کے کہنے لگا مجھے ایوبؑ کے مال پر تسلط عطا کر دیا گیا ہے اور یہ ایسی سخت مصیبت ہے جس پر (بڑے بڑے) لوگ صبر نہیں کر سکتے، بتاؤ تمہارے اندر کیا طاقت ہے (تم اپنی اپنی طاقتوں کی تفصیل بتاؤ) ایک خبیث شیطان بولا مجھے ایسی قوت دی گئی ہے کہ اگر میں چاہوں تو آتشیں

بگولہ بن جاؤں پھر جس چیز پر گذروں اس کو جلا ڈالوں۔ ابلیس نے کہا اچھا تو جس وقت ایوب کے اونٹ اپنی چراگاہوں میں جمے بیٹھے ہوں تم اونٹوں کی طرف جاؤ اور سب کو جلا ڈالو یہ کہتے ہی لوگوں کو پتہ بھی نہ چلا اور ایک دم زمین کے نیچے سے ایک آتشیں بگولہ اٹھا اور جب اونٹوں کے پاس سے گذرا تو ان کو اور چرواہوں کو جلا کر سوختہ کر دیا یہاں تک کہ سب اونٹوں کو جلا کر ختم کر دیا۔

حضرت ایوبؑ نے کہا الحمد للہ:

اس کے بعد ابلیس اونٹوں کے نگراں کی صورت بنا کر ایک اونٹ پر سوار ہو کر حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگا ایوبؑ ایک آگ آئی سب اونٹوں کو ہر طرف سے اس نے گھیرے میں لے لیا سب اونٹ اور ان کے چرواہے سوختہ ہو گئے۔ حضرت ایوب نے فرمایا الحمد للہ جس نے دیئے تھے اسی نے لے لیے میں تو ہمیشہ سے اپنی جان و مال کو فنا ہونے والا سمجھے ہوا ہوں۔

لوگوں کی چہ میگوئیاں:

ابلیس بولا آپ کے رب نے ان پر آسمان سے آگ بھیج دی جس سے سب جل گئے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور ان کو بڑا تعجب ہوا کوئی کہنے لگا ایوب کسی کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے محض دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔ بعض لوگ کہنے لگے ایوب خدا کی عبادت کرتے تھے خدا ہی نے یہ آگ بھیجی تا کہ ایوب کے دشمن خوش ہوں اور دوستوں کو دکھ پہنچے کسی نے کہا اگر ایوب کے معبود میں طاقت ہوتی اور وہ حفاظت کر سکتا تو ضرور اس کی کارسازی کرتا۔

حضرت ایوبؑ کی گفتگو:

حضرت ایوبؑ نے یہ باتیں سن کر فرمایا الحمد للہ! اسی نے مجھے دیا تھا اسی نے مجھ سے لے لیا ہر حال میں وہ قابل حمد ہے، میں ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوا تھا اور ننگا ہی لوٹ کر مٹی میں جاؤں گا اور ننگا ہی اٹھ کر اللہ کے پاس جاؤں گا۔ جب اللہ تجھے کوئی چیز عاریۃً دے دے تو تجھے اترانے کا حق نہیں ہے اور جب اپنی عاریت پر قبضہ کر لے تو تجھے جزع و فزع نہ کرنا چاہیے اس چیز کا اللہ ہی زیادہ مستحق ہے اور وہی تیرا بھی مالک ہے اور اے شخص اگر اللہ کو تیرے اندر کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو تو بھی شہید ہو جاتا اور ان فوحوں کے ساتھ تیری روح بھی منتقل ہو جاتی، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو تیری طرف سے (شر ہی) معلوم ہوئی۔ اسی لیے (آگ کے اندر سے اور شہیدوں کے گروہ سے) تجھے نکال دیا۔

ابلیس کی ذلت:

حضرت کی اس گفتگو سے ابلیس ذلیل و خوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا اب تمہارے پاس کونسی طاقت ہے میں تو ایوبؑ کے دل کو زخمی نہیں کر سکا ایک دیو بولا میرے اندر ایسی قوت ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ایسی چیخ ماروں کہ جو جاندار اس کو سنے اس کی جان نکل جائے، ابلیس نے کہا تم بھیڑ بکریوں اور ان کے چرواہوں کو جا کر ختم کر دو۔

حضرت ایوبؑ کی تمام بھیڑ بکریاں مر گئیں:

حکم پا کر دیو فوراً چل دیا اور بھیڑ بکریوں کے درمیان پہنچ کر ایک چیخ ماری جس سے تمام بکریاں اور ان کے چرواہے مر گئے اور اس کے بعد ابلیس چرواہوں کے داروغہ کے بھیس میں حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا آپ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے پہنچ کر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضرت ایوبؑ نے بھی پہلے کی طرح جواب دیا ابلیس اپنے رفقاء کے پاس واپس چلا گیا اور بولا اب بتاؤ تمہارے پاس کیا طاقت ہے میں تو اب بھی ایوب کے دل کو زخمی نہیں کر سکا ایک خبیث جن کہنے لگا۔ اگر میں چاہوں تو آندھی بن سکتا ہوں جو ہر چیز کو اڑا کر لے جائے گی۔ ابلیس نے کہا تو بیلوں اور کھیتوں کے پاس جا۔

آپؑ کے بیل اور کھیتیاں ختم ہو گئیں:

خبیث جن چلا گیا اور اچانک ایک طوفانی ہوا چلی اور ہر چیز کو اڑا کر لے گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھیتی باڑی کے منیجر کی شکل بنا کر حضرت ایوب کے پاس آیا آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ابلیس نے وہی پہلے والی بات کی اور آپ نے وہی سابق کا جواب دیدیا اور مصیبت پر صبر کرنے پر اپنے دل کو جما لیا آخر جب آپ کے پاس کسی طرح کا مال نہ رہا اور ابلیس نے آپ کا سارا مال تباہ کر دیا تو آسمان پر پھر گیا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا الٰہی ایوب جانتا ہے کہ جب آل و اولاد سے تو نے اس کو بہرہ اندوز کیا ہے تو مال بھی عنایت کر دے گا اس لیے مطمئن ہے کیا تو مجھے اس کی اولاد پر تسلط فرما دے گا یہ مصیبت ایسی ہے جس پر (بڑے بڑے) آدمیوں کے دل برقرار نہیں رہ سکتے۔ اللہ نے فرمایا (جا) میں نے تجھے ایوب کی اولاد پر دسترس عطا کی۔

حضرت ایوبؑ کی اولاد فوت ہو گئی:

دشمن خدا چلا آیا حضرت کی اولاد ایک قصر کے اندر تھی۔ ابلیس نے اس قصر کے در و دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا۔ دیواروں کو باہم ٹکرا دیا لکڑیاں اور پتھر اوپر سے پھینکے، یہاں تک کہ جب سب لوگوں کو خوب زخمی کر دیا تو محل کو اٹھا کر الٹ دیا، سب لوگ سرنگوں ہو کر گر پڑے اور ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد بچوں کے اتالیق کی شکل بنا کر حضرت ایوب کی خدمت میں پہنچا خود بھی اس وقت زخمی تھا چہرے پر خراشیں تھیں خون بہہ رہا تھا جا کر واقعہ کی اطلاع دی اور کہا اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب کہ آپ کے بچے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئے تھے خون بہہ رہا تھا اور دماغ بھی باہر نکلنے لگے تھے، پیٹ پھٹ گئے

تھے انتڑیاں بکھری پڑی تھیں اسی حالت میں قصر الٹ گیا اور سب الٹے ہو کر جاں بحق ہو گئے تو آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ابلیس برابر اسی طرح کے (دردناک) الفاظ کہتا رہا اور حضرت ایوب سنتے رہے۔

آپؑ پر رقت کا غلبہ اور استغفار:

آخر آپ کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگے اور ایک مٹھی خاک اپنے سر پر ڈال لی اور کہا کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، ابلیس نے اس بات کو غنیمت سمجھا اور ایوبؑ کی بے صبری کو دیکھ کر فوراً آسمان پر چڑھ گیا ادھر حضرت ایوب نے اپنے الفاظ سے رجوع کر لیا اور توبہ واستغفار کی اور آپ کی توبہ و استغفار کو ملائکہ لے کر ابلیس کے پہنچنے سے پہلے ہی جا پہنچے اور بارگاہ الٰہی میں پیش کردی اللہ تو پہلے ہی بخوبی واقف تھا (ملائکہ کی پیشی بھی حسب الحکم ہوگئی) ابلیس ذلیل ہو گیا اور کہنے لگا۔ الٰہی تو نے ایوبؑ کو تندرستی دی ہے جسمانی اذیت سے محفوظ رکھا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی تندرستی ہے تو اللہ مال واولاد اور عنایت کردے گا اس لیے مال واولاد کی ہلاکت کا اس پر اثر نہیں پڑا تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا کردے گا (تو اس کا قدم ڈگمگا جائے گا) اللہ نے فرمایا جا میں نے ایوب کے جسم پر تجھے تسلط عطا کیا لیکن زبان اور دل پر تیرا تسلط نہیں ہے زبان و دل کے علاوہ باقی جسم کو تیرے زیر تسلط کردیا گیا۔ اللہ نے ابلیس کو یہ تسلط صرف اس لیے عطا فرمایا تھا کہ ایوب کے ثواب میں اضافہ ہو صبر کرنے والوں کے لیے مثال ہو۔ ہر دکھ اور مصیبت پر صبر کرنے کی دوسروں کو تلقین ہو اور بامید ثواب ہر اذیت پر ان کو صبر ہو۔

حضرت ایوبؑ کی صحت ختم ہوگئی:

اللہ کا دشمن اجازت پا کر فوراً آیا، ایوب اس وقت سجدے میں تھے سر اٹھانے نہ پائے تھے کہ ابلیس آ گیا اور چہرے کی طرف سے آ کر ناک کے سوراخ میں ایک پھونک ماری جس سے حضرت ایوبؑ کا جسم آگ کی طرح بھڑکنے لگا اور سر کی چوٹی سے پاؤں کی نوک تک ایسے دمبل نکل آئے جیسے بکری کی کلیجی اور ان میں کھجلی پیدا ہوگئی حضرت ایوب نے ناخنوں سے اس کو کھجانا شروع کیا یہاں تک کہ سب ناخن گر گئے پھر کھردرے ٹاٹ سے کھجایا ٹاٹ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا پھر نوک دار کھردرے ٹھیکروں اور پتھروں سے کھجایا اور اتنا کھجایا کہ گوشت کٹنے لگا۔ بو دینے لگا، سڑ گیا۔

سوائے بیوی کے سب ہمسائے اور قرابت دار چھوڑ گئے:

بستی والوں نے آپ کو بستی سے باہر نکال کر ایک گھوڑے پر جھونپڑی بنا کر اس میں ڈال دیا اور سب نے چھوڑ دیا صرف آپ کی بی بی رحمت بنت افراثیم بن یوسف بن یعقوب نے ساتھ دیا بعض نے رحمت کو حضرت یوسف ہی کی صاحبزادی کہا ہے۔ رحمت آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ کی ضروریات فراہم کر کے لاتی رہیں۔

آپ کے تین رفیق بھی چھوڑ گئے:

جب حضرت کے تینوں رفقاء الیقن، بلدد اور صافر نے حضرت ایوب کی یہ ابتلائی حالت دیکھی تو وہ بھی کنارہ کش ہو گئے (اور شرعی جرم کرنے کی) آپ پر تہمت لگائی مگر آپ کے دین کو نہیں چھوڑا جب مصیبت بڑھ گئی تو ایک روز تینوں حضرت کے پاس آئے اور خوب سخت سست کہا اور کہنے لگے آپکو اللہ کی طرف سے یہ گناہ کی سزا دی گئی اللہ سے توبہ کیجئے۔

راوی کا بیان ہے ایک نوجوان مؤمن بھی ان تینوں کے ساتھ تھا اس نے کہا اے عمر رسیدہ لوگو آپ لوگ اپنی عمروں کی بیشی کی وجہ سے کلام کرنے کے زیادہ مستحق ہو لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ کہا خیال کیا اور جو بات کی اس سے زیادہ اچھا کلام بہترین رائے اور مناسب ترین بات بھی پیش کر سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوبؑ کا تم پر حق ہے، ذمہ داری ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ تم نے کس کی توہین اور بے عزتی کی وہ کیسی شخصیت ہے۔ جس پر تم نے عیب تھوپے اور نکتہ چینی کی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے اس وقت تمام اہل ارض سے برگزیدہ اور اللہ کا منتخب بندہ ہے پھر تم کو یہ بھی نہیں معلوم اور نہ اللہ نے تم کو بتایا ہے کہ جب سے ایوبؑ کو پیغمبری ملی کبھی بھی اللہ نے اس کی حرکت کو ناپسند کیا ہو یا جو عزت اس کو عطا فرمائی ہے اس کا کوئی حصہ چھین لیا ہو نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت سے جب سے تم ایوب کے لیے اپنے خیال میں باعث تذلیل وتحقیر سمجھتے ہو (وہ ایسا نہیں ہے) اللہ اپنے پیغمبروں صدیقوں شہیدوں اور نیک لوگوں کو دکھ میں مبتلا کرتا چلا آیا ہے اس کی طرف سے یہ دکھ اور امتحان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس طبقہ سے ناراض ہے نہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر میں یہ لوگ ذلیل ہو گئے بلکہ یہ امر تو ان کے لیے مزید عزت افزائی اور فضیلت ہے۔

اور بالفرض اگر ایوبؑ اللہ کے نزدیک اس مرتبہ پر نہ بھی ہوں تب بھی وہ تمہارے بھائی تو ہیں، تم نے ان کے ساتھ رہ کر ان سے برادری کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو پیغمبر نہیں مانتے تو دوست ہی سمجھو مدت تک تم ان کے ساتھ رہے ہو) اور کسی دانش مند کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دوست سے اس کی مصیبت کے وقت کنارہ کش ہو جائے یا اس کو لعنت و ملامت کرے وہ تو خود غم رسیدہ اور دکھی ہے اس پر نکتہ چینی کرنی اور نکتہ چینی بھی وہ جس کا علم عار دلانے والے کو نہیں کسی طرح درست نہیں، مناسب تو یہ ہے کہ اس سے ہمدردی کی جائے اس کے رونے میں شرکت کی جائے اس کے لیے دعاء مغفرت کی جائے اور جو تدبیریں اس کے معاملے کو درست کرنے والی ہیں وہ بتائی جائیں۔

دانش منداور ہدایت یافتہ وہ شخص نہیں جوان باتوں سے ناواقف ہو۔

سن رسیدہ بزرگو اللہ کی عظمت وجلال کا مطالعہ اور موت کی یاد تمہاری زبانوں کو کاٹ دیتی ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو بڑے فصیح اللسان، بلیغ البیان، دانشمند اور عالم ہیں نہ گونگے ہیں نہ بیان سے عاجز اس کے باوجود اللہ کے خوف نے ان کو خاموش کر دیا ہے جب وہ اللہ کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی زبانیں (ماسوا کے تذکرے سے) کٹ جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل پارہ پارہ ہو جاتے ہیں اور ہوش وحواس پراں ہو جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی عظمت کو دیکھنے اور جلال الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے لیکن جب (ان کو ہوش آتا ہے اور) استقامت حال نصیب ہوتی ہے تو اس وقت وہ اپنے پاکیزہ اعمال کے ساتھ اللہ کی طرف دوڑتے ہیں مگر اپنا شمار خطا واروں اور ظالموں کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ابرار اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں لیکن قصورواروں اور گناہگاروں کے ساتھ ہوتے ہیں یہی لوگ بڑے دانشمند اوراصحاب قوت ہیں۔

حضرت ایوبؑ کا تبصرہ:

حضرت ایوبؑ نے اس نوجوان کی یہ تقریر سن کر فرمایا اللہ چھوٹے بڑے کے دل میں اپنی رحمت سے حکمت کی تخم پاشی کرتا ہے پھر دل میں پودا پیدا ہوتا ہے تو زبان پر اللہ اسکو ظاہر فرما دیتا ہے حکمت کا مدار نہ طول عمر اور بڑھاپے پر ہے نہ تجربے کی فراوانی پر اگر اللہ کسی کو بچپن میں ہی باحکمت بنا دیتا ہے تو اس کا مرتبہ دوسرے حکماء کے نزدیک کم نہیں ہوتا اہل حکمت جانتے ہیں کہ نور عزت خداداد ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں زاری وفریاد:

اس کے بعد حضرت ایوب نے ساتھیوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے رب کی طرف رخ کر کے فریاد وزاری میں مشغول ہوئے۔ عرض کیا اے میرے رب تو نے مجھے کس لیے پیدا کیا، کاش تو نے مجھے پیدا نہ کیا ہوتا، اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھ سے کونسی خطا ہوگئی اور میں نے کونسا ایسا کام کیا جس کی وجہ سے تو نے اپنا مبارک رخ میری طرف سے پھیر لیا، اگر میں نے کوئی گناہ کیا تو تو مجھے مار ڈالتا اور میرے آباء واجداد کے ساتھ مجھے ملا دیتا، موت ہی میرے لیے زیادہ مناسب تھی، کیا میں مسافروں کے لیے قیامگاہ اور مسکینوں کے لیے قرارگاہ نہیں بنا ہوا تھا کیا میں یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سرپرست نہیں تھا الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اگر تو مجھ سے بھلائی کرے گا تو تیرا احسان ہے اور اگر میرے ساتھ برائی کرے گا تو مجھے سزا دینے کا تجھے اختیار ہے تو نے مجھے مصیبتوں کی آماجگاہ اور دکھوں کا نشانہ بنا دیا مجھ پر ایسی مصیبت پڑی ہے کہ اگر تو پہاڑ پر ڈال دیتا تو وہ بھی نہ اٹھا سکتا، پھر میری کمزوری اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے تیرے قطعی حکم نے مجھے ذلیل کر دیا اور تیری ہی حکومت نے مجھے بدحال بنا دیا اور میرے جسم کو دبلا کر دیا۔ اگر میرا رب اپنی ہیبت کو نکال دے جو میرے دل میں ہے اور میری زبان کو رواں کر دے کہ میں منہ بھر کر بول سکوں پھر یہ مناسب بھی ہو کہ بندہ اپنی طرف سے حجت پیش کر سکے تو امید ہے کہ جو مصیبت مجھ پر ہے اس سے مجھے بچاؤ عطا کر دے گا لیکن وہ تو مجھ سے بہت بالا واعلیٰ ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے میں اسے نہیں دیکھتا وہ میری بات سنتا ہے میں اس کی آواز نہیں سنتا اس کی نظر (عنایت) میری طرف نہیں۔ نہ وہ مجھ پر رحم کرتا ہے نہ مجھ سے قریب ہے نہ مجھے اپنے قریب کرتا ہے کہ میں اپنا عذر پیش کر سکوں اور اپنی براءت کی بات کر سکوں اور اپنا دفاع کر سکوں۔

اللہ کی طرف سے نداء:

حضرت ایوب اتنی ہی بات کرنے پائے تھے اور آپ کے ساتھی آپ کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ یکدم ایک بادل چھا گیا ساتھیوں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کوئی عذاب آیا، لیکن اس کے اندر سے آواز آئی اے ایوب! اللہ فرماتا ہے میں تیرے قریب ہوں اور ہمیشہ سے تیرے قریب ہی رہا، اٹھ اپنا عذر پیش کر اور اپنی براءت کی بات کر اور اپنی طرف سے دفاع کر اور کمر کس کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقام پر کھڑا ہو جس مقام پر کوئی طاقت ور کھڑا ہو کر دوسرے طاقتور کا دفاع کرتا ہے اگر تجھ سے ہو سکے۔ مجھ سے وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو مجھ جیسا ہو اے ایوب تیرے نفس نے تجھے آرزومند بنا دیا ہے کہ تو اپنی قوت سے اپنے مقصد کو پہنچ جائے گا تو کہاں تھا جس روز میں نے زمین کو پیدا کیا، اور اس کی بنیاد پر اس کو قائم کیا، کیا تو میرے ساتھ زمین کے کناروں کو پھیلا رہا تھا کیا تو واقف ہے کہ میں نے کس اندازے سے اس کو بنایا، کس چیز پر اس کے اطراف کو قائم کیا، کیا تیری اطاعت کر کے پانی نے زمین کو اٹھایا ہے کیا تیری حکمت سے زمین پانی کا سرپوش بنی ہوئی ہے تو اس روز کہاں تھا جب میں نے آسمان کو چھت کی شکل میں ہوا میں بلند کیا تھا نہ اوپر سے کوئی رسی ہے کہ آسمان اس سے بندھا لٹک رہا ہو، نہ نیچے سے ستون اس کو اٹھائے ہوئے ہیں کیا تو اپنی حکمت سے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ آسمان کے نور کو بہا دے یا ستاروں کو چلا دے کیا تیرے حکم سے رات ودن کا ادل بدل ہو رہا ہے۔ جس روز دریاؤں کے فوارے میں نے (زمین سے) نکالے تھے اور سمندروں کو ان کی حدود میں بند کیا تھا تو تو کہاں تھا کیا تیری قوت سے سمندروں کی لہریں ان کی حدود کے اندر روکی گئی ہیں یا مدت حمل ختم ہونے پر رحم کا منہ تو کھولتا ہے جب میں نے پانی کو خاک پر روکا تھا اور اونچے پہاڑ برپا کیے تھے، تو کہاں تھا کیا تجھے علم ہے کہ کس چیز پر میں نے پہاڑوں کو برپا کیا ہے یا کس توازن سے ان کو قائم کیا ہے کیا تیرے پاس ایسی کلائیاں ہیں جو

ان کا بوجھ اٹھا سکیں۔ کیا تو جانتا ہے کہ جو پانی میں آسمان سے اتارتا ہوں وہ کہاں سے اتا ہے کس چیز سے بادل پیدا ہوتا ہے۔ برف کا خزانہ کہاں ہے اولوں کے پہاڑ کہاں ہیں، دن کے اندر رات کا خزانہ کہاں ہے اور رات میں دن کا خزانہ کہاں رہتا ہے اور ہواؤں کا خزانہ کہاں ہے، درخت کس زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ کس نے انسان کے جوف (سینہ یا پیٹ یا سر) میں عقل پیدا کی اور کس نے کانوں اور آنکھوں کے یہ شگاف بنائے، فرشتے کس کے اقتدار کے مطیع ہیں اور کس نے اپنی قہاری طاقت سے سب طاقتوروں کو مغلوب کر رکھا ہے اور کس نے اپنی حکمت سے رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ نے اسی طرح کے کلام میں اپنی آثارِ قدرت کا بکثرت اظہار فرمایا۔

حضرت ایوبؑ کی عرضداشت:

ایوبؑ نے عرض کیا، الٰہی جو تفصیل تو نے بیان فرمائی اس کو سمجھنے (اور جواب دینے) سے (میری حالت اور) میرا مرتبہ حقیر ہے میری زبان گنگ ہوگئی میری عقل و دانش کند ہوگئی اور میری قوت کمزور پڑ گئی اے میرے معبود! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو نے بیان فرمایا وہ تیرے ہی دستِ قدرت کی کاریگری اور تیری ہی حکمت کی تدبیر کا نتیجہ ہے بلکہ تیری تدبیر حکمت وصنعت اور قدرت اس سے بھی بڑی ہے کوئی چیز تجھے بے بس نہیں کر سکتی کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، میرے معبود، مجھ پر دکھ ایسے پڑے کہ میں بے قابو ہو کر بول پڑا مصیبت نے ہی میری زبان چلادی، کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا اور ایسی بات اپنے رب کی شان میں نہ کہتا جو میرے رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی کاش اس سے پہلے ہی سخت ترین دکھ سے پیدا ہونیوالے غم کی وجہ سے میں مر چکا ہوتا۔ میں نے جو کچھ زبان سے نکالا وہ اس لیے نکالا کہ تو میری معذرت قبول فرمالے اور خاموش رہا تو اس لیے کہ تجھے مجھ پر رحم آجائے۔ میری زبان سے غلطی سے ایک بات نکل گئی دوبارہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا، میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا ہے اور دانتوں کے نیچے زبان دبالی ہے اور چہرے پر خاک مل لی ہے۔ آج میں تیرے عذاب سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں سخت دکھ سے تیرے ہی جوارِ رحمت کا خواستگار ہوں مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ میں تیری سزا سے محفوظ رہنے کے لیے تجھ سے ہی فریاد کرتا ہوں میری فریاد رسی فرما، میں تیری ہی مدد کا طلبگار ہوں میری مدد کر میں تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں میرا کام پورا فرمادے میں تیرے ہی ذریعہ سے بچاؤ کا خواہاں ہوں مجھے اپنی حفاظت میں لے لے، میں تجھ سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرمادے میں آئندہ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو تیری مرضی کے خلاف ہو۔

درخواست کی قبولیت:

اللہ نے ایوب سے فرمایا تیرے بارے میں میرا علم (پہلے ہی) نافذ ہو چکا تھا اور میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے میں نے تیرا قصور معاف کیا تیرے اہل وعیال اور مال کی واپسی کا حکم دے دیا بلکہ جتنا تیرے پاس تھا اتنا ہی مزید تجھے دے دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کے لیے قدرت کی نشانی مصیبت زدہ لوگوں کے لیے عبرت اور صبر کرنے والوں کے لیے باعث عزت ہوجائے اپنی ایڑی زمین پر مار (دیکھ) یہ ٹھنڈا پینے کا اور نہانے کا پانی ہے، اسی میں تیری شفا ہے۔ اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لیے دعاء مغفرت کر انہوں نے تیرے متعلق میری نافرمانی کی ہے (یعنی تیرے متعلق برا خیال قائم کیا اور تجھے چھوڑ کر چلے گئے) حسب الحکم ایوب نے زمین پر اپنی ایڑی ماری فوراً ایک چشمہ پھوٹ نکلا، ایوب نے اس میں گھس کر غسل کیا اور فوراً ہی اللہ نے سارے دکھ دور کر دیئے آپ چشمہ سے نکل کر آ کر بیٹھ گئے اتنے میں سامنے سے آپ کی بی بی آگئی اور ایوب جہاں پہلے پڑے تھے وہاں آپ کو تلاش کرنے لگی اور جگہ خالی پاکر متحیر دیوانی ہوکر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی آخر ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ کر حضرت ایوب سے ہی پوچھنے لگی اللہ کے بندے تم کو اس بیمار کا کچھ پتہ ہے جو یہاں پڑا ہوا تھا ایوب نے جواب دیا جی ہاں (میں اس کو پہچانتا ہوں) نہ پہچاننے کی کوئی وجہ نہیں، یہ کہہ کر آپ مسکرادیئے اور فرمایا وہ میں ہی تو ہوں ہنسنے سے بی بی نے پہچان لیا اور (دوڑ کر) گلے لگ گئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عبداللہ (بن عباس) کی جان ہے بی بی ایوب کے گلے سے اس وقت تک لپٹی رہی کہ سارے مویشی اور اولاد (جو فنا ہو چکی تھی دوبارہ زندہ ہوکر) انکے سامنے سے گذر گئی۔ اسی کا تذکرہ ہے آیت ذیل میں،

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ اور یاد کرو ایوب کا واقعہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے دکھ لگ گیا ہے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ایوب نے عرض مدعا نہیں کیا بلکہ پہلے اپنی قابل رحم حالت کا اظہار کیا اور پھر اللہ کے اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہونے کا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ، پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور فرمایا کہ تیری دعا قبول کرلی گئی اب سجدہ سے سر اٹھا۔

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ اور جو کچھ اس کو دکھ تھا ہم نے دور کر دیا۔

حضرت ایوب کو حکم دیا گیا زمین پر ایڑی مارو۔ ایوبؑ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ حسب الحکم آپؑ نے اس میں غسل کیا غسل کرتے ہی ہر ظاہری بیماری جاتی رہی اور حسن و شباب لوٹ آیا اور چالیس

قدم چلے پھر دوبارہ ایڑی مارنے کا حکم ہوا آپ نے حکم کی تعمیل کی تو ایک اور چشمہ پھوٹ نکلا جس کا پانی ٹھنڈا تھا، حکم ہوا اس میں سے پانی لے کر پیو، جونہی آپ نے وہ پانی پیا تمام اندرونی بیماریاں بھی دفع ہوگئیں اور مکمل ترین تندرست، حسین جوان مردوں کی طرح ہوگئے اس کے بعد آپ نے لباس پہنا اور دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھا تو وہ تمام مال واولاد جو پہلے ان کے پاس تھی سب موجود پائی بلکہ اللہ نے اس کو دوگنا کر دیا۔ دولت کی کثرت اتنی ہوگئی کہ جس پانی سے آپ غسل کر رہے تھے اس کی چھینٹیں جب سینہ پر پڑیں تو وہ سونے کی ٹڈیاں بن گئیں اور حضرت ایوب ان کو پکڑنے کے لیے ہاتھ مارنے لگے، اللہ نے وحی بھیجی ایوب کیا میں نے تجھے غنی نہیں بنا دیا ہے، آپ نے عرض کیا بیشک تو نے مجھے غنی بنا دیا، لیکن یہ تو تیری مزید عنایت ہے اور مزید رحمت سے کون سیر ہوسکتا ہے۔

سونے کی ٹڈیاں:

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایوبؑ برہنہ غسل کر رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں آپ کے اوپر گرنے لگیں آپ ان کو کپڑے میں بھرنے لگے ندا آئی ایوبؑ کیا میں نے تجھ کو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا ہے (تیرے پاس تو بہت مال ہے تجھے سونے کی ٹڈیاں پکڑنے کی کیا ضرورت ہے) ایوب نے کہا تیری عظمت کی قسم تو نے مجھے غنی ضرور بنا دیا ہے لیکن تیری طرف سے نازل ہونے والی برکت سے تو میں بے نیاز نہیں ہوں۔

حضرت ایوبؑ کی اہلیہ:

حسن کا بیان ہے (تندرست ہونے کے بعد) حضرت ایوب ایک اونچی جگہ پر جا بیٹھے ادھر بیوی نے اپنے دل میں کہا اگر ایوب نے مجھے نکال بھی دیا ہے پھر بھی میں کس کے بھروسہ پر اس کو چھوڑ سکتی ہوں یوں وہ بھوکا مرجائے گا وار اس کو درندے کھا جائیں گے، یہ سوچ کر بیوی لوٹ آئی تو وہاں نہ وہ گھوڑا ملا نہ گزشتہ حالت کا نشان۔ سب چیزیں بدل گئی تھیں جہاں پہلے گھوڑا تھا بیچاری چکر کاٹنے اور رونے لگی، یہ سب واقعہ ایوب کی نظر کے سامنے ہو رہا تھا اور چونکہ آپؑ (ایک اچھا) لباس پہنے تھے اس لیے وہ بی بی آپ کے پاس آکر پوچھنے سے ڈر رہی تھی حضرت ایوب نے خود ہی اس کو بلایا اور دریافت کیا اللہ کی بندی تیرا کیا مقصد ہے بی بی رونے لگی اور کہا یہاں گھوڑے پر ایک بیمار پڑا تھا مجھے اس کی تلاش ہے معلوم نہیں وہ مرگیا یا کیا واقعہ اس کو پیش آیا حضرت نے پوچھا وہ تیرا کون تھا بی بی نے رو کر کہا وہ میرا شوہر تھا حضرت نے کہا اگر تو اس کو دیکھ لے تو پہچان لے گی، بیوی نے کہا کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اس کو دیکھا ہو اور پہچان نہ سکے پھر ڈرتے ڈرتے وہ آپ کو تکنے لگی اور کہا جب وہ تندرست تھا تو نقشہ میں آپ کے ساتھ بہت مشابہ تھا۔ حضرت نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں، جس کو تو نے ابلیس کے نام پر قربانی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں نے اللہ کا حکم مانا اور شیطان کا کہا نہ مانا۔ میں نے اللہ سے دعا کی اس نے مجھے وہ سب چیزیں لوٹا کر دیدیں جو تیری نظر کے سامنے ہیں۔

شیطان کا بہکاوا:

بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ابلیس نے عورت سے کہا تھا تو مجھے ایک سجدہ کرلے میں تیرا مال اولاد واپس کر دوں گا اور تیرے شوہر کو بھلا چنگا بنا دوں گا عورت نے واپس آکر حضرت ایوب کو اس بات کی اطلاع دی حضرت ایوب نے فرمایا وہ دشمن خدا تیرے پاس دین سے بہکانے کے لیے آپہنچا۔

حضرت ایوبؑ کی قسم:

پھر آپ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ مجھے تندرست کر دے گا تو میں سو تازیانے تیرے ماروں گا، جب آپ نے دیکھا کہ ابلیس کو اب یہ خیال ہو چلا ہے کہ بیوی اس کو سجدہ کرلے گی اور اس نے بیوی کو اور مجھ کو کفر کی دعوت دینے کی جرات کی ہے اسوقت آپ نے دعا کی رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ چونکہ آپ کی بی بی رحمت نے مصیبت میں آپ کا ساتھ دیا اور صبر کیا اس لیے اللہ نے اس پر رحمت فرمائی اور اس کے لیے حکم میں تخفیف کر دی اور حضرت ایوب کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بتا دی کہ (سو شاخوں کا) ایک گٹھا لے کر ایکدم رحمت کے مار دو اس طرح تمہاری قسم پوری ہو جائے گی حضرت ایوبؑ نے حکم کی تعمیل کی چھوٹی چھوٹی سو شاخوں کا ایک گٹھا بنا کر بیوی کے ایک مرتبہ مار دیا۔

اپنے دکھ کا اظہار صبر کے خلاف نہیں:

سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو شخص فیصلہ خداوندی پر راضی ہو اور لوگوں سے اپنے دکھ کا اظہار کرے تو یہ بے صبری اور جزع نہیں ہے۔ (بلکہ اپنی حالت کا اظہار ہے) جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں جبرئیل آئے اور پوچھا آپ اپنے کو کیسا پاتے ہیں (یعنی آپ کو اپنی حالت کیسی محسوس ہوتی ہے مزاج کیسا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے کو مغموم اور بے چین پاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ابن جوزی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیل نے آکر کہا اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور دریافت فرماتا ہے آپ کا کیا حال ہے۔ الحدیث۔

جب حضرت عائشہؓ نے (رسول اللہ کی طرف سے مزاج پرسی کے جواب میں) کہا ہائے میرا سر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (اپنے دردسر کی شکایت کی اور) فرمایا (تم کو ہی دردسر کی شکایت نہیں) میں بھی کہتا ہوں ہائے میرا سر (یعنی میرے سر میں بھی درد ہے) ابن اسحاق اور امام احمد نے (حضرت عائشہؓ کی روایت سے) بیان کیا کہ بقیع سے واپس آکر رسول اللہ میرے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بھی سر کا دکھ تھا (یعنی دردسر تھا) میں نے

کہاہائے سر۔فرمایا (تم ہی نہیں) میں بھی کہتا ہوں آہ میرا سر۔الحدیث۔

سونے کی بارش:

حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضرت ایوب کے دو خرمن تھے ایک گیہوں کا دوسرا جو کا۔اللہ نے دو بدلیاں بھیجیں ایک بدلی نے ایک خرمن پر سونے کی بارش کی اور دوسری بدلی نے دوسرے خرمن پر چاندی بہادی۔(تفسیر مظہریؒ)

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝
رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت بندگی کرنے والوں کو☆

رحمت و نصیحت:

یعنی ایوبؑ پر یہ مہربانی ہوئی اور تمام بندگی کرنے والوں کے لئے ایک نصیحت اور یادگار قائم ہوگئی کہ جب کسی نیک بندے پر دنیا میں براوقت آئے تو ایوبؑ کی طرح صبر واستقلال دکھلانا اور صرف اپنے پروردگار سے فریاد کرنا چاہئے۔حق تعالیٰ اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔اور محض ایسے ابتلاء کو دیکھ کر کسی شخص کی نسبت یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے یہاں مبغوض ہے۔(تفسیر عثمانیؒ)

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ
اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو
كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
یہ سب ہیں صبر والے☆

حضرت ذوالکفل:

یعنی ان سب نیک بندوں کو یاد کرو۔اسمٰعیل اور ادریس کا ذکر پہلے سورہ ''مریم'' میں گذر چکا۔ذوالکفل کی نسبت اختلاف ہے کہ نبی تھے جیسا کہ انبیاء کے ذیل میں تذکرہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے یا محض ایک مرد صالح تھے۔کہتے ہیں ایک شخص کے ضامن ہو کر کئی برس قید رہے اور اللہ یہ محنت اٹھائی۔(تنبیہ) مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں ایک شخص کا قصہ آتا ہے جو پہلے سخت بدکار اور فاسق وفاجر تھا، بعدہ تائب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی بشارت اسی دنیا میں لوگوں کو سنادی۔اس کا نام حدیث میں ''کفل'' آیا ہے۔بظاہر یہ وہ ''ذوالکفل'' نہیں جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا۔واللہ اعلم۔ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ ''ذوالکفل'' وہ ہی ہیں جن کو 'حزقیل' کہاجاتا ہے۔واللہ اعلم۔(تفسیر عثمانیؒ)

حضرت یسعؑ کا خلیفہ:

امام تفسیر ابن جریر نے اپنی سند کیساتھ مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یَسَعؑ (جن کا نبی و پیغمبر ہونا قرآن میں مذکور ہے) جب بوڑھے اور ضعیف ہوگئے تو ارادہ کیا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں جو ان کی زندگی میں وہ سب کام ان کی طرف سے کرے جو نبی کے فرائض میں داخل ہیں۔

اس مقصد کے لئے یسع علیہ السلام نے اپنے سب صحابہ کو جمع کیا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہو اس کو خلیفہ بناؤں گا۔وہ تین شرطیں یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ رات کو عبادت میں بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو، مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر ذلیل سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔حضرت یسع نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ شب بیداری کرتے ہو اور کبھی غصہ نہیں کرتے۔اس شخص نے عرض کیا کہ بیشک میں ان تین چیزوں کا عامل ہوں۔حضرت الیسع (کو شاید کچھ اس کے قول پر اعتماد نہ ہوا اس لئے) اس روز اس کو رد کر دیا پھر کسی دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا اور سب حاضرین ساکت رہے اور یہی شخص پھر کھڑا ہو گیا اس وقت حضرت یسع نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔(معارف مفتی اعظمؒ)

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ اور اسمٰعیل (بن ابراہیم) کو اور ادریس (یعنی اخنوخ) اور ذوالکفل کو۔ذوالکفل کون تھے پیغمبر تھے یا نہ تھے اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے عطا کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کے پاس وحی آئی کہ آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی حکومت رکھیے اور جو شخص اس بات کی ذمہ داری لے کہ وہ رات میں نمازیں پڑھے گا، سستی نہیں کرے گا اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھے گا، کسل نہیں کرے گا اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے گا اور اس کو غصہ نہیں آئے گا اس کو حکومت سپرد کر دیجئے پیغمبر نے بنی اسرائیل کے سامنے معاملہ رکھا مجلس میں سے ایک جوان اٹھا اور عرض کیا میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں اس جوان نے ذمہ داری قبول بھی کر لی اور اس کو پورا بھی کیا اور اللہ نے بھی اس کی قدر افزائی کی اور اس کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اسی جوان کا نام ذوالکفل ہوا۔

شیطان کی ناکام کوشش:

جب یہ خلیفہ اپنی خوابگاہ میں قیلولہ کرنے کے لیے پہنچا اور دن رات میں وہی وقت اس کے سونے کا تھا فقط قیلولہ کے وقت ہی وہ ایک نیند لے لیتا تھا۔ اچانک ایک کمزور بوڑھے کی شکل میں ابلیس آپہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔خلیفہ نے پوچھا کون ہے، ابلیس نے جواب دیا ایک بہت بوڑھا مظلوم خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھے نے کہا میرے اور میری قوم کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ یہ حرکتیں کی ہیں۔بوڑھے نے اپنی بات کو اتنا طول دیا کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا اور پچھلا دن آ گیا، خلیفہ نے کہا شام کو جب میں جاؤں گا تو تیرا حق دلوادوں گا، ابلیس چلا گیا اور خلیفہ پچھلے دن میں جب اپنی مجلس میں پہنچا تو اس بوڑھے کو تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظر

دوڑانے لگا لیکن وہ کہیں نہیں دکھائی دیا۔ دوسرے دن صبح کو بھی جب خلیفہ نے لوگوں کے مقدمات طے کرنے کے لیے اجلاس کیا تب بھی بوڑھے کو تلاش کیا لیکن وہ نظر نہ آیا، اجلاس کے بعد قیلولہ کرنے کے لیے جب اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو بوڑھے نے دروازہ کھٹکھٹایا خلیفہ نے دروازہ کھول دیا، بوڑھا آ گیا، خلیفہ نے کہا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ جب اجلاس کروں اس وقت آنا بوڑھے نے کہا وہ بہت برے لوگ ہیں، جب آپ اجلاس میں بیٹھے تھے اور ان کو معلوم ہوگیا تو انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ ہم تجھے تیرا حق دیدیں گے اور جب آپ اجلاس سے اٹھ گئے تو انہوں نے اداءِ حق سے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے کہا اب تو جا پھر جس وقت میں پچھلے دن میں اجلاس کروں تو میرے پاس آنا اس گفتگو میں اس دوپہر کا آرام بھی خلیفہ کا جاتا رہا اور پچھلے دن میں جب وہ مجلس میں لوٹے تو بوڑھے کو ادھر ادھر دیکھنے لگے لیکن اس کو نہ پایا پھر اونگھ سے مغلوب ہوگئے تو (تیسری دوپہر کو) خلیفہ نے گھر والے (خادم) کو حکم دیا کہ کسی کو دروازے کے قریب آنے کی بھی اجازت نہ دینا تاکہ میں سو جاؤں میرے اوپر نیند کا غلبہ ہو رہا ہے غرض جب (سونے کا) وقت آیا تو وہ بوڑھا آ پہنچا مگر خادم نے اجازت نہیں دی بوڑھا بے بس ہوگیا اسی اثناء میں اس کو کمرے کا روشن دان نظر آیا فوراً کود کر اس کے اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچ گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا (تاکہ خلیفہ بیدار ہو جائے) خلیفہ بیدار ہوگیا اور خادم کو آواز دے کر کہا اے شخص کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص دروازے پر نہ آئے، خادم نے کہا میری طرف سے تو کوئی آیا نہیں ہے آپ خود دیکھ لیجئے کہ یہ شخص کس طرف سے آیا ہے خلیفہ نے اٹھ کر دروازہ کو دیکھا تو اس کو مقفل پایا لیکن وہ شخص کمرے کے اندر موجود تھا وہ کہنے لگا کیا آپ یہاں سوتے رہیں گے ایسی حالت میں کہ اہل معاملہ دروازہ پر موجود ہوں اب خلیفہ نے اس کو پہچانا اور کہا اے خدا کے دشمن تو ہے ابلیس نے کہا ہاں آپ نے مجھے عاجز کر دیا اور میں نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا وہ محض غصہ دلانے کے لیے تھا لیکن اللہ نے آپ کو مجھ سے محفوظ رکھا اسی خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ انہوں نے ایک کام کا ذمہ لیا تھا اور اس ذمہ کو پورا بھی کر دیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ

اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی رحمت میں وہ ہیں

الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا

نیک بختوں میں اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر ☆

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ:

"مچھلی والا" فرمایا حضرت یونس علیہ السلام کو۔ ان کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کی طرف (جو موصل کے مضافات میں سے ہے) مبعوث فرمایا تھا۔ یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا۔ وہ ماننے والے کہاں تھے۔ روز بروز ان کا عناد و تمرد ترقی کرتا رہا۔ آخر بددعا کی اور قوم کی حرکات سے خفا ہو کر غصہ میں بھرے ہوئے شہر سے نکل گئے "حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور وعدہ کر گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ ان کے نکل جانے کے بعد قوم کو یقین ہوا کہ نبی کی بددعاء خالی نہیں جائے گی، کچھ آثار بھی عذاب کے دیکھے ہونگے۔ گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت باہر جنگل میں چلے گئے اور ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا۔ میدان میں پہنچ کر سب نے رونا چلانا شروع کیا، بچے اور مائیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی، بت توڑ ڈالے خدا تعالیٰ کی اطاعت کا عہد باندھا اور حضرت یونس کو تلاش کرنے لگے کہ ملیں تو ان کے ارشاد پر کاربند ہوں۔ حق تعالیٰ نے آنے والا عذاب ان پر سے اٹھالیا۔

"فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ" (یونس رکوع ۱۰)

ادھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے۔ وہ کشتی غرق ہونے لگی۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے (یا اپنے مفروضات کے موافق یہ سمجھ کر کشتی میں کوئی غلام مولا سے بھاگا ہوا ہے) بہرحال اس آدمی کی تعیین کیلئے قرعہ ڈالا۔ وہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا۔ دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر دفعہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلتا رہا۔ یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی آ کر نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں رکھ اس کا ایک بال بیکا نہ ہو۔ یہ تیری روزی نہیں بلکہ تیرا پیٹ ہم نے اس کا قید خانہ بنایا ہے۔ اس کو اپنے اندر حفاظت سے رکھنا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اللہ کو پکارا "اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" اپنی خطا کا اعتراف کیا کہ بیشک میں نے جلدی کی کہ تیرے حکم کا انتظار کئے بدون بستی والوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ گو یونس علیہ السلام کی یہ غلطی اجتہادی تھی جو امت کے حق میں معاف ہے۔ مگر انبیاء کی تربیت وتہذیب دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ جس معاملہ میں وحی آنے کی امید ہو، بدون انتظار کئے قوم کو چھوڑ کر چلا جانا ایک نبی کی شان کے لائق نہ تھا۔ اسی نامناسب بات پر داروگیر شروع ہوگئی۔ آخر توبہ کے بعد نجات ملی۔ مچھلی نے کنارہ پر آ کر اگل دیا۔ اور اسی بستی کی طرف صحیح سالم واپس کئے گئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قوم والوں کی توبہ:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے بعض آثار کا ان کو مشاہدہ

بھی ہوگیا، تو انہوں نے اپنے شرک وکفر سے توبہ کی اور بستی کے سب مرد وعورت اور بچے جنگل کی طرف نکل گئے اور اپنے مویشی جانوروں اور ان کے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے اور بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا اور سب نے گریہ وزاری کرنا شروع کی اور الحاح وزاری کے ساتھ اللہ سے پناہ مانگی، جانوروں کے بچوں نے جن کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا گیا تھا الگ شور وغل کیا۔ حق تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ اور الحاح وزاری کو قبول کرلیا اور عذاب ان سے ہٹا دیا، ادھر حضرت یونس علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ قوم پر عذاب آرہا ہے، وہ ہلاک ہوگئی ہوگی جب ان کو یہ پتہ چلا کہ عذاب نہیں آیا اور قوم صحیح سالم اپنی جگہ ہے تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب میں جھوٹا سمجھا جاؤں گا۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

اذذهب مغاضبا، جس وقت وہ انتہائی غصے میں چل دیا تھا۔

یونس علیہ السلام کی ناراضگی کا دوسرا واقعہ:

حسب روایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور ضحاک نے بھی یہی کہا ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے ساتھ فلسطین میں رہتے تھے، کسی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا اور ساڑھے نو چیلوں کو قید کر کے لے گیا، صرف ڈھائی قبیلے باقی رہ گئے۔ اللہ نے شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تم حرقیا بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کسی طاقت ور نبی کو دشمنوں کے پاس بھیج کر بنی اسرائیل کی قید سے رہا کرائے۔ میں دشمنوں کے دلوں میں بنی اسرائیل کو رہا کرنے کا خیال پیدا کردوں گا۔ شعیا نبی شاہ حرقیا کے پاس گئے اور پیام پہنچایا۔ حرقیا کی سلطنت میں پانچ پیغمبر تھے۔ حضرت شعیا سے اس نے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے کس کو بھیجوں۔ حضرت شعیا نے کہا یونس کو وہ طاقتور بھی ہے اور امانتدار بھی۔ بادشاہ نے یونس کو بلوایا اور جانے کا حکم دیا۔ حضرت یونس نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو میرے بھیجنے کا حکم دیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا کیا مجھے اللہ نے نامزد کیا ہے بادشاہ نے کہا نہیں یونس نے کہا تو میرے سوا یہاں دوسرے طاقت ور پیغمبر ہیں کسی اور کو بھیج دو لوگوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور جانے پر اصرار کیا، یونس پیغمبر بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر غصہ کی حالت میں (کسی طرف کو) چل دیئے اور بحر روم پر پہنچ کر کشتی میں سوار ہوگئے۔

ناراضگی کے اسباب:

عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یونس اپنی قوم کو چھوڑ کر اللہ سے ناراض ہو کر چل دیئے تھے اور خدا سے ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ یونس نے حسب حکم خدا قوم کو عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا لیکن (جب قوم یونس نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ و استغفار کیا تو) اللہ نے عذاب ٹال دیا یونس کو اس پر ناگواری ہوئی ان کو خیال ہوا کہ اب لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے۔ شرم کے مارے قوم کو چھوڑ کر چل دیئے ان کو کیا معلوم تھا کہ عذاب ٹل جانے کی وجہ کیا ہوئی آپ کی ناراضگی صرف اس سبب سے ہوئی کہ آپ کا جھوٹا ہونا قوم کی نظر میں محقق ہوگیا آپ کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔

حسن نے کہا اللہ سے حضرت یونس علیہ السلام کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے یونس کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور ان کو ہمارے عذاب سے ڈراؤ اور دعوت ایمان دو یونس نے درخواست کی کہ مجھے روانگی کی تیاری کرنے کی مہلت دی جائے جواب ملا معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے، فوراً چلے جاؤ۔

یونس نے درخواست کی مجھے جوتہ پہن لینے کی تو اجازت دیدی جائے، لیکن اللہ کی طرف سے اتنی بھی مہلت نہیں ملی اور فطری طور پر آپ کے اندر قوت علم کی کمی تھی اس لیے روانہ تو ہوگئے مگر غصہ کی حالت میں۔ وہب نے کہا یونس علیہ السلام نیک آدمی تھے۔ پر جب آپ پر نبوت کا بار ڈالا گیا تو آپ دب گئے اور بھاگ نکلے اسی لیے اللہ نے آپ کو اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے مچھلی والے کی طرح نہ ہو جایئے۔ (تفسیر مظہری)

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو ☆

مقام محبت کی نزاکتیں:

یعنی یہ خیال کرلیا کہ ہم اس حرکت پر کوئی داروگیر نہ کریں گے، یا ایسی طرح نکل کر بھاگا جیسے کوئی یوں سمجھ کر جائے کہ اب ہم اس کو پکڑ کر واپس نہیں لاسکیں گے گویا بستی سے نکل کر ہماری قدرت سے ہی نکل گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے۔ ایسا خیال تو ایک ادنیٰ مومن بھی نہیں کرسکتا بلکہ غرض یہ ہے کہ صورت حال ایسی تھی جس سے یوں مترشح ہوسکتا تھا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ ترین لغزش کو بہت سخت پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کئی جگہ لکھ چکے ہیں اور اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی۔ بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگذاشت بھی کیوں کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ

پھر پکارا ان اندھیروں میں ☆

یعنی دریا کی گہرائی، مچھلی کے پیٹ اور شب تاریک کے اندھیروں میں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ

کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

گنہگاروں سے ☆

یعنی میری خطا کو معاف فرمائیے۔ بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کی دُعاء:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالنون کی وہ دعا جو انہوں نے بطن ماہی کے اندر کی تھی یعنی اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، جو مسلمان اپنے کسی مقصد کے لئے ان کلمات کیساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمادینگے (رواہ احمد والترمذی والحاکم وصححہ من حدیث سعد بن ابی وقاص۔ از مظہری)

حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے قیاس و اجتہاد سے یہ گمان تھا کہ ان حالات میں اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کے بارے میں مجھ پر کوئی تنگی نہیں کی جائیگی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں (اپنے نفس پر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی میں تیری اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر چل دیا اور انتظار نہیں کیا حقیقت میں یہ میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مچھلی کے پیٹ میں:

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا یونسؑ کو پکڑ لے لیکن اس کے خراش نہ آئے نہ کوئی ہڈی ٹوٹے حسب الحکم مچھلی نے آپ کو لے لیا اور اپنے مقام پر نیچے لے گئی جب سمندر کی تہ میں لے کر پہنچی تو یونس نے تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی آواز سنی دل میں خیال کیا یہ کیسی آواز ہے اللہ نے وحی بھیجی یہ آواز سمندری جانوروں کی تسبیح کرنے کی ہے یہ جان کر آپ نے بھی مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی تسبیح کرنی شروع کر دی۔ ملائکہ نے تسبیح یونس کی آواز سنی تو عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے ایک عجیب زمین میں ایک ضعیف آواز سنی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں نے کہا آواز تو جانی پہچانی ہے اور زمین انجان ہے، اللہ نے فرمایا یہ ہمارے بندے یونسؑ کی آواز ہے جس نے میری نافرمانی کی تھی۔ میں نے اس کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا فرشتوں نے کہا کیا یہ وہی نیک بندہ ہے جس کی طرف سے روزانہ کوئی نیک عمل تیری طرف چڑھایا جاتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہاں، اس وقت ملائکہ نے یونس کے لیے شفاعت کی اور اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو اگل دے۔ مچھلی نے کنارے پر آ کر یونسؑ کو اگل دیا۔ (تفسیر مظہریؒ)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ

پھر سن لی ہم نے اس کی فریاد اور بچا دیا اس کو اس گھٹنے سے

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور یونہی ہم بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو ☆

یعنی یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں، جو ایماندار لوگ ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو بلاؤں سے نجات دینگے۔

آیتِ کریمہ کی فضیلت:

احادیث میں اس دعاء کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور امت نے شدائد و نوائب میں ہمیشہ اس کو مجرب پایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب (حضرت) یونس علیہ السلام نے یہ دعا کی تو یہ کلمات عرش کے اردگرد گھومنے لگے فرشتے کہنے لگے بہت دور دراز کی یہ آواز ہے لیکن کان اس سے پہلے آشنا ضرور ہیں آواز بہت ضعیف ہے۔ جناب باری نے فرمایا کیا تم نے پہچانا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا وہی یونس جس کے پاک عمل قبول شدہ ہر روز تیری طرف چڑھتے تھے اور جن کی دعائیں تیرے پاس مقبول تھیں خدایا جیسے وہ آرام کے وقت نیکیاں کرتا تھا تو اس مصیبت کے وقت اس پر رحم کر۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو بغیر کسی تکلیف کے کنارے پر اگل دے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور غم سے نجات دیدی، ان اندھیریوں سے نکال دیا، اسی طرح ہم ایمان داروں کو نجات دیا کرتے ہیں، وہ مصیبتوں میں گھر کر ہمیں پکارتے ہیں اور ہم ان کی دست گیری فرما کر تمام مشکلیں آسان کر دیتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ اس دعائے یونسی کو پڑھیں جس کی سید الانبیاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان غنی کا واقعہ:

مسند احمد، ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود تھے میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام کا جواب نہ دیا میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلوایا ان سے واقعہ کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا۔ اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ

نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ واللہ جب مجھے وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا کہ ایک اعرابی آ گیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا بہت وقت گزر گیا اب حضور وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابواسحق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ میں ہوں، آپ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اول دعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشغول کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا (حضرت) ذوالنون (علیہ السلام) کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی، یعنی اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو بھی حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کے ساتھ دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

اسم اعظم:

ابن ابی حاتم میں ہے کثیر بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام حسن بصری سے پوچھا کہ ابوسعید خدا کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو عطا فرمائے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادرزادے کیا تم نے قرآن کریم میں خدا کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی خدا کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا لوگو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثناء و صفت بیان کرتے رہنے کی اور لالچ اور خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ نے فرمایا، مچھلی کے پیٹ کے اندر ذوالنون نے اپنے رب کو پکارا تھا ان کی دعا تھی اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، اس دعا کے ساتھ جو مسلمان کسی معاملہ میں اپنے رب کو پکارے گا اللہ اس کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ رواہ احمد والترمذی والحاکم وصححہ من حدیث سعد بن وقاص۔ حاکم کی ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کوئی دکھ یا مصیبت آپڑے اور وہ اس چیز کے ذریعہ سے اللہ سے دعا کرے تو اللہ ضرور اس کی مصیبت دور کر دے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا وہ ذالنون کی دعا ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

ابن جریر کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے اللہ کا وہ نام کہ جس کے ذریعہ سے اگر اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر اس سے کچھ مانگا جاتا ہے تو عطا فرما دیتا ہے (ذوالنون کی دعا یعنی) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے۔

سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ اللہ کا اسم اعظم تہلیل یعنی نفی و اثبات، اور لا الہ الا اللہ سے لا الہ الا ھو اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ کا درجہ بہت اونچا ہے یعنی ضمیر غائب و حاضر کا درجہ بہت اونچا ہے (یعنی ضمیر غائب و حاضر کا ذکر صراحۃً لفظ اللہ کو ذکر کرنے سے افضل ہے) کیونکہ اللہ اگرچہ ذات پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے اندر صفات کمالیہ کا لحاظ ضرور ہوتا ہے۔ اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کو جامع ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا

اور زکریا کو جب پکارا اس نے اپنے رب کو اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء:

یعنی اولاد دے جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلائے جیسا کہ سورۂ "مریم" کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾

اور تو ہے سب سے بہتر وارث

وارث طلب کر رہے تھے "یرثنی و یرث من ال یعقوب" (مریم رکوع ۱) اسی کے مناسب نام سے اللہ کو یاد کیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ

پھر ہم نے سن لی اس کی دعا اور بخشا اس کو

يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ

یحییٰ اور اچھا کر دیا اس کی عورت کو

یعنی بانجھ عورت کو ولادت کے قابل کردیا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا

وہ لوگ دوڑتے تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو

رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (۹۰)

توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز ☆

بعض متصوفین کے قول کی تردید:

بعض متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ اصلی محب نہیں۔ یہاں سے ان کی غلطی ظاہر ہوئی۔ انبیاء سے بڑھ کر خدا کا محب کون ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا بیشک وہ (تمام پیغمبر) نیکیوں کی طرف تیزی سے بڑھتے تھے اور امید وخوف کے ساتھ ہم کو پکارتے تھے رغبت سے مراد ہے ملاقات خداوندی کی رغبت، قرب الٰہی کی رغبت یا ثواب کی رغبت اور امید قبولیت یا طاعت کی رغبت، امام احمد نسائی حاکم اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا نماز کے اندر میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔ خوف سے مراد ہے اللہ سے جدا ہونے کا خوف یا گناہ کا خوف یا عذاب کا خوف۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

اور وہ عورت جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت ☆

یعنی حلال وحرام دونوں طریقوں سے محفوظ تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا

پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح ☆

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو جو ''روح اللہ'' کے لقب سے ملقب ہیں اسکے پیٹ میں پرورش کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (۹۱)

اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے واسطے ☆

انکا ''نشانی'' ہونا سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں بیان ہوچکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (۹۲)

ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو ☆

تمام انبیاء اصول میں متحد ہیں:

یعنی خدا بھی ایک اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔ تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہ ہی دوسروں کی ہے۔ رہا فروع کا اختلاف وہ زمان ومکان کے اختلاف کی وجہ سے عین مصلحت وحکمت ہے۔ اختلاف مذموم وہ ہے جو اصول میں ہو۔ پس لازم ہے کہ سب مل کر خدا کی بندگی کریں اور جن اصول میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں ان کو متحدہ طاقت سے پکڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ

اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام ☆

اختلاف لوگوں نے پیدا کیا:

ہم نے تو اصول کے اعتبار سے ایک دین دیا تھا لوگوں نے خود اختلاف ڈالکر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور آپس میں پھوٹ ڈالدی۔ (تفسیر عثمانی)

كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ (۹۳)

سب ہمارے پاس پھر آئیں گے ☆

ہر عمل کا بدلہ ملے گا:

یعنی ہمارے پاس آکر تمام اختلافات کا فیصلہ ہوجائے گا جب ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا ملے گی۔ آگے اس جزاء کی تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

سو جو کوئی کرے کچھ نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان

فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ (۹۴)

سو اکارت نہ کرینگے اس کی سعی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں ☆

ہر عمل کا بدلہ ملے گا:

یعنی کسی کی محنت اکارت نہ جائے گی۔ نیکی کا میٹھا پھل مومن کو مل کر رہیگا۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی ضائع نہ ہوگی۔ ہر چھوٹا بڑا عمل ہم اس کے اعمالنامہ میں ثبت کردیتے ہیں جو قیامت کے دن کھول دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (۹۵)

اور مقرر ہوچکا ہر بستی پر جس کو غارت کردیا ہم نے کہ وہ پھر کر نہیں آئیں گے ☆

ہلاک ہونے والے کافر:

پہلے نجات پانے والے مؤمنین کا ذکر تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں ہلاک ہونے والے کافروں کا مذکور ہے یعنی جن کے لئے ہلاک اور غارت ہونا مقدر ہو چکا وہ کبھی اپنے کفر وعصیان کو چھوڑ کر اور توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہونے والے نہیں۔ نہ وہ کبھی دنیا میں اس غرض سے واپس کئے جاسکتے ہیں کہ دوبارہ یہاں آکر گذشتہ زندگی کی تقصیرات کی تلافی کرلیں۔ پھر ان کو نجات وفلاح کی توقع کدھر سے ہوسکتی ہے ان کے لئے تو صرف ایک ہی وقت ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنی زیادتیوں کے معترف ہو کر پشیمان ہونگے۔ مگر اس وقت پشیمانی کچھ کام نہ آئیگی وہ وقت قیامت کا ہے جس کے مبادی قریبہ میں سے ہے خروج ''یاجوج ماجوج'' آگے اس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ربط آیات: قال اللہ تعالی وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ الی اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ

ربط: گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کا بیان تھا اب آگے معاد اور قرب قیامت کو بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک وقت معین ہے اس کے بعد فنا کردی جائے گی۔ اور اس فنا کی ابتدائی علامت خروج یاجوج وماجوج ہے اس کے بعد وہ وعدہ بہت قریب آلگے گا۔ منجملہ علامات قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ دجال کے قتل ہو جانے کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ فی الحال یہ لوگ اس وقت اس آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا کہ مخلوق خدا ان کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار اور درہ کھل جائے گا۔ اور یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کا حج کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں مدفون ہوں گے بعد ازاں کچھ عرصہ تک لوگ اسی فراخی اور خوش حالی میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے ہر ایک مؤمن بندہ کی روح قبض ہو جائے گی اور زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح عورتوں سے کھلا کھلا جفتی کریں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے باوجود یہ کہ صورت انسان ہوگی مگر گدھوں کی طرح بے عقل اور بے حیاء اور بے شرم ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

جب کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ چاند اور سورج کو بھی لپیٹ کر جہنم میں ڈالا جائیگا۔ چاند اور سورج کا جہنم میں ڈالا جانا بطور عذاب کے نہ ہوگا بلکہ چاند اور سورج کے پرستاروں کی تحقیر وتذلیل کے لئے ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ
یہاں تک کہ جب　کھول دیے جائیں　یاجوج　اور　ماجوج
وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾
اور　وہ　ہر　اونچان سے　پھسلتے چلے آئیں ☆

یاجوج ماجوج کا سیلاب:

یعنی قیامت کے قریب نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سد ذوالقرنین توڑ کر یاجوج ماجوج کا لشکر ٹوٹ پڑے گا۔ یہ لوگ کثرت وازدحام کی وجہ سے تمام بلندی وپستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتار سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی۔ یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی اور لڑھکتی چلی آرہی ہیں۔ سورہ ''کہف'' کے آخر میں اس قوم کے متعلق ہم جو کچھ لکھ چکے ہیں اس کا ایک مرتبہ مطالعہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قربِ قیامت کی علامات

یاجوج ماجوج کی تباہ کاریاں:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ لوگوں کے پاس پہنچیں گے جیسے اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ وہ چھا جائیں گے اور مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ آئیں گے اور اپنے جانوروں کو بھی وہیں لے لیں گے اور اپنا پانی انہیں پلاتے رہیں گے یاجوج ماجوج جس نہر سے گزرینگے اس کا پانی صفاچٹ کر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں خاک اڑنے لگے گی ان میں دوسری جماعت جب وہاں پہنچے گی تو وہ کہے گی شاید اس میں کسی زمانے میں پانی ہوگا۔ جب یہ دیکھیں گے کہ اب زمین پر کوئی نہ رہا اور واقع میں سوائے ان مسلمانوں کے جو اپنے شہروں اور قلعوں میں پناہ گزیں ہوں گے کوئی اور وہاں ہوگا بھی نہیں تو یہ کہیں گے کہ اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہو گئے آؤ آسمان والوں کی خبر لیں چنانچہ ان میں کا ایک شریر اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا قدرت خدا سے وہ خون آلود ہو کر ان کے پاس گرے گا یہ بھی ایک قدرتی آزمائش ہوگی۔

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

اب انکی گردنوں میں گٹھلی ہو جائے گی اور اسی وبا میں یہ سارے کے سارے

ایک ساتھ ایک دم مرجائیں گے ایک بھی باقی نہ رہے گا سارا شور وغل ختم ہو جائے گا۔ مسلمان کہیں گے کوئی ہے جو اپنی جان ہم مسلمانوں کے لیے ہتھیلی پر رکھ کر۔

خروجِ دجال:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح ہی صبح دجال کا ذکر کیا اس طرح پر کہ ہم سمجھے شاید وہ ان درختوں کی آڑ میں ہے اور اب نکلا ہی چاہتا ہے۔ آپ فرمانے لگے مجھے دجال سے زیادہ خوف تم پر اور چیز کا ہے اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں اس سے نمٹ لوں گا ورنہ تم میں سے ہر شخص اس سے بچنے میں تمہیں خدا کی امان دے رہا ہوں۔ وہ جوان عمر الجھے ہوئے بالوں والا کانی اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں گھومے گا اے بندگانِ خدا تم ثابت قدم رہنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ وہ کتنا ٹھہرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن ایک دن مثل ایک برس کے ایک دن مثل ایک مہینے کے ایک دن مثل ایک جمعہ کے اور باقی دن معمولی دنوں جیسے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس میں ہمیں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں تم اپنے اندازے سے وقت پر نماز پڑھتے رہا کرنا۔ ہم نے دریافت کیا کہ اس کی رفتار کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل کہ ہوا انہیں ادھر سے ادھر بھگائے لیے جاتی ہو، ایک قبیلے کے پاس جائے گا انہیں اپنی طرف بلائے گا وہ اس کی مان لیں گے آسمان کو حکم دے گا کہ ان پر بارش برسائے زمین سے کہے گا کہ ان کے لیے پیداوار اگائے ان کے جانور ان کے پاس موٹے تازے بھرے پیٹ لوٹیں گے، ایک قبیلے کے پاس جا کر اپنی تئیں منوانا چاہے گا وہ انکار کردینگے یہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے تمام مال اس کے پیچھے لگ جائیں گے وہ بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے وہ غیر آباد جنگلوں میں جائے گا اور زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے اگل دے وہ اگل دے گی اور سارے خزانے اس کے پیچھے ایسے چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے۔ یہ بھی دکھائے گا کہ ایک شخص کو تلوار سے ٹھیک دو ٹکڑے کرادے گا اور ادھر ادھر دور دراز پھنکوادے گا پھر اس کا نام لے کر آواز دے گا تو وہ زندہ چلتا پھرتا اس کے پاس آجائے گا یہ اسی حال میں ہوگا جو اللہ عزوجل حضرت مسیح بن مریم کو اتاردے گا آپ دمشق کی مشرقی طرف سفید منارے کے پاس اتریں گے اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے آپ اس کا پیچھا کریں گے اور مشرقی باب لد کے پاس اسے پاکر قتل کردیں گے پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرف خدا کی وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن سے لڑنے کی تم میں تاب وطاقت نہیں میرے بندوں کو طور کی طرف سے سمیٹ لے جا۔ پھر جناب باری یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جیسے فرمایا وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ ان سے تنگ آکر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی جناب باری میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر گٹھلی کی بیماری بھیجے گا جو ان کی گردن میں نکلے گی اور سارے کے سارے اوپر تلے ایک ساتھ ہی مرجائیں گے تب عیسیٰ علیہ السلام مع مومنوں کے آئیں گے دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں سے پٹی پڑی ہے اور ان کی بدبو سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ آپ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرند بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر خدا جانے کہاں پھینک آئیں گے۔ کعبؒ کہتے ہیں مہیل میں یعنی سورج کے طلوع ہونے کی جگہ میں پھینک آئیں گے۔ پھر چالیس دن تک تمام زمین پر متواتر پیہم مسلسل بارش برسے گی زمین دھل دھلا کر ہتھیلی کی طرح صاف ہو جائے گی پھر بحکم خدا اپنی برکتیں اگا دے گی اس دن ایک جماعت کی جماعت ایک انار سے سیر ہو جائے گی اور اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کرلے گی۔ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کو اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک گھرانے کو کافی ہوگا۔ پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی پھر روئے زمین پر بدترین شریر سے لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے ہوں گے انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔

ہمیشہ دشمنوں سے جہاد رہے گا:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بچھو نے کاٹ کھایا تھا تو آپ اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کہتے ہو اب دشمن نہیں ہیں لیکن تم تو دشمنوں سے جہاد کرتے ہی رہو گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج آجائیں وہ چوڑے چہرے والے چھوٹی آنکھوں والے ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام میں مذاکرہ

یہ روایت سورہ اعراف کی تفسیر کے آخر میں بیان کردی گئی ہے مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج والی رات میں حضرت ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے روز قیامت کا مذاکرہ شروع ہوا حضرت ابراہیمؑ نے اس کے علم سے انکار کردیا اسی طرح حضرت موسیٰ نے بھی ہاں حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس کے واقع ہونے کے وقت کو تو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا ہاں مجھ سے میرے خدا نے یہ تو فرمایا ہے دجال نکلنے والا ہے میرے ساتھ دو ٹہنیاں ہوں گی وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ اسے ہلاک کردے جب کہ وہ مجھے دیکھے یہاں تک کہ پتھر اور

درخت پتھر [illegible] گے کہ اے مسلم یہ ہے میرے سائے کافر، اور اسے قتل کر پھر خدا انہیں ہلاک کرے گا اور لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے پھدکتے آئیں گے جو پائیں گے تباہ کردیں گے پانی جتنا پائیں گے پی جائیں گے لوگ پھر تنگ آکر اپنے وطنوں میں محصور ہوکر بیٹھ جائیں گے۔ شکایت کریں گے تو میں پھر اللہ سے دعا کروں گا اللہ انہیں غارت کردے گا ساری زمین پر ان کی بدبو پھیل جائے گی پھر بارش برسے گی اور پانی کا ریلا ان کے سڑے ہوئے جسموں کو بہا کر دریا بُرد کردیگا، میرے رب نے مجھ سے فرمادیا ہے جب یہ سب کچھ ظہور میں آجائے گا پھر تو قیامت کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے پورے دنوں حمل والی عورت کا وضع حمل ہونا کہ گھر والوں کو فکر ہوتی ہے کہ صبح بچہ ہوا یا شام ہوا دن کو ہوا یا رات کو ہوا (ابن ماجہ)۔

حضرت کعب کا بیان

کعبؒ کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج کے نکلنے کے وقت وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کی کدالوں کی آواز آس پاس والے بھی سنیں گے رات ہو جائے گی ان میں سے ایک کہے گا کہ اب صبح آتے ہی اسے توڑ ڈالیں گے اور نکل کھڑے ہوں گے صبح یہ آئیں گے تو جیسی کل تھی ویسی ہی آج بھی پائیں گے الغرض یونہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ خدا کو ان کا نکالنا جب منظور ہوگا تو ایک شخص کی زبان سے نکلے گا کہ ہم کل ان شاء اللہ اسے توڑ دیں گے اب جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسی پائیں گے تو کھود کر توڑ دیں گے اور باہر نکل آئیں گے ان کا پہلا گروہ بحیرہ کے پاس سے نکلے گا سارا پانی پی جائے گا دوسرا آئے گا تو کیچڑ بھی چاٹ جائے گا۔ تیسرا آئے گا تو کہے گا شاید یہاں کسی وقت پانی ہوگا، لوگ ان سے بھاگ بھاگ کر ادھر ادھر چھپ جائیں گے جب انہیں کوئی بھی نظر نہ پڑے گا تو یہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے وہاں سے وہ خون آلودہ ان کی طرف واپس آئیں گے تو یہ فخر کریں گے کہ ہم زمین والوں پر اور آسمان والوں پر غالب آگئے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ان پر بددعا کریں گے کہ خدایا ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور زمین پر ہمارا چلنا پھرنا بھی ضروری ہے تو ہمیں جس طریقے سے بھی چاہے ان سے نجات دے تو اللہ ان کو طاعون میں مبتلا کرے گا گلٹیاں نکل آئیں گی اور سارے کے سارے مرجائیں گے پھر ایک قسم کے پرند آئیں گے جو اپنی چونچ میں انہیں لے کر سمندر میں پھینک آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ نہر حیات جاری کردے گا جو زمین کو دھوکر پاک صاف کردے گی اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی ایک انار ایک گھرانے کو کافی ہوگا اچانک ایک شخص آئے گا اور ندا کرے گا کہ ذوالسویقتین نکل آیا ہے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا طلایہ بھیجیں گے یہ ابھی راستے میں ہی ہوں گے جو یمنی پاک ہوا نہایت لطافت سے چلے گی جو تمام مومنوں کی روح قبض کر جائے گی پھر تو روئے زمین پر ردی کھدی لوگ رہ جائیں گے جو چوپایوں جیسے ہوں گے ان پر قیامت قائم ہوگی، اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے پورے دنوں کی گھوڑی جو جننے کے قریب ہو اور گھوڑی والا آس پاس گھوم رہا ہو کہ کب بچہ ہو، حضرت کعبؒ یہ بیان فرما کر فرمانے لگے اب جو شخص میرے اس قول اور اس علم کے بعد بھی کچھ کہے اس نے تکلف کیا۔ کعبؒ کا یہ واقعہ بیان کرنا بہترین واقعہ ہے کیونکہ اس کی شہادت صحیح حدیثوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں گے چنانچہ مسند امام احمد میں یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے کہ آپ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد یقیناً بیت اللہ کا حج کریں گے، یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔ جب یہ ہولناکیاں جب یہ زلزلے جب یہ بلائیں اور آفتیں آجائیں گی تو اس وقت قیامت بالکل قریب آجائے گی اسے دیکھ کر کافر کہنے لگیں گے یہ نہایت سخت دن ہے ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی اور کہنے لگیں گے ہائے ہم تو غفلت میں ہی رہے ہائے ہم نے اپنا آپ بگاڑا گناہوں کا اقرار اور اس پر شرمسار ہوں گے لیکن اب بے سود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دس نشانیاں:

حضرت حذیفہ بن اسد غفاریؓ کا بیان ہے ہم لوگ کچھ باہم بات چیت کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوگئے اور فرمایا کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا جب تک قیامت سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھو گے، قیامت بپا نہ ہوگی۔ پھر آپ نے دخان (دھوئیں) کا خروج دجال کا، دابۃ الارض کا مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب کا، نزول عیسیٰ بن مریم کا، خروج یاجوج و ماجوج کا تین مقامات پر زمین کے دھنسنے کا، ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں اور آخر میں یمن سے ایک آگ کے برآمد ہونے کا، جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی، ذکر فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آگ قعر عدن سے نکل کر لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائیگی۔ ایک اور روایت کے اعتبار سے رسول اللہ نے دسویں چیز اس ہوا کو قرار دیا جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاقْتَرَبَ	الْوَعْدُ	الْحَقُّ	فَإِذَا هِيَ
اور نزدیک آ گئے	وعدہ	سچا	پھر اس دم

شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اوپر لگی رہ جائیں منکروں کی آنکھیں

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

ہائے کمبختی ہماری ہم بے خبر رہے اس سے ☆

منکروں کی ذلت کا وقت قریب ہے:

یعنی جزاء سزا کا وعدہ جب نزدیک آلگے گا اس وقت منکروں کی آنکھیں مارے شدت ہول کے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور اپنی غفلت پر دست حسرت ملیں گے کہ افسوس آج کے دن سے ہم کیسے بے خبر رہے جو ایسی کمبختی آئی۔ کاش ہم دنیا میں اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

نہیں پر ہم تھے گنہگار ☆

اقرارِ جرم:

یعنی بے خبری بھی کیسے کہیں، آخر انبیاء علیہم السلام نے ستو کھول کھول کر آگاہ کر دیا تھا، لیکن ہم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ان کا کہنا نہ مانا اور برابر شرارتوں اور گناہوں پر اصرار کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے

حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

ایندھن ہے دوزخ کا تم کو اس پر پہنچنا ہے ☆

مشرکین اور ان کے بت جہنم کا ایندھن بنیں گے:

یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بت پوجتے تھے، یعنی تم اور تمہارے یہ معبود سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (بقرہ۔ رکوع ۳) اس کے معنی یہ نہیں کہ اصنام (بت) معذب ہونگے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ بت پرستوں پر حجت زیادہ لازم ہو۔ جیسا کہ آگے فرمایا ''لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا'' اور ان کی حسرت بڑھے اور حماقت زیادہ واضح ہو کہ جن سے خیر کی توقع رکھتے تھے وہ آج خود اپنے کو نہ بچا سکے پھر ہماری حفاظت کیا کر سکتے ہیں۔ (تنبیہ) وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد یہاں صرف اصنام ہیں، کیونکہ خطاب ان ہی کے پرستاروں سے ہے۔ لیکن اگر ''ما'' کو عام رکھا جائے تو ''بشرط عدم المانع'' کی قید معتبر ہوگی یعنی جن فرضی معبودوں میں کوئی مانع دخول نار سے نہ ہو وہ اپنے عابدین کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنائے جائیں گے۔ مثلاً شیاطین واصنام۔ باقی حضرت مسیح وعزیر اور ملائکۃ اللہ جن کو بہت لوگوں نے معبود ٹھہرالیا ہے۔ ان حضرات کی مقبولیت ووجاہت مانع ہے کہ (معاذ اللہ) اس عموم میں شامل رکھے جائیں۔ اسلئے آگے تصریحاً فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (تفسیر عثمانیؒ)

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

بلاشبہ تم اور جس چیز کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہے (یا سب جہنم میں پھینکے جاؤ گے)

مَا تَعْبُدُوْنَ سے مراد بے عقل بت ہیں، اور سامری کا بنایا ہوا بچھڑا اور ان جیسی دوسری بے جان چیزیں۔ جو چیزیں جاندار اور ذی عقل ہیں اگر لوگوں نے ان کو معبود بنالیا ہو اور وہ اپنی پوجا کرانے پر راضی ہوں جیسے شیاطین اور انسانوں میں سے فرعون نمرود وغیرہ تو وہ بھی مَا تَعْبُدُوْنَ کے حکم میں داخل ہیں ان کو بھی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا (کیونکہ باوجود ذی عقل ہونے کے انہوں نے عقل کا صحیح استعمال نہیں کیا اور باوجود مخلوق عاجز ہونے کے خالق اور قادر مطلق کے مقام پر پہنچنے کے مدعی بن بیٹھے اس لئے وہ بھی بے عقل چیزوں کی طرح ہو گئے ان کو ذی عقل مخلوق میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ مترجم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام:

باقی وہ مقدس عقلمند ہستیاں جو کسی سے اپنی عبادت کرانی نہیں چاہتے اور نہ وہ اپنے کو معبود کہنے پر راضی تھے نہ اس حرکت کو پسند کرتے تھے وہ مَا تَعْبُدُوْنَ کے حکم سے خارج ہیں۔ (جیسے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر یا ملائکہ وغیرہ) کوئی کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ اس تفصیل وتوضیح کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اکثر محققین لغت کے نزدیک ما کا لفظ عام ہے۔ ذی عقل اور غیر ذی عقل دونوں کو شامل ہے اس لیے مراد کی تعیین ضروری ہے، بیضاوی نے اس جگہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ ابن زبعری نے یہ آیت سن کر دریافت کیا کیا یہ حکم ہمارے ہی معبودوں کے لیے مخصوص ہے اَوْ لِكُلِّ مَنْ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یا ان تمام لوگوں کا بھی یہی حکم جن کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلْ لِكُلِّ مَنْ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (مخصوص نہیں ہے) بلکہ ہر اس شخص کا یہی حکم ہے۔ جس کی عبادت اللہ کے سوا کی گئی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَ

اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے اس پر اور

كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

سارے اس میں سدا پڑے رہیں گے ☆

یعنی سب عابد و معبود ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

ان کو وہاں چلّانا ہے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے ☆

انتہائی تکلیف:

یعنی شدت ہول اور عذاب کی سخت تکلیف اور اپنے چلّانے کے شور سے کچھ سنائی نہ دے گا۔ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ایک وقت آئے گا۔ جب ہر دوزخی کو ایک لوہے کے صندوق میں بند کر کے اوپر میخیں ٹھونک دی جائیں گی۔ اور جہنم کی تہ میں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ شاید کچھ نہ سن سکنا اس وقت کا حال ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ، اور وہاں (وہ اپنے غل شور میں کسی کی کوئی بات) نہیں سنیں گے، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب دوزخ کے اندر حبس دوام کے جہنمی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور لوہے کی میخیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو جہنم کے نچلے حصہ میں پھینک دیا جائے گا اور ہر ایک یہی خیال کرے گا کہ میرے سوا کسی کو عذاب نہیں دیا جارہا ہے (یعنی کوئی کسی کی آواز نہیں سنے گا) یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

بغوی نے لوہے کے صندوقوں اور لوہے کی کیلوں کی جگہ آگ کے صندوقوں اور آگ کی کیلوں کا لفظ نقل کیا ہے باقی حدیث حسب سابق ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ

جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾

وہ اس سے دور رہیں گے ☆

سعادت مند لوگ:

یعنی ایک بار پل صراط سے گذر کر پھر ہمیشہ دور رہیں گے اور اس پر سے گذرتے ہوئے بھی دوزخ کی تکلیف والم سے قطعاً دوری ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ، جن کیلئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس (دوزخ) سے دور رکھے جائیں گے۔

الْحُسْنَىٰ یعنی اچھا مرتبہ، درجہ قرب یا اچھی خصلت یعنی سعادت یا اللہ کی طرف سے طاعت کی توفیق یا جنت کی بشارت۔ حضرت جنید نے آیت مذکورہ کی تشریح میں فرمایا جن کو ابتداء میں ہماری عنایت حاصل ہوگئی انتہا میں ان کو ولایت نصیب ہوگئی۔

شانِ نزول:

ابن مردویہ نے اور المختار میں ضیاع نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ عبداللہ ابن الزبعری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ نے تم پر

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ

نازل کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ابن الزبعری نے کہا پھر یو جاتو چاند سورج، ملائکہ اور عزیر کی بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب ہمارے معبودوں کیساتھ جہنم میں جائینگے، اس پر آیت إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ اور آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا ...... خَصِمُونَ تک نازل ہوئی۔

حضرات عشرہ مبشرہؓ:

ابوداؤد اور ابن ابی حاتم اور ثعلبی اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک بار خطبہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا میں ان میں سے ہوں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور سعیدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی ان میں سے ہیں۔ (تفسیر مظہریؒ)

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي

نہیں سنیں گے اُس کی آہٹ اور وہ

مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾

اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے ☆

جنتیوں کی راحت:

جنتیوں کو دوزخ سے اس قدر بعد ہوگا کہ اس کی آہٹ تک محسوس نہ کریں گے اور نہایت عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ جنت کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ

نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ کا ☆

بڑی گھبراہٹ سے تحفظ:

یعنی اس دن جب خلقت کو سخت گھبراہٹ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کو رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ اس وقت ہوگا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج نے کہا اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ اس وقت ہوگا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور ندا آئے گی اے دوزخ والوں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے اور موت بھی نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سربند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سرپوش اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ
اور لینے آئیں گے ان کو فرشتے آج دن تمہارا ہے

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ☆

جنتیوں کا استقبال:

یعنی قبروں سے اٹھتے یا جنت میں داخل ہونے کے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت اور راحت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بخاری شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمینوں کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساتوں آسمانوں کو اور وہاں کی کل مخلوق کو ساتوں زمینوں کو اور اس کی کل کائنات کو اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا وہ اس کے ہاتھ میں ایسے ہوں گے جیسے رائی کا دانہ۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر (جنت کی طرف) جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز (نفخہ اولیٰ کے وقت) ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ طے نشر کی ضد ہے یعنی لپیٹنا تہ کرنا۔ سجل کاغذ۔ (تفسیر مظہریؒ)

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ
جس دن ہم لپیٹ لیویں آسمان کو جیسے لپیٹتے ہیں طومار میں کاغذ ☆

آسمانوں کا خاتمہ:

یعنی جب قیامت آئے گی آسمانوں کی صفیں لپیٹ دی جائیں گی جس طرح دستاویز کا لکھا ہوا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ بعض روایات میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام "سجل" بتلایا گیا ہے۔ اس کو حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے کما صرح ابن کثیرؒ فلا یعتبر بتخریج ابی داؤد والنسائی فی سننهما۔ (تفسیر عثمانیؒ)

لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہد اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا
جیسے سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار پھر اس کو دہرائیں گے وعدہ

عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾
ضرور ہو چکا ہے ہم پر ہم کو پورا کرنا ہے ☆

دُنیا کی پیدائش کچھ مشکل نہیں:

یعنی جیسی سہولت سے دنیا کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دی جائے گی۔ یہ حتمی وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۔ جس طرح ہم نے شروع میں ابتداء تخلیق کی تھی اسی طرح آسانی سے ہم اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تخلیق ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے کی ہے اسی طرح اس کو دوبارہ بھی ہم لوٹا کر لے آئیں گے، قدرتِ قدیمہ کے اندر انسان کی دونوں تخلیقیں داخل ہیں اور دونوں ممکن ہیں اور ہر ممکن احاطہء قدرت میں داخل ہے یعنی تخلیق میں تعدد ہوگا انسان وہی ہوگا۔

شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی نے جامع میں، حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم لوگ برہنہ بدن غیر مختون برہنہ پاؤں (قبروں سے) اٹھا کر اللہ کی طرف پیدل لے جائے جاؤ گے پھر آپ نے آیت كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ
اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں

الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ
نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے
الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
نیک بندے☆

وفاداروں سے وعدہ:

کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا چنانچہ فرمایا ''اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ'' (اعراف رکوع ۱۵) اور ''اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ'' (مومن رکوع ۶) اور ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ'' (نور رکوع ۷) یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی ''لوح محفوظ'' اور ''ام الکتاب'' میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب ''زبور'' ۳۷۔۲۹ میں ہے کہ ''صادق زمین کے وارث ہونگے'' چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی، عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجادیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی ''ان اللّٰہ تعالٰی زوی الارض فرائیت مشارقھا مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا'' اور اسی قسم کی دوسری پیشینگوئی امام مہدی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں پوری ہوکر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

خلافت کے وعدہ کی تکمیل

بہرحال آیت میں زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے اور تمام زمینیں یعنی شام اور ایران کی زمین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مفتوح ہوئیں۔ لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ان دونوں حضرات کی خلافت خدا کے اس وعدہ کے مطابق تھی اور وہ اور ان کے رفقاء بلاشبہ عباد صالحین تھے۔

اس بارہ میں جو تاریخی روایات اور واقعات منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں اگر ان کی تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الخفاء مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی مراجعت کریں۔

ایک شبہ کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار زمین کے کیوں مالک ہوئے اس لئے کہ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ ایک قضیہ مطلقہ عامہ ہے کہ ایک زمانہ میں خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے وارث ہمیشہ نیک بندے ہی ہوا کریں گے اور کافر کبھی وارث نہ ہوں گے، اور اطلاق کے مصدق کے لئے ایک مرتبہ کا وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہ روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں۔ (زمانہ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور اگر آیت میں زمین سے جنت کی زمین مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ جنت کی زمین کے وارث بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم) (معارف کاندھلویؒ)

ذکر کا مطلب: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ذکر سے مراد آیت میں تورات ہے اور زبور سے مراد وہ سب کتابیں ہیں جو تورات کے بعد نازل ہوئیں۔ انجیل، زبور داؤد اور قرآن (اخرجہ ابن جریر) یہی تفسیر ضحاک سے بھی منقول ہے۔ اور ابن زید نے فرمایا کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور زبور سے مراد تمام کتابیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظمؒ)

غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی:

بعض لوگوں کے نزدیک الارض سے مراد ہے ارض مقدسہ اور عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو زمین کے پوربی اور پچھمی حصوں میں کمزور اور حقیر) سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الارض سے مراد ہے کافروں کی سرزمین مراد یہ ہے کہ کافروں کی زمین کو مسلمان فتح کریں گے گویا یہ اللہ کی طرف سے پیشین گوئی (اور فیصلہ قطعی) ہے کہ دین اسلام غالب آئے گا اور مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس وقت الارض سے مراد تمام روئے زمین ہوگا۔ امام احمد راوی ہیں کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر تمام مکان خواہ مٹی کے بنے ہوئے ہوں یا (اونی کمبلوں کی) جگیاں ہوں کوئی مکان بھی ایسا نہ رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کردے (یعنی ہر گھر میں اسلام داخل ہو جائے گا) عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ یعنی اللہ ان کو یا مشرف باسلام کردے گا اور وہ عزت یاب ہو جائیں گے یا کافر ہی رہیں گے اور ان کو بمجبوری اسلام کا غلبہ تسلیم کرنا اور ذلیل ہونا پڑے گا۔ حضرت مقدادؓ نے فرمایا، میں کہتا ہوں اس وقت سارا دین اللہ کا ہوگا (یعنی سب

پر اسلام ہی غالب ہو جائے گا۔ مترجم) (تفسیر مظہریؒ)

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے ☆

یعنی اس قسم کی بشارات سن کر خدائے واحد کی بندگی کرنے والوں کے لئے کافی منفعت اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اور پیام نبوت لوگوں کو سعادت مند بنا دینے کا سبب ہے اور معاش و معاد کی درستی کا کفیل ہے اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور رحمت کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے میری نبوت کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے لیے دنیا میں رحمت تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دنیا میں ان پر عذاب نہیں آیا، صورت مسخ ہونے زمین میں دھنسائے جانے اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ (خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر قول ابن عباسؓ کافروں کے لیے بھی دنیا میں رحمت تھے اور بر تفسیر اول کافروں کا مبتلاء عذاب ہونا خود ساختہ اور خود آوردہ ہے انہوں نے رحمت کے زیر سایہ آنے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں تھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر ☆

رحمت عامہ: یعنی آپ تو سارے جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اسکی دیوانگی ہوگی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور یہاں تو رحمۃ للعٰلمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علوم نبوت اور تہذیب انسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرما لیا ہے کہ پہلی امتوں کے برخلاف اس امت کے کافروں کو عام و مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعۂ عالم کے لئے سراسر رحمت تھا کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی ایک حدیث میں ہے "والذی نفسی بیده لاقتلنهم ولاصلبنهم ولاعذبنهم و هم کارهون انی رحمة بعثنی الله ولا یتوفانی حتی یظهر الله دینه (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

رحمت عامہ کا ایک پہلو:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ، عالمین عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات انسان، جن، نباتات، جمادات سبھی داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کیلئے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آجائیگی اور جب ذکر اللہ و عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کیلئے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مهادة میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں، (اخرجه ابن عساکر عن ابی هریرة) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مهداة برفع قوم و خفض اخرین، یعنی میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کر دوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں انکو) پست کر دوں۔ (ابن کثیر)

کفر و شرک مٹانا رحمت ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کو مٹانے کیلئے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلے میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے جس کے ذریعہ سرکشوں کو ہوش آکر ایمان اور عمل صالح کا پابند ہو جانے کی امید کی جاسکتی ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

جن و انس کیلئے رحمت:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (اے محمد) ہم نے تم کو نہیں بھیجا رحمت کی وجہ سے جہان والوں پر یا رحمت بنا کر جہان والوں کے لیے یعنی انس و جن کے لیے۔ پہلے ترجمہ پر رحمةً مفعول لہٗ ہوگا یعنی تم کو رسول بنا کر ہم نے اس وجہ سے بھیجا کہ ہم انس و جن پر رحم کرنا چاہتے تھے پس تم کو ہم نے ہادی بنا کر بھیجا تاکہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلیں دوسرے ترجمے پر رحمتر ک سے حال ہوگا یعنی ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر اس حالت میں کہ تم سب کے لیے سبب رحمت ہو تاکہ لوگ تمہارے بنائے ہوئے راستے پر چلیں دوسرے ترجمے پر رحمت کے لیے ہوگا یعنی ہم نے تم کو نہیں بھیجا حاکم نے حضرت ابی ہریرہ کی روایت سے ہے اور ابن سعد و حکیم نے ابوصالح کی

روایت سے مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (اللہ کی طرف سے) فرستادہ رحمت ہوں۔ بخاری نے تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

قریشیوں کا خوف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت:

طبرانی میں ہے کہ ابو جہل نے کہا اے قریشیو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں چلا گیا ہے اپنے طلایے کے لشکر ادھر ادھر تمہاری جستجو میں بھیج رہا ہے دیکھو ہوشیار رہنا وہ بھوکے شیر کی طرح تاک میں ہے وہ خار کھائے ہوئے ہے کیونکہ تم نے اسے نکال دیا ہے واللہ اس کے جادوگر بے مثال ہیں میں تو اسے یا اس کے ساتھیوں میں سے جس کسی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے ساتھ شیطان نظر آتے ہیں تم جانتے ہو کہ اوس وخزرج ہمارے دشمن ہیں اس دشمن کو ان دشمنوں نے پناہ دی ہے۔ اس پر مطعم بن عدی کہنے لگے ابوالحکم سنو تمہارے اس بھائی سے جسے تم نے اپنے ملک سے جلا وطن کر دیا ہے میں نے تو کسی کو زیادہ سچا اور زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا نہیں پایا اب جب کہ ایسے بھلے آدمی کے ساتھ یہ بدسلوکی کر چکے ہو تو اب تو اسے چھوڑو تمہیں چاہیے اس سے بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس پر ابوسفیان بن حارث کہنے لگا نہیں تمہیں اس پر پوری سختی کرنی چاہیے یاد رکھو اگر اس کے طرفدار تم پر غالب آ گئے تو تم کہیں کے نہ رہو گے نہ وہ رشتہ دیکھیں گے نہ کنبہ میری رائے میں تو تمہیں مدینے والوں کو تنگ کر دینا چاہیے کہ یا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نکال دیں اور وہ بیک بنی دو گوش تن تنہا رہ جائے یا ان مدینے والوں کا صفایا کر دینا چاہیے اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں مدینے کے کونے کونے پر لشکر بٹھا دوں گا اور انہیں ناکوں چنے چبوا دوں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ہی انہیں قتل و غارت کروں گا اور قید کر کے پھر احسان کر کے چھوڑ دوں گا میں رحمت ہوں میرا بھیجنے والا خدا ہے وہ مجھے اس دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اپنے دین کو دنیا پر غالب نہ کر دے میرے پانچ نام ہیں محمد، احمد، ماحی، کہ میری وجہ سے اللہ کفر کو مٹا دیگا، حاشر، کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور عاقب۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ بھی رحمت

مسند احمد میں ہے حضرت حذیفہؓ مدائن میں تھے بسا اوقات احادیث رسول کا مذاکرہ رہا کرتا تھا ایک دن حضرت حذیفہؓ حضرت سلمانؓ کے پاس آئے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا اے حذیفہؓ! ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے فرمایا کہ جسے میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو تو سمجھ لو کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے ہاں البتہ میں چونکہ رحمۃ للعالمین ہوں تو میری دعا ہے کہ خدا میرے ان الفاظ کو بھی ان لوگوں کیلئے موجب رحمت بنا دے۔

کافروں کیلئے رحمت:

رہی یہ بات کہ کفار کے لیے آپ رحمت کیسے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے جیسے کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

کما قال اللہ تعالیٰ "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین"

اور جب آقا اور مالک اپنی ذات والا صفات کو تربیت و رحمت و رافت کے آئینہ میں نمایاں کرے گا تو وہ اپنے پرستاروں سے بھی انہیں اوصاف کا مطالبہ کرے گا کہ وہ اس کی مخلوق کے حق میں تربیت، رحمت اور شفقت کے پیکر اور مجسمے بن کر کارفرما ہوں۔ ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (زمین والوں پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان والا ہے) (از افادات مدنی رحمہ اللہ) مولانا ابو الکلام آزادؒ کی تصنیف سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمان القرآن قابل دید ہے

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آیا ہے کہ معبود تمہارا
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾
ایک ہی معبود ہے پھر کیا ہو تم حکم برداری کرنیوالے ☆

رحمتِ عظیمہ کا نتیجہ: یہ رسالت کے ساتھ توحید کا بیان ہوا۔ یعنی جو رحمتِ عظیمہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اس کا لب لباب توحید کامل ہے اور یہ ایسا صاف و واضح مضمون ہے جس کے قبول کرنے میں آدمی کو کچھ پس و پیش نہ ہونا چاہیے۔ پس کیا تم حکم ماننے اور حق کے سامنے گردن ڈال دینے کے لئے تیار ہو؟ اگر ہو تو فبہا ونعمت، ورنہ میں تبلیغ کر کے بری الذمہ ہو چکا۔ تم اپنا انجام سوچ لو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ
پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تو کہہ دے میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر ☆

حجت تمام ہو چکی:

یعنی اس قدر اتمام حجت کے بعد بھی نہ مانو تو میں تم کو خبر کر چکا کہ اب

میں تم سے بیزار اور تم مجھ سے علیحدہ تمہارا عمل تمہارے ساتھ اور میرا عمل میرے ساتھ۔ ہر ایک کا جو نتیجہ ہوگا سامنے آ جائیگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''دونوں طرف برابر یعنی ابھی تم دونوں بات کر سکتے ہو (قبول کرو یا رد کرو) ایک طرف کا زور نہیں آیا''۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عَلٰی سَوَآءٍ کا مطلب ہے کہ میں نے وحی کی کوئی بات کسی سے پوشیدہ نہیں رکھی، سب کو برابر اطلاع دیدی۔ اس سے فرقۂ باطنیہ اور شیعہ کے اس قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے کہ ائمہ اپنے خاص ساتھیوں کو احکام شرع بالکل پوشیدہ طور پر سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یا عَلٰی سَوَآءٍ کا یہ مطلب ہے کہ ہم اور تم دونوں اس معاملہ میں برابر ہیں جو کچھ مجھے علم تھا اس سے تم کو بھی واقف کر دیا، یا جنگ کے معاملہ میں ہم دونوں برابر ہیں۔ میں تم کو فریب نہیں دیتا تم جنگ کی تیاری کرلو۔ ہم آپس میں دشمن ہیں یا یہ مطلب ہے کہ علی الاعلان میں نے تم کو اطلاع دیدی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ

اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے

مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جو تم سے وعدہ ہوا ☆

مکافات عمل ضرور ہوگی:

یعنی تمہارے نہ ماننے پر جو عذاب کا وعدہ ہے وقوع تو اس کا ضرور بالضرور ہو کر رہے گا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ جلد ہوگا یا بدیر۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اللہ سب کچھ کا عالم ہے:

وہ ہی ہر ایک کھلی چھپی بات کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کس بات کی کیا جزاء ملنی چاہئے اور کب ملنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تم کو جانچنا ہے

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور فائدہ دینا ہے ایک وقت تک ☆

تاخیر عذاب کی حکمت:

یعنی تاخیر عذاب میں ممکن ہے تم کو جانچنا ہو کہ اس مدت میں کچھ سمجھ لو اور شرارتوں سے باز آ جاؤ۔ یا محض ڈھیل دینا ہو کہ ایک مدت تک دنیا میں پھنس کر شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز کرلو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ، کا یہ مطلب ہے کہ تاخیر عذاب اللہ کی طرف سے تھوڑے وقت اور قلیل مدت کے لئے ایک حقیر بہرہ اندوزی اور فائدہ ہے۔ قضاء الٰہی میں پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم کو اتنی مدت تک باقی رکھا جائے گا اس لئے فیصلہ شدہ مدت تک تمہاری بقاء ضروری ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ

رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا ☆

یعنی جیسے ہر معاملہ کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا آپ کی شان ہے، اسی کے موافق میرے اور میری قوم کے درمیان جلدی فیصلہ فرما دیجئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى

اور رب ہمارا رحمٰن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر

مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

جو تم بتلاتے ہو ☆

ہمارا مددگار فقط اللہ ہے:

یعنی اسی رب سے ہم فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی طرح کی دعاء انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے ''رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ'' (اعراف رکوع ۱۱) کیونکہ اپنی حقانیت وصداقت اور حق تعالیٰ کے عدل وانصاف پر پورا وثوق واعتماد ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

تم سورۃ الانبیاء وللہ الحمد والمنۃ

مراد خویش ز درگاہ باشاہی خواہ — کہ ہیچ کس نشود ناامید زاں درگاہ

سورۃ الحج

جس نے اس کو خواب میں پڑھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے حج اور عمرہ کی توفیق ہوگی اور اگر بیمار ہے تو مرجائے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ حج مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
لوگو ڈرو اپنے رب سے بے شک بھونچال قیامت کا

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ
ایک بڑی چیز ہے جس دن اس کو دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے

عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
والی اپنے دودھ پلائے کو، اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى
اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور ان پر نشہ نہیں

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾
پر آفت اللہ کی سخت ہے

قیامت کے زلزلے:

قیامت کے عظیم الشان زلزلے (بھونچال) دو ہیں۔ ایک عین قیام قیامت کے وقت یا نفخہ ثانیہ کے بعد دوسرا قیامت سے کچھ بیشتر جو علامات قیامت میں سے ہے اگر یہاں دوسرا مراد ہو تو آیت اپنے ظاہر معنی پر رہے گی اور پہلا مراد ہو تو دونوں احتمال ہیں، حقیقۃً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اپنی اسی ہیئت پر محشور ہوں۔ یا زلزلہ سے مراد وہاں کے اہوال وشدائد ہوں يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ کو تمثیل پر حمل کیا جائے یعنی اس قدر گھبراہٹ اور سختی ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو مارے گھبراہٹ اور شدت ہول کے اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں اس وقت لوگ اس قدر مدہوش ہوں گے کہ دیکھنے والا شراب کے نشہ کا گمان کرے حالانکہ وہاں نشہ کا کیا کام۔ خدا کے عذاب کا تصور اور اہوال وشدائد کی سختی ہوش گم کر دے گی۔ (تنبیہ) اگر یہ گھبراہٹ سب کو عام ہو تو لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ میں نفی باعتبار اکثر احوال کے اور یہاں اثبات باعتبار ساعت قلیلہ کے لیا جائے گا اور اگر آیت حاضرہ اکثر ناس کے حق میں ہو، سب کے حق میں نہ ہو تو سرے سے اشکال ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ قیامت کا زلزلہ یعنی قیامت میں یا قیامت کے لئے ساری چیزوں کا ہل جانا، جھنجھوڑا جانا۔

ہولناکیوں سے تحفظ کا سامان

اوپر کی آیۃ میں عذاب سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس کی علت بیان کر دی مطلب یہ کہ قیامت کے بھونچال کا تصور کرو۔ اس کی ہولناکیوں پر غور کرو اور سمجھ لو کہ اس سے محفوظ رکھنے والا سوائے تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری کے اور کوئی نہیں اس لئے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

زلزلہ کب آئے گا:

علقمہ اور شعبی کے نزدیک یہ زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا اور قیامت کی خصوصی نشانی ہوگا۔ جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ مغرب سے آفتاب کے طلوع کرنے سے پہلے یہ زلزلہ آئے گا۔

زلزلہ کی دہشت:

زلزلہ کی دہشت کی وجہ سے ہر وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلا رہی ہوگی اپنے بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے گی۔

حسن نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ مرضعۃ اپنے شیرخوار بچے کے دودھ چھڑانے سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ کو ناقص اسقاط ہو جائے گا۔

ساعت یعنی قیامت کو دیکھنے والے تو سب ہی ہونگے سب ہی قیامت کو دیکھیں گے اور سکر کی حالت میں ہر شخص دوسرے کو دیکھے گا (اپنی حالت سکر اس کو دکھائی نہ دیگی) عذاب کا ہول، ہوش پراگندہ کر دیگا، اوسان خطا ہو جائیں گے۔ تمثیلی شکل میں کہا گیا ہے حقیقی معنی مراد نہیں زلزلہ کی ہولناکی اور دہشت کی بطور تشبیہ تصویر کشی کی گئی ہے۔

امام احمد اور ترمذی نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسکی سند کو صحیح بھی کہا ہے حضرت عمران نے فرمایا ہم رسول اللہ کیساتھ تھے کہ آیت يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا ... عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ تک نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دن کون سا

ہو گا صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے۔ فرمایا یہ دن وہ ہو گا جس میں اللہ حضرت آدم سے فرمائے گا (اپنی نسل میں سے) دوزخ کا حصہ بھیجو۔ الحدیث۔

صحابہ پر خوف اور پھر بشارت:

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی مصطلق کے دوران رات کے وقت نازل ہوئیں حضور نے ندا کرا کے سب کو بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں آیات کو سن کر لوگ اتنا روئے کہ اس رات سے زیادہ رونے والے کبھی نہیں دیکھے گئے صبح ہوئی تو لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاریں نہ ڈیرے لگائے نہ ہانڈیاں پکائیں کچھ لوگ روتے رہے کچھ غمگین پریشان سوچ میں بیٹھے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہو گا ۔صحابہ نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانے فرمایا یہ وہ دن ہو گا جب اللہ آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائے گا اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو حضرت آدم عرض کریں گے کیا سب میں سے۔ کتنا کتنا۔ اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔ اس بات کی ضرب صحابہ پر بہت سخت پڑی وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون نجات پائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خوش ہو جاؤ اور سیدھی چال رکھو تمہارے ساتھ دو مخلوقیں اور بھی ہوں گی جو ہر قوم سے زائد ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہلِ جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا، اور اللہ کی حمد کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہلِ جنت میں آدھے ہو گے۔ صحابہ نے یہ (بشارت) سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو (اب) یہ امید ہے کہ تمہاری تعداد اہلِ جنت کی دو تہائی ہو گی اہلِ جنت کی بیس قطاریں ہوں گی جن میں اسی میری امت کی ہوں گی اور کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی (کم) ہو گی جیسے اونٹ کے پہلو پر تل یا گھوڑے کے پاؤں پر دوسرے رنگ کی لکیر (یا دھبہ) بلکہ جیسے سفید بیل کی پشت پر ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کی پشت پر ایک سفید بال پھر فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے حضرت عمر نے (بطور تعجب) کہا ستر ہزار فرمایا ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر (ستر) ہزار۔

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی سبقت:

یہ سن کر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ) اللہ مجھے ان میں سے کر دے فرمایا تم ان میں سے ہو اس کے بعد ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے شامل کر دے، فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

امت محمدیہ اہل جنت کا نصف ہو گی:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت ان الفاظ کے ساتھ لائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ فرمائے گا......... آدم! حضرت آدم جواب دیں گے حاضر۔ حاضر اور ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا دوزخ میں بھیجا جانے والا حصہ نکالو آدم عرض کریں گے دوزخ کا کتنا حصہ ہے اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اسقاط حمل کر دے گی، تم لوگوں کو متوالا دیکھو گے حالانکہ وہ (شراب کے) نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہو گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہزار میں سے ایک ہم میں سے کون ہو گا، فرمایا تم میں سے (ایک دوزخی) ہو گا اور یاجوج و ماجوج میں سے ہزار پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تم جنت والوں کا چہارم حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے۔

ہم نے یہ سن کر تکبیر کہ فرمایا، میں اُمید کرتا ہوں کہ تم لوگ اہلِ جنت کے آدھے ہو گے ہم نے اللہ اکبر کہا فرمایا تم لوگ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت (دوزخ کے اندر) اتنے ہو گے جیسے ایک کالا بال سفید بیل کی کھال پر یا جیسے ایک سفید بال کالے بیل کی کھال پر۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ بچہ کا بوڑھا ہو جانا، حاملہ کا حمل گر جانا اور دوزخ کا حصہ نکالنے کا حکم ایک ہی وقت میں ہو گا بلکہ مردوں کا قبروں سے اٹھایا جانا زلزلہ سے پہلے ہو گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بیخبری سے

کافروں کی جاہلانہ بحثیں:

یعنی اللہ تعالیٰ جن باتوں کی خبر دیتا ہے ان میں یہ لوگ جھگڑتے اور کج بحثیاں کرتے ہیں اور جہل و بے خبری سے عجیب احمقانہ شبہات پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت بعث بعد الموت اور جزاء و شزا وغیرہ پر ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ جب آدمی مر کر گل سڑ گیا اور ہڈیاں تک ریزہ ریزہ ہو گئیں تو یہ کیسے سمجھ میں آئے کہ وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

نضر بن حارث:

یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی نضر بڑا جھگڑالو تھا کہتا

تھا ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں قرآن گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی (داستان) ہے یہ شخص حشر جسمانی کا منکر تھا اور کہتا تھا جو چیز خاک ہوگئی اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ رواہ ابن ابی حاتم عن ابی مالک۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳

اور پیروی کرتا ہے ہر شیطان سرکش کی

شیطان کا مرید:

یعنی جن یا آدمیوں میں کا جو شیطان اس کو اپنی طرف بلائے یہ فوراً اسی کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ گویا گمراہ ہونے کی ایسی کامل استعداد رکھتا ہے کہ کوئی شیطان کسی طرف پکارے یا اس پر لبیک کہنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ

جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکائے

وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴

اور لے جائے عذاب میں دوزخ کے

شیطان کا دوست ہلاک ہوگا:

یعنی شیطان مرید کے متعلق یہ طے شدہ امر ہے کہ جو اس کی رفاقت اور پیروی کرے وہ اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبتا ہے اور گمراہ کر کے دوزخ سے ورے نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر عثانی)

اللہ نے شیطان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص اس کے پیچھے چلے گا شیطان ضرور اس کو راہ سے بھٹکا دے گا اور عذاب دوزخ کی راہ اس کو دکھا دے گا (یا عذاب دوزخ تک اس کو پہنچا دے گا) یعنی شیطان کی سرشت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے چلنے والے کو سیدھے راستے سے بہکا دیتا ہے اور ایسی راہ چلنے پر آمادہ کرتا ہے جو عذاب دوزخ تک لے جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ

اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے

مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا

اپنی پیدائش میں غور کرو:

یعنی اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کس طرح ہوئی ہے۔ (تفسیر عثانی)

خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہاری جنس کو یعنی آدمی کو پیدا کیا۔ لفظ کُم اس بچے کو بھی شامل ہے جو گر جاتا ہے ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ آدمی بننے کی اس میں بھی صلاحیت ہوتی ہے من تراب یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا یا یہ مطلب ہے کہ تم کو مادۂ منویہ سے پیدا کیا اور مادہ منویہ تمہاری کھائی ہوئی غذاؤں میں سے پیدا ہوتا ہے اور غذائیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

مٹی سے پھر قطرہ سے

انسان کی اصل مٹی ہے:

یعنی اول تمہارے باپ آدم کو مٹی سے، پھر تم کو قطرۂ منی سے بنایا، یا یہ مطلب یہ ہے کہ مٹی سے غذا نکالی جس سے کئی منزلیں طے ہو کر نطفہ بنا، پھر نطفہ سے کئی درجے طے کر کے تمہاری تشکیل و تخلیق ہوئی۔ (تفسیر عثانی)

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

اور بدون نقشہ بنی ہوئی سے

پیدائش کی ابتدائی حالتیں:

یعنی نطفہ سے جما ہوا خون اور خون سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ جس پر ایک وقت آتا ہے کہ آدمی کا پورا نقشہ (ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک وغیرہ) بنا دیا جاتا ہے۔ اور ایک وقت ہوتا ہے کہ ابھی تک نہیں بنایا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بعض کی پیدائش مکمل کر دی جاتی ہے اور بعض یونہی ناقص صورت میں گر جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض بے عیب ہوتا ہے بعض عیب دار۔ (تفسیر عثانی)

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس رات تک جمع ہوتی ہے۔ پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کے لوتھڑے کی پھر فرشتے کو چار چیزیں لکھ دینے کا حکم دے کر بھیجا جاتا ہے رزق عمل اجل، اور شقی یا سعید ہونا لکھ لیا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے عبداللہ فرماتے ہیں نطفے کے رحم میں ٹھیرتے ہی فرشتہ پوچھتا ہے کہ خدایا یہ مخلوق ہوگا یا نہیں؟ اگر انکار ہوا تو وہ جمتا ہی نہیں خون کی شکل میں رحم اسے خارج کر دیتا ہے اور اگر حکم ملا کہ اس کی پیدائش کی جائے گی تو فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ نیک ہوگا یا بد؟ اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفے سے پوچھا جاتا ہے تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے اللہ پوچھا جاتا ہے رازق کون ہے؟ کہتا ہے

اللہ۔ پھر فرشتے سے کہا جاتا ہے تو جا اور اصل کتاب میں دیکھ لے وہیں اس کا سارا حال مل جائے گا۔ پھر وہ پیدا کیا جاتا ہے لکھی ہوئی زندگی گزارتا ہے مقدر رزق پاتا ہے مقررہ جگہ چلتا پھرتا ہے پھر موت آتی ہے اور دفن کیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہے پھر حضرت عامرؒ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بچے کے اعمال کا ثواب:

مسند حافظ ابو یعلےٰ موصلی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بچہ جب تک بلوغت کو نہ پہنچے اس کی نیکیاں اس کے باپ کے یا ماں باپ کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور برائی نہ اس پر ہوتی ہے نہ اُن پر بلوغت پر پہنچتے ہی قلم اس پر چلنے لگتا ہے اس کے ساتھ کے فرشتوں کو اس کی حفاظت کرنے اور اسے درست رکھنے کا حکم مل جاتا ہے۔

عمر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اضافہ:

جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُسے تین بلاؤں سے نجات دے دیتا ہے جنون سے جذام سے اور برص سے جب اسے خدا کے دین پر پچاس سال گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے جب وہ ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے کاموں کی طرف اس کی طبیعت کا پورا میلان کر دیتا ہے اور اسے اپنی طرف راغب کر دیتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو آسمانی فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب وہ اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں تو لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاوز فرمالیتا ہے جب وہ نوے برس کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے اس کے گھر والوں کے لئے اسے سفارشی اور شفیع بنا دیتا ہے وہ خدا کے ہاں امین اللہ کا خطاب پاتا ہے اور زمین میں خدا کے قیدیوں کی طرح رہتا ہے۔ جب بہت بڑی ناکارہ عمر کو پہنچ جاتا ہے جب کہ علم کے بعد بے علم ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ اپنی صحت اور ہوش کے زمانے میں نیکیاں کیا کرتا تھا سب اس کے نامۂ اعمال میں برابر لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی برائی اس سے ہوگئی تو وہ نہیں لکھی جاتی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں سخت نکارت ہے باوجود اس کے اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں لائے ہیں موقوفاً بھی اور مرفوعاً بھی، حضرت انسؓ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے از فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت انسؓ سے ہی دوسری سند سے مرفوعاً یہی وارد کی ہے ۔ حافظ ابوبکر بن بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے بہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث مرفوع میں بیان کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چار باتیں لکھ دی جاتی ہیں:

تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انسان کا مادہ چالیس روز تک رحم میں جمع رہتا ہے پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اُسی وقت فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے دوسرے رزق کتنا ہے، تیسرے عمل کیا کیا کرے گا، چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی اور بدبخت ہوگا یا سعید خوش نصیب۔ (قرطبی)

بچہ پیدا ہوگا یا نہیں:

دوسری ایک روایت میں جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے روایت کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ نطفہ جب کئی دَور سے گزرنے کے بعد مضغہ گوشت بن جاتا ہے تو اس وقت وہ فرشتہ جو ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے یا رب مخلقہ او غیر مخلقہ (یعنی اس مضغہ سے انسان کا پیدا کرنا آپ کے نزدیک مقدر ہے یا نہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اس کو ساقط کر دیتا ہے تخلیق کے دوسرے مراتب تک نہیں پہنچتا اور اگر حکم ہوتا کہ یہ مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی، اور شقی ہے یا سعید اور اس کی عمر کیا ہے اور اس کا عمل کیسا ہے اور کہاں مرے گا (یہ سب چیزیں اُسی وقت فرشتہ کو بتلا دی جاتی ہیں (ابن کثیر) مخلقہ و غیر مخلقہ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مکمل بناوٹ والا اور نا تمام ساخت والا مجاہد نے کہا مصورہ اور غیر مصورہ (یعنی جس کی صورت بنا دی گئی یا وہ جس کی صورت ابھی نہیں بنائی گئی) بعض علماء نے کہا مخلقہ سے وہ بچہ مراد ہے جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے، اور غیر مخلقہ سے مراد ہے وہ بچہ جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔

بغوی نے بروایت علقمہ حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ رحم کے اندر جب نطفہ کا ٹھیراؤ ہو جاتا ہے تو ایک فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ اگر اللہ فرماتا ہے غیر مخلقہ تو رحم اس کو خون کی شکل میں (باہر) پھینک دیتا ہے اور وہ نسمہ (جان دار) نہیں بن سکتا اور اگر اللہ مخلقہ فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے نر یا مادہ، بدبخت یا سعید اس کی مدت زندگی کتنی ہے، اس کا عمل کیسا ہے اس کا رزق کیا ہے۔ حکم ہوتا ہے جا لوحِ محفوظ کو جا کر دیکھ تجھے سب کچھ اس میں مل جائے گا فرشتہ جاتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا پاتا ہے اور اس کی نقل کر لیتا ہے اور وہ نقل اس کے پاس رہتی ہے۔ (مظہری)

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ

اس واسطے کہ تم کو کھول کر سنا دیں

کہ خود تمہاری اصل کیا تھی اور کتنے روز گزرنے کے بعد آدمی بنے ہو۔ اسی کو سمجھ کر بہت سے حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور بعث بعد الموت کا امکان بھی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى

اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت معین تک

حمل کی مدت:

یعنی جتنی مدت جس کو رحم مادر میں ٹھہرانا مناسب ہوتا ہے ٹھہراتے ہیں۔ کم از کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس یا چار برس علی اختلاف الاقوال۔ (تفسیر عثمانی)

(یعنی وضع حمل کے وقت تک) ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ یعنی ہم ہی رحموں کے اندر جتنی مدت ٹھہرانا اور رکھنا چاہتے ہیں اس مدت تک جو اللہ کے نزدیک مقرر اور معلوم ہے ٹھہرائے رکھتے ہیں اس مدت کے اندر رحم بچہ کو باہر نہیں پھینکتے اور نہ اسقاط حمل ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ

پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

اور کوئی تم میں سے پھر چلایا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ

مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ

سمجھنے لگے

پیدائش کے بعد کے مراحل:

یعنی جس طرح اندر رہ کر بہت سے مدارج طے کئے ہیں، باہر آ کر بھی تدریجاً بہت منازل میں سے گزرنا پڑتا ہے ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور ناتواں ہوتا ہے اور اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ کامن (پوشیدہ) قوتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جسمانی حیثیت سے ہر چیز کمال شباب کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر بعض تو جوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور بعض اس عمر کو پہنچتے ہیں جہاں پہنچ کر آدمی کے اعضاء وقویٰ جواب دے دیتے ہیں وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکما ہو جاتا ہے یاد کی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہے اور جانی ہوئی چیزوں کو کچھ نہیں جانتا۔ گویا بوڑھا ہو کر پھر بچہ بن جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

نسائی میں بروایت سعدؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل الفاظ پر مشتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راوی حدیث حضرت سعدؓ یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کرا دیتے تھے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ (قرطبی)

بعد کے مراحل کے حالات:

مسند احمد اور مسند ابویعلی میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا اس کے نیک عمل اس کے والد یا والدین کے حساب میں لکھے جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

علماء نے کہا ہے کہ ذہنی لکیلا جسمانی طاقتوں کا کمال ۳۰ اور ۴۰ برس کی عمر کے درمیان پورا حاصل ہو جاتا ہے۔

لکیلا میں لام عاقبت کا ہے (عاقبت بمعنی نتیجہ) یعنی جس طرح ابتداء طفولیت میں فہم کی کمی اور دانش کی کمزوری کی وجہ سے کچھ نہیں جانتا تھا انتہائی بوڑھا ہونے کے بعد بچپن کی ہئیت پر ہو جائے اور زندگی میں جو کچھ جانتا تھا اس کو بھول جائے۔ عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ امکانِ حشر کی یہ دوسری دلیل ہے مختلف حدودِ عمر میں انسان کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور متضاد امور کا اس پر ورود ہوتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو جو ذات ان تبدیلات وتغیرات پر قادر ہے وہ ان جیسی تبدیلات دوبارہ بھی کر سکتی ہے (یعنی انسان کی پوری زندگی موت وحیات اور فناء و پیدائش کی کشمکش کا نام ہے ہر آن احوال کا تغیر اور زندگی کے بعد موت کا ورود اور موت کے پیچھے زندگی کا ظہور ہے۔ جہالت کے بعد علم اور علم کے بعد جہالت آتی ہے جسمانی اور ذہنی قوتوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ

اور تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی، پھر جہاں ہم نے اُتارا اس پر پانی

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ

تازی ہوگئی اور اُبھری اور اُگائیں ہر قسم قسم رونق کی چیزیں

زمین کی زندگی:

یعنی زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تروتازہ ہو کر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اگا دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

هَامِدَةً مردہ خشک هَمَدَتِ النَّارُ آگ راکھ ہوگئی۔ اِهْتَزَّتْ سبزہ کی روئیدگی کے سبب ہلنے لگی (لہلہانے لگی) رَبَتْ بڑھ گئی ابھر آئی، پھول گئی۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ
یہ سب کچھ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے محقق اور وہ جلاتا ہے مردوں کو اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ
ہر چیز کر سکتا ہے اور یہ کہ قیامت آنی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ
اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا قبروں میں پڑے ہوؤں کو

مذکورہ بالا بیان کے نتائج:

انسان کی پیدائش اور کھیتی کی مثالوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں چند باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) یہ کہ یقیناً اور بالتحقیق اللہ موجود ہے ورنہ ایسی منظم متقن اور حکیمانہ صنعتیں کہاں سے ظاہر ہوئیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ مردہ اور بے جان چیزوں کو زندہ اور جاندار بنا دیتا ہے چنانچہ مشت خاک یا قطرۂ آب سے انسان بنا دینا اور افتادہ زمین میں روح نباتی پھونک دینا اس پر شاہد ہے پھر دوبارہ پیدا کر دینا اس کو کیا مشکل ہے (۳) یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر ہر چیز اس کی قدرت کے نیچے نہ ہوتی تو ہرگز یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) یہ کہ قیامت ضرور آنی چاہئے اور اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ضرور ملنی چاہیے کیونکہ اتنے بڑے انتظامات یوں ہی لغو اور بے کار نہیں ہو سکتے۔ جس حکیم مطلق اور قادر علی الاطلاق نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے انسان کو ایسی عجیب و غریب صفت کے ساتھ پیدا کیا۔ کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس کی زندگی بیکار بنائی ہوگی؟ ہرگز نہیں یقیناً انسان کی یہ محدود زندگی جس میں سعادت و شقاوت نیکی بدی اور رنج و راحت باہم مخلوط رہتے ہیں اور امتحان و انتقام کی صورتیں ایک دوسرے سے مکمل اور نمایاں طور پر متمیز نہیں ہوتیں، اس کو مقتضی ہے کہ کوئی دوسری زندگی ہو جہاں سعید و شقی، مجرم و وفادار صاف طور پر الگ الگ ہوں اور ہر ایک اس مقام پر پہنچایا جائے جہاں پہنچنے کے لئے بنایا گیا ہے اور جس کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے۔ مادی حیثیت سے منی کے جن اجزاء میں نطفہ بننے کی استعداد تھی ان سے نطفہ بنا اسی طرح نطفہ کی پوشیدہ قوتیں علقہ میں علقہ کی مضغہ میں مضغہ کی طفل میں آئیں اور جوانی کے وقت ان کا پورا ظہور ہوا۔ یا زمین کی پوشیدہ قوتیں بارش کا چھینٹا پڑنے سے ظہور پذیر ہوئیں اسی طرح ضروری ہے کہ انسان میں سعادت و شقاوت کی جو روحانی قوتیں ودیعت کی گئیں یا نیکی اور بدی میں پھولنے پھلنے کی جو زبردست استعداد رکھی ہے وہ اپنے پورے شباب کو پہنچے اور کامل ترین اشکال و صورتیں ظاہر ہوں۔ اسی کا نام بعث بعد الموت ہے۔ جو دنیا کی زندگی کا موجودہ دورہ ختم کرنے کے بعد وقوع پذیر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ سے اشارہ مذکورہ بالا تفصیل کی طرف ہے یعنی انسان کی تخلیقی نیرنگیاں اور تضادِ احوال اور مردہ ہونے کے بعد زمین کا زندہ ہونا اور سبز ہو کر لہلہا جانا اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے، بذات خود متحقق ہے واجب الوجود ہے اسی کی وجہ سے دوسری تمام چیزوں کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو کسی ممکن کا پردۂ عدم سے نکل کر سطح وجود پر آنا ممکن نہ ہوتا۔ اور وہ ہی بے جان نطفہ اور مردہ زمین کو زندگی عطا فرماتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے کیونکہ اس کی قدرت بذاتِ خود ہے اور اس کی قدرت کی ہر چیز سے نسبت برابر ہے۔ اس لئے کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں اور مشاہدہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ بعض مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یہ اس کی قدرت سے خارج نہیں ہو سکتا، وہ ہر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے خواہ وہ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈی ہو جائے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد:

انسان وغیرہ کی تخلیق بیکار نہیں ہے آدمی کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت و عبادت ہے معرفت پر عبادت مرتب ہوتی ہے اور عبادت پر جزاء سزاء کی بناء ہے۔ اگر قانون جزا و سزا نہ ہو تو مومن و منکر اور فرماں بردار و مجرم مساوی ہو جائیں گے اور عدل کا تصور ختم ہو جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے کیا ہم اہلِ اطاعت کو مجرموں کی طرح کر دیں گے تمہارا یہ کیسا فیصلہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ
اور بغیر دلیل اور بدون روشن کتاب کے

بے سند جھگڑے:

یعنی ایسے واضح دلائل و شواہد سننے کے بعد بھی بعض کج رو اور ضدی لوگ اللہ کی باتوں میں یوں ہی بے سند جھگڑے کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی علم ضروری ہے نہ دلیل عقلی نہ دلیل سمعی محض اوہام و ظنون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقیط بن عامر جو ابو رزین عقیلی کی کنیت سے مشہور ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہم سب کے سب

قیامت کے دن اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھیں گے؟ اور اس کی مخلوق میں اس دیکھنے کی مثال کوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سب کے سب چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟ ہم نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر اللہ تو بڑی عظمت والا ہے۔ پھر پوچھا حضور! مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھی کوئی مثال دنیا میں ہے؟ جواب ملا کہ کیا ان جنگلوں سے تم نہیں گزرے جو غیر آباد وویران پڑے ہوں خاک اڑ رہی ہو خشک مردہ ہو رہے ہوں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہی ٹکڑا سبزے سے اور قسم قسم کے درختوں سے ہرا بھرا زندہ نو پید ہو جاتا ہے بارونق بن جاتا ہے اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور مخلوق میں بھی دیکھی ہوئی مثال اس کا کافی نمونہ اور ثبوت ہے (ابوداؤد وغیرہ)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں جو اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور قیامت قطعاً بے شبہ آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرے گا وہ یقینی جنتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثَانِيَ عِطْفِهٖ

اپنی کروٹ موڑ کر

یعنی اعراض وتکبر کے ساتھ۔ (تفسیر عثمانی)

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

تاکہ بہکائے اللہ کی راہ سے اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے

وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨

اور چکھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن جلن کی مار

گمراہ کن آدمی کی ذلت اور عذاب:

یعنی جو شخص بدون حجت ودلیل محض عناد سے خدا کی باتوں میں جھگڑتا ہے اور غرض یہ ہو کہ دوسرے لوگوں کو ایمان ویقین کی راہ سے ہٹادے اس کو دنیا میں خدا تعالیٰ ذلیل کرے گا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک دن میں وہ ستر ستر مرتبہ آگ میں جل کر بھرتا ہو جائے گا پھر زندہ کیا جائے گا پھر جلایا جائے گا (اعاذنا اللہ) (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اس کی وجہ سے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اس وجہ سے

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩

کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر

یہ اس کے عمل کا بدلہ ہوگا:

یعنی جب سزا دیں گے تو کہا جائے گا کہ خدا کی طرف سے کچھ ظلم وزیادتی نہیں۔ تیرے ہاتھوں کی کرتوت ہے جس کا مزہ آج چکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

اور بعضا شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی

خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ

اس کی بھلائی تو قائم ہوگیا اس عبادت پر، اور اگر پہنچ گئی اس کو جانچ پھر گیا

عَلٰي وَجْهِهٖ ڗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ

الٹا اپنے منہ پر گنوائی دنیا اور آخرت

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

یہی ہے ٹوٹا صریح

مطلب کی دینداری:

یعنی بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے اور اس کا دل مذبذب رہتا ہے اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے، بظاہر بندگی پر قائم رہے اور تکلیف پائے تو چھوڑ دے، اُدھر دنیا گئی ادھر دین گیا، کنارے پر کھڑا ہے یعنی دل ابھی اس طرف ہے نہ اس طرف جیسا کوئی مکان کے کنارے کھڑا ہو جب چاہے نکل بھاگے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوگئے تو بعض ایسے لوگ بھی آکر مسلمان ہو جاتے تھے (جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی) اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہوگئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ برا دین ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال وسامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف وپریشانی میں مبتلا ہوگئے تو دین سے پھر گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے جو

مدینے پہنچتے یہاں آ کر ان کے ہاں لڑکا ان کی اونٹنی کو بچہ آیا انہیں صحت ہوئی تو خوش ہو جاتے اور اس دین کی تعریفیں کرنے لگتے اور اگر کوئی بلا مصیبت آ گئی مدینے کی ہوا موافق نہ آئی گھر میں لڑکی پیدا ہو گئی صدقے کا مال میسر نہ ہوا تو شیطانی وسوسے میں آ جاتے اور صاف کہہ دیتے کہ اس دین میں تو مشکل ہی مشکل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک یہودی کی حماقت:

ابن مردویہ نے بوساطت عطیہ حضرت ابوسعید کی روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہو گیا اسلام لانے کے بعد اس کی آنکھیں جاتی رہیں اور مال واولاد کا بھی نقصان ہو گیا اس نے اسلام سے برا شگون لیا اور خیال کیا کہ یہ ساری مصیبت مجھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے آئی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (میری بیعت) مجھے واپس کر دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام واپس نہیں کیا جاتا۔ کہنے لگا میں نے تو اپنے اس مذہب میں کوئی بھلائی نہیں پائی میری نظر جاتی رہی اور مال بھی جاتا رہا اور بچہ بھی مر گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے یہودی اسلام لوگوں کا میل صاف کرتا ہے جیسے آگ سے لوہے سونے اور چاندی کا میل صاف ہوتا ہے۔

دنیا بھی گئی اور دین بھی:

خَسِرَ الدُّنْیَا الخ یعنی دنیوی مصائب کی وجہ سے دین سے مرتد ہونے والے کی دنیا بھی تباہ ہو گئی مال اور اولاد کا نقصان ہو گیا اور جو امیدیں اس نے باندھی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت میں خسران نصیب ہوا کہ سارے اعمال برباد گئے اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا پڑے گا یہ ایسا کھلا ہوا خسران ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گھاٹا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ ۚ

پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کو کہ نہ اُس کا نقصان کرے اور نہ اس کا

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۲﴾

فائدہ کرے، یہی ہے دُور جا پڑنا گمراہ ہو کر

کھلی حماقت:

یعنی خدا کی بندگی چھوڑی دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے اب پکارتا ہے ان چیزوں کو جن کے اختیار میں نہ ذرہ برابر بھلائی ہے نہ برائی۔ کیا خدا نے جو چیز نہیں دی تھی وہ پتھروں سے حاصل کرے گا؟ اس سے بڑھ کر کھلی حماقت کیا ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ

پکارے جاتا ہے اس کو جس کا ضرر پہلے پہنچے نفع سے

بتوں سے تو نقصان ملے گا:

یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے (بت پرستوں کے زعم کے موافق) لیکن ان کو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا، نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ﴿۱۳﴾

بیشک بُرا دوست ہے اور بُرا رفیق

برا دوست اور برا ساتھی

جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے یعنی جن سے بڑی امداد و رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی بُرے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے اُلٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا ۔ موم سمجھا تھا تیرے دل کو سو پتھر نکلا

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اللہ داخل کرے گا اُن کو جو ایمان لائے اور کیں بھلائیاں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

باغوں میں بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں

منکرین مجادلین اور مذبذبین کے بعد یہاں مومنین مخلصین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱۴﴾

اللہ کرتا ہے جو چاہے

جس کو مناسب جانے سزا دے اور جس پر چاہے انعام فرمائے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا

جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اُس کی اللہ دنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ

اور آخرت میں تو تان لے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ ڈالے

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

اب دیکھے کچھ جاتا رہا اُس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ

ہر حال میں نصرت میں وعدے پورے ہونگے:

لن ینصرہ میں ضمیر مفعول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تصور قرآن پڑھنے والے کے ذہن میں گویا ہر وقت موجود رہتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی قرآن کے اولین مخاطب ہیں۔ گویا مومنین کا انجام ذکر کرنے کے بعد یہ ان کے پیغمبر کے مستقبل کا بیان ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح ونصرت کے جو وعدے کر چکا ہے وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے خواہ کفار وحاسدین کتنا ہی غیظ کھائیں اور نصرت ربانی کے روکنے کی کیسی ہی تدبیریں کرلیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و کامیابی کسی طرح رک نہیں سکتی یقیناً آ کر رہے گی۔ اگر ان کفار وحاسدین کو اس پر زیادہ غصہ ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کوشش سے خدا کی مشیت کو روک سکیں گے تو اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے دیکھ لیں، حتیٰ کہ ایک رسی اوپر چھت میں لٹکا کر گلے میں ڈال لیں اور خود پھانسی لے کر غیظ سے مر جائیں، یا ہوسکتا ہو تو آسمان میں رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں، پھر دیکھیں کہ ان تدبیروں سے وہ چیز آنی بند ہو جاتی ہے جس پر انہیں اس قدر غصہ اور پیچ وتاب ہے۔

امید توڑنا ناکامی ہے:

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ کے مضمون سے مربوط کر کے نہایت لطیف تقریر فرمائی ہے۔ ان کے نزدیک مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ضمیر مفعول من کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تکلیف میں جو کوئی خدا سے ناامید ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزیں پوجنے لگے وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ قیاس کر لے جیسے ایک شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے، اگر چڑھ نہیں سکتا تو توقع تو ہے کہ رسی اوپر کھینچے تو چڑھ جائے۔ جب رسی توڑ دی تو کیا توقع رہی، کیا خدا کی رحمت سے ناامید ہو کر کامیابی حاصل کر سکے گا؟ گویا رسی کہا اللہ کی امید کو، اس کا کاٹ دینا ناامید ہو جانا اور آسمان سے مراد بلندی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ

اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں

وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور یہ ہے کہ اللہ سمجھا دیتا ہے جس کو چاہے

یعنی کیسی صاف صاف مثالیں اور کھلی باتیں ہیں۔ مگر سمجھتا وہی ہے جسے خدا سمجھ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین

وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

اور نصاریٰ اور مجوس

مجوسیوں کا مذہب:

مجوس آگ پوجتے ہیں اور دو خالق مانتے ہیں ایک خیر کا خالق جس کا نام یزدان ہے دوسرا شر کا جس کو اہرمن کہتے ہیں اور کسی نبی کا نام بھی لیتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ پیچھے بگڑے ہیں یا سرے سے غلط ہیں۔ شہرستانی نے ملل ونحل میں ان کے مذہب پر جو کلام کیا ہے اسے دیکھا جائے صابئین وغیرہ کا ذکر پہلے گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

اور جو شرک کرتے ہیں مقرر اللہ فیصلہ کرے گا اُن میں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

سب کا فیصلہ ہو جائے گا:

یعنی تمام مذاہب وفرق کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قیامت کے دن ہوگا سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیئے جائیں گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے مراد ہیں بت پرست يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ یعنی حق پرست کو باطل پرست سے الگ کر دے گا حق پرست کی حق پرستی اور باطل پرست کی باطل پرستی ظاہر کر دے گا یا یہ مراد ہے کہ اللہ ہر ایک کو اس کے مناسب بدلہ دے گا کسی فریق کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں بھجوا دے گا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ

اور پہاڑ　اور درخت　اور جانور　اور بہت　آدمی

مخلوقات کا سجدہ:

ایک سجدہ ہے جس میں آسمان و زمین کی ہر ایک مخلوق شامل ہے وہ یہ کہ اللہ کی قدرت کے آگے تکوینا سب مطیع و منقاد اور عاجز و بے بس ہیں خواہی نخواہی سب کو اس کے سامنے گردن ڈالنا اور سر جھکانا پڑتا ہے دوسرا سجدہ ہے ہر چیز کا جدا۔ وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا اس کام میں لگے، یہ بہت آدمی کرتے ہیں بہت نہیں کرتے۔ مگر آدمیوں کو چھوڑ کر اور ساری خلقت کرتی ہے۔ بناءً علیہ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ الخ میں ہر چیز کو اپنی شان کے لائق سجدہ مراد ہوگا یا من فی الارض کے بعد دوسرا یسجد مقدر نکالا جائے گا (تنبیہ) پہلی آیت سے ربط یہ ہوا کہ مختلف مذاہب کے لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں حالانکہ دوسری تمام مخلوق خدا کی مطیع و منقاد ہے۔ انسان جو ساری مخلوق سے زائد عاقل ہے، چاہئے تھا کہ اس کے کل افراد اوروں سے زیادہ متفق ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا سجدہ

صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ عرش کے تلے جا کر خدا کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے وقت آ رہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔

سورج اور چاند گہن:

سنن ابی داؤد نسائی ابن ماجہ اور مسند احمد میں گہن کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ کسی کی موت پیدائش سے گہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کسی پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو خدا کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا۔ آپ نے اسے فرمایا اے شخص بتلا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق۔ فرمایا یہ بھی بتلا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے۔ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے۔ پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا خدا کے ارادے سے؟ جواب دیا خدا کے ارادے سے۔ فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا پھر کیا بات رہ گئی؟

سجدے پر شیطان کا رونا

سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو میں واللہ تیرا سر اڑا دیتا۔ مسلم شریف میں ہے حضور فرماتے ہیں جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم فرمایا اس نے سجدہ کر لیا جنتی ہوگیا میں نے انکار کردیا جہنمی بن گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہر چیز کا سجدہ اختیاری ہے:

آیت میں محدثین اور علماء سلف کے نزدیک سجدہ سے مراد ہے طاعتِ اختیاری کیونکہ جمادات اگرچہ بے جان ہیں لیکن کسی قدر حیاتِ (شعوری) کا حصہ ان کو بھی حاصل ہے اور وہ بھی اپنے اختیار و ارادہ سے اللہ کی طاعت میں سرگرم ہیں اللہ نے (آسمان و زمین کے متعلق) فرمایا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ پتھروں کے متعلق فرمایا وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ایک اور آیت میں آیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو پکارتا ہے اے فلاں کیا تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گزرا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ رواہ الطبرانی من حدیث ابن مسعودؓ۔ بغوی نے لکھا ہے یہ قول اچھا ہے اور اہلِ سنت کے قول کے موافق ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ

اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر چکا　عذاب

کافروں پر عذاب:

یعنی سجدہ سے انکار و اعراض کرنیکی بدولت عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس کثیر سے مراد ہیں کافر، یہ سجدہ کرنے والوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

(۱) زمین پر پیشانی رکھنا (۲) فطری طور پر فرماں بردار اور عاجز ہونا حکم سے سرتابی نہ کرنا۔ اس جگہ سجود کے دونوں معنی مراد ہیں كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ کی طرف جب سجدے کی نسبت کی گئی تو سجدے سے مراد ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور دوسرے ممکنات کی طرف جب سجدے کی اسناد کی گئی تو سجدے سے مراد ہے فطری فرماں برداری اور مسخر حکم ہونا۔ اس کے بعد كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ مستقل علیحدہ جملہ ہے یعنی بہت سے لوگ جنہوں نے سجود و اطاعت سے انکار کیا وہ عذاب کے مستحق ہو گئے اور عذاب ان پر ثابت ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ

اور جس کو اللہ ذلیل کرے اُسے کوئی نہیں عزت دینے والا

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩

اللہ کرتا ہے جو چاہے

یعنی خدا تعالیٰ جس کو اس کی شامت اعمال سے ذلیل کرنا چاہے اسے ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت کے مقام پر کون پہنچا سکتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ ۡ

یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں اپنے رب پر

مدمقابل دوگروہ:

یعنی پہلے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ الیٰ آخرہ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرے کفار کا مجمع جس میں یہود انصاری مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ سب شامل ہیں جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے، یہ دونوں فریق دعاوی میں، بحث ومناظرہ میں اور جہاد وقتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ جیسا کہ بدر کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم تین کافروں عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ) کے مقابلہ پر نکلے تھے، آگے دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حمزہؓ اور ان کے مقابل:

حضرت ابوذرؓ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ان کے مقابلے میں بدر کے دن جو کافر آئے تھے عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں سب سے پہلے خدا کے سامنے اپنی حجت ثابت کرنے کے لئے گھٹنوں کے بل گر جاؤں گا۔ حضرت قیس فرماتے ہیں انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے بدر کے دن یہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے علی اور حمزہؓ اور عبیدہؓ اور شیبہ اور عتبہ اور ولید۔ (تفسیر ابن کثیر)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے بدر کے دن (میدان میں) عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر آئے اور صف تک پہنچ کر انہوں نے اپنے حریفوں کو میدان میں نکل کر آنے کی دعوت دی ان کے مقابلہ میں عبداللہ بن رواحہ اور تین انصاری جوان عوف، معاذ اور معوذ نکل کر سامنے آئے موخر الذکر تینوں جوان حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفراء تھا۔

فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو فریق دوئم نے کہا ہم انصاری ہیں او رنسب میں تمہارے ہمسر اور شرفاء ہیں، فریق اول کے منادی نے پکارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہمسروں کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں (یعنی قریشی ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن حارث اٹھو حمزہ بن عبدالمطلب اٹھو، علی بن ابی طالب اٹھو، (یعنی تم تینوں میدان میں جاؤ) حسب الحکم تینوں حضرات نکل کر میدان میں پہنچے۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو، فریق دوئم نے اپنے نام بتائے۔ فریق اول نے کہا ہاں تم ہمسر اور شرفاء ہو۔ عبیدہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے انہوں نے عتبہ کو للکارا اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ پر نکلے اور علی ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں پہنچے، حمزہ نے تو دم ہی نہیں لینے دیا۔ فوراً ہی شیبہ کو قتل کر دیا اور علی نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان چوٹیں رہیں دونوں جمے رہے یہ دیکھ کر حمزہ اور علی اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آئے، حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ گئی تھی اور ٹانگ کی مینگ بہہ رہی تھی جب یہ حضرات حضرت عبیدہ کو لے کر خدمتِ گرامی میں پہنچے تو عبیدہ نے کہا کیا میں شہید نہیں ہوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، عبیدہ نے کہا اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا میں ہی زیادہ مستحق ہوں۔

ابو طالب نے کہا تھا

كذبتم وبيت الله يُبْزى محمدٌ وَلَمَّا لظاعن دونه ونُناضِل

ونُسلِمُه حَتىٰ نُصرّ ع حَولهٗ وَنذهل عَنْ ابناءِ ناوالحلائل

کعبہ کی قسم تم جھوٹے ہو کہ محمد کی طرف سے جب تک ہم پورے طور پر نیزہ بازی اور تیر اندازی نہ کر لیں گے محمد کو تم مغلوب کر سکو گے ہم اس وقت تک ان کو (تمہارے) سپرد نہیں کر سکتے جب تک اپنے اہل وعیال کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کے گرد ہماری لاشیں نہ پڑی ہوں۔

مسلمان اور اہل کتاب:

ابن جریر نے بروایتِ عوفی حضرت ابن عباس کا قول اور ابن المنذ رو ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے اور اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی اہل کتاب نے کہا تھا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں ہماری کتاب تمہاری کتاب سے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے مسلمانوں نے کہا ہم قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں ہم اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ہمارے نبی کو بھی پہچانتے ہو اور ہماری کتاب کو بھی اور محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہو۔ فریقین کا اللہ کے معاملہ

میں یہی جھگڑا تھا۔ مجاہد اور عطا بن رباح نے کہا ھٰذٰنِ خصمٰن سے تمام مسلمان مراد ہیں (یہ دو فریق ہیں)

جنت اور دوزخ کا جھگڑا:

عکرمہ نے کہا باہم جھگڑا کرنے والی وہ چیزیں جنت اور دوزخ ہیں شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہوا دوزخ نے کہا (میں اعلیٰ ہوں) مجھے تکبر کرنے والوں اور مغروروں کے لئے پسند کیا گیا ہے، جنت نے کہا میری کیا حالت ہے میرے اندر تو سوائے کمزوروں، گرے پڑے لوگوں اور مسکینوں کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ اللہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں اپنے جس بندے پر چاہوں گا تیرے ذریعہ سے رحم کروں گا (یعنی میرے رحم کی مجسم شکل تو ہے میں جس پر رحم کرنا چاہوں گا اُس کو اپنی رحمت یعنی جنت عطا کر دوں گا) اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا تم دونوں میں سے ہر ایک کو ضرور بھرا جائے گا دوزخ تو اس وقت تک نہ بھرے گی جب اللہ اس میں اپنا قدم نہ رکھ دے گا۔ جب اللہ اس کے اندر اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ بھر جائے گی اور کہے گی بس بس اور (اس کے اجزاء) باہم سمٹ جائیں گے۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا (کہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے قصور لوگوں کو بھی اس میں ڈال دے) اور جنت (کو بھرنے) کے لئے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ
سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے بیونتے ہیں کپڑے آگ کے

آگ کا لباس:

یعنی جس طرح لباس آدمی کے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے جہنم کی آگ اسی طرح ان کو محیط ہوگی۔ یا کسی ایسی چیز کے کپڑے پہنائے جائیں گے جو آگ کی گرمی سے بہت سخت اور بہت جلد تپنے والے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سعید بن جبیر نے کہا پگھلائے ہوئے تانبے کے کپڑے ہوں گے کوئی دھات بھی ایسی نہیں کہ تپانے کے بعد اس لباس سے زیادہ گرم ہو چونکہ لباس کی طرح پگھلا ہوا تانبا کافروں کے جسم کے محیط ہوگا اس لئے اس کو لباس قرار دیا۔

بعض علماء نے کہا دوزخیوں کو آتش پارے (بطور لباس) پہنائے جائیں گے۔

ریشم پہننے کی سزا:

امام احمد نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جویریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا قیامت کے دن اللہ اس کو آگ کا لباس پہنائے گا۔

ابلیس کا لباس:

بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا جوڑا (پورا لباس) ابلیس کو پہنایا جائے گا وہ اس کو اپنی دونوں بھوؤں پر رکھے گا پھر اس کو گھسیٹتا جائے گا اور ابلیس کے پیچھے اس کی ذریات آگ کا لباس کھینچتی چلے گی ابلیس بھی ہلاکت کو پکارے گا اور اس کی ذریات بھی آخر دوزخ پر جا کر یہ سب کھڑے ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا ایک ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ کثیر ہلاکتوں کو پکارو۔

ابو نعیم نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخیوں کو لباس پہنایا جائے گا (لیکن اس لباس سے تو) ان کا ننگا رہنا اچھا ہوگا اور ان کو زندگی دی جائے گی (لیکن اس زندگی سے) تو موت ان کے لئے بہتر ہوگی (حضرت ابو مالک اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوحہ کرنے والی نے اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی ہوگی تو قیامت کے دن اس کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ قطران (صنوبر وغیرہ کا روغنی سیال) کا کرتہ اور جرب (تلوار کا زنگ) کی قمیص اس کے بدن پر ہوگی۔ ابن ماجہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو (قیامت کے دن) اس کے کپڑے قطران کے ہوں گے اور کرتہ آگ کے شعلوں کا تراشا (یعنی بدن کے مطابق بنایا) جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ
ڈالتے ہیں اُن کے سر پر جلتا پانی گل کر نکل جاتا ہے
مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ
اُس سے جو کچھ اُن کے پیٹ میں ہے اور کھال بھی اور ان کے
مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾
واسطے ہتھوڑے ہیں لوہے کے

دوزخیوں پر ہتھوڑے کی مار:

دوزخیوں کے سر کو ہتوڑے سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے سب انتڑی او جھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑے گی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا گل کر گر پڑے گا۔ پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بار بار یہی عمل

ہوتا رہے گا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (نساء، رکوع ۸) اللّٰھم اعذنا من غضبک و عذابک. (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ اور ان (کو کوٹنے) کے لئے (مخصوص طور پر) لوہے کے گرز ہوں گے۔ مقامع مقمعۃ کی جمع ہے مقمعۃ حقیقت میں اس آلہ کو کہتے جس کی سخت ضرب کی وجہ سے کسی چیز کو روکا جائے۔ لیث نے کہا مقمعۃ گرز کو کہتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ قَمَعْتُ رأسَهٗ کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ قمعتُ میں نے سخت ضرب رسید کی۔

لوہے کے گرز کا وزن:

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا، دوزخیوں کو گرزوں سے مارا جائے گا اور گرز کی ضرب مستقل طور پر ہر ہر عضو پر پڑے گی۔ اور (ہر ضرب پر) وہ موت کو پکاریں گے۔

ابو یعلی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوہے کا وہ گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور سارے جن وانس اس کو اٹھانا چاہیں تو اٹھا نہ سکیں اور اگر اس کی ایک ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے (یہ گرز دوزخی پر پڑے گا) پھر دوزخی ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا (اور بار بار ایسا ہی ہوتا رہے گا) (تفسیر مظہری)

گرم پانی زبردستی پلایا جائے گا:

ترمذی میں ہے کہ اس گرم آگ جیسے پانی سے ان کی آنتیں وغیرہ پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے پھر یہی ہوگا۔ عبداللہ بن سریؒ فرماتے ہیں فرشتہ اس ڈولچے کو اس کے کڑوں سے تھام کر لائے گا اس کے منہ میں ڈالنا چاہے گا یہ گھبرا کر منہ پھیر لے گا تو فرشتہ اس کے ماتھے پر لوہے کا ہتوڑا مارے گا جس سے اس کا سر پھٹ جائے گا وہیں سے اس گرم آگ پانی کو ڈالے گا جو سیدھا پیٹ میں پہنچے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان ہتوڑوں میں سے جن سے دوزخیوں کی کُٹائی ہوگی اگر ایک زمین پر لا کر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے (مسند) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے جہنمی اس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دیئے جائیں گے اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے مارے ہلاک ہو جائیں (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا
جب چاہیں کہ نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیئے جائیں

فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ
اس کے اندر اور چکھتے رہو جلنے کے عذاب

نکل نہ سکیں گے:

یعنی دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ کہیں کو نکل بھاگیں، آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے پھر فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے دھکیل دیں گے اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

نکلنے کی امید بھی نہ ہوگی:

ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں فضیل بن عیاض نے فرمایا واللہ ان کو دوزخ سے نکلنے کی امید بھی نہیں ہوگی کیونکہ ان کے پاؤں مضبوطی کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے بلکہ آگ کی لپیٹ (اپنے جوش کی وجہ سے ان کو اُٹھا کر اوپر لے جائے گی اور وہاں سے فرشتوں کے) گرز پھر ان کو لوٹا دیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید آگ سے باہر نکل جانے کا ارادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آگ کی لپیٹ جب ان کو اٹھا کر اوپر لے جائے گی تو ان کو خیال پیدا ہو جائے گا کہ آگ سے باہر جا پڑیں گے، لیکن ایسا نہ ہو سکے گا بلکہ گرز ان کو پھر نیچے لوٹا دیں گے بیہقی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ میں کسی کافر آدمی کو پھینکا جائے گا تو گڑھے کی تہہ تک پہنچے بغیر وہ کہیں نہیں رُکے گا پھر جہنم کی آگ کا جوش اس کو اٹھا کر جہنم کے بالاترین کنارے تک لے جائے گا، اس وقت اس کی ہڈیوں پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی (سب کو آگ کھا چکی ہوگی صرف پنجر باقی ہوگا) پھر ملائکہ اس کو گرزوں سے ماریں گے اور وہ لڑھکتا ہوا ان تک پہنچ جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ بغوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ دوزخ کے فرشتے اس کو لوہے کے گرزوں سے ماریں گے اور وہ ستر سال تک لڑھکتا چلا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
بیشک اللہ داخل کریگا اُن کو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
باغوں میں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں گہنا پہنائیں گے اُن کو وہاں
مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا
کنگن سونے کے اور موتی

جنتیوں کی زینت

یعنی بڑی آرائش اور زیب وزینت سے رہیں گے اور ہر ایک عنوان سے تجمل کا اظہار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

سونے کے کنگن:

جنت کے اندر ان کو سونے کے کنگن اور موتیوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن پہنائے جائیں گے۔ ایک سونے کا دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا۔

سر کے تاج:

ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ تلاوت فرمائی پھر فرمایا ان (کے سروں) پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک سے مشرق سے مغرب تک جگمگا جائے گا۔

ادنیٰ جنتی کا زیور:

طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ادنیٰ جنتی کے زیور کا تمام دنیا والوں کے زیور سے موازنہ کیا جائے تو ادنیٰ جنتی کو جس زیور سے اللہ آراستہ کرے گا وہ ساری دنیا والوں کے زیور سے اعلیٰ ہوگا۔

زیور بنانے والا فرشتہ

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب بن احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ اپنے روز پیدائش سے اہلِ جنت کے لئے زیور ڈھالنے میں مشغول ہے اور روز قیامت تک مشغول رہے گا اور اگر اہلِ جنت کا کوئی ایک زیور بھی برآمد ہو جائے تو سورج کی روشنی کو ماند کردے گا۔

اعضاء وضو پر زیور:

شیخین نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا زیور (اس کے ہاتھ اور پاؤں میں) اس حد تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

دنیا میں زیور اور شراب چھوڑنے کا بدلہ

الزہد میں عمران بن خالد کی وساطت سے ایک تابعی کی روایت آئی ہے کہ صحابہ کرام نے فرمایا کہ باوجود قدرت رکھنے کے جس نے سونا پہننا چھوڑا اللہ خطیرۃ القدس میں اس کو سونا پہنائے گا اور جس نے باوجود قدرت رکھنے کے شراب ترک کی اللہ اس کو خطیرۃ القدس کی شراب پلائے گا۔ نسائی اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سونے کا) زیور اور ریشم پہننے والوں کو ممانعت فرماتے تھے اور فرماتے تھے اگر تم جنت کا زیور اور جنت کا ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں اس کو نہ پہنو۔ حضرت عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں (جنت کا) ریشم نہیں پہنے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۲۳﴾
اور اُن کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی

جنتیوں کا لباس:

پہلے قطعت لهم ثیاب من نار میں دوزخیوں کا لباس مذکور ہوا تھا، اس کے بالمقابل یہاں جنتیوں کا پہناوا بیان فرماتے ہیں کہ ان کی پوشاک ریشم کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جو فرمایا کہ وہاں گہنا اور وہاں پوشاک۔ معلوم ہوا یہ دونوں (چیزیں مردوں کے لئے) یہاں نہیں۔ اور گہنوں میں سے کنگن اس واسطے کہ غلام کی خدمت پسند آتی ہے تو کڑے ہاتھ میں ڈالتے ہیں (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ جو مرد یہاں ریشم کا لباس پہنے گا آخرۃ میں نہیں پہنے گا اگر وہ پہننے والا کافر ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ جنت میں داخل ہی نہ ہوگا کہ جنتیوں کا لباس پہنے۔ ہاں اگر مومن ہے تو شاید کچھ مدت تک اس لباس سے محروم رکھا جائے پھر ابدالآباد تک پہنتا رہے اور اس لامتناہی مدت کے مقابلہ میں یہ قلیل زمانہ غیر معتد بہ سمجھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ریشم کا درخت:

وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ اور جنت کے اندر ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ بزار۔ ابویعلیٰ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی وساطت سے حضرت مرثد بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس (باریک ریشمی لباس) پیدا ہوتا ہے اسی کے اہلِ جنت کے کپڑے ہوں گے۔ نسائی۔ طیالسی، بزار اور بیہقی نے کھری سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے (یعنی درخت سے) پھٹ کر نکلیں گے، یعنی اہلِ جنت کے کپڑے درخت کے پھل کے پھٹنے سے نکل آئیں گے۔

ابن مبارک نے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا مومن کا مکان ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کے اندر ستر کمرے ہوں گے اور موتی کے وسط میں ایک درخت ہوگا جس کے اندر کپڑے اُگیں گے۔ مومن جا کر اپنی انگلی سے ستر جوڑے کپڑوں کے لے گا اور ہر جوڑے میں زمرد کی اور موتیوں کی اور

مونگے کی لڑیاں پروئی ہوئی ہوں گی۔

ریشم اور سونے کی ممانعت:

شیخین (بخاری ومسلم) نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے تم لوگ نہ ریشم پہنو نہ دیباج سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں رکابیوں میں کھاؤ یہ چیزیں اُن (کافروں) کے لئے دنیا میں ہیں اور تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہوں گی۔)

شیخین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (یعنی ریشمی لباس سے محروم رہے گا) ایسی ہی حدیث حضرت انسؓ اور حضرت زبیرؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ نسائی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مرد نے دنیا میں ریشم پہنا آخرت میں وہ ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ جس نے دنیا میں شراب پی آخرت میں وہ شراب (طہور) نہیں پیے گا اور جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں (کچھ) پیا آخرت میں وہ سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں پیئے گا، (محروم رہے گا)۔

آخرت میں ریشم سے محرومی:

طیالسی نے صحیح سند سے اور نسائی نے اور ابن حبان نے اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تب بھی اس کو ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

طُوبیٰ کے شگوفے:

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے پھر ایک کو طوبیٰ کے پاس لے جایا جائے گا، طوبیٰ کے شگوفے اس کے لئے کھل جائیں گے (اور شگوفوں کے اندر سے لباس برآمد ہوگا) جو کوئی جس طرح کا لباس لینا چاہے گا لے لے گا، خواہ سفید کا خواستگار ہو یا سُرخ کا یا سبز کا یا زرد کا یا سیاہ کا (یہ لباس خوبصورتی میں) گل لالہ کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ نرم اور حسین۔

جنتی کپڑوں کا حسن:

حضرت کعب کا بیان ہے اگر جنت کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دنیا میں پہن لیا جائے تو جو کوئی اس کو دیکھے گا بیہوش ہو جائے گا، صابونی نے المأتین میں بیان کیا ہے کہ جنتی آدمی جب حلۂ بہشتی پہنے گا تو فوراً ایک ساعت میں اس کے ستر رنگ بدل جائیں گے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہو کر وہاں کی نعمتوں سے راحت اندوز ہوگا تو نہ اس کا لباس کبھی پرانا (فرسودہ) ہوگا نہ شباب فنا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَهُدُوٓا إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ
اور راہ پائی انہوں نے ستھری بات کی

ستھری بات:

دنیا میں بھی کہ لا الہ الا اللہ کہا، قرآن پڑھا، خدا کی تسبیح وتحمید کی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا اور آخرت میں بھی کہ فرشتے ہر طرف سے سلام کریں گے اور جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ستھری باتیں کرتے ہوں گے بک بک جھک جھک نہ ہوگی اور نعمائے جنت پر شکر خداوندی بجالائیں گے مثلاً کہیں گے الحمد لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْجَنَّةَ سورۂ فاطر میں ہے۔ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ الآیہ۔ اس سے آیتِ حاضرہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ نبہ علیہ فی الروح۔

وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾
اور پائی اُس تعریفوں والے کی راہ

اللہ کی راہ: یعنی اللہ کی راہ پالی جس کا نام اسلام ہے یہ راہ خود بھی حمید ہے اور راہ والا بھی حمید ہے۔ یا راہ پائی اس جگہ کی جہاں پہنچ کر آدمی کو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ
جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے
وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ٱلَّذِى جَعَلْنَـٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً
اور مسجد حرام سے جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے
ٱلْعَـٰكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِ
برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا

عمرہ کی ادائیگی سے روکنے والے:

پہلے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا میں مومنین اور کفار کے اختصام (جھگڑے) کا ذکر تھا۔ اسی اختصام کی بعض صورتوں کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک وہ لوگ ہیں جو خود گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں سے مزاحم ہوتے ہیں۔ چاہتے

ہیں کہ کوئی شخص اللہ کے راستہ پر نہ چلے۔ حتیٰ کہ جو مسلمان اپنے پیغمبر کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے ان کا راستہ روک دیا حالانکہ مسجد حرام (یا حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادات و مناسک کا تعلق ہے) سب کے لئے یکساں ہے۔ جہاں مقیم و مسافر اور شہری و پردیسی کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ ہاں وہاں سے نکالے جانے کے قابل اگر ہیں تو وہ لوگ جو شرک اور شرارتیں کر کے اس بقعہ مبارکہ کی بے تعظیمی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) بیوت مکہ کی ملکیت اور بیع و شراء وغیرہ کا مسئلہ ایک مستقل مسئلہ ہے۔ جس کی کافی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں کی گئی ہے یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مکہ کے مکانات کی ملکیت:

فقہاء کا مختار مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات ملکِ خاص ہو سکتے ہیں ان کی خرید و فروخت اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے حضرت فاروق اعظمؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے صفوان بن اُمیہ کا مکان مکہ مکرمہ میں خرید کر اس کو مجرموں کے لئے قید خانہ بنایا تھا امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اس میں دو روایتیں منقول ہیں ایک پہلے قول کے مطابق دوسری دوسرے قول کے مطابق اور فتویٰ دوسرے قول پر ہے۔ کذافی روح المعانی۔ یہ بحث کتب فقہ میں مفصل مذکور ہے مگر اس آیت میں حرم کے جن حصوں سے روکنے کا ذکر ہے وہ حصے بہرحال سب کے نزدیک وقفِ عام ہیں ان سے روکنا حرام ہے آیت مذکورہ سے اسی کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

حرم کے اندر حجاج کے حقوق:

آیت کا مطلب یہ کہ حرم کے اندر ٹھہرنے اور اترنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ جو شخص بھی حرم کے اندر کسی جگہ پہلے ٹھہر جائے اس کو پیچھے آنے والا نکال نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے، ان بزرگوں نے کہا کہ مقیم ہو یا مسافر حرم کے اندر مکانوں اور فرودگاہوں پر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرحمٰن بن سابط کا بیان ہے کہ حاجی جب مکہ میں آتے تھے تو مکہ کے باشندوں کو بھی اپنے مکانوں پر ترجیحی حقوق باقی نہیں رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا عمل:

حضرت عمر موسم حج میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت عمر کا یہ قول عبدالرحمٰن بن عبدحمید نے بوساطت نافع حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے۔

ازالۃ الخفاء کی ایک روایت ہے کہ مروہ کے قریب ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المومنین میرے لئے کچھ جگہ کاٹ دیجئے (یعنی کوئی خاص جگہ مقرر فرما دیجئے) حضرت عمرؓ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس کو پیچھے چھوڑ کر (آگے بڑھ گئے اور) فرمایا یہ تو اللہ کا حرم ہے اس میں مقیم و مسافر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرزاق نے بروایت معمر از منصور مجاہد کا قول نقل کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، مکہ والوں اپنے گھروں کے دروازے بند نہ رکھو تا کہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں اتر سکیں۔ عبدالرزاق نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا کہ عطا حرم کے اندر گھوڑوں کے داخلے سے منع کرتے تھے۔ اور مجھے یہ بھی روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمر نے مکہ کے گھروں کو۔ در بند۔ کرنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ تا کہ حاجی گھروں کے صحنوں میں اتر سکیں سب سے پہلے سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ قائم کیا اور حضرت عمر سے اپنے اس فعل کی معذرت کی۔

مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت

لیکن بیہقی کی یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے مکہ میں چار ہزار درہم کو ایک مکان جیل خانہ بنانے کے لئے خریدا تھا۔ اور ابن الزبیر کی یہ روایت بھی صحیح ہے کہ آپ نے حضرت سودہ کا حجرہ خریدا تھا۔ اور یہ بھی روایت آئی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے دار الندوہ فروخت کر دیا تھا۔ اور یہ بھی صحیح بات ہے کہ توسیع مسجد کے لئے حضرت عمرؓ نے کچھ مکان ان کے مالکوں سے خریدے تھے اور حضرت عثمان کے سلسلہ میں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے اس وقت رباط میں بکثرت صحابی موجود تھے اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا، یہ تمام روایات بتا رہی ہیں کہ حرم کے اندر بلکہ مکہ کے اندر مکانوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی رائے:

میں کہتا ہوں یہ سب خرید و فروخت عمارت کی تھی عمارتیں مختلف مالکوں کی تھیں یہ زمین کی خرید و فروخت نہ تھی اور ممانعت زمین کی فروخت و خرید کی تھی۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور قوی ترین روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ مکہ کی زمین کی فروخت اور مکہ کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا ناجائز ہے کیونکہ حرم کی زمین آزاد ہے کسی کی ملک نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ، اللہ نے اس آیت میں بیت کو عتیق (آزاد) فرمایا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ بیت عتیق سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ صرف حدودِ حرم کے اندر ہی قربانی جائز ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو کعبہ کے قریب ہو۔ یہ تاویل خود ساختہ اور نا قابلِ قبول ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک:

امام مالکؒ کا بھی یہ مسلک ہے لیکن ان کے اس مسلک کی بناء ایک اور نظریہ

پر ہے امام مالک کے نزدیک مکہ کی فتح زبردستی اور جبری ہوئی تھی اور جس بستی کو جبراً فتح کیا گیا ہو وہ ساری بستی وقف ہو جاتی ہے اس کی زمین کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

مکہ کی زمین کی حُرمت:

ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ التحقیق میں امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں، مکہ حرم ہے اس کی زمینیں حرام ہیں اس کے گھروں کا کرایہ حرام ہے۔

امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں اور ثقہ کا کسی حدیث کو مرفوعاً ذکر کرنا قابل قبول ہے امام محمد نے اسی سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مکہ کے مکانوں کا کچھ بھی کرایہ کھایا، اس نے آگ کھائی، دارقطنی نے اپنی سند سے اسمٰعیل بن ابراہیم بن مہاجر کی روایت سے بحوالۂ حضرت ابن عمر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ مباح ہے (ہر ایک کا حق اس کی زمین اور مکان پر برابر ہے) اس کی زمینیں نہ بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرایہ پر دیئے جائیں۔

ابن جوزی نے اپنی سند سے .... مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ حرام ہے اللہ نے اس کو حرمت والا بنایا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا حلال نہیں اور نہ اس کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا جائز ہے۔ یہ روایت مرسل ہے (صحابی کا اس میں ذکر نہیں) اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کل آپ کہاں اتریں گے، فرمایا کیا عقیل نے کوئی اترنے کی جگہ (ہمارے لئے) چھوڑ دی ہے، پھر فرمایا، انشاء اللہ ہم کل کو خیف بنی کنانہ میں اتریں گے۔ پھر فرمایا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کافر کا۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ
اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اُسے ہم چکھائیں گے
مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾
ایک عذاب دردناک

حرم میں بے دینی کی سزا:

یعنی جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بالارادہ بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کرے گا اس کو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائے گی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ملتی۔ اسی سے ان کا حال معلوم کر لو جو ظلم و شرارت سے مؤمنین کو یہاں آنے سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حرم میں شرارت کے ارادہ پر بھی سزا ملتی ہے:

حضرت مجاہد فرماتے ہیں جو بھی یہاں بُرا کام کرے۔ یہ حرم شریف کی خصوصیت ہے کہ غیر وطنی لوگ جب کسی بدکام کا عزم کر لیں تو انہیں سزا ہوتی ہے گو اسے نہ کریں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم میں الحاد و ظلم کا ارادہ رکھتا ہو تو بھی اللہ اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں اس نے تو اسے مرفوع بیان کیا تھا لیکن میں اسے مرفوع بیان نہیں کرتا اس کی اور سند بھی ہے جو صحیح ہے اور موقوف ہونا بہ نسبت مرفوع ہونے کے زیادہ ٹھیک ہے۔ عموماً قول ابن مسعودؓ سے ہی مروی ہے واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کسی پر برائی کے صرف ارادے سے برائی نہیں لکھی جاتی لیکن اگر دور دراز مثلاً عدن میں بیٹھ کر بھی یہاں کے کسی شخص کے قتل کا ارادہ کرے تو اللہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ہاں ان پر یہاں قسمیں کھانا بھی الحاد میں داخل ہے۔ سعید بن جبیرؒ کا فرمان ہے کہ اپنے خادم کو یہاں گالی دینا بھی الحاد میں ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے امیر شخص کا یہاں آ کر تجارت کرنا۔ ابن عمر فرماتے ہیں مکے میں اناج کا بیچنا۔ حبیب بن ابوثابت فرماتے ہیں گراں فروشی کے لئے اناج کو یہاں روک رکھنا ابن ابی حاتم میں بھی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی منقول ہے۔

عبداللہ بن اُنیس:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن انیس کے بارے میں اُتری ہے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر اور ایک انصار کے ساتھ بھیجا تھا۔ ایک مرتبہ ہر ایک اپنے اپنے نسب پر فخر کرنے لگا اس نے غصے میں آ کر انصاری کو قتل کر دیا اور مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور دین اسلام چھوڑ بیٹھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

نفرت کے مستحق:

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحق نفرت تین آدمی ہیں۔

۱- حرم میں بے دینی کرنے والا۔

۲- اسلام (کے دور) میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا۔

۳- کسی کا ناحق خون بہانے کا طلب گار۔ (تفسیر مظہری)

الحاد سے کیا مراد ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ الحاد کے معنے لغت میں سیدھے راستے سے ہٹ جانے کے ہیں۔ اس جگہ الحاد سے مراد مجاہد و قتادہ کے نزدیک کفر و شرک ہے مگر دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے عام معنے میں قرار دیا ہے جس

میں ہر گناہ اور اللہ ورسول کی نافرمانی داخل ہے یہاں تک کہ اپنے خادم کو گالی دینا برا کہنا بھی۔ اور اسی معنے کے لحاظ سے حضرت عطاء نے فرمایا کہ حرم میں الحاد سے مراد اس میں بغیر حرام کے داخل ہو جانا یا ممنوعات حرم میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ہے جیسے حرم کا شکار مارنا یا اس کا درخت کاٹنا وغیرہ۔ اور جو چیزیں سےریعت میں ممنوع ناجائز ہیں وہ سبھی جگہ گناہ اور موجب عذاب ہیں حرم کی تخصیص اس بناء پر کی گئی کہ جس طرح حرم مکہ میں نیکی کا ثواب بہت بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی بہت بڑھ جاتا ہے (قالہ مجاہد) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا جب تک عمل نہ کرے اور حرم میں صرف ارادہ پختہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے قرطبی نے یہی تفسیر ابن عمرؓ سے بھی نقل کی ہے اور اس تفسیر کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احتیاط:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج کے لئے جاتے تو دو خیمے لگاتے تھے ایک حرم کے اندر دوسرا باہر۔ حرم میں اگر اپنے اہل وعیال یا خدام ومتعلقین میں کسی کو کسی بات پر سرزنش اور عتاب کرنا ہوتا تو حرم سے باہر والے خیمے میں جا کر یہ کام کرتے تھے، لوگوں نے مصلحت دریافت کی تو فرمایا ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ انسان جو عتاب وناراضی کے وقت کَلا واللّٰہ یا بلیٰ واللّٰہ کے الفاظ بولتا ہے یہ بھی الحاد فی الحرم میں داخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ
اور جب ٹھیک کردی ہم نے ابراہیم کو جگہ اُس گھر کی

بیت اللہ کی تعمیر کا حکم:

کہتے ہیں کعبہ شریف کی جگہ پہلے سے بزرگ تھی، پھر مدتوں کے بعد نشان نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا کہ بیت اللہ تعمیر کرو۔ اس معظم جگہ کا نشان دکھلایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ (تنبیہ) مسجد حرام کا ذکر پہلے آیا تھا اس کی مناسبت سے کعبہ کی بناء کا حال اور اسکے متعلق بعض احکام دور تک بیان کئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے اس زمین پر آباد نہ تھے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے کہ اُن کو ملک شام سے ہجرت کرا کر یہاں لایا گیا تھا۔ اور مکان البیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا جیسا کہ معتبر روایات میں ہے کہ اس کی پہلی بناء تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر لانے سے پہلے یا اس کے ساتھ ہوئی تھی اور آدم علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت بیت اللہ کی تعمیر اُٹھالی گئی تھی بنیادیں اور اس کی معین جگہ موجود تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں لا کر ٹھیرایا گیا اور ان کو حکم دیا گیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

کعبہ پہلے سے تھا:

قاموس میں ہے بَوَّأَهٗ مَنْزِلاً اور فِی الْمَنْزِل، کسی جگہ کو اتارا المباءۃ منزل (فرودگاہ مکان مقام واقعہ (تاریخی) یہ ہوا کہ حضرت نوح کے طوفان کے زمانے میں کعبہ کو آسمان کی طرف اُٹھالیا گیا تھا، پھر جب اللہ نے حضرت ابراہیم کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم حیران ہوئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کعبہ کا مقام کہاں ہے اور کہاں بناؤں بحکم خدا ایک تند آندھی آئی جس کی وجہ سے کعبہ کے خطوط اساسی پر پڑی ہوئی ریت اور مٹی ہٹ گئی اور آپ کو کعبہ کی بنیادیں معلوم ہو گئیں۔ کذا قال بغوی۔

کعبہ کی بنیاد کا نشان:

بیہقی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہوا بھیجی تھی جس کو ریح خجوج کہتے ہیں، اس ریح خجوج کے دو بازو (اُڑنے والے) اور ایک سر تھا اور سانپ جیسی شکل تھی اس ہوا نے کعبہ کے گرداگرد زمین کو الٹ دیا اور کعبہ کی اساس اول برآمد ہو گئی۔

بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے مسافتِ کعبہ کے بقدر ایک ہوا بھیجی، جو کعبہ کے مقام پر آ کر کھڑی ہو گئی، اس کے اندر ایک سر تھا جو کہہ رہا تھا ابراہیم میری مقدار کے برابر عمارت بناؤ۔ حضرت ابراہیم نے اسی مقدار کے بموجب تعمیر کی۔ (تفسیر مظہری)

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا
کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو

خالص توحید والا گھر:

یعنی اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھو، کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم نہ بجالائے۔ کفار مکہ نے اس پر ایسا عمل کیا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت لا کر کھڑے کر دیئے۔ العیاذ باللہ جن کی گندگی سے ہمیشہ کے لئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ فلہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

عام لوگوں کو سنانا مقصود ہے:

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا یعنی میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کرنے کا کوئی احتمال نہیں، اُن

کی بُت شکنی اور شرک کرنے والوں کا مقابلہ اور اس میں سخت ترین آزمائش کے واقعات پہلے ہو چکے تھے اس لئے مراد اس سے عام لوگوں کو سنانا ہے کہ شرک سے پرہیز کریں۔

وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ
اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے
وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾
والوں کے اور رکوع وسجدہ والوں کے

رکوع اس امت کی خصوصیت:

یعنی خالص ان ہی لوگوں کے لئے رہے اور سب سے پاک کی جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ پہلی امتوں میں رکوع نہ تھا یہ خاص اسی امت محمدیہ کی نماز میں ہے۔ تو خبر دی کہ آگے لوگ ہوں گے اس کے آباد کرنے والے وفیہ نظر فتامل۔ (تفسیر عثمانی)

کعبہ کی ظاہری ومعنوی پاکی کا حکم:

دوسرا حکم یہ دیا گیا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (یعنی میرے گھر کو پاک کیجئے) اس وقت اگرچہ گھر موجود نہیں تھا مگر بیت اللہ دراصل در و دیوار اور تعمیر کا نام نہیں، وہ اُس بقعۂ مقدسہ کا نام ہے جس میں بیت اللہ پہلے بنایا گیا تھا اور اب دوبارہ بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بقعہ اور مکان بہرحال موجود تھا اس کو پاک کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس زمانے میں بھی قوم جُرہم اور عمالقہ نے یہاں کچھ بُت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا پاٹ ہوتی تھی (ذکرہ القرطبی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم آئندہ آنے والوں کو سنانا ہو اور پاک کرنے سے مراد جیسے کفر وشرک سے پاک رکھنا ہے ایسے ہی ظاہری نجاسات اور گندگیوں سے پاک رکھنا بھی مراد ہے اور ابراہیم علیہ السلام کو اس کا خطاب کرنے سے دوسرے لوگوں کو اہتمام کی فکر دلانا مقصود ہے کہ جب خلیل اللہ کو اس کا حکم ہوا جو خود ہی اس پر عامل تھے تو ہمیں اس کا اہتمام کتنا کرنا چاہیے۔ (تفسیر معارف مفتی اعظم)

کعبہ وقبلہ بے کیف بے جسم ہے:

مجدد الف ثانی نے فرمایا کعبہ اگرچہ ایک جسمانی چیز ہے لیکن ایسی حقیقت کے مشابہ ہے جو بے کیف ہے کیونکہ کعبہ کی دیواریں، چھت انتہائی گہرائی تک زمین اور انتہائی چوٹی تک آسمان کوئی بھی قبلہ نہیں ہے اگر اس مٹی چھت اور دیواروں کو ہٹا کر کہیں اور لے جائیں تب بھی قبلہ وہی رہے گا جواب ہے جہاں دیواروں اور پتھروں کو منتقل کر کے پہنچایا جائے گا وہ جگہ قبلہ نہیں بن جائے گی۔ حقیقت میں قبلہ ایک بے کیف اور بے جسم چیز ہے،

جہاں انوارِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور تجلیات کا پرتو پڑتا ہے۔

تمام نماز میں پاکی ضروری ہے:

الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، سے مراد ہیں نمازی، یہ تینوں نماز کے اجزاء ہیں اور چونکہ ہر جزء کے لئے طہارتِ مقام ضروری ہے، اس لئے ہر جزء کا مستقلاً ذکر کر دیا اور بغیر سجدے کے رکوع شرعاً عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا اس لئے الرکع السجود کے درمیان حرف عطف نہیں ذکر کیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر صرف پیشانی رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى
اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر
كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾
اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دُور سے

حضرت ابراہیمؑ کی آواز ہر جگہ پہنچ گئی:

جب کعبہ تعمیر ہو گیا تو ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا کہ لوگو! تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے حج کو آؤ حق تعالیٰ نے یہ آواز ہر طرف ہر ایک روح کو پہنچا دی (بلاتشبیہ جیسے آج کل ہم امریکہ یا ہندوستان میں بیٹھ کر لندن کی آوازیں سن لیتے ہیں) جس کے لئے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا۔ وہ ہی شوق کی دبی ہوئی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پا پیادہ تکلیفیں اُٹھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور بہت سے اتنی دور سے سوار ہو کر آتے ہیں کہ چلتے چلتے اونٹنیاں تھک جاتی اور دبلی ہو جاتی ہیں، بلکہ عموماً حاجیوں کو عمدہ سانڈنیاں کہاں ملتی ہیں ان ہی سوکھے بلے اونٹوں پر منزلیں قطع کرتے ہیں۔ یہ گویا اس دعا کی مقبولیت کا اثر ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ (ابراہیم رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔

بغوی نے لکھا ہے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا کہ حضرت ابراہیم کو جب اعلانِ حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے عرض کیا میری آواز کیسے پہنچے گی، اللہ نے فرمایا تمہارا کام اعلان کرنا اور پکارنا ہے اور پہنچانا میرا ذمہ ہے۔ حضرت ابراہیم مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہوئے فوراً وہ مقام اُٹھ کر بلند ترین پہاڑ کے برابر ہو گیا، حضرت ابراہیم نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض کر دیا

ہے، اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو (قیامت تک جو جو حج کرنے والے ہیں) سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹوں کے اندر سے لبیک اللھم لبیک کہا، حضرت ابن عباس نے فرمایا، سب سے پہلے لبیک کہنے والے اہلِ یمن تھے، اسی لئے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کوہِ بوقبیس پر چڑھ کر ندا دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں الناس سے مراد اہلِ قبلہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم:

بغوی نے لکھا ہے حسن کا خیال ہے کہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ علیحدہ کلام ہے (حضرت ابراہیم اس میں مخاطب نہیں ہیں بلکہ) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لئے بلائیں حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا، لوگو تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے حج کرو۔ رواہ مسلم۔ احمد اور نسائی اور دارمی نے یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے۔

مسئلہ: جو شخص پیدل چل سکتا ہو اس کے لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیدل چل کر حج کرنا افضل ہے کیونکہ پیدل چل کر آنیکا ذکر سوار ہو کر آنے سے پہلے کیا پھر پیدل چل کر آنے میں جسمانی دکھ بھی زیادہ اٹھانا پڑتا ہے اور خضوع و عجز کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی نے پیدل چل کر حج کرنے کی منت مانی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل حج کرنا اس پر واجب قرار دیا ہے اور اگر پیدل حج نہ کر سکے تو قربانی کو واجب قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدل حج (اصل) طاعت ہے اور طاعت کا ادنیٰ درجہ استحباب وافضلیت ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حج کے لئے سوار ہو کر آنا افضل ہے کیونکہ پیدل آنے میں بہت سی عبادتوں میں خلل پیدا ہو جائے گا اور اسلام میں رہبانیت کا جواز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ
تا کہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر

حج کے فوائد

اصل مقصد تو دینی و اخروی فوائد کی تحصیل ہے مثلاً حج و عمرہ اور دوسری عبادات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور روحانی ترقیات کے بلند مقامات پر فائز ہونا۔ لیکن اس عظیم الشان اجتماع کے ضمن میں بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ کما لایخفیٰ۔ (تفسیر عثمانی)

حج سے کوئی فقیر نہیں ہوا:

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ یعنی اُن کی یہ حاضری دور دراز سفر طے کر کے اپنے ہی منافع کے لئے ہے قرآن میں منافع کو بصیغہ نکرہ لا کر اس کے عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس میں دینی منافع تو بیشمار ہیں ہی دنیوی منافع بھی بہت مشاہدہ میں آتے ہیں کم از کم اتنی بات خود قابلِ تعجب و حیرت ہے کہ حج کے سفر پر عموماً بڑی رقم خرچ ہوتی ہے جو بعض لوگ ساری عمر محنت کر کے تھوڑی تھوڑی بچا کر جمع کرتے ہیں اور یہاں بیک وقت خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن ساری دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا کہ کوئی شخص حج یا عمرہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے فقیر محتاج ہو گیا ہو۔ اسکے سوا دوسرے کاموں مثلاً بیاہ شادی کی رسموں میں مکان تعمیر کرنے میں خرچ کر کے ہزاروں آدمی محتاج وفقیر ہونے والے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سفر حج وعمرہ میں یہ خصوصیت بھی رکھی ہے کہ اس سے کوئی شخص دنیوی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حج وعمرہ میں خرچ کرنا افلاس محتاجی کو دور کر دیتا ہے غور کیا جائے تو اس کا بھی مشاہدہ عموماً پایا جائے گا اور حج کے دینی منافع تو بہت ہیں ان میں سے ایک یہی کچھ کم نہیں۔

حج گناہوں کو مٹا دیتا ہے:

ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں بے حیائی کی باتوں سے اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں واپس آئے گا کہ گویا یہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج برآمد ہوا ہے یعنی جیسے ابتداء ولادت میں بچہ بے گناہ معصوم ہوتا ہے یہ بھی ایسا ہی ہو جائے گا۔ رواہ البخاری ومسلم (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ
اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
ذبح پر چوپایوں مواشی کے جو اللہ نے دیئے ہیں اُن کو

ذی الحجہ کے دس دن اور قربانی کے دن:

ایام معلومات سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک تین دن قربانی کے مراد ہیں۔ بہرحال ان ایام میں ذکر اللہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی ذکر کے تحت میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی داخل ہے کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا جائے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ان دنوں میں بہترین عمل یہ ہی ہے اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

قربانی کا گوشت:

عام قربانی کا گوشت ہو یا خاص حج کی قربانیاں ان سب کا حکم یہی ہے کہ قربانی کرنے والا خود اور ہر مسلمان غنی ہو یا فقیری اس میں سے کھا سکتا

ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ غرباء فقراء کو دے دیا جائے اسی امر مستحب کا بیان آیت کے اگلے جملے میں اس طرح فرمایا ہے وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ بائس کے معنے بہت تنگدست مصیبت زدہ اور فقیر کے معنے حاجتمند کے ہیں مطلب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے ان کو بھی کھلانا اور دینا مستحب اور مطلوب ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قربانی کی تو حکم دیا کہ ہر طرف کے گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر پکا لیا جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں میں اسے پسند کرتا ہوں کہ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا کھالے کیونکہ خدا کا فرمان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے کہ ان ایام سے مراد ہے قربانی کا دن اور تین روز اس کے بعد کے بہیمۃ الانعام یعنی قربانی کے جانور جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں خواہ قربانی واجب ہو یا مستحب۔ آیت میں کوئی قید نہیں۔ تقرب حاصل کرنے کی اس میں ترغیب ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ یادِ الٰہی کا تقاضا پورا کیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ
سو کھاؤ اُس میں سے اور کھلاؤ بُرے حال کے محتاج کو

خود بھی کھاؤ دوسروں کو بھی کھلاؤ:

بعض کفار کا خیال تھا کہ قربانی کا گوشت خود قربانی کرنے والے کو نہ کھانا چاہیئے اس کی اصلاح فرمادی کہ شوق سے کھاؤ۔ دوستوں کو دو اور مصیبت زدہ محتاجوں کو کھلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ ہدی نافلہ (نفل قربانی) کا گوشت قربانی پیش کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی طویل حدیث جو حجۃ الوداع کے بیان میں اس کی شاہد ہے اس روایت میں ہے کہ حضرت علی یمن سے کچھ اونٹ قربانی کے لئے لے کر آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ بھیج دیئے تھے، حضور نے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے پھر حسب الحکم باقی اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کئے۔ ذبح کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو شریک کرلیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علیؓ نے وہ گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ رواہ مسلم

اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اپنی (نافلہ) قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے ورنہ ہر اونٹ کے گوشت کا پارہ لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ایک ہی اونٹ کے گوشت کو لے لینا کافی تھا۔

مسئلہ: شکار کے جرم کے عوض جو قربانی کی جائے اس کے گوشت کو قربانی کرنے والے کے لئے کھانا باتفاق علماء جائز نہیں۔ شکار کے عوض قربانی شکار کا بدلہ ہے، اللہ نے فرمایا ہے فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ اس آیت میں مثل صوری مراد ہے یا (مثل معنوی یعنی) اس کی قیمت، یہ تفصیل سورۂ مائدہ میں کر دی گئی ہے۔ شکار کا گوشت شکاری کے لئے جائز نہیں اس لئے شکار کے عوض جو قربانی کی جائے اس کا گوشت بھی قربانی کرنے والے کے لئے جائز نہیں۔ اصل حرام ہے عوض بھی حرام ہے، رسول اللہ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر اللہ کی مار ہو اللہ نے ان کے لئے چربیاں حرام کر دی تھیں۔ انہوں نے چربیاں پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی (یہ حیلہ کیا) متفق علیہ من حدیث جابر۔

اسی طرح امام مالک کے علاوہ جمہور ائمہ کے نزدیک نذر کی قربانی کا گوشت نذر ماننے والے کے لئے جائز نہیں۔

دوران حج میں مختلف جرائم کے ارتکاب سے جو قربانی واجب ہو جاتی ہے اس کا گوشت بھی قربانی دینے والے کیلئے باتفاق ائمہ ناجائز ہے، حج کو فاسد کر دینے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُوْرَهُمْ
پھر چاہیے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں
وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾
اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

دسویں تاریخ کے اعمال:

جہاں سے لبیک شروع کرتے ہیں حجامت نہیں بنواتے، ناخن نہیں لیتے، بالوں میں تیل نہیں ڈالتے، بدن پر میل اور گرد وغبار چڑھ جاتا ہے زیادہ مل دل کر غسل نہیں کرتے۔ ایک عجیب عاشقانہ و مستانہ حالت ہوتی ہے۔ اب دسویں تاریخ کو سب قصے تمام کرتے ہیں، حجامت بنوا کر غسل کر کے سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کو جاتے ہیں جس کو ذبح کرنا ہو پہلے ذبح کر لیتا ہے۔ اور اپنی منتیں پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ اپنی مرادوں کے واسطے جو منتیں مانی ہوں ادا کریں۔ اصل منت اللہ کی ہے اور کسی کی نہیں۔ بعض کے نزدیک نذور کے لفظ سے مناسک حج یا واجبات حج مراد ہیں۔ اور یہی اقرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عتیق کا معنی:

(تنبیہ) عتیق کے معنی قدیم پرانے کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک بیت

عتیق اس لئے کہا کہ اس گھر کو برباد کرنے کی غرض سے جو طاقت اُٹھے گی حق تعالیٰ اس کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔ تا آن کہ خود اس کا اُٹھالینا منظور ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیر مظہری میں اس جگہ نذر اور منت کے احکام و مسائل بڑی تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں مگر یہاں اُن کی گنجائش نہیں پھر وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں یعنی سر منڈوائیں۔ لبیں کتریں ناخن کاٹیں، زیر ناف اور بغلوں کی صفائی کریں مطلب یہ کہ طواف زیارت سے پہلے احرام کھول کر یہ سب کام کر سکتے ہیں اور سر منڈوانے کے بعد سوائے عورتوں کی قربت کے مذکورۂ بالا ممنوعات حلال ہو جاتے ہیں، عورتوں سے قربت کی حلت طواف کے بعد ہوتی ہے کذا قال المفسرون۔

سر منڈوانا:

امام مالکؒ کے نزدیک قربانی اور رمی جمار سے حلق الراس کو مقدم کرنا جائز ہی نہیں ہے امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی طرح کا ایک روایت میں آیا ہے امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت ابن عباس کی روایت پیش کی ہے کہ جب رسول اللہؐ سے قربانی اور رمی جمار اور حلق الراس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضورؐ نے (سب کے جواب میں) فرمایا کوئی ہرج نہیں ہے۔ متفق علیہ۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ منیٰ میں قربانی کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کئے جا رہے تھے (جن کے جواب میں) حضورؐ فرما رہے تھے کوئی ہرج نہیں۔ ایک شخص نے سوال کیا، میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا دیا فرمایا (اب) قربانی کر لے کوئی ہرج نہیں۔ بخاری کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے رمی سے پہلے زیارت کر لی (یعنی طواف زیارت کر لیا) فرمایا کوئی ہرج نہیں، اُس نے عرض کیا میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی فرمایا کوئی ہرج نہیں۔

طبرانی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ میں نے رمی سے پہلے کعبہ کا طواف کر لیا فرمایا (اب) رمی کر لے کوئی ہرج نہیں۔ جس نے قصداً مناسک کی ترتیب توڑ دی اور تقدیم و تاخیر کر دی تو اس پر قربانی واجب ہے۔

امورِ ممنوعہ کرنے سے احرام حج باطل نہیں ہو جاتا، دیکھو عرفات میں قیام سے پہلے اگر کسی نے جماع کر لیا تو حج جاتا رہے گا۔ آئندہ حج کی قضا واجب ہو گی، ایسا نہیں کہ احرام باطل ہو جائے اور حج قائم رہے اور آخر تک حج کو پورا کرنا لازم ہو۔

سر منڈانے کا وقت:

مسئلہ: حلقِ راس کا ابتدائی وقت کون سا ہے اور انتہائی کون سا۔ قربانی کے دن فجرِ صادق سے اکثر علماء کے نزدیک۔ اور آدھی رات کے بعد سے بعض علماء کے نزدیک حلقِ راس کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عروہ بن مفرس کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھی اور اس سے پہلے رات کو یا دن کو عرفات میں بھی وہ قیام کر چکا۔ اس کا حج پورا ہو گیا اور اس نے اپنا تفث دور کر دیا، (یعنی سر منڈوا دیا) رواہ اصحاب السنن الاربعۃ۔ حاکم نے کہا یہ روایت تمام اہلِ حدیث کی شرائط کے مطابق ہے۔

کتنا سر منڈوانا ضروری ہے:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ایک یا تین بالوں کے منڈوانے یا کٹوانے کو کوئی عرب سر منڈوانا یا کتروانا نہیں کہتا نہ اس کو قضاء تفث کہتے ہیں شرعاً کم سے کم اس کی کوئی حد مقرر ہونی چاہیے اور چوتھائی سر کو کل سر کا قائم مقام وضو کے اندر مانا گیا ہے چوتھائی سر کا مسح کل سر کے مسح کی جگہ کافی قرار دیا گیا ہے اور باقی اعضاء کو کامل طور پر ہونا ضروری قرار دیا ہے، سورۂ مائدہ کے اندر آیت وضوء کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تحقیق کر دی گئی ہے اس لئے یہاں بھی ایک چوتھائی سر منڈوانا یا کتروانا کافی ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے وضو کے اندر چوتھائی سر کے مسح کو کافی نہیں قرار دیا اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک پورا سر منڈوانا یا کتروانا واجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ کا یہی عمل رہا کہ پورا سر منڈواتے تھے یا سب بال کترواتے تھے۔

بال منڈوانا اور کتروانا:

باتفاق علماء حلق قصر سے افضل ہے حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر (بھی) حضور نے پھر فرمایا اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتروانے والوں پر (بھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار دعا کی اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر (بھی اسی وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتروانے والوں پر (بھی)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے چوتھی مرتبہ میں فرمایا تھا اور کتروانے والوں پر بھی۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے، صحیحین میں دونوں حدیثیں مذکور ہیں۔

نذر اور منت:

نذر نام ہے ایسی بات کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا جو اللہ کی طرف سے واجب نہ کی گئی ہو (یعنی ایجاب مالم یجب شرعاً) تو اگر کسی نے ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیا جو پہلے سے شرعاً واجب ہے تو یہ نذر نہ ہو گی بلکہ محض خبری جملہ ہو گا جیسے اگر کسی نے کہا اگر اللہ میرے بیمار کو شفا دے دے گا تو رمضان بھر روزے رکھوں گا یا ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ ظاہر ہے کہ رمضان کے روزے اور ظہر کی نماز

پہلے ہی اللہ کی طرف سے لازم ہے ایسے کلام کو نذر نہیں کہیں گے اور نہ نذر کا حکم اس پر مرتب ہوگا اور اس صورت میں اگر کسی نے واجب شرعی کے اوصاف یا مقدار میں کچھ تغیر کیا ہوگا تو وہ تغیر وصفی یا تبدیلِ مقداری نا قابلِ اعتبار ہوگی۔

نذر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے نکاح طلاق رجعت اور غلام کی آزادی رسول اللہ کا ارشاد ہے تین چیزیں جن کی سنجیدگی بھی واقعیت ہے اور مزاحیہ کہہ دینا بھی واقعیت (پر محمول کیا جاتا) ہے نکاح طلاق، رجعت۔ (مزاحیہ ایجاب وقبول، مزاحیہ طلاق اور مزاحیہ رجعت واقع ہو جاتی ہے اس میں مزاح کا عذر قابلِ قبول نہیں) اخرجہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرۃ مصنف میں، عبدالرزاق نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مذاق میں طلاق دی اس کی طلاق نافذ ہے اور جس نے مذاق میں باندی غلام کو آزاد کر دیا اس کی آزادی نافذ ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن کا کھیل نہیں ہے (یعنی بطور دل لگی بھی ایسا کیا جائے تو حقیقت کا وقوع ہو جاتا ہے) جس نے کھیل کے طور پر اگر ان میں سے کوئی بات کہہ دی تو پڑ جائے گی۔ طلاق، غلام کی آزادی اور نکاح۔

عبدالرزاق نے موقوفاً حضرت عمرؓ وعلیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ تین چیزیں ہیں جن میں کوئی کھیل نہیں۔ نکاح اور طلاق اور باندی غلام کی آزادی۔ ایک روایت میں چار چیزوں کا لفظ آیا ہے اور چوتھا لفظ نذر کا ہے۔

گناہ کی مَنّت:

نذر معصیت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (۱) ایسی نذر جس کا کوئی فرد معصیت سے خالی نہیں ہو سکتا جیسے شراب پینے اور زنا کرنے کی نذر، امام ابو حنیفہ نے ایسی نذر کے متعلق فرمایا، اگر اس نذر سے قسم کی نیت ہو تو نذر منعقد ہو جائے گی اور قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا، اگر قسم کی نیت نہ ہوگی تو نذر منعقد نہ ہو گی لغو کلام قرار دیا جائے گا اور آیت مذکورہ میں یہ مراد بھی نہیں ہے اور باتفاق علماء اس کو پورا کرنے کا حکم بھی اس آیت میں نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ فحشاء اور کھلے گناہ کا حکم نہیں دیتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ معصیت میں نذر نہیں اور نذرِ معصیت کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے، امام صاحب کے نزدیک اس حدیث میں قسم کے جس کفارہ کا ذکر ہے اس سے مراد قسم کا وہ کفارہ ہے جو نیتِ قسم کے بعد عائد ہوتا ہے (یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نذر معصیت تو جائز نہیں۔ نذرِ معصیت میں اگر قسم کی نیت کر لی ہو تو کفارہ قسم لازم ہے)

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو وہ طاعت بجا لائے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی ہو وہ نافرمانی نہ کرے (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نذر صرف وہ ہے جس میں اللہ کی رضامندی مطلوب ہو۔ اس حدیث کا ورود اس شخص کے سلسلہ میں ہوا جس نے دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مانی تھی۔ رواہ احمد۔ بیہقی نے ایک اور قصہ کے سلسلہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابو داؤد نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے ان احادیث کا عموم بتا رہا ہے۔ کہ نذر طاعت بہر حال منعقد ہو جاتی ہے خواہ وہ طاعت ایسی ہو کہ اس جیسی طاعت اللہ نے واجب کی ہو، (جیسے نماز روزہ وغیرہ) یا اس جیسی طاعت اللہ نے واجب نہ کی ہو (جیسے عیادت مریض)

دوسرے کی ملکیت کی میں مَنّت ماننا:

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نذرِ معصیت کو پورا کرنا (جائز) نہیں نہ اس نذر کو پورا کرنا ہے جس کا آدمی مالک نہ ہو۔

مثلاً زید نے نذر مانی کہ عمر کے غلام کو میں آزاد کر دوں گا رواہ مسلم۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس کی نذر نہیں۔ اسی حدیث کی وجہ سے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو ایک ہزار درہم میرے مال میں سے خیرات ہیں اور اس کا مال سو درہم سے زائد نہیں تو امام ابو حنیفہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جتنے مال کا وہ اس وقت مالک ہو گا اتنے ہی حصہ میں نذر جاری ہوگی جس مال کا مالک نہیں اس کی نذر نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی نذر کی نسبت نہ ملک کی طرف ہوگی نہ سبب ملک کی طرف۔ اور اگر اس نے کسی شخص کی خاص بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بکری کو قربانی کے لئے میں بیت اللہ کو بھیجوں گا تو اس پر یہ نذر لازم نہ ہوگی۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر مانی اور جس چیز کی نذر مانی اس کی تعیین نہیں کی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذر مانی اور اس میں معصیت ہے تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نا قابلِ طاقت نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذرِ طاعت (قابلِ برداشت) مانی تو وہ اپنی نذر پوری کرے۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ۔ بعض اہلِ حدیث نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کا قول قرار دیا ہے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کا بیان ہے۔

مسئلہ: جس نے نذر طاعت مانی اور ادا کرنے کی طاقت بھی ہے تو ایسی صورت میں ادائے نذر نہ کرنا اور کفارہ ادا کرنے کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں اگر کفارہ دے گا تو ادائے نذر کے لئے کافی نہ ہوگا کیونکہ حضرت عمران بن

حصین کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معصیت کی کوئی نذر (جائز) نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ النسائی والحاکم والبیہقی دیکھو نذرِ معصیت (کو پورا کرنا واجب نہیں) توڑ دینا اور اس کے خلاف کرنا واجب ہے اور کفارہ لازم ہے تاکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو اور عظمت قائم رہے۔

حضرت ثابت بن ضحاک راوی ہیں کہ رسول اللہ کے زمانے میں ایک شخص نے مقام بوانہ میں اونٹ کی قربانی کی نذر مانی اور خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اطلاع دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا جاہلیت کے زمانہ میں وہاں کوئی بت تھا، جس کی تو پوجا کرتا تھا، صحابہ نے جواب دیا نہیں (وہاں کوئی بت نہیں تھا) فرمایا تو کیا جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ وہاں لگتا تھا صحابہ نے عرض کیا، نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ بلاشبہ نذرِ معصیت کی وفاء (جائز) نہیں اور نہ اس چیز کی نذر (صحیح) ہے جو نذر کرنے والے کی ملکیت میں نہ ہو۔ رواہ ابوداؤد بسند صحیح۔

عمرو بن شعیب نے اپنے باپ کے حوالے سے دادا کی روایت بیان کی کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ (اظہار مسرت کے لئے) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی، فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ رواہ ابوداؤد ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے منت مانی تھی کہ فلاں فلاں مقامات پر قربانی کروں گی۔ عورت نے ان مقامات کے نام لئے جہاں اہلِ جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، فرمایا، جاہلیت کے بتوں میں سے کیا وہاں کوئی بت تھا، جس کی پوجا کی جاتی تھی عورت نے جواب دیا۔ نہیں، فرمایا کیا وہاں اہلِ جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا تھا (تہوار منایا جاتا تھا) عورت نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ میں کہتا ہوں نذر کو پورا کرنے کا حکم اس جگہ وجوبی نہیں ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے ایسا اس لئے کہا گیا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرما ہی دیا تھا کہ نذر وہ ہے جس میں اللہ کی خالص رضا مطلوب ہو اور اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو نذر طاعت نہیں وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ خالص خدا کے لئے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس جگہ امر اباحت کے لئے ہے جب نذرِ معصیت میں معصیت کو ترک کرنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے تو یہاں بدرجۂ اولیٰ ترکِ معصیت لازم ہے۔

اضافی شرائط

مثلاً کسی نے بازار میں نماز پڑھنے کی یا ہفتہ کے دن نماز پڑھنے کی نذر مانی یا یہ نذر مانی کہ میں روزہ رکھوں گا اور کھڑا نہ ہوں گا یا روزہ میں بات نہیں کروں گا یا سایہ میں نہیں جاؤں گا یا یہ نذر مانی کہ یہ ایک روپیہ اس غریب کو دوں گا یا اس شہر میں کسی غریب کو دوں گا ان سب صورتوں میں اس پر روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا اور کسی فقیر کو ایک روپیہ کسی جگہ دینا واجب ہو گا شرائط ساقط الاعتبار ہیں ہر جگہ ہر وقت نماز پڑھ سکتا ہے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ خاموش رہنا یا بیٹھا رہنا یا سایہ سے دور رہنا ضروری نہیں اور ایک روپیہ دینا خواہ کسی غریب آدمی کو ہو کسی شہر میں ہو لازم ہے حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے اس کے متعلق دریافت کیا صحابہ نے عرض کیا یہ ابواسرائیل ہے اس نے کھڑے رہنے کی نذر مانی ہے نہ بیٹھتا ہے نہ سایہ میں جاتا ہے نہ بات کرتا ہے اور روزہ رکھے ہوئے ہے فرمایا اس کو حکم دو کہ بات کرے سایہ میں جائے بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ رواہ البخاری۔ اس حدیث میں کفارہ دینے کا حکم نہیں ہے۔ اگر کسی نے پے در پے تین روزے رکھنے کی نذر مانی یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہے اگر متفرق طور پر روزے رکھے گا یا بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہو گی اور (نذر کے مطابق) دوبارہ روزے رکھنا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنا لازم ہو گا کیونکہ بیٹھ کر نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ بسند صحیح عن انس۔ ورواہ ابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمرو۔ والطبرانی عن ابن عمر۔ وعن عبداللہ بن السائب۔ وعن المطلب بن ابی ودیعۃ۔ ورواہ احمد وابوداؤد وعن عمران بن حصین۔ ورواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابن عمرو نحوہ۔ پے در پے روزے رکھنا اللہ کو پسند ہے اسی لئے مختلف کفاروں میں پے در پے روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کی نذر مانی اور کھڑے بیٹھے کی کوئی نیت نہیں کی تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ہی اصل ہے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر کروٹ سے یا چت لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ جب تک اضطراری حالت نہ ہو لیٹ کر نماز پڑھنا شرعاً معروف نہیں ہاں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز ہے۔ لیٹ کر نماز وہ مریض پڑھ سکتا ہے جو بیٹھ بھی نہ سکے۔ ایسا بیمار اگر لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانے گا اور لیٹ کر پڑھ لے گا تو نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر نذر پوری کرنے سے پہلے (بیٹھنے کے قابل) صحت ہو گئی تو لیٹ کر پڑھنے سے نذر پوری نہ ہو گی۔ (بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا تو) صرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو گی۔

مسئلہ: اگر کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جس جگہ چاہے پڑھ لے نذر پوری ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت جابر بن عبداللہ کی

روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ فتح مکہ عنایت کر دے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز شکرانہ) پڑھوں گا، حضور نے فرمایا یہیں پڑھ لو۔ اس شخص نے دوبارہ وہی پہلی گزارش کی فرمایا یہیں پڑھ لو اس نے تیسری بار پھر گزارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اپنا اختیار ہے۔ رواہ ابوداؤد والطحاوی والدارمی

ابوداؤد و ترمذی نے حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی اپنے گھر کے اندر نماز میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے سوائے فرائض کے۔ طحاوی نے حضرت عبداللہ بن سعد کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنی مسجد میں نماز پڑھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بیمار کے تندرست ہو جانے یا مسافر کے واپس آ جانے کی شرط کے ساتھ اپنی نذر صوم کو مشروط کیا اور یوں کہا جب میرا مسافر واپس آ جائے گا یا بیمار تندرست ہو جائے گا تو میں ایک ماہ کے روزے محض اللہ کے لئے رکھوں گا تو شرط پوری ہونے کے بعد ایفاء نذر اس پر واجب ہے وجودِ شرط سے پہلے اگر روزے رکھ لے گا تو ادائے نذر کے لئے کافی نہ ہوگا دوبارہ روزے رکھنے ہوں گے۔

مسئلہ: اگر وجوب ادا کی نسبت کسی خاص وقت یا زمانہ کی طرف کی (مثلاً یوں کہا کہ اس مقدمہ میں اللہ مجھے کامیاب کر دے گا تو میں اس کے نام پر سارے ماہِ رجب کے روزے رکھوں گا، یا آئندہ سال حج کروں گا) تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت آنے سے پہلے ہی نذر کو ادا کر سکتا ہے (رجب آنے سے پہلے ہی ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے)

عرفہ اور عاشورہ کا روزہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے روزے سے میں اللہ سے ثواب کی امید اتنی رکھتا ہوں کہ وہ پچھلے سال (کے گناہوں) کا بھی کفارہ ہو جائے گا اور آنے والے ایک سال (کے گناہوں) کا بھی۔ اور عاشورہ کے روزے سے مجھے اللہ سے اتنی امید ثواب ہے کہ وہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ رواہ مسلم وابن حبان والترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی قتادۃ وروی ابن ماجہ من حدیث ابی سعید الخدری عن قتادۃ بن نعمان نحوہ۔ اس مبحث کی حدیث حضرت زید بن ارقم اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عمر کی روایت سے بھی آئی ہے رواہ الطبرانی اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے رواہ احمد۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت انس وغیرہ سے اس موضوع کی روایت آئی ہے۔

ایام تشریق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی دوسرے ایام ایسے نہیں کہ ان ایام (یعنی ایام تشریق) سے زیادہ ان میں نیک عمل کرنا اللہ کو محبوب ہو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ خدا میں جہاد بھی (ان ایام کی نیکی سے زیادہ محبوب) نہیں۔ فرمایا راہِ خدا میں جہاد بھی نہیں۔ ہاں (اگر کسی نے ایسا جہاد کیا ہو کہ) راہِ خدا میں جان و مال لے کر نکلا اور پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا ہو (تو ایسا جہاد اللہ کو ان ایام میں عمل صالح کرنے سے زیادہ محبوب ہو جائے گا) رواہ ابوداؤد من حدیث ابن عباسؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایام عشرہ (یعنی عشرۂ ذی الحجہ کی عبادت) سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک اور کسی ایام کی عبادت نہیں ان دنوں میں ایک دن کا روزہ (دوسرے ایام کے) ایک سال کے (روزوں کے) برابر ہے اور (ان دنوں کی) ایک رات شب قدر کے برابر ہے۔ رواہ ابن ماجہ من حدیث ابی ہریرۃ یہ حدیث ضعیف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے کے یعنی محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز ____ رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم واصحاب السنن الاربعۃ عن ابی ہریرۃؓ والرویانی فی مسندہ والطبرانی عن جندب۔

اپنے آپ کو تکلیف نہ دو:

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ ایک بوڑھا شخص اپنے دونوں طرف اپنے دونوں بیٹوں پر سہارا لگا کر چل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاینہ فرمایا اور دریافت کیا اس کو کیا ہو گیا صحابہ نے عرض کیا حضور اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے، فرمایا یہ جو اپنے کو خود دکھ دے رہا ہے خدا کو اس (کی اذیت کوشی) کی ضرورت نہیں پھر اسی بوڑھے آدمی کو سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں حدیث مذکور کے یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بوڑھے آدمی تیری (اس محنت) اور تیری نذر کی خدا کو ضرورت نہیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی کا بیان ہے میری بہن نے پیدل کعبہ کو جانے کی منت مانی اور مجھے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا (میں نے حاضر خدمت ہو کر مسئلہ دریافت کیا) فرمایا اس کو چاہیے کہ پیدل (بھی) چلے اور سوار (بھی) ہو جائے۔ متفق علیہ۔

ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیدل حج کرنے والے پر نذر کے مطابق حج کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عذر کی وجہ سے سوار ہونا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر پیدل حج کو جانے کی نذر مانی اور کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے سوار ہو گیا تو باتفاق علماء دوبارہ پیدل حج کرنا واجب نہیں۔

حضرت عمران بن حصین نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہم کو خطاب فرمایا صدقہ کرنے کا حکم ضرور دیا اور مثلہ کرنے کی ممانعت ضرور فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ پیدل حج کو جانے کی نذر ماننی بھی مثلہ کی ہی ایک شاخ ہے جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہو وہ ایک قربانی بھیج دے اور سوار ہو جائے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شریعت کے احکام اکثر عام ہوتے ہیں اور حج کے لئے عام طور پر پیدل جانے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ توشۂ راہ اور سواری سفر میں سہولت پیدا کرنے والی چیزیں ہی نہیں ہیں بلکہ ضروری چیزیں ہیں، جن کے بغیر عام طور پر حج ممکن نہیں ہوتا اسی لئے ہم سوار ہونے کے جواز کے قائل ہیں حضرت عمران کی روایت کردہ حدیثِ مذکور سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اگر پیدل حج کو جانے کی نذر میں سوار ہو کر حج کو گیا تو اس کی تلافی ایک قربانی پیش کرنے سے ہو جائے گی شریعت نے اس کے لئے مثلِ غیر معقول (یعنی قربانی پیش کرنے) کی تعیین کر دی ہے۔ دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں عذر اور غیر عذر کا کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں فرق تو صرف گناہ کا ہوگا مزدلفہ میں قیام اگر بلا عذر ترک کر دیا تو یہ ناجائز ہے اور کسی عذر (شرعی) کی وجہ سے ایسا کر لیا تو جائز ہے۔ اور قربانی پیش کرنا دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

پیدل حج کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں اگر سوار ہو جائے تو قربانی دینی چاہیے اس کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی بہن والی حدیث ہے جو بروایت ابوداؤد اس طرح آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سوار ہو (کر) جانے اور ایک قربانی پیش کرنے کا حکم دیا، یہ روایت صرف ابوداؤد کی ہے اور ابوداؤد کی سند اہلِ حدیث کے نزدیک معتبر ہے۔ صحیحین میں حضرت عقبہ کی بہن والی جو حدیث آئی ہے وہ مختصر ہے (اس میں قربانی پیش کرنے کا حکم نہیں یہ حکم ابوداؤد کی روایت میں زائد ہے) اور باوثوق راوی کی روایت میں (اگر دوسری روایتوں سے کچھ زیادتی قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس حدیث میں مطلق قربانی کا حکم ہے (اور قربانی کم سے کم بکری کی ہوتی ہے) اس لئے امام حنیفہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ایک بکری کی قربانی بھی کافی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو رمضان میں ہی اعتکاف کرنا لازم ہے، رمضان کی شرط ساقط نہیں کی جاسکتی، کیونکہ رمضان میں ہر عبادت کا ثواب دوسرے ایام کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان میں کوئی کارِ خیر بطور نفل کیا اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کوئی فرض ادا کیا ہو۔ (یعنی رمضان میں نفل نیکی کا ثواب دوسرے دنوں میں فرض نیکی کے برابر ہوتا ہے) اور جس نے رمضان میں ایک فریضہ ادا کیا تو اس کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں ستر فرض ادا کئے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن سلمان الفارسیؓ فی حدیث طویل۔

مسئلہ: اگر معین رمضان میں اعتکاف کی نذر مانی اور مقرر کردہ رمضان بغیر اعتکاف کے گزر گیا تو دوسرے ایام میں قضاء اعتکاف لازم ہے اور انہی ایام میں روزے رکھنے بھی ضروری ہیں (کیونکہ ادائے نذر کا اصل وقت فوت ہو گیا لہٰذا دوسرے ایام میں بالارادہ روزے رکھے اور اعتکاف کرے) امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول یہی ہے اور امام ابو یوسف کا ایک قول بھی اس کی موافقت میں مروی ہے۔

ہم کہتے ہیں مقرر کردہ رمضان فوت ہو گیا جس کا تدارک ممکن نہیں یعنی فضیلت ایام حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے فضیلت ساقط ہوگئی لیکن اعتکاف کا تدارک تو ممکن ہے لہٰذا رمضان کے بعد اعتکاف مع الصوم کرنے سے نذر ادا ہو جائے گی، فضیلت رمضان نہ ہوگی۔

اپنے قربان کرنے کی منت:

محمد بن منتشر راوی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے آپ کو قربان کرنے کی نذر مانی اور یوں کہا کہ اللہ نے دشمن سے مجھے نجات دے دی تو اپنے کو قربان کر دوں گا پھر حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم دریافت کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا، مسروق سے جا کر پوچھو وہ شخص مسروق کے پاس گیا۔ مسروق نے فرمایا خود اپنے کو قتل نہ کرو اگر تم مومن ہو تو مؤمن کے قاتل بن جاؤ گے اور کافر ہو تو دوزخ میں جلد پہنچ جاؤ گے بلکہ ایک مینڈھا خرید کر غریبوں کے لئے اس کو ذبح کر دو۔ حضرت اسحاق تم سے افضل تھے ان کے فدیہ میں بھی مینڈھے کی قربانی کرا دی گئی تھی۔ اس فتویٰ کی اطلاع اس شخص نے حضرت ابن عباس کو جا کر دی، آپ نے فرمایا، میں نے بھی ایسا ہی فتویٰ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رواہ ابن رزین۔

صرف رات کا اعتکاف

(اعتکافِ شب بلاصوم کی تائید میں) یہ روایت بھی پیش کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صحرا کا رہنے والا ہوں وہیں رہتا ہوں اور الحمدللہ وہیں نماز بھی پڑھتا ہوں مجھے اجازت مرحمت فرما دیجئے کہ میں اس مسجد میں ایک رات کے لئے فروکش ہو جایا کروں۔

فرمایا تیئیسویں تاریخ کی رات کو اس میں رہ جایا کرو۔

عبداللہ کے بیٹے سے لوگوں نے پوچھا پھر تمہارے باپ اس حکم کے بعد کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا میرے والد نماز عصر کے بعد یہاں داخل ہو جاتے تھے اور صبح تک کسی کام کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو باہر آتے تھے مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا موجود ہی ہوتا تھا

اس پر بیٹھ کر اپنے صحرا کو چلے جاتے تھے۔ رواہ ابوداؤد، اس روایت سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ صرف رات کا بھی اعتکاف درست ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کو اعتکاف نہیں کہتے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے اس میں کوئی قباحت نہیں اصطلاحات میں کوئی نزاع کی گنجائش نہیں، چاہیں آپ اس کو اعتکاف نہ کہیں لیکن اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ بہ نیتِ طاعت مسجد کے اندر ٹھہرے رہنا طاعت ہے اور نذر کی وجہ سے (مستحب) طاعت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

بیت اللہ کو عتیق کہنے کی وجہ:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿ اور چاہیے کہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ حضرت ابن عباس حضرت زبیر مجاہد اور قتادہ کے حوالہ سے بغوی نے عتیق کہنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ ہر جابر اور بادشاہ ظالم کے قبضہ سے اللہ نے اس گھر کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے کوئی جبار حاکم کبھی اس پر قبضہ نہ کر سکا نہ قبضہ کر سکے گا اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے۔ لیکن اس توجیہ کی تردید حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو برباد کر دے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منظر میری نظروں کے سامنے ہے کہ ایک حبشی چری ہوئی رانوں والا کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے۔ رواہ البخاری۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک حبشی تم کو چھوڑے رکھیں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو کیونکہ کعبہ کا خزانہ سوائے اس حبشی کے جو چھوٹی پنڈلیوں والا ہوگا اور کوئی نہ نکال سکے گا۔ رواہ ابوداؤد والحاکم وصححہ۔

بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ اللہ نے کعبہ کو ڈوبنے سے آزاد رکھا طوفان نوح کے زمانے میں اس کو اٹھالیا گیا تھا۔ ابن زید اور حسن نے عتیق کا معنی پرانا، قدیم۔ بیان کیا ہے یہ سب سے اول تعمیر انسانی ہے دینار عتیق، قدیم دینار۔

مسئلہ: طوافِ قدوم (ابتدائی طواف) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے ابوالثور شافعی کا یہی قول ہے اس کو ترک کرنے سے قربانی واجب ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ فوت ہو جائے تو باتفاق علماء حج ادا ہو جاتا ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا۔ جس کی تفصیل حضرت عائشہؓ نے مجھے یہ بتائی کہ مکہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے وضو کر کے طواف کیا۔ اس کے بعد کوئی عمرہ نہ تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے حج کیا اور سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا، اب بھی عمرہ نہ تھا، عمرہ اس کے بعد کیا، پھر حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ میں) آ کر سب سے اول جو حج یا عمرہ کا طواف کیا اس میں پہلے تین چکر لپک کر تیزی کے ساتھ کئے اور چار چکر معمولی چال سے پھر دو سجدے کئے پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ متفق علیہ۔

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حج اور عمرہ یکجا کیا تھا۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ حج وداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کے بعد حج تک تمتع کیا تھا اور قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے جن کی قربانی کی تھی۔ متفق علیہ۔

جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر لشکر کشی کی تھی اور حضرت ابن زبیرؓ کا گھیرا ڈالے پڑا تھا اسی سال حضرت ابن عمرؓ نے حج کا ارادہ کیا۔ عرض کیا گیا لوگ جنگ و جدال کی حالت میں ہیں ہمیں اندیشہ ہے وہ آپ کو حج سے روک دیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔

(اگر مجھے روک دیا گیا تو) میں وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ واجب کر لیا، پھر آپ روانہ ہو گئے جب بیداء کے باہر پہنچے تو فرمایا حج، اور عمرہ کی ایک ہی حالت ہے، میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی واجب کر لیا، آپ نے قدید سے خریدی ہوئی ایک قربانی بھی ساتھ لے لی، اور یوم نحر سے پہلے نہ قربانی کی نہ احرام کھولا، نہ سر منڈوایا نہ بال کتروائے نہ کسی ایسے کام کا ارتکاب کیا جو احرام کی حالت میں ممنوع ہے، جب یوم النحر آیا تو قربانی کی اور سر منڈوایا اور خیال کیا کہ پہلے ہی طواف سے آپ کا حج بھی ادا ہو گیا اور عمرہ بھی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

حنفیہ کا استدلال:

حنفیہ نے حضرت علیؓ کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے حج و عمرہ کو یکجا ساتھ ساتھ ادا کیا اور دونوں کے لئے (جدا جدا) دو طواف کئے اور (علیحدہ علیحدہ) دونوں کے لئے دو بار سعی کی اور فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ رواہ الدارقطنی والنسائی بطرق۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابوحنیفہ کی روایت سے موقوفاً بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا جب حج و عمرہ کا یکجا احرام باندھو تو دونوں کے لئے دو طواف کرو اور صفا و مروہ کے درمیان دونوں کے لئے دو بار سعی کرو۔

طواف:

مسئلہ: طوافِ نفل، نماز نفل کی طرح نذر سے واجب ہو جاتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں طواف سے حج کا طوافِ زیارت باتفاق علماء مراد ہے طوافِ زیارت ارکان حج میں سے ایک رکنِ ضروری ہے اس پر علماء کا اجماع ہے باقی کوئی طواف رکن حج نہیں ہے۔

مسئلہ: طواف صدر بھی باتفاق امت رکن حج نہیں ہے امام ابوحنیفہ امام

احمد اور (صاحبین) کے نزدیک واجب ہے۔ ایک روایت میں امام شافعی کا بھی یہی قول آیا ہے۔

طوافِ صدر حیض یا کسی طاقت کے رکاوٹ ڈالنے سے باجماعِ امت ساقط ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ (حج کے بعد) لوگ ہر طریقہ سے واپس ہو جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک آخری ملاقات بیت اللہ سے نہ کر لے (مکہ سے) نہ نکلے۔ رواہ احمد

حضرت عبداللہ بن اوس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو کوئی اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات اس گھر سے ہونی چاہیئے۔ رواہ الترمذی

طوافِ کعبہ کی شرطیں:

کچھ ارکان (یعنی فرائض) ہیں۔ کچھ واجبات ہیں، کچھ سنتیں ہیں۔ کچھ آداب (یعنی مستحبات) ہیں۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

نیت: طواف کے لئے نیت شرط ہے، ہر مستقل عبادت کے لئے نیت شرط ہے۔ شرعی نصوص سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

طواف زیارت کے لئے مطلق طواف کی نیت کافی ہے، فرض طواف کی نیت ضروری نہیں۔

حضرت عُروَہ بن مفرس نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں بنی مروان طے کے پہاڑ سے آیا ہوں میں نے (کثرت سفر کی وجہ سے) اپنی اونٹنی کو گھلا دیا اور خود بھی بڑی تکلیفیں اٹھائیں کہ میں تھک گیا، خدا کی قسم میں نے کوئی پہاڑی ایسی نہ چھوڑی جس پر قیام (وقوف) نہ کیا ہو کیا میرا حج ہو جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز مقام جمع میں پالی اور اس سے پہلے رات کو یا دن میں عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج پورا ہو گیا۔ رواہ ابوداؤد۔

طہارت: شرائطِ طواف میں سے حدثِ اکبر و اصغر سے طہارت بھی شرط ہے اور بدن۔ لباس اور جگہ کی طہارت بھی لازم ہے۔ اور جمہور کے نزدیک سترِ عورت بھی لازم ہے حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ مکہ میں داخل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے وضو کیا پھر طواف کیا۔ اور یہ بھی فرمایا مجھ سے حج کے طریقے سیکھو۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، حائضہ ہونے کی حالت میں مَیں مکہ میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کام حاجی کرتے ہیں تم بھی کرنا البتہ جب تک طہارت نہ ہو جائے کعبہ کا طواف نہ کرنا۔ (صحیحین)

مسلم کی روایت میں آیا ہے جب تک غسل نہ کرو (طواف نہ کرنا) حضرت عائشہ راوی ہیں کہ مکہ سے روانگی کے دن صفیہ کو حیض شروع ہو گیا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کیا اس نے قربانی کے دن طواف وزیارت کر لیا عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا تو روانہ ہو جاؤ (صحیحین)

سترِ عورت:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے حج وداع سے پہلے جس حج کا امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بنا کر بھیجا تھا اسی حج کے موقع پر قربانی کے دن حضرت ابو بکرؓ نے مجھے لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی ننگا (ہو کر) طواف کرے گا۔ (اس حدیث سے سترِ عورت کا ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے)

طواف نماز کی طرح:

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا اور فرمایا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ الْقَآئِمِينَ وَالرُّكَعِ السُّجُودِ اس آیت کو صلوۃ سے پہلے ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، طواف نماز کی طرح ہے صرف اتنی بات ہے کہ طواف میں بولنا جائز قرار دیا ہے اور نماز میں بولنے کی ممانعت کی ہے پس جو شخص طواف میں بات کرے وہ نیک بات کرے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک و صححہ والطبرانی والبیہقی.

ترمذی، حاکم، دار قطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔ بیت اللہ کا طواف نماز ہے صرف یہ بات ہے کہ اس میں اللہ نے کلام کو مباح کر دیا ہے۔ اس روایت کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاستِ حقیقہ سے طہارت سنت ہے اور نجاستِ حکمیہ (حدث) سے طہارت واجب ہے اور سترِ عورت بھی واجب ہے اس کو ترک کرنے سے گناہگار ہوگا۔ اگر برہنگی یا جنابت کی حالت میں طوافِ فرض کیا ہوگا تو ایک بَدَنہ (اونٹ، گائے) کی قربانی کرنی واجب ہوگی اور اگر بے وضو طوافِ فرض کیا ہے تو کوئی سی ایک قربانی لازم ہوگی (خواہ بکری ہی کی ہو) اسی طرح طوافِ غیر فرض اگر جنابت یا برہنگی کی حالت میں کیا ہے تو کوئی سی قربانی دینی ہوگی (چھوٹی ہو یا بڑی) اور اگر غیر فرض طواف بے وضو کیا ہے تو نصف صاع گیہوں کسی مسکین کو بطور کفارہ دینا ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مذکورہ بالا اشیاء میں سے کوئی چیز بھی طواف کے لئے لازمی شرط نہیں ہے کیونکہ قرآن میں مطلق طواف کا حکم آیا ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی کا معنی ہے حکم کتاب کو منسوخ کر دینا اور اخبار احاد سے کتاب کا حکم منسوخ کر دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں اس لئے ہم کسی شرط کو فرض لازمی نہیں قرار دے سکتے ہاں احادیث احاد پر عمل کرنا واجب ہے اس لئے مذکور امور بعض صورتوں میں واجب ہیں۔

وقت کی شرط: طوافِ زیارت کی ایک ضروری شرط وقت بھی ہے

مقررہ وقت سے پہلے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور بعد از وقت بالا جماع قضاء ضروری ہے اگر خود اپنی کوتاہی کی وجہ سے طوافِ زیارت کو وقت مقرر کے بعد ادا کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی واجب ہے جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا پڑ گیا جیسے حیض یا جابر طاقت کی طرف سے بندش وغیرہ تو قربانی واجب نہیں۔

جمہور کے نزدیک طوافِ زیارت کا وقت صرف یوم النحر ہے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث اسی مضمون کی ابوداؤد اور حاکم نے بیان کی ہے حضرت علی کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے۔ ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یوم الحج الاکبر منیٰ کے تمام ایام ہیں (یعنی صرف یوم النحر ہی مراد نہیں ہے) سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان نے یہ بھی فرمایا کہ یوم بمعنی وقت اور مدت کے آتا ہے۔ جیسے یوم صفین۔ یوم الجمل۔ یوم بعاث ان الفاظ میں یوم سے مراد پوری مدت ہے۔

ترتیب کی شرط:

طواف کی ایک شرط امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ترتیب بھی ہے امام محمد کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترتیب شرط نہیں (یعنی فرض نہیں) اکثر حنفیہ کے خیال میں سنت ہے جس کا ترک مکروہ ہے، صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ترتیب واجب ہے جس کے ترک سے قربانی واجب ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس ترتیب پر عمل کیا اور یہ بھی فرما دیا مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھو اگر ترتیب کو شرط فرض کہا جائے گا تو کتاب پر زیادتی لازم آئے گی۔ ترتیب کی صورت یہ ہے کہ حجر اسود کے پاس پہنچ کر سامنے کو رخ کر کے طواف شروع کرے پورا حجرا سود دائیں ہاتھ کو ہو اور بیت اللہ بائیں ہاتھ کو اس کے برعکس کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ طواف مسجد کے اندر کمرے مسجد کے گرد اگر دنہ کرے یہی طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے متواتر چلا آیا ہے اگر کوئی مسجد کے گرداگرد طواف کرے تو اس کو طوافِ بیت اللہ نہیں کہا جاتا طوافِ مسجد کہا جاتا ہے حرف ومحاورہ کی یہی شہادت ہے پس مسجد کے اندر جا کر طواف کرے۔

سات چکر: طواف میں سات چکر رکن ضروری ہیں۔ ہر زمانہ میں ایسا کیا جانا قابل شک شہرت رکھتا ہے مشہور مستفیض روایات میں بھی صراحت آئی ہے کہ چکروں کی تعداد نماز کی رکعتوں کی تعداد کی طرح ہے۔

مسئلہ: اگر چار چکر لگا لئے اور تین چھوڑ دیئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ طواف کافی ہو جائے گا لیکن طواف زیارت میں ایک قربانی اور دوسرے طوافوں میں کچھ صدقہ خیرات لازم ہوگی۔ اکثر کا حکم مثل کل کے ہوتا ہے اور نقصانِ طواف کا تدارک قربانی یا خیرات سے ہو جائے گا۔

دوسرے ائمہ کے نزدیک سات سے کم چکر لگانے سے طواف پورا نہ ہوگا۔ طواف میں چکروں کی تعداد اسی طرح ہے جس طرح نماز میں رکعتوں کی تعداد اگر ظہر، عصر وغیرہ کی نماز میں ایک رکعت کی بھی کمی کی جائے تو پوری نماز نہیں ہوتی۔

حطیم:

حطیم کعبہ کا ہی حصہ ہے طواف کے اندر اس کو داخل کر لیا جائے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ دیوار کیا بیت اللہ کا حصہ ہے فرمایا ہاں میں نے کہا پھر لوگوں نے اس کو بیت اللہ کے ساتھ شامل کیوں نہیں کر لیا فرمایا تیری قوم کے پاس خرچ کی کمی ہو گئی تھی (اس لئے یہ ٹکڑا باہر ہی رہ گیا) میں نے عرض کیا بیت اللہ کا دروازہ کیوں رکھا گیا، فرمایا ایسا اس لئے کیا تھا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں نہ چاہیں نہ گھسنے دیں (یعنی کوئی زبردستی اندر نہ ور آ سکے دروازہ زینہ کے اوپر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو روکا جا سکتا ہے اگر تمہاری قوم کا دور جاہلیت ابھی حال ہی میں نہ گزرا ہوتا تو میں اس ٹکڑے کو بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے دلوں کو یہ بات پسند نہ ہوگی۔ متفق علیہ

ترمذی اور نسائی کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان اس طرح آیا ہے، میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنا پسند کرتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر حجر (حطیم) میں داخل کر دیا اور فرمایا یہاں نماز پڑھ لو یہ بھی کعبہ کا ہی ایک ٹکڑا ہے ابوداؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اہلِ تحقیق نے لکھا ہے کہ حطیم کعبہ کا ہی حصہ ہے اور (اس کی لمبائی فقہی) چھ گز سے کچھ زائد ہے۔

یزید بن رومان کا بیان ہے میں موجود تھا جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو ڈھا کر دوبارہ اس کی تعمیر کی تھی اور حجر کو اندر داخل کر لیا تھا میں نے اساس ابراہیم میں اونٹ کے کوہان کے برابر پتھر دیکھے تھے۔ جریر کا بیان ہے کہ میں نے اندازہ کیا تقریباً چھ گز حجر (کی زمین) تھی۔

مجاہد نے کہا حضرت ابن زبیر نے حجر کی طرف کی چھ گز زمین بیت اللہ میں شامل کر لی تھی۔ دوسری روایت میں ایک بالشت اور چھ گز کا لفظ آیا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے طواف میں حطیم کو باہر چھوڑ دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا طواف ہو جائے گا البتہ ایک قربانی دینی ہوگی کیونکہ حطیم کا جزء بیت اللہ ہونا خبر آحادیث سے ثابت ہے (اس لئے حطیم کو طواف کے اندر لے لینا واجب ہے اور ترکِ واجب کی تلافی قربانی سے ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں حطیم کو طواف کے اندر لے لینے کو فرض قرار دینا کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے البیت العتیق کے طواف کا حکم دیا ہے اور البیت میں الف لام عہدی ہے یعنی البیت سے مراد وہ بیت ہے جو حضرت

ابراہیم نے بنایا تھا (اور عمارتِ ابراہیمی میں حطیم کعبہ میں شامل تھا) رفتار آیت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ: طوافِ زیارت کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر باتفاق ائمہ جائز ہے اور عذر نہ ہو تو پیدل طواف زیارت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ جس نے بلا عذر سوار ہو کر طواف کیا تو جب تک مکہ میں ہو دوبارہ طواف کرنا ضروری ہے اگر دوبارہ طواف نہ کیا ہو تو قربانی واجب ہے۔

دوسرے ائمہ کے نزدیک پیادہ طواف کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں طواف کیا جب رکن کے قریب پہنچتے تھے تو جو چیز آپ کے ہاتھ میں ہوتی (عصا، چھڑی وغیرہ) اس سے رکن کی طرف اشارہ کرتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے۔ (متفق علیہ) حضرت جابر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں) صفا و مروہ کے درمیان چکر لگایا تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں آپ (ان کی نظروں میں) نمایاں ہو جائیں۔ اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کریں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر کعبہ کا طواف کیا تھا اور (ہر چکر میں) رکن کو بوسہ دیتے تھے۔ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ لوگ رکن سے کترا جائیں۔

حنیفہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بیماری کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئے تو کچھ بیمار تھے اس لئے آپ نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں طواف کیا، جب رکن کے پاس پہنچتے تھے تو اپنی چھڑی سے رکن کو چھو لیتے تھے، طواف سے فارغ ہو گئے تو اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ رواہ ابوداؤد۔

میں کہتا ہوں اگر مکہ میں تشریف لانے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیمار ہوتے تو بیماری کی وجہ سے طوافِ قدوم بھی پیدل نہ کر سکتے، حالانکہ حضرت جابر وغیرہ کی صحیح روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ قدوم اس طرح کیا کہ تین چکر تو تیزی سے کئے اور چار چکر معمولی پیدل رفتار سے۔ یہ بھی حضرت جابر کی صحیح روایت ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان حضور نے سعی کی اور رفتار کی شدت کی وجہ سے آپ اپنے بٹن گھما رہے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں طوافِ زیارت (کسی بیماری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ) جواز کو ظاہر کرنے کے لئے اور لوگوں کو آدابِ حج سکھانے کے لئے تھا۔

مسلسل طواف:

بغیر وقفہ کے مسلسل طواف باجماعِ علماء شرط (فرض) نہیں ہے سنت ہے سعید بن منصور راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھ لی، نماز سے فارغ ہو کر پھر طواف کا باقی حصہ پورا کیا۔ عبدالرزاق اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی روایت سے بھی یہ واقعہ منقول ہے سعید بن منصور کا بیان ہے کہ عطا کہتے تھے اگر کوئی شخص طواف کا کچھ حصہ کر چکا ہو پھر کوئی جنازہ آ جائے اور یہ شخص طواف ناتمام چھوڑ کر جنازہ کی نماز میں جا کر شرکت کر لے تو نماز سے فارغ ہو کر اس کو اپنا بقیہ طواف پورا کر لینا چاہیئے (ازسرنو طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں)

نافع نے کہا طواف کی حالت میں طولِ قیام بدعت ہے۔ حسن نے کہا اگر کوئی شخص طواف میں مشغول ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے اور وہ بیچ میں سے طواف کو چھوڑ کر نماز میں شریک ہو جائے تو نماز کے بعد اس کو ازسرِ نو (پورا) طواف کرنا چاہیئے۔

مسئلہ: فرض طواف کو بیچ میں سے منقطع کرنا خواہ فرض نماز کی اقامت ہو گئی ہو مکروہ ہے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے طوافِ صدر کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

مسئلہ: اگر فرض نماز کی اقامت ہو جائے یا جنازہ کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نفل طواف کو قطع کر دے نفل عبادت کے لئے نفل طواف کو منقطع کرنا جائز نہیں۔

وتر کی شرکت کے لئے نفل طواف کو منقطع کر دینا اولیٰ ہے حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر صدیق کا اثر اس کا مؤید ہے۔

مسئلہ: ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے امام مالک کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ اگر طواف کے بعد دو رکعتیں ترک کر دیں تو قربانی واجب ہو گی۔ مسئلہ کی تمام شاخیں اور متعلقات کا ذکر ہم نے آیت کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا ہے۔

آدابِ طواف یعنی مستحبات کا بیان

کعبہ کو دیکھے تو کیا کہے:

جب کعبہ پر نظر پڑے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ پڑھے۔ اور دعا کرے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ کعبہ کو دیکھنے پر دعا کرنا مستحب ہے۔

حجر اسود کا بوسہ:

اگر حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو دونوں ہونٹوں سے چومے بشرطیکہ دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو۔ بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر حجرِ اسود کو چھوتے اور چومتے تھے۔ شافعی کی مرفوع روایت ہے کہ آپ دیر تک دونوں لب حجرِ اسود پر رکھے رہے۔ ابنِ ماجہ کی روایت میں ہے دیر تک دونوں لب حجرِ اسود

پر رکھے روتے رہے حاکم کی روایت ہے آپ نے حجرِ اسود کو چوما اور اس پر سجدہ کیا۔

اگر چومنے اور ہاتھ سے چھونے پر قادر نہ ہو تو کسی چیز سے چھولے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور اپنی چھڑی سے رکن کو چھوا۔ اگر اتنا بھی ممکن نہ ہو تو حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے رُک جائے۔

سعید بن میسب کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم قوی آدمی ہو، حجرِ اسود پر روزانہ مت جانا (دھکے نہ دینا) کہ کمزور کو دکھ پہنچاؤ اگر جگہ خالی ہو تو چھو لینا ورنہ اس کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کرنا، رواہ احمد۔

رکنِ ایمان کو چھونا:

رکنِ یمانی کے پاس پہنچے تو اُسے چھولے، جمہور کا یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رکنِ یمانی کو چھونا مستحب ہے، سنت نہیں ہے، صحیحین میں حضرت ابن عمر کا قول آیا ہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو یعنی حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کو چھو رہے تھے۔ (یا چوم رہے تھے) دار قطنی نے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکنِ یمانی کو بوسہ دے رہے تھے اور اس پر اپنا رخسار رکھ رہے تھے۔

پہلے تین چکر اور چادر ڈالنے کا طریقہ:

طوافِ قدوم میں پہلے تین چکر لپک کر کرے (تیز رفتار سے کرے) اور چادر کا ایک پلو دائیں بغل کے نیچے سے سینہ پر لا کر بائیں کندھے پر ڈالے رکھے (اس طرح دایاں مونڈھا کھلا رہے گا)

چکر کا آغاز:

چکر کو سنگِ اسود سے شروع کر کے (گھوم کر) سنگِ اسود پر ہی ختم کرنا سنت ہے صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ اسود سے سنگِ اسود تک تیز چال سے تین چکر لگائے۔ باقی چار چکروں میں معمولی رفتار رکھے اور جب حجرِ اسود اور رکن کے پاس پہنچے تو وہی کرے جو پہلے چکر میں کیا تھا۔ آخر طواف کو سنگِ اسود کو چھو کر یا چوم کر ختم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صحیح روایت میں یہی منقول ہے۔

مقامِ ابراہیم:

پھر دوگانہ مقامِ ابراہیم کے پاس ادا کرے اور دو رکعتوں میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے پھر لوٹے حجرِ اسود کو چومے اور تکبیر و تہلیل پڑھے۔ حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) مقامِ ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان رکھا تھا (یعنی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ دونوں کی طرف تھا) اور دو رکعتیں پڑھی تھیں جن میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی تھی پھر لوٹ کر حجرِ اسود کو چوما تھا۔ (مظہری)

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ
یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی
فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ
سو وہ بہتر ہے اس کے لئے اپنے رب کے پاس

محترم چیزوں کا خیال اور حرام سے پرہیز:

یعنی حرام چیزوں کو بھاری سمجھ کر چھوڑ دینا یا اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے۔ جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور بیت اللہ، صفا مروہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن، بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آجاتے ہیں۔ خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو وہاں آنے سے نہ روکیں نہ قربانی کے آئے ہوئے جانوروں کو واپس جانے پر مجبور کریں بلکہ قیمتی اور موٹے تازے جانور قربان کریں۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو شخص اللہ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا، سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

حُرُمٰتِ اللہ سے مراد ہیں ممنوعاتِ الٰہیہ اور گناہ و نافرمانی۔ ممنوعات کی تعظیم کا یہ معنی ہے کہ ان کے قریب جانا بھی اس کے لئے سخت شاق اور ناگوار ہو۔ مومن سے جو قصور صادر ہو جاتا ہے اس کو وہ پہاڑ سمجھتا ہے جو اس کے سر پر ٹوٹا پڑ رہا ہو اور منافق گناہ کو ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کی طرح جانتا ہے کہ ذرا ہاتھ ہلایا اور اڑ گئی۔ حدیث میں مومن و منافق کے گناہ کی یہی تشبیہ آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ
اور حلال ہیں تم کو چوپائے

جانوروں کی حلت:

یعنی ان کے ذبح کرنے کا حکم تعظیم حرمات اللہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جس مالک نے ایک چیز کی حرمت بتلائی تھی اس کی اجازت سے اور اس کے نام پر وہ قربان کی جاتی ہے۔

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
مگر جو تم کو سناتے ہیں

یعنی جن جانوروں کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً تم کو سنایا جاتا رہا ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں تفصیلاً گزر چکا وہ حلال نہیں۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

سو بچتے رہو　بتوں کی　گندگی سے

بتوں کے نام پر ذبح حرام ہے:

یعنی جانور اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اس کی اجازت سے اسی کے نام پر ذبح کئے جاسکتے ہیں اور اسی کے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں، جو جانور کسی بت یا دیوی دیوتا کے انتھان پر ذبح کیا گیا وہ مردار ہوا۔ ایسی شرکیات اور گندے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بتوں سے بچو:

پس بتوں کی گندگی سے بچے رہو یعنی بت گندہ ہیں ان (کی پرستش سے ان سے دعائیں کرنے سے اور ان کو پکارنے) سے پرہیز رکھو۔ عقلمند، سلیم الطبع آدمی بتوں سے ایسا ہی اجتناب رکھتے ہیں جیسا عام آدمی گندگی سے۔ اجتناب (پرہیز) کے لفظ سے بتوں کی عبادت و تعظیم سے پُر زور ممانعت کا اظہار کیا گیا ہے (یعنی بتوں کی تعظیم اور پوجا اتنی گندی چیز ہے کہ اس کے پاس بھی نہ جانا چاہیے) بعض نے رجس کا ترجمہ رجز کیا ہے اور رجز کا معنی ہے عذاب چونکہ بتوں کی پرستش موجب عذاب ہے اس لئے (بطور مجاز) بتوں کو ہی عذاب فرمادیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

اور بچتے رہو　جھوٹی بات سے

جھوٹی بات سے بچو:

جھوٹی بات زبان سے نکالنا، جھوٹی شہادت دینا، اللہ کے پیدا کئے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے نامزد کر کے ذبح کرنا، کسی چیز کو بلا دلیل شرعی حلال و حرام کہنا، سب قول الزور میں داخل ہے۔ قول الزور کی برائی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو یہاں شرک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اعراف رکوع ۴) احادیث میں بڑی تاکید و تشدید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شرکا مقولے:

اس جگہ کافروں کے مشرکانہ مقولے مراد ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں بُت اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے۔ لبیک کہنے کے وقت کہتے تھے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ۔ تیرا کوئی شرک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ (تیرا) مالک نہیں۔

جھوٹی گواہی:

امام احمد۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ طبرانی اور ابن المنذر نے حضرت خریم بن فاتک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوگئے اور فرمایا جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے یہ بات تین بار فرمائی پھر آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ط

ایک اللہ کی طرف کے ہوکر　نہ کہ　اُس کے ساتھ شریک بنا کر

ایک اللہ کے ہو کر رہو:

یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک اللہ کے ہو کر رہو۔ تمہارے تمام افعال و نیات بالکلیہ بالاشرکت غیرے خالص خدا کے لئے ہونے چاہئیں۔ (تفسیر عثمانی)

غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ساجھی قرار دینے والے نہ ہو اس کے ساتھ نہ عبادت میں نہ واجب الوجود ہونے میں نہ الوہیت میں مقصد یہ ہے کہ شرک کرنے والا نہ حنیف ہوسکتا نہ ابراہیم کے دین پر۔ وَمَنْ يعظم اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن حکم امر میں ہے یعنی حرمات اللہ کی تعظیم کرو اور بت پرستی سے پرہیز رکھو، بُت پرستی ممنوعات میں نمبر اول پر ہے اور شرک آفرین بات کہنا سب سے بڑا اور سخت ترین جھوٹ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

اور جس نے شریک　بنایا اللہ کا،　سو جیسے گر پڑا　آسمان سے

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ

پھر اُچکتے ہیں　اس کو اُڑنے والے مردار خوار، یا جا ڈالا اس کو ہوا نے

فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

کسی دُور　مکان میں

شرک ذلت ہے:

یہ شرک کی مثال بیان فرمائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ توحید نہایت اعلیٰ اور بلند مقام ہے۔ اس کو چھوڑ کر جب آدمی کسی مخلوق کے سامنے جھکتا ہے تو خود اپنے کو ذلیل کرتا اور آسمان توحید کی بلندی سے پستی کی طرف گراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر اونچے سے گر کر زندہ بچ نہیں سکتا۔ اب یا تو اہواء و افکار ردیہ کے مردار خوار جانور چاروں طرف سے اس کی بوٹیاں نوچ کر کھائیں گے یا

شیطان لعین ایک تیز ہوا کے جھکڑ کی طرح اس کو اڑا لے جائے گا اور ایسے گہرے کھڈ میں پھینکے گا جہاں کوئی ہڈی پسلی نظر نہ آئے۔

دو قسم کے مشرک:

یا یوں کہو کہ مثال میں دو قسم کے مشرکوں کا الگ الگ حال بیان ہوا ہے۔ جو مشرک اپنے شرک میں پوری طرح پکا نہیں مذبذب ہے کبھی ایک طرف جھک جاتا ہے کبھی دوسری طرف وہ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ کا اور جو مشرک میں پختہ مضبوط اور اٹل ہو، وہ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ کا مصداق ہے یا فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ سے مراد لوگوں کے ہاتھوں مارا جانا اور اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ سے طبعی موت مرنا مراد ہوا کثر مفسرین نے وجہ تشبیہ کے بیان میں اسی طرح کے احتمالات ذکر کئے ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جس کی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو (پریشان کر کے راہ میں سے اچک لیں گی۔ یا سب کے منکر ہو کر دہری ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑتا ہے پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں یا طوفان اس کو کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کمال رفعت ہے اس سے اعلیٰ اور بالا کوئی چیز نہیں ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہوا ہو اور سب سے اونچا دکھائی دیتا ہو اس سے اونچا بلکہ اس کے برابر کوئی اور نہ ہو لیکن جب اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی مخلوق کی عبادت کو کوئی شریک کر دیتا ہے تو وہ کمالِ رفعت کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے جیسے آسمان پر چڑھا ہوا آدمی پستی کے غار میں گر پڑے اس سے زیادہ پستی اور کیا ہوگی کہ آدمی اپنی ہی جیسی مخلوق کو پوجا کرنے لگے۔ ایسا آدمی تو پتھروں سے بھی زیادہ ذلیل اور پست درجہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مشرک پر نفس اور شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اور شیطان انسان کو (ایمان کی بلندی سے (گمراہی کی) پستی میں پھینک دیتا ہے۔

کافر کی روح کیلئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا:

سورت اعراف کی آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ طویل حدیث کا ہم نے کچھ حصہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر بندہ کے مرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ملائکہ اس کی روح کو چڑھا لے جاتے ہیں جب آسمان تک پہنچتے ہیں اور (دروازہ) کھلوانے کی خواہش کرتے ہیں تو کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر حضور نے آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ تلاوت فرمائی (اور فرمایا) پھر اللہ حکم دیتا ہے اس کی کتاب نچلی زمین کے اندر سجین میں لکھ لو حسب الحکم اس کی روح پھینک دی جاتی ہے اس کے بعد حضور نے آیت وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا، سو وہ

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

دل کی پرہیزگاری کی بات ہے

شعائر اللہ کی تعظیم:

یعنی شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کریگا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اس کی طرف منسوب ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو شخص دینِ خداوندی کی ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھتا ہے تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دلوں کے اندر بیٹھے ہوئے خوفِ خدا کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شعائر کا مطلب:

حضرت ابن عباس نے فرمایا شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لفظ اشعار سے ماخوذ ہے، اشعار کا معنی نشانی بنا دینا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ اور تعظیم شعائر سے مراد ہے قربانی کے جانوروں کو موٹا کرنا۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹوں کی قربانی کی تھی۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک بختی اونٹنی کی قربانی کی جس کی قیمت خریداروں نے تین سو دینار لگائی تھی۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ کا یہ مطلب ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پاک دل والوں کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

تمہارے واسطے چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر وعدہ تک پھر

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

اُن کو پہنچنا اُس قدیم گھر تک

جانوروں کے فوائد:

قدیم گھر بیت اللہ شریف ہے اور یہاں شاید توسعاً سارا حرم مراد ہو، یعنی

اونٹ گائے، بکری وغیرہ سے تم بہت فوائد حاصل کر سکتے ہو۔ مثلاً سواری کرو، دودھ پیو، نسل چلاؤ، اون وغیرہ کو کام میں لاؤ، مگر یہ اس وقت کہ ان کو ہدی نہ بنائیں، ہدی بننے کے بعد اس قسم کا انتفاع (بدون شدید ترین ضرورت کے) نہیں کر سکتے۔ اب تو اس کا عظیم الشان اخروی فائدہ یہ ہی ہے کہ کعبہ کے پاس لے جا کر خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کرو۔ (تفسیر عثمانی)

ہدی کا جانور:

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى یعنی چوپائے جانوروں سے دودھ سواری بار برداری ہر قسم کے منافع حاصل کرنا تمہارے لئے اس وقت تک تو حلال ہے جب تک اُن کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لئے نامزد کر کے ہدی نہ بنالیا ہو۔ ہدی اُسی جانور کو کہتے ہیں جو حج یا عمرہ کرنے والا اپنے ساتھ کوئی جانور لے جائے کہ اس کو حرم شریف میں ذبح کیا جائے گا۔ جب اُس کو ہدی حرم کے لئے نامزد اور مقرر کر دیا تو پھر اُس سے کسی قسم کا نفع اُٹھانا بغیر کسی خاص مجبوری کے جائز نہیں جیسے اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اس کے لئے مشکل ہو جائے تو مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اس وقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

حرم کے اندر ذبح کرنا ضروری ہے:

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم شریف ہے جو در حقیقت بیت اللہ ہی کا حریم خاص ہے جیسے سابقہ آیت میں مسجد حرام کے لفظ سے پورا حرم مراد لیا گیا، یہاں بیت عتیق کے لفظ سے بھی پورا حرم مراد ہے اور محلھا میں محل کے معنے موضع حلول اجل کے ہیں مراد اس سے موضع ذبح ہے یعنی ہدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے پاس ہے اور مراد پورا حرم ہے کہ وہ بیت عتیق ہی کے حکم میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے حرم سے باہر جائز نہیں۔ اور پھر حرم عام ہے خواہ منحر منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

کون سا جانور بہتر ہے:

ابن عباس فرماتے ہیں یعنی قربانی کے جانوروں کو فربہ اور عمدہ کرنا۔ سہلؒ کا بیان ہے کہ ہم قربانی کے جانوروں کو پال کر انہیں فربہ اور عمدہ کرتے تھے تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (بخاری شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو سیاہ رنگ کے جانوروں کے خون سے ایک سفید رنگ جانور کا خود خدا کو زیادہ محبوب ہے (مسند احمد، ابن ماجہ) پس گو اور رنگت کے جانور بھی جائز ہیں لیکن سفید رنگ کے جانور افضل ہیں صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھیڑے چتکبرے بڑے بڑے سینگوں والے اپنی قربانی میں ذبح کئے ابو سعیدؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھیڑا بڑے سینگ والا چتکبرا ذبح کیا جس کے منہ پر آنکھوں کے پاس اور پیروں پر سیاہ رنگ تھا (سنن) امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھیڑے بہت موٹے تازے چکنے چتکبرے خصی ذبح کئے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے لئے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں کو اور کانوں کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں اور آگے سے کٹے ہوئے کان والے کی پیچھے سے کٹے ہوئے کان والے کی لمبائی میں چرے ہوئے کان والے کی سوراخ والے کان والے کی قربانی نہ کریں (احمد اہل سنن) اسے امام ترمذیؒ صحیح کہتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے اس کی شرح میں حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں جب کہ آدھا یا آدھے سے زیادہ کان یا سینگ نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى تمہارے لئے ایک مقرر وقت تک ان میں منافع (حاصل کرنے جائز) ہیں۔ یعنی قربانی کے نامزد اونٹوں پر بغیر ایذاء پہنچائے سوار ہونا، بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا تمہارے لئے جائز ہے اور ذبح ہونے کے وقت یہ عمل جائز ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ (خود پیدل چل رہا تھا اور) قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا، فرمایا اس پر سوار ہو جا، اس شخص نے عرض کیا حضور یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر کہا یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا بُرا ہو۔ متفق علیہ۔

حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا، فرمایا اس پر سوار ہو جا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ طریقہ سے زیادہ سیدھے کسی طریقہ پر تو نہیں چل سکتا۔ یعنی دوسرا طریقہ نہ اختیار کر قربانی کے جانور پر سوار ہونا سنت کے موافق ہے) رواہ الطحاوی۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا بغیر خاص ضرورت کے قربانی کے جانوروں پر نہ سوار ہونا جائز ہے نہ ان پر بوجھ لادنا نہ ان کا دودھ پینا کیونکہ جب ان کو اللہ کے لئے خالص طور پر نامزد کر دیا تو وہ سارے کے سارے اللہ کے ہو گئے اپنے فائدے کے لئے ان میں کوئی تصرف کرنا درست نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قربانی کا اونٹ ہنکا کر لے جاتے دیکھا اور وہ شخص خود تھک چکا تھا فرمایا اس پر سوار ہو جا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا دوسری روایت میں ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا اگرچہ قربانی کا اونٹ ہو۔

بیت اللہ کسی کی ملکیت نہیں ہے:

البیت العتیق سے مراد سارا حرم ہے پورا حرم انسانی ملکیت سے آزاد ہے کوئی شخص حرم کی زمین کو نہ فروخت کرسکتا ہے نہ خرید سکتا ہے گویا تمام حرم بیت اللہ کے حکم میں ہے۔ عرب بولتے ہیں بَلَغتُ البلدَ یعنی میں حوالی شہر تک پہنچ گیا (شہر کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں)

منیٰ، عرفات اور مزدلفہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سارا منیٰ قربانگاہ ہے مکہ کے تمام پہاڑی راستے قربان گاہ ہیں کل عرفات اور سارا مزدلفہ موقف ہے (ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ ہے) رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ من حدیث جابر بن عبداللہؓ۔ (تفسیر مظہری)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
اور ہر اُمت کے واسطے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام
عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
ذبح پر چوپایوں کے جو اُن کو (اللہ نے دیئے)
فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا
سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو

قربانی ہر مذہب میں ہی ہے:

یعنی اللہ کی نیاز کے طور پر مواشی قربان کرنا ہر دین سماوی میں عبادت قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ عبادت غیر اللہ کی نیاز کے طور پر کرو گے تو شرک ہوجائے گا جس سے بہت پرہیز کرنا چاہیے موحد کا کام یہ ہے کہ قربانی اکیلے اسی خدا کے لئے کرے جس کے نام پر قربانی کرنے کا تمام شرائع میں حکم رہا ہے۔ اس کے حکم سے باہر نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

عیب دار جانور:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ چار قسم کے عیب دار جانور قربانی میں جائز نہیں وہ کانا جانور جس کا بھینگا پن ظاہر ہو اور وہ بیمار جانور جس کی بیماری کھلی ہوئی ہو اور وہ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور وہ دبلا پتلا مریل جانور جو گودے بغیر کا ہوگیا ہو (احمد واہل سنن)

مسند احمد میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ میں نے قربانی کے لئے جانور خریدا اس پر ایک بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کی ران کا بوٹا توڑ لیا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسی جانور کی قربانی کرسکتے ہو۔ پس خریدتے وقت جانور کا فربہ ہونا تیار ہونا بے عیب ہونا چاہیئے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آنکھ کان دیکھ لیا کرو۔ حضرت عمر فاروق نے ایک نہایت عمدہ اونٹ قربانی کے لئے نامزد کیا۔ لوگوں نے اس کی قیمت تین سو اشرفی لگائی تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے بیچ دوں اور اس کی قیمت سے اور جانور بہت سے خرید لوں اور انہیں راہ اللہ قربان کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ اسی کو فی سبیل اللہ ذبح کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ فرماتے ہیں عرفات میں ٹھہرنا اور مزدلفہ اور رمی جمار اور سر منڈوانا اور قربانی کے اونٹ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں ان سب سے بڑھ کر بیت اللہ شریف ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس طرح اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے قربان ہوسکتا ہے اسی طرح گائے بھی جابر بن عبداللہؓ سے صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ میں سات شریک ہوجائیں اور گائے میں بھی سات آدمی شریک کرلیں۔

قربانی کے جانور پر سواری:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص کو اپنی قربانی کا جانور ہانکتے ہوئے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر سوار ہوجاؤ اس نے کہا حضور! میں اسے قربانی کی نیت کا کرچکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری یا تیسری بار فرمایا افسوس بیٹھ کیوں نہیں جاتا صحیح مسلم شریف میں ہے جب ضرورت اور حاجت ہو تو سوار ہوجایا کرو۔

قربانی کے جانور کا دودھ:

ایک شخص کی قربانی کی اونٹنی نے بچہ دیا تو حضرت علیؓ نے اسے حکم دیا کہ اس کو دودھ پیٹ بھر کر پی لینے دے پھر بھی اگر بچ رہے تو خیر اپنے کام میں لا اور قربانی والے دن اسے اور اس بچے کو دونوں کو بنام خدا ذبح کردے۔

جانور سے سلوک:

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ سلوک کرنا لکھ دیا ہے۔ دشمنوں کو میدانِ جنگ میں قتل کرتے وقت بھی نیک سلوک رکھو اور جانوروں کو ذبح کرنے کے وقت اچھی طرح سے نرمی کے ساتھ ذبح کرو، چھری تیز کرلیا کرو اور جانور کو تکلیف نہ دیا کرو۔ فرمان ہے کہ جانور میں جب تک جان ہے اور اس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ (احمد ابوداؤد ترمذی)

گاؤں والوں کی قربانی:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو گاؤں والوں پر عید کی نماز ہی نہیں اس لئے

کہتے ہیں کہ وہ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں ہاں شہری لوگ جب تک امام نماز سے فارغ نہ ہو لے قربانی نہ کریں واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قربانی صرف پالتو جانوروں کی ہے:

انعام میں سے بھی صرف پالتو جانوروں کی قربانی درست ہے اسی پر اتفاق ائمہ ہے (جنگلی گائے یعنی نیل گائے، جنگلی بکری یعنی پاڑی وغیرہ کی قربانی درست نہیں)

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پس تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس لئے ذبح کرنے کے وقت اسی کا نام لیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ
اور بشارت سُنا دے عاجزی کرنے والوں کو

تواضع کرنے والے:

یعنی ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی بشارت سنا دیجئے جو صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اسی کے سامنے جھکتے ہیں اسی پر ان کا دل جمتا ہے اور اسی کے جلال و جبروت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ لفظ خبت عربی زبان میں پست زمین کے معنی میں آتا ہے اسی لئے مخبت اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے۔ اسی لئے حضرت قتادہ و مجاہد نے مخبتین کا ترجمہ مواضعین سے کیا ہے۔ عمرو بن اوس فرماتے ہیں کہ مخبتین وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی اُن پر ظلم کرے تو اس سے بدلہ نہیں لیتے۔ سفیان نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قضاء و تقدیر پر راحت و کلفت فراخی اور تنگی ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض اہل لغت نے کہا کہ خبت نشیبی مقام کو کہتے ہیں اسی معنی کی رعایت سے مجاہد نے ترجمہ کیا اللہ کی یاد میں مگن مطمئن۔ نخعی نے ترجمہ کیا، اہل اخلاص، اطمینان اور اخلاص کا ایک ہی معنی ہے کلبی نے کہا نرم دل لوگ عمرو بن اوس نے کہا مخبتین وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جائیں اُن کے دل
وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ
اور سہنے والے اُس کو جو اُن پر پڑے

نیک لوگوں کا حال:

یعنی مصائب و شدائد کو صبر و استقلال سے برداشت کریں، کوئی سختی اٹھا کر راہ حق سے قدم نہ ڈگمگائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وجل کے اصلی معنی اس خوف و ہیبت کے ہیں جو کسی کی عظمت کی بناء پر دل میں پیدا ہو۔ اللہ کے نیک بندوں اور صلحاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نام سن کر ان کے دلوں پر اس کی عظمت اور بڑائی کے سبب ایک خاص ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
اور قائم رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں

بیت اللہ تک پہنچنے میں بہت مصائب و شدائد پیش آتے ہیں سفر میں اکثر نمازوں کے فوت ہونے یا قضا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، مال بھی کافی خرچ کرنا پڑتا ہے شاید اسی مناسبت سے ان اوصاف و خصائل کا یہاں ذکر فرمایا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
اور کعبہ کے چڑھانے کے اُونٹ ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ
اللہ کے نام کی، تمہارے واسطے اس میں بھلائی ہے سو پڑھو اُن پر نام اللہ کا قطار
فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا
باندھ کر پھر جب گر پڑے اُن کی کروٹ تو کھاؤ اُس میں سے

ذبح کے آداب:

پہلے مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم تھا۔ اب تصریحاً بتلا دیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں جن کی ذوات میں اور جن کو ادب کے ساتھ قربان کرنے میں تمہارے لئے بہت سی دینوی و اخروی بھلائیاں ہیں تو عام ضابطہ کے موافق چاہیے کہ اللہ کا نام پاک لے کر ان کو ذبح کرو۔ بالخصوص اونٹ کے ذبح کا بہترین طریقہ نحر ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور ایک ہاتھ داہنا یا بایاں باندھ کر سینہ پر زخم لگائیں جب سارا خون نکل چکا وہ گر پڑا تب ٹکڑے کر کے استعمال کریں اور بہت اونٹ ہوں تو قطار باندھ کر کھڑا کر لیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابو داؤد اور ابن ماجہ اور مستدرک میں حاکم نے حضرت جابر کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ

بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ.

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر حلقوم میں نیزہ مار رہا تھا، حضرت ابن عمر ادھر سے گزرے اور یہ حالت دیکھ کر فرمایا اس کو کھڑا کر دے او ر پاؤں باندھ دے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ ہے۔ عبد بن حمید۔ ابن ابی الدنیا (فی الاضاحی) ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم، حاکم اور سنن میں بیہقی نے ابوظبیان کا بیان نقل کیا ہے، ابوظبیان نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے آیت فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ کی تشریح پوچھی فرمایا، جب تو اونٹ کی قربانی کرنی چاہے تو اونٹ کو تین ٹانگوں پر کھڑا کر اور ٹانگوں کو بندھا رکھ پھر کہہ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے صوآف کا ترجمہ قیاما کیا۔ (تفسیر مظہری)

بدنۃ کیا ہے:

صاحب قاموس نے لکھا ہے بَدَنۃ (بحرکت ثلاثہ) اونٹ اونٹنی اور گائے بھینس۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور سدی نے کہا، اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

اونٹ کے ذبح کا طریقہ:

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ صوآف بمعنے مصفوفہ ہے یعنی صف بستہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ جانور تین پاؤں پر کھڑا ہو ایک ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ یہ صورت قربانی کی اُونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی قربانی کھڑے ہونے کی حالت میں سنت اور بہتر ہے، باقی جانوروں کو لٹا کر ذبح کرنا سنت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ
اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو

دو قسم کے محتاج: یہ محتاج کی دو قسمیں بتلائیں۔ ایک جو صبر سے بیٹھا ہے، سوال نہیں کرتا۔ تھوڑا مل جائے تو اسی پر قناعت کرتا ہے دوسرا جو بے قرار ہو کر سوال کرتا پھرتا ہے کچھ مل جائے تب بھی قرار نہیں۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
اسی طرح تمہارے بس میں کر دیا ہم نے اُن جانوروں کو تا کہ تم احسان مانو

جانوروں کی تسخیر: یعنی ایسے بڑے بڑے جانور جو تم سے جثہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے کہ تم ان سے طرح طرح کی خدمات لیتے ہو اور کیسی آسانی سے ذبح بھی کر لیتے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ شرک کر کے الٹی ناشکری کرو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
اللہ کو نہیں پہنچتا اُن کا گوشت اور نہ اُن کا لہو
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ
لیکن اُس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب

قربانی کا فلسفہ:

اس میں قربانی کا اصل فلسفہ بیان فرمایا یعنی جانور کو ذبح کر کے محض گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ یہ گوشت اور خون اٹھ کر اس کی بارگاہ تک پہنچتا ہے اس کے یہاں تو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب پہنچتا ہے کہ کیسی خوش دلی اور جوش محبت کے ساتھ ایک قیمتی اور نفیس چیز اس کی اجازت سے اس کے نام پر اس کے بیت کے پاس لے جا کر قربان کی۔ گویا اس قربانی کے ذریعہ سے ظاہر کر دیا کہ ہم خود بھی تیری راہ میں اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہیں۔ بس یہی وہ تقویٰ ہے جس کا ذکر وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ میں کیا گیا تھا۔ اور جس کی بدولت خدا کا عاشق اپنے محبوب حقیقی کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قربانی کے بعد مشرک ذبیحہ کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور کعبہ کی طرف کو چھینٹیں مارتے تھے، مسلمانوں نے بھی یہی عمل کرنے کا ارادہ کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتے ہیں:

صحیح حدیث میں ہے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ اسکی نظریں تمہارے مال پر ہیں بلکہ اس کی نگاہیں تمہارے دلوں پر اور تمہارے اعمال پر ہیں۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دس سال تک ہر سال قربانی کرتے رہے الترمذی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ
اسی طرح اُن کو بس میں کر دیا تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس بات پر کہ تم کو راہ سمجھائی
وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾
اور بشارت سنا دے نیکی والوں کو

ذبح کی دُعاء: یعنی بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ

کہہ کر ذبح کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنی محبت و عبودیت کے اظہار کی کیسی اچھی راہ سمجھا دی۔ اور ایک جانور کی قربانی کو گویا خود تمہاری جان قربان کرنے کے قائم مقام بنا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ یعنی تم اللہ کی عظمت کا اعتراف کرو اور یقین کرو کہ جس بات سے دوسرے عاجز ہیں، اللہ کو اس پر قدرتِ تامہ ہے اور اس کے شکر میں تم اللہ کو کبریائی و عظمت میں واحد جانو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اللہ دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے

مسلمان مطمئن رہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الخ) میں ان کفار کا ذکر تھا جو مسلمانوں کو حرم شریف کی زیارت اور حج وعمرہ وغیرہ سے روکتے تھے درمیان میں مسجد حرام اور اس کے متعلقات کی تعظیم و ادب کے احکام بیان فرمائے۔ اب پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی مسلمان مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ عنقریب دشمنوں سے ان کا راستہ صاف کر دے گا مسجد حرام تک پہنچنے اور اس کے متعلق احکام کی تعمیل کرنے میں کوئی مخالفانہ رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ بےخوف وخطر حج وعمرہ ادا کریں گے گویا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ میں جو بشارت دینے کا امر تھا اس کا ایک فرد یہ خوشخبری ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝		
اللہ کو خوش نہیں آتا	کوئی دغاباز	ناشکر

دھوکہ باز ناشکرے اللہ کو پسند نہیں:

یعنی دغاباز ناشکر گزاروں کو اگر ایک خاص میعاد تک مہلت دی جائے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو خوش آتے ہیں۔ یہ مہلت بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر ہے۔ آخری انجام یہی ہونا ہے کہ اہلِ حق غالب ہوں اور باطل پرستوں کو راستہ سے چھانٹ دیا جائے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا
حکم ہوا اُن لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ اُن پر ظلم ہوا

دشمنوں سے قتال کی اجازت:

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے حکم تھا کہ کفار کی سختیوں پر مسلمان صبر کریں اور ہاتھ روکے رکھیں چنانچہ انہوں نے کامل تیرہ سال تک سخت زہرہ گداز مظالم کے مقابلہ میں بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جب مدینہ دارالاسلام بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں۔ اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں۔ اس قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: امام احمد، ترمذی سدی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا ہے یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اب (لڑنے کی) ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو جہاد کرنے اور کافروں سے لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ بغوی نے لکھا ہے اہلِ تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے تھے، صحابہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کسی کا سر پھٹا ہوتا کوئی زخمی ہوتا کوئی پٹ کر آتا سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے حضور ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر رکھو ابھی مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اس کے بعد یہ آیت (ہجرت کے بعد) مدینہ میں نازل ہوئی۔

اجازتِ قتال کی پہلی آیت:

عبدالرزاق۔ عبد بن حمید، ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ، بزار۔ ابن جریر۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن حبان، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ کچھ اوپر ستر آیات میں قتال کی ممانعت کے بعد اجازت قتال کی یہ سب سے پہلی آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے عروہ ابن زبیر کی روایت سے اور عبدالرزاق وابن المنذر نے زہری کی روایت سے بھی اس کو تخریج کیا ہے۔

ہجرت میں رکاوٹ کا سدِّ باب:

بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو جانے کے خیال سے نکلے تھے اور کافر ان کے لئے سنگِ راہ بن کر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ نے ان کو کافروں اور رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دے دی۔

قتال کی علّت ظلم ہے:

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا یعنی کافروں نے چونکہ ان پر زیادتیاں کی ہیں اور ناحق ایذائیں پہنچائی ہیں اس لئے ان کو بھی لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔

مظلومیت کو اس آیت میں اجازتِ قتال کی علت قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ (جن کافروں میں ظلم کرنے کی قوت نہیں ان سے مسلمانون کا لڑنا اور ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں پس) حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنا با تفاق ائمہ ناجائز ہے ہاں اگر وہ مسلمانوں کے خلاف مشورہ دینے میں مددگار ہوں یا مالدار ہوں اپنے مال سے کافروں کی مدد کر رہی ہوں تو ان سے بھی جہاد کرنا جائز ہے۔ اوران کو قتل کرنا درست ہے۔

اسی طرح ناکارہ بوڑھے سادھو راہب نابینا اپاہج لنگڑے، لولے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں (امام شافعیؒ کا ایک قول اس کے خلاف آیا ہے) ان لوگوں کو قتل نہ کرنے کا حکم اس وقت ہے جب مسلمانوں سے لڑنے کے مشوروں اور تدبیروں میں شریک نہ ہوں اور اپنی دماغی اسکیموں سے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد نہ کرتے ہوں ورنہ بالاتفاق ان کا قتل جائز ہے۔

مرتد عورت: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید رکھا جائے گا اوراس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کر لے یا قید ہی میں مر نہ جائے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ارتداد کے حکم میں عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں، دونوں کو قتل کیا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الشیخان۔

مزدوروں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت:

حضرت رباح بن الربیع کا بیان ہے ہم ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ کسی چیز پر جمع ہیں آپ نے ایک آدمی کو بھیجا جو دیکھ کر آئے کہ کس چیز پر سب لوگ جمع ہیں اس نے آ کر اطلاع دی ایک مقتول عورت ہے جس پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے فرمایا یہ تو قتال نہیں کرتی تھی (یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی اہل نہ تھی پھر کیوں اس کو قتل کیا گیا) ہراول دستے کے کمانڈر اس وقت حضرت خالد بن ولید تھے، آپ نے ایک آدمی بھیج کر ان کو کہلوا دیا کہ کسی عورت کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی مزدور (قلی) کو۔ رواہ ابوداؤد (اس حدیث میں لفظ عسیف کا ترجمہ شیخ فانی بھی کیا گیا ہے) مذکورہ حدیث میں لفظ امراۃ نکرہ ہے یعنی عام عورت کو خواہ کوئی ہو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس میں کافرہ بھی شامل ہے اور مرتدہ بھی۔ اس حدیث میں عورت کو قتل نہ کرنے کی علت یہ بتائی کہ وہ لڑتی نہیں (یعنی قتال و جنگ کی اہل نہیں) حنفیہ کہتے ہیں کسی عمل کی سزا و جزاء کا اصل مقام تو دارِ آخرت ہے، دنیا میدانِ عمل ہے اللہ نے فرمایا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں جبر نہیں، یہ دنیا امتحان کا مقام ہے نتیجہ کی جگہ نہیں اب جو کچھ بعض اعمال کی حدود اور سزائیں اس زندگی میں دی جانے کے ضوابط مقرر کر دیئے مثلاً قصاص، چوری، شراب خوری، زنا تہمتِ زنا وغیرہ کی سزائیں سو ان میں ہمارے ہی فائدے مضمر ہیں اور ہماری ہی مصالح کا ان سے تعلق ہے جان، مال، آبرو، نسب اور عقل کی حفاظت مقصود ہے، مرتد کو قتل کرنے کا وجوب اسی وقت ہوگا جب اس کی جنگی شرارت اور قتال سے مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہو، یہ قتل اس کے کافر ہونے کی سزا نہیں کفر کی سزا تو بہت بڑی ہے جو آخرت میں ملے گی۔ پس جو صنف قتال کی اہل ہے۔ یعنی مرد اگر مرتد ہو جائے تو اس کے شر سے بچنے کے لے اس کو قتل کرنا ضروری ہو جائے گا اور جو صنف قتال کی اہل نہیں یعنی عورت، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا خواہ وہ اصلی کافر ہو یا مرتدہ۔ اسی لئے حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی۔ اگر کافر کا قتل کفر کی سزا ہوتی تو قتل کے بعد اس کا کفر سے پاک ہو جانا ضروری ہو جائے گا جیسے قصاص کے بعد قاتل کی تطہیر ہو جاتی ہے۔ پس مقتول کافر کو آخرت میں نجات یافتہ ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔

امام ابو یوسف نے بروایت امام ابوحنیفہ از عاصم بن ابی النجود از ابورزین بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر عورتیں مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے اور اسلام کی دعوت دی جائے اور مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے (یعنی اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں جبر کرنے کا مطلب مارنا پیٹنا اور آب و دانہ بند کر دینا نہیں) بلاغات محمد میں بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے ایسا ہی آیا ہے عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت عیسائی ہو گئی، حضرت عمر نے حکم دیا اس کو ایسی جگہ لے جا کر فروخت کر دو۔ جہاں اس پر محنت و مشقت کرنے کا بار پڑے ایسی جگہ فروخت نہ کرنا جہاں اس کے ہم مذہب لوگوں کی آبادی ہو، چنانچہ دومۃ الجندل میں لے جا کر اس کو فروخت کر دیا گیا (غالباً یہ عورت باندی ہوگی کیونکہ حرہ کی بیع تو صحیح نہیں ہے۔

دارقطنی نے حضرت علی کا قول بیان کیا ہے کہ (مرتد) عورت سے توبہ کرائی جائے قتل نہ کی جائے اس کی سند میں ایک شخص جلاس ہے جس کی وجہ سے یہ سند کمزور ہوگئی۔

مسئلہ: اگر کسی حربی کی عورت کو امام قتل کر دینے کا حکم دے دے تو عورت اصلی کافرہ ہو یا مرتدہ بہرحال امام کی مصلحت کی پیش نظر ایسا حکم جائز ہے۔ سورۃ الفتح کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقرر کردہ مسلمان سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ جب مکہ میں داخل ہو تو سوائے اس شخص کے جو تم سے جنگ کرے اور کسی کو قتل نہ کرنا، لیکن چند آدمیوں کے نام لے کر فرما دیا تھا کہ ان کو (ضرور) قتل کر دینا خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہوں۔ ہم نے تفسیر سورۃ کے موقع پر ان کے

نام بھی ذکر کر دیئے ہیں ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں (جن کو قتل کرنے کی ہدایت فرمادی تھی) عبداللہ بن اخطل کی دو گانیکہ باندیاں، قرینہ اور قرنہ چنانچہ قرینہ تو قتل کر دی گئی اور قرنہ مسلمان ہوگئی۔ یہ دونوں عورتیں پہلے مرتد ہو چکی تھیں ایک عورت عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ باندی تھی اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی۔ یہ دونوں اصلی کافر تھیں اور فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئیں واللہ اعلم۔

قتل مرتدہ کے جواز کے قائل کہتے ہیں کہ حضرت جابر کی روایت سے منقول ہے کہ ایک عورت جس کو ام مروان کہا جاتا تھا مرتد ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ دارقطنی نے اس کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس عورت نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، اس لئے اس کو قتل کر دیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا روایت کے دونوں طریق ضعیف ہیں۔ ابن ہمام نے لکھا اول روایت عمر بن رواحہ کی وجہ سے کمزور ہے اور دوسری روایت عبداللہ بن اذینہ کی وجہ سے۔ ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝۳۹
اور اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے

مٹھی بھر فاقہ مست سلطنتوں پر غالب ہوں گے:

یعنی اپنی قلت اور بے سروسامانی سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ مٹھی بھر فاقہ مستوں کو دنیا کی فوجوں اور سلطنتوں پر غالب کر سکتا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک شہنشاہانہ طرز میں مسلمانوں کی نصرت و امداد کا وعدہ تھا۔ جیسے دنیا میں بادشاہ اور بڑے لوگ وعدہ کے موقع پر اپنی شانِ وقار و استغناء دکھلانے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہاں تمہارا فلاں کام ہم کر سکتے ہیں۔ شاید یہ عنوان اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ مخاطب سمجھ لے کہ ہم ایسا کرنے میں کسی سے مجبور نہیں ہیں جو کچھ کریں گے اپنی قدرت و اختیار سے کریں گے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ
وہ لوگ جن کو نکالا اُن کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں
اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ
سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے

مسلمان مہاجرین بے قصور تھے:

یعنی مسلمان مہاجرین جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا کوئی جرم نہ تھا نہ ان پر کسی کا کوئی دعویٰ تھا، بجز اس کے کہ وہ اکیلے ایک خدا کو اپنا رب کیوں کہتے ہیں۔ اینٹ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے۔ گویا ان پر سب سے بڑا اور سنگین الزام اگر لگایا جاسکتا ہے تو یہی کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے کیوں ہو رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر ہے کہ اللہ کو رب کہنا کوئی جرم نہیں کہ جس کی پاداش میں ان کو جلاوطن کیا جاتا مگر کافروں کے خیال میں تو یہ بہت بڑا جرم تھا۔ آیت رَبُّنَا اللّٰهُ کہنے کو کافروں کے خیال کے بموجب جرم قرار دیا ہے۔ آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کافروں کو کوئی حق نہ تھا کہ مسلمانوں کو جلاوطن کرتے اگر ان کے خیال میں کوئی جرم تھا تو ایسا جرم تھا کہ اس کا جرم نہ ہونا ظاہر ہے۔ عرب کہتے ہیں فلاں شخص میں کوئی بھلائی نہیں اگر کوئی بھلائی ہے تو یہ ہے کہ وہ محسن کش ہے جو اس کے ساتھ بھلائی کرتا وہ اس کے عوض برائی کرتا ہے۔ گویا یہ دعویٰ مع دلیل ہے کافروں نے جلاوطن کیا اس حق کی بناء پر کہ مسلمان اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور واقع میں یہ خوبی ہے بُرائی نہیں اسے کافروں کو مسلمانوں کے گھر چھین لینے اور جلاوطن کرنے کا حق نہیں پیدا ہو جاتا معلوم ہوا کہ ظلماً جلاوطن کیا۔ یہی بلیغ اسلوب بیان آیت وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا تو ہم سے انتقام نہیں لیتا مگر اس بات کا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں میں ہے ایک شاعر نے کہا ہے۔

وَبَلْدَةٍ لَيْسَ بِهَا اَنِيْسٌ اِلَّا الْيَعَافِيْرُ اِلَّا الْعِيْسُ

اور شہر جس میں سوائے ہرنوں اور خاکی رنگ کے اونٹوں کے اور کوئی انیس نہیں ہے (اور ظاہر ہے کہ ہرنوں اور اونٹوں سے آدمی کی وحشت میں مزید اضافہ ہوتا ہے یہ چیزیں تو وحشت افزا ہیں انس آفریں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ
اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا
تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا
اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ
جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد کرے گا اُسکی جو مدد کریگا اُس کی
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰
بیشک اللہ زبردست ہے زور والا

بقاءِ اصلح کا قانون:

یعنی اگر کسی وقت اور کسی حالت میں بھی ایک جماعت کو دوسری سے لڑنے بھڑنے کی اجازت نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی سخت خلاف ورزی

ہوگی۔ اس نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے جنگ کرتی رہے اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنی حمایت میں لے کر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بددین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات اور یادگاریں ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتے۔ کوئی عبادت گاہ، تکیہ، خانقاہ، مسجد، مدرسہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ بناءعلیہ ضروری ہوا کہ بدی کی طاقتیں خواہ کتنی ہی مجتمع ہو جائیں قدرت کی طرف سے ایک وقت آئے جب نیکی کے مقدس ہاتھوں سے بدی کے حملوں کی مدافعت کرائی جائے۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی خود مدد فرما کر ان کو دشمنانِ حق وصداقت پر غالب کرے بالا شبہ وہ ایسا قوی اور زبردست ہے کہ اس کی اعانت وامداد کے بعد ضعیف سے ضعیف چیز بڑی بڑی طاقتور ہستیوں کو شکست دے سکتی ہے۔ بہرحال اس وقت مسلمانوں کو ظالم کافروں کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی اجازت دینا اسی قانونِ قدرت کے ماتحت تھا۔ اور یہ وہ عام قانون ہے جس کا انکار کوئی عقلمند نہیں کرسکتا۔ اگر مدافعت وحفاظت کا یہ قانون نہ ہوتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نہ عیسائی راہبوں کے صومعے (کوٹھڑے) قائم رہتے نہ نصاریٰ کے گرجے نہ یہود کے عبادت خانے نہ مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہوتا ہے یہ سب عبادت گاہیں گرا کر اور ڈھا کر برابر کر دی جاتیں۔ پس اس عام قانون کے ماتحت کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کو ایک وقت مناسب پر اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور ضحاک نے کہا صوامع سے مراد ہیں تارک الدنیا درویشوں کے عبادت خانے خانقاہیں۔ قتادہ نے کہا صابیوں کے عبادت گھر مراد ہیں۔ بیع بیعۃ کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے گرجا۔ صَلَوٰت یہودیوں کی عبادت گاہیں۔ عبرانی زبان میں یہودیوں کے عبادت خانوں کو صَلَوٰات کہا جاتا تھا۔ مساجد سے مراد ہیں مسلمانوں کی مسجدیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ہر نبی کے دور میں اس کی اُمت کے عبادت خانے ڈھا دیئے جاتے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں صابیوں کے عبادت گھر حضرت عیسیٰ کے زمانے میں عیسائیوں کے گرجے اور صابیوں کے عبادت خانے (اور یہودیوں کے اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بیشک اللہ قوت والا اور) غلبہ والا ہے۔ یعنی ان کو فتح یاب کرنے کی قوت رکھتا ہے اور ایسا غالب ہے کہ اس کے غلبہ کو روکا نہیں جاسکتا۔ یہ سابق وعدہ کی تاکید ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے

خلفائے راشدین کی مقبولیت:

یہ ان ہی مسلمانوں کا بیان ہے، جن پر ظلم ہوئے اور جن کو گھروں سے نکالا گیا یعنی خدا ان کی مدد کیوں نہ کرے گا جب کہ وہ ایسی قوم ہے کہ اگر ہم اسے زمین کی سلطنت دے دیں تب بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ بذاتِ خود بدنی و مالی نیکیوں میں لگے رہیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشینگوئی کی تھی حرف بحرف سچی ہوئی۔ فللّٰه الحمد علی ذٰلک۔ اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً مہاجرین اور ان میں اخص خصوص کے طور پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور مقبولیت ومنقبت ثابت ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں ماوقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین الذین اخرجوا کے مصداقِ صحیح تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو سب سے پہلے زمین کی مکنت و قدرت یعنی حکومت وسلطنت عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق اُن کے اعمال وکردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا بُرے کاموں کا راستہ بند کیا۔

نظامِ خلافت حق تھا:

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاءِ راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظامِ خلافت اُن کے زمانے میں قائم ہوا وہ حق وصحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے (روح المعانی)

یہ تو اس آیت کے شانِ نزول کا واقعاتی پہلو ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظِ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے اُن کا حکم عام ہوتا ہے۔ اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے ضحاکؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک وسلطنت عطا فرما دیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

آیت میں مومنوں کے جن اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف خلفاء راشدین ہی میں موجود تھے۔ گویا یہ دلیل ہے خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کی۔ دوسرے مہاجرین کو کامل اقتدار عطا نہیں کیا گیا اس لئے یہ سب مہاجرین

مفہوم آیت کے مصداق نہ تھے اور معاویہ مہاجر ہی نہ تھے ان کے لئے بھی یہ بشارت نہیں ہوسکتی۔ یہ تفسیری مطلب اس وقت ہوگا جب اور اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا، خلفاء راشدین کی مدد کی عرب کے جباروں عجم کے شہنشاہوں اور روم کے پرجبروت جواروں پر فتح عنایت فرمائی، کافروں کے مالک ان کو عطا فرمادیئے (یہ صلہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے بھی اللہ کے دین کی مدد کی، نمازیں قائم کیں، قانونِ زکوٰۃ نافذ کیا۔ زکوٰۃ دی اور دلوائی خصوصاً حضرت ابوبکر نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف لشکرکشی کی اور کامیاب ہوئے اور ہر طرح کی بُرائی کی بیخکنی بقوتِ ایمانی تبلیغ لسانی اور بزورشمشیر کی۔ (تفسیر عثانی)

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾
اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا

آخرکار اسلام غالب ہوگا:

یعنی گو آج مسلمان کمزور کافر غالب وقوی نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے کہ آخرکار انہیں منصور وغالب کردے۔ یا یہ مطلب کہ یہ امت خدا کا دین قائم کرے گی ایک مدت تک آخر اللہ ہی جانے کیا ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ		
اور اگر تجھ کو جھٹلائیں	تو اُن سے پہلے جھٹلا چکی ہے	نوح کی قوم

وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾		
اور عاد اور ثمود	اور ابراہیم کی قوم	اور لوط کی قوم

وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ	
اور مدین	کے لوگ

جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ (تفسیر عثانی)

وَكُذِّبَ مُوْسٰى
اور موسیٰ کو جھٹلایا

یعنی مصر کے قبطیوں نے۔ (تفسیر عثانی)

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ		
پھر میں نے ڈھیل دی	منکروں کو	پھر پکڑ لیا ان کو

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾	
تو کیسا ہوا	میرا انکار

کافر مہلت پر مغرور نہ ہوں:

یعنی مسلمانوں کے غلبہ ونصرت کے جو وعدے کئے جارہے ہیں کفار اپنی موجودہ کثرت وقوت کو دیکھتے ہوئے ان کی تکذیب نہ کریں، یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ پہلی قوموں نے بھی خدا کی چندروزہ ڈھیل سے دھوکہ کھا کر اپنے پیغمبروں کی جھٹلایا تھا۔ آخر جب پکڑے گئے تو دیکھ لو ان کا حشر کیسا ہوا۔ اور خدا نے اپنے عذاب سے ذرا کر ان کی شرارتوں پر جوانکار فرمایا تھا وہ کس طرح سامنے آگیا۔ آیت میں اسی کی تفصیل ہے۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ		
سو کتنی بستیاں	ہم نے غارت کر ڈالیں	اور وہ گنہگار تھیں

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا	
اب وہ گری پڑی ہیں	اپنی چھتوں پر

پچھلی قوموں کی تباہی:

یعنی بنیادیں ہلنے سے اول چھتیں گر پڑیں پھر دیواریں اوسارا مکان گر کر چھت کے ڈھیر پر آرہا۔ یہ ان کے تہ وبالا ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾			
اور کتنے	کوئیں نکمے پڑے	اور کتنے	محل گچکاری کے

ویرانی:

یعنی کنوئیں جن پر پانی کھینچنے والوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ آج ان میں کوئی ڈول پھانسنے والا نہ رہا۔ اور بڑے بڑے پختہ بلند عالیشان قلعی چونے کے محل ویران کھنڈر بن کر رہ گئے۔ جن میں کوئی بُسنے والا نہیں۔ (تفسیر عثانی)

حضرموت کا شہر:

ابوروق نے ضحاک کے حوالے سے بیان کیا وہ کنواں حضرموت کے ایک شہر میں تھا۔ شہر کا نام حاصورا تھا۔ یہ شہر ان چار ہزار مومنوں نے آباد کیا تھا جو حضرت صالح کے ہم رکاب حضرموت میں آگئے تھے اس حضرموت میں حضرت صالح کی وفات ہوگئی اس لئے اس بستی کو حضرموت کہنے لگے (یعنی حضرت صالح یہاں آئے اور یہیں مرگئے) آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے ایک حصار فصیل قائم کردی یعنی حاصورا کی تعمیر کی اور کنوئیں پر مستقل قیام کرلیا۔ اور اپنے آدمیوں میں ایک شخص کو امیر اور حاکم بنالیا مدت درازتک رہتے رہے نسلیں بڑھیں اور آبادی وسیع ہوگئی۔ آخر کچھ لوگ بگڑ گئے اور بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا۔

حضرت حنظلہ قتل تھے لوگوں کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے آپ نے نصیحت کی، قوم نے نصیحت نہ مانی۔ تکذیب کی اور بازار میں آپ کو قتل کر دیا۔ نتیجہ میں اللہ نے ان کو بھی تباہ کر دیا۔ ان کے محل ویران اور کنویں بیکار پڑے رہ گئے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
کیا سیر نہیں کی ملک کی جو ان کے دل ہوتے جن سے
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا
سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے

کھنڈرات سے عبرت پکڑو:

یعنی ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر کبھی غور و فکر نہ کیا ورنہ ان کو سچی بات کی سمجھ آ جاتی اور کان کھل جاتے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ
سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل
الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾
جو سینوں میں ہیں

دل کا اندھا پن:

یعنی آنکھوں سے دیکھا اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہ ہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ نابینا ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ یعنی ان کی آنکھیں بینائی سے محروم نہیں ہیں کہ اقوام ہالکہ کے فرسودہ آثار قدیمہ سفر کے دوران ان کو دکھائی نہ دیں مگر ان کی نظر عبرت اندوز نہیں ہے۔ آیاتِ توحید کو دیکھتے ہیں اور توحید کا عقیدہ نہیں رکھتے دلائل حق کو سنتے ہیں مگر دماغ میں ان کو جگہ نہیں دیتے۔ وجہ یہ ہے کہ آنکھیں بینا ہونے کے باوجود ان کے دل نابینا ہیں وہ فاقد البصر نہیں۔ فاقد البصیرت ہیں اور دل بھی وہ جو سینوں میں ہیں (یعنی دلوں سے مراد قوتِ مدرکہ نہیں بلکہ وہ دل مراد ہیں جو مرکزِ ایمان ہوتے ہیں جو نورِ توحید کو دیکھتے ہیں)۔

آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ حقیقی نابینائی آنکھ کا اندھا پن نہیں بلکہ کور بصیرت ہونا ہے۔ قتادہ نے کہا آنکھ کی بینائی (مرئی تک) پہنچنے اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی ہے۔

بدترین اندھا پن:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دل کا نابینا ہونا بدترین اندھا پن ہے (رواہ) البیہقی فی الدلائل وابن عساکر عن عقبہ بن عامر الجہنی وابو النصر السنجری فی الابانۃ عن ابی الدرداء اور رواہ الشافعیؒ عن ابن مسعودؓ موقوفاً۔

آیت میں دل کی نابینائی سے مراد ہے، دل کے تمام آلاتِ علم و شعور کا مفقود ہو جانا گویا یوں فرمایا ان کے دلوں کی آنکھیں نابینا اور کان بہرے ہو گئے ہیں۔ (یعنی نابینائی سے صرف نابینائی ہی مراد نہیں جو آنکھوں کا عارضہ ہے بلکہ گوشِ قلب کا بہرا ہو جانا بھی اس میں داخل ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ
اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ
يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ
ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ

جلدی مچانے کی ضرورت نہیں:

یعنی عذاب اپنے وقت پر یقیناً آ کر رہے گا، استہزاء و تکذیب کی راہ سے جلدی مچانا فضول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہوں پر وعید اور نیکیوں پر ثواب کا وعدہ جب پورا ہو کر رہے گا تو پھر گناہوں کی مغفرت کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیاتِ عذاب بعبارتِ قرآن وحدیث و باجماع علماء ناقابلِ مغفرت فرقہ کے ساتھ مخصوص ہیں (یعنی مشرکوں پر عذاب ضرور آئے گا۔ جو شرک پر مر گیا ہو یا اللہ کے علم میں ہو کر شرک پر مرے گا اس کا عذاب میں مبتلا ہونا یقینی ہے اس کو اللہ کی صفت مغفرت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، باقی دوسرے گنہگار تو ان کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی قطعی وعدہ نہیں اس لئے ان کی مغفرت ممکن ہے (ان کی مغفرت سے وعید الٰہی کا کذب لازم نہیں آتا) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ
اور ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾
ہوتا ہے جو تم گنتے ہو

یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں ایک دن کی برابر ہیں جیسے مجرم آج اس کے قبضہ میں ہے ہزار برس گزرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کے قبضہ واقتدار کے نیچے ہے۔ کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ یا یہ مطلب کہ ہزار

برس کا کام وہ ایک دن میں کر سکتا ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت و مصلحت کے موافق ہو۔ کسی کے جلدی مچانے سے وہاں کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ یا یوں کہا جائے کہ اخروی عذاب کا وعدہ ضرور آ کر رہے گا۔ یعنی قیامت آئے گی اور تم کو پوری سزا ملے گی۔ آگے قیامت کے دن کا بیان ہوا کہ وہ ایک دن اپنی شدت و ہول کے لحاظ سے ہزار سال کے برابر ہوگا پھر ایسی مصیبت کو بلانے کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تمہارا ہزار دن اللہ کا ایک دن ہے

عطاء کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ کے پاس کا ایک دن اور تمہارے ایک ہزار سال مہلت دینے میں برابر ہیں کیونکہ اللہ قادر ہے، جب چاہے گا پکڑ لے گا کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہے تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز اللہ کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ عذاب کو فوراً نازل کر دینا اور کچھ مدت مؤخر کر دینا دونوں باتیں اس کی قدرت کے لئے مساوی ہیں۔

اللہ کا علم:

بعض اہلِ علم نے کہا یہ اللہ کے علم کی انتہاء کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا (یعنی قیامت کا دن)

آخرت کا دن:

مجاہد و عکرمہ نے کہا ایام آخرت کا ایک دن (تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا) اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو بشارت ہو کہ قیامت کے دن تم کو نورِ کامل حاصل ہوگا تم جنت کے اندر مالداروں سے آدھا دن پہلے داخل ہوگے اور تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ رواہ احمد ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر فقراء دولت مندوں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے داخل ہوں گے۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

آخرت کا دن ایک ہزار سال ہونے کا مطلب:

آیتِ مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ یعنی آپ کے رب کے پاس ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کی برابر ہوگا، اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن لیا جائے اور اس کا ایک ہزار سال کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن کے ہولناک واقعات اور ہیبتناک حالات کی وجہ سے یہ دن اتنا دراز محسوس ہوگا جیسے ایک ہزار سال خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اشتداد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے بہت سے حضرات مفسرین نے اس کے یہی معنے قرار دیئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ واقع میں عالمِ آخرت کا ایک دن ہمیشہ کے لئے دنیا کے ایک ہزار سال ہی کی برابر ہو بعض روایاتِ حدیث سے اسی معنی کی شہادت ملتی ہے۔ مسند احمد۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فقراء مہاجرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو میں قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دیتا ہوں اور یہ کہ تم اغنیاء اور مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوگا اس لئے فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (رواہ الترمذی وحسنہ۔ مظہری)

خلاصہ تفسیر میں اسی دوسرے معنی کو بلفظ امتداد تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک ہزار سے پچاس ہزار کا اختلاف

ایک ہزار سال سے پچاس ہزار سال تک اختلاف آفاق کے اعتبار سے ہو جس طرح دنیا میں معدل النہار کی حرکت کہیں دولابی ہے کہیں حمائلی کہیں رحوی اور اسی وجہ سے خطِ استواء پر ایک رات دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور عرض تعین (قطب شمالی) پر ایک سال کا اور ان دونوں کے درمیان مختلف مقادیر پر مختلف ہوتا چلا جاتا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ اول شمس کی حرکت جو معدل کے ساتھ ہے بطور خرق عادت و اعجاز اسقدر سست ہو جائے کہ ایک افق پر ایک ہزار سال کا دن ہو اور جو افق اُس سے پچاس حصے ہٹا ہوا ہو اُس پر پچاس ہزار برس کا ہو اور درمیان میں اسی نسبت سے متفاوت ہو، واللہ اعلم (بیان القرآن)

فقراء آدھا دن پہلے جنت میں:

ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے یعنی پانچ سو برس پہلے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے پوچھا آدھے دن کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں تو یہی آیت سُنائی یعنی خدا کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔ ابو داؤد کی کتاب الملاحم کے آخر میں لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور مؤخر رکھے گا۔ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا آدھا دن کتنے عرصہ کا ہو۔ آپ نے فرمایا پانچ سو سال کا ابن عباسؓ اس آیت کو پڑھ کر فرمانے لگے یہ ان دنوں میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا (ابن جریر) (ابن کثیر)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں

ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿٤٨﴾

پھر میں نے اُن کو پکڑا اور میری طرف پھر کر آنا ہے

گذشتہ اقوام نہ بچ سکیں:

یعنی کیا ڈھیل دینے سے وہ کہیں نکل کر بھاگ گئیں، آخر سب کو لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا پڑا اور ہم نے ان کو پکڑ کر تباہ کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

آثار عبرت بے انتہاء ہیں:

امام ابن ابی الدنیا کتاب التفکر والاعتبار میں روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ لوہے کے نعلین پہن کر لوہے کی لکڑی لے کر زمین میں چل پھر کر آثار وعبرت کو دیکھ وہ ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ تیری لوہے کی جوتیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور لوہے کی لکڑی بھی ٹوٹ پھوٹ جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿٤٩﴾

تو کہہ اے لوگو میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر

پیغمبر کا کام عذاب لانا نہیں:

یعنی میرا کام آگاہ وہشیار کر دینا ہے۔ عذاب کا لے آنا میرے قبضہ میں نہیں خدا ہی کے قبضہ میں ہے کہ سب مطیع وعاصی کا فیصلہ کرے اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جگہ پر پہنچائے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جو (پیام) مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی قوم کو آ کر (متنبہ کیا اور) کہا میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کے) لشکر کو (پہاڑ کے اس طرف) دیکھا ہے اور میں تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں پس جلدی کرو۔ جلدی کرو۔ (اور بھاگو بھاگو) کچھ لوگوں نے اطلاع دینے والے کی بات مان لی اور رات سے ہی چل دیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر روانہ ہو گئے اور بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس کے کہے کو سچا نہ جانا اور صبح تک وہ اپنی جگہ پر رہے نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو (دشمن کے) لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو غارت کر دیا اور ان کی جڑ اکھاڑ کر رکھ دی۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میرا کہا مانا اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر چلے اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی انہوں نے تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

سو جو لوگ یقین لائے اور کیں بھلائیاں اُن کے

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿٥٠﴾

گناہ بخش دیتے ہیں اور ان کو روزی ہے عزت کی

جنت کی نعمتیں:

یعنی جنت میں میوے پھل اور عمدہ عمدہ الوان نعمت اور حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام ان (گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے جو پہلے کیے ہوئے ہوتے ہیں رواہ مسلم عن عمرو بن العاص۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ

اور جو دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہی ہیں

اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿٥١﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

دوزخ کے رہنے والے اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ

یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اُسکے خیال میں

فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ

پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر پکی کر دیتا ہے

اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿٥٢﴾

اپنی باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا

وحی میں تفاوت نہیں ہوسکتا:

آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اپنے پیشرو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی روش اختیار فرمائی ہے جس کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں نبی کو ایک حکم (یا ایک خبر) اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ اس میں ہرگز ذرہ بھر تفاوت نہیں ہوسکتا۔ اور ایک اپنے دل کا خیال اور رائے کا اجتہاد ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے کبھی نہیں۔ جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے کہ آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خیال میں آیا کہ شاید امسال ایسا ہوگا (چنانچہ عمرہ کی نیت سے سفر شروع کیا۔ لیکن درمیان میں احرام کھولنا پڑا، اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی یا وعدہ ہوا کہ کافروں پر غلبہ ہوگا۔ خیال آیا کہ

اب کی لڑائی میں اس میں نہ ہوا بعد کو ہوا، پھر اللہ جتلا دیتا ہے کہ جتنا حکم یا وعدہ تھا اُس میں سر مو تفاوت نہیں۔ ہاں نبی کے ذاتی خیال و اجتہاد میں تفاوت ہو سکتا ہے۔ گو نبی اصل پیشینگوئی کے ساتھ ملا کر اپنے ذاتی خیال کی اشاعت نہیں کرتا بلکہ دونوں کو الگ رکھتا ہے۔ باقی اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہو گی جیسے وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ میں انساء کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

شیطان کی وسوسہ اندازی

احقر کے نزدیک بہترین اور سہل ترین تفسیر وہ ہے جس کی مختصر اصل سلف سے منقول ہے یعنی تمنی کو بمعنی قراءت و تلاوت یا تحدیث کے اور امنیت کو بمعنی متلو یا حدیث کے لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی نبی یا رسول کوئی بات بیان کرتا یا اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ شیطان اس بیان کی ہوئی بات یا آیت میں طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے۔ یعنی بعض باتوں کے متعلق بہت لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً نبی نے آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ پڑھ کر سنائی شیطان نے شبہ ڈالا کہ دیکھو اپنا مارا ہوا تو حلال اور اللہ کا مارا ہوا حرام کہتے ہیں۔ یا آپ نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ پڑھا۔ اس نے شبہ ڈالا کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں حضرت مسیح و عزیر اور ملائکۃ اللہ بھی شامل ہیں۔ یا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق پڑھا وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ شیطان نے سمجھایا کہ اس سے حضرت مسیح کی ابنیت والوہیت ثابت ہوتی ہے۔ اس القاء شیطانی کے ابطال ورد میں پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وہ آیات سناتے ہیں جو بالکل صاف اور محکم ہوں اور ایسی پکی باتیں بتلاتے ہیں جن کو سن کر شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہے۔ گویا متشابہات کی ظاہری سطح کو لے کر شیطان جو اغواء کرتا ہے آیات محکمات اس کی جڑ کاٹ دیتی ہیں جنہیں سن کر تمام شکوک و شبہات ایک دم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہ دو قسم کی آیتیں کیوں اتاری جاتی ہیں؟ شیاطین کو اتنی وسوسہ اندازی اور تصرف کا موقع کیوں دیا جاتا ہے؟ اور آیات کا جو احکام بعد کو کیا جاتا ہے ابتداء ہی سے کیوں نہیں کر دیا تھا؟ یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم و حکمت سے ناشی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو علماً و عملاً دار امتحان بنایا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کارروائی میں بندوں کی جانچ ہے کہ کون شخص اپنے دل کی بیماری یا سختی کی وجہ سے پادر ہوا شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور کون سمجھدار آدمی اپنے علم و تحقیق کی قوت سے ایمان و اخبات کے مقام بلند پر پہنچ کر دم لیتا ہے سچ تو یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی اور ایمانداری سے سمجھنا چاہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرما کر اس کو سیدھی راہ پر قائم فرما دیتے ہیں۔ رہے منکرین و مشککین ان کو قیامت تک اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ہماری اس تقریر میں دور تک کئی آیتوں کا مطلب بیان ہو گیا۔ سمجھدار آدمی اس کے اجزاء کو آیات کے اجزاء پر بے تکلف منطبق کر سکتا ہے یہ آیات جیسا کہ ہم نے سورۂ آلِ عمران کے شروع میں بیان کیا تھا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ الخ سے بہت مشابہ ہیں چنانچہ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ میں متشابہات کا اور ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ میں محکمات کا ذکر ہوا اور لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً میں زائغین کی دو قسمیں مذکور ہوئیں جن میں لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کا کام ابتغاء تاویل اور الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ کی غرض ابتغاء فتنہ ہے۔ آگے وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کو آیۃ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ الخ کی جگہ سمجھو اور وہاں جو دعا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا سے کی تھی یہاں اس کی اجابت کا ذکر وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ میں کیا گیا ہے اور رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ کے مناسب وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ الٰی قولہ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ہوئی

(تنبیہ) آیت حاضرہ کے تحت میں مفسرین نے جو قصہ غرانیق کا ذکر کیا ہے اس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔ شاید سورۂ نجم میں کچھ لکھنے کی نوبت آئے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بہت بسط سے اس پر کلام کیا ہے۔ بہرحال آیت کا مطلب سلف کی تفسیر کے موافق بالکل صاف ہے گویا یہ تفصیل اس کی ہوئی جو اوپر وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ میں ابطال آیات اللہ کی سعی کی ذکر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حق ہی نکلتا ہے:

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں سو تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذاتِ مبارک کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبانِ مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔

نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطن لایتمثل بی یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے، پس جب شیطان عام مؤمنین کے لئے بشکل نبی متمثل اور متشکل نہیں ہو سکتا تا کہ اہلِ ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بشکلِ جبریل متمثل اور متشکل ہونا بدرجۂ اولیٰ محال اور ناممکن ہوگا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۶۸ ج ۱۸۔ (معارف کاندھلوی)

نبی اور رسول کی تعریف:

مشہور اور واضح یہ ہے کہ نبی تو اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت قوم کی اصلاح کے لئے عطا ہوا ہو اور اُس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو خواہ اُس کو کوئی مستقل کتاب اور شریعت دی جائے یا کسی پہلے نبی ہی کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کے لئے مامور ہو۔ پہلے کی مثال حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور خاتم الانبیاء علیہم السلام کی ہے اور دوسرے کی مثال حضرت ہارون علیہ السلام کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات اور انہی کی شریعت کی تبلیغ و تعلیم کے لئے مامور تھے۔ اور رسول وہ ہے جس کو مستقل شریعت اور کتاب ملی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، یہ تقسیم انسانوں کے لئے ہے۔ فرشتہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لیکر آتا ہے اس کو رسول کہنا اسکے منافی نہیں۔ اس کی تفصیل سورۂ مریم میں آ چکی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ رسول وہ ہے جس کو نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے اور نبی کا لفظ عام ہے۔ رسول بھی نبی ہوتا ہے اور وہ شخص نبی ہوتا ہے جس کو سابق شریعت کی دعوت دینے اور اس کی تائید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو جیسے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان اسرائیلی انبیاء تھے اس قول پر ہر رسول کا تو نبی ہونا لازم ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

انبیاء ورسول کی تعداد:

حضرت ابوذر کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلا نبی کون سا ہوا۔ فرمایا، آدمؑ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آدم نبی بھی تھے فرمایا ہاں وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرسل کتنے ہوئے فرمایا ایک بڑی جماعت تین سو اور کچھ اوپر دس۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی پوری گنتی کتنی ہوئی۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ایک بڑی جماعت اُن میں تین سو پندرہ رسول ہوئے۔ رواہ احمد وابن راہویہ فی مسند بہما وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک۔

میں کہتا ہوں معاجزین کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے رسول کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور وہ جہنم میں (زور کرکے) گھسے جاتے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی جب آگ خوب روشن ہوگئی اور گرد و پیش میں روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اُس میں گرنے لگے وہ شخص پتنگوں اور کیڑوں کو آگ میں گرنے سے روکتا رہا مگر پتنگے اس پر غالب آئے اور آگ میں گھسنے لگے میں بھی اسی طرح تم کو کمر پکڑ پکڑ کر دوزخ میں گھسنے سے روک رہا ہوں اور تم اس کے اندر گھسے پڑتے ہو۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ایک شاعر نے کہا:

تَمَنّٰی کِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَیْلَةٍ وَاٰخِرَهَا لَاقٰی حِمَامَ الْمَقَادِرِ

شروع رات میں آپ نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور آخر رات میں موتِ مقدرہ سے ملاقات کی۔ (تفسیر مظہری)

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ

اس واسطے کہ جو کچھ شیطان نے ملایا اس سے جانچے اُن کو کہ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

جن کے دل میں روگ ہیں اور جن کے دل سخت ہیں اور گنہگار

لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

تو ہیں مخالفت میں دور جا پڑے اور اس واسطے کہ معلوم کرلیں وہ لوگ جن کو سمجھ ملی ہے

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ

کہ یہ تحقیق ہے تیرے رب کی طرف سے پھر اُس پر یقین لائیں

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اور نرم ہو جائیں اسکے آگے ان کے دل اور اللہ سمجھانے والا ہے یقین لانے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

والوں کو راہ سیدھی

موضح القرآن میں ہے۔ یعنی اس میں گمراہ بہکتے ہیں سوان کا کام ہے بہکنا، اور ایمان والے اور زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کہ اس کلام میں بندہ کا دخل نہیں۔ اگر ہوتا تو یہ بھی بندہ کے خیال کی طرح کبھی صحیح کبھی غلط نکلتا۔ اور جس کی نیت اعتقاد پر ہو۔ اللہ اس کو یہ بات سمجھاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ فائدہ اپنے مذاق کے موافق لکھا ہے ہمارا جو خیال ہے اس کی تقریر گزشتہ فائدہ میں گزر چکی واللہ اعلم۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ

اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا

حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ

جب تک کہ آ پہنچے اُن پر قیامت بیخبری میں یا آ پہنچے اُن پر

عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾

آفت ایسے دن کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی

اچانک عذاب:

یعنی نفسِ قیامت کا ہولناک حادثہ اچانک آ پہنچے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب سامنے آ جائے۔ اور ممکن ہے عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ سے دنیا کا عذاب مراد ہو۔ یعنی دنیا ہی میں سزا مل جائے جس سے کوئی رستگاری کی شکل نہیں۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

راج اُس دن اللہ کا ہے اُن میں فیصلہ کرے گا

سب کے فیصلے کا دن:

یعنی قیامت کے دن اکیلے خدا کی بادشاہت کام کرے گی۔ کسی کی ظاہری و مجازی حکومت برائے نام بھی باقی نہ رہے گی۔ اس وقت سب دنیا کا بیک وقت عملی فیصلہ ہو جائے گا۔ جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ

سو جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں

النَّعِيمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

میں ہیں اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں

فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا

سو اُن کے لئے ہے ذلت کا عذاب اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا

اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۵۸﴾

اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا

لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ

البتہ پہنچائے گا اُن کو ایک جگہ جس کو پسند کریں گے

وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۵۹﴾

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے تحمل والا

خواص مؤمنین:

مؤمنین کا انجام پہلے بتلایا تھا یہاں ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتیں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی۔ کھانا پینا، رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستہ میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے۔ ایسے مہاجرین و مجاہدین کی فروگزاشتوں پر حق تعالیٰ تحمل کرے گا۔ اور شانِ عفو سے کام لے گا یا علیم و حلیم کی صفات اس غرض سے ذکر کیں کہ اللہ سب کو جانتا ہے ان کو بھی جنہوں نے ایسے مخلص بندوں کو تکلیفیں دے کر گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن اپنی بردباری کی وجہ سے فوراً سزا نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی رحمت و فضل اصل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کے اعمال بھی (موجب نجات نہ ہوں گے) فرمایا، نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نجات ہوں گا مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی آئی کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، سیدھی چال چلتے رہو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے فرمایا، اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ مسلم میں حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث

ہے امام احمد نے حضرت ابوسعید کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن ابی موسیٰ، شریک بن طارق، اسامہ بن شریک اور اسد بن کرز کی روایات سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

ہناد نے الزہد میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم لوگ عفو الٰہی کی وجہ سے پل صراط سے پار ہو گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو گے اور اپنے (اپنے) اعمال کی وجہ سے مرتبے پاؤ گے۔ ابونعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ اثر نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہید فی سبیل اللہ:

شرجیل بن سمطؒ فرماتے ہیں کہ روم کے ایک قلعہ کے محاصرے پر ہمیں مدت گزر گئی اتفاق سے حضرت سلمان فارسیؓ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص راہ خدا کی تیاری میں مرجائے تو اس کا اجر اور رزق برابر خدا کی طرف سے ہمیشہ اس پر جاری رہتا ہے اور وہ فتنے میں ڈالنے والوں سے محفوظ رہتا ہے اگر تم چاہو تو آیت وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا الخ پڑھ لو۔ حضرت ابوقبیل اور ربیعہ بن سیف معافریؒ کہتے ہیں ہم رودس کے جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت فضالہ بن عبیدؓ بھی تھے دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں ایک شہید تھا دوسرا اپنی موت مرا تھا لوگ شہید کے جنازے پر جھک پڑے۔

حضرت فضالہؓ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت یہ شہید ہیں اور یہ دوسرے شہادت سے محروم ہیں آپ نے فرمایا واللہ مجھے تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ اس کی قبر میں سے اٹھوں خواہ اس کی سنو کتاب اللہ میں ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ مرے ہوئے کی قبر پر ہی ٹھیرے رہے اور فرمایا تمہیں اور کیا چاہیئے جنت میں جگہ اور روزی عمدہ اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت امیر تھے۔ یہ آخری آیت صحابہؓ کے اس چھوٹے سے لشکر کے بارے میں اُتری ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود ان کے رُک جانے کے حرمت کے مہینے میں لڑائی کی خدا نے مسلمانوں کی امداد فرمائی اور مخالفین کو نیچا دکھایا اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ
یہ سن چکی اور جس نے بدلہ لیا جیسا کہ اُس کو دکھ دیا تھا پھر
بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ
اُس پر کوئی زیادتی کرے تو البتہ اس کی مدد کرے گا اللہ

مظلوم کی مدد: یعنی مظلوم اگر ظالم سے واجبی بدلہ لے لے۔ پھر از سرنو ظالم اس پر زیادتی کرے، تو وہ پھر مظلوم ٹھہر گیا۔ حق تعالیٰ پھر مدد کرے گا جیسا کہ اس کی عادت ہے کہ مظلوم کی آخر حمایت کرتا ہے۔ وَاتَّقِ دَعْوَةَ لِلظَّلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔

بترس از آهِ مظلوماں که هنگامِ دعا کردن
اجابت از درِحق بهر استقبال می آید
(تفسیر عثمانی)

بدلہ ظلم کے برابر ہو:

اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچائے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کی تکلیف پہنچائی گئی تھی اور پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ اس شخص کی ضرور مدد کرے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا کثیر المغفرت ہے۔ یعنی ظالم سے اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس نے ظلم کیا ہے پھر دوبارہ اس پر ظلم کیا جائے تو اللہ یقیناً اس مظلوم کی مدد کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰
بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے

معاف کرنا بہتر ہے:

یعنی بندوں کو بھی چاہیے کہ اپنے ذاتی اور معاشری معاملات میں عفو و درگزر کی عادت سیکھیں۔ ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی واجبی بدلہ لینے والے کو خدا عذاب نہیں کرتا اگرچہ بدلہ نہ لینا بہتر تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں نے بدلہ لیا کافروں کی ایذا کا۔ پھر کافر احد و احزاب میں زیادتی کرنے کو آئے۔ پھر اللہ نے پوری مدد کی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے درگزر کرنے اور صبر کرنیکو اس کیلئے زیادہ مناسب اور اولیٰ قرار دیا تھا۔ اللہ نے فرمادیا تھا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بلاشبہ بڑے عالی حوصلگی کا کام ہے) اور اس نے انتقام لے کر خلاف اولیٰ کیا یہ ایک طرح کی غلط روی ہے اس کو اللہ معاف فرماوے گا وہ بڑا معاف کرنے والا ہے آیت میں معاف کردینے کی ترغیب ہے اللہ باوجود قادر مطلق ہونے کے جب معاف فرمادیتا ہے تو جس بندے کی حق تلفی کی گئی ہو اور اس میں انتقال لینے کی قدرت بھی پوری پوری نہیں ہے اس لئے اس کو بدرجہ اولیٰ معاف کردینا چاہیئے۔ لفظ عَفُوٌّ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سزا دینے پر قادر ہے عَفُوٌّ کہتے ہی ہیں اس کو جس میں سزا دینے کی قدرت ہو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
یہ اس واسطے کہ اللہ لے لیتا ہے رات کو دن میں
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ
اور دن کو رات میں

قدرتِ خداوندی کی دلیل:

یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا الٹ پلٹ کرنا اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب و مسلط کر دے۔ پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرما دیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾
اور اللہ　سنتا　دیکھتا ہے

یعنی مظلوم کی فریاد سنتا اور ظالم کی کرتوت دیکھتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
یہ　اس واسطے　کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے
دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾
سوائے وہی ہے غلط　اور اللہ وہی ہے　سب سے اوپر　بڑا

حقیقی معبود فقط اللہ ہے:

یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صحیح اور سچا خدا تو وہ ہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پاکھنڈ پھیلائے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہیے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شانِ بالا تفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَقُّ یعنی موجود بنفسہٖ اور تنہا واجب لذاتہٖ ہے اس کے واجب الوجود اور واحد ولاشریک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کا سرچشمہ وجود ہو، ہر ایک ہستی اسی کی عطا کردہ ہو وہ عالم بالذات بھی ہو اور دوسری ہر چیز کا عالم ہو۔ اور تمام صفاتِ کمالیہ اس کی ذات میں موجود ہوں کیونکہ جب تک اس کی قدرت کاملہ علم ہمہ گیر اور سماعت و بصارت محیط کل نہ ہو وہ مستحقِ الوہیت نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
تو نے نہیں دیکھا　کہ اللہ　نے　اتارا　آسمان　سے　پانی
فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً
پھر　زمین ہو جاتی ہے　سرسبز

اسی طرح کفر کی خشک و ویران زمین کو اسلام کی بارش سے سرسبز و شاداب بنادے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾
بیشک اللہ جانتا ہے　چھپی تدبیریں خبردار ہے

اللہ تعالیٰ مُدَبّر ہے:

وہ ہی جانتا ہے کہ کس طرح بارش کے پانی سے سبزہ اگ آتا ہے قدرت اندر ہی اندر ایسی تدبیر و تصرف کرتی ہے کہ خشک زمین پانی وغیرہ کے اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے سرسبز و شاداب ہو جائے۔ اسی طرح وہ اپنی مہربانی لطیف تدبیر و تربیت اور کمال خبرداری و آگاہی سے قلوب بنی آدم کو فیوض اسلام کا مینہ برسا کر سرسبز و شاداب بنادے گا۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
اُسی کا ہے　جو کچھ ہے آسمان　اور　زمین میں
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾
اور　اللہ وہی ہے　بے پروا　تعریفوں　والا

ہر چیز اللہ کی مملوک ہے:

یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزیں جب اسی کی مملوک و مخلوق ہیں اور سب کو اس کی احتیاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں تو ان میں جس طرح چاہے تصرف اور ادل بدل کرے، کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ البتہ باوجود غنائے تام اور اقتدار کامل کے کرتا وہ ہی ہے جو سراپا حکمت و مصلحت ہو۔ اس کے تمام افعال محمود ہیں اور اس کی ذات تمام خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ کی جامع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (یعنی وہی سب کا خالق اور مالک اور حاکم ہے) اور بلا شبہ اللہ (اپنی ذات میں) ہر چیز سے بے نیاز ہے اور مستحقِ ستائش ہے۔ یعنی اس کی صفات و افعال مستحقِ ستائش ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بذات خود محمود ہے خواہ حمد کرنے والا اس کی ذات کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے　جو کچھ ہے زمین میں
وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ
اور کشتی کو جو چلتی ہے دریا میں اس کے　حکم سے　اور تھام رکھتا ہے آسمان

اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

کہ اس سے کہ گر پڑے زمین پر مگر اس کے حکم سے

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے

ہر چیز تمہارے لئے اللہ نے مسخر کردی:

یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پرواتھی محض شفقت و مہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے قابو میں کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضائے ہوائی میں بدون کسی ظاہری کھمبے یا ستون کے تھام رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک اس کا حکم نہ ہو یہ کرات یوں ہی اپنی جگہ قائم رہیں گے مجال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کا استثناء محض اثبات قدرت کی تاکید کے لئے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ یعنی زمین کی سب چیزوں کو انسان کا مسخر بنا دیا۔ مسخر بنانے کے ظاہری اور عام معنے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ اس کے حکم کے تابع چلے۔ اس معنے کے لحاظ سے یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ زمین کے پہاڑ اور دریا اور درندے پرندے اور ہزاروں چیزیں انسان کے حکم کے تابع تو نہیں چلتے مگر کسی چیز کو کسی شخص کی خدمت میں لگا دینا جو ہر وقت یہ خدمت انجام دیتی رہے یہ بھی درحقیقت اس کے لئے تسخیر ہی ہے۔ اگرچہ وہ اس کے حکم سے نہیں بلکہ مالک حقیقی کے حکم سے یہ خدمت انجام دے رہی ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ تسخیر کا کام میں لگا دینے سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ ان سب چیزوں کو انسان کا تابع حکم بھی بنا دیتے مگر اس کا نتیجہ خود انسان کے حق میں مضر پڑتا، کیونکہ انسانوں کی طبائع، خواہشات اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں ایک انسان دریا کو اپنا رخ دوسری طرف موڑنے کا حکم دیتا اور دوسرا اس کے خلاف تو انجام بجز فساد کے کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ان سب چیزوں کو تابع حکم تو اپنا ہی رکھا مگر تسخیر کا جو اصل فائدہ تھا وہ انسان کو پہنچا دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فلکی اجسام اللہ نے تھام رکھے ہیں:

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فلکی اجسام بھی ارضی اجسام کی طرح بالطبع نیچے گرنے کی طرف مائل ہیں مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو تھام رکھا ہے۔ بیضاوی نے تھام رکھنے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ نے آسمانوں کی نوعی صورتیں ہی ایسی رکھی ہیں جو اوپر ہی رکھی رہنے کی خواستگار ہیں۔

قیامت کے دن گرنے کی اجازت ہوگی:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ زمین پر آسمانوں کے گرنے کی اجازت قیامت کے دن ہوگی۔ میں کہتا ہوں قیامت کے دن آسمانوں کا زمین پر گرنا تو کہیں ثابت نہیں ہاں پھٹنا اور شگافتہ ہونا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح ہونا اور کاغذ کی طرح لپیٹ دیا جانا تو ضرور آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

اور اسی نے تم کو جلایا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا

روحانی زندگی: اسی طرح کفر و جہل سے جو قوم روحانی موت مر چکی تھی ایمان و معرفت کی روح سے اس کو زندہ کر دے گا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ

بیشک انسان ناشکرا ہے

انسان کی ناشکری: یعنی اتنے احسانات و انعامات دیکھ کر بھی اس کا حق نہیں مانتا منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ

ہر امت کیلئے ہم نے مقرر کردی ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں بندگی سو چاہیے تجھ سے جھگڑا نہ کریں

فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى

اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بے شک تو ہے سیدھی راہ پر

مُّسْتَقِيْمٍ وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ

سوجھ والا اور اگر تجھ سے جھگڑنے لگیں تو تو کہہ اللہ بہتر جانتا ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو تم کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے گا تم میں قیامت کے دن

فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

جس چیز میں تمہاری راہ جدا جدا تھی

ہر امت کی شریعت الگ رہی ہے:

تمام انبیاء اصول دین میں متفق رہے ہیں۔ البتہ ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں جن کے موافق وہ امتیں خدا کی عبادت بجالاتی رہیں۔ اس امت محمدیہ کے لئے بھی

ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔ اس لئے توحید وغیرہ کے ان متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال زیبا نہیں۔ جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروانہ کریں۔ آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیئے۔ اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدائے واحد کے سپرد کیجئے وہ خود ان کی تمام حرکات سے خوب واقف ہے قیامت کے دن ان کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کر دے گا آپ دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کر کے ان کی فکر میں زیادہ دردسری نہ اٹھائیں۔ ایسے ضدی معاندین کا علاج خدا کے پاس ہے (تنبیہ) فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جداگانہ دستور العمل مقرر کیا ہے پھر اس پیغمبر کی امت کے لئے نئی شریعت آئی تو جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ بعض مفسرین نے منسک کے معنی ذبح وقربانی کے لئے ہیں۔ مگر اقرب وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بعض مشرکوں کا اعتراض:

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بدیل بن ورقاء یزید بن خنیس اور بشر بن سفیان کے متعلق ہوا ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل (ذبح) کرتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جس کو خدا براہ راست مار دیتا ہے اس کو نہیں کھاتے (اس کو مردار سمجھتے ہو)

قیامت میں فیصلہ ہو جائے گا:

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کرے گا۔ یعنی مومنوں اور کافروں کا فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ حق وباطل کا اس روز فیصلہ ہو جائے گا۔ مومنوں کو ثواب ملے گا اور کافروں پر عذاب ہوگا (یہ عملی فیصلہ ہوگا) یوں فیصلہ تو دلائل اور براہین کے ساتھ دنیا میں بھی کردیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ
کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان

وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
اور زمین میں یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں یہ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۷۰)
آسان ہے

اعمال کا حساب اللہ کیلئے آسان ہے

یعنی کچھ ان کے اعمال پر منحصر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے اور بعض مصالح اور حکمتوں کی بناء پر اسی علم کے موافق تمام واقعات لوح محفوظ میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمالناموں میں لکھ بھی دیئے گئے ہیں۔ اسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہوگا۔ اور اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اسی کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا۔ ان میں سے کوئی بات اللہ کے ہاں مشکل نہیں۔ جس میں کچھ تکلیف یا دقت اٹھانی پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

(یعنی آپ ضرور جانتے ہیں) کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ آسمان وزمین میں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اللہ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا (پس ان مشرکوں کے ہر کردار وگفتار واطوار کا اندراج بھی لوح محفوظ میں موجود ہے اس لئے آپ ان کے کردار اور خصومتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ اللہ اس سب سے واقف ہے اور یہ سارے امور علم خداوندی میں محفوظ ہیں اور یہ علمی احاطہ یا لوح محفوظ میں درج کرنا یا قیامت کے دن جزا وسزا کا فیصلہ کرنا اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہمہ گیر علم تقاضہ ذاتی ہے اس لئے (گزشتہ ہوں یا آئندہ) تمام معلومات کی نسبت اس کی طرف برابر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے اُس چیز کو جس کی سند نہیں اتاری

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ
اُس نے اور جس کی خبر نہیں اُن کو

اندھی تقلید:

محض باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں ایسا کرتے ہیں کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہیں رکھتے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (۷۱)
اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار

مشرک کا کوئی مددگار نہ ہوگا:

سب سے بڑا ظلم اور بے انصافی یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ سو ایسے ظالم اور بے انصاف لوگ خوب یاد رکھیں کہ ان کے شرکاء مصیبت پڑنے پر کچھ کام نہ آئیں گے نہ اور کوئی اس وقت مدد کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ
اور جب سنائے اُن کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو

فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ یَکَادُوْنَ
منکروں کے منہ کی بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں

یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ
کہ حملہ کر پڑیں ان پر جو پڑھتے ہیں ان کے پاس ہماری آیتیں

مشرکین پر قرآن کی ناگواری:

یعنی قرآن کی آیتیں جو توحید وغیرہ کے صاف بیانات پر مشتمل ہیں سن کر کفار و مشرکین کے چہرے بگڑ جاتے اور مارے ناخوشی کے تیوریاں بدل جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ شدت غیظ وغضب سے پاگل ہو کر چاہتے ہیں کہ آیات سنانے والوں پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ بعض اوقات کر بھی گزرتے ہیں۔

قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا
تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر وہ آگ ہے اس کا وعدہ

اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾
کر دیا ہے اللہ نے منکروں کو اور وہ بہت بُری ہے پھر جانے کی جگہ

تمہیں تو دوزخ میں جانا ہے:

یعنی تمہارے اس غیظ و غضب اور ناگواری سے بڑھ کر جو آیات اللہ کے پڑھے جانے پر پیدا ہوتی ہے، ایک سخت بُری ناگوار چیز اور ہے۔ جس پر کسی طرح صبر ہی نہ کر سکو گے۔ وہ دوزخ کی آگ جس کا وعدہ کافروں سے کیا جا چکا ہے۔ دونوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لو کہ کون سا تلخ گھونٹ پینا تم کو نسبۃً آسان ہوگا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ
اے لوگو ایک مثل کہی ہے سو اُس پر کان رکھو

یہ توحید کے مقابلہ میں شرک کی شناعت و قبح ظاہر کرنے کے لئے مثال بیان فرمائی جسے کان لگا کر سننا اور غور و فکر سے سمجھنا چاہئے تا ایسی رکیک و ذلیل حرکت سے باز رہو۔ (تفسیر عثمانی)

شرک کی احمقانہ حرکت کی ایک مثال:

ضُرِبَ مَثَلٌ، ضرب مثل کا لفظ عام طور پر جو کسی خاص قصہ کی تمثیل کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں ضرب مثل سے یہ صورت مراد نہیں بلکہ شرک و بت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے بیان کرنا ہے کہ یہ بت جن کو تم لوگ اپنا کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بے کس بے بس ہیں کہ سب ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روزان کے سامنے مٹھائی اور پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں رکھتے ہو اور مکھیاں اُس کو کھا جاتی ہیں۔ ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی جہالت اور بیوقوفی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ یعنی جس کا معبود ہی ایسا بے بس ہو اس کا عابد اُس سے بھی زیادہ کمزور ہوگا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ یعنی کیسے بے وقوف احسان فراموش ہیں ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ پہچانی کہ ایسے عظیم الشان قدرت والے کے ساتھ ایسے بے بس بے شعور پتھروں کو برابر کر دیا۔ واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ یعنی اس مثال کو کان لگا کر اور غور کے ساتھ سنو۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری مثل دوسروں کو قرار دیا گیا ہے، یعنی کافروں نے استحقاق عبادت میں اللہ کی طرح دوسروں کو قرار دے رکھا ہے۔ اللہ مستحق عبادت ہے انہوں نے بتوں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ سو ان کی حالت سنو اور خود فیصلہ کرو کہ اللہ کی مثل کسی کو قرار دینا کیا جائز ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ
جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز

یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ
نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے

الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ
ان سے مکھی چھڑا نہ سکیں وہ اُس سے بودا ہے

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾
چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے

بتوں کی ضعیفی:

یعنی مکھی بہت ہی ادنیٰ اور حقیر جانور ہے جن چیزوں میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ سب مل کر ایک مکھی پیدا کر دیں یا مکھی ان کے چڑھاوے وغیرہ میں سے کوئی چیز لے جائے تو اس سے واپس لے سکیں ان کو خالق السمٰوٰت والا رضین کے ساتھ معبودیت اور خدائی کی کرسی پر بٹھا دینا کس قدر بے حیائی حماقت اور شرمناک گستاخی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مکھی بھی کمزور مکھی سے زیادہ ان کے بت کمزور اور بتوں سے بڑھ کر ان کا پوجنے والا کمزور ہے جس نے ایسی حقیر اور کمزور چیز کو اپنا معبود حاجت کا بنا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگر چہ وہ سب بُت مل کر ایک مکھی کو پیدا کرنے کے لئے جمع ہو جائیں۔ مقصود یہ کہ وہ سب مل کر بھی تخلیق ذباب پر قادر نہیں ہو سکتے۔ انفرادی طور پر قادر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔ مشرکین بتوں پر زعفران کا لیپ کرتے تھے اور ان کے سامنے کھانا رکھتے تھے مکھیاں کھانے پر گرتی تھیں اور اس میں سے کچھ لے اُڑتی تھیں، مگر بُت ان سے چھین نہ سکتے تھے اسی مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے یہ دونوں حالتیں بیان کر کے کافروں کا انتہائی جہالت کا اظہار کیا ہے۔ اول تو یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ جس کے قبضہ میں ساری کائنات ہے اور وہ سب کا خالق و موجد ہے اس کے ساتھ مشرک ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو حقیر ترین اور ذلیل مخلوق کو پیدا کرنے کی نہ اجتماعی قوت رکھتے ہیں نہ انفرادی! دوئم یہ کہ وہ چیزیں جن کو معبود قرار دیا گیا ہے اتنی بے بس اور عاجز ہیں کہ حقیر ترین مخلوق بھی اگر ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ چھڑا نہیں سکتیں اور اپنی طرف سے اس کا دفاع بھی نہیں کر سکتیں۔

طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں:

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، طالب سے مراد ہے مکھی جو اس چیز کی طلبگار ہوتی ہے جس کو وہ بُت سے چھینتی ہے اور مطلوب سے مراد ہے بُت جس سے مٹھائی وغیرہ مکھی طلب کرتی ہے۔ طالب کمزور ہے اور مطلوب بالکل ہی بے بس۔ (تفسیر مظہری)

سب سے بڑا ظالم

مسند احمد کی حدیثِ قدسی میں فرمانِ خدا ہے اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کسی کو بنانا چاہتا ہے اگر واقعہ میں کسی کو یہ قدرت حاصل ہے تو ایک ذرہ یا ایک مکھی یا ایک دانہ اناج کا ہی خود بنا دیں۔ صحیحین میں الفاظ یوں ہیں کہ وہ ایک ذرہ یا ایک جَو ہی بنا دیں۔ اچھا اور بھی ان کے معبودانِ باطل کی کمزوری اور ناتوانی سُنو! کہ یہ ایک مکھی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے وہ ان کا حق ان کی چیز ان سے چھینے چلی جا رہی ہے یہ بے بس ہیں یہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ اس سے اپنی چیز ہی واپس لے لیں۔ بھلا مکھی جیسی حقیر اور کمزور مخلوق سے بھی جو اپنا حق نہ لے سکے اس سے بھی زیادہ کمزور بودا ضعیف ناتواں بے بس اور گرا پڑا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے بیشک اللہ

لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

زور آور ہے زبردست

اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی:

سمجھتے تو ایسی گستاخی کیوں کرتے۔ کیا اللہ کی شان رفیع اور قدر و منزلت اتنی ہے کہ ایسی کمزور چیزوں کو اس کا ہمسر بنا دیا جائے؟ (العیاذ باللہ) اس کی قوت و عزت کے سامنے تو بڑے بڑے مقرب فرشتے اور پیغمبر بھی مجبور و بے بس ہیں۔ آگے ان کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کا اندازہ ویسا نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے تھا بیشک اللہ بڑی قوت والا (اور سب پر) غالب ہے یعنی اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیئے تھی ویسی تعظیم انہوں نے نہیں کی اور اللہ کو ویسا نہیں پہچانا جیسا مناسب تھا، اور نہ اس کی صفات کا صحیح اندازہ کیا۔ اسی لئے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔

قوی ہے، یعنی تمام ممکنات کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔

عزیز ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے اس پر کوئی چیز غالب نہیں اور دوسرے معبود، عاجز، بے بس ہیں حقیر ترین مخلوق بھی ان پر غالب ہے وہ ادنیٰ چیز سے بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے

وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

اور آدمیوں میں

فرشتوں کے کام:

یعنی بعض فرشتوں سے پیغامبری کا کام لیتا ہے مثلاً جبریل علیہ السلام، اور بعض انسانوں سے جن کو خدا اس منصب کے لئے انتخاب فرمائے گا ظاہر ہے ان کا درجہ دوسری تمام خلائق سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض فرشتے اللہ کے قاصد ہیں، اللہ کے احکام وحی کے ذریعہ انبیاء تک پہنچاتے ہیں اور لوگوں کی روحیں قبض کرنے اور رزق پہنچانے میں بھی درمیانی واسطہ کا کام انجام دیتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے مرسل ملائکہ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ عزرائیلؑ وغیرہ ہیں آدمیوں میں سے اللہ کے پیغمبر سب لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں، اللہ کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدمؑ تھے، اور سب سے آخر رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت اتری جب مشرکوں نے کہا تھا ءَاُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا کیا ہماری جماعت میں سے اس (معمولی) شخص پر قرآن اتارا گیا (اور اس کو نبی بنایا گیا حالانکہ ہم میں بڑے بڑے سردار اور عزت رکھنے والے لوگ موجود ہیں) اس کی تردید میں فرمایا کہ پیغمبر بنانے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے پیغمبری کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۷۵﴾
اللہ سنتا دیکھتا ہے

یعنی ان کی تمام باتوں کو اور ان کے ماضی و مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے اس لئے وہ ہی حق رکھتا ہے کہ جس کے احوال واستعداد پر نظر کر کے منصب رسالت پر فائز کرنا چاہے فائز کر دے اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسٰلَتَهٗ (انعام رکوع ۱۵) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی ساری خلق میں بہتر وہ لوگ ہیں پیغام پہنچانے والے فرشتوں میں بھی وہ فرشتے اعلیٰ ہیں، ان کو (یعنی ان کی ہدایات کو) چھوڑ کر بتوں کو مانتے ہو کس قدر بے تکی بات ہے۔

يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ؕ
جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے
وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾
اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی

سب اختیار اللہ کے پاس ہے:

یعنی وہ بھی اختیار نہیں رکھتے، اختیار ہر چیز میں اللہ کا ہے (کذافی الموضح)

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا مخلوق کی تقدیریں لکھیں سنن کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے دریافت کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اسے قلم نے قلم بند کر لیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ سو سال کی راہ میں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو پیدا کیا اور مخلوق کی پیدائش سے پہلے جب کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تھا قلم کو لکھنے کا حکم دیا اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا میرا علم جو مخلوق کے متعلق قیامت تک کا ہے، پس قلم چل پڑا اور قیامت تک کے ہونے والے امور جو علم خدا میں تھے اس نے لکھ لئے پس اسی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں فرمارہا ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان وزمین کی ہر ایک چیز کا میں عالم ہوں پس یہ اس کا کمالِ علم ہے کہ چیز کے وجود سے پہلے اسے معلوم ہے بلکہ لکھ بھی لیا ہے اور وہ سب یونہی واقع میں ہونے والا ہے بندوں کے تمام اعمال کا علم ان کے عمل سے پہلے خدا کو ہے وہ جو کرتے ہیں اس کرنے سے پہلے اللہ جانتا تھا ہر فرمانبردار اور نافرمان اس کے علم میں تھا اور اس کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور ہر چیز اس کے علمی احاطے کے اندر ہی اندر تھی اور کچھ یہ امر خدا پر مشکل بھی نہ تھا سب کتاب میں تھا اور رب پر بہت ہی آسان۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا
اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو
رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۩ ﴿۷۷﴾
اپنے رب کی اور بھلائی کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو

کامیابی کا نسخہ:

شرک کی تقبیح اور مشرکین کی تفضیح کے بعد مومنین کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم اکیلے اپنے رب کی بندگی پر لگے رہو۔ اسی کے آگے جھکو۔ اسی کے حضور میں پیشانی ٹیکو۔ اور اسی کے لئے دوسرے بھلائی کے کام کرو۔ تا کہ دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

رکوع وسجود کی اہمیت:

رکوع اور سجود سے مراد ہے نماز یہ دونوں نماز کے ضروری ارکان ہیں جن کے بغیر نماز کا وجود ہی نہیں ہوتا قرأت وقیام وغیرہ بھی ارکان ہیں لیکن اتنے اہم نہیں ہیں ضرورت کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں، گونگے سے قراءت ساقط ہے جو کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس سے قیام ساقط ہے رکوع وسجود کا سقوط کسی وقت نہیں ہوتا اسی لئے امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ جو شخص سر کے اشارہ سے بھی رکوع وسجود نہ کر سکتا ہو وہ نماز مؤخر کر دے (آئندہ جب قدرت ہو تو ادا کر لے) اشارہ ابرو یا صرف نیت قلب سے نماز نہیں ہو سکتی۔

عبادت کرو، یعنی اس طور سے عبادت کرو جو اللہ کی عبادت کا مقرر طریقہ ہے۔

اور نیکی کرو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے قرابتداروں سے اچھا سلوک کرنا ان کو جوڑے رکھنا اور اعلیٰ اخلاق اختیار کرنا۔ بظاہر لفظ خیر عام ہے اس کے اندر ہر نیکی داخل ہے تمام اچھے کاموں کو یہ لفظ شامل ہے مراد یہ ہے کہ جو بھلائی کا کام ہے وہ کرو۔

لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ فلاح پانے کی امید رکھتے ہوئے یہ تمام نیک کام کرو، یعنی یقین مت کرو کہ تمہارے یہ نیک کام قطعی طور پر تم کو بامراد کر دیں گے امید رکھو کہ کامیاب ہو گے۔

اعمال پر بھروسہ نہ کرو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی کے ذریعہ سے یہ حکم آیا کہ تمہاری امت میں جو لوگ میرے اطاعت گزار ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ قیامت کے دن جس شخص کو میں حساب فہمی کے مقام پر کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو ضرور عذاب دوں گا (یعنی حساب فہمی میں سختی کروں گا اور درگزر سے کام نہ لوں گا تو لامحالہ وہ شخص عذاب میں ماخوذ ہو جائے گا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (ہلاک شدہ نہ سمجھو) اور ناامید نہ ہوں کیونکہ میں بڑے بڑے گناہگاروں کو بخش دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہوگی۔ رواہ ابونعیم عن علی رضی اللہ عنہ۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہر) آدمی کے لئے تین رجسٹر نکال کر لائے جائیں گے ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال درج ہوں گے ایک رجسٹر گناہوں کا ہوگا جس میں گناہوں کا اندراج ہوگا اور ایک رجسٹر اللہ کی نعمتوں کا (جس میں اللہ کی وہ تمام نعمتیں درج ہوں گی جو اس بندے کو عطا فرمائی گئی ہوں گی) پھر اللہ اپنی سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا اپنے مقابلہ میں اس بندے کے نیک (اعمال میں سے کسی) عمل کا انتخاب کر لے نعمت اپنے مقابلہ پر سب نیک اعمال کو لے آئے گی (اور پھر بھی سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں نعمت کا پلڑہ بھاری رہے گا) نعمت عرض کرے گی اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے اپنے مقابل ایک ایک کر کے ساری نیکیاں لے لیں اور ساری نیکیاں ختم ہو گئیں اب گناہ رہ گئے عمل صالح (تو ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں) ختم ہو گئے۔ اگر اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیرے لئے تیری نیکیاں چند گنا کر دیں اور تیرے گناہوں سے میں نے اعراض کیا اور تجھ کو اپنی نعمت بخش دی۔

مسئلہ: کیا آیت مذکورہ میں سجدہ تلاوت واجب ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ امام مالک، سفیان ثوری اور کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں یہاں سجدہ واجب نہیں اس جگہ سجدہ سے مراد تو نماز کا سجدہ ہے۔

میں کہتا ہوں اس باب میں موقوف کو مرفوع کا درجہ حاصل ہے (کیونکہ کسی آیت میں سجدہ تلاوت ہونے یا نہ ہونے کا مدار محض روایت پر ہے اگر ان صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو خود ایسا نہیں فرماتے) سجود تلاوت کے مسائل ہم نے سورت انشقاق میں مفصل بیان کر دیئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ
اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیے اس کے واسطے محنت

اصل مقصد کیلئے کوشش:

اپنے نفس کو درست رکھنے اور دنیا کو درستی پر لانے کے لئے پوری محنت کرو جو اتنے بڑے اہم مقصد کے شایان شان ہو۔ آخر دنیوی مقاصد کی کامیابی کے لئے کتنی محنتیں اٹھاتے ہو۔ یہ تو دین کا اور آخرت کی دائمی کامیابی کا راستہ ہے جس میں جس قدر محنت برداشت کی جائے انصافاً تھوڑی ہے (تنبیہ) لفظ مجاہدہ میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے۔ اور جہاد کی تمام قسمیں جہاد مع النفس، جہاد مع الشیطان، جہاد مع الکفار، جہاد مع البغاۃ، جہاد مع المبطلین، اس کے نیچے مندرج ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ لفظ جہاد اور مجاہدہ کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنے اور اس کے لئے مشقت برداشت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ کفار کے ساتھ قتال میں بھی مسلمان اپنے قول فعل اور ہر طرح کی امکانی طاقت خرچ کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی جہاد کہا جاتا ہے اور حق جہاد سے مراد اس میں پورا اخلاص اللہ کے لئے ہونا ہے جس میں کسی دنیوی نام و نمود یا مال غنیمت کی طمع کا شائبہ نہ ہو۔

جہاد کیا ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حق جہاد یہ ہے کہ جہاد میں اپنی پوری طاقت خرچ کرے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت پر کان نہ لگائے۔ (معارف مفتی اعظم)

جہاد اکبر اور جہاد اصغر:

عبداللہ بن مبارک نے کہا نفس اور نفسانی ہوا اور ہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر اور حق جہاد ہے۔

بغوی نے بیان کیا، روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے تو فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ بیہقی نے الزہد میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ غازی لوگ حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید فرمایا، اور فرمایا تم لوگ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔

عرض کیا گیا جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا، بندہ کا اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد کرنا بیہقی نے کہا اس کی سند میں ضعف ہے۔

جہاد کا وسیع مفہوم:

میں کہتا ہوں اس آیت میں جہاد سے صرف کفار سے جنگ کرنا ہی مراد نہیں ہے۔ رفتار آیت اس تخصیص کے خلاف ہے ترتیب آیت میں خاص کے بعد عام کا ذکر کیا گیا ہے پہلے وَاسْجُدُوْا وَارْكَعُوْا فرمایا کہ نماز کا حکم دیا اس کے بعد عام عبادت کا حکم دیا جس میں نماز بھی داخل ہے اس کے بعد ہر عمل خیر کو اختیار

کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے اندر اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، تمام نمازیں، روزے، کافروں سے جنگ، اخلاقِ کریمہ اختیار کرنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے سنن اور مستحبات کو بھی یہ حکم شامل ہے اس کے بعد جہاد کا حکم دیا۔

بعض کے نزدیک جُہد اور جَہد دونوں کے معنی ہیں، وسعت اور طاقت لیکن مشقت اور انتہائی کوشش کے لئے صرف لفظ جَہد کا استعمال ہوتا ہے جہاد اور مجاہدہ (باب مفاعلۃ) جَہد سے ہی بنا ہے۔ یعنی طرفین سے انتہائی کوشش و مشقت۔ دشمن سے جنگ کرنے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے طرفین سے غالب آنے کی انتہائی کوشش ہوتی ہے اور ہر فریق اپنی انتہائی وسعت و طاقت صرف کرتا ہے اور قولی و عملی جہاد کرتا ہے۔

اخلاص: فِی اللّٰہ یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور مضبوط کرنے کیلئے بعض نے فی اللہ کا ترجمہ کیا ہے لوجہ اللہ خالص اللہ کیلئے۔

کوئی وجہ نہیں کہ جہاد کو کافروں سے جنگ کے لئے مخصوص سمجھ لیا جائے بلکہ اس سے مراد ہوگا تمام گفتار رفتار اور اطوار میں اخلاص اور یہ اخلاص اسی وقت حاصل ہوگا جب نفس اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کی جائے کیونکہ جب تک دل کی صفائی نہ ہو اور نفس کو فنا نہ کر دیا جائے اس وقت تک اخلاص کا حصول ممکن نہیں اور دل کی صفائی اور فناء نفس اس وقت ممکن ہے جب نفسِ امارہ اور اس کی خواہشات سے جہاد کیا جائے لیکن اسی کے ساتھ مشکوٰۃ نبوت سے نور چیننی بھی لازم ہے اسی کو اصطلاح میں سلوک اور جذب کہا جاتا ہے قدماء مفسرین کے اقوال میں اسی کو اخلاص کہا گیا ہے۔ صوفی جب نفس کو فنا کر دیتا ہے اور دل کی صفائی اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا شمار مخلصین میں ہو جاتا ہے اس وقت وہ کسی کے بُرا کہنے کی پروا نہیں کرتا اور بغیر دکھاوٹ اور شہرت طلبی کے خالص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، ہر دم اس کی فرماں برداری کرتا ہے، کبھی نافرمانی نہیں کرتا در حقیقت یہی جہادِ اکبر ہے۔ کافروں سے لڑنا تو جہاد کی ایک ظاہری شکل ہے بلکہ تمام عبادتیں جہاد کی صورتیں ہیں اگر خالص لوجہ اللہ نہ ہو تو بیکار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تمام اعمال نیت کے ساتھ ہوتے ہیں ہر شخص کے لئے وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی پس جس شخص نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھر بار اور وطن چھوڑا تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ متفق علیہ بروایت حضرت عمر بن خطابؓ۔

یہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں جس نے کوئی (نیک) عمل کیا اور میرے ساتھ دوسرے کو بھی اس میں شریک کر لیا تو میں اس (کے) عمل سے بیزار ہوں۔ اس کا یہ عمل اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

جہادِ اکبر اور شیخ کی صحبت:

اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ تم جہاد اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد ہے اور یہ شیخِ کامل کی صحبت سے مرید کو حاصل ہوتا ہے کافروں سے جنگ کرنے کے بعد جب صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برکتِ صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے اور انوارِ رسالت کی کچھ کرنوں کا پرتو ان کے دلوں پر پڑا تھا تو ان کے دل پاک صاف ہو گئے اور نفس کی نفسانیت فنا ہو گئی۔ صحابہ نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے صحابہ کا یہ قول بھی بلاشک صحیح تھا، کافروں سے جنگ کرنے کے وقت اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن دشمن سے لڑنے کی طرف ان کی کامل توجہ تھی کفار کی مدافعت ہی ان کے پیش نظر تھی دوسری طرف ان کی توجہ ہی نہ تھی یا تھی تو کمزور تھی لیکن جب مدینہ میں پہنچ کر امن کے ساتھ صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل توجہ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انوارِ رسالت سے نور چیننی کا زیادہ موقع ملا۔ اور علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کرنے کی کامل فرصت ملی۔ اور یہی سب سے بڑا جہاد تھا۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ
اُس نے تم کو پسند کیا

امتِ محمدیہ کا انتخاب:

کہ سب سے اعلیٰ و افضل پیغمبر دیا اور تمام شرائع سے اکمل شریعت عنایت کی تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے تم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمام بنی اسماعیل میں کنانہ کا انتخاب فرمایا، پھر کنانہ میں سے قریش کا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کا پھر بنی ہاشم میں سے میرا انتخاب فرمایا۔ (رواہ مسلم۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

حضرت مؤلف نے فرمایا، اللہ نے تم کو اپنے نبی اور حبیب کی مصاحبت کے لئے تمام لوگوں میں سے منتخب فرما لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ نے (سارے انسانوں میں سے) مجھے منتخب فرما لیا اور میرے لئے میرے ساتھی منتخب فرما دیئے اور ساتھیوں میں سے میرے لئے سسرالی رشتہ دار اور مددگار منتخب فرما دیئے۔

حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرما رہے تھے اللہ نے اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنا دیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنی ہاشم میں مجھے انتخاب فرمایا۔ رواہ مسلم۔

ترمذی کی روایت میں ہے ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسمٰعیل کو چھانٹ لیا اور اولاد اسمٰعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ
اور　نہیں رکھی　تم پر　دین میں　کچھ　مشکل

دین میں مشکل نہیں ہے:

دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم خود اپنے اوپر ایک آسان چیز کو مشکل بنالو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل پر (سخت احکام کے) جو بار تھے (اور سخت بندشیں تھیں) اللہ نے اس امت سے ان کو ساقط کر دیا۔

میں کہتا ہوں دین میں تنگی نہ رکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے شرعی احکام کی پابندی کو مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ نہیں رہنے دیا، احکام شرعی کی پابندی تمہارے لئے طبعی مرغوبات سے بھی زیادہ لذیذ ہوگئی۔ اجتبا (وامتیاز) کی یہی خصوصیات لازمہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نماز میں میری خنکیٔ چشم بنادی گئی ہے۔ رواہ احمد والنسائی والحاکم (وصححہ) والبیہقی عن انسؓ۔

اور دین میں تم پر تنگی نہیں کی یعنی ایسی تنگی اور سختی نہیں کی جس کی تعمیل و تکمیل تمہارے لئے سخت ہو جاتی۔

گناہوں سے نکلنے کا راستہ:

بعض اہلِ تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مومن جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے لئے گناہ کی سزا سے نکلنے کا راستہ ضرور بنا دیتا ہے، توبہ کے ذریعہ سے ہو یا دنیوی سزا اور اداءِ حقوق کی صورت میں ہو یا کفارہ دے کر ہو، بہر حال اللہ نے دینِ اسلام میں ایسی تنگی نہیں رکھی کہ کسی طرح اس گناہ سے پاک ہونے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ گزشتہ امتوں کے لئے بعض گناہوں سے توبہ کرنے اور توبہ قبول ہونے کا اللہ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

بعض اہلِ علم نے کہا تنگی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اداء فرائض کے اوقات میں کوئی اشتباہ نہیں رکھا، فرائض کو ادا کرنے کے اوقات مقرر فرما دیئے مثلاً ہلالِ رمضان، ہلالِ فطر وقتِ حج وغیرہ۔

بوقتِ ضرورت سہولت:

یعنی ضرورت کے وقت سہولت کا باب کھول دیا مثلاً سفر میں نماز کا قصر۔ پانی نہ ملنے یا نقصان رساں ہونے کی صورت میں تیمم۔ سخت ضرورت کے وقت مردار کو کھانا، مجبوری کے وقت بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر نماز ادا کرنا۔ کلبی نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو جتنا ہو سکے اس کی تعمیل کرو۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان فرمایا کہ اس دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے اور عذاب آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکلے۔ بخلاف پچھلی اُمتوں کے کہ اُن میں بعض گناہ ایسے بھی تھے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہ ہوتے تھے۔

کوئی نا قابل برداشت حکم نہیں دیا:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت و شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کئے گئے تھے جن کو قرآن میں اِصر اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس اُمت پر ایسا کوئی حکم فرض نہیں کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے اس دین کے احکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جو فی نفسہ نا قابلِ برداشت ہو۔ باقی رہی تھوڑی بہت محنت و مشقت مگر قرآن سے پہلے اُن کا یہ نام تجویز کر دینا قرآن میں اسی نام سے موسوم کرنے کا سبب بنا اس لئے اس کی نسبت بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرف کر دی گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ
دین　تمہارے باپ　ابراہیم　کا

حضرت ابراہیم کی مِلّت:

ابراہیم علیہ السلام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس لئے ساری امت کے باپ ہوئے، یا یہ مراد ہو کہ عربوں کے باپ ہیں کیونکہ اولین مخاطب قرآن کے وہ ہی تھے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ واعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم فرمایا کرتے تھے میں یک طرفہ اور بالکل آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا تھا خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا آسانی کرنا سختی نہ کرنا۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی حدیثیں ہیں حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ تمہارے دین میں کوئی تنگی و سختی نہیں۔

ابن ابی حاتم میں حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! اپنے غصے کے وقت تو مجھے یاد کر لیا کر میں بھی اپنے غضب کے وقت تجھے معافی عطا فرما دیا کروں گا اور جن پر میرا عذاب نازل ہوگا میں تجھے ان میں سے بچالوں گا برباد ہونے والوں کے ساتھ تجھے برباد نہ کروں گا اے ابن آدم جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر وسہار سے کام لے مجھ پر نگاہیں رکھ میری مدد پر بھروسہ رکھ میری امداد پر راضی رہ یاد رکھ میں تیری مدد کروں یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تو آپ اپنی مدد کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جہنم کا ایندھن:

نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص جاہلیت کے دعوے اب بھی کرے (یعنی باپ دادوں پر حسب نسب پر فخر کرے اور دوسرے مسلمانوں کو کمینہ اور ہلکا خیال کرے) وہ جہنم کا ایندھن ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم) اگرچہ وہ روزے رکھتا ہو اور نمازیں بھی پڑھتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نام تمہارے رکھے ہیں انہی ناموں سے پکارو اور پکر واؤ مسلمین، مؤمنین اور عباد اللہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

قریش کی حیثیت

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ قائم رہو) یہ سورت مکی ہے اس لئے بظاہر آیت میں خطاب قریشی مومنوں کو ہے اور دوسرے لوگ ذیلی طور پر اس میں داخل ہو جائیں گے (کیونکہ قریش کے علاوہ بہت کثرت سے ایسے لوگ تھے جن کے نسبی مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم نہ تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس معاملہ میں دوسرے لوگ قریش کے پیرو ہیں، مسلمان مسلمان قریشیوں کے اور کافر کافر قریشیوں کے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خیر وشر میں لوگ قریش کے پیرو ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک تمام عرب کو خطاب ہے کیونکہ سارے عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

حضرت ابراہیم تمام امت کے باپ ہیں

بعض نے کہا کہ تمام مسلمان مخاطب ہیں حضرت ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ تھے اور امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باپ کی طرح ہیں۔ (نسبی نہیں بلکہ) آپ تمام مسلمانوں کی ابدی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی حضور کی ہی عطا کردہ تھی اسی لئے اللہ نے فرمایا وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں تم کو تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بیت الخلا میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے نہ پشت کر کے اور دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان عن ابی ہریرہؓ۔

مشرکوں کا دعویٰ:

اہل مکہ کو دین ابراہیمی مرغوب تھا، مسلمانوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔ مشرکوں کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اس خیال کی تردید میں اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارا یہ گمان غلط ہے دین ابراہیمی پر تو شریعت محمدی پر چلنے والے ہیں ملت محمدی ہی ملت ابراہیمی ہے دوسری آیت میں فرمایا ہے ابراہیمؑ سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کے متبع ہیں اور یہ نبی اور (اس نبی پر) ایمان والے لوگ بھی۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا
اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں

تمہارا نام مسلم ہے:

یعنی اللہ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم رکھا (جس کے معنی حکم بردار اور وفا شعار کے ہیں) یا ابراہیمؑ نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جب کہ دعا میں کہا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (بقرہ رکوع ۱۵) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہر حال تمہارا نام مسلم ہے۔ گو اور امتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی ٹھہرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ
تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر
وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر

امت محمدیہ کے انتخاب کا مقصد:

یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور امتوں کو سکھاؤ اور رسول تم کو سکھائے۔ اور یہ امت جو سب سے پیچھے آئی یہی غرض ہے کہ تمام امتوں کی غلطیاں درست کرے اور سب کو سیدھی راہ بتائے۔ گویا جو مجد وشرف اس کو ملا ہے اسی وجہ سے ہے کہ یہ دنیا کے لئے معلم بنے اور تبلیغی جہاد کرے۔

تنبیہ: دوسرے مفسرین نے شہید اور شہداء کو بمعنی گواہ لیا ہے۔ قیامت کے دن جب دوسری امتیں انکار کریں گی کہ پیغمبروں نے ہم کو تبلیغ نہیں کی اور پیغمبروں سے گواہ مانگے جائیں گے تو وہ اُمت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے، یہ اُمت گواہی دے گی کہ بیشک پیغمبروں نے دعوت و تبلیغ کر کے خدا کی حجت قائم کر دی تھی۔ جب سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جواب دیں گے کہ ہمارے نبی نے اطلاع کی جس کی صداقت پر خدا کی محفوظ کتاب (قرآن کریم) گواہ ہے۔ گویا یہ فضل و شرف اس لئے دیا گیا کہ تم کو ایک بڑے عظیم الشان مقدمہ میں بطور معزز گواہ کے کھڑا ہونا ہے لیکن تمہاری گواہی کی سماعت اور وقعت بھی تمہارے پیغمبر کے طفیل میں ہے کہ وہ تمہارا تزکیہ کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت میں اعزاز:

ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن میں اور میری امت والے، اونچے ٹیلوں پر ہوں گے اور اوپر سے مخلوق کو دیکھ رہے ہوں گے ہر شخص کی دلی خواہش ہوگی کہ وہ ہم میں سے ہو جائے (یعنی ہمارے پاس ٹیلہ پر آ جائے) اور کوئی نبی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی قوم نے اس کی تکذیب نہ کی ہو اور ہم شہادت دیں گے کہ اس نے اپنی قوم کو اپنے رب کا پیام پہنچا دیا تھا۔

فرشتوں، پیغمبروں اور امتوں سے سوال:

ابن مبارک نے الزہد میں لکھا ہے ہم کو ابن سعد نے اپنے چچا کے بیٹے پر محول کرتے ہوئے اطلاع دی کہ ابوجبلہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اسرافیل کو بلایا جائے گا اور اللہ اس سے فرمائے گا کیا تو نے میرا پیام پہنچا دیا تھا۔ اسرافیل جواب دیں گے جی ہاں میں نے جبرئیل کو تیرا پیام پہنچا دیا تھا۔ جبرئیل کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا اسرافیل نے تجھے میرا پیام پہنچا دیا تھا، جبرئیلؑ جواب دیں گے جی ہاں اس قول پر اسرافیل سبکدوش ہو جائیں گے۔ اللہ جبرائیلؑ سے فرمائے گا پھر تو نے میرے حکم کی کیا تعمیل کی جبرئیل عرض کریں گے میں نے وہ حکم پیغمبروں کو پہنچا دیا تھا۔ پھر پیغمبروں کو طلب کیا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا کیا جبرئیلؑ نے تم کو میرا حکم پہنچا دیا تھا، پیغمبر عرض کریں گے جی ہاں۔ دریافت کیا جائے گا پھر تم نے میرے حکم کا کیا کیا پیغمبر جواب دیں گے ہم نے (اپنی اپنی) امتوں کو پہنچا دیا اس پر امتوں کو طلب کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کیا تم کو پیغمبروں نے میرا حکم پہنچا دیا تھا کچھ لوگ اپنے جواب میں انبیاء کی تکذیب کریں گے اور کچھ تصدیق کریں گے انبیاء عرض کریں گے ہمارے پاس تبلیغ حکم پر شہادت دینے والے گواہ موجود ہیں اللہ فرمائے گا شاہد کون ہے انبیاء عرض کریں گے محمد کی امت (شاہد ہے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو تیرا حکم پہنچا دیا تھا) چنانچہ امتِ محمدی کو طلب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم شہادت دیتے ہو کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو میرا حکم پہنچا دیا تھا محمد کی امت والے جواب دیں گے جی ہاں (ہم اس کی شہادت دیتے ہیں) اس وقت انبیاء کی امتیں کہیں گی اے ہمارے رب (یہ لوگ تو ہمارے بعد پیدا ہوئے تھے) انہوں نے تو ہمارا زمانہ نہیں پایا، پھر یہ کیسے شہادت دے رہے ہیں۔ اللہ فرمائے گا تم لوگوں نے تو ان امتوں کا زمانہ نہیں پایا پھر کس طرح ان پر شہادت دے رہے ہو؟ امتِ محمدی کہے گی، اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا تھا اور ہم پر ایک کتاب اتاری تھی اور اس کتاب میں بیان کیا تھا کہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو تیرا پیام پہنچا دیا۔ یہی مضمون ہے آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کا اس آیت کی تشریح میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بخاری وغیرہ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کی تفصیل سورت بقرۃ کی اسی آیت کی تفسیر کے موقع پر ہم نے کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ
سو قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ
مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾
تمہارا مالک ہے سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار

اپنے نام ولقب کی لاج رکھو:

یعنی انعامات الٰہیہ کی قدر کرو، اپنے نام ولقب اور فضل و شرف کی لاج رکھو۔ اور سمجھو کہ تم بہت بڑے کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ اس لئے اول اپنے کو نمونہ عمل بناؤ۔ نماز، زکوٰۃ بالفاظ دیگر بدنی و مالی عبادات میں کوتاہی نہ ہونے پائے، ہر کام میں اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ ذرا بھی قدم جادہ حق سے ادھر اُدھر نہ ہو۔ اس کے فضل و رحمت پر اعتماد رکھو۔ تمام کمزور سہارے چھوڑ دو۔ تنہا اسی کو اپنا مولیٰ اور مالک سمجھو۔ اس سے اچھا مالک و مددگار اور کون ملے گا رب اجعلنا من مقیمی الصلوۃ و موتی الزکوۃ والمعتصمین بک والمتوکلین علیک۔ فانت مولا ناداصرنا فنعم المولی انت ونعم النصیر تم سورۃ الحج بفضلہ ومنہ لہ الحمد وعلیٰ نبیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (تفسیر عثمانی)

احسانات کی قدر کرو:

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر ایسے احسانات عظیمہ فرمائے ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ احکام الٰہیہ کی پابندی میں پوری کوشش کرو اُن میں سے اس جگہ نماز اور زکوٰۃ

کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ بدن کے متعلقہ اعمال و احکام میں نماز سب سے اہم ہے اور مال سے متعلقہ احکام میں زکوٰۃ سب سے زیادہ اہم گویا مراد تمام ہی احکام شرعیہ کی پابندی کرنا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ ہی پر بھروسہ رکھو:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور (اپنے تمام امور میں) اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کے سوا کسی اور سے کسی کام میں مدد طلب نہ کرو۔ حسن نے کہا وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے اپنے رب سے مانگو وہ تمام مکروہات سے تم کو محفوظ رکھے گا۔ بعض نے کہا اپنے رب سے دعا کرو تا کہ وہ دین پر تم کو ثابت قدم رکھے۔

قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامو:

بعض کا قول ہے کہ اعتصام باللہ کا معنی ہے قرآن اور سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کا طریقہ۔ رواہ مالک فی المؤطا مرسلاً حضرت عصیف بن حارث یمنی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں پیدا کی کسی قوم نے (اپنے دین کے اندر بلا ثبوت) کوئی نئی بات مگر (اس کے مقابلہ میں) ویسی ہی ایک سنت اٹھا دی گئی (مطلب یہ ہے کہ دین کے اندر جب کوئی نئی بات داخل کی جائے گی تو اللہ کے رسول کی سنت اتنی ہی مٹتی چلی جائے گی) پس سنت کو پکڑے رہنا (دین میں) بدعت کو ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ رواہ احمد۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہی تمہارا مددگار ہے وہی تمہارا محافظ ہے۔ وہ تمہارے کاموں کا کارساز، ذمہ دار ہے۔

اللہ ہی بہتر مددگار ہے:

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ وہی تمہارا سب سے اچھا کارساز اور اچھا مددگار ہے۔

فَنِعْمَ میں سببیت کے لئے ہے، یعنی جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تمہارا کارساز و مددگار ہے تو بس وہی سب سے اعلیٰ کارساز و مددگار ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس کے سوا کوئی دوسرا کارساز و مددگار ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ ذی الحجہ ۱۲۰۳ھ کو سورۃ حج کی تفسیر ختم ہوئی

☆....☆....☆....☆